پیرس کی نمائش کے لئے ہوائی مستقر کا ماڈل

لندن میں ایندھن سے چلنے والے کارخانوں کو کوئلہ کی کمی
کی وجہ سے تیل سے چلایا جا رہا ہے

چین کے لئے انگریزی انجن

سروجنی نائڈو کی شاعری

آپ گاتے ہیں تو سوجاتی ہے میری قسمت
ساز کے پردہ میں کہتا ہے فسانہ کوئی

ڈاکٹر مسز سروجنی نائڈو، ہندوستان کی قابل فخر اور نوجوانان ہند کی محترم راہنما دنیا کی مختلف تہذیبوں کی بیک وقت علمبرداری کا فخر حاصل کئے ہوئے اور آپ کی ذات گرامی اکھنڈ ہندوستان کی علمبردار بنگال کی ولدیت اور بنگال نسل کے ساتھ ساتھ حیدرآباد کی مستقل سکونت۔ بمبئی کے قیام کے باعث ہندو مسلم تہذیب دونوں کی آئینہ دار۔ برٹش انڈیا اور ریاستی دونوں کی وحدت کی جلوہ دار اور سب سے بالاتر کون قوم اور کون جماعت ہے جو مسز نائڈو کو اپنا نہیں سمجھتی؟

سچ پوچھئے تو آپ کی ذات گرامی تنہا مسٹر جناح کی دو قومیت والی نظریئے کو یہ ایک انداز ہم آہنگی غلط اور باطل ثابت کر دیتی ہے۔ ہاں ایک جماعت ہے جو آپ کو اپنائیت اور یگانگت سے محروم ہے اور وہ ذات الفتنہ پرستوں اور تفرقہ پردازوں کی ہے جو ہندوستان کو دو قوموں میں تقسیم کر کے اور لڑا کر اپنا اقتدار قائم رکھنے کے ساعی ہیں۔

سچ یوں ہے کہ مسز نائڈو اس اتحاد واتفاق کی علمبردار ہیں جس کے بغیر ہندوستان کو نجات نہیں مل سکتی۔

مگر مسز نائیڈو کی دلکشی یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ اپنی شاعرانہ جدوجہد سے آپ نے ہندوستان کو ایک بین الاقوامی درجہ دے دیا ہے لطف یہ کہ انگریزی زبان کی یہ بلند پایہ شاعرہ خود مغربی اثرات سے متاثر نہیں آج جبکہ معمولی پڑھی لکھی ہندوستانی خواتین مغرب زدہ ہو کر مشرقی آداب معاشرت سے بیگانہ ہو چکی ہے۔

مسز نائیڈو پر اس کا عشر عشیر بھی اثر نہیں بلکہ نسائیت اور نسوانی انداز جو خواتین مشرق کا طرۂ افتخار صدیوں سے چلا آتا ہے آج اس مغربی دور میں بھی مسز نائڈو کی ذات گرامی میں بدرجہ اتم جلوہ فرما ہے جس سے مشرق اور مغرب دونوں آن کی آن میں مسحور ہو جاتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ آپ غیر زبان کی شاعرہ ہیں مگر کلام کے ہر ٹکڑے سے مشرق اور ہندوستان کی جھلک نمایاں اور صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بلبل کا ترانہ گو بدیسی زبان میں ہے مگر اس کے لئے طرز ادا وہی ہے جس کے اہل مشرق حافظ اور عمر خیام اور سعدی کے زمانے سے متوالے چلے آتے ہیں۔ یہ ذوق فطری ہو یا اکتسابی ہو نغمہ انگریزی ہو یا مغربی مگر نے اور دھن ہندی ہے اور ایشیائی جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں جس سے دنیائے شاعری میں ایک امتیازی مرتبہ حاصل ہے۔ اور صاف ثابت ہو جاتی ہے کہ ہندوستان کے بنگالی نرکل سے بنی ہوئی بانسری لندن کے بزم طرب سے اٹھا اٹھا کر خراج تحسین حاصل کر رہی ہے۔

آپ کی نظم سنئے کہ یہ شعر ؎

موت کے جھونکے بجھاتے ہیں چراغ زندگی
آہ اس تاریک دل میں عشق کی تابندگی

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ مشرقی درد اور برو گ سے خالی ہے۔ یا ماتھی کا گیت پڑھنے والا کیسے کہے گا کہ ہندوستانی جذبات سے خالی ہیں۔

" ہاں لب نازک کو میرے چوم کر خاموش کر "

یا

" یہ عیش کی ساعت ہے رونے کو بہت دن ہیں "

یا

" ... مضطرب شوق میں چھوٹا ہے دامان خیال "

کاش ہندوستان میں آج ایک سے زائد سروجنی ہوتیں تو اس بدنصیب ملک کے دن پھر جاتے مگر اس کی امید کہاں بقول جناب حالی مرحوم ؎

قیس سا پھر کوئی اٹھا نہ بنی عامر میں
فخر ہوتا ہے زمانہ کا سدا ایک ہی شخص

۱۷۳۹ء میں مرہٹوں نے اس شہر کو لوٹا اتفاق سے بارہ ہزار فوج پرتگال سے اسی زمانے میں آ گئی اس لئے گوا پر مرہٹہ فوج کا قبضہ نہیں ہوا ۱۸۳۱ء اور ۱۸۹۵ء میں باشندوں نے بغاوت کر دی جس کے فرد کرنے کے لئے پرتگال سے شاہ کو آنا پڑا۔ انیسویں صدی میں کچھ دنوں گوا والوں کو پرتگالی شہریت کے حقوق حاصل تھے اور گوا ان کو اعلیٰ عہدے بھی ملے مگر ایسے عہدہ داروں کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ البون ڈی بربٹو آخری صدی میں وزیر صحت تھا ڈاکٹر آلما نڈا آزاد صدر سپریم کورٹ لسبن ڈاکٹر کیٹا لو گو نسلیوز جج سپریم کورٹ ڈاکٹر البرٹو زوریسکا تیری جنرل وزارت مال یہ سب گوا کے تھے۔

مگر اب یہ باتیں نہیں ہیں بلکہ اب حکومت نوآبادیات کے شوق نے پرتگالیوں کو اندھا بنا دیا ہے اس حیثیت سے حالت ناقابل برداشت ہے۔ شہری حقوق منقطع ہیں اور پرتگالی پالیسی کے نکتہ چینوں کا کورٹ مارشل ہوتا ہے ان باتوں سے گوا والے بیکار ہو گئے ہیں اور حصول آزادی کی جدوجہد کا کامل تہیہ کر چکے ہیں۔

بم اور سرنگیں

ایک بم عام طور پر ۱۳ من وزنی ہوتا ہے لیکن جو بم سینٹ پال گرجا پر گرایا گیا اس کا وزن ۲۷½ من تھا۔ اسے کھینچنے کے لئے دو لاریاں استعمال کی گئیں اور کئی کئی سو گز کے فاصلے پر مکانات خالی کرائے گئے۔

سرنگیں دو قسم کی ہوتی ہیں مقناطیسی اور غیر مقناطیسی۔ ان میں سے مقناطیسی سرنگیں جرمنی نے زیادہ استعمال کیں ایک سرنگ کا وزن عموماً ۱۰۰۰ پونڈ ہوتا ہے اور اس میں بارود بھرا ہوتا ہے۔

مقناطیسی سرنگ سمندر پر تیرتی رہتی ہے اور جو نہی کوئی جہاز اس کے نزدیک سے گذرتا ہے مقناطیس کے اثر کی وجہ سے اس سے ٹکرا کر پھٹ جاتی ہے۔

بندرگاہ گوا

براعظم ایشیا میں پرتگالیوں نے سب سے پہلے گوا پر قبضہ جمایا۔ پرتگالی قبضہ سے پہلے یہاں جہاز ولایت ہرمز سے عربی گھوڑے لائے جاتے تھے اور یہی بندرگاہ تھا جہاں سے مسلمان حج کے لئے جہازوں پر سوار ہوتے تھے۔

اس وقت بندر گوا بہت خوش حال شہر اور مشہور بندرگاہ تھا جس وقت پرتگالی آئے ہیں یوسف عادل شاہ بادشاہ بیجاپور اس کا حکمران تھا۔ ۱۰ فروری ۱۵۱۰ء کو پرتگالی جنرل البوقرق نے جہازی بیڑہ سے گوا پر حملہ کیا۔ اور بلا کسی مقابلے کے شہر پر قابض ہو گیا جس کی ایک وجہ یہ ہوئی کہ ایک ہندو سادھو نے یہ مشہور کیا کہ پرتگال سے جنگ میں فتح نہ ہو گی اور شہر پر ان کا قبضہ ہو کر رہے گا۔

خیر اس وقت تو پرتگالی بغیر جنگ کے قابض ہو گئے مگر تین ماہ بعد یوسف عادل شاہ نے ساٹھ ہزار فوج لے کر گوا کے واپس لینے کا عزم کیا اور پرتگالیوں کو اپنے جہازوں پر پناہ لینی پڑی۔ یہ کیفیت چار ماہ تک رہی نومبر میں البوقرق پھر ایک زبردست بیڑہ اور فوج لے کر پہونچا لیکن عادل شاہ نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا مگر شکست ہوئی۔ اور البوقرق نے ساری مسلم آبادی کو شہید کر دیا اور ہندو رعایا کی تالیف قلوب شروع کی انہیں سول اور مذہبی آزادی دی رسم ستی کو منسوخ کیا اور پرتگالیوں اور ہندوؤں میں شادی بیاہ کا ڈول ڈالا۔ مگر البوقرق کے جانشینوں نے ہندو رعایا پر بھی سختی سے حکومت شروع کی اور ان کو سختی سے عیسائی بنانا شروع کر دیا۔

۱۵۷۵ء سے ۱۶۲۵ء تک گوا میں خوشحالی تھی سینٹ فرانسس زیویر اور دوسرے یورپین سیاح اس کی تائید کرتے ہیں مگر سترہویں صدی میں جبکہ ڈچ ایشیا میں پہونچے تو گوا کا زوال شروع ہو گیا تھا ۱۶۰۳ء اور ۱۶۳۹ء ڈچ جہازوں نے گوا کو اس طرح محصور کر رکھا تھا کہ سمندری راستہ بند ہو گیا تھا۔ میں طاعون سے بہت سے لوگ مرے ...

جرمنی کے ہونیوالے لیڈر

جرمنی میں جو ابتری رونما ہے اس کے لحاظ یہ امر ضرور دلچسپ ہوگا کہ آئندہ کون لوگ جرمنی کے لیڈر ہوں گے۔

نازیوں کی تباہی کے بعد اب نئے نئے لوگ اٹھ رہے ہیں اور آئندہ کے لئے آج تیار ہو رہے ہیں رسالہ فان سل میں الی نوریننو نے اس کا جواب دیا ہے کہ میں ان ہونے والے لیڈروں سے ملا ہوں۔ میری نظر میں تین شخصوں پر پڑی ان میں سے ایک تو سر نہ جھکانے والا کارشو ہیملفر مغربی علاقہ میں ہے اور برطانوی مقبوضہ کے سوشل ڈیموکریٹ پارٹی کا لیڈر ہے اس کی کوشش یہ ہے کہ بالکل نوعمر نازیوں کو جو پارٹی کے غلبہ سے نا واقف تھے عام معافی دی جائے چنانچہ انگریزوں نے اس مطالبہ کو مان لیا جس سے شوہیملفر کا اقتدار بڑھ گیا۔

یہ شخص پہلے ہٹلر کے نظر بند کیمپ میں تھا آج اسے یہ فکر ہے کہ اپنے ہم وطنوں کو اپنا ہم خیال بنائے۔

شوہیملفر کی مخالفت پر وہ گروہ آمادہ ہے جو بخوشی یا بسختی آج کمیونسٹوں کا ہمنوا ہے اور جنھوں سوشلسٹ یونٹی پارٹی بنائی ہے اوٹو گروٹوہل ساکن برلن اس کا لیڈر ہے اور یہ بہت ملنسار اور خوش اخلاق ہے۔ میں اس سے اس وقت ملا جب اسے یہ حکم ملا کہ آدھی رات کو مارشل ژوکوف کے کیمپ میں حاضری دے گروٹوہل کے متعلق اس کے پرانے رفقاء کا یہ خیال ہے کہ وہ روسیوں سے دب کر مل گیا ہے اس لئے اس سے نفرت کرتے ہیں مگر اسے اس امر سے انکار ہے کہ وہ روسیوں سے دب گیا ہے بلکہ اس کا خیال ہے کہ تمام مزدوروں کے اتحاد میں اس کی ضرورت ہے۔

مگر اس سے بڑا ہوا کمیونسٹ ولیم پلک ہے جو ایک وقت میں ہٹلر سے قبل ریشٹاگ میں کمیونسٹ ڈپٹی تھا گو عمر ۷۰ سال کی ہے مگر بہت کم عمر معلوم ہوتا ہے وہ دوست دشمن سب سے کشادہ پیشانی سے ملتا ہے یہ اچھا مقرر اور پرانے طرز کا مدبر ہے یہ پکا کمیونسٹ ہے۔

ان کے علاوہ ایک اعلیٰ جرمن بھی ہے جس کا سر بالوں سے صاف چکنا ہے نوجی آدمی ہے اور عیسائی ڈیماکریٹک پارٹی کا سردار ہے اور متعدد اتحادیوں کا خیال ہے کہ برلن جیکب کیسر ہی آئندہ جرمنی کا لیڈر ہوگا۔

۱۹۴۴ء میں ہٹلر کے خلاف اس نے ہی سازش میں حصہ لیا تھا جس کے بعد سے وہ روپوش تھا۔ مگر اس کی لیڈری میں اس وجہ سے شبہ ہے کہ عوام میں یہ استبدادی اور تعلقہ داروں کا حامی مشہور ہے مگر مجھے یقین ہے کہ موقع کا وہ منتظر ہے اور ایک نہ ایک دن وہ قائم ہے گا۔

مکہ معظمہ میں حاجیوں کی سالانہ اوسط دو لاکھ نفوس ہوتی ہے جس میں ایک چوتھائی جزائر شرق الہند کے حجاج کی ہوا کرتی ہے تقریباً بیس ہزار حاجی برطانوی ہند سے جاتے ہیں۔

ریاست نیپال ۵۰۰ میل لمبی اور ڈیڑھ سو میل چوڑی ہے تبت اور برطانوی ہند کے درمیان واقع ہے ۱۹۲۳ء میں برطانیہ نے ایک معاہدہ کے ذریعے اسے خود مختار تسلیم کر لیا۔ ساری ریاست ہمالیہ پہاڑ میں ہے ایک جانب برہمپترا اور دوسری جانب گنگا بہتی ہے اس کا صدر مقام کھٹمنڈو ہے اس کی آبادی ساٹھ لاکھ (تخمیناً) ہے جس میں ۵۰ ہزار سپاہی ہیں۔

جزیرہ مڈغاسکر جو افریقہ کے مشرق میں ہے ایک پرند ملتا ہے جس کا انڈا ایک فٹ لمبا ہوتا ہے۔

جزیرہ قبرص (بحیرۂ روم) میں لرناکا لنکارا۔ اپناگونیا۔ نکوشیا۔ زیگی اور کلاواسو میں سونے کی کانیں ہیں یہ جزیرہ پہلے ترکی کا تھا اب برطانوی حکومت کا جزو ہے۔

نیوزی لینڈ میں شتر مرغ کے مشابہ ایک پرند ملتا ہے جس کے پر نہیں ہوتے اسے ماؤ کہتے ہیں

دلچسپ معلومات

امریکہ کا قرضہ

گذشتہ جنگ عظیم میں یورپین طاقتوں نے امریکہ سے جو قرضہ لیا تھا وہ ابھی تک ادا نہیں ہوا ہے پچھلے دنوں واشنگٹن میں جو اعداد و شمار شائع کئے گئے تھے ان سے متعلق مندرجہ ذیل ملکوں نے امریکہ کو ابھی مندرجہ ذیل قرضہ ادا کرنا ہے:۔

نام ملک	رقم
برطانیہ	۵۴۹۷۰۶۹۳۷۹ ڈالر
فرانس	۴۱۸۰۶۲۸۸۱۹ "
اٹلی	۲۰۲۴۱۵۰۴۴۱ "
جرمنی	۱۲۵۹۸۷۰۴۳ "
آرمینیا	۲۳۸۰۳۱۰۴ "
بلجیم	۴۵۳۳۲۴۴۰۰ "
چیکوسلواکیہ	۱۶۵۷۶ "
استھونیا	۲۱۰۲۹۴۴۰ "
فن لینڈ	۸۸۳۳۱۵۹ "
آسٹریا	۲۶۰۱۱۶۷۲ "
یونان	۳۴۵۲۳۶۲۵ "
ہنگری	۲۳۸۸۷۳۰ "
لٹویا	۸۶۶۸۳۶۵ "
لتھوانیا	۷۷۶۰۶۰۸ "
پولینڈ	۲۶۳۱۶۶۳۹۸ "
رومانیہ	۶۳۹۹۹۴۷۶ "
روس	۳۹۴۹۹۲۰۹۲ "
یوگوسلاویہ	۶۱۷۷۹۰۶۲ "

جرمنی نے ۱۹۳۴ء میں قرضہ ادا کرنے سے انکار کر دیا تھا اور روس نے ۱۹۴۰ء میں آرمینیا۔ استھونیا۔ لٹویا اور لتھوانیا پر قبضہ کر لیا اس لئے ان ملکوں کی طرف سے بھی امریکہ کو قرضہ کی ادائیگی بند ہوگئی۔

آسٹریا بلجیم چیکوسلواکیا اور پولینڈ پر جرمنی کا قبضہ ہے اس لئے یہاں سے بھی امریکہ کو قرضہ بند ہوگیا۔ امریکہ نے احتیاطی طور پر ان ملکوں کی کفالتیں ضبط کر لی ہیں جن پر روس اور جرمنی کا قبضہ ہے۔ لیکن روس اور جرمنی کی کفالتیں امریکہ میں محفوظ ہیں۔

دریائے چناب پنجاب اور کشمیر میں نہایت اہم دریا ہے۔ ہمالیہ سے نکلتا ہے اس کی دوشاخیں تاندی اور بھاگا ہیں جو خود دریائے جہلم سے ترمنو پر ملتی ہے پنجاب اور دریائے چناب دو نہریں ہیں جو اپر گوجرانوالہ سیالکوٹ اور لائل پور کے اضلاع کی پچیس لاکھ ایکڑ زمین کو سیراب کرتی ہیں اس لحاظ سے یہ دونوں نہریں دنیا میں سب سے بڑی ہیں دریا صرف ۰۰۰ میل لمبا ہے اور اس میں جہاز رانی بھی ہو سکتی ہے

شطرنج کا کھیل اب سے چودہ سو سال پہلے رائج ہوا تھا اور یورپ میں اسے عربوں نے پہونچایا۔

جرمنی کی سابق نوآبادیاں

جرمنی کی سابق نوآبادیاں حسب ذیل ہیں جو معاہدہ وارسائی کی رو سے اس سے چھین لی گئی تھیں ذیل میں ان نوآبادیوں کے ساتھ ہی ان طاقتوں کے نام بھی درج ہیں جنھیں یہ نوآبادیاں چھین کر دی گئی تھیں

۱۔ جنوبی مغربی افریقہ (یونین آف ساؤتھ افریقہ)۔

۲۔ نیوگنی — آسٹریلیا

۳۔ نارو (آسٹریلیا) یہ وہی جزیرہ ہے جس پر دسمبر میں ایک جرمن جنگی جہاز نے گولہ باری کی تھی۔

۴۔ مغربی سموا — (نیوزی لینڈ)

۵۔ نیرین لیسٹرلین مارشل — جاپان

۶۔ ٹانگانیکا — برطانیہ

۷۔ کیمرون — برطانیہ اور فرانس

۸۔ ٹوگولینڈ — (" ")

۱۹۲۹ء سے نیپال میں بھی لائٹ ریلوے جاری ہے جو امیلکنج سے ۲۵ میل تک جاتی ہے اس میں صرف مسافر ہی سفر کرتے ہیں۔

ماہرین نے حساب لگایا ہے کہ سورج زمین سے ۰۰۰ ۱۳ گنا بڑا ہے اور ۰۰۰ ۳۳ گنا زیادہ وزنی ہے

دیوزادوں کی لڑائی کا میدان

سی SEE میگزین میں تھیوڈ وہلج وہائٹ لکھتا ہے کہ ۱۹۳۱ء میں تو تنہا جاپان نے پیدست و پا چین کے خلاف جنوبی منچوریا میں جنگ شروع کی تھی مگر اب کی جو تیسری عالمگیر جنگ ہوگی وہ روس اور امریکہ سے دو دیو زادوں میں ہوگی اور اس کا میدان جنگ شمالی منچوریا کے گیہوں اور جوار کے کھیت ہوں گے جہاں سے امریکہ کی کمزور سرحد شروع ہوتی ہے۔

چین میں تقریباً پچاس کروڑ کی آبادی ہے اس میں سے نصف آبادی تو ۳۰ برس کی عمر میں ہو جاتی ہے اور ما بقی نصف فاقہ کشی اور پریشانی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ان میں خانہ جنگی کا زور رہتا ہے لیکن اگر ان کی تنظیم ہو جائے تو امن کے لئے نہ صرف بحر پاسفک (الکاہل) میں جنگ کا خطرہ نہیں رہے گا بلکہ موجودہ دنیا کے لئے خطرناک مصیبت بن جائیں گے۔

اقتدار کس کا ہوگا؟

اس وقت دنیا کے سامنے یہ سوال ہے کہ چین کے وسیع خطہ اور لا انتہا غیر مکمل سامان اور ذرائع پر روس کا اقتدار ہوگا یا امریکہ کا؟

اگر چین میں اتحاد ہو جائے تو اس کا جواب آسان ہے مگر یہ بات ناممکن ہے اس وقت چین میں دو زبردست متحارب جماعتیں ہیں:-

(۱) چیانگ کائی شک کی قومی پارٹی اور

(۲) چین کی کمیونسٹ پارٹی

ان میں سے ایک کا حامی روس ہے اور دوسری کا امریکہ۔

امریکہ ۲۰ سال چیانگ کائی شک کی مدد پر ہے۔ بحیثیت صدر چیانگ نہایت ہوشیاری سے کام کر رہا ہے وہ نہ تمباکو پیتا ہے نہ شراب نوشی کا عادی ہے اس کے چہرے پر جھینپ نام کو نہیں اور بہت سے امریکن اسے قدیم چینی نیکی کا مجسمہ سمجھتے ہیں اور وہ اپنی حیثیت سے چین کا زبردست حب وطن قرار دیتے ہیں وہ چین پر سختی سے حکومت کرتا ہے۔ اس کی خفیہ پولیس سب پر حاوی ہے اور وہ انہیں خاموشی سے لاپتہ کر دیتی ہے اس نے سنسر یہ اصول مقرر کیا ہے کہ عوام کو صرف وہ خبریں ملتی رہیں جو حکومت انہیں دینا چاہے اگر کوئی پبلک میں آج آزاد خیالی سے اظہار کرے تو کل اس کا پتہ نہ ملے گا کہ اس کا کیا ہوا۔

عمال

خود چیانگ رشوت سے بالاتر ہے اسے دولت کی پروا نہیں محض حصول اقتدار کا شوق ہے مگر اس کے ماتحت اقتدار کو حصول دولت کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں۔ چین کے مقامی حکام نے عوام کو لوٹ کر تباہ کر دیا ہے اور چینی جہاں تسلیم کرتے ہیں کہ چیانگ قومی ہیرو ہے وہیں اس کے عمال کی رشوت ستانی سے نالاں ہیں۔

چیانگ کو روس سے نفرت ہے اور ۱۹۲۰ء میں ماسکو کی ابتدائی تعلیم سے جہاں اس نے آمریت کا فن سیکھا ہے وہیں وہ روسیوں سے متنفر بھی ہے اس امر کا اسٹالن اور اس کی جماعت کو پتہ ہے۔

بیس برس ہوئے کہ چیانگ اور اسٹالن حلیف تھے اسٹالن اس وقت ٹراٹسکی سے اقتدار کے حصول کے لئے لڑ رہا تھا۔ اس وقت وہ مغربی یورپ میں سرمایہ داری اور خود چینی جنگی نوابین کے مقابلے میں چیانگ کا حامی اور مددگار تھا ٹراٹسکی نے پیشین گوئی کی تھی کہ چیانگ روس کو دغا دے گا چنانچہ وہی ہوا جو ٹراٹسکی نے کہا تھا ٹراٹسکی کو اسٹالن نے شکست دی مگر ٹراٹسکی کی بابت سچی ہوئی چیانگ نے اسٹالن کی مخالفت کی جسے اسٹالن بھی معاف کرنے والا نہیں ہے اور اسے اس کی بھی خبر ہے کہ کومن ٹانگ روس کی سخت مخالف ہے اور روسیوں کو اس کا صدمہ ہے کہ امریکہ کیوں چیانگ کی مدد کر رہا ہے اور اب روس چینی کمیونسٹ جماعت کی مدد پر ہے کسان کمیونسٹوں کے حامی ہیں۔ چینی کمیونسٹ آٹھ سال تک جاپانیوں سے لڑتے رہے ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دیہاتوں میں اصلاح کر کے بنیادی طور پر اعلیٰ مدارج کی اصلاح کرتے ہیں اور کسانوں کو جنگ کے لئے مضبوط بنا دیتے ہیں۔ کمیونسٹ کوئی جادو نہیں کرتے بلکہ کسانوں کی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے پورا کر دیتے ہیں ان میں جھوٹ بولنے فریب کرنے اور عہد شکنی میں بھی دریغ نہیں کرتے۔ انہیں جنگ کرتے بیس برس ہو گئے اور پانچ سال سے ان کا پلہ بھاری ہے جس کے باعث کومن ٹانگ کو بار بار امریکہ سے امداد لینی پڑ رہی ہے۔

اب مسئلہ یہ آن پڑا ہے کہ امریکہ کو اپنے مفاد کا چین میں تحفظ کرنا ہے جس کے لئے چیانگ کی امداد کرنی پڑتی ہے اور نتیجتاً کمیونسٹ پارٹی کو روس سے مدد ملتی رہتی ہے۔

۱۹۴۴ء میں امریکی افسران جنرل اسٹلول اور سفیر کلیرنس گوس نے یہ تجویز پیش کی کہ چیانگ کائی شک ایک پارٹی کی حکومت کو ختم کر کے حکومت میں ہر جماعت کو شرکت کا موقع دے مگر لوگوں کو اس پالیسی پر عمل نہیں ہوا اور امریکہ اب تنہا چیانگ کی مدد پر ہے اور جب چیانگ نے شمالی چین میں کمیونسٹوں کے خلاف پیش قدمی کی تو امریکہ نے ساتھ دیا اور امریکی بحری فوج اس کے مرکز کی محافظ رہی۔

اس کے جواب میں روس چین میں پورٹ آرتھر کا بندرگاہ چاہتا ہے تاکہ وہ بحر الکاہل میں امریکی پیش دستوں کو جواب دے سکے۔

روس نے منچوریا کے ذرائع پر تاخت کی تاکہ اپنی حالت درست کرے اور چیانگ کی حالت کمزور ہو۔ اس کے علاوہ روس ہر طرح چیانگ کی مخالفت کر رہا ہے اور علانیہ کمیونسٹ جماعت کی حمایت پر تلا ہوا ہے اور روسی ریڈیو نے اعلان کر دیا ہے کہ اگر امریکہ یوں ہی چیانگ کی مدد کرتا رہا تو روس کھلم کھلا کمیونسٹوں کی مدد کرے گا۔ اور یہ ایسی صورت ہے جس سے روس اور امریکہ میں براہ راست جنگ ہو جائے گی۔

چینی مسئلہ کا حل آسان نہیں ہے۔ امریکہ کا سب سے بڑا مدبر جنرل مارشل چین میں اصلاح حال کے لئے بھیجا گیا اور اس نے دونوں چینی جماعتوں کو بہت سمجھایا۔ مگر جب تک امریکہ ایک جماعت کی مدد پر تلا رہے گا اس جنرل کی کوشش رائیگاں رہے گی۔ بعض امریکنوں کا یہ خیال ہے کہ ہمیں چیانگ کی مدد کرنی چاہئے۔ تاکہ روس کی پیش قدمی روکی جا سکے۔

ضرورت اس کی ہے کہ چین سے روس اور امریکہ دونوں اپنا اپنا اثر ہٹا لیں اور چین میں ہر جماعت کی مشترکہ جمہوریہ قائم ہو یہی ایک صورت ہے جس سے تیسری جنگ عمومی سے نجات مل سکتی ہے۔

زندگی

"رادھا تیری بھی تو شادی ہونے والی ہے۔ تیرا دولہا بھی اسی طرح گھوڑے پر آکر تجھے لے جائے گا!"

سروجہ نے رادھا کو کوٹھے پر سے سامنے جاتی ہوئی برات کی طرف اشارہ کرکے شرارت کے لہجہ میں کہا

"تمہیں تو بس ایک ہی بات سوجھتی ہے شادی دولہا، شادی دولہا، اگر کچھ دن یہی عالم رہا تو دوسری شادی کی فرمائش کرو گی" رادھا نے چٹکی لی۔

"خیر تم بے فکر رہو۔ تمہارے جیجا ساجن کو پسند نہ کروں گی"

یہ برجستہ جواب سن کر رادھا ساری چوکڑی بھول گئی اور شرماتی ہوئی کوٹھے پر سے بھاگی ——— آخر ایک دن وہ بھی آیا کہ رادھا دلھن بنی۔ سکھی سہیلیوں نے اسے خوب بنایا سنوارا: ڈھولک کی گمٹ گمٹ کی آواز گونجی اور خوشیوں کے گیت گائے گئے اسی دن رادھا کتنی سندر لگ رہی تھی وہ خود کو آئینہ میں دیکھ کر شرما گئی تھی اسے اسی دن معلوم ہوا کہ وہ اتنی حسین ہے اس نے ایک بار چاروں طرف نظر دوڑائی کسی کو نہ پاکر غرور سے ذرا اکڑ کر آئینہ کے سامنے کھڑی ہو گئی اور اپنے آپ کو مختلف اداؤں سے دیکھنے لگی۔

"ابھی سے قتل کے سامان ہو رہے ہیں؟" سروجہ نے یکایک کمرے میں داخل ہو کر جملہ چست کیا اور رادھا نے اپنے منہ کو مہندی سے رنگے ہوئے ہاتھوں سے چھپا لیا اور لجا کر منہ پھیر لیا"

تو کسی نے اسی موقع کے لئے کہا ہے شاید ؎

تنہا نہ وہ ہاتھوں کی حنا لے گئی مل کر
مکھڑے کو چھپانے کی ادا لے گئی دل کر

سروجہ نے دروازے پر کھڑے کھڑے کہا

"جو من میں آئے کہہ لو میں تمہیں آج کچھ نہ کہوں گی،" رادھا نے منہ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"مجھ سے کاہے کو بولو گی آج، پھر ان سے کون بولے گا"

"یہ بات نہیں سروجہ آج تو میں دلھن۔۔۔۔"

اتنے میں دوسری سکھی سہیلیاں بلائے ناگہانی کی طرح کمرے میں آدھمکیں اور سب مل کر رادھا کو بنانے لگیں "ہاں ہاں ہم سب جانتے ہیں کہ آج تم دلھن ہو، مزدہ ہو مگر یہاں آج اعلان کرنے کی کیا ضرورت ہے"

———

رادھا کا بیاہ ہوئے آج مہینوں بیت چکے تھے اور اب گھر میں اس کا نہ مان تھا نہ وہ شان، وہ ساس جو پہلے اسے سر آنکھوں پر بٹھائے رکھتی تھی اب بات بات پر جھڑکی اور سخت سست کہنے سے کبھی نہ چوکتی نندیں بھی منہ بنا کر بات کرتیں اور پتی ——— وہ صبح سے دفتر کے فائلوں سے الجھ جاتے پھر چائے پی کر فائلوں کا پلندہ بغل میں دبائے دفتر کا راستہ لیتے، شام کو تھکے ماندے آتے کچھ دیر فائلوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتے پھر کھانا کھا کر تھکے ماندے جو سوتے تو صبح آنکھ کھلتی اور رادھا بیچاری صبح سے شام تک کولھو کے بیل کی طرح گھر کے کام کاج میں لگی رہتی۔ گھر بھر کا کام اور پھر اس کی اکیلی جان ——— اور اس پر اوردتحسین تو کجا اوپر سے الٹی جھڑکیوں اور گالیوں سے اس کے دکھے ہوئے دل کو چھید ا جاتا ——— وہ سب کچھ سنتی ان سنی کرتی اور اپنے کام کاج میں لگی رہتی۔ اسے اتنی مہلت ہی نہ تھی کہ وہ کسی کو کسی بات کا جواب دے اور پھر وہ ایک طرح سے ان باتوں کی عادی سی ہو گئی تھی۔ شروع کی طرح اب اسے یہ باتیں اتنی کڑوی نہ لگتی تھیں ——— اور اگر کوئی کڑوی بھی لگتی تو وہ کیا کر سکتی تھی اس پر قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ وہ دو سال کے بعد ہی دو بچوں کی ماں بن گئی اب اس کے کام میں پہلے سے کافی اضافہ ہو گیا دم مارنے کی مہلت نہ ہوتی دن بھر بچوں کو نہلانے، دھلانے، کھلانے پلانے اور گھر کے کام کاج میں گزر جاتا اور رات گئے جب وہ بستر پر لیٹتی تو اس کا سارا جسم پھوڑے کی طرح دکھتا وہ کروٹ بدلنے تک میں تکلیف محسوس کرتی ——— اس کا پھول سا چہرہ جو کبھی کندن کی طرح دمکتا تھا اب بالکل بے نور تھا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے تھے۔ چہرہ پر وقت سے پہلے جھریاں پڑ گئی تھیں کوئی اسے دیکھ کر پہچان بھی نہ سکتا تھا۔ یہ وہی رادھا ہے جو آج سے دو سال پہلے تھی بالکل ادھ موا وہ اپنے بچوں کا بہت خیال رکھتی۔ اگر کبھی بچہ بیمار پڑتا تو تمام رات بھر اسے گود میں لئے بیٹھی رہتی بھگوان سے دعائیں مانگتی بچے کے غم میں اس کا کھانا پینا چھوٹ جاتا اور اس طرح اس کی صحت دن بدن بد سے بدتر ہوتی جا رہی تھی وہ جی رہی تھی مگر زندگی کے لطف سے بے نیاز ہو کر اپنے بچوں کے لئے اگر رات کو بچے اٹھتے یا رو دیتے تو رادھا خود ہی اٹھتی اور اپنے پتی کو کسی طرح کی تکلیف دینا پسند نہ کرتی۔

یہ دن رات کی مصیبت آخر کوئی کب تک جھیل سکتا ہے ایک تو افکار اس پر جسم کو مطلق آرام نہ ملنا۔ کیا یہ موت کے منہ میں گھسنے کے مرادف نہیں؟ رادھا دن بدن سوکھنے لگی اس کے جسم کو جسم نہ کہا جا سکتا تھا کیونکہ اب صرف ہڈیوں پر کھال رہ گئی تھی جسے ڈھانچہ کہنا زیادہ بہتر ہے۔

اس کا پتی سب کچھ دیکھ رہا تھا مگر اس کے کان پر جوں تک نہ رینگتی اسے رادھا سے کوئی دلچسپی نہ رہی تھی اس کے لئے اور بچوں کے لئے جو کچھ وہ کرتا محض ایک فرض سمجھ کر ورنہ اسے ان سے کوئی دلی انس نہ تھا۔ رادھا اس تغیر کو محسوس کر رہی تھی مگر وہ مشرقی بیوی تھی اس لئے کبھی حرف شکایت اس کی زبان پر نہیں آیا۔ اور اس کا انجام یہ ہوا کہ ایک دن ہاں ایک دن وہ حسرت و یاس سے اپنے لاڈلوں کو تکتی ہوئی اس جہان سے چل بسی بچے چیخ اٹھے! بچے ماں ماں کہہ کر پکارتے رہ گئے اور اسے ہمیشہ کے لئے ہر طرح کے دکھ درد سے نجات مل گئی۔ بچوں کی حالت دیکھ کر میرا دل بھر آیا اور میں اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکی۔ پھر تو میرا ضبط ٹوٹ گیا اور میں ہچکیاں لے لے کر رونے لگی ———

میری چیخ سن کر دوسرے کمرے سے اماں دوڑی ہوئی آئیں اور مجھے جھنجھوڑ کر کہا

"کیا ہوا راجو؟ تو نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے کیا؟" میری زبان سے کچھ نہ نکلا میں صرف "بھابی" کہہ کر رہ گئی۔

"تیری نکمی بھابی تو اپنے میکے گئی ہے بیماری کا بہانہ کرکے، اب چڑیل جب سے گھر میں آئی ہے ہمارے دن پھر گئے ہیں۔ اور اس کل موہی کو بھگوان وہیں ختم کر دے تو اچھا ہوگا" ماں نے چڑ کر کہا۔

"نہیں ماں یہ نہ کہئے اس کے ننھے ننھے پیارے پیارے بچوں کا پھر کیا حشر ہوگا"

"چپ رہ! کیا ہم مر گئے ہیں، ہم ان بچوں کی وہ منحوس زیادہ دیکھ بھال کر سکتی ہے، نہ جانے ماں کا سایہ پڑنے سے بچوں پر اس کا کیا اثر ہو"

ماں نے بہت بگڑ کر کہا اور میں کچھ کہے بغیر چپ چاپ غسل خانے کی طرف بڑھ گئی ——— میں نے سوچا کیا اسی کو زندگی کہتے ہیں؟ کیا یہی گرہستی ہے؟ کیا اسی کو جیون کا سکھ کہتے ہیں؟۔۔۔ اور میں نے خود کو لاجواب پایا۔

(عصمت)

بے غرض ملکی خدمت کرنا سیکھو

تکلیف کے وقت مضبوط بنے رہو

بے حیائی انسان کیلئے جوانمردی نہیں ہے۔

وزیر انصاف

از جناب سدرشن

یہ واقعہ آج سے ... ۲۵ سال پہلے کا ہے۔ ایک روز شام کے وقت جب آسمان پر بادل ابرا رہے تھے۔ بدھ گیا نامی گاؤں میں ایک پردیسی ششو پال برہمن کے دروازے پر آیا اور عاجزی سے بولا کیا مجھے رات کاٹنے کے لئے جگہ مل جائے گی۔

ششو پال اپنے گاؤں میں سب سے زیادہ غریب تھے۔ انتہائی غریبی نے بھوکے بیل کی طرح ان کی ہڈیوں کا پنجر نکال رکھا تھا ان کی گذر اوقات تھوڑی سی زمین پر ہوتی تھی لیکن پھر بھی پردیسی کو دروازے پر دیکھ کر ان کا منہ کھل گیا جیسے کنول کا پھول سورج نکلنے پر کھل اٹھتا ہے۔ انھوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آیئے! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ مہمان کے قدموں سے جھونکا (یا درچی خانہ) پاک ہو جائے گا۔

پردیسی اور برہمن دونوں اندر گئے ہندوستان میں مہمان نوازی کی عام عادت تھی ششو پال کے بچے نے مہمان کا خیر مقدم کیا۔ پردیسی خوش ہو گیا۔ اس نے برہمن سے کہا:۔

"آپ کا بچہ بڑے کام کا انسان ہے اس کی خدمت سے میں بہت خوش ہوا ہوں"

ششو پال نے اس طرح سر اٹھایا گویا کسی نے سانپ کو چھیڑ دیا ہو اور ناک بھوں چڑھا کر جواب دیا "آپ ہمارے مہمان ہیں ورنہ برہمن ایسے الفاظ نہیں سن سکتے۔

پردیسی نے اپنی غلطی پر نادم ہو کر کہا معاف کیجئے میرا یہ مقصد نہ تھا لیکن آج کل وہ برہمن کہاں ہیں اب تو آنکھیں ان کے لئے ترستی ہیں۔

ششو پال نے جواب دیا:۔

"برہمن تو اب بھی ہیں کمی صرف چھتر پال کی ہے۔"

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔"

ششو پال نے ایک طویل تقریر شروع کر دی جس کو سن کر پردیسی حیران ہو گیا ان کی باتیں اتنی صحیح اور موثر تھیں کہ پردیسی خوش ہو گیا اس چھوٹے سے گاؤں میں اتنا عقلمند، اتنا دیانتدار پنڈت ہو سکتا ہے اس کا اسے وہم و گمان بھی نہ تھا اس نے ششو پال کی اتنی قابلیت اور طرز حکومت کا اتنا زیادہ علم دیکھ کر کہا مجھے خیال نہیں تھا کہ گاؤں میں بھی ... مہاراج اشوک کو معلوم ہو جائے تو وہ آپ کو ضرور کسی اعلیٰ عہدے پر ضرور مقرر کر دیں۔

ششو پال کے خشک ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی جس کا دل اندر سے کڑھ رہا ہو جس کی آنکھیں آنسو برسا رہی ہوں جس کا دل و دماغ اپنے آپے میں نہ ہو اس کے ہونٹوں پر ہنسی ایسی خوفناک معلوم ہوتی ہے جیسے شمشان میں چاندنی بلکہ اس سے بھی زیادہ!

ششو پال کی نگاہیں نیچی ہو گئیں انہوں نے تھوڑی دیر بعد سر اوپر اٹھایا اور کہا۔

آج کل بڑی بے انصافی ہو رہی ہے جب دیکھتا ہوں میرا خون کھولنے لگتا ہے۔

پردیسی نے پینترا بدل کر جواب دیا کہ "شیر بکری ایک گھاٹ پانی پی رہے ہیں"

"رہنے دو میں سب جانتا ہوں۔" "عیب نکالنا آسان ہے مگر کچھ کر کے دکھلانا دشوار ہے۔"

ششو پال نے آگ پر پڑے ہوئے پتے کی طرح جھلس کر جواب دیا "موقع ملے تو دکھلا دوں کہ انصاف کسے کہتے ہیں؟

"تو آپ موقعہ چاہتے ہیں؟"

"ہاں۔ موقعہ چاہتا ہوں"

"پھر تو کوئی نا انصافی نہ ہوگی؟"

"بالکل نہ ہوگی"

"کوئی قصور وار سزا سے نہ بچے گا؟"

"کبھی نہیں بچے گا"

پردیسی نے کہا:۔

"یہ بہت مشکل ہے"

"برہمن کے لئے کچھ مشکل نہیں میں انصاف کا ڈنکا بجا کر دکھلا دوں گا"

پردیسی کے چہرے پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں چمک اس نے ہنس کر جواب دیا "اگر میں اشوک ہوتا تو آپ کی خواہش پوری کر دیتا۔

یکایک برہمن کے دل میں ایک شبہ پیدا ہوا لیکن دوسرے ہی لمحہ وہ دور ہو گیا جس طرح ہوا کے زبردست جھونکوں سے بادل کو اڑا لے جاتے ہیں۔

—— (۲) ——

دوسرے دن مہاراج اشوک کے دربار میں ششو پال بلایا گیا اس خبر سے گاؤں بھر میں ایک آگ سی لگ گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب مہاراج اشوک کی حکومت شروع ہوئی تھی تشدد کی پالیسی کا دور دورہ تھا اس وقت مہاراج اتنے سخت دل تھے کہ ان کی بے رحم نظر سے بڑے بڑے بہادروں کا خون خشک ہو جاتا تھا۔ لوگوں نے سمجھ لیا کہ ششو پال کے لئے یہ بلاوا موت کا پیغام ہے انہیں پورا یقین تھا کہ اب ششو پال زندہ نہ لوٹیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ششو پال کے رشتہ داروں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ لوگوں نے تسلی دینا شروع کی لیکن ششو پال کی پیشانی پر شکن نہ تھی وہ یہ کہتے تھے کہ جب میں نے کوئی قصور نہیں کیا حکومت کے کسی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی تو پھر کوئی مجھے پھانسی کیوں دینے لگا؟

یقیناً راجہ اتنا بے انصاف بے رحم نہیں ہو سکتا کہ بے قصور برہمنوں کو تکلیف دینے لگے۔ اور غم کی لہروں کے درمیان وہ اس طرح خاموش کھڑے تھے جس طرح سمندر کی چٹان۔ انھوں نے لڑکے اور بیوی کو سمجھایا اور پاٹلی پتر کی طرف روانہ ہوئے

شام ہو گئی تھی جب ششو پال پاٹلی پتر پہنچے اور جب شاہی محل میں پہونچائے گئے تو اس وقت تک ان کو کسی بات کا غم نہیں تھا لیکن راج محل کی چمک دمک کی ان پر ہیبت طاری ہو گئی جس طرح انسان تھوڑے پانی میں بے خوف رہتا ہے مگر گہرائی میں پہونچنے پر گھبرا جاتا ہے ان کے دل میں کئی قسم کے خیالات پیدا ہونے لگے کبھی سوچتے کہ کسی نے کوئی شکایت نہ کر دی ہو جو جی میں آتا ہے بے دھڑک ہو کر کہہ دیا کرتا ہوں کہیں اس کا پھل نہ بھگتنا پڑے کئی دشمن ہیں۔ کبھی سوچتے وہ پردیسی معلوم نہیں کون تھا ہو سکتا ہے کوئی جاسوس ہی ہو اور یہ آگ اسی نے لگائی ہو پھر تو اس نے سب کچھ کہہ دیا ہوگا کیسی بے وقوفی کی جو ایک اجنبی سے یوں گھل مل کر باتیں کرتا رہا اب پچھتا رہا ہوں کبھی سوچتے شاید میری غریبی کا قصہ یہاں تک پہنچ گیا ہو اور مہاراج نے کچھ دینے کو بلا بھیجا ہو۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے اس خیال سے دل کا کنول کھل جاتا مگر پھر دوسرے خیال سے مرجھا جاتا اتنے میں دربان نے کہا "مہاراج آ رہے ہیں"

ششو پال کا کلیجہ دھڑکنے لگا ان کو ایسا محسوس ہونے لگا گویا ان کا کلیجہ منہ تک آ گیا ہو۔ راجہ کا کتنا رعب ہوتا ہے اس کا انہیں پہلی بار تجربہ ہوا نظر دروازے کی طرف جم گئی۔ مہاراجہ اشوک شاہی شان و شوکت سے کمرے میں آئے اور مسکراتے ہوئے بولے:۔

"برہمن دیوتا۔ مجھے تو آپ نے پہچان ہی لیا ہوگا؟

ششو پال گھبرا کے کھڑے ہو گئے اس وقت ان کا ہر عضو کانپ رہا تھا۔ یہ وہی تھے۔

—— (۳) ——

ہاں یہ وہی تھے ششو پال لرز کر رہ گئے کون جانتا تھا کہ سردی کی رات میں ایک غریب برہمن کے یہاں پناہ لینے والا پردیسی ہندوستان کا راجہ ہو سکتا ہے ششو پال نے فوراً ہی اپنے دل پر قابو پا لیا اور کہا "مجھے معلوم نہ تھا کہ آپ ہی مہاراج ہیں ورنہ اتنی آزادی سے بات چیت نہ کرتا۔

مہاراج اشوک بولے "ہوں"، مگر میں نے کوئی بات بڑھا کر نہیں کہی تھی

"ہوں"

"میں ثبوت دے سکتا ہوں"

مہاراج نے کہا:۔

"میں نہیں چاہتا"

"تو مجھے کیا حکم ہوتا ہے؟"

"میں آپ کا امتحان لینا چاہتا ہوں"

ششو پال کے دل میں یکایک ایک خیال پیدا ہوا "کیا وہ سچ ہو جائیگا؟"

مہاراج نے کہا "آپ نے کہا تھا کہ اگر مجھے موقعہ دیا جائے تو میں انصاف کا ڈنکا

بچا دوں گا میں اس سلسلہ میں آپکا امتحان لینا چاہتا ہوں آپ تیار ہیں ؟

ششوپال نے ہنس کی طرح گردن اونچی کی اور کہا۔ ہاں اگر مہاراج کی یہی خواہش ہے تو میں تیار رہوں گا ۔

کل صبح سے تم وزیر انصاف مقرر کئے جاتے ہو سارے شہر پر تمہارا قبضہ ہوگا۔

" بہت بہتر "

" پاٹلی پتر کی پولیس کا ہر ایک افسر تمہارے ماتحت ہوگا اور امن بحال رکھنے کی ذمہ داری صرف تمہیں پر ہوگی "

" بہت بہتر "

" اگر کوئی حادثہ ہوگیا یا کوئی قتل ہوگیا تو اسکی ذمہ داری بھی تمہیں پر ہوگی "

" بہت بہتر "

مہاراج تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر ہاتھ سے انگوٹھی اتار کر بولے :۔

" یہ شاہی نشانی ہے تم کل صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ وزیر انصاف سمجھے جاؤ گے ۔ میں دیکھوں گا تم اپنے آپ کو کس طرح کامیاب وزیر ثابت کرتے ہو "

(۴)

ایک مہینہ گذر گیا وزیر انصاف کے عدل اور خوش انتظامی کی چاروں طرف دھوم مچ گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ششوپال نے سارے شہر پر جادو کر دیا ہو انھوں نے چوروں ڈاکوؤں کو اس طرح اپنے قبضہ میں کر لیا تھا جس طرح سانپ کو بین بجا کر سپیرا اپنے قبضہ میں کر لیتا ہے ۔

ان دنوں یہ حالت تھی کہ لوگ دروازے تک کھلے چھوڑ جاتے تھے ۔ مگر کسی کا نقصان نہ ہوتا تھا ۔ ششوپال کا انصاف اندھا اور بہرا تھا جو نہ صورت دیکھتا تھا نہ سفارش سنتا تھا صرف سزا دینا جانتا تھا اور سزا بھی سبق آموز ۔ شہر کی حالت میں زمین آسمان کا فرق ہوگیا تھا ۔

رات کا وقت تھا آسمان میں تارے کھیلتے تھے ایک عظیم الشان محل کے دروازے پر کسی نے دستک دی ۔ دریچے سے کسی عورت نے سر نکال کر پوچھا :۔

" کون ہے ؟ "

" میں ہوں دروازہ کھولو "

" مگر وہ یہاں نہیں ہیں "

" پروا نہیں تم دروازہ کھول دو "

عورت نے کچھ سوچ کر جواب دیا " میں اس وقت نہیں کھولوں گی تم اس وقت جاؤ "

امیر نے غصہ میں کہا ۔ دروازہ کھول دو نہیں تو میں توڑ ڈالوں گا "

عورت نے جواب دیا ۔ جانتے نہیں ہو شہر میں ششوپال کا راج ہے اب کوئی اس طرح زبردستی نہیں کر سکتا "

امیر نے تلوار نکال کر دروازے پر حملہ کیا ۔ یکایک ایک پہرے دار نے آکر اس کا ہاتھ تھام لیا اور کہا :۔

" کیا کر رہے ہو ؟ "

امیر نے اس کی طرف اس طرح دیکھا جیسے بھیڑیا بھیڑ کو دیکھتا ہے اور غصہ سے بولا تم کون ہو ؟

" میں پہرے دار ہوں ! "

" تم کو کس نے مقرر کیا ہے ؟ "

" وزیر انصاف نے "

" یہ تو تم نہ کر دیں اسے بھی مٹی میں ملا سکتا ہوں "

پہرے دار نے بیباکی سے جواب دیا " مگر اس وقت اگر مہاراج اشوک بھی آ جائیں تو میں نہ ٹلوں گا "

" کیوں موت کو بلا رہے ہو ؟ "

" میں نے جو عہد کیا ہے اسے پورا کروں گا "

" کس سے عہد کیا ہے ؟ "

" وزیر انصاف سے "

" کیا ؟ "

" یہی کہ جب تک جسم میں جان ہے اور جب تک خون کا آخری قطرہ بھی میرے جسم میں باقی ہے اپنے فرض سے کبھی پیچھے نہ ہٹوں گا "

امیر نے تلوار کھینچ لی ۔ پہرے دار نے پیچھے ہٹ کر کہا :۔

" آپ غلطی کر رہے ہیں میں ڈیوٹی پر ہوں "

مگر امیر نے ایک نہ سنی اور تلوار لے کر اس پر جھپٹا ۔ پہرے دار نے بھی تلوار کھینچ لی لیکن وہ ابھی نیا تھا پہلے ہی وار میں گر گیا اور مارا گیا امیر کا خون خشک ہوگیا اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اس کی یہ خواہش نہیں تھی کہ پہرے دار مر جائے بلکہ وہ اسے محض ڈرانا چاہتا تھا مگر زخم نازک جگہ پر لگا اور کاری لگا امیر نے اس کی لاش ایک طرف رکھ دی اور خود بھاگ گیا ۔

(۵)

صبح ہوتے ہر گھر میں اس واقعہ کا ذکر ہونے لگا لوگ حیران تھے کہ اتنی جرأت کیسے ہوئی کہ پولیس کے آدمی کو مار ڈالا اور پھر ششوپال کی وزارت کے زمانے میں دارالسلطنت میں تہلکہ مچ گیا پولیس کے آدمی چاروں طرف دوڑے پھرتے تھے گویا یہ ان کی موت و زندگی کا سوال تھا وزیر انصاف نے بھی معاملہ کی تفتیش کی اور رات دن ایک کر دیا ۔ یہ واقعہ ان کے عہد حکومت میں پہلا ہی تھا ان کو کھانے پینے کی فکر نہ رہی ، آنکھوں سے نیند اڑ گئی ۔ قاتل کی تلاش میں انھوں نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی ۔ مگر کچھ پتہ نہ لگا ۔

ناکامیابی کا ہر ایک دن اشوک کی آتش غضب کو زیادہ سے زیادہ بھڑکا رہا تھا وہ کہتے :۔

تم نے کتنے زور سے انصاف کا دعویٰ کیا تھا اب کیا ہوگا ؟ اور وزیر انصاف شرم سے سر جھکا لیتے ،

مہاراج کہتے :۔

" قاتل کب تک گرفتار ہوگا ؟ "

وزیر انصاف جواب دیتے :۔

" کوشش کر رہا ہوں جلد ہی گرفتار کر لوں گا " مہاراج کچھ دن ٹھہر کر پوچھتے ۔ قاتل گرفتار ہوا ؟ وزیر انصاف کہتے " نہیں "

مہاراج کا غصہ تیز ہو جاتا ان کی آنکھوں سے آگ کی چنگاریاں نکلنے لگتیں بادل کی طرح گرج کر کہتے :۔

" میں یہ " نہیں " سنتے سنتے تھک گیا ہوں "

اسی طرح ایک ہفتہ گذر گیا مگر قاتل کا پتہ نہیں لگا ۔ آخر مہاراج اشوک نے ششوپال کو بلا کر کہا تمہیں تین دن کی مہلت دی جاتی ہے اگر اس عرصہ میں قاتل گرفتار نہ ہوا تو تمہیں پھانسی دے دی جائے گی ۔

اس خبر سے شہر میں ہلچل سی مچ گئی ایک ہی مہینے میں ششوپال کافی ہر دلعزیز ہو چکے تھے ان کے انصاف کا چاروں طرف سکہ بیٹھ گیا تھا ۔ لوگ مہاراج کو گالیاں دینے لگے جہاں چار آدمی جمع ہوتے اسی بات پر باتیں کرنے لگتے ۔ وہ چاہتے تھے کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے ششوپال کا بال بیکا نہ ہو یہاں تک کہ تیسرا دن آ گیا اب پھر وہی رات کا وقت تھا ۔ مگر ششوپال کی آنکھوں میں نیند نہ تھی ۔ وہ شہر کے ایک گنجان بازار میں اکیلے گھوم رہے تھے کہ یکایک ایک مکان کی کھڑکی کھلی اور ایک عورت نے جھانک کر پوچھا چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی عورت نے کہا تم کون ہو ؟ پہرہ دار ؟ مایوسی کی تاریکی میں امید کی ایک کرن چمک گئی ششوپال نے جواب دیا ۔ نہیں میں وزیر انصاف ہوں "

" ذرا یہیں ٹھیرو "

عورت کھڑکی سے پیچھے ہٹ گئی اور چراغ لے کر دروازے پر آ گئی ۔ وزیر انصاف کو ساتھ لے کر وہ اپنے کمرے پر گئی اور بولی " آج آخری رات ہے " وزیر انصاف نے چبھتی ہوئی نظروں سے عورت کی طرف دیکھا اور جواب دیا " ہاں آخری "

الفاظ عام تھے ان کے معنی عام نہیں تھے ۔ عورت تلملا کر کھڑی ہو گئی اور بولی :۔

" میں اس واقعہ سے خوب واقف ہوں " ششوپال کے مردہ جسم میں جان سی آ گئی ، ضبط کر کے بولے کہو " رات کا وقت تھا قاتل نے اس مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا ۔ وہ یہاں اکثر آیا کرتا ہے " " لیکن کیوں " ؟ اس کی عادت اچھی نہیں " پھر "

میں نے جواب دیا کہ جس کے پاس تم آئے ہو وہ یہاں نہیں ہے مگر اس نے اسے غلط سمجھا اور دروازہ توڑنے پر آمادہ ہوا ، پہرہ دار نے اسے روکا اور اس کے ہاتھ سے مارا گیا ۔

وزیر انصاف نے پوچھا " مگر قاتل کون ہے ؟ "

عورت نے ان کے کان میں کچھ کہا اور سہمی ہوئی کبوتری کی طرح چاروں طرف دیکھا ۔

(۶)

دوسرے روز دربار میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی ۔ آج وزیر انصاف کی قسمت کا فیصلہ ہونے کو تھا اشوک نے تخت پر قدم رکھتے ہی کہا :۔

" وزیر انصاف "

ششوپال سامنے آئے اس وقت ان کے چہرے پر کوئی فکر کوئی پریشانی نہ تھی ۔

مہاراج نے پوچھا ۔ قاتل کا پتہ لگا ؟

وزیر انصاف نے جرأت کے ساتھ جواب دیا " جی ہاں لگ گیا "

وزیر انصاف نے سر جھکا کر سوچا اس وقت ان کے دل میں دو مخالف (بقیہ صفحہ ۹ پر)

چند اہم مقامات اور اُن کے حالات

عدن

عدن ہندوستان کا پھاٹک کہلاتا ہے پہلے یہ حکومت بمبئی کے ماتحت تھا اب امپیریل گورنمنٹ کے تحت ہے یہ بحر قلزم سے ایک سو میل ادھر بحر عرب میں مستحکم بندرگاہ ہے یہاں سے برطانوی جہاز کوئلہ لیتے ہیں۔ یہ پورٹ سعید سے ۱۴۰۰ میل اور بمبئی سے ۱۶۶۰ میل ہے۔ ۵۰ سال سے برطانیہ کے قبضہ میں ہے۔ جزیرہ پیرم۔ جزیرہ سقوطرہ۔ جزیرہ کوریا موریا اور حضر موت (عرب کا جنوبی حصہ) عدن ہی میں شامل ہیں۔

پیرم میں کوئلہ کا ذخیرہ ملتا ہے عدن سے تھالے تک جو تقریباً سو فٹ بلند جگہ ہے ۲۰ میل فاصلے کی ریل بنانے کی کئی مرتبہ تجویز ہوئی لیکن عربوں نے مخالفت کرکے بننے نہیں دی۔

عدن کا رقبہ قریباً اسی میل ہے اور جزائر سمیت ۱۴۰۰ مربع میل ہے اور آبادی پچاس ہزار ہے شہر عدن میں دو ہزار سے کچھ زائد مکان ہیں ساڑھے تین سو گز کی ایک سرنگ ہے جو شہر اور خانکلے کو ملاتی ہے عدن کی بندرگاہ کا نام تواہی ہے۔ عدن خود جبل احسان ۱۷۷۶ فٹ بلند ہے یہ پہاڑ آتش فشاں ہے بندرگاہ پانچ میل لمبی اور تین میل چوڑی ہے باب المندب سے عدن ۱۰۵ میل ہے یہاں بحری تار جاتا ہے اور بے تار برقی کا اسٹیشن بھی ہے جتنا مضبوط ہو سکتا ہے ماہرین نے اسے مستحکم بنانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا ہے۔

خلیج عدن تین سو میل لمبی اور دو سو میل چوڑی ہے حضر موت کا رقبہ ڈھائی لاکھ مربع میل ہے اور یہ سب عدن کی حکومت کے زیر اثر ہے۔

کالا پانی

مجمع الجزائر انڈمان خلیج بنگال میں برہما سے ۱۲۰ میل کے فاصلے پر ہیں جزائر نکوبار کو شامل کرکے ان سب کو ہندوستان کا حصہ سمجھا جاتا ہے ان میں چھ جزیرے بڑے ہیں شمالی وسطی اور جنوبی خورد بارہ تنگ اور انڈمان کل قریباً دو سو جزیرے ہیں ان کا رقبہ ۲۲۶۰ میل ہے ان میں کانٹے دار جنگل آتش فشاں پہاڑ اور پہاڑیاں ہیں شمالی انڈمان میں سیڈل پیک ۲۴۰۰ فٹ بلند ہے ان میں کئی قدرتی بندرگاہیں ہیں جو ایک حد تک مستحکم ہیں پورٹ بلیر صدر مقام اور مشہور بندرگاہ ہے پورٹ کارنواس اور اسٹوارٹ ساؤنڈ طوفانی موسم میں جہازوں کی پناہ گاہیں ہیں جنگلوں سے کافی تعداد میں سلیپر، چارا اور ناریل پیدا ہوتے ہیں اٹھارہویں صدی میں انگریزی نوآبادی بنانے کی تجویز تھی ۱۸۵۸ء سے اسے تعزیری مقام بنایا گیا ہے۔

یہاں بارہ ہزار سے زاید قیدی رہتے ہیں کل آبادی اٹھارہ ہزار ہے۔ جزیرہ وائپر میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ میو کو ایک قیدی نے ۱۸۷۲ء میں قتل کر دیا تھا۔ پورٹ بلیر میں وائرلیس اسٹیشن ہے، جہاں زیادہ تر قیدی بھیجے جاتے ہیں جن کی سزائیں عام طور پر زیادہ طویل ہوتی ہیں۔

جزائر بحرین

خلیج فارس میں الحسا (عرب) سے صرف بیس میل کے فاصلے پر ہے سب سے بڑا جزیرہ بیس میل لمبا اور دس میل چوڑا ہے۔ دوسرا بڑا جزیرہ محرک جو بحرین کے شمال میں واقع ہے یہ چار میل لمبا اور نصف میل چوڑا ہے ان کے علاوہ ستر ابنی۔ صالح جدی راکا اور ام الخسان ہیں۔

موخر الذکر تین جزیرے غیر آباد ہیں بحرین کا صدر مقام منامہ ہے اس کی آبادی تیس ہزار ہے۔ محرک کی آبادی بیس ہزار ہے اور سارے مجموعہ کی آبادی صرف ایک لاکھ ہے۔

بحرین میں کئی ہزار مخروطی شکل کے مقبرے ہیں بعض اتنے بڑے ہیں کہ ہر ایک کا قطر ۳۰۰ فٹ ہے۔

دنیا بھر میں جتنے تجارتی جہاز ہیں ان کا وزن اندازاً سات کروڑ ٹن ہے جس میں ۱۱۵۰۰۰۰ ٹن کے جہاز تیل لانے لے جانے کے لئے ہیں۔

وزیر انصاف

بسلسلہ صفحہ ۸

قوتیں متصادم تھیں یہ ان کے چہرے سے عیاں ہو رہا تھا۔ یکایک انھوں نے مستقل عزم کے ساتھ سر اٹھایا اور اپنے ایک افسر اعلیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "دھنو ہر" "بسنتر بھان۔"

"گرفتار کر لو۔ میں حکم دیتا ہوں۔"

اشارہ مہاراج کی طرف تھا دربار میں خاموشی چھاگئی اشوک کا چہرہ تپتے ہوئے تانبے کی طرح سرخ ہو گیا آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں وہ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور بولے:۔

"ذلیل برہمن تجھے یہاں تک جرأت ہو گئی۔"

وزیر انصاف نے ایسا ظاہر کیا جیسے انھوں نے مہاراج کے الفاظ سنے ہی نہیں اور اپنے الفاظ کو پھر دہرایا۔ "میں حکم دیتا ہوں گرفتار کر لو۔"

دھنو ہر پتلی کی طرح آگے بڑھا، درباریوں کی سانسیں رک گئی۔ مہاراج تخت سے نیچے اتر آئے وزیر انصاف نے کہا۔ "یہ قاتل ہے۔ میری عدالت میں پیش کرو۔"

دھنو ہر نے اشوک کو ہتھکڑی لگالی اور ششو پال کی عدالت کی طرف لے چلا وہاں سارا شہر جمع تھا ششو پال نے حکم دیا:۔

"ملزم شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے اس لئے تنہا پیش کیا جائے۔"

مہاراج اشوک نے اشارہ کیا، وزرا پیچھے ہٹ گئے مہاراج اس کٹہرے میں کھڑے ہو گئے جو ملزم کے لئے مخصوص تھا۔ چھتر پتی نرلیش کے اپنی حکومت میں خود اس کے ملازم کے ہاتھوں یہ بے عزتی ہو سکتی ہے اس کا کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا لیکن ششو پال مستقل مزاجی کے ساتھ کرسی انصاف پر متمکن تھے۔ انھوں نے آنکھوں سے مہاراج کو پرنام کیا پھر دھیرے سے بولے۔ تم پر پہرہ دار کے قتل کا الزام ہے کیا جواب دیتے ہو۔ مہاراج اشوک نے ہونٹ کاٹ کر جواب دیا "وہ گستاخ تھا۔"

"تو تم اقبال جرم کرتے ہو۔"

"ہاں میں نے اس کو قتل کیا ہے لیکن جان بوجھ کر نہیں ملا وہ گستاخ تھا۔"

"میں تمہاری پھانسی کا حکم دیتا ہوں۔"

اشوک کی آنکھیں سرخ ہو گئیں وزیروں نے تلواریں نکال لیں کئی ششو پال کو گالیاں دینے لگے اور کہنے لگے وزیر انصاف پاگل ہو گیا ہے ایک آواز آئی تم اپنا سر بچاؤ، اشوک نے ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا پھر وہی خاموشی چھاگئی۔

وزیر انصاف نے کہا مہاراج اشوک کی دی ہوئی انگوٹھی میرے ہاتھ میں ہے اگر کسی نے شور و شر کیا تو عدالت کی توہین کے الزام میں گرفتار کر لوں گا۔

اشوک تم نے ایک سرکاری آدمی کو قتل کیا ہے میں تمہارے قتل کا حکم دیتا ہوں مہاراج نے سر جھکا دیا۔ سمجھتے تھے یہ انسان ہے جو آگ پر پڑ کر کندن ہو گیا ہے انھوں نے عجیب انداز سے سر اونچا کیا اور بولے۔ "مجھے اس حکم کے خلاف کچھ نہیں کہنا ہے۔"

وزیر انصاف نے ایک شخص کو حکم دیا وہ ایک طلائی مورتی لے کر حاضر ہوا وزیر انصاف نے کھڑے ہو کر کہا:۔

شاستروں میں راجہ کو ایشور کا روپ مانا گیا ہے اسے ایشور ہی سزا دے سکتا ہے یہ کام وزیر انصاف کی طاقت سے باہر ہے اس لئے میں حکم دیتا ہوں مہاراج چھوڑ دئے جائیں اور ان کی یہ مورت پھانسی پر لٹکا دی جائے جس سے لوگوں کو عبرت حاصل ہو۔

وزیر انصاف کے اس انصاف پر لوگ دنگ رہ گئے وہ کہتے تھے وہ انسان نہیں دیوتا ہے جو نہ کسی سے ڈرتا ہے اور نہ کسی قوت کے آگے سر جھکاتا ہے ہزاروں زبانوں نے زور سے کہا "وزیر انصاف زندہ باد"

رات ہو گئی تھی وزیر انصاف شاہی محل میں پہنچے اور اشوک کے سامنے انگوٹھی اور مہر رکھ کر بولے۔

"مہاراج یہ اپنی چیزیں سنبھالیں میں اپنے گاؤں واپس جاؤں گا۔" اشوک نے عزت کے ساتھ ان کی طرف دیکھ کر کہا آج آپ نے میری آنکھیں کھول دیں اب یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ بار آپ ہی اٹھا سکتے ہیں مجھے کوئی دوسرا اس عہدے کے قابل نظر نہیں آتا۔"

"وزیر انصاف لاجواب ہو گئے"

چین اور ہندوستان بادی النظر میں

(از مبصر)

چین اور ہندوستان دونوں بمنزلہ برِاعظم کے ہیں کثرت آبادی میں بھی ایک دوسرے کے مقابل ہیں دونوں کے دونوں دنیا کی قدیم ترین تہذیب کے ملک ہیں اور دونوں کے دونوں مغربی سرمایہ داری اور شہنشاہی کے شکار رہے ہیں۔ دونوں کے دونوں آزادی اور غلامی سے نجات کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں مگر ساتھ ہی ساتھ دونوں فرقہ بندی کے تباہ کن جھگڑوں میں مبتلا ہیں فرق اتنا ہے کہ چین میں کومن ٹانگ اور کمیونسٹ کا جھگڑا ہے اور ہندوستان میں لیگ اور کانگریس کا۔ چین میں چیانگ کائی شیک برسراقتدار ہے تو ہندوستان میں جواہرلال نہرو۔ دونوں ہمعصر، ہم عمر، مالک یورپ کے تعلیم یافتہ اور ہم خیال ہیں فرق یہ ہے کہ ایک کی رہبری کے لئے مہاتما گاندھی جیسے تو انہیں بے راہ نہیں ہونے دیتے مگر دوسرے کے سر سے ڈاکٹر سن یاٹسن کا سایہ اٹھ چکا ہے جس سے وہ اقتدار حکومت کے شیدائی بنکر ڈکٹیٹر ہیں اور مخالفت کی آواز سننا پسند نہیں کرتے جس کے باعث میڈم سن یاٹسن تک مورد عتاب ہیں طرفہ تماشا تو یہ ہے کہ جس روز ہندوستان اور چین دونوں کے بلند پایہ لیڈران ذاتی خواہشات اور حصول زر سے بالاتر ہیں اور کسی قیمت پر خریدے نہیں جاسکتے مگر ان کے ملازمان حکومت کی اکثریت بظاہر تو اپنے عاملین حکومت کے تابعدار ہیں مگر اس کی تہ میں جذبہ حصول منفعت کام کر رہا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ احکام کی تعمیل محض کاغذی ہوتی ہے اور عوام کو کوئی فائدہ نہیں پہونچتا۔ دونوں ملکوں میں چور بازار اور بلیک مارکٹنگ کی گرم بازاری ہے اور غلہ اور کپڑا اور دوسری ضروریات زندگی روز افزوں گراں ہیں۔ دونوں حکومتیں چاہتی ہیں کہ عوام کی حالت درست ہو اور اشتراکیت کو ترقی ہو۔ مگر دونوں ممالک میں ہر جگہ دو چار تو مکھ پتی ہو گئے مگر دوسرے دانہ دانہ کو محتاج ہوئے جارہے ہیں۔

ارباب حکومت دونوں ممالک ضروری اور غیر ضروری مسائل پر زیادہ زور دیتے ہیں مگر ملک کے اقتصادی پر نظر نہیں ہے ساتھ ہی ساتھ دونوں پر یورپین طاقتیں للچائی نظروں سے دیکھتی اور طرح طرح سے فکر میں ہیں اور دونوں کو اپنی ریشہ دوانیوں سے ایسے خطرے پیدا ہو رہے ہیں کہ دونوں پھر مغرب کے بندۂ بے دام بن کر رہ جائیں۔

چند سیاسی خیالات

سر ارنسٹ بین فرماتے ہیں کہ سیاست ایک ایسا فن ہے جس سے پریشانیاں کھوج کر نکالی جاتی ہیں۔ ہر جگہ ان کا وجود پایا جاتا ہے۔ غلط تشخیص کی جاتی ہے اور غلط علاج کیا جاتا ہے۔

ول روجرز کا قول ہے کہ جیل خانوں کی طرح سیاست میں بھی آزادی نہیں ہے۔

والٹر سون برگ کی رائے میں لوگ حق رائے دہی کے لئے لڑتے ہیں مگر حق ملنے کے بعد ذمہ داری سے بچنے کے لئے لڑتے ہیں۔

سینٹ جان اردن کی رائے میں جن حق رائے دہی صرف ۲۰ برس سے لے کر ۶۰ برس کی عمر والوں کو ملنا چاہیئے کیونکہ ملکی زندگی میں عموماً یہی لوگ تمام امور کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

الکزنڈر کی نظر سیاست وہ عام جزو ہے جس سے مخصوص فائدہ اٹھاتے ہیں۔

مسٹر چرچل بس اسی ہندوستانی کو قابل تعریف سمجھتے ہیں جو ان کے اشارے پر خود چلے اور ہندوستانیوں کو چلائے۔

انگریزی قوم کا مطمح نظر یہ ہے کہ دنیا بے مطلب کی اور مطلب وہ جو اپنا ہو۔

ڈیموستھنیس کہتا ہے کہ جس طرح ٹوٹے اور اچھے برتن آواز سے پہچانے جاتے ہیں اسی طرح طرز گفتگو سے معلوم ہو جاتا ہے کہ بولنے والا عقلمند ہے یا بے وقوف۔

سوویٹ روس کے بینک

سرمایہ دار ممالک میں تو بنک اور بنک کا کاروبار ایک معمہ سمجھا جاتا ہے۔ اور جو کروڑپتی افراد بنک کا کاروبار کرتے کرتے ہیں انہیں مالیہ کا جادوگر کہا جاتا ہے گو مسس کے ساتھ ان جادوگروں کے کرتب اکثر عوام کے لئے مضرت رساں ہی ثابت ہوتے۔ غریبوں کی کمائی بنک میں جاتی ہے جس سے افراد نفع اٹھاتے ہیں۔ اور ناکامی کی صورت میں خود تو دیوالیہ بن کر چین کی بنسی بجاتے ہیں اور غریبوں کے پسینہ کی کمائی غائب غلہ ہو جاتی ہے مگر سوویٹ روس میں بنک کے مالک عوام ہیں اور وہی اس سے نفع اٹھاتے ہیں مگر روس کے بنک کے لئے یہ سمجھنے کے لئے اتنا جان لینا چاہئے کہ پیداوار کی چیزیں عوام کی ملک ہوتی ہیں اور اس طرح پر کہ حکومت ان کا انتظام کرتی ہے یا کوئی کوآپریٹیو سوسائٹی منتظم ہوتی ہے اور اس سے جو نفع اندوزی ہوتی ہے اس سے ملک کی ترقی اور افزائش کا کام لیا جاتا ہے اور یہ نفع کی رقم بنک کے ذریعہ سے کام میں لائی جاتی ہے اور ملک کے مختلف کام جاری کئے جاتے ہیں اور یہ بنک روپیہ قرض دیتے ہیں اب قرض کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) کم مدت کے لئے

(۲) طویل مدت کے لئے

چھوٹی مدتوں کے لئے قرض سوویٹ روسیہ کا حکومتی بنک دیتا ہے۔

طویل مدت کا قرضہ دینے والے بنک چار ہیں:۔

(۱) صنعتی بنک سوویٹ روسیہ

(۲) زراعتی بنک سوویٹ روسیہ

(۳) تجارتی بنک سوویٹ روسیہ اور

(۴) سنٹرل میونسپل بنک

ان چاروں بنکوں کی خدمات کا دائرہ علٰحدہ علٰحدہ ہیں صنعتی بنک کا سرمایہ صنعت رسل و رسائل پوسٹ اور ٹلگراف کے لئے قرض دیتا ہے۔

زراعتی بنک مزارع اور آلات کاشتکاری اور ٹریکٹر وغیرہ کے لئے

تجارتی بنک ملک کے تجارتی کاروبار کو قرض دیتا ہے اور میونسپل بنک مکانات کی تعمیر اور میونسپل کاموں کے لئے قرضہ دیتا ہے۔

اب پنج سالہ پروگرام کے لئے ۱۹۴۸ء میں ڈیڑھ کھرب روبل کا مجموعی سرمایہ منظور ہوا ہے جس میں ایک کھرب ۱۰۔۴ ارب روبل مکانات کی تعمیر کے لئے۔ اور حکومت کے منظور شدہ تجویز کے مطابق طویل مدت کے لئے قرضے دئے جاتے ہیں۔

شرح سود مقرر ہے۔ طویل مدت کے لئے ایک فیصدی سے ۶ فی صدی تک سود ہے۔ قلیل میعاد میں مکانات کے لئے ایک فیصدی ہے اور عدم ادائیگی کی صورت میں ۱۰ فیصدی تاوانی سود ہے۔

تعمیرات کی مد میں یہ بنک بہت خرچ کرتے ہیں اور خراب کام کی صورت میں جب تک کام درست نہ کر دیا جائے ادائیگی نہیں ہوتی۔ طویل المدت قرضہ دینے والے خود روپیہ نہیں دیتے بلکہ ان کا روپیہ اس کے بنک میں آتا ہے اور وہی اس کی ادائیگی کرتا ہے۔

اس طرح پر ان بنکوں پر خرچ کم پڑتا ہے اور رقم پس انداز ہوتی ہے۔

غریب ہندوستان

ہندوستانی مزدوروں کے [illegible] اعداد و شمار [illegible] کو دیکھنے کے بعد انگلینڈ پہنچے ہیں ان کا کہنا ہے کہ امریکہ کے بعد کے مزدور جب ہڑتال کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور فیکٹری کے گیٹ پر خود کھڑے نہیں ہوتے بلکہ اپنی موٹر کاروں کو گیٹ کے سامنے اس طرح کھڑی کر دیتے ہیں کہ کوئی کالی بھیڑ اندر داخل نہ ہو سکے امریکہ کے بعد کے ہڑتالی مزدوروں کا حال کبھی آپ نے سوچا ہے ہمارا اپنا حال کیا ہے۔

کوئی وقت تھا جب ہندوستان کو سونے کی چڑیا کہا جاتا تھا ہندوستان کی دولت ہی برطانوی تاجروں کو ہندوستان کھینچ لائی تھی۔ لیکن اب ہماری حالت بالکل مختلف ہے اب ہمارا سامنا بے پناہ غربت سے ہے اتنی غربت جس کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ اور جس نے نہیں محال کر تا ایک بے سود وہم نظر آتا ہے۔

ہندوستان کی سالانہ قومی آمدنی معلوم کرنے کے لئے تحقیقاتیں ہو چکی ہیں دادا بھائی نارو جی کی تحقیقات کے مطابق سنہ ۱۸۶۸ء میں ایک ہندوستانی کی سالانہ اوسط آمدن بیس روپے تھی اور کروسر اور سر ڈیوڈ باربر کا اندازہ سنہ ۱۸۹۹ء میں لگایا ان کے [illegible] ایک ہندوستانی کی سالانہ آمدنی ۱۸/۸/۱۱ روپے تھی یہ لارڈ کرزن کا [illegible] نے سنا تو سر دھن لیا اور سوچنے لگے میری بادشاہت میں ایک ہندوستانی کی آمدن اتنی کم کیسے ہو سکتی ہے چنانچہ انہوں نے [illegible] یا اور ثابت کیا کہ سنہ ۱۹۰۰ء میں ایک ہندوستانی کی اوسط آمدنی ۱۸/۷/۱۱ نہیں بلکہ مبلغ ۳۰ روپے تھی۔ پی اے واڈیا اور ایم جوشی کے اندازے کے مطابق پچھلی جنگ کے پہلے سنہ ۱۹۱۳ء میں ہماری اوسط آمدن ۴۴/۸/۵ روپے تھی سنہ ۱۹۲۱-۲۲ء میں شاہ اور کھمباٹا اور کے ٹی شاہ کے اندازوں کے مطابق یہ رقم ۶۷ روپے تھی۔ سر ولیم ڈیو خوبا اپنی کتاب "ہندوستان کی خوشحالی" میں بتلاتے ہیں کہ عام حالات میں ایک ہندوستانی کی سالانہ اوسط آمدنی ۶۲ روپیہ فی کس ہے۔

جون سنہ ۱۹۴۲ء میں مسٹر ایمری جو اس وقت وزیر ہند تھے ایک تقریر میں بتایا ہے کہ ہندوستان کی [illegible] بیان کے [illegible] سر ابراہیم رحمت اللہ نے ایک بیان جاری کیا

سر ابراہیم لکھتے ہیں کہ اگر ہم انکم ٹیکس کو ریفرنس کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہندوستان کی آبادی تیس کروڑ ان میں تو صاف ظاہر ہے کہ ایک ہزار ہندوستانیوں میں صرف ایک ایسا ہندوستانی ہے جس کی آمدنی دو ہزار روپیہ سے اوپر ہے ہندوستان کی امیری کا اس سے بہتر ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے"

البتہ بات یہ ہے کہ کسانوں اور زمینداروں کی آمدنیوں پر انکم ٹیکس نہیں لگایا جاتا جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جو خود اپنے ہاتھ سے کھیتی کا کام کرتے ہیں ان کے متعلق یہ سوچنا بھی گناہ ہے کہ ان میں سے کسی کی آمدنی دو ہزار روپیہ سے اوپر ہے ہاں زمینداروں کی آمدن ایسی ہو سکتی ہے ہمارے پاس اس بارے میں کوئی اعداد نہیں لیکن پھر بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان میں ان زمینداروں کی تعداد جن کی آمدن دو ہزار روپیہ یا اس سے زیادہ ہے بہت تھوڑی ہے سر ابراہیم رحمت اللہ مزید لکھتے ہیں کہ سنہ ۱۹۳۵ء میں سر جیمز گرگ نے جو اس سال ہندوستان کے وزیر مالیات تھے اپنی بجٹ تقریر میں ہمیں بتلایا تھا کہ ہندوستان کی کل آمدن ۱۶۰۰ کروڑ کی آباد ہے (جس کو ہم ۳۰ کروڑ کے قریب گنتے ہیں) تقسیم کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہندوستانی کی اوسط آمدن ۸/۵/۵۳ روپے ہے۔ ایک ہندوستانی کو اگر مرکزی صوبائی اور مقامی طور پر ۸/۵/۴ روپے کے قریب ٹیکس جو ادا کرنا پڑتے اور یہ ٹیکس سالانہ آمدن میں سے نکالے جائیں تو ایک ہندوستانی کی سالانہ اوسط آمدن ۴۹ روپیہ کے قریب رہ جائے گی جس کا مطلب ۱۲/۲/۴ روپے ہے۔

ان تحقیقاتوں کے نتائج کو ہم اس طرح پیش کر سکتے ہیں:-

تحقیق کنندہ	سال	تخمینہ آمدن فی کس سالانہ اوسطاً روپیوں میں
دادا بھائی نارو جی	سنہ ۱۸۶۸ء	۲۰
کروسر اور باربر	سنہ ۱۸۹۹ء	۲۷
ولیم ڈگبی	سنہ ۱۸۹۹ء	۱۸/۸/۱۱
لارڈ کرزن	سنہ ۱۹۰۰ء	۳۰ روپیہ
واڈیا اور جوشی	سنہ ۱۹۱۳-۱۴ء	۸/۵/۴۴ ″
شاہ اور کھمباٹا / کے ٹی شاہ	سنہ ۱۹۲۱-۲۲ء	۶۷ ″
ڈی کے آر وی راؤ	سنہ ۱۹۳۱ء	۶۲ ″
سر جیمز گرگ	سنہ ۱۹۳۵ء	۴۵ ″

ہم کس اندازے کو تسلیم کریں؟

قدرتی طور پر آپ سوال کریں گے کہ ہم ان میں سے تحقیقات کے تحقیقات کے ہر نتیجہ پر اعتبار کریں ایک بات صاف طور پر عیاں ہے کہ ہم سخت غریب ہیں اس کے متعلق شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔ باقی کی ضروریات زندگی کا خیال نہ کرتے ہوئے بھی ہم اگر صرف روٹی کا سوال ہی لیں تو ہمیں پتہ چلے گا کہ ہندوستان میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو اپنی جسمانی طاقت کو برقرار رکھنے کے لئے روٹی تک بھی نہیں خرید سکتے یہاں دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے اول یہ کہ یہ اعداد و شمار ہماری اصل آمدن کے ٹھیک اندازے نہیں ہیں کیونکہ ان میں روپیہ کی قوت خرید کا اندازہ نہیں لگایا گیا اس رد و بدل کی دو وجوہات ہیں:-

1. قیمتوں میں تبدیلیاں اور
2. چلتے پھرتے روپیہ کی مقدار میں اتار چڑھاؤ۔

اگر ہم حقیقی مقابلہ جاری رکھیں اور اس طرح اصل آمدن ڈھونڈ نکالیں اگر ہم یہ طریقہ اختیار کریں تو مندرجہ ذیل نتائج حاصل ہونگے

سال	قیمت کے انڈکس	اصل آمدن
سنہ ۱۸۸۲ء	۱۰۰	۲۷ روپیہ
سنہ ۱۹۰۱ء	۱۳۰	۴/۲۰ ″
سنہ ۱۹۲۱ء	۳۷۸	۶/۱۹ ″

اس حساب سے اصل آمدن بڑھنے کی بجائے گھٹتی گئی ہے۔

دوئم ہمیں اس بات کا خیال بھی رکھنا ہے یہ آمدنیں اوسط آمدنیں ہیں اور اس سے ہمیں اصلیت حاصل نہیں ہو سکتی ان آمدنوں میں ہندوستان کے مہاراجوں، نوابوں، برلاؤں، بڑے بڑے جاگیرداروں اور تعلقہ داروں کی آمدنیں بھی شامل ہیں اس طرح کئی لوگ تو ہماری اوسط آمدن سے بہت زیادہ آمدن کے مالک ہیں اور کئی اس اوسط سے بہت [illegible] کے شاہ کھمباٹا کے اندازوں کے مطابق جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے ہندوستان کی کل آمدن کا ایک تہائی حصہ صرف پانچ فیصدی حصہ ایک تہائی آبادی ہڑپ کر جاتی ہے ۳۵ فیصدی حصہ ایک تہائی آبادی ہڑپ کر جاتی ہے اور آبادی کے ۶۰ فیصدی حصہ میں کل آمدن کا ۳۰ فیصدی حصہ آتا ہے۔

ایک اور اندازے کے مطابق اگر ہم صرف شہری طبقوں ہی کو لیں تو معلوم ہوگا کہ تقریباً نصف آمدن شہر کے دس فیصدی لوگ ہڑپ کر جاتے ہیں پھر شہر اور دیہات کی اوسط آمدنوں میں فرق ہوتا ہے ہندوستان میں یہ فرق تین اور ایک کا ہے ہندوستان کی اکثریت دیہات میں رہتی ہے اور کسی حساب سے دیہاتیوں کی اوسط آمدن بیس روپیہ سالانہ فی کس سے زیادہ نہیں۔

غربت کی چند اور مثالیں

عارضی حکومت کے قیام کے بعد ہندوستان میں بار بار نمک اور نمک ٹیکس کا ذکر آ رہا ہے آخر گاندھی جی اس سلسلہ میں اتنا زور کیوں لگا رہے ہیں؟

نمک ضروریات زندگی کی نہایت ہی ضروری چیز ہے دنیا کے کسی مہذب ملک میں نمک کی مانگ لچکدار نہیں یعنی قیمت کے گھٹنے بڑھنے سے اس کی مانگ میں فرق نہیں پڑتا لیکن ہندوستان میں نمک کی مانگ بھی لچکدار ہے ذرا مندرجہ ذیل اعداد ملاحظہ فرمائیے:-

سال	نمک پر ڈیوٹی فی من روپیوں میں	نمک کی کھپت ہزاروں ٹنوں میں
۱۹۰۳-۰۴ء	۲-۰-۰	۱۰۵۹
۱۹۱۱-۱۲ء	۱-۴-۰	[illegible]
۱۹۲۳-۲۴ء	۲-۸-۰	۴۶۹
۱۹۲۴-۲۶ء	۱-۴-۰	۱۲۱۶

یعنی ہندوستان میں لوگ نمک بھی اپنی ضروریات کے مطابق استعمال نہیں کرتے اس سے زیادہ غربت اور کیا ہو سکتی ہے؟

سنہ ۱۹۳۲-۳۳ء میں برطانوی ہندوستان کی کل پبلک آمدن جس میں مرکزی، صوبائی اور مقامی آمدنیاں شامل ہیں ۲۶۸ کروڑ روپیہ کے قریب تھی یعنی تقریباً دس روپیہ فی کس اس کے مقابلے میں انگلینڈ کی جو ہندوستان کا پندرھواں حصہ ہے کل پبلک (بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

جنوبی مغربی افریقہ کی داستان

حال ہی میں یو این او کے سامنے جنرل سمٹس نے یہ مسئلہ پیش کیا تھا کہ جنوبی مغربی افریقہ کو بھی جنوبی افریقہ کی یونین میں شامل کردیا جائے۔ جنوبی مغربی افریقہ کی تاریخ سبق آموز ہے یہاں دس ... جرمن نسل کے نوآباد ہیں جو اپنے رسم و رواج و طور طریقے غرضکہ ہر طرح اپنے مورثوں کی طرح جو یہاں پہلے پہل آکر آباد ہوئے تھے بالکل جرمن خیال کے ہیں جنوبی مغربی افریقہ رقبہ میں تین لاکھ بیس ہزار مربع میل ہے اور پانچ لاکھ آبادی ہے اس کے مشرق اور شمال میں بچوانا منڈ اور روڈیشیا جنوب میں جنوبی افریقہ اور شمال میں پرتگالی کالونی انگولہ واقع ہے اور ایک انگلی کی طرح ان حدود میں جنوبی مغربی افریقہ آباد ہے۔ صبح سے شام تک تم ایک جھونپڑے سے دوسرے جھونپڑے تک چلے جاؤ محض معدودے چند آدمی راہ میں ملیں گے اس ویرانے میں دو قصبے ہیں جو خوب بھرے پرے ہیں۔

۶۰ سال ہوئے جب پرنس بسمارک نے اس نوآبادی کو بسایا تھا پہلی جنگ عمومی میں جنوبی افریقہ نے اسے فتح کرلیا تھا اس وقت سے جنوبی افریقہ مجلس اقوام کی طرف سے اس پر حکمبردار ہے اسی وجہ سے اس کا سوال یو این او کے سامنے پیش ہوا ہے لیکن جنوبی افریقہ کی حکم برداری کے باوجود جرمن قدیم جرمن شہنشاہی کے نشانات کو قائم کئے ہوئے ہیں ہٹلر نے اپنے دور میں سب سے پہلے جنوبی مغربی افریقہ کے صدر مقام ونڈہک کو سواستکا کا جھنڈا دیا اور یہاں جرمن جذبات بہت ابھرے مگر جنوبی افریقہ والوں نے ان کے بینڈ کو ممنوع قرار دیا لیکن پھر بھی یہ جذبات کام کرتے رہے۔

خاتمہ جنگ تک پندرہ سو نازی جوشیلے قید کر دئے گئے اور یہ حکم ہوا کہ اب نز خود کوئی جنوبی افریقہ والا جنوبی افریقہ کا حق شہریت نہیں پاسکتا۔ بقیہ دس ہزار جرمنوں پر ایک قسم کی پابندی عاید ہے یہی وجہ ہے کہ آج انہیں یہ پریشانی لاحق ہے کہ کہیں انہیں جنوبی افریقہ میں ضم نہ کردیا جائے۔

غریب ہندوستان

(بسلسلہ صفحہ ۱۱)

آمدن ۱۳۲۲ روپیہ تھی یا ۴۹۴ روپیہ فی کس۔

ایک اور مثال لیجئے خان بہادر شیخ نور الہی کے حساب کے مطابق اس جنگ سے پہلے انگلینڈ میں ہر ہفتہ ۱۵ لاکھ بیکاروں میں ۲ کروڑ ۰ لاکھ روپیہ تقسیم کیا تھا۔ یہ رقم پنجاب کی کل سرکاری آمدن کا پانچواں حصہ ہے اسی طرح انگلینڈ غریبوں کی ریلیف پر تقریباً ۲۲ کروڑ روپیہ سالانہ خرچ کرتا تھا یعنی ۳۶۵ روپیہ فی کس یہ رقم جو انگلینڈ میں فی کس غریبوں کی ریلیف پر خرچ ہوتی ہے ایک ہندوستانی کی سالانہ اوسط آمدن سے تقریباً پانچ گنا زیادہ ہے مسٹر کے ایس نیلو نکر نے اپنی کتاب ہندوستان کا مسئلہ" میں بتایا ہے کہ انگلینڈ کا غریب سے غریب مزدور بھی ایک ہندوستانی کی اوسط آمدن سے کچھ زیادہ ہی اپنی شراب اور تمباکو پر خرچ کرتا ہے۔

بین الاقوامی مقابلے

آؤ اب ہم اپنے ملک کی اوسط آمدن کا مقابلہ دوسرے ممالک کی اوسط آمدنوں سے کریں تاکہ ہمیں معلوم ہوسکے کہ ہم کہاں کھڑے ہیں شیخ نور الہی نے اس سلسلہ میں ہمیں مندرجہ ذیل اعداد بتائے ہیں۔

ملک	سالانہ اوسط آمدنی	
جاپان	۲۷۱	روپیہ
جرمنی	۹۳۴	"
فرانس	۹۳۶	"
کینیڈا	۱۲۶۸	"
انگلینڈ	۱۹۰۲	"
امریکہ	۲۰۵۳	"
ہندوستان	۶۵	"

سائمن کمیشن رپورٹ میں بھی ہندوستان کی غربت کا ذکر ہے۔ رپورٹ میں لکھا ہے کہ اگر ہم سب سے اچھے اندازے کو بھی لیں تو بھی ۱۹۲۲ء میں ہندوستان کی اوسط آمدنی اس وقت کے شرح تبادلہ کے مطابق ۸ پاؤنڈ سے کم تھی اس کے مقابلے میں اس سال ایک انگریز کی اوسط آمدنی ۹۵ پونڈ تھی۔ رپورٹ میں آگے لکھا ہے یہ "مقابلہ حیران کن ہے۔" جنگ اور آمدنی میں اضافہ:- آپ کہتے ہیں کہ جنگ کے دوران میں ہندوستانیوں کی اوسط آمدنی میں اضافہ ہوا ہے جہاں تک آمدنی کو روپوں میں گنا جاتا ہے بلاشبہ آمدنی بڑھ گئی ہے اور ہوسکتا ہے کہ اس وقت ہماری اوسط آمدنی ۱۵۰ روپیہ سالانہ ہوگئی ہے۔ لیکن اصل آمدنی میں اضافہ کی بجائے کمی ہوئی ہے کیونکہ آمدنی کے مقابلے میں قیمتوں میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے جس سے اس کی قوت خرید ایک چوتھائی بھی نہیں رہی۔ آمدنی اسی واسطے چاہتے ہیں کہ اس سے ضروریات زندگی خرید سکیں۔ جنگ کی وجہ سے بڑھی ہوئی آمدنی سے بھی ہم وہ ضروریات زندگی نہیں خرید سکتے جو جنگ سے پہلے اس سے تقریباً نصف آمدنی سے ہم خرید لیا کرتے تھے۔

انگلستان

کے دو چور بازاری کاروباری باہمی مخالفت کی بنا پر ایک دوسرے کے خلاف پولیس کو خبریں دے رہے ہیں۔

امریکہ میں آزادیٔ اخبارات

ذیل کا مضمون ہمارے ہندوستانی صحافی جریدہ نگاروں اور مدیران اخبار کے لئے نمونہ ہے ہندوستان کے اخبار نویس خبروں اور ذاتی رایوں میں کوئی امتیاز نہیں رکھتے۔ رویٹر۔ ایسوسی ایٹڈ پریس اور دوسری خبر رساں ایجنسیوں کی مرسلہ خبروں کو بھی ایسے رنگ اور عنوان سے پیش کریں گے جس سے صاف پتہ چل جائے گا کہ اخبار نویس اور اخبار کی پالیسی کیا ہے ان کی اس کے ساتھ یہ بھی کوشش رہے گی کہ مخالف جماعت کے بیانات اور مقالات کو اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کریں کہ قارئین تک صحیح مفہوم نہ پہنچنے پائے اس کے مقابلے میں ذرا امریکی اخباروں پر نظر کیجئے تو پتہ چل جائے گا کہ وہ نیوز اور دوسرا خبر اور تبصرے کس طرح جدا جدا کرتے ہیں۔

ممالک متحدہ امریکہ کے علاقہ جنوبی ڈکوٹا کے شہر ویسٹر میں ریوٹرا اینڈ فارمر نامی اخبار ری پبلکن پارٹی کا آرگن ہے دوسری پارٹی کا بھی اخبار نکلتا تھا جسے اس نے خرید لیا مگر اسی کے ساتھ یہ اعلان کیا کہ ایڈیٹوریل کے صفحہ پر فریق مخالف کے اظہار خیال کے لئے ایک دو کالم وقف رہیں گے اس لئے کہ عوام کو ڈیماکریٹک پارٹی کے نقطہ نظر کا بھی علم ہوتا ہے قارئین کو اس سے اتفاق ہو یا نہ ہو مگر ان کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایک مسئلہ کے ہر پہلو پر ان کی نظر رہے اسی لئے ہمارے ایڈیٹوریل کالموں کے پہلو بہ پہلو ڈیماکریٹک پارٹی کے خیالات کے پیش نظر کالم وقف رہیں گے یاد رکھئے کہ یہ امریکہ ہے۔

حال ہی میں نیویارک ٹائمز کے پبلشر آرتھر ہیز سلزبرگر نے اخباری تہذیب کو ان دلچسپ الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

"بلی خواہ کسی طرف کو دے ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے ظاہر کرتے رہیں اس طرح سے اگر ہم ایمانداری کے ساتھ بلا رو رعایت سیدھے دل سے بلی کے نقل و حرکت کی خبر دیتے رہیں گے تو ہماری بھی بنی رہے گی۔"

ان چند الفاظ میں فاضل پبلشر نے اسی بے لاگ اور بے رو رعایت آزادیٔ پریس کا اظہار کر رہا ہے جو خبروں کی صحت اور اظہار رائے میں کسی دباؤ کسی اثر یا کسی کو مغالطہ کو آنے نہیں دیتا اور جو آج سے ڈیڑھ سو برس کی مساعی کا نتیجہ ہے۔

ویکلی ٹائمز کے ایڈیٹر سے سوال ہوا کہ اگر کسی نے یہ رائے دی کہ آپ معاملہ میں تعصب سے کام لیا گیا ہے تو تم کیا کرو گے اس نے برجستہ جواب دیا کہ میں اسے شائع کر دوں گا۔ اس سال کولمبیا یونیورسٹی متعدد مقتدر صحیفہ نگاروں کی مدد سے امریکن اخبارات کی ترقی کی تاریخ امریکن پریس انسٹی ٹیوٹ کی سرکردگی میں شائع کرنے والی ہے۔ ان سے لوگ ملکی اور غیر ملکی جریدہ نگاروں کے پیش نظر یہ امر ہے کہ کس طریقے پر بے لاگ اور بے رو رعایت آزادیٔ جرائد کو کامیاب بنا سکتی ہے۔

اس وقت امریکہ میں ہر نمونہ اور پیمانے کے تقریباً بیس ہزار روزنامے ہفتہ وار ماہانہ اور سہ ماہی رسالے نکل رہے ہیں جن میں زندگی کے ہر شعبہ اور دلچسپی کو خواہ وہ عام ہو یا سیاسی، تجارتی ہوں یا کسی خاص پیشے کے متعلق ٹیکنکل ہوں یا کاروباری مذہبی ہوں یا کلب کے متعلق یا کسی خاص مشغلے کے متعلق اظہار خیال ہوتا رہتا ہے۔ اسی کے ساتھ غیر ملکی زبانوں۔ چینی، ہنگارین۔ لتھوانین۔ اطالین۔ پولش۔ روسی۔ لٹاوی۔ فرانسیسی جرمن۔ اسپینی اور برٹش زبانوں میں بھی انہیں امور کے متعلق اخبارات نکلتے ہیں نیویارک ایسے شہر میں "وال اسٹریٹ جرنل نیویارک ٹائمز۔ ہیرلڈ ٹری بیون۔ پی ایم اور ڈیلی ورکر اعلیٰ پیمانے پر کنزرویٹو لبرل اور چینی خیالات کی سیاست کا اظہار کرتے ہیں۔

اسی طرح ماہانہ اور ہفتہ وار جرائد ہر طبقہ اور ہر خیال کی ترجمانی کرتے رہتے ہیں زمانۂ حاضرہ میں مختلف الخیال کالم نویس سیاسی خارجی معاملات فلسفی خیالات، کاروبار۔ مالیہ اور فوجی نقل و حرکت پر بے لاگ تبصرے کرتے ہیں اور خواہ اخبار کی پالیسی کے خلاف ہی کیوں نہ ہوں مگر ان کی اشاعت میں پس و پیش نہیں کیا جاتا۔ بہت سے لبرل اور کنزرویٹو اخبارات اپنے کالموں میں بے پس و پیش مخالف خیالات کے اشاعت سے دریغ نہیں کرتے بلکہ بکشادہ پیشانی انہیں جگہ دیتے ہیں۔

اسی طرح نیشنل میگزین بلا لحاظ اختلافات ہر خیال کے اہل قلم مضمون نگاروں سے مضمون حاصل کرتے ہیں۔

کوئیرس میگزین پر یہ الزام پرکسی نے لگایا کہ وہ کمیونزم اور کمیونسٹ خیالات اور لیلین ہیلمن اور ایلاونٹر کے مضامین بے دریغ شائع کرتے تھے تو اس نے یہ جواب دیا کہ کیا آپ آزاد جریدہ نگاروں کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور مثال میں یہ دکھایا کہ اخبارات میں تو دسٹرو ک، لپمنگ میں ایسے مختلف الخیال مضامین نگار کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔

اسی کے ساتھ امریکی اخبارات خبروں کی اشاعت میں بھی مبالغہ سے کام نہیں لیتے اور خبر رساں ایجنسیاں صحت کا خاص التزام رکھتی ہیں خبروں کی تین بڑی ایجنسیاں ہیں (۱) ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ (۲) یونائیٹڈ پریس آف امریکہ اور (۳) انٹرنیشنل نیوز سروس۔ ان کے خریدار ہر طبقہ اور خیال والے بڑے اخبار تو ان میں سے دو یا تین خبر رساں ایجنسی سے خبریں حاصل کرتے ہیں اور اگر کوئی ایجنسی خبر کو چھپائے یا صحیح خبر نہ دے تو اس کا پتہ دوسری ایجنسی فوراً دیتی ہے اور خبروں کا یہ مقابلہ پریس کی صداقت کے لئے ہوتا ہے کسی سیاسی جماعت کے مفاد کے لئے نہیں کیا جاتا۔

لطیفے

باپ:۔ کہئے میرا بچہ کیسا ہے؟
ماسٹر:۔ نہایت چالاک اور ہوشیار
باپ:۔ کس بات میں؟
ماسٹر:۔ چوری کرنے اور جھوٹ بولنے میں

جیلر:۔ تم کس جرم میں جیل خانے آئے ہو
چور:۔ میں نے نقب زنی کی تھی ——
اور کچھ میری بھی غلطی تھی۔
جیلر:۔ وہ غلطی کیا تھی؟
چور:۔ گھر کا کتا مجھے پہچانتا تھا کیونکہ میں کبھی کبھی اسے کچھ کھلا دیا کرتا تھا۔

جج:۔ سچ سچ بتاؤ تمہارے ساتھ یہ کون عورت ہے؟
مجرم:۔ حضور میری منسوبہ کی بہن کے خاوند کی ماں ہے۔
جج:۔ (ناظر سے) اس معمہ کو فرصت کے وقت حل کریں گے کوئی اور مقدمہ پیش کرو

پہلا:۔ ارے بھائی سنا ہے کہ مجھ جیسے موٹے آدمیوں پر گورنمنٹ فی کس چار روپے ٹیکس لگانے والی ہے۔
دوسرا:۔ آپ پرواہ نہ کیجئے چار روپے کی فکر آپ کو اس وقت تک دبلا کر دے گی۔

کشمیر سینما

میٹرو

میں اس ہفتے میٹرو گولڈون میئر کی فلم دی گرین ایرس یا

THE GREEN YEARS

پیش ناظرین کی گئی ہے۔

فلمی قصہ اے جے کرائن کے ایک مقبول ناول کا اقتباس ہے جو زندگی کی سادگی کا مرقع پیش کرتا ہے۔

قصہ کا تعلق آئرستان کے ایک یتیم بچے سے جو اپنے والدین کی موت کے بعد اسکاٹ لینڈ کے ایک چھوٹے سے دیہات میں اپنی ماں کے عزیزوں کو پناہ پاتا ہے اور اپنے نہ ہی اصولوں پر ثابت قدم رہنے کیلئے طبی تعلیم حاصل کرنے کے لئے باوجود جہالت سے پیدا شدہ رکاوٹوں اور تنگ نظری کے نہایت سخت جدوجہد کرتا ہے۔

نوسالہ کمسن ڈین اسٹاکویل کے جو بلاشبہ مستقبل میں مشہور اسٹار ایکٹر بنے گا اور ٹام ڈریک کے کارنامے نوجوان ہیرو کے شایان شان ہیں۔ چارلس کوبرن اپنے ڈرامائی فن اور ظرافت کا جس کے لئے وہ مشہور ہے اس فلم میں ہیرو کے پردادا کا پارٹ ادا کرکے لاجواب مرقع پیش کرتا ہے بیورلی ٹیلر جو پہلی بار اس فلم میں پردے پر نظر آتی ہے۔ اس کے رومانی پہلو کو نہایت خوبی سے ادا کرتی ہے ان کے علاوہ وہ ہیوم کرائین گلیڈیز کوپر سلبنا رائیل جیسی کامیڈی اور ریچرڈ ہائیڈن اس میں نمایاں کارنامے انجام دیتے ہیں۔

ایروز

میں اس ہفتے ٹوئنٹیتھ سینچری فاکس پکچرس کی لاجواب فلم "کلاڈیا اور ڈیوڈ"

CLAUDIA AND DA[illegible]

ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے۔

جو ناظرین کمپنی ہذا کی کلاڈیا دیکھ چکے ہیں اس فلم میں پھر اپنے آشنا ہیرو ہیروئن کو دیکھ سکیں گے اور اس نوعمر بیوی اور اس کے مرنجان مرنج خوش خلق خاوند کے فرحت بخش جوڑے کے مزید واقعات سے اندازہ لگا سکیں گے کہ آیا ان کی ازدواجی زندگی آرام سے کٹ رہی تھی یا نہیں کلاڈیا اس فلم میں نائن خاندان کی دیہاتی زندگی کے پرتپنہ اڑاتی ہے۔

کلاڈیا کو گو اپنے خاوند [illegible] محبت ہے مگر وہ محسوس [illegible] بخشش شادی صرف اس کی مسرت اور خوشی کا سبب معلوم ہوتی ہے جبکہ اس کا خاوند مجرد پن کی طرح زندگی گذارتا ہوا نظر آتا ہے اس کا علم اس کو اس وقت ہوتا ہے جبکہ وہ ایک خوبصورت بیوہ کے ساتھ اپنے خاوند کی کاروباری ملاقاتوں کی تاریخ دیکھتی ہے اور ایک دماغی علاج کا ماہر اس کو آئندہ کے حالات سے آگاہ کرتا ہے جس سے باخبر ہونے کے بعد کلاڈیا اور ڈیوڈ غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اب جاکر فلم کے واقعات اور مناظر ہنسی اور مذاق کا سرچشمہ بن جاتے ہیں۔

ڈوروتھی میگوائر اور رابرٹ ینگ اس میں ہیرو ہیروئن کا پارٹ ادا کرتے ہیں اور اہم معاون پارٹ میری اسٹار جان سٹن ہیری ڈیونپورٹ فلارینس بیٹس ۔ جیروم کوون ۔ ایلس جونسن فرینک ٹویڈیل اور انیتھونی سائیڈ ادا کرتے ہیں غرض یہ فلم بینی کے لحاظ سے اچھے لوگوں کے لئے اچھی تصویر ہے۔

اسٹرانڈ

میں اس ہفتے وارنر برادرس کی لاجواب مزاحیہ فلم "عاشق مزاج شہزادہ" یا

TWO GUYS FROM MILWAUKEE

ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے۔

ڈینس مارگن اور جیک کارسن اس کے اسٹار ہیں اور رومانی پہلو میں جون لیزلی جینس پیج اور کمسن ممثلہ پیگی براڈی کے کارنامے قابل تعریف۔ فلم میں ایک بلقانی شہزادے کا قصہ پیش کیا گیا ہے جو گمنام رہ کر امریکنوں کے سماجی اطوار عادات اور رسومات سے واقف ہونا چاہتا ہے اس سلسلے میں ایک امریکن ٹیکسی ڈرائیور سے اس کی ملاقات ہوئی اور وہ اس سے یارانہ گانٹھ لیتا ہے۔ ڈرائیور کو ایک اخباری خبر اور تصویر سے شہزادے کی شخصیت معلوم ہو جاتی ہے مگر وہ پھر بھی دوستی کا حق ادا کرتا ہے ایک ناخن تراشنے والی لڑکی سے دونوں کو محبت ہو جاتی ہے لیکن شہزادہ اسے حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے شہزادے کے واقعات فلم میں نہایت تفریح بخش مزاحیہ پہلو میں پیش کئے گئے ہیں۔

ریگل

میں اس ہفتے پیراماؤنٹ کی رنگین موسیقی سے لبریز فلم "نیلا آسمان" یا

BLUE SKIES

پھر جاری رکھی گئی ہے۔ جو سو فیصدی رنگین اور موسیقی سے لبریز فلم ہے جس کی جان جاں اس مشہور رقاص فریڈ اسٹیر بنگ کراسبی اور جون کالفیلڈ اپنے فن کی بے نظیر نمائش کرتے ہیں اور نگاساں جوان کا ناچ اور گانا اور بلی ڈی ولف کی ظرافت کے کارنامے قابل تعریف ہیں۔

قصہ کا تعلق تین آدمیوں کے رومانی مسائل تقدیر کی گردشوں اور مسرت سے ہے ان میں ایک کیبرٹ کا متلون مزاج مالک اور مغنی ہے جس نے اپنی عمر شبینہ کلبیں بنانے اور ان کے کامیاب ہونے پر فروخت کر دینے میں گذار دی۔

نیو امپائر

میں یونائیٹڈ آرٹسٹس کے توسط سے پیش کی ہوئی آلفریڈ ہچکاک کی بے مثل تخلیق "مبہوت حسینہ" یا

SPELLBOUND

کی بے پناہ مقبولیت کے پیش نظر پھر اس تیسرے ہفتہ بھی منتظمین کو مجبوراً جاری رکھنا پڑا۔ فن ہدایت کاری کا جہاں تک تعلق ہے آلفریڈ ہچکاک کی اس تخلیق میں ہدایت کار نے کمال کو پہونچا دیا ہے اصلیت اور رنگینی کی اپنی دیرینہ روایات اور شہرت کے معیار پر ثابت قدم رہ کر اسرار سکتہ کرنے والے واقعات کے مشہور استاد نے پیش کش کر کے پھر ایک مرتبہ رونگٹا کھڑا کرنے والی چیز پالی ہے اور آپ نے اپنی تصویر کے اہم کردار کے لئے انگرید برگمین اور گریگوری پیک کو منتخب کرکے اپنی نظر انتخاب کی مناسبت کا ثبوت دیا ہے اور اس میں شک نہیں چند ہی ایسے ممتاز ترین فلم اسٹار ہیں جو ایسے پارٹوں کو انتہائی کمال کے ساتھ انجام دینے کا وصف رکھتے ہیں۔

تصویر ہیلاری سینٹ جارج سانڈرس اور فرانسس بیڈنگ کی سنسنی خیز ناول "دی ہاؤس آف ڈاکٹر ایڈورڈیس" کا اقتباس ہے۔

ایکسلسیر

میں اس ہفتہ یونائیٹڈ آرٹسٹس کے زبردست اور مارکس برادرس کی مزاحیہ فلم "خونی ہوٹل" یا

A NIGHT IN CASABLANCA

پھر جاری رکھی گئی ہے۔

مارکس برادران گراوچو، ہارپو اور چیکو چار سال کے بعد اپنے بے مثل ظریفانہ کارناموں سے آپ کی تفریح طبع کے لئے پھر اس فلم میں نظر آتے ہیں۔

ان کو سابقہ جنگ کا بچا کچا میں چھپے بیٹھے نازیوں کی ایک خطرناک ٹولی سے پڑتا ہے جس میں دو نازیوں کی مہمات میں اپنے ظریفانہ انداز سے کام لیتے ہیں اور یہ ٹولی جب نادر الوجود جواہر اور آرٹ کے بے مثل ذخیرے جرا کر جنوبی امریکہ کو فرار ہونا چاہتی ہے تب ان تمام کوششوں کو ناکام بنا دیتے ہیں۔

مسٹر سہروردی وزیر اعظم بنگال

کلکتہ ۳ جنوری۔ وزیر اعظم مسٹر سہروردی اور مسٹر تارک ناتھ مکرجی وزیر آبپاشی اس ہفتے کے آخر میں دہلی جانے والے ہیں جہاں وہ حکومت ہند کی طلب کردہ دامودر ویلی پروجیکٹ کی مشترک کانفرنس میں شرکت کریں گے آج انھوں نے ہوائی جہاز میں بیٹھ کر دامودر اور براکر کے دریائی علاقوں کا مشاہدہ کیا۔

مسٹر ایل جے پیل کمشنر ترقیات اور مسٹر بی سرکار سکریٹری محکمہ زراعت ان کے ساتھ تھے۔

ستارہ ایک مشہور ممثل

پرمیلا "آپ بیتی" میں

دلیپ کمار "ملن" میں
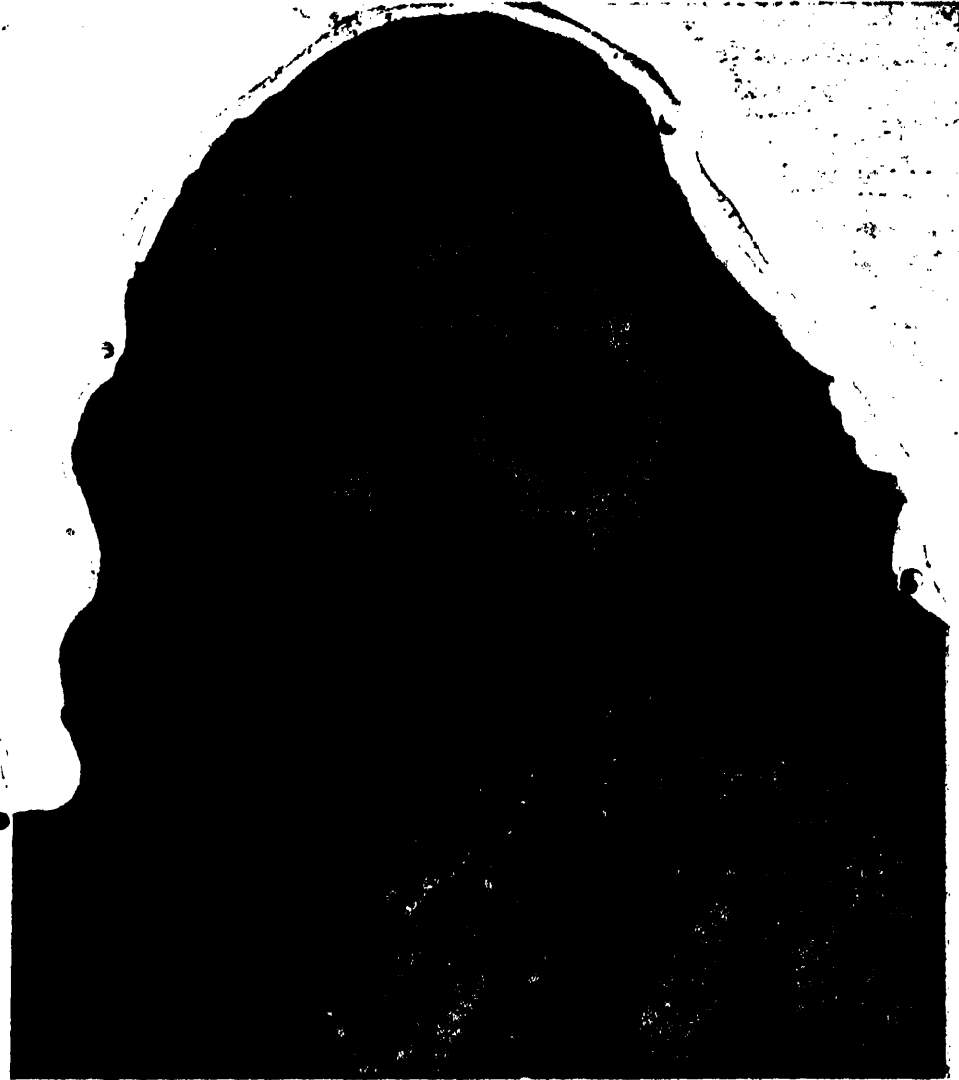
METRO GOLDWYN MAYER'S presents "THE GREEN YEARS", moving story by A. J. CRONIN with TOM DRAKE and BEVERLY TYLER who provide romantic interest at the METRO this week.

EDITED, PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS, BOMBAY 3.

قیمت دو آنہ
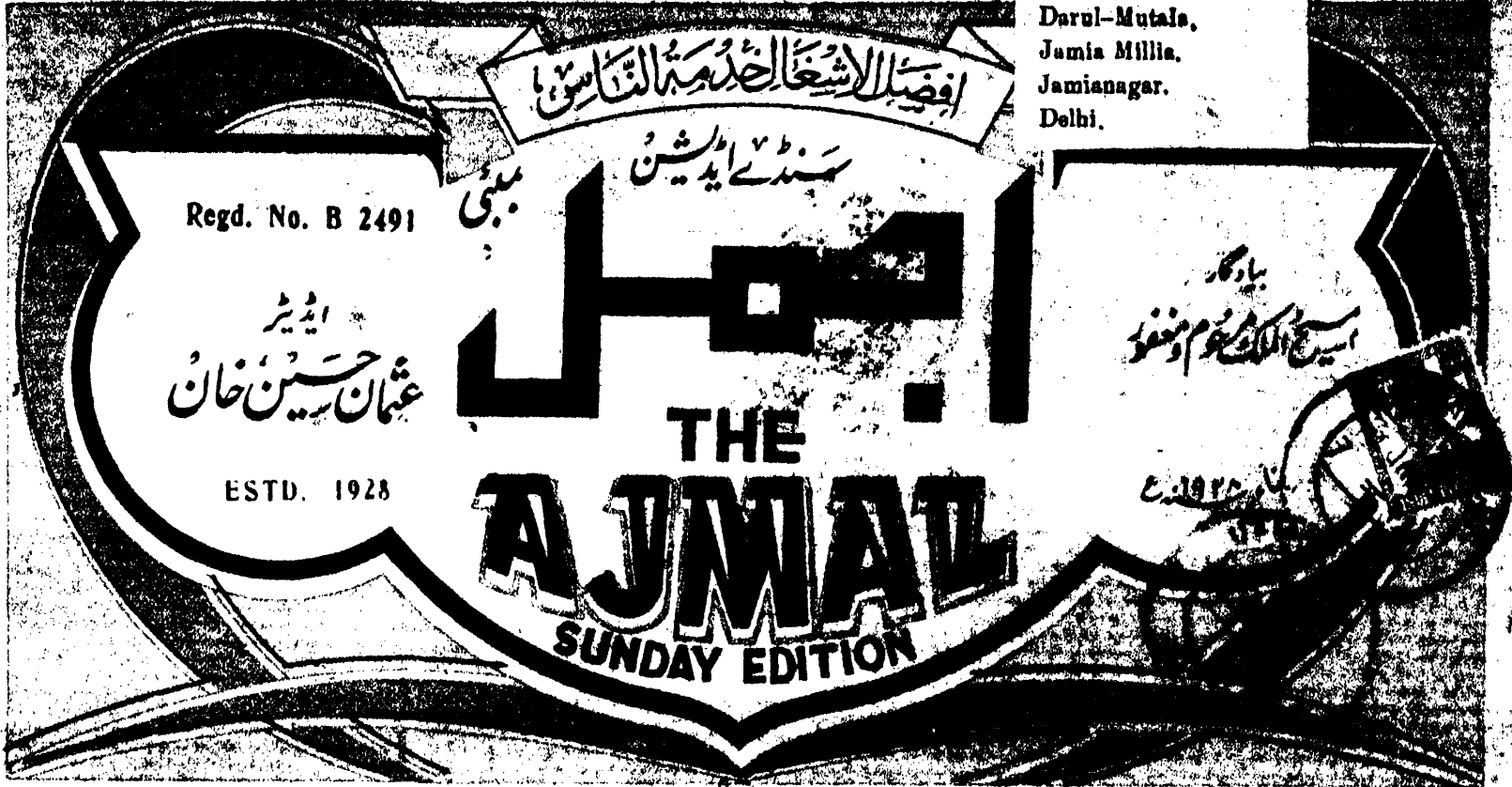
جلد ۲۰ | بمبئی یکشنبہ ۱۲ جنوری ۱۹۴۷ عیسوی | نمبر ۲

VOL. XX | BOMBAY. SUNDAY 12TH JANUARY 1947 | NO. 2

شہزادی الزبتھ اور پرنس فلپ

انگلستان کی ولیعہد شہزادی الزابتھ اور یونان کے شہزادے فلپ کی ایک تصویر یہ افواہ بہت گرم ہے کہ ان دونوں کی شادی ہونے والی ہے

مسٹر منشی کی ساٹھ ویں سالگرہ کی تقریب کے ایک جلسہ کی تصویر

بمبئی کی کانگریسی حکومت کسانوں کو کھیتی باڑی کے اوزاروں کو
کنٹرول بھاؤ سے دلانے کی تجویز کر رہی ہے

بچوں کو دودھ مفت تقسیم کیا جا رہا ہے

حکومت بمبئی بچوں کو دودھ مفت تقسیم کرنے کی
اسکیم پر عمل کر رہی ہے

مشرق قریبہ اور وسطیٰ کا فیڈریشن

[illegible] جامعہ ملیہ اسلامیہ (دہلی)

حال میں ہفتہ وار [illegible] میں عالم اسلام
ترکی اور ممالک عرب کی تنظیم کی یہی صورت
بتائی گئی تھی کہ عرب اور ترکی کا فیڈریشن بنا دیا
جائے کیونکہ یورپ اور روس کی دست برد سے
نجات مل سکتی ہے۔ حال میں مسٹر فنزبرگر نے
جیاں بھی میں فلسطین کے قضیہ اور تقسیم کے
متعلق جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ پڑھنے کے
قابل ہے آپ لکھتے ہیں:۔

ارنسٹ بیون کا دعویٰ ہے کہ وہ
فلسطین کا مسئلہ حل کر کے رہیں گے دیکھنا ہے
کہ وہ اسے کس طرح حل کرتے ہیں۔ کیونکہ
فلسطین کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہے بادی النظر
میں کوئی حل نظر نہیں آتا۔ یہودی اسی ضد پر
اڑے ہوئے ہیں اور اپنی اکثریت بنا کر حکومت کرنا
چاہتے ہیں۔ دوسری طرف عرب اسے اپنی
حکومت رکھنا چاہتے ہیں اس لئے بظاہر تقسیم
کے سوا چارہ کار نہیں۔

اس سے پہلے انگریزی حکومت نے
تقسیم کی پالیسی پیش کی تو خود لیبر نے مخالفت
کی تھی۔ اب لیبر نواز اور اس پر مصر ہے
مگر عرب اور یہودی دونوں اس تقسیم کے مخالف
ہیں اب سوال یہ ہے کہ اس مسئلے کو محض فلسطین
نہیں بلکہ مشرق قریبہ اور مشرق وسطیٰ کے
لحاظ سے دیکھنا چاہئے۔ اگر ہم اس نقطۂ نگاہ کو
پیش نظر رکھیں تو فلسطین کا مسئلہ بھی خود
بخود حل ہو جائے گا۔ زمانۂ جنگ سے مشرق
قریبہ اور وسطیٰ کی اہمیت ثابت ہے ایک
عالم دیکھ چکا کہ کس طرح مشرق کی زراعت
سول اور معدنیات سے استفادہ حاصل کیا جا سکتا
ہے اور کس طرح یہودیوں کے روپے صنعت
حرفت اور صنعتی اسکیموں سے عرب اور یہودی
دونوں بہ نگاہ فلسطین کو درست کر کے پہلو
بہ پہلو کام کر سکتے ہیں۔ اس خیال کو دیکھ کر مجھے یہ
خیال ہوا کہ انگریز اگر مشرق قریبہ اور مشرق
وسطیٰ کا فیڈریشن بنا دیں تو یہ روز کی خونریزی
بند ہو جائے گی۔ اور یہ ممالک بہت کچھ ترقی
کر جائیں گے۔

اس کے بعد اگر فلسطین میں یہودی
حکومت بھی بن جائے تب بھی اس
فیڈریشن کی شرکت کے سوا دوسرا چارہ کار نہ
ہوگا اور فیڈریشن کی صورت میں عرب اور یہودی
دونوں ایک دوسرے کے حلیف اور دوست
بن کر ملک کی ترقی میں کوشاں ہوں گے۔

مسٹر جیس کی یہ اسکیم کہ وادی یردن میں
بجلی کا کارخانہ قائم کر کے سارے ملک کو زرخیز
بنا دیا جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے
جب یہود اور عرب میں ہم آہنگی ہو اور اس
کے لئے یہ توقع کہ انگریز یہودیوں کی خاطر عرب
کو برباد کر دے بیکار ہے مگر ان دونوں کو
ایک نہ ایک دن مل جل کر رہنا ہے اس
لئے اگر ابھی سے اس کی ابتدا کر دی جائے تو
مناسب ہے۔

مسٹر فنزبرگر کی یہ رائے ہے اگر
تعمق غور سے دیکھا جائے تو بالکل اس تجویز کے
ہم آہنگ ہے کہ ترکی۔ سوریہ۔ لبنان فلسطین
شرق اردن۔ مصر۔ ممالک عرب اور عراق
کا ایک وفاق قائم کر دیا جائے اور اس
وفاق میں ترکی کی وہی پوزیشن ہو جو امریکہ
میں ممالک متحدہ امریکہ کی ہے۔ ہر ملک اندرونی
معاملات میں آزاد ہو مگر معاملات خارجہ
میں ہم آہنگ ہو۔ اور اس وفاق کا صدر
مقام انقرہ ہو جس کا صدر خلیفہ جو وفاقی
حکومتوں کی کثرت آراء سے منتخب ہو خواہ
یہ انتخاب زندگی بھر کے لئے ہو یا معین مدت
کے لئے مگر ضرورت اس کی ہے کہ اس کے
لئے مولانا ابو الکلام سا کوئی شخص اللہ کا نام
لے کر اٹھ کھڑا ہو اور کوشاں ہو یہ صحیح ہے
کہ عرب اور ترک میں منافرت ہے مگر دونوں
آپس کی پھوٹ کا برا نتیجہ دیکھ چکے ہیں۔
اور اس کی امید ہوتی ہے کہ اگر کوئی ہمدرد
مخلص انہیں سمجھائے تو یہ قریب تر ہو کر اس
وفاق کو عملی جامہ پہنائیں گے۔

کیا روس میں لڑنے کی طاقت نہیں؟

ڈیوڈ لا نے ورلڈ اور پریس میں لکھا
ہے کہ میں نے ایک امریکن عہدیدار سے جو
پانچ برس روس میں رہ کر لوٹا ہے ملاقات
کی اس عہدیدار نے اسٹالن سے ملاقات
کی اور روسی قوت اور استحکام کے جانچنے
کے اسے مواقع ملے اس کا خیال ہے کہ روس
میں مصنوعات کی کمی ہے۔ مزارع ویران
ہیں اور انہیں درست کرنے کی ضرورت
ہے روس جو اکڑا ہوا ہے وہ محض ڈھونگ
ہے اور اس کے سامنے وہ اکڑ فوں دکھا کر
ملک کی اندرونی خرابی اور ابتری پر پردہ
ڈالے رکھنا چاہتا ہے ان تمام باتوں سے
اس کا یقین ہوتا ہے کہ سر دست کوئی جنگ
نہیں ہوگی۔ ہاں اگر سیاسی غلطی ہوئی تو
وہ اپنے ملک و پڑوسیوں سے الجھ جائے گا
اس امریکن کو روسی جد و جہد سے ہمدردی ہے
مگر ساتھ ہی وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ اس وقت
روس میں کسی عمومی جنگ کی قوت نہیں ہے
اس کا ثبوت روسی وزیر مالیہ کے اس
بیان سے بھی ملتا ہے کہ اگر موجودہ اخلاقی
ابتری کو رفع نہیں کیا گیا تو سوویٹ روس کا
سارا نظام ابتر ہو جائے گا۔

سرمایہ دار دنیا میں ابتری

دوسری طرف روسی اخبار پراودا میں
ای وارگا لکھتا ہے کہ اگرچہ امریکہ میں بظاہر
اقتصادی دھوم دھام ہے مگر عنقریب
سرمایہ دار دنیا میں ابتری رونما ہونے والی
ہے۔ اس ابتری کا پتہ تین باتوں سے چلتا
ہے ایک تو یہ کہ مصنوعات کا ذخیرہ بڑھتا
جا رہا ہے دوسرے خام پیداوار کی قیمت
اگر مال ملتا رہا تو اکتوبر ہی سے گرنے لگے گی
تیسرے ماہ مئی گذشتہ سے اسٹاک ایکسچینج
کی قیمت گرنا شروع ہو گئی ہے ان تمام
باتوں سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ ۱۹۴۸ء تک
امریکہ کی اقتصادی حالت بہت خراب ہو جائے گی
جس کا سرمایہ دار ممالک پر معتد بہ اثر رونما ہوگا۔

ریکارڈ کئے ہوئے پروگراموں کی لائبریری

بی بی سی لندن کے ہیڈ کوارٹر براڈ
کاسٹنگ ہاؤس میں ایک خاص قسم کی لائبریری
ہے یہ بی بی سی کے ریکارڈوں والی لائبریری
کہلاتی ہے اس میں ان تقاریر کا ریکارڈ
ہے جو بی بی سی نے اپنے پروگرام میں شامل
کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً کیا۔ اس میں
کاروباری قسم کے ریکارڈ نہیں ہوتے ان
کے لئے ایک علیحدہ جگہ ہے۔

اس کا ایک اہم کام یہ ہے کہ نشریات
کی عہد بعہد ترقی کا مواد رکھے۔

پچھلے پندرہ سال میں اس ذخیرے
میں خصوصاً جنگ کے تاریخی واقعات
کی وجہ سے حیرت انگیز اضافہ ہو گیا ہے۔

ریکارڈنگ تین قسم ہیں پہلی قسم
عام گراموفون ریکارڈ سے بہت ملتی جلتی
ہے اس کی دس ہزار مدیں ہیں اور ہر مد
کی پانچ چھ کاپیاں ہیں اس طرح تقریباً
۵۰ ہزار پریسنگ لفافے میں ملفوف لائبریری
کے شیلف پر رہتے ہیں کئی قسم کی تھالیوں
کی ریکارڈنگ ہوتی ہے جن میں ایک
بہت بڑی تھالی شامل ہے جس کے ایک
طرف ۱۵ منٹ کا پروگرام ریکارڈ کیا جا سکتا
ہے اس کے علاوہ بی بی سی ایک خاص قسم
کا فلم ریکارڈنگ تیار کرتی ہے جو کسی قدر
سینماؤں کی آواز بندی سے مشابہ ہے
لائبریری میں اس قسم کے بہت سے ریل
تیار رہتے ہیں ان میں سے ہر ریل کے [illegible]
میٹر۔ نو سو [illegible] کا ہوتا ہے اور یہ پندرہ
منٹ تک کا ریکارڈنگ لے سکتا ہے۔

ایک اور قسم کی ریکارڈنگ بھی استعمال
ہوتی ہے جسے فولادی فیتے یا تار پر مقناطیسی
ذریعوں سے تیار کیا جاتا ہے یہ طریقہ پروگرام
جمع کرنے کے لئے استعمال نہیں ہوتا۔ کیونکہ
اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ٹکڑوں پر سے اس کا
اثر جلد ہی مٹ جاتا ہے اور اس لئے وہ
ٹیپ بہ صرف عارضی پروگرام اتارا جاتا ہے
اس وجہ سے یہ طریقہ (باقی کالم دوم)

بسلسلہ کالم چہارم

صرف عارضی ریکارڈنگ کے لئے ہوتا ہے
اور یہ اسی لئے مناسب بھی ہے۔

لائبریری کے ایک حصہ میں طرح
طرح کی آوازوں کے ریکارڈ رکھے جاتے ہیں
جو ڈرامائی اثر پیدا کرنے کے لئے کام میں آتے
ہیں۔

اس قسم کے ایک ہزار ریکارڈ موجود
ہیں جن میں پانچ یا چھ ہزار قسم کی آوازیں
ہیں۔

گاندھی جی کے نئے مدمقابل

حال میں فیلڈ مارشل منٹگمری کی ایک سوانح عمری لندن میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے مصنف ایلن مورہڈ مشہور جنگی نامہ نگار ہیں جو العلمین سے لے کر وسط جرمنی تک منٹگمری کے ساتھ ساتھ رہے اس کتاب کی دلچسپ بات صرف اتنی ہے کہ ہندوستانیوں کو مسٹر مورہڈ کے ذوق سلیم کی داد دینی ہوگی کہ وہ منٹگمری میں وہ سب باتیں اور خوبیاں بتاتے ہیں جو گاندھی جی میں ہیں۔

ذرا اس تعریف کو سنئے :۔

منٹگمری خلاصہ یہ ہے کہ نہ تو کرامول کا سا جنگی سپہ سالار ہے اور نہ گورڈن جیسا خبطی اور نہ اسٹون وال کی طرح کلیسا کا سپاہی ڈگری بالڈوی سا پرجوش اور نہ نپولین اور ہٹلر سا مقناطیسی اثر رکھنے والا حقیقت دان بلکہ تماشا تو یہ ہے کہ وہ ایک ایسے شخص کے مانند ہے جو لڑائی کے کام کا نہیں بلکہ امن و صلح والا انسان ہے۔ بادی النظر میں یہ کہنا کہ وہ گاندھی کی طرح ہے مذاق معلوم ہوگا مگر اس ایشیا کے رشی اور یورپ کے جرنل میں بہت کچھ یکسانیت ہے۔ چمکدار چہرہ جاذب نظر آنکھیں اور دبلے پتلے جسم میں دونوں یکساں ہیں آواز بھی ملتی جلتی ہے اور مزاج میں بھی ہم آہنگی ہے۔ دنیاوی لذتوں سے دونوں بے پرواہ ہیں اور دونوں کو اپنی اصابت رائے پر اعتماد ہے اور اس سے دوسرے بھی متاثر ہوتے ہیں۔ رفقاء کے انتخاب میں دونوں کو کمال ہے۔ اپنے ملکی معاملات میں دونوں ہوشیار ہیں اور دونوں اپنے لئے اچھے معتقدین چن لیتے ہیں دونوں بحث اور مخالفت کو پسند کرتے ہیں۔ دونوں کو عوام سے تعلق رہتا ہے اور اسی میں اپنی قوت سمجھتے ہیں اور سادگی میں دونوں ایک دوسرے سے بڑھے ہوئے ہیں دونوں کی باتیں پس پردہ نہیں ہوتیں اور غلطی کے اعتراف میں دریغ نہیں کرتے دونوں دوستوں پر مہربان اور فیاض ہیں اور دونوں کو خوشامد سے نفرت ہے دونوں اپنی اپنی باتوں پر اڑ جاتے ہیں دونوں کے متعلق نقشہ سازوں کو مواقع مل جاتے ہیں

اگرچہ دونوں کے فلسفے میں ناقابل عبور خلیج حائل ہے مگر دونوں کے طریقے اور بنیادی اصول یکساں ہیں۔ یہ امن اور جنگ کے دو سپاہی ہیں ایک کتاب کے حلیم بنیاد پر دوسرا کتاب سے قوت حاصل کرو دونوں عالم محبت اور حکمرانی محبت کے قایل ہیں گاندھی اپنے فاقہ کش کروڑوں باشندوں کے ساتھ اور منٹگمری اپنے سپاہیوں کے ساتھ محبت سے پیش آتے ہیں گویا لنگوٹی اور فولادی خود میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

(عجب نہیں جو نامہ نگار مذکور اپنی دوسری تصنیف میں سردار ولبھ بھائی پٹیل میں لارڈ ڈیول کی جھلک اور غضنفر علی خاں کو مسٹر چرچل کا نمونہ بنائے۔ مترجم)

گرجا میں تھیٹر

جناب اکبر الہ آبادی نے ایک موقع پر کسی انگریز وضع مسلمان پر یہ مصرعہ کسا تھا "بیٹھ کر مسجد میں اب قرآن گایا کیجئے" خیر مسلمانوں کو تو اب تک اللہ پاک نے اس بلا سے پاک رکھا ہے مگر اہل کلیسا اس سے بھی ایک درجہ آگے بڑھے ہیں اب تک تو گرجاؤں میں پیانو پر دعائیں گائی جاتی ہیں مگر لندن کی خبر ہے کہ الورنڈ باسے بونس وکر سینٹ تھیوز چرچ۔ اپسوچ کی یہ رائے ہے کہ ہر گرجا کے اندر ایک مستقل اسٹیج ہونا چاہئے ایکٹروں کے لئے ڈریسنگ روم اور روشنی کا معقول انتظام ہونا چاہئے چنانچہ بری سینٹ اومنڈ کی مسیحائی عدالت نے اس کی اجازت دے دی ہے کہ جنوبی حصے کے مشرقی گوشے پر ایک اسٹیج بنایا جائے اور اسے جلد سے جلد مکمل کر دیا جائے۔

یہ پادری چالیس سال کی عمر کا ہے اور فوجی پادری رہ چکا ہے خود بھی اچھا ایکٹر ہے، اور آواز بھی سریلی ہے اس کا دعویٰ ہے کہ وہ جلد متعدد مذہبی ڈرامے تیار کرکے ایکٹروں کو تعلیم دے گا اور خود بھی اس میں حصہ لیگا اس کا بیان ہے کہ عوام وعظ ونصیحت سے تنگ آگئے ہیں (باقی کالم چار میں)

(باقی کالم چار میں)

لیبر جماعت کی پھوٹ

برطانیہ کے سیاسی حلقے میں لیبر جماعت میں جو اختلافات مسٹر بیون کی خارجہ پالیسی کی بنا پر رونما ہیں اس سے خوب خوب چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں، اور عام خیال یہ ہی ہے کہ ہندوستان کا مسئلہ بھی اسی وجہ سے طے نہیں ہو رہا ہے کیونکہ اکثر دلوں میں یہ امید موہوم ہے کہ اس باہمی پھوٹ کی بدولت لیبر وزارت ختم ہوگی اور پھر چرچل اور ایمری برسر حکومت ہوں گے جو یقیناً (ان کی دانست میں) کانگریس کو دبانے کی پالیسی پر عامل ہوں گے حالانکہ بظاہر یہ امید موہوم ہے اور مزدور جماعت میں جو اختلاف ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ مخالف ممبران کو یہ شکایت ہے کہ بیون بھی خارجہ پالیسی میں چرچل اور اس کی پارٹی کی ہمنوائی کر رہا ہے۔ بالفاظ دیگر اس کے یہ معنی ہوتے کہ ہر جماعت چرچل کی پالیسی کو مردود قرار دے رہی ہے۔

اس کے مقابلے میں مسٹر چرچل نے ایک بنیادی ڈھونگ رچانا شروع کیا ہے کہ مختلف ممالک یورپ کا ایک وفاق (فیڈریشن) قائم کر دیا جائے اس کے لئے وہ اپنی دستخط سے متعدد افراد مشاہیر اور اہل قلم کو خطوط لکھ رہے ہیں گو اب تک اہم ممالک اس کے موید ہیں امریکہ اسے مسترد کر چکا ہے۔ اس تحریک میں مسٹر ڈنکن سینڈس داماد چرچل۔ مسٹر ایمرے۔ مسٹر اولیور اسٹینلی اور مسٹر ڈیوڈ میکسول فایف اس کے ہمنوا ہیں۔

خط ایک یادداشت کی صورت میں ہے اور اس کے ذریعہ ممالک مغربی یورپ میں اس کی تحریک کا خیال ہے اگرچہ مسٹر سینڈس کا دعویٰ ہے کہ بہت سے لیبر ممبر اور مزدور جماعتیں اس سے متفق ہیں مگر اب تک مزدور جماعت میں درحقیقت کامیابی نہیں ہوئی ہے۔

ایک مزدور جماعت کے لیڈر نے تو یہ کہا کہ اگر اس تحریک میں روس کو بھی شریک کیا جائے تو وہ [illegible] ضابطہ گفتگو میں حصہ لینے کو تیار ہے حالانکہ خود چرچل کو یہ امر گوارا نہیں کیونکہ روس سے بچاؤ کے لئے ہی دراصل یہ وفاق قائم کیا جائے گا۔

خود روس بھی اس سے متفق نہیں کیونکہ زور حج میں پہلی بار جب یہ اسکیم پیش کی گئی تو روس نے بھی یہی سمجھا کہ یہ تحریک روس کے اثر کو گھٹانے اور اس کی قوت کو کمزور کرنے کے لئے نکالی گئی ہے دوسری طرف قرائن بتلاتے ہیں کہ خود انگلستان میں لیبر مزدور ممبروں کی ہمدردی روس کی پالیسی کے ساتھ ہمدردی بڑھتی جا رہی ہے اور ٹوری جماعت صرف اس وقت برسر اقتدار ہو سکتی ہے جبکہ دست راست کے لیبر ممبروں کے ہم نوائی کریں۔

خود مزدور جماعت ان باغی لیبر ممبران کو سختی سے دبانا نہیں چاہتی بلکہ تالیف قلوب کے ذریعے اس پر قابو نہیں رکھنا چاہتی ہے یہی وجہ ہے کہ خود مسٹر ایٹلی نے ان مخالفین کو بعض معمولی سی تنبیہہ کر دی کہ ان کی مخالفانہ کاروائیوں سے حکومت کمزور ہوتی ہے۔

ظاہر ہے کہ ہندوستان کی جو جماعتیں کانگریس کو ٹوری امداد سے دبانا چاہتی ہیں وہ انگلستان میں یہ دکھانا چاہتی ہیں کہ کانگریس ہی روس کی ہمنوا ہوتی جا رہی ہے۔

چنانچہ حال ہی میں جنوبی افریقہ کے مسئلہ پر روس کو ہندوستانیوں کی ہم نوائی کو اسی روشنی میں پیش کیا جا رہا ہے۔ مگر انگلستان والے اسے سمجھتے ہیں کہ ہندوستانی آزادی طلب نہ روس کے بندے ہیں اور نہ انگلستان کے۔ بلکہ انگلستان میں خواہ کوئی پارٹی برسر اقتدار ہو وہ اپنی دھن اور اپنے کام میں مستعد رہیں گے۔

(بسلسلہ کالم دو)

اور ایکٹنگ کے ذریعے بہترین تعلیم دی جا سکتی ہے۔

ہماری جماعت میں بہت سے ایسے افراد ہیں جو ایکٹنگ میں ماہر ہیں اور وہ اس کام میں اچھے ہیں اور اس کو بخوشی انجام دیں گے ہم جلد انشاء اللہ اسٹیج کے ذریعے دکھائیں گے اور دوسرے اخلاقی ڈرامے کھیلیں گے ہم نے بہت سے [illegible] ڈرامے کی مشق کر لی ہے

انڈین نیشنل کانگریس کی اکسٹھ ۶۱ سالہ جدوجہد

۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء کو بمبئی میں دوپہر کے بارہ بجے انڈین نیشنل کانگریس کا پہلا اجلاس ہوا۔ اس روز کو ہم اس جماعت کا جنم دن کہہ سکتے ہیں۔ اس اجلاس میں صرف بہتر نمائندوں نے شرکت کی تھی لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ اکسٹھ سال کے عرصہ میں اس جماعت نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ یہ اسی حب الوطنی جماعت کی قربانیوں کا نتیجہ ہے آج ہندوستان پنا آئین خود اپنے پسندیدہ نمائندوں کے ہاتھوں تیار کر رہا ہے اور جلد ہی آزادی کی منزل مقصود پر پہونچا دینا چاہتا ہے۔ اسی حریت پسند جماعت کی جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ آج مسز وجے لکشمی پنڈت نے یو۔این۔او میں جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے خلاف سفید چمڑی والے لوگوں کے مظالم کے خلاف صدائے حق بلند کر کے تمام دنیا کے سامنے جنرل اسمٹس جیسے بددماغ شخص کے دانت کھٹے کر دیئے ہیں صرف برٹش حکومت ہی کیا تمام دنیا اس جماعت کا لوہا ماننے لگی ہے معاصر "ڈی این" نے اسی جماعت کی اکسٹھ سالہ سرگرمیوں کا مختصر لیکن مکمل خاکہ پیش کیا ہے اس مضمون کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:۔

بلند پایہ قدیم تہذیب والی اقوام ایک ہی دم حیرت انگیز ترقی کر لیتی ہیں یہ چیز مصر شام اور ایران کی طرح ہی ہندوستان پر بھی صادق آتی ہے لیکن ہندوستان کی ہمدرد اور انڈین نیشنل کانگریس کی سابق صدر مسز اینی بیسنٹ آنجہانی نے کہا تھا:۔

"لیکن ایک چیز میں ہندوستان اپنے ہمعصروں سے مختلف ہے وہ معدوم ہو چکے ہیں لیکن ہندوستان اب بھی زندہ ہے اور دور حاضرہ میں وہ اس سرگرمی اور طاقت کا اظہار کر رہا ہے جو کہ جلد ہی اسے دنیا کی صف اول کی اقوام میں کھڑا کر دے گی:

"ہندوستان کی تاریخ نہایت قدیم زمانے تک سے پیوستہ ہے اس زمانے کی قدامت کا بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا ہندوستان کا لٹریچر بھی اتنا قدیم ہے کہ دنیا اس قدامت کو تسلیم کرنے سے منکر ہے:

دور حاضرہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ نیک دل خاتون لکھتی ہے:۔

"پہلے کبھی بھی تمام ہندوستان کسی غیر حکومت کا غلام نہ تھا اگر ایک حصہ پر حملہ ہو جاتا تو باقی میں سکون ہی رہتا تھا اگر کوئی غیر حکومت قبضہ بھی جما لیتی تھی تو اس کے قوانین پہلے ہی ڈھانچہ پر ڈھل جاتے تھے حکومت کے دفاتر کے گرد و نواح میں حملہ آوروں اور اصلی باشندوں کے درمیان کوئی تمیز نہ کی جاتی تھی برٹش کی پالیسی مختلف رہی ہے ہندوستان کا تمام انتظام انہیں کے ہاتھوں میں رہا ہے اور تمام بڑے عہدہ دار غیر ملکی باشندے ہی سرفراز ہوتے ہیں:

"ایسا معلوم ہوتا ہے کہ برٹش کا مقصد و مدعا تمام ہندوستان کو کلرکوں کا ملک بنانا تھا تمام باشندوں پر اس قسم کے دباؤ نے برا اثر ڈالا اور تمام قوم کو کمزور کر دیا۔

شری گوپال کرشن گوکھلے کی بھی یہی رائے تھی صارفین کے شاہی کمیشن کے سامنے شہادت دیتے ہوئے انہوں نے کہا تھا:۔

"موجودہ نظام کے زیر تحت ہندوستانی قوم کو کھوکھلا کرنے کی سازش پر عمل کیا جا رہا ہے ہمیں تمام عمر حقارت سے بسر کرنی پڑتی ہے ہم میں سے بڑے سے بڑے کو موجودہ نظام کو مطمئن کرنے کے لئے سرخم کرنا پڑتا ہے"

سنہ ۱۹۱۵ء میں ہندوستان کی آزادی کی علمبردار مسز اینی بیسنٹ ہندوستان سے یہ کہلانا چاہتی تھیں:۔

"ہندوستان برٹش کے میل جول کو خوش آمدید کہتا ہے لیکن اب انگریزی غلامی سے اکتا گیا ہے اب وہ مطلق العنانہ قوانین سے نجات حاصل کرنے کا خواہاں ہے اور خود مختار حکومت کا طالب ہے"

سنہ ۱۸۸۵ء کے قریب مسٹر گوکھلے اور مسز اینی بیسنٹ کے بیان کردہ حالات سے بھی زیادہ شدید حالات کا دور دورہ تھا ہندوستان کی اس قابل رحم حالت نے حب الوطن اشخاص کے دلوں میں اضطراب پیدا کر دیا۔ انھوں نے سوچا اور بار بار سوچا انھوں نے ہندوستان کی قدیم عظمت کو محسوس کیا اور انھوں نے یہ بھی سوچ لیا کہ ہندوستان ہمیشہ مغربی ممالک کا نشانہ نہیں بنا رہے گا ان خیالات نے مفکروں کو باہمی صلاح مشورے پر آمادہ کر دیا۔ تب انھوں نے مل کر کمیٹیاں قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا اور باہمی میل جول کے حلقہ کو وسیع اور مضبوط وسیع بنانے کی کوششیں شروع کر دیں اس طرح انڈین نیشنل کانگریس جیسے تناور درخت کے بیج بو دیئے گئے۔

مسز بیسنٹ لکھتی ہیں:۔

"بستو نیک اور صادق پر خلوص اشخاص نے ملک کی محبت کے جذبے کے باعث مادر وطن کو نجات دلانے کے لئے ایک سیاسی قومی تحریک کے بارے میں سوچا۔ مندرجہ ذیل سرکلر جاری کیا گیا:۔

"۲۵ دسمبر ۱۸۸۵ء سے ۳۱ دسمبر ۱۸۸۵ء تک پونا میں انڈین نیشنل یونین کی کانفرنس منعقد ہوگی"

"کانفرنس نمائندوں پر مشتمل ہوگی جو کہ بنگال۔ بمبئی اور مدراس پریذیڈنسیوں کے انگریزی زبان جاننے والے چوٹی کے سیاستدان ہوں گے"

"کانفرنس کا براہ راست مندرجہ ذیل مقصد ہوگا۔

(۱) قومی ترقی کے لئے تمام خواہشمند مزدوروں کی ایک دوسرے سے ذاتی طور پر واقفیت کرانا۔

(۲) اگلے سال کے دوران میں آنے والی سیاسی سرگرمیوں پر غور کرنا۔

"یوں سمجھئے کہ ایک طرح سے یہ کانفرنس ملکی پارلیمنٹ کا آغاز ہوگی اور اگر اسے صحیح طور پر چلایا گیا تو اس خیال کو باطل قرار دے سکے گی کہ ابھی ہندوستان نمائندہ اداروں کے قیام کے قابل نہیں ہے پہلی کانفرنس یہ فیصلہ کرے گی کہ آیا دوسری کانفرنس کا اجلاس بھی پونا ہی میں ہو۔ برٹش ایسوسی ایشن کی مانند آئندہ سال مختلف جگہوں پر اجلاس ہوں"

اس مرتبہ چونکہ کانفرنس پونا میں منعقد کی جا رہی ہے اس لئے سار بوجنک سبھا کے مسٹر چپلونکر اور دیگر صاحبان نے استقبالیہ کمیٹی بنانا تسلیم کر لیا ہے اس کمیٹی کے ہاتھ میں تمام مقامی انتظامات ہوں گے۔ پہاڑی پاربتی کے نزدیک کے پیشوا باغ کو (جس میں کہ ایک عمدہ ہال ہے) بطور جائے اجلاس اور نمائندوں کو موزوں کوارٹر مہیا کیا جائے گا اس چیز کی اہمیت بہت زیادہ ہے کیونکہ ایک ہفتہ تک اکٹھا رہنے سے دوستانہ تعلقات بڑھانے کا بہت عمدہ موقع مل جائے گا۔

نمائندوں کو پونا آنے اور واپس جانے کا انتظام خود ہی کرنا ہوگا لیکن پونا میں قیام کے دوران میں سواری، رہائش، خوراک وغیرہ کا انتظام مفت کیا جائے گا۔

"یہ تمام خرچہ استقبالیہ چندہ میں سے ادا کیا جائے گا لیکن تمام نمائندوں کو حسب منشا روپیہ دینے کی اجازت ہوگی اس قسم کے دیئے ہوئے روپیہ کے بقیہ کو اگلے سال استعمال کیا جائے گا۔

"یہ خیال ہے کہ پونا کے اشخاص کے علاوہ بمبئی پریذیڈنسی سندھ اور برار سے تقریباً ۲۰ نمائندے بھیجے جائیں گے مدراس اور زیریں بنگال سے تقریباً اتنے ہی نمائندے ہوں گے اور شمال مغربی سرحد اودھ اور پنجاب تقریباً دس نمائندے بھیجیں گے"

آج سے ۶۱ سال قبل کا یہ سرکلر دلچسپ معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ انڈین نیشنل کانگریس کے بانیوں کے رجحان کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ خیالات ان لوگوں کے ہیں جو کہ ہندوستان کو سورج غروب نہ ہونے والی برٹش حکومت کے پنجہ سے چھٹکارا دلانے میں ہندوستان کی رہنمائی کرنے والے تھے۔

پہلا اجلاس سرکلر کے بموجب پونا میں نہ ہو سکا کیونکہ مقررہ تاریخ سے چند روز پیشتر ہی شہر میں ہیضہ کا غلبہ ہو گیا اس لئے کانفرنس کو جس نے اب کانگریس کا نام اختیار کر لیا تھا۔ بمبئی منتقل کرنا بہتر سمجھا گیا۔

۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء کو دوپہر کے بارہ بجے بمبئی میں کانگریس کا پہلا اجلاس شروع ہوا اس میں ۷۲ نمائندے شریک تھے تین اشخاص حکومت کے ملازم ہونے کے باعث شرکت نہ کر سکے کانگریس نے اپنی ابتدا ۹ ریزولیوشنوں کے ساتھ کی پہلے ریزولیوشن میں ہندوستانی نظام کی تفتیش کا مطالبہ کیا گیا تھا دوسرے ریزولیوشن میں سیکریٹری آف اسٹیٹ کی کونسل کے ہٹا دینے کا مطالبہ موجود ہے تیسرے میں قانون ساز کونسلوں میں اصلاحات کرنے کے لئے کہا گیا تھا چوتھے میں ایک ہی وقت پر امتحانات کا مطالبہ کیا گیا تھا پانچواں ریزولیوشن فوجی مصارف کے بارے میں تھا جو کہ ۱۸۵۷ء میں ... ۴۰۳۰۰۰۰ پونڈ سے بڑھ کر

(باقی اگلے صفحہ پر)

پاگل خانہ میں پریس رپورٹر

(از پنڈت آنندی پرشاد مصرا مرادآبادی)

مغربی ممالک میں اخبارات کی خوب قدر ہے وہاں چھوٹے بڑے سب ہی لوگ اخبار پڑھنے کے شوقین ہیں وہاں اخبارات کے خریداروں کی تعداد لاکھوں تک ہے اگر کسی کا اخبار چل پڑا تو مالا مال ہو جاتا ہے اس لئے اخبارات کے مالک اپنے اخبار وں کو چلانے کے لئے بڑی کوشش کرتے ہیں خبریں حاصل کرنے کے لئے وہ خرچ کرنے میں ذرا بھی کنجوسی نہیں کرتے اپنے رپورٹر کو اچھی رقم دیتے ہیں یہ رپورٹر بھی اپنے کام میں بڑے ہوشیار ہوتے ہیں بڑی ہوشیاری اور چالاکی سے وہ خبریں مہیا کرتے ہیں وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتے ہیں کہ کہیں سے کچھ ایسی بات مل جائے جس کو پڑھ کر لوگوں میں سنسنی پھیل جائے اس کے لئے وہ ہر تکلیف کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں پیرس کے دو چار مضمون نگاروں نے اسی طرح کی باتیں لکھ کر بڑا نام پیدا کیا ہے ایم وائیر، جارجیس ڈینیل جیسس بریانئیر وغیرہ مضمون نگاروں نے ایسے ایسے مصائب برداشت کئے ہیں کہ لوگ ان کو پڑھ کر متعجب ہوتے ہیں۔ ڈینیل یہ ثابت کرنے کے لئے کہ لوبرے کے عجائب خانے میں نگران بہت غافل رہتے ہیں رات بھر ایک پتھر کے تابوت میں چھپا رہا ایک دوسرا مضمون نگار سین ندی میں کود پڑا اور اس کے بعد اس نے ایک مضمون میں لکھا کہ پولیس والوں سے آدمیوں کی جان کی حفاظت نہیں ہو سکتی۔

میڈم بریانئیر کو لوگ پیرس پریس کی ہیلن کہا کرتے تھے۔ ہیلن کا نام ہومر کے اریسڈ نامی کتاب میں مشہور ہے اسی کی خوبصورتی کی وجہ سے ٹرائے کی جنگ ہوئی تھی ایسی خوبصورت ہو کر بھی میم صاحبہ بھیس بدل کر کچھ عرصے تک گھوم گھوم کر میوہ فروخت کرتی رہیں اس کے بعد آپ نے اپنے تجربات قلمبند کئے اور عورت نے غریبوں کے مصائب دیکھنے کے لئے کچھ دنوں تک انہی کے پاس رہنا گوارا کیا مگر سب سے عجیب و غریب حال والٹیر صاحب کا ہے آپ ایک مرتبہ خبروں کی تلاش میں پاگل خانے کی ہوا بھی کھا آئے۔ وہاں آپ کی بری حالت ہوئی۔

والٹیر صاحب اچھے قد کے دبلے پتلے آدمی تھے آپ کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں رنگ کچھ زرد تھا اس لئے جب آپ نے اپنے بال اور داڑھی بکھیرا اور آئینہ میں اپنا منہ دیکھا تو آپ کو کامل یقین ہو گیا کہ اب آپ کو دیکھ کر سب پاگل سمجھیں گے۔

اس طرح پاگل کا سوانگ بنا کر آپ گھر سے نکلے آپ کی خواہش تھی کہ راستہ میں کوئی پولیس کا آدمی مل جائے تو آپ پاگل پن کی حرکت کریں اتفاق سے ایسا موقع مل گیا راستہ میں آپ کو دو خفیہ پولیس کے آدمی مل گئے آپ ان کو اچھی طرح پہچانتے تھے جیسے ہی آپ ان کے پاس سے نکلے ویسے ہی آپ زور سے ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ پولیس کی نادانی تو دیکھو وہ اپنے بادشاہ کی حفاظت نہیں کر سکتی۔

وہ دونوں جاسوس یہ سن کر کھڑے ہو گئے تب آپ ایک لیمپ پوسٹ سے باتیں کرنے لگے آپ نے کہا کہ کیوں تمہاری کیا رائے ہے تم تو یہاں بیٹھے بیٹھے دنیا بھر کے لوگوں سے باتیں کیا کرتے ہو کسی کی سنتے تو ہو نہیں میں کہتا ہوں تمہارا کہنا غلط ہے نہیں تو بحث کر لو ہم تیار ہیں۔

لیمپ پوسٹ نے کوئی جواب نہ دیا تب تو آپ بڑے ناراض ہوئے زور سے چلا کر کہا بدمعاش شیطان کھڑا رہ ابھی تجھے مزہ چکھاتا ہوں یہ کہکر آپ نے آستین چڑھا کر مکہ اٹھایا۔ وہ دونوں جاسوس کھڑے کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے اب قریب آئے آپ نے انہیں دیکھ کر بڑے تپاک سے کہا صاحب آپ اچھے موقع پر آئے ذرا ادھر آیئے میں آپ کو ایک معرکہ کی بات سناتا ہوں مگر کہیں یہ لیمپ نہ سن لے پھر آپ نے ذرا دھیمی آواز سے کہا میرا نام ہیپو پولو ہے۔ مورکو کے بادشاہ نے مجھے جاسوس بنا کر بھیجا ہے جانتے ہو وہ کام کیا ہے؟ آپ نے اپنی آواز بالکل دھیمی کر لی اور کہا بادشاہ ایک بڑی مصیبت میں پھنس گئے ہیں سمجھے صاحب۔ میں ایسا ویسا آدمی نہیں ہوں۔

اب جاسوسوں کو پوری طرح یقین ہو گیا کہ وہ آدمی پاگل ہے ان لوگوں نے والٹیر صاحب کو خوش کرنے کے لئے بڑی عاجزی سے سر جھکایا پھر ایک نے کہا آپ کا فرمانا درست ہے یہاں انگلینڈ کے بادشاہ کے ایک جاسوس آئے ہوئے ہیں چلئے میں ان سے آپ کی ملاقات کرا دوں آپ ان سے تمام راز افشا کر دیجئے گا۔

ہیپو پولو پھر زور سے ہنسا اور کہا یہ تو آپ نے بڑے مزے کی بات کہی۔

وہ تینوں وہاں سے روانہ ہوئے تھوڑی دیر میں تینوں ایک پولیس اسٹیشن میں پہنچ گئے وہاں کے افسر کو بھی یقین ہو گیا کہ والٹیر پاگل ہے وہاں بھی والٹیر صاحب نے پاگل پن کا سوانگ بنانے میں کمال کر دیا اطلاع ملنے پر وہاں دو ڈاکٹر پہنچے دونوں نے ان کی جانچ کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس کا دماغ تو بگڑا نہیں ہے مگر اس میں کچھ خرابی ضرور آ گئی ہے معمولی علاج سے اچھے ہو سکتے ہیں مگر والٹیر صاحب تو پاگل خانے جانا چاہتے تھے آپ نے فوراً ایسا ڈھونگ کیا کہ مرض معمولی نہیں ہے آخر ڈاکٹروں نے پاگل قرار دے دیا اب ان کے دونوں ہاتھ باندھ کر کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔

جب والٹیر صاحب کوٹھری میں پہونچے تو آپ کو معلوم ہوا کہ پاگل پن میں سکھ نہیں ہے کچھ دیر کے بعد آپ کو بھوک لگی مگر ڈاکٹروں کی رائے سے آپ کو کھانا اس قدر کم ملا تھا کہ اس سے سیری ہونی تو دور رہی اور بھوک میں اضافہ ہو گیا رات کسی طرح آپ نے کاٹی صبح آپ کے ہاتھ کھول دئے گئے اور آپ ڈاکٹر کے پاس پہنچائے گئے ڈاکٹر نے رائے دی کہ ان کو پاگل خانے میں سب سے علٰحدہ رکھا جائے کیونکہ ان کا مرض غیر معمولی ہے دن میں پانچ چھ بار ان کو برف کے پانی سے غسل کرایا جائے والٹیر صاحب نے دیکھا کہ اب بات بہت بڑھ گئی ہے تب آپ نے کہا کہ میں ایک اخبار کا رپورٹر ہوں میں پاگل نہیں ہوں۔

ڈاکٹر نے ان کو یقین دلایا اور کہا کون کہتا ہے کہ آپ پاگل ہیں آپ ذرا ٹھنڈے پانی میں نہا لیجئے۔ پھر انگلینڈ کے بادشاہ سے ملاقات کیجئے گا۔

والٹیر نے بہت سر مارا مگر کسی نے ان کی بات نہ سنی بیچارے کو برف میں ڈوبنا پڑا علاج ہو جانے پر پھر آپ اپنے کمرے میں پہنچا دئے گئے اکیلے بیٹھ کر آپ سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہئے ہم کچھ بھی کہیں یہ لوگ ہماری بات پر یقین نہ کریں گے۔

مغربی ممالک میں پریس رپورٹروں کے پاس کارڈ رہتا ہے اس میں ایڈیٹر اخبار اور پولیس آفیسر کے دستخط ہوتے ہیں اور رپورٹر کا فوٹو بھی اس پر چسپاں رہتا ہے حسب ضرورت اس کو دکھلا کر رپورٹر محفوظ رہتے ہیں۔

والٹیر کو یاد آئی کہ ان کے کوٹ میں کارڈ موجود ہے جب ملازم آپ کو کھانا دینے آیا تو آپ نے اسے اپنے کوٹ کی جانچ کرنے کی غرض ظاہر کی بڑی مشکل سے وہ راضی ہوا ڈاکٹروں کے آنے پر والٹیر کے کوٹ کی جانچ کی گئی تب کوٹ کی جیب سے وہ کارڈ نکلا کارڈ کو دیکھ کر ڈاکٹروں کو اطمینان نہ ہوا اور کہا صاحب یہ تو بہت برا ہوا یہ چوری کا معاملہ ہے آپ کا نام ہیپو پولو ہے اور یہ کارڈ والٹیر صاحب کا ہے اب تو معاملہ اور سنگین ہو گیا اتنا کہہ کر ڈاکٹروں نے گھنٹی بجائی ملازم کے آنے پر اسے چار پانچ گھڑے پانی لانے کو کہا اور پھر والٹیر صاحب کی طرف لوٹ کر کہا آپ کے مرض میں اضافہ ہو گیا ہے اس کے لئے سب سے اچھی ترکیب ....

والٹیر صاحب نے چلا کر کہا معاف کیجئے مجھے آپ کے علاج کی ضرورت نہیں "

ڈاکٹروں نے ان کی بات نہ سنی اور بیچارے کے سر پر گھڑا پانی سے بھر کر ڈال دیا گیا جو برف کی طرح ٹھنڈا ہو رہا تھا اس کے بعد سب لوگوں نے مل کر ان کا علاج شروع کیا کوئی سر پر پانی ڈالنے لگا کوئی بھیگے تولیہ سے ان کا بدن پوچھنے لگا۔

بیچارہ والٹیر بالکل گھبرا گیا وہ سچ مچ تھوڑی دیر کے لئے پاگل ہو گیا وہ بھاگنے کی کوشش کرنے لگا اس کی دروازے پر نگاہ پڑی دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہیں اس کا کوٹ اور ٹوپ رکھا ہوا تھا وہ فوراً اٹھ کر بھاگا۔ بڑی مشکل سے وہ باہر آیا تب اس کے دل میں دل آیا پھر ایک گاڑی کرایہ [illegible] وہ اپنے اخبار کے دفتر میں گیا اور [illegible] پر بیٹھ کر اس نے اپنی مصیبت کی داستان لکھ ڈالی۔ کہانی شائع ہو جانے پر وہ ایک کاپی لے کر ان ڈاکٹروں کے پاس پہنچا ڈاکٹروں نے کہا صاحب۔ ہم تو آپ کو پہلے ہی پہچان گئے تھے

والٹیر صاحب نے ہنس کر کہا۔ اب آپ کیوں نہ ایسا کہیں گے۔

پھر تینوں بیٹھ کر وہی کہانی [illegible] لگے۔

دیہی علاقے میں بجلی

آنریبل مسٹر سی ایچ بھابھا کی نشری تقریر

(آل انڈیا ریڈیو کے شکریہ کے ساتھ)

"اس وقت ہمارا ایک اہم ترین کام ایسے انتظامی حالات پیدا کرنا ہے جن کے تحت حکومت دیہی علاقے میں بجلی پہنچانے کی زبردست اسکیموں میں حقیقی طور پر حصہ لے سکے حکومت ہند نے قانوناً بجلی کے بورڈ قائم کرنے کا فیصلہ کرکے اس کی شروعات کر دی ہے۔ ان بورڈوں کا خاص فرض یہ ہوگا کہ ان علاقوں کو ترقی دی جائے جو بجلی کے اعتبار سے پسماندہ ہیں۔ مگر ابھی بہت کچھ کام باقی ہے مجھے واثق امید ہے کہ بجلی کی قوت کے متعلق مستقبل قریب میں ایک جامع پالیسی بنالی جائے گی جس کی وجہ سے حکومت کو کسی حد تک وہ ذمہ داریاں پوری کرنے کا موقع ملے گا جو دیہی آبادی کی طرف سے ہم پر عائد ہیں:

مندرجہ بالا الفاظ حکومت ہند کے ممبر ورکس مائنز اینڈ پاور آنریبل مسٹر سی ایچ بھابھا کی اس تقریر کا اقتباس ہیں جو موصوف نے آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن دہلی سے تقریر نشر کی موصوف نے کہا۔

میں مختصر الفاظ میں ان مقاصد کو بیان کرنا چاہتا ہوں جو اس ملک میں بجلی کی ترقی کے پروگرام کے ہونے چاہئیں میرے خیال میں مختصراً یہ مقاصد حسب ذیل ہیں۔ اول یہ کہ بجلی کی پیداوار میں عمومی اضافہ دوسرے یہ کہ بجلی کی یہ زیادہ مقدار بہت ہی عمدہ کارخانوں میں پیدا کی جائے اور بجلی کے مربوط سلسلوں کے ذریعے ایک وسیع علاقہ میں بجلی کی تقسیم اور تیسرے یہ کہ بجلی کے اعتبار سے پسماندہ علاقوں اور دیہی علاقوں کی خصوصاً ترقی۔ آج شام میں بجلی کی ترقی کے اس آخری پہلو پر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔

تین سال ہوئے اس ملک کے سربرآوردہ اور غیر سرکاری بجلی انجنیروں کی ایک اہم کانفرنس حکومت کے زیر اہتمام ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ اخبارات میں اس کانفرنس کا مناسب چرچا نہیں کیا گیا شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ بجلی کے انجنیروں نے کچھ ایسی دور رس خطار غات کیں جو اس وقت کی صوبائی اور مرکزی حکومتیں پوری طرح عمل نہیں کر سکتی تھیں ان میں سے ایک سفارش یہ تھی۔

"کانفرنس نے دیہی علاقوں میں سستی بجلی پہنچانے کے سوال پر غور کیا کاشتکار ہندوستان کی آبادی کے بہت بڑا حصہ ہیں ان کے معیار زندگی کو بلند کرنے کی اہمیت کے پیش نظر ہم بجلی کی مزید ترقی کا منصوبہ بنانے میں دیہی آبادی کی اہم ضروریات مناسب طور پر پوری کرنی ضروری سمجھتے۔ کانفرنس کو یہ معلوم کرکے افسوس ہوا کہ ایسے واقعات بہت کم ہیں کہ تجارتی لائسنس رکھنے والوں نے غیر شہری آبادی کی ضروریات پوری کی ہوں اس کے برخلاف ان علاقوں میں خاص کر میسور مدراس، یوپی اور بڑودہ میں دیہی بجلی کے تیزی کے ساتھ پھیلنے سے جو سرکاری سکیموں کے کنٹرول میں ہیں کانفرنس کو یہ یقین ہو گیا ہے کہ دیہاتوں کے لئے بجلی کا انتظام اسی وقت ہو سکتا ہے جب گورنمنٹ (بجلی کے تمام ملک کے سلسلے) اسکیموں کو چلانے والے اس بات پر آمادہ ہوں کہ وہ سختی کے ساتھ کم منافع پر کام کریں گے اور طویل مدت کا اقتصادی نظریہ اختیار کریں گے۔"

یہ بہت پہلے یعنی سنہ ۱۹۴۲ء میں کہا گیا تھا مگر حالات میں ابھی تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور پچھلی کوتاہی پوری نہ کی گئی تو ابھی کئی سال تک حالات ایسے ہی رہیں گے۔

دیہاتی علاقوں میں بجلی کی کمی

یہ مقصد کس طرح حاصل کیا جائے جواب دینے کی کوشش کرنے سے پہلے بعض بنیادی باتوں کا ذکر ضروری ہے اس ملک میں جو بجلی سالانہ پیدا کی جاتی ہے اس کی مقدار تقریباً ... ۲م ملین کلوواٹ گھنٹے ہے جو امریکہ میں تقریباً ایک ہفتہ کی پیداوار ہے یہ کل پیداوار بے حد کم ہونے کے علاوہ اس کی تقسیم ناقص اور غیر منصفانہ ہے کل پیداوار شدہ بجلی کا ۴۲ فیصدی سے زیادہ حصہ بمبئی اور کلکتہ کے دو شہروں میں خرچ ہو جاتا ہے اور اگر ہم دوسرے بڑے شہروں مثلاً احمد آباد اور کانپور کے اعداد و شمار بھی محسوب کر لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بجلی کی کل پیداوار کا ۵۰ فیصدی سے زیادہ حصہ ان چار شہروں میں خرچ ہو جاتا ہے ان سب کی آبادی ہندوستان کی کل آبادی کا تقریباً ۱.۵ فیصدی ہے۔

جن اعداد و شمار کا حوالہ ابھی دیا گیا ہے وہ دیہاتی علاقوں میں بجلی کے اعتبار سے ہماری کمی کا ایک پیمانہ ہے اگر بجلی صرف تعیش کے لئے ہوتی تو یہ چنداں مایوسی کی بات نہ تھی اس ملک میں لوگ اکثر ہمارے دیہات میں بجلی نہ ہونے کی شکایت کرتے اور اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں لیکن وہ یہ بالکل بھول جاتے ہیں کہ کسی ملک کی برقی ترقی کا اندازہ روشنی کے لوڈ (دباؤ) سے نہیں بلکہ زرعی اور صنعتی لوڈ (دباؤ) سے لگایا جاتا ہے دوسرے لفظوں میں گھریلو روشنی کسی طرح بھی بجلی کا سب سے اہم استعمال نہیں۔ ہمارے دیہاتی عوام کا معیار صرف اسی طریقے سے موثر طور پر بلند کیا جا سکتا ہے کہ انہیں کاشتکاری، گھریلو صنعتوں اور مقامی صنعت و حرفت کے لئے سستی بجلی مہیا کی جاتی ہے۔ بے شک ہمارے دیہات میں بجلی پہونچ جانے سے اس ملک کے ..... دیہات کے لوگ زندگی کے ایک زیادہ صحت ور معیار سے قطعی طور پر آشنا ہو جائیں گے بجلی کے استعمال سے مکانوں کا ایک نیا نمونہ وجود میں آئے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے دیہاتی بھائیوں کی صحت کو فائدہ پہونچے گا۔

لیکن دیہاتی علاقوں میں بجلی کا سب سے اہم استعمال یہ ہوگا کہ اسے بجلی سے چلنے والے کنوؤں کے ذریعے سارا سال آبپاشی اور گھریلو صنعتوں کی ترقی کے لئے زیادہ سے زیادہ استعمال کیا جائے ایسے ہی ملک کے بعض حصوں میں ان علاقوں سے فالتو پانی نکالنے کے لئے جہاں پانی سطح سے قریب ہے یا ان علاقوں میں جہاں زیر سطح پانی بہت اوپر آ گیا ہے اسے خارج کرنے کے لئے بجلی کا استعمال معکوس طریقے کے لئے اتنا ہی اہم ہے۔

سستی بجلی ملنے سے جدید قسم کے صحت کے اصولوں پر قائم کئے ہوئے ڈیری اور پولٹری فارم کی حوصلہ افزائی ہوگی، نیز کیمیاوی طریقوں سے زرعی پیداوار کی تیاری اس حد تک پہنچا سکے گی یہ بات دیہاتی صنعتوں کے قیام میں بھی مدد دے گی جن کا نزدیکی تعلق بنیادی زرعی طریقوں سے ہے۔

بجلی پہنچانے کو کامیاب بنانے کیلئے متوازی تدبیریں

یہ تمام معجزے اکیلی سستی بجلی نہیں کر سکتی اسے دانشمندانہ ہدایت اور قابل لوگوں کی زیر نگرانی مندرجہ بالا مقصد کے لئے استعمال میں لانا ہوگا۔ یہ امر کہ ہمارے دیہات میں عوام جس طرز کی زندگی گزار رہے ہیں آیا وہ اس کے ہوتے ہوئے اس قابل ہو سکیں گے کہ جیسا کہ جس صورت میں سستی بجلی مہیا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں عام تعلیم کا ایک مسئلہ ہے جس کی جانب ہمارے سماجی کارکنوں اور حاکموں کو توجہ دینی چاہئے۔ دیہات میں بجلی پہنچانے کی اسکیموں سے منافع خوف ہوگا لیکن غرض یہ ہے کہ دیہاتی ترقی کے سلسلے میں مناسب متوازی تدبیریں بھی اختیار کی جائیں۔ ان تدبیروں میں مندرجہ ذیل شامل ہونی چاہئیں:-

الف:- استعمال آراضی کے متعلق قانونی اور انتظامی کارروائی

(باقی ۱۴ صفحہ پر)

خدا منتقم حقیقی ہے

آج کا دن ڈاکٹر بوس کیلئے بہت مبارک تھا وہ نہایا کپڑے بدلے، اپنے بال سنوارے اور ہال میں آیا جہاں ریڈیو پر ہندوستانی ترانہ ہی کوئی گا رہا تھا جس سے طرح طرح کی آوازیں پیدا ہو رہی تھیں ڈاکٹر بوس نے آدمی کو حکم دیا کہ "اس کو بند کر دو"

اس کے سامنے زینے کے وسط میں ایک دروازہ تھا جس پر چھوٹی سی چلمن پڑی ہوئی تھی ڈاکٹر بوس نے اپنی جیب سے ایک کنجی نکالی دروازے کے پاس گیا اور اس کو اس قدر آہستہ سے کھولا گیا کہ گویا اس کو اندیشہ تھا کہ اس کے اندر کوئی شخص سو رہا ہے وہ جاگ اٹھے گا جب وہ آہستہ قدموں سے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے دروازہ آہستہ سے بند کر دیا اور اس پر ٹیک لگالی۔

اس نے کمرے میں سرسری نظر ڈالی یہ ایک خاتون کا کمرہ تھا اس کی صاف ستھری آرائش سے شرافت اور سلیقہ ٹپکتی تھی کھلی ہوئی کھڑکیوں سے جن پر پردے پڑے ہوئے تھے اور جن سے باغیچہ دکھائی دیتا تھا خشک ہوا داخل ہو رہی تھی دیوار سے لگی ہوئی ایک سنگار میز رکھی تھی جو بہت نفیس کام کی تھی اس پر تین آئینے رکھے تھے اور اس طرح ترتیب سے رکھے ہوئے تھے کہ تمہارے داخلہ پر تم کو تمہاری ایک رخی تصویر ایک ہی نظر میں دکھا دیتے تھے یہ کمرہ اس کی بیوی کا تھا۔

ڈاکٹر بوس سنگار میز کے قریب گیا اور اس پر بیٹھ گیا اور اپنے منہ کو ہاتھوں سے چھپالیا وہ اپنا غم چھپانا چاہتا تھا تاکہ آئینے بھی اس کے غم سے واقف نہ ہوں۔

اس نے میز کا ایک کھٹکا دبایا جس کے دباتے ہی ایک خانہ کھل گیا اس خانہ میں سے اس نے ایک چاندی کے فریم کی تصویر نکالی اور میز پر اپنے سامنے کھڑی کرلی اس کی دونوں آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری تھے۔ یہ اس کی بیوی کی تصویر تھی وہ ایک کمسن عورت تھی اور بہت ہی حسین اس کے لمبے لمبے گھنگریالے بالوں کے سر کی حفاظت کیا کرتا تھا اور اس گھونگر میں چوٹی اس کی گردن پر پڑی رہتی تھی جس کی وجہ سے اس کی گردن ہنس کی گردن کی طرح حسین دکھائی دیتی تھی اس کی پیشانی کشادہ تھی جن پر دو چکلی اور بھنویں تھیں جن کے بیچ میں ماتھے پر وہ قشقہ لگایا کرتی تھی اس کی آنکھیں بڑی بڑی مثل ہرن کی آنکھوں کے تھیں جن پر معصومیت اور طفلی کھیلتی نظر آتی ہے اس کی ہنسی میں جادو تھا اس کے ہونٹوں کی لالی قیامت تھی اس کے منہ کے اندر موتیوں کا خزانہ تھا اس کی جیت یا ڈیزی کے اوپر رنگ برنگی ساری اس قدر بہار چمکتی تھی کہ دیکھنے والے انگشت بدندان رہ جاتے تھے وہ پدمنی تھی۔

ڈاکٹر بوس بہت دیر تک اپنی بیوی کی تصویر دیکھا کیا اس نے اس کا بوسہ لیا اور اپنے کلیجہ سے لگالیا وہ کراہ اٹھا اے پدمنی تو نے کیوں ایسا کیا میں نے ایک مسرت سے پُر مکان میں تجھکو رکھا۔ تیری ہر خواہش پوری کی رات دن تجھے سنوارتا رہا اور پھر بھی تو اس بدمعاش نتن کے ساتھ چلی گئی۔ یا خدا! عورت کی فطرت کا معمہ کبھی حل بھی ہوگا۔

پانچ برس ہوئے جب ڈاکٹر بوس اور پدمنی کی شادی ہوئی تھی ایک سال دونوں نے خوش و خرم زندگی گذاری اپنی شادی کے بعد دوسرے سال پدمنی اس کو چھوڑ کر چلی گئی اس شام کو ڈاکٹر بوس ہسپتال کے بڑے سرجن کی حیثیت سے اپنے فرائض سے فرصت پاکر اپنی بیوی کو خوش آمدید حاصل کرنے کے لئے بیتابانہ گھر آیا۔ وہ جب گھر واپس آتا تو وہ عجیب طرح سے اس سے ملا کرتی لیکن اس روز کوئی اس قسم کی خوش آمدید کہنے والا نہ تھا اس کے عوض میں پدمنی کی سنگار میز پر ایک عجلت میں لکھا ہوا پرچہ پڑا تھا اس پرچہ میں لکھا تھا۔

"پیارے! میں رخصت ہوتی ہوں
میں نتن کے ساتھ جاتی ہوں
اور اس کی وجہ بیان کرنے سے
قاصر ہوں مجھے ایک جنون ہوگیا
ہے جس پر قابو پانا میرے اختیار سے
باہر ہے میرے پیارے مجھے معاف
کردینا اور بھول جانا۔
"پدمنی"

تین مہینے تک ڈاکٹر بوس نے شہر کا کونہ کونہ چھان مارا کہ اس کی محبوبہ بیوی اسے واپس مل جائے مگر وہ ناکام رہا۔

ایک سال گزرا کہ ایک خودکشی کا مقدمہ ڈاکٹر بوس کے ہسپتال میں تشریح البدن کے لئے لایا گیا یہ ایک خاتون کی نعش تھی جس کا عضو عضو دبلا پتلا، جھریاں پڑا ہوا، فاقہ زدہ اور مریض سا معلوم ہوتا تھا۔ ڈاکٹر بوس نے خیال کیا کہ غریب تجھ پر کیا افتاد پڑی جو تم نے اپنا کام تمام کرلیا اور اس کے معائنہ کے لئے آگے بڑھا۔ اس نے نعش کو الٹا پلٹا۔ ڈاکٹر بوس آہنی اعصاب کا مالک تھا یہ بھی اس کی خوش قسمتی تھی ورنہ جو منظر اس وقت اس کی نظروں کے سامنے تھا وہ اس کے قلب کی حرکت بند کرنے کے لئے بہت کافی تھا۔ ناشپاتی کی شکل کا ایک پیدائشی نشان اس کی پیٹھ پر دیکھ کر اس نے پہچانا کہ یہ مردہ جسم اس نازنین کا ہے جو ایک زمانے میں اس کی محبت کا مرکز رہی ہے یہ زرد زرد ہونٹ ایک زمانے میں اس کی محبت کا مرکز رہی ہے موسیقیت برساتے ہوئے اس کو پیارے کہکر پکارا کرتے تھے یہ ڈھلا ہوا سینہ کبھی اس کی محبت کا گنجینہ اور اس کی گھریلو زندگی کی مسرتوں کا خزانہ تھا یہ خودکشی کرنے والی اس کی بیوی تھی۔

یونہی تین سال گذر گئے اور آج اس کی بیوی کی فراری کے چار سال بعد اس کو پھر گذشتہ زمانے کی یاد آئی۔ محبت بھرے ہاتھوں سے اس نے تصویر تو میز کے خانے میں یہ کہتے ہوئے رکھدی۔ میری پیاری! خدا تم کو امان میں رکھے میں اب بھی تمہارا شوہر ہوں میں نے تم کو معاف کر دیا افسوس بھلا نہیں سکتا"

نیچے ہال میں اس نے ٹیلیفون کی گھنٹی سنی اور وہ جلدی سے نیچے گیا جس ملازم نے ٹیلیفون کا جواب دیا تھا اس نے آکر اس سے کہا "ہسپتال سے آپ کی طلبی ہوئی ہے"

ڈاکٹر بوس نے ٹیلیفون اٹھاکر دریافت کیا "ہلو... ہاں ... کیا؟ ...
افوہ ... اس قدر ... خراب ...
بہت اچھا میں سیدھا آتا ہوں ... کیا فوری عمل جراحی کی ضرورت ہے ... ہاں ...
دیکھو ... تم سامان ٹھیک کر رکھو۔

یہ ایک موٹر کے ٹکرانے کا حادثہ تھا ڈاکٹر بوس جب اپنی گاڑی میں بیٹھا ہوا اسپتال جارہا تھا تو سوچنے لگا یہ کیونکر ہوا۔ سائنس بھی انسان کے لئے کس قدر عذاب جان ہے حالانکہ موٹر بھی انسان کے لئے ایک نعمت ہے مگر پھر بھی ہزارہا انسانوں کی جانیں روزانہ اس کی بدولت جاتی ہیں آخر اسٹرنگ ہاتھ میں لیتے وقت یہ بیوقوف دوسروں کا کیوں لحاظ نہیں رکھتے کیا نہیں سمجھتے کہ ان میں موت کا رخ بھی پنہاں ہے۔

مظلوم کمرۂ حادثات میں تھا اس کا جسم جا بجا سے کٹ گیا تھا اس کا سر خون سے تربتر تھا اور سانس دقت سے آتی تھی۔

ڈاکٹر بوس سن ہوگیا اس وجہ سے نہیں کہ اس کی آنکھوں کے سامنے اس قدر تکلیف دہ منظر تھا۔ وہ موت سے کھیلا کرتا تھا اس کی یہ حالت دراصل اس آدمی کی شناخت سے ہوئی تھی جو کہ اس وقت موت کی کشمکش میں مبتلا اس کے سامنے پڑا تھا یہ آدمی اس کی بیوی کو بھگا لے جانے والا نتن تھا جو بدمعاش اس کی پدمنی کو لے گیا اور اس کے گھر کو دوزخ کا نمونہ بنا گیا چار سال کی دبائی ہوئی نفرت اس وقت ڈاکٹر بوس کے سینے میں ابل آئی جس سے وہ پاش پاش ہوا جا رہا تھا وہ ایک قدم اور آگے بڑھا اس کی بے قرار انگلیاں نتن کی گردن میں پیوست ہو جانا چاہتی تھیں اور گویا اس کو غصہ کا ایک اندھا دھند دورہ ہوا کہ وہ دیوانہ ہوگیا۔ اصول کے مطابق بیہوش آدمی کے معائنے کے لئے تیار رہا۔

اس کے ماتحت ڈاکٹر نے اس سے پوچھا کہ جناب آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟ کیا آپ اس پر عمل جراحی کرنا مناسب سمجھتے ہیں؟

۔ بیشک اگرچہ امید خفیف ہی سی ہے لیکن صرف عمل جراحی سے امید وابستہ ہے جلد اس کو عمل جراحی کے لئے تیار کرو۔ یہ کہہ کر ڈاکٹر بوس عمل جراحی کے کمرے میں داخل ہوا۔

اس شخص کو کمرۂ جراحی میں لے جایا گیا اور کل سامان ٹھیک ٹھاک کر دیا گیا۔ ڈاکٹر بوس نے اپنے ربر کے دستانے چڑھالئے اور ایک ماتحت آلات لئے ہوئے تیار کھڑا تھا۔ ڈاکٹر بوس مریض پر جھکا اس کو پھر ویسا ہی غصہ سوار ہوگیا وہ بڑبڑانے لگا یا خدا! یہ وہ آدمی ہے جس نے مجھ پر اور میری بیوی پر بجلی گرائی اگر اس میں ذرا بھی جان باقی ہے تو میں اس کو مار ڈالوں گا میں مار ... ڈالوں گا ... میں مار ڈالوں گا، میں ... مار ڈالوں گا... اس نے پوچھا سب درست ہے؟ ...

اس کے ماتحت مددگار نے کہا۔ جی ہاں! ڈاکٹر صاحب"

ڈاکٹر بوس نے ایک آلہ اٹھایا اس نے کاٹنا۔ لینا اور باندھنا شروع کیا اس وقت ایک عجیب جیتی ایک خوفناک قسم کی کمینی ایک حیرتناک عزم موت سے مقابلہ کرنے اور اس کو بھگانے کو ان میں موجود تھا

(بقیہ صفحہ (۱۰) پر)

یورپ کیسے آباد ہوگا؟

کونی زیلیکوسس انگریز ممبر پارلیمنٹ جو مزدور جماعت کے بائیں بازو والوں میں نمایاں طریقے پر مزدور حکومت کی خارجہ پالیسی پر نکتہ چینی کرتا ہے حال میں وسط یورپ کی سیاحت سے واپس آیا ہے۔ حال ہی میں اس نے مضامین لکھ کر یہ دکھایا ہے کہ یورپ کی رگ رگ میں اس وقت کمیونزم اور سوشلزم نے کچھ اتنی جڑ پکڑ لی ہے کہ کوئی کمیونزم کی مخالفت نہیں کر سکتی۔

اس کے خیال میں آزاد شدہ یورپین ممالک میں جتنی عارضی حکومتیں بنی ہیں وہ انقلابی بنیاد پر ہیں اور آمریت ڈکٹیٹر شپ اور غداریت سے متنفر ہیں اس وقت ہر ملک کو اس کا احساس ہے کہ کس طرح پر ملک کے غداروں نے اہم وقت پر دشمن کا ساتھ دیا اصل باعث جو دست راست کے لبرل ہیں ان کا اقتدار ضرور ہے مگر جو اتحاد دست چپ والوں سے ہے وہ بہ منزلہ ایک دباؤ کے لئے ہے جو انہیں تنگ نظر نہیں ہونے دیتے اور اسی وجہ سے ملکی انتخاب پر ملک کی تعلیمی اور سیاسی فلاح کے لحاظ سے رہا اور زور سے خالی ہوتے ہیں اور یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ جمہوریت پسندوں نے ان کی ہمنوائی نہیں کی۔ یا جو اصلاحات وہ کر رہے ہیں اس کی مخالفت کی جا سکتی ہے ان تمام ممالک کی حکومت میں یا تو کمیونسٹ برسر اقتدار ہیں یا کمیونسٹ اور سوشلسٹ کا متحدہ ادارہ کام کر رہا ہے۔

فرانس میں کمیونسٹ جماعت کے دس لاکھ ممبران اور ۶۰ لاکھ ٹریڈ یونین والے ان کے ہم نوا ہیں عام انتخاب میں ۵۰ لاکھ رائیں ملیں اور ۱۶۰ ممبران اس جماعت کے ہیں۔

چیکوسلوواکیہ میں کمیونسٹ جماعت اکثریت میں ہے اور سولہ فیصدی رائیں ملی ہیں ان کا وزیراعظم کمیونسٹ ہے ٹریڈ یونین میں ۲۰ لاکھ ممبران ہیں یہاں کی کل آبادی ایک کروڑ اسی لاکھ ہے اور یہاں پر کل اختیار کمیونسٹ اور ان کے اتحادی سوشلسٹ کے ہاتھوں میں ہے اور یہاں کی ۸۰ فیصدی صنعت قومی ملک ہوگئی ہے۔

پولینڈ میں بھی سوشلسٹ اور کمیونسٹ میں اتحاد عمل ہے البتہ یہاں سوشلسٹ مضبوط ہیں۔ اور دونوں جماعتوں میں ان کی بنیاد زیادہ استوار ہے۔

رومانیہ میں بھی سوشلسٹ اور کمیونسٹ کا اقتدار ٹریڈ یونین کے ذریعہ سے ہے بلغاریہ میں سوشلسٹ حزب مخالف ہیں اور انتخاب میں اکثریت کمیونسٹوں کی ہے۔

یوگوسلاویہ میں کمیونسٹ مضبوطی سے برسر اقتدار ہیں۔ اٹلی میں کمیونسٹ پارٹی میں بیس لاکھ ممبر ہیں اور سوشلسٹ سے ان کا اشتراک عمل ہے۔

جرمنی کے سوویٹ علاقہ میں سوشلسٹ یونٹی پارٹی جو دراصل کمیونسٹ کے طرز سے کام کر رہی ہے باقی قبضہ میں سوشیل ڈیماکریٹ برسر اقتدار ہے۔ مگر باوجودیکہ روسی سختی سے سامان لیتے اور روس بھیج رہے ہیں مگر وہاں بغیر کام روبترقی ہے۔ مگر انگریزی اور امریکی مقبوضہ کے سوشلسٹوں کو یہ شکایت ہے کہ سارا کام اور اقتدار انہیں سرمایہ داروں کے ہاتھ میں ہے جو باعث جنگ ہوئے تھے اس لئے وہاں جمود اور سب بیچائی کا زور ہے گو بظاہر امریکن تعمیرات کی وجہ سے کچھ کام ہے مگر جہاں امریکہ میں جنس گرنا شروع ہوگی یہاں کی حالت خراب ہوگی اور پھر فاشزم کو ترقی ہو جائے گی۔ اس لئے یورپ کے لئے کمیونزم اور سوشلزم ہی مناسب ہیں اور اگر اس کے خلاف ہوا تو ابتری اور پریشانی رونما ہوگی۔

پی جی وڈ ہاؤس سے نفرت

انگلستان کا مشہور ظریف ناول نویس پی جی وڈ ہاؤس گذشتہ جنگ میں جرمنوں کے ساتھ ہو کر ریڈیو پر تبلیغی تقریر کرتا تھا آج انگلستان میں اس کے خلاف اس درجہ نفرت اور غصہ ہے کہ کتب خانوں میں اس کی [illegible] کو رکھنا تک پسند نہیں کیا جاتا۔

[illegible] کے ناولوں میں عموماً جیوز [illegible] کا کردار نے مزاحیہ پیرائے [illegible] جانتے ہیں اور جس کا مذاق [illegible] جاتا تھا مگر آج جیوز کا نام لینا بھی گوارا نہیں۔

خدا منتقم حقیقی ہے

(بقیہ صفحہ ۹)

جس نے اس پر قبضہ جما لیا تھا اب قتل کا خیال اس کے دل سے دور ہو چکا تھا وہ اس قدر اپنے غصہ کو بھول چکا تھا کہ اس کو شفا بخشنے کے لئے کوشاں تھا وہ ہر چیز کو اس وقت بھول گیا تھا سوائے اس کے کہ وہ ایک ڈاکٹر ہے جان میں وہی جمی ہوئی تھی اور وہ اپنے شکار کی زندگی کا خواہاں تھا ڈاکٹر بوس آہستہ آہستہ بڑبڑایا۔ نتن میں تجھ سے بدلہ نہ لوں گا، وہ منتقم حقیقی، انصاف کرنے والا ہے۔

عمل جراحی ختم ہوگیا اور بہت کامیاب رہا یہ عمل جراحی کی تاریخ میں ایک شاندار کارنامہ تھا تمام دنیا میں غلغلہ مچ گیا ڈاکٹر بوس نے دراصل ایک کرامت صادر کی۔

ڈاکٹر بوس نے اپنے مددگار کو ہدایت کی کہ اس کی حرارت کی فکر رکھنا اگر وہ زیادہ نہ بڑھی تو یہ شخص بچ جائے گا۔ بے انتہا تھکا ہوا ہونے کی وجہ سے ڈاکٹر بوس گھر واپس آیا اور زندہ اس کی خواہشات، اس کے افکار اور حیوانیت اور انسانیت بے رنج کی حالت میں لوچھا۔ ہا دکھر دن صبح کو وہ ہسپتال میں بہت ہی سویرے پہونچا۔ مددگار نے کہا، "جناب وہ ابھی سو رہا ہے"

"اور حرارت"

"تقریباً معمولی ہے"

"بہت خوب اب اس کے لئے کوئی خطرہ باقی نہیں رہا"

ڈاکٹر بوس نتن کے پلنگ کے قریب گیا اس نے سوئے ہوئے مریض کو بددلی کے ساتھ دیکھا اور آہستہ سے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور پٹیوں کو دیکھنے لگا اس کے مریض کے ہاتھوں کو آرام سے رکھ دیا۔

نتن کی آنکھ کھل گئی اور بغیر دیکھے ہوئے اس کے جن ہاتھوں نے اس کو چھوا تھا محسوس کیا رفتہ رفتہ اس نے وہ ہاتھ پہچان لئے جو کہ بہت مشہور تھے ایک خوف کی لہر سے وہ تھرا اٹھا۔

نرس نے کہا! کیا ہے، کیا ہے؟ مسٹر نتن یہ تمہارا ڈاکٹر ہے!

نتن نے ڈرتے ڈرتے کہا! ڈاکٹر؟ اور اوپر دیکھنے لگا اور چلانے لگا مجھے معلوم ہے کہ یہ انہیں کے ہاتھ ہیں!

اے نرس! مجھے ان سے بچاؤ نہیں نہیں اس شخص کو میرے پاس مت آنے دو۔ یہ تو مجھے مار ڈالے گا۔ نتن نے اپنے گرتے ہوئے ہاتھ کو اٹھا کر اپنے چہرے پر رکھا تاکہ اس کا خیالی رنج دور ہو جائے اور کہنے لگا اے ڈاکٹر بوس مجھے بخشو مجھے مت مار ڈالو احمق وحشیوں کی طرح اپنے گرد و پیش دیکھنا شروع کیا۔ اس کی سانس زور زور سے چل رہی تھی اس نے اٹھنے کی کوشش کی اور دھم سے اپنے بستر پر گر پڑا۔

"یا خدا!" نرس کی زبان سے نکلا

ڈاکٹر بوس نے کہا مر گیا۔ قلب کی حرکت بند ہوگئی "وہ روانہ ہوگیا۔"

ڈاکٹر بوس گھر جاتے ہوئے راستے میں مسکرایا اور کہنے لگا "لفذ بر کے کچھن ہیں" اس نے اپنے ہاتھوں کو دیکھا۔ یہی ہاتھ تھے، جنھوں نے اس آدمی کو ___ جو موت کے منہ میں جا چکا تھا ___ بچایا اور انہیں ہاتھوں سے ڈر کر وہ مر گیا۔

سچ ہے خدا منتقم حقیقی ہے۔

از مصلح الدین احمد اسیر کاکوروی

دلچسپ معلومات

ہندوستان کی مالی حالت

انگریز کی سالانہ اوسط آمدنی فی کس ۵۳۳ روپے

امریکہ	۱۴۵۴	〃
فرانس	۱۲۹۲	〃
اٹلی	۱۵۵	〃
جاپان	۱۱۸	〃
ہندوستان	۳۰	〃

دنیا میں فیصدی تعلیم کا مقابلہ

	مرد	عورت
برطانیہ	۹۳½	۹۱½
جرمنی	۱۰۰	۱۰۰
امریکہ	۹۵½	۹۳
چیکوسلواکیہ	۹۰½	۹۱
ڈنمارک	۱۰۰	۱۰۰
جاپان	۹۸	۹۷
ہندوستان	۵	۱½

اندازہ لگایا گیا ہے کہ انگلستان میں سالانہ تقریباً ۱۰ کھرب من بارش ہوتی ہے۔

سیاہ فام انسانوں کے سر کے بال ۰۰ ہزار

سانولی عورت کے سر کے بال ایک لاکھ دو ہزار اور گندمی عورت کے سر کے بال ایک لاکھ چار ہزار ہوتے ہیں۔

لندن کے ایک صاحب نے مندرجہ ذیل وصیت چھوڑی ہے:-

بیوی کے لئے:-

میں اس کے لئے عاشق کو چھوڑ رہا ہوں اور اس کو یہ بھی علم ہونا چاہئے کہ میں اتنا بے وقوف نہیں تھا جتنا کہ وہ سمجھتی رہی۔

بیٹے کے لئے:-

میری یہی وصیت ہے کہ وہ اپنی روزی خود پیدا کرے ۳۵ سال تک وہ میری کمائی کمائی پر مجھ سے اڑانے کے خواب دیکھتا رہا مگر وہ ایسا کرنے میں غلطی پر تھا۔

بیٹی کے لئے:-

میں چالیس ہزار پونڈ چھوڑ رہا ہوں کیونکہ اسے اس کی ضرورت ہوگی اس کے خاوند نے زندگی میں صرف ایک ہی کام کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس نے شادی کر لی ہے۔

نوکر کے لئے:-

وہ تمام کپڑے جو اس نے دس سال کی مدت میں چرائے اور وہ پوستین بھی جو گذشتہ سردیوں میں استعمال کرتا رہا۔

موٹر ڈرائیور کے لئے:-

میں اپنی گاڑیاں چھوڑ رہا ہوں اس نے ہر گاڑی کو برباد کیا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ وہ اطمینان سے اس کام کو انجام تک پہنچا لے۔

حصہ دار کے لئے:-

اگر وہ کاروبار کرنا چاہتا ہے تو میری وصیت ہے کہ وہ کسی اور شخص کو ضرور اپنے کاروبار میں حصہ دار بنا لے۔

فلنٹ شائر (انگلستان) کی ایک عورت مس کلے کا بیان ہے کہ وہ چالیس برس سے پیدل چل رہی ہے اور اس طویل عرصہ میں اس نے دو لاکھ میل کا پیدل سفر کیا ہے حال ہی میں اس عورت کو بتقاضائے عمر ملازمت سے سبکدوش کر دیا گیا ہے لیکن اس کا بیان ہے کہ وہ اب بھی خلوط کا تھیلا لے کر گھوم سکتی ہے۔

لارڈ بالفور جب ۸۰ برس کے ہوئے تو ان کے دوستوں نے ان کی سالگرہ پر ایک موٹر کار انہیں تحفے میں دی اس وقت لارڈ اپنے بشرہ سے بالکل نوجوان نظر آتے تھے پیری میں شباب کی سب سے نمایاں مثال امریکہ میں ملتی ہے جہاں ایک شخص نے جس کی عمر ۸۰ سال کی تھی اپنے سالگرہ پر ایک حیرت انگیز کارنامہ دکھایا وہ ایک ساٹھ فٹ اونچے بانس پر چڑھ گیا اور پانچ منٹ تک سر کے بل اس کی نوک پر کھڑا رہا یہ شخص انڈیانا کا باشندہ تھا۔

لندن کے مرغی خانے میں ایک مرغی شلنگ کا سکہ نگل گئی کچھ دنوں بعد وہ شلنگ اس کے ایک انڈے سے برآمد ہوا۔

ادبی سیاسی اور مزاحیہ مضامین اجمل میں پڑھئے۔

بسلسلہ صفحہ (۸)

تیز امداد باہمی کے اصولوں کے مطابق کاشت زراعت اور ویٹرنری کے طریقوں کو بہتر بنانا اس میں ارزاں کھاد اور آلات کی فراہمی اور مویشیوں کو ترقی دینا بھی شامل ہے۔

ب۔ زرعی پیداوار کو شہری مرکزوں میں بھیجنے سے پہلے اس پر کیمیاوی عمل کرنے کی اسکیم۔

ج۔ زرعی آلات اور زندگی کی سادہ ضروری اشیاء تیار کرنے کے لئے حکومت کی نگرانی اور کنٹرول کے تحت اوسط درجے کی برقی مشینیں استعمال کرنے والی صنعتوں کا قیام

د۔ ماہرین کی نگرانی اور رہنمائی میں جدید قسم کے ڈیری فارموں اور مرغی خانوں کا چھوٹے پیمانے پر قیام

ہ۔ ایسے انتہائی سادہ سکونتی مکانوں کے ماڈل مہیا کرنا جن میں بتایا گیا ہو کہ گھروں میں بجلی کی طاقت سے کس کس طرح کام لیا جاتا ہے تاکہ اس کی حوصلہ افزائی ہو۔

و۔ زراعت کے لئے اور کاشتکاروں کو آسان شرائط پر قرضہ دینے کے لئے روپیہ مہیا کیا جائے ساتھ ہی کسانوں کے قرضوں اور مقدمہ بازی کو کم کرنے کی کوشش کی جائے۔

ز۔ سادہ دیہاتی مجالس امداد باہمی کو ترقی دی جائے جو بالآخر انتظام۔ نگرانی اور کنٹرول کا وہ کام حکومت کے بجائے اپنے ہاتھ میں لے لیں جس کا ذکر مذکورہ بالا تجاویز میں کیا گیا ہے۔

ریاست کو خاص فرض انجام دینا چاہئے

میرے خیال میں دیہاتوں میں بجلی کے استعمال سے تعلق رکھنے والے کثیر التعداد مسائل کا ذکر کرنا ضروری نہیں البتہ مجھے یہ کہنا ہے کہ دیہاتی علاقوں میں بجلی کا استعمال شروع کرانے کی ذمہ داری ریاست پر ہونی چاہئے یا نیم سرکاری اداروں پر مثلاً بڑے قائم شدہ بورڈوں پر۔ دیہاتوں میں بجلی کے استعمال کو ابھی [illegible] سے ترقی حاصل نہیں ہوئی جس رفتار [illegible] شہروں میں حاصل ہوئی ہے اس کی [illegible] ہے کہ نجی کمپنیوں کو ایک ایسے [illegible] حاصل ہونے کی توقع نہ تھی جس

ان کو نیک سرمایہ لگانے سے زیادہ فائدہ حاصل ہونے کی توقع تھی صرف ریاست ہی ایسی طویل مدت کی اسکیم بنا سکتی ہے جس میں فوری فوائد حاصل کرنے کا مقصد ترک کر دیا جائے اور وسعت ترقی کا ایک طویل مدت کا پروگرام نافذ کرنے کیلئے تیار ہے اس امر پر زور دینا ضروری ہے کہ جب تک ریاست ان براہ راست فوائد کو ملحوظ نہ رکھے گی جو عام پبلک کو حاصل ہوں گے اس وقت تک دیہاتوں میں بجلی کو وسیع پیمانے پر کوئی ترقی نہ دی جا سکے گی۔

اس سلسلے میں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ دیہاتی علاقوں میں بجلی کے استعمال کو ترقی دینے کے لئے کیا کوششیں ضروری ہیں مشہور ٹینیسی ویلی اتھارٹی نے اس سلسلے میں ہمیں جو سبق سکھایا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہم اس سے عملی فائدہ اٹھائیں۔ وادی ٹینیسی میں ۱۹۳۵ء کے بعد خوشحالی پیدا ہوئی ہے اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ مدرسوں میں تربیت کرائی گئی ہے اور ماہروں نے جلسوں مظاہروں اور دوسری امدادوں مثلاً قسطوں پر خریداری کی اسکیموں کے ذریعے زبردست کام کیا۔ ان کارکنوں کو ملازم رکھنے سے پہلے انہیں مختلف مرکزوں میں دیہاتوں میں بجلی کے استعمال کو ترقی دینے کے متعلق خاص تربیت دی گئی ہے

مدراس اور صوبہ متحدہ کے بعض علاقوں کو اور بعض ترقی پسند ہندوستانی ریاستوں کو چھوڑ کر دیہاتوں میں بجلی کے استعمال کو بہت کم ترقی حاصل ہوئی ہے۔ ہمارے اکثر صوبوں میں کوئی ایسی تنظیم نہیں ہے جو بجلی کے استعمال کو ترقی دینے کی ضرورت پر زبردست اسکیمیں شروع کر سکے اور وہ ضروری فنی صلاحیت بھی نہیں رکھتے۔

آج ایک اہم ترین کام یہ بھی ہے کہ ایسے انتظامی حالات پیدا کر دئے جائیں جن کے تحت حکومت دیہاتی علاقوں کی بجلی کی بڑی اسکیموں کے متعلق اپنا فرض انجام دے سکے حکومت ہند نے اس سلسلے میں کام شروع کر دیا ہے اس کی تجویز ہے کہ بروقت تمام بجلی کے بورڈ قائم کئے جائیں جن کا فرض یہ ہوگا کہ بجلی کے استعمال کے لحاظ سے پسماندہ علاقوں کو ترقی دی جائے مگر ابھی بہت کام باقی ہے مجھے غالباً امید ہے کہ بجلی کی طاقت کے متعلق مستقبل قریب میں ایک مبسوط پالیسی وضع کر لی جائے گی جس کی وجہ سے حکومت دیہاتی آبادی کے متعلق اپنے فرائض کم از کم ایک حد تک پورے کر سکے گی۔

لطیفے

نثار:۔ بھئی کیا کروں نوکری کہیں نہیں ملتی پھرتے پھرتے جوتا پھٹ گیا۔

محمود:۔ جس کمپنی سے تم علیحدہ ہوئے ہو کیا اس کے منیجر نے تمہیں سرٹیفکیٹ نہیں دیا

نثار:۔ دیا تھا لیکن اسے دیکھ کر کوئی مجھے رکھنے پر راضی نہیں ہوتا اس میں لکھا ہے جتنے ملازم ہماری کمپنی سے اب تک کسی نہ کسی وجہ سے برطرف کئے گئے ہیں ان میں سب سے اچھا آدمی ہے۔

لڑکا زور سے چیخ مار کر روتا ہے۔

ماں:۔ کیوں بیٹا کیا ہوا؟

بیٹا:۔ ہمارے استاد بہت بیمار تھے امی جان!

ماں:۔ تو کیا ان کا انتقال ہو گیا؟

بیٹا:۔ نہیں امی وہ تندرست ہو گئے۔

بیمہ ایجنٹ:۔ کیا آپ اپنی دکان یا مکان کا بیمہ کرائیں گے۔؟

دکاندار:۔ کس قسم کا بیمہ؟

بیمہ ایجنٹ:۔ آتشزدگی۔ زلزلہ۔ سیلاب وغیرہ کے لئے ہماری کمپنی کام کرتی ہے میں

دکاندار:۔ صرف آتشزدگی کا بیمہ کروں گا۔

دکاندار:۔ کیوں؟

بیمہ ایجنٹ:۔ اس لئے کہ آتشزدگی کی ترکیب تو مجھے آتی ہے لیکن زلزلہ اور سیلاب لانا میری طاقت سے باہر ہے اگر آپ کوئی ایسی حکمت بتلا دیں کہ میں زلزلہ اور سیلاب لا سکوں تو ان دونوں کے لئے بھی بیمہ کر دوں گا۔

شکاری:۔ (کسان سے) کیا تم نے کوئی لومڑی دیکھی ہے۔

کسان:۔ کیوں نہیں؟

شکاری:۔ کدھر گئی؟

کسان:۔ جناب گئی نہیں بلکہ وہ تو وہاں پر بیٹھی ہوئی تھی۔

شکاری:۔ (خوشی سے) اسے کب؟

کسان:۔ ایک سال سے زیادہ ہو گیا۔

مالک:۔ (نوکر سے) تم ایک گلاس روزانہ توڑ ڈالتے ہو؟

ملازم:۔ جناب یہ گلاس تو میں جان بوجھ کر توڑا ہے۔

مالک:۔ وجہ

ملازم:۔ جی کیا عرض کروں گیارہ گلاس ٹوٹ چکے ہیں مجھے خیال آیا کہ بارہواں منحوس ہے اس لئے میں نے اسے بھی توڑ دیا۔

اجمل سنڈے ایڈیشن میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو ترقی دیجئے!

غنڈوں کی موت

کہنے کو تو جھدل اور ماکھو دو ذات تھے پہلا نام کا مسلمان تو دوسرا کہنے کو ہندو مگر سچ یہ ہے کہ انہیں خود بھی معلوم نہ تھا کہ وہ کس مذہب اور دھرم کے پیرو تھے۔ کمزوروں کو ستانا اکیلے مسافر کو لوٹنا بیوہ بیکس کا مال اڑانا دونوں کا شیوہ تھا۔ شراب پینے میں دونوں مشہور۔ جوا کھیلنے میں دونوں مشاق۔ چوری میں دونوں شاطر ساتھ ہی پولیس سے دونوں بیزار مگر خائف بھی تھے ان سے خطا رزیادہ ایک دو کے اجنبی مسافر یا کمزور دفتر کے کلرک تھے جن کی بیچی سے کمائی بچھ اڑانا دونوں کا شیوہ تھا اور جب سے یہ سنا تھا کہ بمبئی اور کلکتہ کے سوال چھرے چلانے اور دھاگا بھونکنے میں یدطولیٰ رکھتے ہیں انھوں نے ایک ہزار میل دور رہتے ہوئے بھی اس جدید طریقے کی مشق شروع کر دی دو چار دن تو کتوں کے بلوں اور پڑوس کے مرغوں پر ہاتھ صاف کیا آخر وہ دن بھی آ گیا جب انہوں نے کسی عورت یا بڈھے آدمی پر راہ چلتے ہاتھ صاف کرنے کی سوچی ایک نے سینما گھر کا رخ کیا تو دوسرے نے اسٹیشن کی سڑک پکڑ لی۔

اتفاق سے ماکھو اسٹیشن کی طرف گیا اور جھدل سینما کی طرف۔ نومبر کا مہینہ تھا خلاف معمول قبل از وقت مہاوٹ برس گئی تھی جس سے سردی ذرا چمک اٹھی تھی۔ اسٹیشن کی طرف سے ایک مسافر ایک چادر کاندھے پر ڈالے بغل میں پتلی دبائے ہوئے آ رہا تھا کہ تنہائی میں ماکھو چھری مارنا تو بھول گیا جھٹ ایک ہاتھ سے چادر اور دوسرے سے پتلی چھینتا ہوا نو دو گیارہ ہوا اور دور نکل جانے کے بعد اس چادر کا دھکا کر اور پتلی دبا کر مسکن کی طرف لوٹا مگر اس کا افسوس تھا کہ چھرے سے کوئی کام نہ لیا ادھر جھدل نے بھی سردی سے پریشان ہو کر کسی راہ چلتے کا کمبل چھینا اور کچھ دور جا کر اس کمبل کو اوڑھ کر گھر کی طرف چلا مگر خیال یہی تھا کہ چھرا کروہی میں رہا۔ اتنے میں اسے دھندلکے میں ایک چادر پوش نظر آیا اور چادر پوش نے کمبل پوش کو دیکھا۔

دونوں ایک دوسرے کی طرف لپکے اور ساتھ ہی دو آوازیں۔ ہائے مار ڈالا کی بلند ہوئیں اور ساری بستی چل گئی چل گئی کا شور بلند ہوا اور اس طرح دو غنڈوں کی موت ہندو مسلم فساد کا سبب بن گئی۔

---

۱۸ ناموں والا انسان

امریکہ کے مقام سیٹل واشنگٹن میں ایک شخص کا ۹۲ برس کی عمر میں انتقال ہوا ہے اس کے باپ نے جنگ آزادی کے ۱۷ افسروں کے نام اپنے لڑکے کے نام میں ملا دیئے تھے اس طرح پر اس کا نام مسٹر ولیم فریدا ولس فنز الن جان ڈان پڈرو الفونس ول شیرہ گوسانسن ٹیٹی تو ٹل کار اسٹپ کیپر سے تھا۔ مگر اس کے ہمراہی اور رفقاء مسٹر کیپر کو محض "بل" پکارتے تھے۔

آسٹریا کی سردی

جیک آرمر نے ورلڈ اور رپریس میں رپورٹ کی ہے کہ اس سال آسٹریا میں سخت ترین سردی ہے اور مرد عورت بچے بوڑھے وانا کے مشہور جنگلوں سے لکڑی کاٹ کاٹ کر لا دے ہوئے لا رہے ہیں تاکہ گرمی نصیب ہو یہاں کے اسپتالوں میں گرم کرنے کا کوئی سامان نہیں کوئلہ نایاب ہے بجلی بھی صرف ۵ گھنٹہ ملتی ہے۔ گرم کپڑا کوئلہ مکان اور غذ (کالم ۴ میں)

آئندہ مارچ میں بین الاایشیائی تعلقاتی کانفرنس کا انعقاد

چین، انڈونیشیا، افغانستان، شام نے شرکت قبول کر لی

نئی دہلی۔ ۱۰ جنوری۔ اعلان کیا گیا ہے کہ بین الاایشیائی تعلقاتی کانفرنس ۲۳ مارچ سے ۱۳ اپریل تک منعقد ہوگی۔

اس کانفرنس کو تائید حاصل ہوئی ہے وہ بڑی بہت افزا ہے۔

افغان اکیڈیمی کابل۔ حکومت افغانستان اپنے نمائندے بھیج رہی ہے۔ برما میں ہندوستان کی کونسل کے مانند ایک غیر سیاسی کونسل "برما کونسل آف ورلڈ افیرس" کے نام سے بنائی گئی ہے جو مقررہ آٹھ کے آٹھ ڈیلیگیٹ بھیجے گی۔ سیلون کی معاشی سوسائٹی بھی شرکت کر رہی ہے۔ مسٹر جارج ڈی سلوا وزیر صحت سیلون، حکومت سیلون کے مبصر کی حیثیت سے شریک ہوں گے۔ چین میں سینو انڈین ایسوسی ایشن کے نام سے ایک ایسوسی ایشن اور خارجہ پالیسی ایسوسی ایشن چین مل جل کر اپنے نمائندے بھیج رہی ہیں عرب ریاستوں کی لیگ کی کلچرل کمیٹی قاہرہ اپنے نمائندے بھیج رہی ہے۔ انڈونیشیا کے وزیر اعظم ڈاکٹر شہریار نے ورکنگ کمیٹی کی صدر مسز سروجنی نائیڈو کو لکھا ہے۔ میری حکومت اور ملک کی طرف سے پورے نمائندے آئیں گے۔ ملایا سے ایک وفد کے آنے کی توقع ہے۔ گورنمنٹ نیپال اور بھوٹان بھی اپنے اپنے نمائندے بھیجیں گی۔

فلپائین میں معاملات خارجہ کی اکیڈیمی دعوت نامہ قبول کر چکی ہے اس نے مندوبین کے انتخاب کے لئے ایک کمیٹی مقرر کر دی ہے۔ شام کی عرب اکیڈیمی بھی شرکت کر رہی ہے۔ اس کے مندوبین میں سے ایک مندوب محمد جمیل بے جرد ام نے کانفرنس میں "عربی کلچر میں ہندوستانی عنصر" کے عنوان پر بحث کا آغاز کریں گے۔ انسٹی ٹیوٹ پیسفک ریلیشنز نیو یارک۔ انسٹی ٹیوٹ آف انٹرنیشنل افیرس، سڈنی۔ انسٹی ٹیوٹ پولیٹیکل سائنس سڈنی، دو، دو نمائندے بھیج رہی ہیں۔ خواتین کی انجمنوں کے نام الگ بھی دعوت نامے جاری کئے گئے تھے۔

برما۔ انڈونیشیا۔ اور لبنان کی خواتین انجمنوں نے دعوت نامے قبول کر لئے ہیں۔

کی کمیابی نے عوام میں بے چینی پیدا کر دی ہے اور لیوپولڈ نگل نے جو برسر حکومت ہے دول اربعہ سے اپیل کی ہے کہ ایک جہاز کوئلہ غذا اور دوا انتہائی سردی پڑنے سے قبل بھیجے جائیں۔ دوا تو دوا آلات جراحی بھی نایاب ہو گئے ہیں سل دق کے ۲۱ ہزار مریض ہیں اور ۲۳ سو مر چکے ہیں دوسرے امراض کی بھی کثرت ہے خودکشی کا زور ہے۔

تازہ ترین فوجی ہوائی جہاز مارلیٹ

مصری فوجی افسروں کے سامنے فوجی گاڑیوں کا مظاہرہ

مشہور جہاز کوین الزبیتھ میں ایک شاہی کمرہ
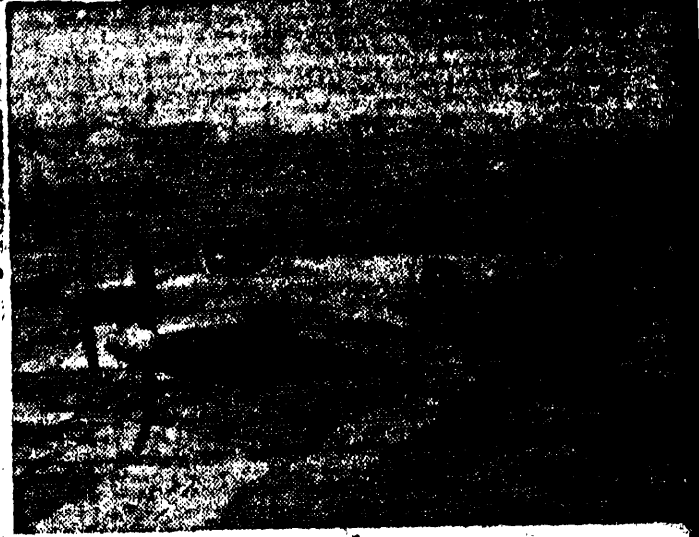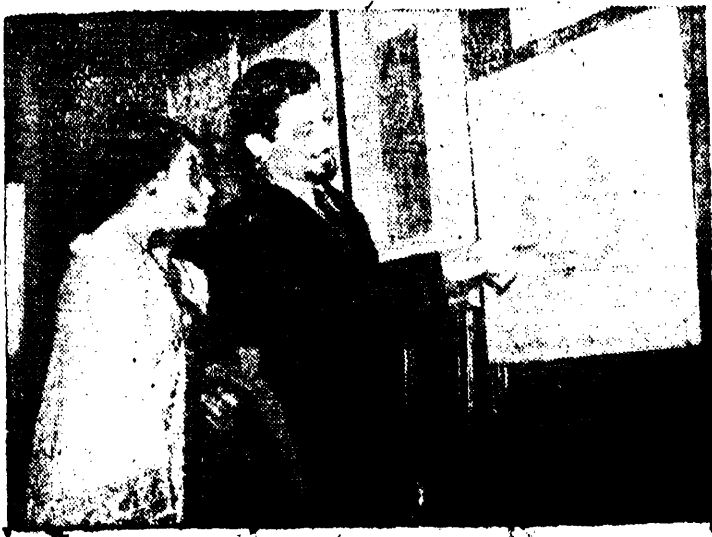
انڈیا ہاؤس لندن میں تصویروں کی ایک نمائش ہوئی تصویر میں
بمبئی کی دو استانیاں مس کاپڑیا اور مس مہتا تصویر دیکھ رہی ہے

نسرین "شاہ جہان" میں جو عنقریب آ رہا ہے

TOM DRAKE and BEVELRY TYLER costarred in "THE GREEN YEARS" which has been retained this week at the METRO.

EDITED, PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS, BOMBAY 3.

قیمت دو آنہ

افضل الاشغال خدمۃ الناس

سنڈے ایڈیشن

اجمل بمبئی

Regd. No. B 2491

ایڈیٹر
عثمان حسین خان

ESTD. 1928

THE AJMAL
SUNDAY EDITION

نمبر ۵ ||| بمبئی یکشنبہ ۲ فروری ۱۹۴۷ عیسوی ||| جلد ۲۰

VOL. XX | BOMBAY, SUNDAY 2ND FEBRUARY 1947 | NO. 5
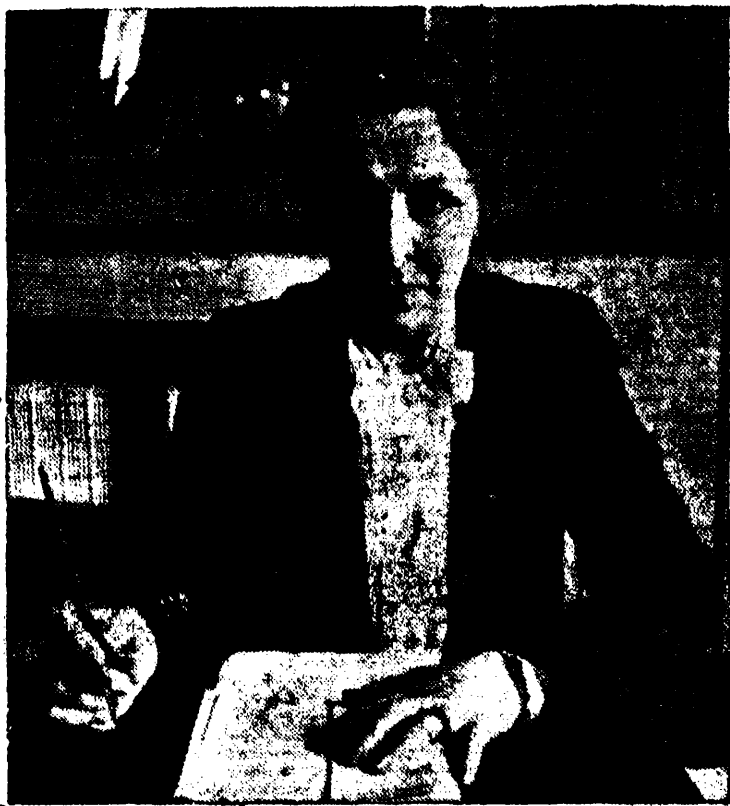
لیڈی ریڈنگ جو حال ہی میں برٹش براڈکاسٹنگ کارپوریشن کی
نائب صدر مقرر ہوئی ہیں

بمبئی کے ہندوستانی بیوپاریوں کا سالانہ اجتماع

بمبئی انڈین چیمبر آف کامرس کا سالانہ جلسہ گذشتہ جمعرات کو ہوا تصویر میں نئے صدر مسٹر رتی لال گاندھی تقریر کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں

لاہور میں مسلم خواتین کی قانون شکنی

حکومت پنجاب نے نیشنل گارڈز کو ایک غیر قانونی جماعت قرار دیا تو لاہور کی برقعہ پوش خواتین نے ایک احتجاجی جلوس نکالا
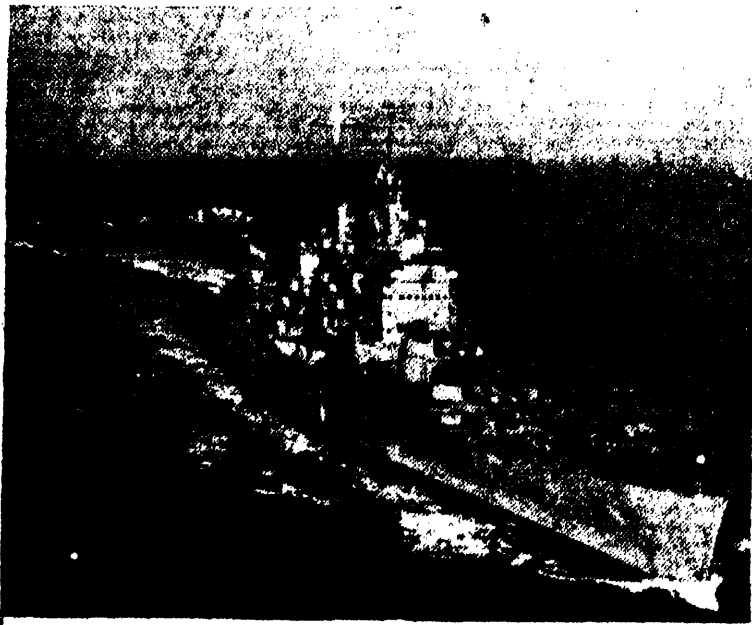
برطانوی مشہور جنگی جہاز وینگارڈ جسمیں بادشاہ، ملکہ اور انکی دو شاہزادیاں افریقہ کے دورہ کے لئے کل سنیچر کو روانہ ہوئے

صفحہ ۳ کا باقی

مگر آج جبکہ برطانیہ لڑکھڑا رہا ہے اور اسے اپنی قوت قائم رکھنے کے لئے ضرورت ہے کہ مقبوضہ ممالک سے نفع اندوزی کرے وہ خود برطانیہ ختم ہو جائے گا تو اس قسم کی نفع بازی حق بجانب نہیں کہی جا سکتی اور اب اس دلیل میں کوئی جان باقی نہیں رہی ہے۔

اور سوڈان کی صورت حال

خود سوڈان اس بارے میں کیا رائے رکھتا ہے یہ جاننا دشوار ہے خود سوڈان میں کوئی رائے عامہ نہیں ہے ادھر چند ماہ سے انگریزوں کی کٹھ پتلی کی طرح سید سلیمان المہدی (پورا نام سر سید عبدالرحمان اسلیمان المہدی ہے) خرطوم میں مصر کے الحاق کے مخالف ہیں اور سوڈان کی علیحدگی کے لئے زور لگا رہے ہیں۔ ان کی پشت پر انگریزی گورنر جنرل ہے جو اپنی ملکی بھلائی اور مفاد کی کوشش کے باعث مصر میں بدنام ہے اور مصری مطالبہ کر رہے ہیں کہ اسے واپس انگلستان بلا لیا جائے۔ اور خود سوڈانیوں کی کوئی رائے نہیں وہ اس کے ہوا خواہ رہیں گے جو ان کی بھلائی اور ان کی خوشحالی کی فکر کرے۔

یہ ہے لب لباب اس کشمکش کا جو قاہرہ کے محاذ پر ہو رہا ہے مصری سوڈان چاہتے ہیں اور جب تک [illegible] حالت درست نہ ہو جائے انگریز اس پر تیار نہیں کہ سوڈان مصر کے حوالے کریں۔ اس اثنا میں سوڈانی اتنے تیار کر دیئے جائیں گے کہ وہ خود علیحدگی کا مطالبہ کرنے لگیں بیرونی دنیا اسے سمجھ نہیں سکتی مصری چاہتے ہیں کہ مشرقی محاذ بنائیں عرب لیگ۔ مصری حامی ہے اور مٹی کے [illegible] امریکہ اور برطانیہ کو مخالف بنا [illegible] اگر [illegible] سوڈان شامل نہ [illegible] تو مصری [illegible]

[illegible]

جواب تمام مشرق [illegible]

قوت رہی ہے اب سنبھالے رہی ہے اور عرب لیگ یہ اقتدار قائم رکھنے کے لئے کوشاں ہے یہودیوں کا اقتدار فلسطین میں [illegible] اور بکھر رہا ہے اس کا یہی جواب دے رہا ہے۔ امریکہ کی تجارتی مدد جدو جہد [illegible] ہیں۔ ہے اس کا [illegible] ہے اور سب سے بڑھ کر روس کی دھمکیوں کا جواب دینا ہے ان تمام مصائب کے ساتھ [illegible]

اٹومک خاک

طلسم ہوشربا کے پڑھنے والے ملک میں خال خال باقی رہ گئے ہیں مگر وقت آ گیا ہے کہ اس کی جلدوں کو مدارس کے کورس میں داخل کیا جائے کیونکہ جو تخیلات ماضی کے تیز دل و دماغ کی اپج کا نتیجہ سمجھے جاتے تھے اور جنہیں محمد حسین جاہ اور احمد حسین قمر نے لکھنؤ کے گوشۂ عافیت میں مکمل کیا تھا آج وہ جرمن سائنسدانوں کی بدولت بروئے کار عملی صورت میں نظر آ رہے ہیں۔

طلسم ہوشربا کے جادوگر خاک قبر جمشید دوسری کو استعمال کرنا ماحول جنگ کے منافی سمجھتے ہیں اور تبرکات طلسمی کا استعمال ممنوع تھا۔ کیونکہ ان کا کوئی توڑ نہ تھا اور اگر کوئی جادوگر خاک قبر جمشید اڑا کر کسی کو بیہوش کرتا یا کوئی خاص تبرک طلسمی جنگ میں استعمال کرتا تو اسے لعنت ملامت کی جاتی تھی۔

ٹھیک یہی حال ایک زمانے میں ڈمڈم گولیوں کے استعمال کے متعلق تھا اور آج اٹومک بم کے متعلق ہے مگر اب تو ثابت ہو رہا ہے کہ اٹومک خاک میں وہ قوت ہے جو اٹومک بم کو بھی نصیب نہیں یعنی یہ فی زمانہ بمنزلہ خاک قبر جمشید کے ہے لطف یہ ہے کہ اس کی پیداوار میں خرچ کچھ نہیں بلکہ جو بچاتی اٹومک بم بناتی ہے اس سے نکلی ہوئی خاک میں ایسی ریڈیو کا اثر ہوتا ہے اور کوٹ جاتی کو محض صاف شفاف راکھ ہو جاتی ہے اور انسان اور حیوان دونوں اس کے اثر سے متاثر ہوتے ہیں، گویا لڑائی میں فریق ثانی کو پتہ بھی نہ چلے اور نہیں گرد و غبار پھانک کر ختم ہو جائیں گے۔

یورنیم کے ایٹم سب سے پہلے جرمن سائنسدان اوٹوہن نے نکالا اور تجربہ کیا اب برطانیہ اور امریکہ کے سائنس [illegible]

جنگ شروع ہو جانے سے ہن اور اس کے رفقا کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوئی انہوں نے پہلے اس خاک کا تخیل کیا مگر مکمل نہ کر پائے اس خاک سے بچنے کی صرف یہ صورت ہے کہ خاک آلود ہونے سے قبل علاقہ خالی کر دیا جائے لیکن خاک میں گرد گھس جانے کے بعد پھر علاقہ چھوڑنے سے بھی کام نہ چلتا بلکہ سب کے سب حتی کہ خورد بینی [illegible] بھی مردہ ہو جائے گی۔ اس وقت امریکہ کا دعویٰ ہے کہ اس کے پاس ۹۷ بم ہیں اگر یہ صحیح ہے تو اس خاک ایٹوم کی کثیر مقدار ہوگی جسے وہ استعمال کر سکتا ہے دیکھنا ہے کہ روس اس کے جواب میں کون سا حربہ پیش کرتا ہے۔

مصر نقطۂ نگاہ سے سوڈان روح ہے کوئی نہیں جانتا کہ اس کا انجام کیا ہوگا وفد پارٹی کا مطلب یہ ہے کہ سوڈان کو مصر سے الحاق ہونا چاہئے ایک جماعت چاہتی ہے کہ مجلس اقوام متحدہ میں یہ مسئلہ پیش کیا جائے اس کے انجام کی خبر نہیں مگر یہ بین الاقوامی [illegible] ماہرین رفع نزاع کے لئے یہ چاہتے ہیں کہ دریائے نیل کو بین الاقوامی بنا دیا جائے۔

چاول کی پیچ سے دہی اور مٹھا

بنگلور کے سائنس انسٹی ٹیوٹ میں تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ چاول سے بنائی ہوئی پیچ سے دہی اور مٹھا (چھاچھ) تیار ہو جائے گا۔

دودھ میں تین چار گنا زائد پیچ ملا دی جائے اور ترشی دے کر دہی جما لیا جائے تو اس سے بخوبی دہی اور مٹھا تیار ہو جائیگا اور یہ دہی مضر صحت نہ ہوگی بلکہ مفید ہوگا۔

انسان دماغ سے نہیں انگلیوں سے سوچتا ہے

عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ انسان اپنے دماغ سے سوچتے ہیں اور جسم انسانی میں غور و فکر کا آرگن دماغ ہے لیکن فرانس کے ایک ڈاکٹر نے یہ اعلان کیا ہے کہ انسان دماغ سے نہیں بلکہ انگلیوں سے سوچتا ہے اس ڈاکٹر نے اپنے عجیب و غریب بیان سے حیرت میں ڈال دیا ہے اس نے اعلان [illegible] یہ بیان کیا کہ انسانی دماغ کا ہاتھوں کی رگوں سے تعلق ہے جس قسم کا کام کوئی انسان ہاتھوں سے کرتا ہے اس کا دماغ اسی قسم کا بن جاتا ہے گویا انگلیوں کی حرکات و سکنات کا دماغ کی بناوٹ اور اس کے سوچنے کے طریقے پر اثر پڑتا ہے۔

لطیفے

باپ:- (بیٹے سے) بیٹا تم کو دو سال پڑھتے پڑھتے ہو گئے کچھ ترقی بھی کی ہے یا نہیں؟

بیٹا:- جی ہاں! بہت زیادہ ترقی کی ہے

باپ:- وہ کیا —؟

بیٹا:- جب میں داخل ہوا اس وقت تو املا میں دو یا تین غلطیاں آتی تھیں مگر اب تو دس دس بارہ بارہ آتی ہیں۔

تین دوست تھے۔ وہ چلے جا رہے تھے راستہ میں دریا پڑا۔

پہلا:- (دوسرے سے) کیوں بھئی اگر دریا میں آگ لگ جائے تو مچھلیاں کہاں جائیں۔

دوسرا:- درخت پر چڑھ جائیں۔

تیسرا:- واہ یہ بھی گائے بھینس ہیں جو درخت پر چڑھ جائیں۔

لڑکا:- (ماں سے) اماں جان صحت کو ٹھیک رکھنے کے لئے کیا کیا احتیاط رکھنی چاہئے۔

اماں:- بیٹا! باسی چیزیں نہیں کھانی چاہئیں۔

لڑکا:- لیجئے تو ابا جان جو مٹھائی لائے ہیں وہ ابھی دیدیجئے ورنہ کل تک باسی ہو جائے گی۔

بھکاری:- بابو جی! بھگوان کے نام پر کچھ دیدو۔

بابو:- ارے اتنا لمبا چوڑا اور تندرست آدمی ہے بھیک مانگتا ہے محنت کیوں نہیں کرتا ہے شرم کہیں کا۔

بھکاری:- بابو جی میں اپنے لئے نہیں مانگ رہا ہوں۔ بھگوان کے لئے۔ میرا ساتھی بھگوان بنا ہے۔

تم پہلے کہا کر اس کے جھٹکے بازار میں کیوں بھیک رہتے ہو؟

تم جانتے نہیں میں ہڑیاں جوڑنے کا کام کرتا ہوں۔

مجلسِ اقوامِ متحدہ کی رنگینیاں

یہ ایک اور [illegible] یعنی مجلس اقوام متحدہ اپنی سیاست کے لحاظ تو مشہور ہے مگر صنف نازک کی بدولت اس میں ایک دلکشی اور رنگینی بھی ہے، یو این او کے ممبران میں متعدد حسین شمالی امریکہ کی خواتین بھی ممبر ہیں جو رنگا رنگ ... [illegible] لباس میں ملبوس نظر آتی ہیں۔ [illegible] چینی خواتین بھی مشرق نمونے کے کم گھیرے دار لباس میں نمایاں ہیں۔ سانولے رنگ کی جنوبی امریکہ کی خواتین اپنی شہلائی آنکھوں کے ساتھ جن کی ٹوپیاں اور پوشاکیں مرکز نظر بنی ہوتی ہیں۔ مگر خوشنمائی اور دلربائی سے زیادہ یہ اپنی نمایاں خدمات کے باعث ممتاز ہیں یہ کہنا کہ انہیں دوسری عورتوں کی طرح مردوں سے دلچسپی نہیں یا ان کا فکر بس کوئی صحیح نہیں ہے البتہ ان کی خصوصیت ان کی نمایاں تعلیمی ڈگریاں ہیں۔ ان میں سے متعدد ایسی ہیں جو دو سے پانچ زبانوں تک بولتی اور جانتی ہیں، اور دوسری زبانوں میں مختصر نویسی کر سکتی ہیں

اور ترجمے کر ڈالتی ہیں۔

ستار دسنگار کی تو یہ بھی شائق نہیں مگر ۱۰۔۱۲ گھنٹے یومیہ محنت کرتی ہیں جنرل اسمبلی کے جلسوں کے زمانے میں انہیں دوکان کرنے یا بال درست کرنے کی بھی مہلت نہیں ملتی ان کے انہماک کی صورت بھی یہ ہے:

مس میریان ڈکس مشہور فسانہ نگار ہے مگر اس نے ہولی وڈ کی ہزار ڈالر فی ہفتہ کی اجرت پر اقوام متحدہ کی سو ڈالر فی ہفتہ کی ملازمت کو ترجیح دی ہے یہ مجلس کے فلم اور ٹیلیویژن کی تیاری کا کام انجام دیتی ہے۔

مس ڈکس کا قول ہے کہ اگر اقوام متحدہ کو ناکامی ہوئی تو پھر دنیا باقی نہ رہے گی، اس لئے اسے کامیاب ہونا چاہئے اس لئے اس کی خدمت دنیا کی بہترین خدمت ہے اور اس کے لئے اس میں پوری قوت وطاقت ہونی چاہئے۔

مس کونسٹینس روڈس گورا رنگ انگریز لڑکی ہے جس کی تعلیم [illegible] میں ہوئی ہے اس نے جنیوا کے [illegible] حزب العمال میں بھی کام کیا ہے اور اس وقت اقوام متحدہ کے سکریٹریٹ میں اعلیٰ سکریٹری انڈر [illegible] کی معیت میں کام کرتی ہیں۔

اس کا قول ہے کہ ایک بار کام کرنے کے بعد اس کام کا شوق رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے اور ہر ملک کے باشندوں کی ملاقات یقیناً دلچسپی کا باعث ہے اگر مجھے اب ایسے دفتر میں کام کرنا پڑے جہاں بڑے انگریز ہی ہوں تو زندگی اجیرن ہو جائے میں بہت بلند خیالی نہیں چاہتی میرے لئے یہی کافی ہے کہ امن و صلح کے لئے کام کر رہی ہوں۔ مشکلات کے بعد ہم نے کچھ کامیابی حاصل کرلی ہے، اور یہ امر باعث اطمینان ہے کہ اس میں میرا حصہ بھی کچھ کچھ ہے۔

طلاق کی زورا زوری

لندن میں طلاق کے مقدمات فیصل کرنے والے جج ولنے بڑے دن کی چھٹیوں سے قبل دس ہفتوں میں ۸ ہزار مقدمات فیصل کئے۔

ان مقدمات میں جوابدہی نہ تھی، ان دس ہفتوں میں روزانہ ۱۰۰ ایک طرفہ فیصلے ہوئے گویا دس منٹ میں ایک مقدمہ فیصل ہوا۔

خیال ہے کہ ۱۹۶۲ء میں طلاق کے بہت سے مقدمات دائر ہوں گے اس وقت مسئلہ طلاق کے متعلق ایسی ترمیمات زیر غور ہیں جن سے طلاق کے مقدمات میں مصارف کم ہوں۔

دماغی معمے دہلی

آخری تاریخ ۱۹ر فروری

ایک حل کی فیس ایک روپیہ ۱ر۔ تین حلوں کی [illegible] آٹھ آنے ہے۔ ہر نو حل بھیجنے والا دسواں حل مفت داخل کر سکتا ہے۔

دس ہزار روپیہ کی ایک اور پیشکش

۱۰،۰۰۰ دماغی معمہ نمبر ۵۳

پہلا انعام	۷۰۰۰
باقی انعامات	۳۰۰۰
(سب سے زیادہ حل بھیجنے والے کو)	۱۵۰

(۱) رقوم اور حل اس پتہ پر ارسال کیجئے:۔

مینجر دماغی معمہ نمبر (۵۳) شیدی پورہ دہلی

۲۔ منی آرڈر رسید ساتھ ہی روانہ کیجئے۔ منی آرڈر کے کوپن پر جو کہ منی آرڈر فارم کے بالکل پیچھے ہوتا ہے نام پتہ تعداد حل اور کل رقم درج ہونی چاہئے۔

۳۔ خط وکتابت کرتے وقت مینجر کو جوابی خط لکھئے

۴۔ حل سادے کاغذ پر بھیجے جا سکتے ہیں کوپن اور شرائط وقواعد وغیرہ دفتر سے ۲ر کے ٹکٹ بھیج کر حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

۵۔ نتیجہ کے لئے ہم کو چار آنے بھیجئے آپ کو چھپی ہوئی لسٹ مع اگلے معمے اور کوپن کے پہنچ جائے گی یا انصاری دہلی مورخہ ۲۸ر فروری دیکھئے۔

۶۔ مینجر کا فیصلہ آخری اور قانوناً قابل تسلیم ہوگا۔

۷۔ مختلف ناموں سے حل مختلف لفافوں میں آنے چاہئیں۔

۱	ب	ل	ب	ل			
۲	ذ	ہ			ت		
۳		ن					
۴		ر					
۵		و		ت			
۶	ر	و		ی			
۷	ب			س			
۸	ا	ع			ا		
۹	ز	ہ	ر				
۱۰	س	ف		ر			
۱۱				ا	ن		
۱۲			ا	ن			
۱۳	ا		ٹ	م		م	
۱۴	ز	ن	ہج		ر		ل

میں نے قواعد وشرائط کو بغور پڑھ لیا ہے اور اس معمہ میں شرکت کرتے ہوئے مجھے اقرار ہے کہ مینجر کا فیصلہ اس کے متعلق میں قطعی اور میرے لئے قابل تسلیم ہوگا۔

نام ....

پورا پتہ ....

کل تعداد حل ...... کی رقم ...... نمبر رسید منی آرڈر یا کراسڈ پوسٹل آرڈر ...... نام اخبار یا رسالہ جس سے معمہ حاصل کیا ......

دستخط ....

اشارات

۱۔ غزل گو شاعروں کا خاص موضوع گل و ...
۲۔ ہمارے معمے آپ سے اس چیز کے طالب ہیں
۳۔ اسکی صفائی بھی انسانی صحت کیلئے نہایت ضروری ہے
۴۔ دنیا کے تمام فساد کی جڑ یہی ہے
۵۔ شاہان مغلیہ کے اس کا آج بھی چرچا ہے
۶۔ موجودہ جنگ کے ختم ہونیکے بعد اس کا سوال بہت اہمیت رکھتا ہے۔
۷۔ ایسے افراد کی امداد از بس ضروری ہے
۸۔ وقت کی اہمیت اسکی مقتضی ہے کہ کسی پر یہ نہ کیا جائے
۹۔ مریض کے حق میں یہ بھی بعض وقت تریاق ہے
۱۰۔ دنیا کے ہر بڑے ملک میں اس سے بہت سے کام سرانجام پاتے ہیں
۱۱۔ جب یہ جوش میں آجاتا ہے تو بڑے بڑے کام ظہور میں آتے ہیں
۱۲۔ کسی وقت اس سے ایسا کاری زخم لگتا ہے کہ مندمل نہیں ہوتا۔
۱۳۔ زمانۂ موجودہ میں سائنس کا سب سے بڑا معجزہ
۱۴۔ غلامی میں کام آتی ہیں نہ شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں ... (اقبال)

جوآری کا حشر

ہارے کی بدی ہے آشکارا | راجا نل سلطنت سے ہارا
دانا تو کرے نہ اس طرف میل | ہارا ہے جوئے کے نام سے بیل

دوستوں اور عزیزوں کا مجمع کمرۂ عدالت میں جمع ہے اور فکر ہے کہ ملزم کا کیا حشر ہوتا ہے۔ ملزم پر خیانت کا الزام ہے اس لئے بنک کے کلرک کی حیثیت سے بہت سی جمع شدہ رقم اڑالی ہے۔ ملزم کو جرم سے اقرار ہے اور وہ اس پر رضامند ہے کہ جن لوگوں کا مالی نقصان ہوا ہے انہیں وہ سب رقم ادا کردوں گا وکیل صفائی نے عدالت سے اس بنا پر رحم کی استدعا کی کہ وہ گھر کا تنہا کمانے والا ہے اور ملک بھر میں ماں اور ایک بیوہ بہن کی کفالت کا بار اس پر ہے جج پر بھی اس استدعا کا اثر ہے مگر قانون مجبور کر رہا ہے بادل ناخواستہ جج نے تین سال قید کی سزا کا حکم دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ قانون اس سے زیادہ رعایت نہیں دیتا کم سے کم سزا دی گئی ہے۔

اس طرح ایک پڑھا لکھا ہوا شخص قیدی بن جاتا ہے اور قیدخانہ میں اس کا نمبر ڈی ۸۳۲۲۲ ہے اب تین سال تک جیل خانہ کی دنیا میں وہ اسی نام سے پکارا جائے گا خود یہ نام اس کے دل و دماغ پر بھی حاوی ہو گیا خود ہمیں نہ اس کا نام معلوم اور نہ معلوم کرنے کی ضرورت اتنا معلوم ہے کہ ڈی ۸۳۲۲۲ کو دوستوں یاروں میں جوا کھیلنے کی عادت ہوئی اپنی جیب کی کمائی ختم کرنے کے بعد محض اس امید موہوم پر کہ ایک داؤ میں پانسہ پلٹ جائے گا اور ساری رقم جمع کر دوں گا وہ کھیلتا رہا اور تقدیر کی بازی برابر خلاف گئی یہاں تک کہ ایک دن راز کھل گیا جس کی بدولت آج وہ نمبر ڈی ۸۳۲۲۲ ہے۔

قیدی پڑھا لکھا تھا اس لئے جیل کا نقشہ جیل سے باہر آکر نہایت عمدگی کے ساتھ کھینچا مگر اس میں جابجا اپنے جرم کا اعتراف اور اس پر اظہار ندامت بھی کرتا گیا۔

دشمناں شاد بخند راکہ رقم نالکہم
دوستاں زیر بہ گریستہ کہ خنداں ختم

اپنے تجربات زندان میں وہ لکھتا ہے کہ وہاں میں قید بامشقت کاٹ کر جیل سے باہر آگیا مجھے اس کا تو افسوس ہے کہ میں نے جرم کیا اور اس کی پاداش جو مجھے ملنی چاہیے تھی وہ ملی مگر رہ رہ کر یہ خیال ضرور آتا ہے کہ انسان کو کیا حق ہے کہ وہ کسی مجرم انسان کو اس طرح پامال کرے گنہگار بندہ اپنے مالک کے سامنے جواب دہ ہے اور مالک ارحم الراحمین ہے۔

بندے اگر تصور نہ کرتے قصور تھا

اس کتاب میں یہ دکھایا گیا ہے کہ جیل میں قیدیوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک روا رکھا جاتا ہے جیل خانہ آئرلینڈ کا ہے، اور آئرلینڈ پر کیا منحصر ہر جگہ یہی مثال ہے خصوصاً ہندوستان میں تو اس سے بھی بدتر ہے ہر جگہ مذہب کے نام پر بہت کچھ زور دیا جاتا ہے اس طرح نمبر ڈی ۸۳۲۲۲ نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہندوستان پر بھی چسپاں ہے۔

جیل جانے کی وجہ

وجہ تو اور بربادی کی مگر جوا کھیلتے وقت جو خدمات دے ہیں انہیں نمبر ڈی ۸۳۲۲۲ یوں بیان کرتا ہے۔

جس وقت کوئی اپنی اوقات اور بساط سے باہر داؤ لگاتا ہے اور ہار جیت کا دغدغہ دامنگیر ہوتا ہے اس وقت کلیجہ منہ کو آجاتا ہے دماغ معطل ہو جاتا ہے اور انجام کیا ہوتا ہے اگر تم جیت گئے تو دماغ آسمان پر ہوتا ہے معلوم ہوتا ہے دنیا کی بادشاہی مل گئی زبان سے الفاظ کے دریا امنڈتے ہیں [illegible] معلوم ہوتی ہے خوشی ہر طرف ناچتی ہے۔ البتہ اس کا افسوس رہتا ہے کہ بڑی رقم کیوں نہ لگائی اور فوراً ہی دوسرا داؤ رکھ دیا جاتا ہے ہار کی صورت میں دل بیٹھ جاتا ہے اپنی نظروں میں ذلیل ہو جاتا ہے دل و دماغ پر نفرین کرتا ہے کہ جیتنے والے

نمبر پھر کیوں نہ لگایا اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کوئی بڑے سے بڑا جرم کیا ہے اور جرم کرتے ہوئے گرفتار رہتے ہیں جو اس نقل ہو جاتے ہیں اور تلافی کے لئے دوسرا داؤ لگایا جاتا ہے .... انجام میں جیل نصیب ہوتا ہے۔

جیل کی دنیا میں

ابتدائی چند روز قیدی کے لئے سخت ہوتے ہیں اور آزادی سے محروم ہونے کا احساس ستاتا ہے جیل خانے کی صورت یہ ہے جس سے قیدی کے حواس درست نہیں رہتے بلکہ قیدی کی روح اور بھی مردہ ہو جاتی ہے نمبر ۸۳۲۲۲ کا بیان کہ عموماً قتل کے ملزم خاموش اور ربط باز ہوتے ہیں گو مخالفت اور تردید کی برداشت نہیں ہوتی مگر وہ جھگڑالو نہیں ہوتے۔ اکثر قیدی ایسے ہوتے ہیں جو تہذیب کو جیل میں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے جیل میں ان کے مشاغل بھی مختلف ہوتے ہیں عموماً کتب بینی میں وقت گذارتے ہیں خود نمبر ۸۳۲۲۲ بھی تخیلات کی دنیا کے علاوہ کتب بینی کرتا تھا اس کا بیان ہے کہ کتابیں ایسی رفیق ہیں جو کبھی دھوکا نہیں دیتیں اور نہ کبھی رنج ادا کرتی ہیں۔

قیدی کو سب سے زیادہ سوہان روح اس کا ہوتا ہے کہ کہیں وہ جیل میں مر نہ جائے ورنہ کوئی رونے والا بھی نہیں ہوگا اور داروغہ یہ کہہ کر کنارے ہوگا "لو ایک تو مر گیا"

اب ڈی نمبر ۸۳۲۲۲ جیل سے باہر آتا ہے اب وہ یہ ارادہ کرکے چلا ہے کہ دنیا میں پھر وقار قائم کرے گا وہ مختلف مشاغل سے روزی پیدا کرنا چاہتا ہے مگر کہیں تسکین نہیں، سکون قلب نصیب نہیں، ایک دن گلی میں اسے ایک رفیق جیل مل جاتا ہے جو پریشان حال ہے مگر نظر چرائے ہوئے گویا کوئی جرم کئے ہوئے ہے چلا جا رہا ہے اس وقت اسے وہ وقت یاد آتا ہے

جو اس کے جیل کے اندر کتنا [illegible]
بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے ؎

ہے سرمایہ درتم تا زندان تمام تر
دنیا کی ایک چیز بھی آتی نہیں نظر
لو شام ہو چکی ہے [illegible]
زندانیوں کا رات [illegible]
روشن کوئی چراغ اس جیل کا نہیں
تاریک قید خانے میں کچھ سوجھتا نہیں
دیکھو جوئے کا لطف بہ رنگ سراب ہے
سچ ہے قمار باز کی مٹی خراب ہے

مضمون نگار حضرات

اپنے مضامین صاف اور خوشخط لکھ کر بھیجیں ورنہ شائع نہ ہوں گے (ایڈیٹر)

وہ ایک دفتر میں منشی تھا تیس روپیہ ماہانہ تنخواہ پانے والا منشی، چھ بچوں کا باپ، ایک بیوی کا شوہر، ایک بوڑھے باپ کا بیٹا اور نہ معلوم کیا کیا۔ دو تین گھنٹے تک وہ دفتر کے دوسرے منشیوں کے ساتھ میز پر جھکا کام کرتا رہتا۔ اس عرصہ میں بے شمار سرکلر، بل لفافے، رجسٹر اور خطوط اس کے سامنے آتے وہ انہیں پڑھتا بہت غور سے۔ اور سب پر ہی اسے کچھ نہ کچھ لکھنا پڑتا۔ میز پر جھکے جھکے اس کی کمر میں ایک خم سا آ گیا تھا اور ہر وقت اس کا سر جھکا ہی رہتا تھا سڑک پر بھی جب وہ سینہ تان کر اور سر اٹھا کر چلنے کی کوشش کرتا تو اسے ایسا معلوم ہوتا جیسے کمر کا کوئی مہرہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے اور پٹھوں پر فالج گر پڑا ہے اب اس کا سر اونچا نہیں ہو سکتا تھا کمر سیدھی ہو سکتی ہے پھر ایک مفلس، کم معاش اور پریشان حال منشی کو یہ حق بھی کہاں تھا کہ وہ سینہ تان کر اور سر اونچا کر کے سڑک پر چل سکے۔

طبی نقطۂ نظر سے بیٹھنے اور چلنے کی یہ صورت کتنی ہی مفید سہی مگر عملی زندگی میں یہ انہیں لوگوں کو فائدہ پہونچا سکتی ہے جو بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں موٹروں اور تانگوں میں بیٹھ کر سڑکوں پر گھومتے ہوں، انڈے، مکھن اور توس کھاتے کھاتے انہیں بدہضمی کی مستقل شکایت ہو گئی ہو ان کے پیٹ بڑے ہو گئے ہوں اور سینے اور ٹانگوں کے درمیان انہوں نے کوئی نیا زاویہ بنا لیا ہو۔

اس کی کمر میز پر جھکے جھکے ختم ہو گئی تھی۔ ناک پر عینک کی آہنی کمانی سے گہرا گڑھا پڑ گیا تھا۔ باریک تحریریں پڑھتے پڑھتے آنکھیں کمزور ہو گئی تھیں اور کونوں میں ہر وقت ہی ایک طرح کا گاڑھا اور غلیظ سا پانی بھرا رہتا تھا۔ کئی آدمیوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ روہوں کی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے اور جلد اسے کوئی اچھا سرمہ لگانا چاہیے یا عینک بدلوا لینی چاہیے مگر یہ دونوں باتیں بھی اس زمانے میں اس کے قابو سے باہر تھیں۔

سڑکوں پر پیدل چلتے چلتے پنڈلیوں کے پٹھے بیٹھ گئے تھے [illegible] گئے تھے۔ پیٹ کمر سے لگ گیا تھا اور اس دائرے کے سرے جیسے ہر وقت اس کے سر کو سینے کی ہڈیوں سے ملا دینے کے لئے ایک غیر محسوس سی کوشش کرتے رہتے ہوں۔ ان حالات میں اس کا سر کیونکر اونچا ہو سکتا تھا؟ پھر بیوی بچوں کے کھانے پینے کا بوجھ اور بوڑھے باپ کی دوا دارو کا وزن بھی تو اس کے سر پر رکھا ہوا تھا [illegible]

یہ [illegible] اور اسے [illegible] جھکائے [illegible] رہا تھا۔ وہ میز پر بھی سر جھکا کر بیٹھتا افسروں کے سامنے بھی اسی طرح جاتا اور سڑک پر بھی یونہی گھومتا رہتا۔

اس کا باپ بہت بوڑھا ہو چکا تھا اس کے سارے دانت ٹوٹ گئے تھے وہ چنے کی روٹی کے لقموں کو مسوڑوں سے چبانے کی بہت کوشش کرتا مگر چباتے چباتے ایسا لگتا جیسے کہ مسوڑوں میں چاقو چبھ رہے ہوں اور جبڑے تھک کر اب رک جانا چاہتے ہیں اور کنپٹیوں میں شدید درد ہونے لگا ہے مجبوراً وہ ادھ چبے لقمے نگل جاتا اور اس وجہ سے آئے دن اسے دست آتے رہتے کبھی تو وہ پکی سونف بازار سے لانے کی فرمائش کرتا اور کبھی کسی معجون کا شکل سا نام بتا کر کہہ دیتا:-

بیٹا آج یہ معجون لیتے آنا میرے لئے ایک آنے کی اور ایک پیسے کی افیون تو گویا لازمی ہی تھی گھر میں پیسہ نہ بھی ہوتا تو کھینچ تان کر ایک پیسے کی افیون ضرور ہی منگائی جاتی اور جب وہ عطار کی دوکان پر جا کر کہتا ایک آنہ کی معجون ...

تو بوڑھا عطار پڑیے باندھتے باندھتے ہنس کر کہتا:

ایک آنہ کی افیون کتنی آئے گی۔ کاغذ ہی میں چپک کر رہ جائے گی کیا کسی بچہ کے لئے چاہیے؟

نہیں، میں والد کے لئے لے جا رہا ہوں۔ انہیں دستوں کی شکایت ہے بہت دنوں سے!

ہے ہے ہے عطار کے منہ میں تمباکو کی پیکوں کی قطاریں دکھائی دینے لگیں اور چھالیہ کے باریک ذرے پیلے کرنے پر بکھر جاتے ہونٹوں پر ایک استہزائیہ ہنسی دوڑ جاتی۔

والد کے لئے؟

ہاں ہاں بھئی کہہ تو رہا ہوں۔

اجی کہہ تو رہے ہو۔

عطار کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ جاتیں۔ میں بھی سن رہا ہوں، مگر افیون [illegible] پھر تو وہ ان کے لئے [illegible]

آپ نے [illegible] بھی وہی مثل کی کہ:-

اونٹ کی داڑھ میں تنکا بھلا ایک آنہ کی معجون میں کیا ہو گا۔

پھر اٹھنی بھر ہی سہی؛

چار آنے کی ہو گی اٹھنی بھر

اس کی نگاہیں عطار کی داڑھی کے بالوں میں الجھ کر رہ جاتیں۔ کوئیں کا پانی اور گاڑھا ہو جاتا کمر کا خم اور پیٹ کا اضعف دائرہ زیادہ گہرا ہونے لگتا اور سر کچھ اور جھک جاتا وہ سوچتا یہ عطار بھی عجیب احمق ہے اول تو بولتا ہے عجیب انداز سے!

پھر کہتا ہے ایک آنہ کی معجون کاغذ ہی میں چپک کر رہ جائے گی چار آنے کی ہو گی

اٹھنی بھر

چھوٹا سا مکار

نفع خور!

یہ کیونکر ممکن ہے کہ اس کی تنخواہ نہ بڑھے اور معجون کی قیمت چوگنی ہو جائے سرکار کبھی ایسا نہ ہونے دے گی۔ وہ نفع خوروں کو سزا دینے کے لئے ضرور کوئی قانون بنائے گی ... لڑائی کا زمانہ ہے بہت سی چیزوں کی قیمتیں مقرر کر دی گئی ہیں بالکل اسی طرح جیسے خود اس کی ایک قیمت مقرر ہے وہ کبھی سرکار سے نہیں کہہ سکتا کہ تیس روپے میں اس کا اور اس کے بیوی بچوں کا اور اس کے بوڑھے باپ کا پیٹ نہیں بھرتا۔ یہ تیس روپے تو دس دن بھی نہیں چلتے اور باقی بیس دن محلہ والوں سے ادھار لے کر گذارتا ہوں اس تنخواہ میں تو وہ اپنے بوڑھے باپ کے لئے معجون بھی نہیں خرید سکتا اس کی تنخواہ بڑھا دی جائے ایسا تو وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا بھلا مہنگائی کی وجہ سے تنخواہ بڑھ سکتی ہے سرکار؟

وہ قانون بنا رہی ہے اس نے تو ہر چیز کی قیمتیں مقرر کر دی ہیں۔

یہی وہ سوچتا رہا اور ہر چیز کی قیمت بڑھتی رہی گیہوں، باجرہ گڑ، شکر، نمک، مرچ غرض ہر چیز مہنگی ہوتی گئی اور جب اس کا باپ شکر نہ ملنے کی وجہ سے پکی پکی بدذائقہ سونف نہ پھانک سکا اور چار آنے کی معجون بار بار اس کے لئے عطار کے یہاں سے نہ لا سکا تو ایک دن وہ مر گیا۔ اور یہ پہلا ہی موقع تھا کہ اسے افیون بھی نہ مل سکی تھی جب وہ کفن کے لئے کپڑا لینے گیا تو معلوم ہوا کپڑا بھی بہت مہنگا ہو گیا ہے بغیر دھلا، بہت موٹا اور کھردرا لٹھا بڑی مشکل سے پندرہ روپے میں ملا۔ حالانکہ اب سے تین سال پہلے جب اسی مرنے والے باپ نے اس کی شادی کے لئے کپڑا لیا تھا بہت خوبصورت، بالکل نرم اور چکنا ریشم جیسا کپڑا تو اس قیمت آٹھ روپے میں مل گیا تھا اور اس وقت بھی اسے یہی تنخواہ ملا کرتی تھی اور آج جب کفن کے لئے بغیر دھلا۔ کھردرا کپڑا بھی پندرہ روپے میں ملتا ہے تب بھی اس کی تنخواہ وہی ہے

([illegible])

بعد میرے ملک بھر کے دفتروں کے منشیوں کی تنخواہ بڑھانی جائے انہیں گرانی الاؤنس بھی دیا جائے گا تو حضور سرکار میری اور میرے دفتر کے منشیوں کی تنخواہ بڑھا سکے بڑی مصیبت ہے تا ہماری سرکار !

وہ قانون بناتی ہے ، ہر چیز کی قیمت مقرر کرتی ہے ، ضرور وہ منشیوں کی قیمت بھی مقرر کرے گی ان کی تنخواہ نہ بڑھائے گی تو گرانی الاؤنس ضرور دے گی اور ان کے مصائب کا خیال کر کے ایسے خراب وقت میں ان کی پوری مدد کرے گی رات بھر وہ یہی سوچتا رہا صبح جب وہ اٹھا ہے تو اس کا سر بوجھل تھا اور بھیجے میں ہلکا ہلکا سا درد ہو رہا تھا۔ آخر وہ رات بھر جاگتا بھی تو رہا تھا۔ جب وہ جنے کی روٹی کھا کر دفتر جانے لگا تو اس کی بیوی نے کہا گیہوں بڑھوا لو تو جنے سے تم اپنے کا رہ گیا ۔ !

کیسے مگر بڑھوا لوں ؟

سرکار سے کہہ کر تم ذکر ہو نا ہی کہ وہ سب اپنے اپنے نوکروں کا خیال کرتے ہیں ۔

آج ہی ٹھیکہ دار نے کلو کو دو روٹیاں زیادہ دی ہیں اور ایک روپیہ بھی بڑھا دیا ہے اس کا ، بس دو دن وہ کام پر نہ آیا تھا ۔

کیا کام چھوڑ دیا تھا کلو بوا نے ؟

ہاں جب ہی تو بڑھا دی اس کی تنخواہ جلدی سے ٹھیکیدار نے ———

اس کے دماغ میں ایک بیدار (؟) سی پیدا ہو گئی سیکڑوں دئے ایک دم سے جو اس کی تاریکی میں جھلملانے لگے اور ذہن میں جلدی جلدی ایک عمارت سے بننے لگی ، شاندار اور مضبوط عمارت وہ بولا ۔ پھر گیہوں کیوں بڑھوا دوں تنخواہ بھی نہ بڑھوا لوں میں اپنی اور سب منشیوں کی سرکار سے !

یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے مگر ——

وہ مسکرانے لگی ۔

اور وہ بھی ہنستا ہوا دفتر چلا گیا اور اس دن دفتر کے سب منشیوں کو اکٹھا کر کے اس نے ایک انجمن بنالی ۔ دفتر کے سارے منشی بھی پریشان تھے وہ بھی مہنگائی کی مصیبت سے تنگ تھے انہیں اس کی یہ باتیں بہت پسند آئیں اور سب ہی انجمن میں شریک ہو گئے اس نے درمیان میں کھڑے ہو کر ایک تقریر کی بہت پر جوش اور دھواں دھار ——— اور تقریر کرتے کرتے اسے محسوس ہوا کہ آج اس کی کمر کا خم سیدھا ہونے لگا ہے اور سر آہستہ آہستہ اونچا ہو رہا ہے پیٹ کا دائرہ کم ہونے لگا ہے اور اس کے کولوں کا کھنچاؤ مدھم پڑتا جا رہا ہے اس کے جسم میں آپ ہی آپ اتنی طاقت پیدا ہو گئی کہ ضرورت پڑنے پر وہ سرکار کا مقابلہ بھی کر سکتا ہے اور ہاتھوں اور پیروں کی جگہ اس کے بہت سے ہاتھ پیر ہیں سر میں ایک دماغ نہیں ہے بلکہ سینکڑوں دماغ کسی نے رکھ دئے ہیں اور چہرے پر بہت سی آنکھیں جگمگانے لگی ہیں ۔ اور دور بہت دور وہ ایک بہت بڑی عمارت بنتے ہوئے دیکھ رہا ہے اس کا سینہ خوشی سے پھولنے لگا اسی وقت اسے ایسا معلوم ہوا جیسے سینے میں اب ایک دل نہیں ہے بہت سے دل ایک ساتھ دھک دھک کر رہے ہیں ۔

اب تک وہ دفتر میں بڑا شریف ایماندار اور نیک مشہور رہا تھا مگر اگلے ہی دن اس کے افسر نے بڑے منشی جی کو اپنے اجلاس میں بلوا کر کل کے جلسے کا حال پوچھا اور جب اس نے کہا کہ دفتر میں ایک انجمن بن گئی ہے اور اس نے ایک تقریر بھی کی ہے وہ سب منشیوں کی تنخواہ بڑھوانا چاہتا ہے تو افسر کی پیشانی پر گہری گہری سلوٹیں پڑ گئیں اور آنکھوں میں شرارے ناچنے لگے اس نے بگڑ کر بلند آواز میں کہا ——— بد معاش !

اور پھر دیر تک وہ دانت پیستا رہا

(تبسم)

دلچسپ معلومات

افریقہ کی عجیب و غریب قوم

ایک سیاح نے افریقہ کی "زولیا" قوم کے دلچسپ حالات بیان کئے ہیں اس کا بیان ہے کہ یہ قوم افریقہ کی بہت قدیم قوم ہے جو دور حاضرہ کی تہذیب سے بالکل نا آشنا ہے اس قوم کے مرد پتوں سے جسم کو ڈھکتے ہیں اور عورتیں کھال کا ایک ٹکڑا لٹکا لیتی ہیں ۔

اس قوم کا یہ دستور ہے کہ جب کوئی مر جاتا ہے تو ہم دن تک اس کی لاش کی پرستش کی جاتی ہے ۔

ان کا عقیدہ ہے کہ اگر لاش کی پرستش نہ کی جائے تو اس کی روح ساری قوم کو اذیت پہونچائے گی ۔ اس قوم میں جب کسی لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو لڑکی کو مادر زاد برہنہ ہو کر تمام مہمانوں کے سامنے ناچنا پڑتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی دلہن کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی جاتی ہے ۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ان کے برہنہ رقص کرنے سے دیوتاؤں کی روحیں خوش ہوتی ہیں ۔

گائے کے معدہ میں حیاتین کی فیکٹری

گائے کا معدہ صرف گائے ہی کی ضرورت کے لئے حیاتین "ب" اگروپ کے تمام اجزا پیدا نہیں کرتا بلکہ ان کی کچھ فاضل مقدار بھی پیدا کرتا ہے جو اس کے ہضم شدہ فضلہ کے ساتھ خارج ہوتے ہیں ۔

اس حقیقت کا انکشاف پنسوانیا اسٹیٹ کالج میں کیا گیا ہے گائے کے پیچیدہ معدے کے جس حصہ میں خاص طور پر حیاتین پیدا ہوتے ہیں وہ خاص طور پر جگالی کرنے والے جانوروں میں پایا جاتا ہے ۔ اسے "جگالی کی تھیلی" کہتے ہیں حیاتینوں کی یہ تیاری گائے کے جسمانی افعال کے ذریعہ نہیں ہوتی ۔ قدیم زمانے سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ مرغی کے چوزے گائے کے گوبر کو کرید کر جو دانہ چگتے ہیں وہ بہت تندرست اور توانا ہوتے ہیں اس کا سبب انہی حیاتینوں کی موجودگی میں پنہاں ہے ۔

منڈا ہوا سر خوبصورتی کی نشانی

یورپ کی عورتیں تو صرف بال ترشواتی ہیں لیکن جنوبی افریقہ میں عورتیں اپنے سر کو بالکل منڈوا دیتی ہیں اور منڈا ہوا سر وہاں حسن و خوبصورتی خیال کیا جاتا ہے ۔

ایک سیاح کا بیان ہے کہ افریقہ کے بعض قبائل کے ہاں یہ رسم ہے کہ جب لڑکی کی شادی ہوتی ہے شادی سے قبل اس کا سر مونڈ دیا جاتا ہے ۔

چیونٹیوں کے حیرت انگیز کارنامے

چیونٹیوں کو آپ اکثر بہت ہی حقیر سمجھتے ہیں لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ عام کیڑے مکوڑوں کے مقابلے میں بہت عقلمند ہیں ان میں انسان کی طرح مآل اندیشی کا بھی مادہ ہوتا ہے چنانچہ وہ کسانوں کی طرح اناج کاٹتی ہیں اور اس کا ذخیرہ کرنا بھی جانتی ہیں ۔ اور وہ سبزیوں کی کاشت بھی کرتی ہیں جس کے لئے وہ خاص قسم کی کیاریاں بناتی ہیں اور عام کسانوں کی طرح کھیتی کے کام کو بڑی ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتی ہیں وہ دوسرے کیڑے مکوڑوں کو گائے کے طور پر رکھتی ہیں ان کی خبر گیری کرتی ہیں اور ان کے لئے گاؤ خانہ بھی بناتی ہیں اور کیڑوں سے دودھ حاصل کرتی ہیں یہ چیونٹیاں اپنے مہمانوں کی بہت خاطر تواضع کرتی ہیں ۔

دانتوں کی بوسیدگی بتانے والا کیمرہ

علاج دندان کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ امریکہ میں دانتوں کی بوسیدگی کی اندرونی حالتوں کا فوٹوگراف ایک خاص کیمرے کے ذریعے لیا گیا ہے ۔

یہ کارنامہ ڈاکٹر ہیری فرسی اور ڈاکٹر جے ایم سانڈرس کا ہے یہ دونوں اشخاص کیلیفورنیا یونیورسٹی کے تحقیقاتی شعبہ کے ماہرین ہیں انہوں نے پہلے دانتوں کی اوپری جلا دار تہ کو کیلشیم آمیز کرنے کا ایک طریقہ ایجاد کیا ہے جس سے دانتوں کی اندرونی جالدار ساخت نظر آنے لگی

(باقی کالم دو میں)

اس کے بعد یہ معلوم ہوا کہ خراب دانتوں کی سطح پر جراثیم کی ایک جھلی سی بن جاتی ہے اس کے بعد دوسرے جراثیم بھی پہونچ جاتے ہیں جو دانتوں کے ڈھانچے کو نرم اور بوسیدہ کر دیتے ہیں ۔ اور پھر یہ سڑے ہوئے سیال مادے اندر پھیلنے لگتے ہیں یہاں تک کہ اس سیال مادے میں دانت کے ٹھوس اجزا چھوٹے چھوٹے جزیروں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں ۔

آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی اکسٹھ ۶۱ سالہ جد و جہد

قانون نمک شکنی

[illegible] کے بعد گاندھی جی [illegible] کر ڈانڈی پہنچ گئے اور تمام [illegible] پر اتھنا ئیں ہیں۔

گاندھی جی اپنے پیروؤں سمیت سمندر کی طرف بڑھے لوگوں کا بڑا ہجوم تھا ٹھیک ۸ بجے صبح سمندر میں نہانے کے بعد گاندھی جی نے نمک کا ایک ڈلا اٹھایا [illegible] لوگ اس چیز پر ہنسے ان کے خیال میں [illegible] طاقتور سلطنت کے [illegible] سے جنگ کرنا مضحکہ خیز تھا لیکن عجیب و غریب سنسنی گرم بڑھتا ہی رہا [illegible] قانون نمک کو توڑ دیا گیا۔

ڈانڈی میں گاندھی جی کی آمد سے دو [illegible] کانگریس کا صدر اور دیگر لیڈران بھی [illegible] گرفتار ہو چکے تھے۔

بڑودہ کے سابق چیف جسٹس مسٹر عباس طیب جی نے گاندھی جی کی جگہ لے لی، اور گرفتار ہوئے۔ مسز سروجنی نائیڈو آگے بڑھیں اور انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا اگرچہ لیڈران کو نظر بند کر دیا گیا تاہم جنگ برابر جاری رہی۔

۲۰ سالہ امام صاحب کی رہنمائی میں پندرہ سو والنٹیروں نے دھرسنا ڈپو پر حملہ کیا پولیس نے کئی مرتبہ لاٹھی چارج کیا، والنٹیروں کو پیچھے ہٹنا پڑا لیکن انہوں نے ضربوں کے باوجود دوبارہ حملہ کر دیا کچھ دیر کے بعد امام صاحب اور دیگر رہنماؤں کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔

وادالہ کے نمک ڈپو پر بھی حملہ ہوا افسران نے لاٹھی چارج کیا جس سے حملہ آوروں کا شدید نقصان ہوا۔

ستیہ گرہی ان حملوں سے رتی بھر نمک بھی حاصل نہ کر سکے لیکن ان کی مصیبتوں نے نمک کے ٹیکس کو بہت اہمیت دیدی۔

گول میز کانفرنس

[illegible] کانگریس کی طرف سے گول میز کانفرنس میں شرکت فرمائی اور کانگریس کے مطالبات کو [illegible] انہوں نے کہا:

کانگریس مکمل آزادی کی خواستگار ہے اور فوج بیرونی معاملات اور فنانس پر مکمل کنٹرول کا مطالبہ کرتی ہے کسی [illegible] کے باعث ہم مکمل آزادی نہیں چاہتے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم تمام دنیا پر یہ آشکارا کر دیں کہ ہم نے برٹش کے ساتھ تمام تعلقات قطع کر لئے ہیں [illegible] نہیں [illegible] کانگریس برٹش سے تعلق قائم رکھنا [illegible] ہے لیکن [illegible] ساتھ ہی ساتھ مساوی درجہ کی بھی طلبگار رہے میں اب بھی ایک [illegible] شہری رہنا چاہتا ہوں۔ لیکن امپائر میں نہیں بلکہ کامن ویلتھ میں [illegible] لیکن گاندھی جی کے مطالبہ کو نظر انداز کر دیا گیا اور وہ مایوس ہو کر واپس لوٹ آئے۔

سول نافرمانی کی دوسری تحریک

سول نافرمانی کی دوسری تحریک جنوری سنہ ۱۹۳۲ء کے شروع میں شروع ہوئی تھی۔ گاندھی جی دوسری گول میز کانفرنس سے مایوس ہو کر واپس لوٹے، لیکن وہ ہر ممکن طریقے سے فیصلہ کرنا چاہتے تھے وہ لوگوں کو دوسری سخت آزمائش سے بچانا چاہتے تھے لیکن بدقسمتی سے حالات کی رفتار نہایت تیز تھی۔

سرحدی صوبہ، یو، پی اور بنگال میں یکے بعد دیگرے آرڈیننس جاری کئے گئے تھے ۲۵ دسمبر کو خان عبدالغفار خان کو کئی دیگر اشخاص کے ہمراہ سنہ ۱۸۱۸ء کے قانون سوم کے ماتحت گرفتار کر لیا گیا اور ایک ہفتہ کے اندر اندر ایک ہزار سے زیادہ [illegible] سٹرائیکس گرفتار ہو چکے تھے۔

پنڈت جواہر لال اور مسٹر [illegible] شیروانی کو جبکہ وہ گاندھی جی کو خوش آمدید کہنے کیلئے جا رہے تھے مجسٹریٹ کے حکم کی خلاف ورزی کے الزام میں گرفتار کر لیا بعد ازاں ان پر مقدمہ چلا کر نظر بند کر دیا گیا۔

گاندھی جی کی رہائی

مئی سنہ ۱۹۳۳ء کو گاندھی جی نے ہریجن تحریک کے سلسلہ میں ۲۱ دن کا برت شروع کر دیا۔ حکومت نے اسی دوران کو رہا کر دیا۔ گاندھی جی نے اس کے صلہ میں ستیہ گرہ کی تحریک کو ایک ماہ کے لئے روک دیا اور حکومت سے آرڈیننسوں کو واپس لینے اور سیاسی قیدیوں کو رہا کرنے کے لئے کہا۔ حکومت نے اس پر ذرا بھی غور نہ کیا اور حکومت نے اعلان کر دیا کہ:

گاندھی جی کی رہائی کا تعلق محض ہریجن تحریک سے تھا اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حکومت نے سول نافرمانی کی تحریک کے قیدیوں کی رہائی کے بارے میں اپنے نظریے کو بدل لیا ہے۔ عارضی طور پر سول نافرمانی کی تحریک کے ملتوی کر دینے سے حکومت مطمئن نہیں ہو سکتی

حکومت ان غیر قانونی سرگرمیوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لئے کانگریس سے سول نافرمانی کی تحریک کو چھوڑ دینے کے بارے میں گفت و شنید کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔

پونا کا اجلاس

کانگریس کے قائم مقام صدر مسٹر اینے نے گاندھی جی کی خرابی صحت کے پیش نظر تحریک کو چھ ہفتہ کے لئے پھر ملتوی کر دیا اسی اثناء میں ان کانگریسی لیڈران نے جو کہ قید نہیں کئے گئے تھے۔ پونا میں حالات کا جائزہ لینے کے لئے ایک کانفرنس منعقد کی۔

کانفرنس نے گاندھی جی کو وائسرائے کے ساتھ غیر مشروط طور پر گفت و شنید کرنے کا پورا اختیار دے دیا۔ وائسرائے نے گاندھی جی سے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا اس کا کہنا تھا کہ جب تک کانگریس کی پالیسی سول نافرمانی ہے ملاقات سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

کانگریس کے پروگرام میں ترمیم

گاندھی جی نے کانگریس کے پروگرام میں رد و بدل کرنا چاہا ان کی نظر [illegible] دوران میں بعض کانگریسیوں نے ستیہ گرہ

میں چند خفیہ طریقوں کا استعمال کیا تھا گاندھی جی نے اس چیز کی مذمت کی اور کہا کہ ہر کام کھلم کھلا ہونا چاہئے اس پر مسٹر اینے نے عام سول نافرمانی کو روک دیا اسی طرح [illegible] کی عدم ادائیگی کی تحریک بھی ختم ہو گئی کانگریسیوں کو الگ الگ سول نافرمانی کرنے کی اجازت دے دی گئی لیکن انہیں تنبیہ کر دی گئی کہ یہ چیز وہ اپنی ذمہ داری پر کریں اور انہیں کانگریس سے کسی قسم کی مدد کی توقع نہ رکھنی چاہئے سوائے صوبجاتی و آل انڈیا ڈکٹیٹر شپ کے بقیہ تمام کانگریسی تنظیمیں ختم کر دی گئیں۔

بعد ازاں اگلے قائم مقام صدر سردار سنگھ کویشر نے اس ڈکٹیٹر شپ کو بھی ختم کر دیا۔

(باقی آئندہ)

عربی افسانہ

شانِ محبت

محبت اور عشق میں ایک غیر محسوس مگر نمایاں فرق ہے۔ محبت عارضی اور اختیاری ہوتی ہے مگر عشق غیر اختیاری اور غیر فانی۔ محبت کو زمانہ اور حوادثات زمانہ مٹا سکتے ہیں لیکن عشق کے روحانی تعلق کو موت بھی نہیں منقطع کر سکتی۔ محبت زندگی ہے اور عشق روح، زندگی مٹ جاتی ہے مگر روح کو فنا نہیں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی سے محبت کرنے لگتا ہے اور اس سے اس قدر مانوس ہو جاتا ہے کہ بادی النظر میں لوگ اس کی محبت و موانست کو عشق سمجھتے ہیں لیکن جب کچھ دنوں کے بعد محبت کی چڑھی ہوئی ندی اتار پر آتی ہے اور اس کی موجوں میں پہلا سا جوش باقی نہیں رہتا تو دیکھنے والے عشق کو بدنام کرتے ہیں اور دنیا و تغافل کی بحث چھڑ جاتی ہے حالانکہ وہ عشق نہیں ہوتا محبت ہوتی ہے جو گردش لیل و نہار کے ساتھ ساتھ کروٹیں بدلتی رہتی ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ محبت اپنی انتہائی منازل پر پہنچ کر عشق کی صورت اختیار کر لیتی ہے، پر خلوص محبت میں یقیناً درجۂ عشق تک پہونچنے کی صلاحیت ہے تاہم عشق کے سامنے محبت کوئی چیز نہیں، اکثر ایسا ہوا ہے کہ پہلے کوئی شخص کسی مجسمۂ حسن کا بندۂ محبت تھا، اس کی سحر آفرین نگاہوں کو دیکھ کر جیتا تھا اور اس کی مراد کو حاصل زندگی سمجھتا تھا لیکن عشق نے کسی اور آستانِ ناز پر پرستش کے لئے مجبور کیا سر نیاز جھک گیا اور سودائے خیال دوست نے دنیا و ما فیہا کے خیال سے بے خبر بنا دیا اور ماسوائے عشق دنیا کے سارے منظر پر پردہ پڑ گیا اس کی محبت بھی بھولا ہوا خواب بن گئی۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب کا ایک معزز نوجوان کعب ابن مالک جو فطرت کی فیاضی سے درد مند دل لے کر پیدا ہوا تھا حسن و عشق کا حقیقی پرستار تھا اس کی شادی اسی کے قبیلہ کی ایک نوجوان خاتون سے ہوئی تھی جو نہایت حسین و شکیل تھی۔

دونوں آپس میں بے حد محبت کرتے تھے، رفتہ رفتہ ان کی موانست اس قدر ترقی کر گئی کہ ایک کو دوسرے کے بغیر بیقراری سی محسوس ہوتی تھی اور دیکھنے والوں کو عشق کا دھوکا ہوتا تھا کئی اولادیں بھی ہوئیں ایک بچہ کا نام عمر تھا جس کی وجہ سے وہ حسینہ خاتون ام عمر مشہور ہو گئی۔

ایسے مضبوط رشتۂ محبت کے ہوتے ہوئے کسے یقین ہوگا کہ ان دونوں میں انقطاع بھی ہو سکتا ہے اور ایسا انقطاع جس کے بعد اتصال کی کوئی صورت ہی ممکن نہیں لیکن مستقبل کی حیرت انگیز واقعات سے معلوم ہوگا کہ یہ جو کچھ بھی تھا صرف عارضی محبت تھی جسے طبیعت انسانیہ ترک کر سکتی ہے۔

ایک دن کعب کسی ضرورت سے گھر میں بغیر اطلاع چلا آیا۔ ام عمر کسی وجہ سے بدن کے تمام کپڑے اتارے ہوئے تھی اس کا صاف و شفاف نازک بدن جو ہاتھ رکھنے سے میلا ہوتا تھا بالکل عریاں تھا کعب نے اس سے پہلے اپنی بیوی کو کبھی اس حالت میں نہیں دیکھا تھا، یہ دلچسپ و ہوش ربا منظر دیکھ کر اس پر محویت کا عالم طاری ہو گیا۔ آنکھیں نشۂ حسن سے سرشار ہو گئیں جذبات میں پرشور تلاطم پیدا ہو گیا اور منہ سے بیساختہ نکل گیا۔

ام عمرو! خدا تمہارے حسن میں روز افزوں ترقی کرے کیا دنیا کی کوئی بھی حسینہ تمہارے حسن کی ہمسری کر سکتی ہے؟

بعض وقت بلا سوچے سمجھے ایسی بات منہ سے نکل جاتی ہے جو کہنے والے کے لئے مضرت رساں اور خطرناک ہوتی ہے سادہ لوح ام عمرو کیا جانتی تھی کہ میری بات خود میرے ہی لئے باعث ہلاکت بن جائے گی اور بعض عورتوں کی طرح وہ مغرور و متکبر نہ تھی اسے اپنے حسن و خوبصورتی پر ذرا بھی ناز نہ تھا چنانچہ پہلے تو کچھ شرما کر اور لجا کر ایک ادا کے ساتھ جس سے معصومیت ٹپکتی تھی اپنا جسم ڈھانکا اور پھر بھولے پن سے کہا:۔

"کیوں نہیں! میری چھوٹی بہن میلاء مجھ سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے۔"

ام عمر سے بھی زیادہ خوبصورت کسی عورت کے ہونے کا کعب کو وہم و گمان بھی نہ تھا اس کی ایک خاص وجہ یہ تھی کہ ام عمرو سارے قبیلہ میں حسین و جمیل مشہور تھی اس کے منہ سے یہ بات سن کر کعب حیران رہ گیا اس نے خیال کیا کہ کیا خدا کی قدرت کاملہ اس سے بھی زیادہ لطیف تر مخلوق پیدا کر سکتی ہے؟ یہ خیال اس کے دماغ میں چکر لگا رہا تھا کہ عقل نے اس موقع پر اس کی رہنمائی کی اور تھوڑی دیر کے بعد اس کے دل نے اسے سمجھا دیا کہ جس خدائے قادر نے ایسی عورتوں کو پیدا کیا ہے اس میں سب کچھ قدرت ہے۔

اس خیال نے کعب کو ام عمر کی چھوٹی بہن کا گرویدہ بنا دیا دل میں دیکھنے کی تمنا پیدا ہوئی اس کے ارادے اس کے جذبات مغلوب ہو گئے آخر اس سے نہ رہا گیا اور بے اختیار اس نے ام عمرو سے دریافت کیا:۔

کیا میں کسی ترکیب سے اسے دیکھ کر تمہارے قول کی تصدیق کر سکتا ہوں۔

یہ سنکر پہلے تو وہ خاموش رہی مگر زیادہ اصرار دیکھا تو انکار بھی مناسب نہ سمجھا اور اس محبوبۂ حسن کو اپنے گھر بلا بھیجا ام عمر نے کعب کو ایسی جگہ چھپا دیا تھا جہاں سے وہ اس کے حسن کا اچھی طرح نظارہ کر سکے۔

کعب نے جونہی اس سراپا شعریت کی طرف دیکھا طبیعت میں انقلاب عظیم برپا ہو گیا اس کا دل حسن و عشق کے لطیف جذبات سے لبریز ہو گیا اس کی شرمیلی اور مست نگاہوں نے مقناطیسی کشش سے دل اور دل کے تمام جذبات پر قابو پا لیا ہوش و حواس رخصت ہونے لگے عقل نے جواب دے دیا اور دماغ معطل ہو گیا۔ غرضکہ بالکل مجنونوں کی سی کیفیت ہو گئی وہ بہتیرا اس خیال کو دل سے نکالنا چاہتا تھا طبیعت دوسری طرف لگاتا تھا مگر یہ وہ نشہ نہ تھا جو آسانی سے اتر جاتا۔ یہ شرابِ عشق تھی جس کا پینے والا ہمیشہ کیلئے کھو یا جاتا ہے وہ جتنا اس خیال کو دل سے دور کرنا چاہتا تھا اتنا ہی غیر معلوم طور پر اس کا دل اس نازنین کی طرف کھنچا جاتا تھا آخر اس کشمکش میں وہ بالکل ہار گیا اور دل خواہشات پر عمل کرنے کے لئے مجبور!

سچا عشق اور دلی محبت معشوق کے دل کو بھی موم کر دیتی ہے چنانچہ اسی روز سے وہ پری وش بھی غیر معلوم طور پر اپنے قلب میں محبت کی گدگدی محسوس کرتی تھی کعب کے خیال سے اس کا دل خوش ہوتا تھا اور اس سے خواہ مخواہ محبت کرنے کو جی چاہتا تھا لیکن وہ اس بات سے سخت متحیر تھی، اور ساتھ ہی پریشان بھی کہ کعب کی طرف [illegible] کیوں کھچ رہا ہے بارہا [illegible] دیکھا تھا مگر یہ کیفیت کبھی نہ ہوئی۔

دونوں طرف کم و بیش ہم آہنگی ہو لی تھی عشق کا تیر دونوں کے دلوں میں ترازو ہو چکا تھا جس طرح کعب اس کے تیر نظر کا گھائل تھا اسی طرح وہ بھی اس کی مجروح محبت تھی قصہ مختصر دونوں کا قریب قریب ایک حال تھا اور ایک محشر تمنا دونوں کے دلوں میں برپا تھا۔

مگر ان سب باتوں کے باوجود دونوں جذبات عشق کے پردہ دار تھے، گو ہر ایک بجائے خود وصل کا متمنی تھا مگر شرم و حجاب نیز خوف کی وجہ سے ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کس طرح اپنے تعشق کا اظہار کریں خصوصاً وہ مجسمۂ حسن وہ پیکر شرم و حجاب یعنی میلا، سخت کشمکش میں تھی اس سے یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ایک نامحرم سے اپنی محبت کا اظہار کرے۔ کعب کی حالت ناز آفرین میلا سے بدتر تھی

(باقی صفحہ ۱۲ پر)

ملکہ الزبتھ مڈل ٹیمپل ہال لندن کی نئی عارضی لائبریری کے افتتاح کے
موقع پر مختصر تقریر کر رہی ہیں

برطانیہ میں ۲۴ دھات کے مکان ایک گھنٹے میں تیار کئے جاتے ہیں

Jose Iturbi, Roddy McDowall, Ilona Massey, Walter Pidgeon, Jane Powell and Xavier Cugat from the happy team of top-notch entertainers M. G. M's brilliant new technicolor musical "HOLIDAY IN MEXICO" now playing at the Metro, Bombay. Against a glittering back ground of foreign embassies and gay fiestas, the film is a feast of colour, music and romance.

Edited, Printed and Published by Usman Husein Khan from the [illegible] Press, Bombay 3.

قیمت دو آنہ

نمبر ۶ ||| بمبئی یکشنبہ ۹ فروری ۱۹۴۷ عیسوی ||| جلد ۲۰

VOL. XX | BOMBAY, SUNDAY 9TH FEBRUARY 1947 | NO. 6

رتلام کے مہاراجہ

سردار پٹیل
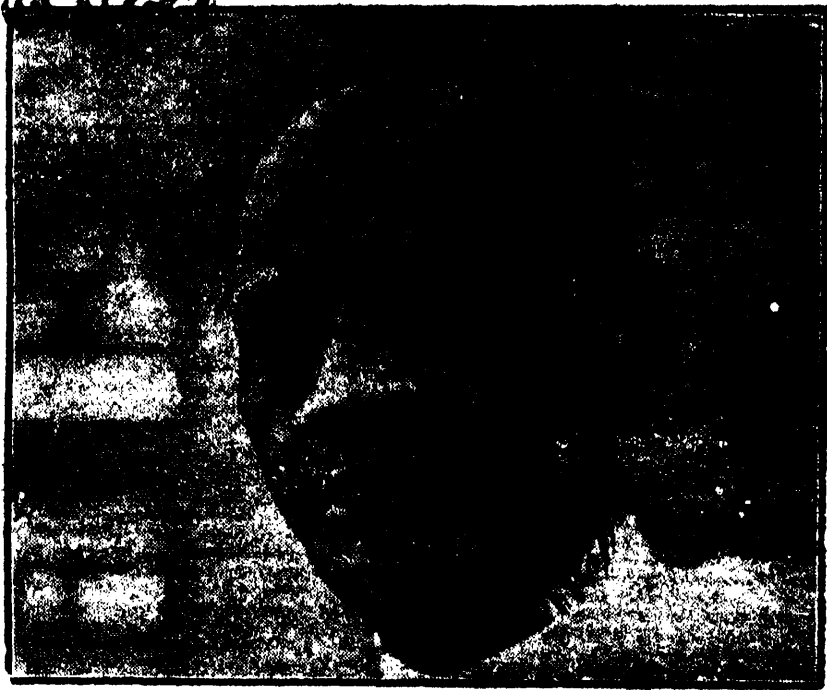
ولیعہد لوکیندر سنگھ جی جنکی تاجپوشی کی رسم رتلام میں عنقریب ادا کیجائیگی

عارضی حکومت کے ہوم ممبر۔
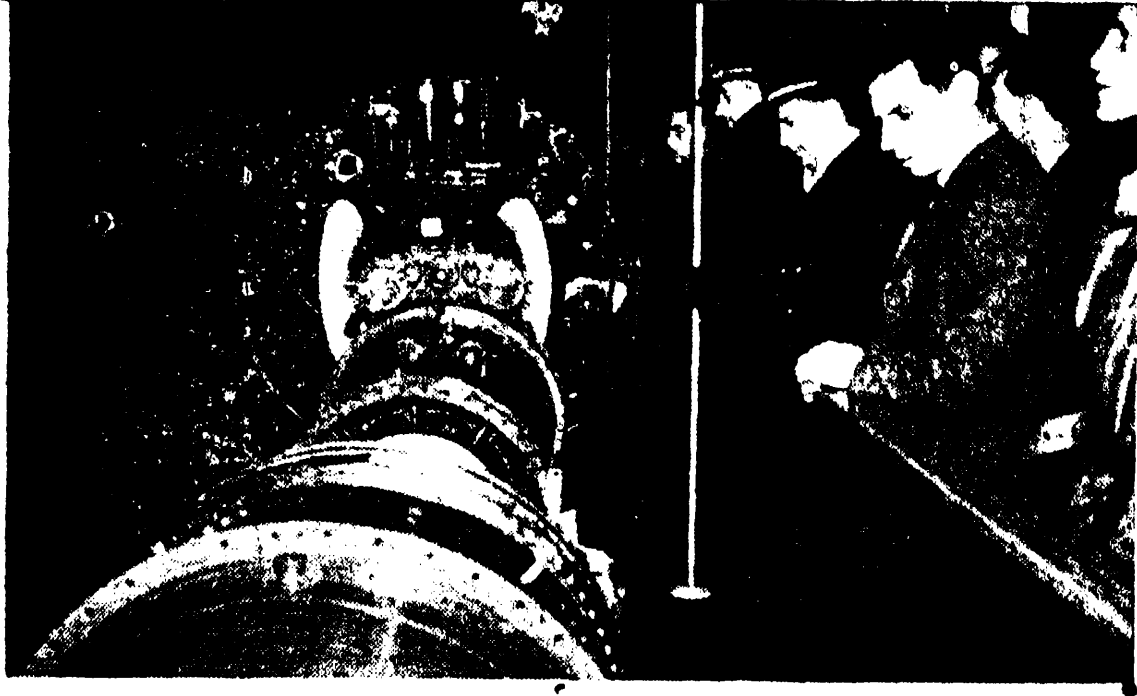
چیرنگ کراس لندن میں جیٹ انجن کی نمائش

مسٹر کھیر وزیر اعظم حکومت بمبئی مسٹر رتی لال گاندھی صدر انڈین چیمبر آف کامرس کا بمبئی صوبہ کانگریس کمیٹی کی طرف سے خیر مقدم کر رہے ہیں

کاندیولی کے ویایام مندر کے جلسہ میں مسٹر مورارجی ڈیسائی کی تقریر

یومُ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(از جناب قمر احمد صاحب قمرؔ)

یومُ النبیؐ ہے رحمتِ یزداں لئے ہوئے
پیمانِ امن ہے پئے انساں لئے ہوئے

پرچم لوائے حمد کے ہر سمت کھل گئے
ظلِّ ہمائے گلشن سبحاں لئے ہوئے

بارہ[1] سے ہے مراد کہ خوش ہوں سالِ ہم
کوئی رہے نہ حسرت و ارماں لئے ہوئے

ماہِ سوّم[2] ہے ماہِ ولادت حضورؐ کی
سہ بارِ سنّتِ شہِ عرفاں لئے ہوئے

ہوں تیس یوم سب کو مبارک جہان میں
دوراں ہے تیس پارہ قرآں لئے ہوئے

نوشیرواں کی عدل کا شہرہ ہے اس لئے
ہر شانِ رحمتِ شہِ شاہاں لئے ہوئے

جلوہ ہے ان میں مستویِ عرش کا جہاں
آئے حضورؐ آئینۂ رحماں لئے ہوئے

رحمت ہے ہمعنانِ طائرِ سدرہ نہ اب ڈرے
شہپر کھلے ہوں وسعتِ دوراں لئے ہوئے

آمد کی دھوم دھام ہے از عرش تا بہ فرش
رضواں چلا ہے سروِ چراغاں لئے ہوئے

آتشکدے میں سو تو سادہ بھی خشک ہے
اُمڈا ساوہ جوشِ فراواں لئے ہوئے

کسریٰ کے کنگرے جو گرے سب پہ کھل گیا
الٹا پڑا ہے تخت کو شیطاں لئے ہوئے

بعثت محمدؐ عربی کی جہاں میں ہے
پروانۂ نشاطِ غریباں لئے ہوئے

ہاں ہو منادِ اب اٹھو اب اسلام کو
اور صدقِ دل سے دیدہ گریاں لئے ہوئے

اب صلح کا زمانہ ہے آیا ہے دیر میں
ماہِ سعید امن کا فرماں لئے ہوئے

مشتاق اب قمر بھی ہے لبیک یا رسولؐ
جوشِ ولا میں چاک گریباں لئے ہوئے

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ وسلم

[1] مراد بارہویں شریف [2] مراد ربیع الاول

شیخ الہند

(از قابل مالیگانوی)

حال ہی میں جمعیت علما مالیگاؤں کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے لئے مولانا حسین احمد صاحب مالیگاؤں تشریف لائے تھے اس موقع پر قابلؔ مالیگانوی صاحب نے یہ نظم جلسۂ عام میں پڑھی۔

بڑی مدت کے بعد آخر زمانہ سازگار آیا
چمن میں پھول برساتا ہوا دورِ بہار آیا

چراغاں قصرِ آزادی میں ہے جس شمع کی ضو سے
ہماری انجمن میں آج وہ پروانہ وار آیا

غلامی پر قناعت اہلِ ایماں کر نہیں سکتے
زباں پر اس کی یہ نغمہ تڑپ کر بار بار آیا

میری چشمِ بصیرت کیلئے دیکھیں دیکھنے والے
مسلمانوں کا جس کے دم سے قائم ہے وقار آیا

بڑھایا جس طرف دستِ صداقت اس مجاہد نے
نقابیں دشمنانِ دیں کے چہروں سے اتار آیا

ہوئی ہے جیت دنیا میں ہمیشہ حق پرستوں کی
انہیں کے سر کی زینت بن کے تاجِ افتخار آیا

جہالت اپنی آنکھیں بند کر لیتی ہے خود ورنہ
تیرے آئینہ حسنِ عمل پر کب غبار آیا

فقط باتوں کے غازی عظمتِ کردار کیا جانیں
اگر آیا تو کام اک جذبۂ بے اختیار آیا

حقیقت ساری دنیا پر عیاں ہو جائیگی اک دن
وہ پھیلی روشنی وہ آفتابِ زرنگار آیا

ہزاروں ناز شیخ الہند پر ہیں ہم کو اے قابلؔ
دلوں کو مل گئی تسکین! آنکھوں کو قرار آیا

انڈین نیشنل کانگریس کی اکسٹھ (۶۱) سالہ جدوجہد

گاندھی جی کی دوبارہ گرفتاری

۶ جولائی کو گاندھی جی نے اپنے ستیہ گرہ آشرم کو ختم کر دیا۔ اور چار روز کے بعد حکومت بمبئی کو خبر دی کہ میں نے اپنے ۳۳ پیروؤں کے ہمراہ احمد آباد سے راس تک کوچ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، اگلے ہی روز مہاتما جی کو ان کے پیروؤں سمیت گرفتار کر لیا گیا۔ گاندھی جی کو پونا لے جا کر رہا کر دیا گیا اور پونا سے باہر نہ جانے کا حکم دے دیا۔ مہاتما جی نے اس پابندی کی خلاف ورزی کی اور انہیں دوبارہ گرفتار کر لیا گیا۔ اور ایک سال قید کی سزا دی گئی۔

گاندھی جی کی دوبارہ رہائی

جیل سے گاندھی جی نے حکومت کے نام ایک خط لکھا جس میں ہریجنوں کے مفاد کے لئے کام کرنے کی سہولتیں مانگیں جو کہ انہیں گذشتہ نظر بندی کے دوران میں بہم پہنچائی گئی تھیں حکومت بلا مشروط طریقہ پر یہ سہولتیں دینے کے لئے تیار نہ تھی۔ اس لئے گاندھی جی نے برت شروع کر دیا اور حکومت نے بعد ازاں کچھ ہی عرصہ میں ان کو رہا کر دیا۔

اپریل ۱۹۳۴ء میں کانگریسیوں کا ایک جلسہ ملک کا جائزہ لینے اور کانگریس کی دوبارہ تنظیم کرنے کے لئے دہلی میں آیا۔ اس اجلاس میں آل انڈیا سوراج پارٹی کو دوبارہ قائم کرنے کی تجویز سوچی گئی۔ تاکہ وہ کانگریسی جو کہ ذاتی طور پر سول نافرمانی نہیں کر سکتے تھے، تعمیری پروگرام پر عمل کر سکیں۔

سول نافرمانی کا خاتمہ

۷ اپریل ۱۹۳۴ء کو گاندھی جی نے ایک بیان جاری کیا۔ جس میں سول نافرمانی کی تحریک ختم کر دینے کے لئے کہا۔

۲۸ دسمبر ۱۹۳۵ء کو انڈین نیشنل کانگریس کی گولڈن جوبلی کے موقع پر صدر بابو راجندر پرشاد نے قوم کے نام ایک پیغام جاری کیا جس میں یہ واضح کیا کہ کانگریس کا ہر قومی تحریک پر غلبہ ہے۔ اور عوام [illegible] اس سے زیادہ [illegible] ہے۔ کیونکہ عوام اور [illegible] تنظیم [illegible] گہرا تعلق پیدا کرنا مطلوب تھا، اس لئے کانگریس کے لکھنؤ کے اجلاس میں جو کہ زیر صدارت پنڈت جواہر لال نہرو ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء سے ۱۴ اپریل تک ہوا اس چیز پر زور دیا گیا۔

ڈاکٹر راجندر پرشاد، مسٹر جے پرکاش نرائن، مسٹر کامیت، جے رام داس دولت رام پر مشتمل ایک کمیٹی غور کرنے کے لئے اور کانگریس کے آئین میں ضروری ترمیمیں پیش کرنے کے لئے قائم کی گئی۔ کسانوں کے افلاس غربت وغیرہ کے پیش نظر کانگریس نے تمام ہندوستان کے لئے ایک زراعتی پروگرام مرتب کرنے کا فیصلہ کیا

جہاں تک سیاست کا تعلق تھا۔ کانگریس نے کہا کہ ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کا مقصد محض حکومت اور لوگوں کی لوٹ کھسوٹ کو جاری اور اس بنا پر کانگریس نے اس کو مسترد کر دیا لیکن اس ایکٹ کی رو سے صوبائی انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کر لیا اور اس مقصد کے ایک پارلیمنٹری بورڈ مقرر کیا۔

کانگریس کا اگلا اجلاس زیر صدارت پنڈت نہرو ۲۷ دسمبر ۱۹۳۶ء سے ۲۸ دسمبر تک ہوا پنڈت نہرو کو دوبارہ صدر چن لیا گیا پنڈت نہرو نے عوام سے تعلقات تعلقات بڑھانے کی ہدایت کی۔ حکومت نے انڈیا ایکٹ کو مسترد کرنے کے فیصلہ کو دوبارہ دوہرایا۔

مختلف صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں کے ممبران آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبران اور ورکنگ کمیٹی کے مجوزہ چند اشخاص کی ایک کانفرنس بلائی گئی تاکہ کانسٹی ٹیوئنٹ اسمبلی کے مطالبہ کو پیش کیا جائے کہ اسمبلیوں کے بارے میں کانگریس کی پالیسی پر عمل پیرا ہونے کے لئے کیا اقدام اٹھائے جائیں

۱۸ مارچ ۱۹۳۷ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ ان صوبہ جات میں جہاں کانگریس کی برتری ہو اور کانگریس پارٹی کا لیڈر مطمئن ہو جائے اور کھلم کھلا یہ کہہ سکے کہ گورنر مداخلت کرنے کی خاص طاقت کا استعمال نہ کرے گا۔ یا آئینی سرگرمیوں کے بارے میں وزراء کی رائے کو نہ ٹھکرائے گا۔ تو ان صوبوں میں کانگریسیوں کو عہدے لینے کی اجازت دے دی جائے گیارہ صوبہ جات میں سے ۷ صوبوں میں کانگریس کی وزارتیں قائم ہو گئیں غیر کانگریسی وزارتیں محض آسام، بنگال، پنجاب اور سندھ میں تھیں۔ بعض اشخاص کو یہ اندیشہ تھا کہ وزارتوں میں آ کر کہیں کانگریس محض اصلاحی کاموں تک ہی محدود ہو کر نہ رہ جائے لیکن ان کا یہ اندیشہ صحیح ثابت نہ ہوا کیونکہ کانگریس میں جلد ہی ایک انقلابی بازو پیدا ہو گیا اس انقلابی بازو کی سرگرمیوں کا اظہار پنڈت نہرو اور ان کے سرگرم جانشین مسٹر سبھاش چندر بوس نے کیا مؤخر الذکر نے ہری پورہ کے اجلاس میں جو کہ ۱۹ فروری ۱۹۳۸ء سے ۲۱ فروری تک ہوا اپنی صدارتی تقریر میں کانگریس کے جھنڈے کے نیچے تمام بائیں بازو کے علمبرداروں کو جمع ہو کر ایک متحدہ محاذ قائم کرنے کی اپیل کی

اسی اثناء میں سیاسی قیدیوں کی رہائی کے سلسلہ میں یو، پی اور بہار میں وزارت اور گورنر کے درمیان کشمکش ہوتی رہی، دونوں وزارتوں نے استعفا دے دیا لیکن بعد ازیں گورنر جنرل کی مداخلت پر پھر بحال ہو گئیں، ستمبر ۱۹۳۹ء میں صوبہ آسام میں مشترکہ وزارت قائم ہو گئی۔

یہ عیاں تھا کہ کبھی نہ کبھی کانگریس کے اصلاحی پارلیمنٹری پروگرام میں جو کہ ۱۹۳۵ء کے آئین پر منحصر تھا اور انقلابی پروگرام میں جو کہ کانگریس کا حقیقی مقصد تھا ٹکراؤ ہو گا کانگریس میں ایک دایاں بازو تھا اور ایک بایاں، اور سبھاش چندر بوس کے دوبارہ صدر منتخب ہو جانے سے یہ مسئلہ اور بھی اہم ہو گیا سبھاش چندر بوس ان میں سے کسی بھی بازو کے ساتھ وابستہ نہ تھے بلکہ وہ کانگریس کی پالیسی کو نئی بنیادوں پر ڈھالنا چاہتا تھا۔ کچھ عرصہ تک بائیں بازو کے ایک حصہ کی حمایت کی لیکن شدید مخالفت کے باعث انہیں مستعفی ہونا پڑا۔

دوسری جنگ عظیم کا خطرہ

اسی اثناء میں دوسری جنگ عظیم کے گھنگھور بادل چھانے والے تھے، کانگریس نے برطانیہ اور امریکن اور حکومتوں سے بہت پہلے فاشسٹ خطرہ کو محسوس کر لیا تھا۔

کانگریس چاہتی تھی کہ اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے ہندوستان بھی اپنا حصہ ادا کرے لیکن اسے اس چیز کا احساس تھا کہ ایسا صرف آزاد قوم ہی کر سکتی ہے یا کیا جا سکتا ہے ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو وائسرائے نے ہندوستان کی طرف سے محوری قوتوں کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، وائسرائے نے مرکزی اسمبلی یا کسی پارٹی سے صلاح کرنے کی بھی تکلیف گوارا نہ کی، وائسرائے کے اس قدم نے تمام ملک میں غم و غصہ کی لہر پیدا کر دی اور کانگریس نے بھی یہ محسوس کیا کہ اس قدم کی مخالفت کرنا اصولاً لازمی ہے۔ لیکن پھر بھی لیڈران نے جلد بازی نہ کی۔ انہوں نے وائسرائے سے ہندوستان کی اس وقت کی اور مستقبل کی پوزیشن و دیگر مقاصد کے بارے میں تفاصیل طلب کیں۔

کانگریس کی وزارتوں کا استعفاء

وائسرائے کا جواب بالکل ہتک آمیز تھا اس نے کہا کہ حکومت جنگ کے خاتمہ پر ۱۹۳۵ء کے ایکٹ میں مناسب ترمیم کرنا چاہے گی اس جواب پر تمام صوبجات میں کانگریس کی وزارتوں نے استعفا دے دیا اور ان صوبہ جات میں گورنروں کا راج ہو گیا اس کے بعد کی خط و کتابت سے کانگریس کو یقین ہو گیا کہ برطانیہ کی جنگ کا مقصد محض اپنی سلطنت کو محفوظ اور مضبوط کرنا ہے بلکہ ہندوستان اور دیگر ایشیائی و افریقہ کے ممالک کے لوگوں کی لوٹ کھسوٹ پر مبنی ہے۔ ان حالات کے پیش نظر یہ ظاہر ہے کہ کانگریس کسی طرح بھی اس جنگ میں حصہ نہیں لے سکتی جن کا مقصد محض لوٹ کھسوٹ جاری رکھنا ہے۔

(مارچ ۱۹۴۰ء کا ریزولیوشن)

کانگریس کے لئے بڑی بدقسمتی تھی کہ یہ فاشزم کے خلاف جنگ کرنے کی خواہش کو پورا نہ کر سکی۔ جولائی ۱۹۴۰ء میں فرانس کی شکست کے بعد اس نے پھر جنگ میں پوری پوری امداد دینے کا وعدہ کیا۔ بشرطیکہ برطانیہ صاف طور پر ہندوستان کی آزادی کا اعلان کر دیتا اور اس چیز پر عمل درآمد کرنے کے لئے فوراً ایک قومی حکومت قائم کر دیتا۔ اس پر حکومت نے ۸ اگست ۱۹۴۰ء کا ڈیکلریشن جاری کیا جس میں ہندوستانی ممبران کی شرکت سے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی

مفلوک مہاجن

ہندوستان کبھی خوش حال تھا آج مفلس ہے قلاش ہے اور فاقہ مستوں کا ملک ہے قحط کا رمنہ ہے۔ فاقہ مست چھری بازوں اور ایشا اندازوں کی بستی ہے۔ نئے نئے شہرت کے فدائی طرح طرح کی پارٹیاں بنا کر ملک کی غربت اور جہالت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں مگر اس غربت اور جہالت کے باوجود آج ہندوستان دنیا کا بہت بڑا مہاجن ہے اس کی داستان بھی کچھ کم دردناک مگر عجیب نہیں دنیا جانتی تھی کہ انگلستان بہت دولت مند ملک ہے مگر آج ہندوستان مہاجن ہے اور برطانیہ مقروض۔

انقلاب جرخ نے مولی کو ولیم کر دیا اور پھر یہ قرضہ بھی کس طرح ہوا زمانہ جنگ میں ہندوستان نے انگلستان کو جو سامان دیا تھا اور مالیاتی سمجھوتہ کی رو سے فوجی اخراجات برطانیہ کے سر تھے سامان جو بھیجا گیا وہ بھی طرح طرح کا تھا جوتے جوتوں کے تسمے خام اشیاء کپڑا، لوہے کی ریل کی پٹریاں۔ فولادی چادریں جن میں کو ...... ٹرنک اور اسی طرح کی ہزاروں چیزیں اور سامان جن کی ہندوستان کو ضرورت اور ... یہاں اہل ملک محتاج اور ترستے رہے تھے انگریزی فوجوں کی مدد کو ... لیبیا اور مشرقی وسطی کو بھیج گئیں۔ خود جنرل ویول کا قول ہے کہ اگر ہندوستان مدد نہ کرتا تو ہم جنرل رومیل کا مقابلہ کسے عہدہ برآ نہ ہوتے جنرل ویول آج ہندوستان ... ہیں اب تو اپنا یہ قول انہیں یاد ... آنکھ نہ بھاتا ہوگا بہر حال غریب ہندوستان کو اس کے بدلے میں کاغذی سکہ (نوٹ) ملا اور وعدہ یہ تھا کہ ان نوٹوں کا حساب لندن میں رکھا جائے گا بعد از جنگ ان کی بیباکی کی جائے گی اور قیمت کا انگلستان ہوگا اب زمانہ اس قرضہ کا حساب بینک انگلستان میں باقاعدہ رکھا جانے لگا اور اس کاغذی معاملہ پر غریب فاقہ مست ہندوستان اپنا پیٹ کاٹ کر سامان دینے لگا۔ جنگ ختم ہوئی مگر ادائیگی کا کہیں نام نہیں۔ بنگال میں لاکھوں فاقوں سے مر گئے مگر مقروض چودھری کے کانوں پر جوں نہ رینگی ... سیکڑہ سالانہ شرح سود بھی رکھی گئی جس کی ادائیگی کا ذکر نہیں۔ اس طرح گھڑی کی سوئی کی طرح یہ حقیر رقم سود بھی اصل کے ساتھ ساتھ بڑھتی گئی اس طرح ۲۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء تک ۱۹۔ ارب ۳۳ کروڑ ۵۶ لاکھ تین ہزار کچھ آنے کچھ پائی کا حساب رزرو بینک ہندوستان کے بیان کے مطابق انگلستان میں موجود ہے اور گویا ہندوستان جنت نشان اپنی تمام تر پریشانیوں کے باوجود ۲۲۔ ارب روپیوں کا مالک ہے برطانیہ صرف ہندوستان ہی کا مقروض نہیں ہے بلکہ اس وقت باون سو کروڑ روپے مختلف ممالک کا باقی ہے۔ ان میں سے سترہ سو کروڑ کا مہاجن غریب ہندوستان ہے۔

اس کے بعد مہاجنی میں نمبر مصر کا ہے جس کا ۴۔ ارب ۵۵ کروڑ روپیہ برطانیہ کے ذمہ ہے۔ ۳۔ ارب ۲۵ کروڑ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کا ہے اسی قدر آئرلینڈ کا ہے فلسطین مالٹا اور دوسرے ممالک کا بھی کچھ قرضہ ہے۔ ایک ارب نارو ے کا اور ڈیڑھ ارب ارجنٹائن کا ہے چنانچہ ... ستمبر سنہ ۱۹۴۶ء کو برطانیہ اور ارجنٹائن میں کوئی معاہدہ بھی ہو گیا ہے۔ اور اب نئے سرے برطانیہ ہندوستان سے بھی مفاہمت کی فکر میں ہے اور وسط جنوری تک برطانیہ کا ایک وفد ہندوستان آئے گا اس وفد میں سر ولیم ایڈی ہوں گے انہیں نے ارجنٹائن سے معاملہ طے کرایا ہے مسٹر سی ... ف کوبولڈ ڈپٹی ڈائریکٹر بینک انگلستان ہوں گے اور اس قرضہ کو جو عرف عام میں سٹرلنگ بیلنس کہا جاتا ہے طے کرنے اور کم کرنے کی فکر کریں گے۔

ہندوستان ایک عرصہ سے اس اسٹرلنگ بیلنس کی وصولی کی فکر میں ہے اور ہندوستان کے لئے ان ساہوکاروں کو نہیں ہندوستان کے ساتھ ساتھ برطانیہ کے مفاد کی فکر رہتی ہے اسی وقت سے جب کہ ۵ ارب روپیہ کی رقم تھی اس کے چھوٹ اور معافی کی فکر ہے۔

سابق ہی حکومت ہند کے ممبر مال نے کئی کئی بار اسے چھیڑا مگر ہر بار یہی جواب ملا کہ ابھی کچھ نہیں ہو سکتا جنگ کو ختم ہونے دو۔ اگست سنہ ۱۹۴۴ء میں بریٹن ووڈ کانفرنس بیٹھی اس وقت ہندوستانی نمائندوں نے یہ کہا کہ اس قرضہ کو بھی بین الاقوامی زر قرضہ تصور کیا جائے مصری نمائندوں نے بھی یہی کہا مگر برطانیہ اور امریکہ دونوں نے اس کی مخالفت کی اور یہ کہا کہ ان بڑے قرضوں کی ذمہ داری بین الاقوامی طریقے پر نہیں لی جا سکتی۔ ہار تھک کر ہندوستانیوں نے کہا کہ اچھا کل نہیں تو محض جزو کی ذمہ داری بین الاقوامی رہے مگر لارڈ کینس اڑ گئے اور کہا کہ ایک حبہ کی ذمہ داری بین الاقوامی نہ ہوگی بلکہ مہاجن ممالک براہ راست برطانیہ سے معاملہ کریں۔ زبردست کا ٹھینگا سر پر ہندی مثل ہے کہ جبرا مارے اور رونے نہ دے البتہ طفل تسلی کے لئے لارڈ کینس نے اس کا یقین دلایا کہ برطانیہ قرضہ جات سے انکار نہ کرے گی اور چونکہ یہ قرضہ خوشی سے دیا گیا ہے اس لئے ایمانداری سے ادا کیا جائے گا۔

واشنگٹن کی قرضہ جات کانفرنس میں یہ کہا گیا کہ برطانیہ قرضے جلد ادا کرے گی اور از روئے معاہدہ چھ ماہ بعد اس روپیہ کو دینا شروع کرے گی تاکہ تجارتی سلسلہ جاری ہو دبی زبان سے واشنگٹن کانفرنس میں امریکہ نے چاہا تھا کہ اس میں سے کچھ معاف کر دیا جائے مگر صاف کہنے کی ہمت نہ ہوئی مسٹر ایٹلی وزیر اعظم نے گذشتہ نومبر میں دعوت گلڈ ہال کے موقع پر یہ کہا کہ برطانیہ نہایت فکر مند ہے کہ یہ روپیہ کام میں لگا دیا جائے اور سال آئندہ کے وسط تک یہ سلسلہ جاری ہو جائے گا چنانچہ اب جو گفتگو ہونے والی ہے وہ اسی وعدے کا نتیجہ ہے

مگر ادائیگی کا مسئلہ آسان نہیں ہے ہندوستان نے غریب فاقہ مستوں کا بھوکا مار کر یہ رقم دی ہے آج ہندوستان میں صنعتی کاروبار ہے کروڑوں بھوکوں کا پیٹ بھرنا اور تن پوشی کرنا ہے دوسری طرف برطانیہ کو اپنی تجارت سے نہ صرف قرضہ ادا کرنا ہے بلکہ خام سامان بھی خریدنا ہے اس لئے جو تجارت کا مال وہ فروخت کرے گی اسی میں دونوں کام کرنے ہیں اس لئے انگریزی اخبار یہ شور مچا رہے ہیں کہ ہندوستان کو طویل المیعاد تصفیہ کرنا چاہئے اور اکثر رقم معاف کرنی چاہئے۔

اب یہ کہا جاتا ہے کہ لڑائی اس لئے لڑی گئی تھی کہ جرمن اور جاپانی انگلستان کی طرح ہندوستان پر مسلط نہ ہو جائیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ جنگی قرضہ ہے معمولی تجارتی کاروبار پر اس کا بار نہ ہونا چاہئے یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ہندوستان نے بہت گراں قیمت پر یہ سامان دیا تھا جو مناسب نہ تھا حالانکہ آخری دلیل خود پارلیمنٹ کی تجزیہ کمیٹی میں غلط ثابت ہو چکی ہے بلکہ یہ ثابت ہوا ہے کہ سامان کی فراہمی میں خود ہندوستان نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔

ادائیگی کے تین طریقے بتائے جاتے ہیں (۱) کچھ رقم فوراً دی جائے جس سے انگلستان اور ممالک غیر میں مال کی خریداری ہو (۲) چند سال کے بعد اسی طرح کچھ حصہ اور خرچ کیا جائے اور (۳) باقی معاف کر دیا جائے۔

یہ تمام باتیں یہ جانتے ہوئے سمجھی جاتی ہیں کہ آج بھی انگریز ہندوستانیوں کے مقابلے میں ۳۳ گونہ خوشحال ہیں اور انگریزی تجارتی کاروبار روبہ ترقی ہے اب برطانیہ کے اخراجات بھی کم ہیں اصلیت یہ ہے کہ اس لین دین کی تہہ میں کمزوری اور قوت کا سوال ہے اور بھیڑیا اور بھیڑ کی ... ہے۔

غلط فہمی!

(از جناب محمد قمر الدین راحتگری)

اپریل کا مہینہ تھا اور سنیچر کا دن تھا۔ کالج کی زندگی گذارنے والوں کے لئے سنیچر کا دن تمام دنوں سے زیادہ خوش آئند اور مسرت انگیز ہوتا ہے پھر یہ تو وہ سنیچر تھا جس کے بعد ہی گرمیوں کی تعطیل ہونے والی تھی، اس سے اس سنیچر کی مسرت انگیزی اور نشاط خیزی بالضرور بڑھ گئی تھی۔ صبح ہی سے شام کا پروگرام مرتب ہو رہا تھا۔ کبھی دریائی سیر کی تجویز پاس ہوتی تھی کبھی پکنک کی، کبھی گانے بجانے کا ریزولیوشن پیش ہوتا کبھی کسی اور شغل کا۔ لیکن طے یہ ہوا جو ننانوے فی صدی سنیچروں کو طے ہوتا تھا یعنی سینما دیکھنا۔ ان دنوں مادھوری کی نمائش ہو رہی تھی اور پبلک میں سلوچنا کے پارٹ کی دھوم مچ رہی تھی، پھر کالج کے فلم پرستوں کا کیا کہنا ان میں سے شاید ہی کوئی دیکھنے سے بچ رہا ہو ورنہ کتنے تو اسے دو دو تین تین بار دیکھ چکے تھے۔

سینما کی تجویز کے ساتھ پارٹی کے صدر رویندر کی تحریک پر یہ ترمیم بھی منظور کر لی گئی کہ سینما سے پہلے کچھ دیر ساحل دریا کی سیر کر کے سکینڈ شو دیکھا جائے، اس کے مطابق دریا کے کنارے جلسہ جما گرمیوں کا موسم تھا اور شام کا وقت، اس لئے دریا کا منظر نہایت دلآویز اور نظر فریب تھا۔

رویندر اپنی پارٹی کے ساتھ دریا کے کنارے بیٹھا ہوا مناظر فطرت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ درمیان درمیان میں ادھر ادھر کی باتیں بھی ہو جایا کرتی تھیں یکایک ہریش چندر نے امر کرشن سے سوال کیا،

"کیوں کرشن آرٹ کے محاسن ناطق فلموں کے ذریعہ بہتر طور پر نمایاں کئے جا سکتے ہیں یا خاموش فلموں کے ذریعہ"

"ہرگز نہیں"

"تم بھی عجب گنوار ہو کہیں متکلم فلموں کے ذریعہ بھی آرٹ کی نمائش کی جا سکتی ہے وہ بھی بہتر طور پر؟"

ونود شنکر نے ہریش چندر کی تائید کرتے ہوئے کہا "گنوار وہ نہیں تم ہو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ متکلم فلموں میں خاموش فلموں کی نسبت کمال فن کے اظہار کی کتنی آسانیاں موجود ہوتی ہیں؟ اظہار فن کے اعتبار سے خاموش اور متکلم فلموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے!"

ونود کی مداخلت سے موضوع نے اہمیت اختیار کر لی۔ ایک خاصی بحث شروع ہو گئی۔ ونود شنکر اور ہریش چندر ایک جانب تھے اور تنہا امر کرشن دوسری جانب، امر کرشن نہایت زبردست اور ناقابل انکار دلائل اور امثال سے اپنے دعوے کو ثابت کر رہا تھا مگر دونوں حریف گویا قائل نہ ہونے کی قسم کھا چکے تھے، ایسی حالت میں غریب امر کرشن کہاں تک ان کے ساتھ مغز پاشی کرتا وہ رویندر سے مخاطب ہوا۔

"رویندر دیکھ رہے ہو ان لوگوں کی ہٹ دھرمی؟ آخر تم خاموش کیوں ہو؟ تم تو کسی اور ہی دنیا میں نظر آ رہے ہو، خیریت تو ہے؟"

"تم لوگ تو عجیب سٹری ہو کالج سے چھٹی ہوتی نہیں کہ سینما کا جھگڑا لے بیٹھے تم لوگوں کی بحث سن کے فلم کے سوا اور کوئی موضوع ہی نہیں ہے بہتر ہوتا کہ تم لوگ کسی نگار خانے میں داخل ہو جاتے پھر خوب مزے سے آرٹ کی مٹی برباد کرتے قدرتی مناظر کے مطالعہ و مشاہدہ سے لطف اندوز ہونے کے وقت اس قسم کی خشک اور لایعنی بحثیں مجھے بالکل پسند نہیں آتیں ذرا دریا کی طرف دیکھو کتنا دلفریب سماں ہے،"

امر کرشن نے طنزیہ قہقہہ لگا کر کہا "بیسویں صدی کے ماڈرن شکسپیئر صاحب آپ بجا فرماتے ہیں بے شک یہ وقت آپ کے مناظر فطرت سے لطف اندوز ہونے کا ہے، آرٹ کی مٹی برباد کرنے کا نہیں، لیکن اتنا تو فرما دیجئے کہ ہم میں سے کون برسر حق ہے؟"

ونود نے زور دیتے ہوئے کہا۔ "ہاں ہاں آپ ہماری بحث کا تو فیصلہ کر دیجئے۔"

"اگر مجھ سے پوچھتے ہو تو میں کہتا ہوں تم دونوں حق پر ہو۔"

"یہ کیونکر ممکن ہے؟"

"یہ اس طرح ممکن ہے کہ . . . . . ."

اتنے میں "بچاؤ، بچاؤ" کی ایک چیخ سنائی دی سب نوجوان بے اختیار اس طرف دیکھنے لگے جس طرف سے آواز آئی تھی، اور گھاٹ پر کھڑی ایک عورت امداد کے لئے پکار رہی تھی، کہ لڑکی.. ڈوب رہی ہے، اس ناگہانی حادثہ نے نوجوانوں کو مبہوت کر دیا، مگر رویندر بے ساختہ اپنے کپڑے اتار دریا میں کود پڑا۔ رویندر کے ساتھیوں کے لئے اس کا اس طرح کود پڑنا بھی کسی حادثے سے کم نہ تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ رویندر بھی کوئی ایسا تیراک نہیں ہے کیونکہ رویندر بات کی بات میں لڑکی کے پاس پہونچ گیا۔ اور اپنے بازو کے سہارے اسے پانی سے باہر لا کر منہ کے بل لٹا دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد لڑکی اٹھ بیٹھی۔ اور شرمیلے انداز میں اپنی ساتھی عورت سے اپنے خشک کپڑے مانگنے لگی، لڑکی کی عمر پندرہ سولہ سال کی تھی بچپن رخصت ہو چکا تھا اور شباب کی آمد آمد تھی،

رویندر نے کہا ابھی آپ کچھ دیر اور نہ اٹھتیں تو اچھا تھا، پانی زیادہ تو نہیں پی گئی ہیں ضرورت ہو تو ڈاکٹر کو بلا لاؤں؟"

دوشیزہ شرمیلی آواز میں بولی "نہیں ڈاکٹر بلانے کی ضرورت نہیں۔ میں نے پانی تو کچھ اتنا زیادہ نہیں پیا تھا مگر ڈر بہت گئی تھی آپ کی عنایت و ہمدردی کی تہ دل سے شکر گذار ہوں"۔

دوشیزہ کی شکل و شباہت اور لب و لہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی رئیس خاندان کی تعلیم یافتہ لڑکی ہے رویندر کے ساتھی اس کے تعارف کے لئے بے چین ہو رہے تھے اور وہ پوچھنے ہی والے تھے کہ دوشیزہ کی ساتھی عورت نے کہا۔

"بابو! آپ نے ان کے ساتھ میری بھی جان بچائی۔ اگر ان کا ایک بال بھی بیکار ہوتا تو میری خیر نہ تھی اب آپ کو کسی تکلیف کی ضرورت نہیں ان کا مکان پاس ہی ہے چلی جائیں گی شاید آپ یہاں کے مشہور رئیس بابو مدن موہن کو جانتے ہوں گے۔ یہ انہیں کی اکلوتی بیٹی منورما ہیں۔"

دوشیزہ نے کپڑے بدلے اور چلتے وقت شرمگیں آواز میں رویندر سے کہا۔ "کیا آپ ایک بار ازراہ کرم میرے غریب خانہ پر آنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے؟"

رویندر نے کسی پس و پیش کے بغیر جواب دیا "ضرور آؤں گا"۔

دوشیزہ چلی گئی اور رویندر نقش حیرت بنا اسے دیکھتا رہ گیا۔

دوستوں نے ایک لمبی سانس لی اور رویندر کی طرف دیکھ کر مسکرا دیئے۔

دوسرے روز رویندر منورما کے گھر گیا اور اس کے بعد وہ برابر اس کے ہاں آنے جانے لگا۔

(۲)

منورما کے باپ مدن موہن کو رویندر کا اس طرح آنا جانا اور منورما سے ملنا جلنا پسند نہ تھا، انہوں نے ایک روز اپنی بیوی پربھا سے کہا "میرے نزدیک رویندر کا اس طرح آنا جانا اور منورما کا اس سے آزادانہ ملنا جلنا ٹھیک نہیں ہے"۔

پربھا:- کیوں اس میں کیا برائی ہے؟

مدن موہن:- آج کوئی برائی نہیں ہے لیکن آئندہ برائی کا اندیشہ تو ہے آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ منورما کسی کام میں ہو رویندر جیسے ہی آ جاتا ہے وہ بھاگی ہوئی اس کے پاس پہنچ جاتی ہے اور کبھی اسے کھلائے بغیر نہیں جانے دیتی دو دو گھنٹوں بیٹھے آپس میں باتیں کرتے رہتے ہیں۔

پربھا نے سنجیدگی سے کہا۔ مجھے اس سے انکار نہیں کہ دونوں میں محبت ہے لیکن ان کی محبت ایسی ہی ہے جیسی بھائی بہن یا دوستوں میں ہوتی ہے۔"

"تمہارا ہی خیال درست سہی لیکن آگ اور لکڑی کی یکجائی کا نتیجہ کبھی بہتر نہیں ہو سکتا اس لئے اب میں منورما کو رویندر سے اس طرح ملنے جلنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"تو آخر آپ کو کیا کرنا چاہتے ہیں؟" پربھا نے سوال کیا۔

"اس میں کیا کرنا ہے میں رویندر سے صاف کہہ دوں گا کہ آپ اس طرح یہاں آ کر اپنے پڑھنے کا وقت ضائع نہ کیا کریں، میں خود آپ کے پاس آ کر مل لیا کروں گا۔"

پربھا نے نرمی سے کہا "لیکن کیا رویندر سے اس طرح کہنا مناسب ہوگا ہمیں اس کے اس احسان کو کبھی بھولنا نہ چاہئے کہ اس نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر منورما کی جان بچائی"۔

"میرے نزدیک تو اس طرح کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں اس نے احسان ضرور کیا ہے لیکن اس کے یہ معنی تو نہیں کہ اس کے گذشتہ احسان کی بنا پر اس سے آئندہ پہنچنے والے نقصان سے بچنے کی فکر نہ کی جائے۔"

"کیا میں ایک بات دریافت کر سکتی ہوں" پربھا نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

"ہاں! ہاں! پوچھو کیا بات ہے؟"

"یہ خیال خود بخود آپ کے دل میں پیدا ہوا

امریکہ کا دستور اساسی

آج ہندوستان میں دستور سازی کی دھوم ہے۔ کانگریس ہو یا لیگ دونوں حلقوں میں یہ خیال ہے کہ ملک کے لئے ایک دستور تیار کیا جائے۔ یہ سوال کہ آیا ہندو مسلمان ایک جگہ بیٹھ کر دستور تیار کریں یا پاکستان کا دستور علیحدہ اور ہندوستان کا الگ یہ ایک دوسرا سوال اور لیڈروں کے لئے قابل غور اور باعث گفت و شنید ہے۔ عوام ہندوستانیوں کے لئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دستور سازی کا مفہوم کیا ہے اور چونکہ ہندوستان میں فی الحال جو صورت فیڈریشن کے اصول پر دستور سازی کی پیدا ہے وہ دراصل امریکہ کی پیداوار ہے۔ اس لئے ہم قارئین اہلحدیث کے سامنے ممالک متحدہ امریکہ کے کانسٹی ٹیوشن پیش کرتے ہیں جسے ممالک متحدہ امریکہ کے صیغہ اطلاعات نے بمبئی سے انگریزی زبان میں شائع کیا ہے۔ اس کو پڑھنے سے دستور سازی کے متعلق ہندوستانیوں کو بہت سی مفید معلومات حاصل ہوں گی۔ (مترجم)

امریکی دستور اساسی کا تاریخی پس منظر

ذیل کے بیان سے نہ صرف تاریخی پس منظر سمجھ میں آ جائے گا۔ بلکہ یہ بات بھی ذہن نشین ہو جائے گی کہ یہ کانسٹی ٹیوشن کن صورتوں میں تیار ہوا:-

ممالک متحدہ کا دستور اساسی وہ بنیادی دستاویز ہے جس پر امریکہ ڈیماکریسی قائم ہے اس دستور اساسی کا بنیادی اصول یہ ہے کہ حکومت عوام کی قائم کردہ ہو۔ دنیا کا وہ قدیم تر دستور ہے جس پر دیگر جمہوری ممالک کے لئے نمونہ ہو سکتا ہے۔ ملکی قوانین، افراد اور حکام سے بالاتر ہیں۔ کوئی حاکم یا خود صدر جمہوریہ ایسے احکام یا فرامین جاری نہیں کر سکتا جو قانون ساز منتخب جماعت کے فیصلہ کے خلاف ہوں۔ یہ دستور اساسی ڈیڑھ سو برس ہوئے جب یہاں کے باشندوں نے آزاد حکمرانی کے لئے مرتب کئے تھے اور اب تک ان میں تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔

اس دستور کی ابتدا یوں ہوتی ہے کہ حکومت کی ابتدا اقتدار عوام پر ہونی چاہیئے۔

کانسٹی ٹیوشن کی تمہید

ہم باشندگان ممالک متحدہ اپنے یونین کو مضبوط بنانے کے لئے قیام انصاف خانگی امن کی پائداری دفاع عامہ کے استحکام۔ عوام کی بھلائی کے قیام اور اپنے آنے والی نسلوں کو آزادی کی نعمت سے فیضیاب کرنے کے لئے یہ دستور اساسی ممالک متحدہ امریکہ کے لئے بناتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد قوم کی سیاسی تشکیل صدر کے عہدہ کی تخلیق۔ مجالس قانون ساز عمال ریاست اور صیغہ معدلت کی تشریح کی گئی ہے اور اس کا بھی انتظام کیا گیا ہے کہ ملک کی تبدیل شدہ حالت کے ماتحت اس میں ترمیم یا تبدیلی ہو سکے۔

پہلے دس ترمیمات جو کانسٹی ٹیوشن میں ہوئیں جنہیں مسودہ حقوق کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ شخصی آزادی اور حقوق کی مزید ذمہ داریاں ہیں۔

ممالک متحدہ کی حکومت اکھنڈ نہیں ہے بلکہ فیڈرل ہے۔ اور اختیارات اور ذمہ داریاں قومی حکومت ۴۸ ریاستوں کے درمیان مشترک ہیں۔ چند خاص اختیارات محض فیڈرل کورٹ کو حاصل ہیں۔ ہر ریاست اپنے حدود کے اندر فیڈرل حکومت سیاسی ڈھانچے پر قائم ہو کر وسیع اختیارات رکھتی ہے۔ قومی حکومت کو قومی ضروریات کے سرانجامی کے لئے قوت و اقتدار حاصل ہے۔

نیشنل گورنمنٹ

قومی (نیشنل) حکومت کو خصوصیت کے ساتھ یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ محصول لگائے اور وصول کرے۔ ماحول مالیہ کا انتظام کرے۔ غیر ملکی اور بین الریاستی تجارت کی نگران رہے۔ خارجہ معاملہ کو چلائے جنگ اور صلح کرے۔ ممالک کے حدود مقرر کرے اور جدید ریاستوں کا اتحاد میں الحاق کرے اور اس کے علاوہ ممالک متحدہ کی کانگریس کو اس کا اختیار دیا گیا ہے کہ امور بالا کے لئے قوانین مرتب کرے۔

قومی جماعت وضاحت قانون کے لغتیات وغیرہ امریکہ کی تاریخ امریکہ میں پوری تشریح کر دی گئی ہے جماعت بندی اور خاص امور کے متعلق قانون بنا کر قوم کے ہر طبقہ کے مفاد اور ضروریات کا لحاظ کیا گیا۔ اس وسیع تشریح نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ نیشنل حکومت سارے ملک کو متحد کرتی ہے اور سب کے مفاد کو مدنظر رکھتی ہے۔ اس امر کو سپریم کورٹ (عدالت عالیہ) ممالک متحدہ نے متعدد بار تسلیم کیا ہے اور اسی کی بدولت دستور کو اس قابل بنا دیا ہے کہ قوم کی تبدیل شدہ حالت میں بھی کام دے سکے۔

امریکہ میں جمہوریہ آسانی سے قائم نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کے لئے نوآباد مقبوضات اور خود برطانیہ سے لڑائیاں لڑنی پڑیں۔

شروع شروع میں اس نئی دنیا میں مختلف ممالک سے لوگ آ کر آباد ہوئے ان کا مقصد حصول آزادی اور حصول معاش تھا۔ سو سال سے زائد یہ لوگ انگلستان کے صیغہ نوآبادیات کے ماتحت رہے رفتہ رفتہ شوق آزادی پیدا ہوا۔ کانسٹی ٹیوشن سے قبل ۱۳ ریاستیں ایک آرٹیکل آف کانفیڈریشن کے ماتحت متحد تھیں اس کی دفعات کی رو سے محض اتحاد کا ڈھانچ بنا تھا اس میں ہر ریاست بجائے خود آزاد تھی اور نیشنل گورنمنٹ کا کوئی اختیار نہ تھا۔

۱۷۸۷ء کی تشکیل

بہت جلد لیڈروں نے اس کا احساس کیا کہ اگر ہم متحد رہنا چاہتے ہیں اور ریاستوں کی باہمی رقابت سے بچنا ہے تو ہمیں اس کے لئے فیڈرل حکومت کی ضرورت ہے ۱۷۸۷ء میں ۱۲ ریاستوں کے نمائندے فلاڈلفیا میں مجتمع ہوئے (جزیرہ روڈ نے کوئی نمائندہ نہیں بھیجا) ان نمائندوں نے آرٹیکل آف کنفڈریشن (قانون اتحاد) کو مضبوط بنانے کی تدبیر سوچی۔ مگر ان نمائندوں نے یہ طے کیا کہ ایک جدید دستور مرتب ہونا چاہیئے اور یہ طے ہوا کہ اس تشکیل سازی میں ہر ریاست کی ایک رائے سمجھی جائے گی — اور جارج واشنگٹن اس جماعت کا صدر ہوگا۔

اس اجتماع میں وہ نمائندے شریک ہوئے۔ جو گو مختلف الخیال تھے مگر معاملات جہانداری سے سب پوری طرح واقف تھے ان میں جارج واشنگٹن اور بنجامن فرانکلن اتحاد عمل کی نمایاں قابلیت رکھتے تھے۔

بڑی ریاستوں کے نمائندے جس میں نیویارک کا الگزینڈر ہملٹن قابل ذکر ہے یہ چاہتے تھے کہ فیڈرل حکومت کی طاقت زبردست رہے مگر چھوٹی ریاستوں کے نمائندے مثلاً نیوجرسی۔ ڈیلاویئر اور میری لینڈ کے نمائندے ریاستوں کی مساوات کے حامی تھے۔ ورجینیا اور جنوبی کیرولینا کے زراعتی مفاد والوں کا موکچھ اور پنسلوینیا کے تجارتی مفاد والوں سے مقابلہ تھا۔ ہر نمائندہ اپنی ریاست کا ہوا خواہ تھا۔ اور انہی ریاست والوں کے نقطۂ نظر کا لحاظ رکھ کر کام کرنا چاہتا تھا۔ پھر چھوٹی ریاستوں کو اس کا دھڑکا تھا کہ بڑی ریاستوں کا اقتدار ہم پر بالا رہے گا۔

اتحاد عمل تسلیم کیا گیا

لیکن اگرچہ وہ مقامی اور مخصوص مفاد کے لئے زور لگاتے تھے مگر اسی کے ساتھ انہیں اس کا احساس تھا کہ اتحاد عمل سے مضبوط حکومت متحدہ قائم ہو۔ وہ جانتے تھے کہ انفرادی حیثیت سے کوئی ریاست اپنی آزادی قائم نہیں رکھ سکتی۔ غیر ملکی تجارت کی محافظ نہیں ہو سکتی حملوں سے مدافعت نہیں کر سکتی۔ اور اپنی سڑکوں اور دریائی راستوں کو درست نہیں کر سکتی —

بنیادی حیثیت سے ہر ریاست حکومت خود اختیاری اور انفرادی حقوق کے متعلق ہم آہنگ تھی۔ اور انہیں یہ تسلیم تھا کہ ہمیں ایک ایسا اصول بنا دینا چاہیئے جس سے وہ حقوق قائم رہیں جن کے لئے جنگ کی گئی تھی

چھوٹی اور بڑی ریاستوں کی کشمکش ایک تصفیہ کے رو سے طے ہوئے جن میں یہ طے پایا کہ قومی حکومت میں دو ایوان ہوں (۱) سینٹ جس میں ہر ریاست خواہ چھوٹی ہو یا بڑی دو نمائندے بھیجنے کی مجاز ہوگی (۲) ایوان مندوبین جس میں ہر ریاست بلحاظ تناسب آبادی نمائندہ بھیجے گی۔

بڑی ریاستیں اس پر مصر تھیں کہ محاصل میں اضافہ کی ہر تحریک ایوان مندوبین سے شروع ہونی چاہیئے۔ ریاستوں کے درمیان تجارت آزاد ہو اور درآمدی محاصل نہ لگائے جائیں غیر ملکی معاہدے سینٹ کی منظوری سے ہوں اور مالیات کے علاوہ دیگر مسائل خواہ سینٹ سے شروع ہوں یا ایوان مندوبین سے ہر مسئلہ صدر کی منظوری یا نامنظوری کے لئے صدر کے سامنے پیش ہو۔ مگر اس کے پہلے ہر ایوان سے منظور ہونا چاہیئے۔

ریاستوں کی مساوات

جہاں تک سیاسی حقوق کا تعلق ہے مجلس ... نے یہ طے کیا ہے کہ ہر ریاست کا درجہ مساوی ہے کہ فیڈرل گورنمنٹ کسی ریاست کے ساتھ امتیازی برتاؤ نہ کرے گی اور ہر ریاست دوسری ریاستوں کے قوانین کو تسلیم کرے اور ان کا احترام کرے ہر ریاست جمہوری طرز حکومت کی ذمہ داری سے اور ساتھ ہی اس امر کی بھی کہ ہر حکومت عوام کی عطا کردہ قوت پر کام کرے گی اور یہ قوت عوام اپنے منتخب نمائندوں کو تفویض کریں گے۔

آخر الامر یہ طے پایا کہ دستور اساسی فیڈرل قوانین اور معاہدات "اعلیٰ ملکی قانون" تسلیم کئے جائیں گے اور کانگریس کا کوئی قانون جائز تصور نہ ہوگا جب تک وہ دستور اساسی کے مطابق نہ ہو۔ عدالت العالیہ نے بعد کو یہ بھی فیصلہ کیا کہ "اسے ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ کانسٹی ٹیوشن اور ممالک متحدہ کے قوانین ہر ریاست کا اسی طرح جزو سمجھے جائیں گے جس طرح خود ان کی ریاست کے مقامی قوانین اور مقامی کانسٹی ٹیوشن ہماری متحدہ قومی پالیسی کا یہی اصل اصول ہے۔

ترمیمات کی ضرورتوں کا لحاظ

نمائندوں کو اس کا بھی خیال تھا کہ دستور میں وقتاً فوقتاً ترمیم کی ضرورت ہوگی کیونکہ نئے حالات اور نئی صورتیں پیدا ہوتی رہیں گی۔ انھوں نے یہ طے کیا کہ دستور اساسی (کانسٹی ٹیوشن) میں ترمیم بعض قانون سازی سے نہ ہوگی بلکہ ... ریاستوں کی اکثریت کی منظوری ضروری ہوگی۔ اور ترمیم کی صورت خواہ کانگریس پیدا کرے گی یا کسی ریاستی اجتماع کے ذریعہ سے شروع ہوگی مگر ... ریاستوں کی منظوری ضروری ہوگی۔

اس اجتماع مندوبین نے یہ مانتے ہوئے کہ اصول حکومت کا مدار مرضی عوام پر ہے یہ طے کیا کہ اس کا دستور اساسی کا نفاذ اس وقت ہوگا جب ریاستیں منظور کرلیں گی۔

اس دستور کی نقل ہر ریاست کو بھیجی گئی جس نے عوام کے نمائندوں کا ایک جلسہ اس کی منظوری کے لئے طلب کیا اور انہیں حق دیا گیا کہ مخالف یا موافق رائیں دیں۔

جلسے عام اور ذاتی مباحث میں اس دستور کے مالہ وما علیہ پر غور اور تبصرہ ہوا شہروں میں چھپے ہوئے رسالے اور پمفلٹ بکثرت تقسیم کئے گئے۔ ان میں سب سے مشہور وہ رسالے ہیں جنہیں "قلامت" کہا جاتا ہے اور جنہیں ہملٹن ملکرسین اور جیسے ممبران مجلس دستور ساز نے مرتب کیا تھا۔ ان کی منظوری کے متعلق بہت سی باتیں غور طلب تھیں قدیم حکومتی اختیار جمہ شاہی کا مسئلہ مضبوط فیڈرل حکومت سے حقوق عوام کو خطرہ جماعت بندیوں کی مخالفتیں۔ فرقہ وارانہ تعصبات ذمہ داریوں سے بچنے کی فکر۔ ریاستہائے متحدہ کی ضروریات سے ناواقفیت، اور ہر نئی اور چھوٹی بات سے خوف اور شبہ۔ یہ تمام مسائل زیر بحث تھے اور ان کے موافق اور مخالف بڑے بڑے لوگ تھے۔

بعض ریاستوں نے تو فوراً منظوری دے دی۔ بعض میں عرصہ تک مباحثہ رہا ۲۱ جون ۱۷۸۸ء کو نیو ہیمشائر نے منظوری دی چونکہ اس میں ریاست کی منظوری نویں تھی۔ اس لئے نفاذ دستور کا موقع آگیا۔ ۱۳ ستمبر ۱۷۸۸ء کو دستور ساز کانگریس نے اعلان کیا کہ جدید قوم کے لئے صدر کا عوام انتخاب کریں اور ساتھ ہی جدید کانگریس کا بھی انتخاب ہو چنانچہ جارج واشنگٹن پہلے صدر منتخب ہوئے اور ان کی جانشینی کے بعد ۳۰ اپریل ۱۷۸۹ء سے جب ممالک متحدہ امریکہ نے دستور کے مطابق کام شروع کیا۔

مسودۂ حقوق!

بعض ریاستوں نے اس شرط پر منظوری دی کہ انفرادی حقوق کی حفاظت کے لئے ایک مسودہ حقوق تیار کیا جائے۔ اور اسے دستور کا جزو بنا دیا جائے۔ چنانچہ جدید کانگریس نے پہلا کام یہ کیا کہ دس ترمیمات منظور کیں جنہیں "بل آف رائیٹس" (منشور حقوق) مسودہ حقوق کہا جاتا ہے۔

ان دس ترمیمات سے قومی اختیارات پر پابندی عائد ہوتی ہے۔ یہ حقوق پہلے سے موجود تھے۔ مگر اب مزید ذمہ داری لی گئی تاکہ حکومت کے ظلم سے نجات ملے۔ اس منشور حقوق کی رو سے کانگریس ادائے فرائض مذہبی کی آزادی۔ آزادی تقریر۔ اس پر کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتی۔ اس لئے حق حاصل ہے کہ پر امن اجتماع ہوں اور رفع شکایات کے لئے حکومت سے مطالبہ کیا جائے۔ فوج عوام کے گھروں میں داخل ہو کر غیر مناسب خانہ تلاشی نہ ہو۔ اور گرفتاری ہو سکے نہ ذات نہ مکان اور یا پرس ضبط ہوں۔ اور اس کی حفاظت کے لئے بلا چارہ کار قانون کسی کی جان و مال کی آزادی کی جائے۔ فوجداری کے مقدمات جیوری کے ذریعہ سے ہو اور قانون کی نگاہ میں ہر شخص اس وقت تک کے بے گناہ متصور ہو جب تک جرم ثابت نہ ہو۔ اور کثیر مقدار میں ضمانت یا جرمانہ نہ ہو اور نہ ظالمانہ سزائیں دی جائیں۔

منشور حقوق نے طے کر دیا ہے کہ فیڈرل دستور محض اختیارات کی سپردگی کے باعث ہے اور جو اختیارات تفویض نہیں ہوئے ہیں وہ عوام کے اختیار میں ہیں اور حکومت ان حقوق میں مداخلت نہیں کرسکتی۔ اس طرح جو اختیارات فیڈرل کانسٹی ٹیوشن کو تفویض نہیں ہوئے ہیں وہ عوام میں محفوظ ہیں جنکی دستور میں ممانعت نہیں ہے یہ حقوق مقام کے ہیں جس میں فیڈرل دستور مداخلت نہیں کرسکتا۔

مزید ترمیمات

۱۷۸۹ء کے دستور میں ایک اور ۷ دفعات تھیں ۱۷۹۱ء میں کل دس دفعات ہوگئیں۔ اور قومی ترقی اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ ان میں تبدیلیاں ہوتی رہیں۔

گیارہویں ترمیم ۱۷۹۸ء میں ہوئی اس کی رو سے ایک ریاست کے باشندے کو یہ حق نہیں رہا کہ وہ دوسری ریاست پر دعویٰ کرسکے اور نہ ہونے والی مستقبل کی ریاست کے باشندے کو یہ حق دیا گیا۔ بارہویں ترمیم ۲۵ ستمبر ۱۸۰۴ء کو ہوئی اس کی وجہ سے صدر اور نائب صدر کے متعلق رائے علیحدہ علیحدہ دی جانے لگی۔ خانہ جنگی امریکہ (۱۸۶۱-۶۵) درحقیقت اس دستور اساسی سے انحراف کے باعث ہوئی جس کے بعد فیڈرل حکومت کی قیادت ریاستوں پر قائم ہوگئی ۱۸۶۵ء میں تیرہویں ترمیم کی رو سے غلامی ختم ہوئی۔ چودھویں ترمیم ۱۸۶۸ء کی رو سے فیڈرل حکومت کی رعایا اور ریاست کی رعایا کے حقوق کی تشریح کی گئی پندرھویں ترمیم ۱۸۷۰ء کی رو سے طے ہوا کہ کوئی شخص محض رنگ نسل یا سابقہ غلامی کے باعث حق رائے دہی سے محروم کیا جائے گا اور نہ اس کے استحقاق میں کسی قسم کی کمی واقع ہوگی۔ ۱۹۱۳ء میں سولھویں ترمیم کی رو سے انکم ٹیکس کے قوانین بنائے گئے حق دیا گیا۔ سترہویں ترمیم ۱۹۱۳ء کی رو سے ممبران سینیٹ کے انتخاب کا حق براہ راست عوام کو دیا گیا ۱۹۲۰ء کی ترمیم سے مرد و زن سب کو یکساں حق رائے دہی ملا۔ ۱۹۳۳ء میں بیسویں ترمیم صدر کے کام شروع کرنے کی تاریخ میں تبدیلی ہوئی اور صدر اور نائب صدر کے عارضی اور ہنگامی انتخاب کا مسئلہ طے ہوا۔

ایک قائم دستاویز

یہ دستور اساسی ایک ایسا قائم دستاویز ہے۔ جس کا انحصار عوام کی مرضی پر ہے اور ضروریات زمانہ کا لحاظ ہوتا رہتا ہے۔ جس کا ثبوت ۱۹۱۹ء اور ۱۹۳۳ء کی ترمیمات سے ملتا ہے اٹھارہویں ترمیم کے رو سے شراب کی تجارت کشید اور برآمد درآمد پر پابندی عائد کی گئی۔

مگر پبلک کی ناپسندیدگی کے باعث اسے منسوخ کیا گیا۔ حکومت نوآبادیات کی صورت میں تجربہ سے یہ بتایا کہ کسی ایک شعبہ کے ہاتھوں میں کل اختیار نہ ہونا چاہیئے فیڈرل حکومت کے اختیارات محض محدود ہی نہ تھے بلکہ وضاعت قانون۔ صیغہ نظم اور صیغہ عدالت میں تقسیم ہیں جس سے ایک کا دباؤ دوسرے پر رہتا ہو اس طرح ظلم کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔

تشکیل حکومت

عدالت العالیہ (سپریم کورٹ) اس میں نو ممبران ہیں صدر ان کو مقرر کرتا ہے اور سینیٹ کے ۹۶ ممبران جو براہ راست ۱۴ کروڑ باشندوں کے منتخب کردہ ہوتے اس میں تقرری کی توثیق کرتے ہیں۔

کابینہ دس ممبروں کی ہوتی ہے صدر مقرر کرتا ہے۔ سینیٹ تقرری کی توثیق کرتا ہے

صدر کا انتخاب ۵۳۱ ممبران الکٹورل کالج کرتے ہیں جو ۱۴ کروڑ سے منتخب کردہ ہیں

نائب صدر:- کابینی انتخاب صدر کے انتخاب صدر کے انتخاب کی طرح ہوتا ہے

ایوان مندوبین کے ۴۳۵ ممبران ہیں جنہیں براہ راست ۱۴ کروڑ منتخب کرتے ہیں حقوق عوام کے تحفظ کے لئے مختلف شعبہ جات کے اختیارات متعین ہوتے ہیں

کالے ہندوستانی پر گورا بوجھ

دھوم ہے کہ ہندوستان آزاد ہو گیا
آزاد ہوا ہو یا نہ ہوا ہو مگر دو باتوں میں اب تک
فرق نہیں۔ ایک تو انجمن سازی کا پرانا طریقہ
اب تک زوروں پر ہے ہر شخص ایک انجمن کا
صدر یا سیکریٹری بن کر ملک میں سیاسی طوائف
الملوکی کو تقویت دے رہا ہے یہ انجمن سازیاں
بھی بھانت بھانت کی ہیں مگر ان کی حسب ذیل
اقسام زیادہ نمایاں ہیں :۔

(۱) مذہبی جماعتیں
(۲) ذات پات کے نام سے جماعتیں
(۳) طلباء کے نام سے آل انڈیا یا نیم مذہبی فرقہ وارانہ جماعتیں
(۴) مزدوروں کی نام بنام جماعتیں
(۵) کسانوں کی جماعتیں
(۶) سرمایہ داروں کی جماعتیں
(۷) زمینداروں کی جماعتیں
(۸) معاشرتی اصلاحات کی جماعتیں
(۹) موسیقار جماعتیں
(۱۰) صوفی جماعتیں
(۱۱) سادھو جماعتیں
(۱۲) دھوبی جماعتیں
(۱۳) غیر ملکی غلام جماعتیں اور
(۱۴) خالص سیاسی جماعتیں۔

تفصیل طوالت طلب مختصر یہ ہے کہ
جس طرح ولسن صدر امریکہ کے چودہ نکات نے
یورپ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی یا لیگی قائد
اعظم کے چودہ نکات نے مسلمانوں کو محض
اضطراب میں مبتلا کر کے دو قومیت کا سوال
لا کھڑا کیا اسی طرح ان انجمن بازیوں نے
اہل ملک کو سراسیمہ اور ڈانواڈول کر رکھا ہے
دوسرا امر جو دعوائے آزادی کو غلط
ثابت کرتا ہے وہ ملک میں ان اخراجات
کی بھرمار ہے جو اجنبی گوروں پر صرف ہو رہا ہے
محض ایک وائسرائے کے اخراجات کی تفصیل
سن لیجئے :۔

(۱) وائسرائے کی سالانہ تنخواہ :۔
دو لاکھ ۲۹ ہزار روپیہ
(۲) کنٹریکٹ الاؤنس (جس کے معنی مطلب کی خرچ) ۲ لاکھ ۵ ہزار روپیہ
(۳) [illegible] کے اخراجات
[illegible] ۹۵ ہزار روپے
(۴) ڈاک کے اسٹامپ کے اخراجات
۱ لاکھ ایک ہزار روپیہ
(۵) نشان انڈیا آرڈر کی خریداری و مرمت
۳۲ ہزار روپیہ
(۶) اسٹاف کا شاہرہ اور الاؤنس
ایک لاکھ روپیہ
(۷) وائسرائے کے اسٹاف کے افسران کی تنخواہ
۴ لاکھ روپیہ
(۸) اسپیشل ٹرین ۳۰ ہزار روپیہ
(۹) دوسرے اخراجات
دو لاکھ ۷ ہزار روپیہ
کل میزان ۱۹ لاکھ ۶۳ ہزار روپیہ

ان کے علاوہ صوبے کی حکومتیں اور
والیان ریاست جو وائسرائے کی سیاحت کے
موقع پر خرچ کرتے ہیں اور جب وائسرائے
صاحب شکار کھیلنے نکلتے ہیں اس وقت
کی دعوتوں کا خرچ تو کچھ پوچھنا ہی نہیں۔
وائسرائے کا محل دنیا میں وسیع ترین
اور سب سے زیادہ آراستہ پیراستہ ہے گاندھی
جی تو اکثر وائسرائے کے محل میں گئے ہیں ایک
بار ان کے محل سے نکلنے پر کسی نے پوچھا کہ آپ
نے محل کو کیسا پایا تو مشہور ہے کہ آپ نے جواب
دیا کہ دہلی میں بہت بڑا اسپتال قائم کرنے
کے لئے بہترین مقام ہے عبوری حکومت
کو غالباً اس کا اندازہ ہو گا کہ وائسرائے اب
وائسرائے سے رہتے نظر نہیں آتے بلکہ سامان
باندھنے کے تہیہ میں ہوں گے تو کسی دوسرے
مختصر مکان میں کھڑاگ کا سامان نہیں
باندھا جا سکتا۔

یاد رکھنے کی باتیں

جامعہ نگر دہلی

(۱) چاندی کے زیور کو صاف کرنا ہو تو کوئلے کے سفوف سے رگڑ کر برش سے صاف کر لیں۔

(۲) سونے کے زیورات صاف کرنا ہوں تو شورہ، نوشادر، پھٹکری ہم وزن پیس لیں اور ضرورت کے وقت سفوف کو پانی میں لئی کی طرح بنا لیں اور زیور پر لگا دیں اور اس کے بعد آگ پر تپا لیں صاف ہو جائے گا۔

(۳) لیمپ کے شیشوں کو اگر دھندلا کرنا ہو جیسا کہ آج کل فیشن ہے تو فلارک ایسڈ کو برش کے ذریعے چمنی پر لگا دیں اور سیکنڈوں میں دھندلے ہو جائیں گے۔

(۴) چائے دانی میلی ہو گئی ہو تو پانی میں تھوڑا سوڈا ڈال کر چائے دانی کو اس پانی میں خوب ابالیں اور ایک دن تک اسی پانی میں پڑا رہنے دیں پھر صاف کر لیں۔

(۵) ہاتھی دانت کی چیزیں خراب یا زرد ہو جائیں تو ان پر برش سے برانڈی پھیر دیں اور خوب ملیں صاف ہو جائیں گی۔

(۶) نمک کو ہمیشہ ڈھانک کر رکھنا چاہیے اگر اس پر چھپکلی بیٹھ جائے گی تو کھانے والے کا خون خراب ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

(۷) گرمیوں میں اگر تکیہ میں ذرا سا کافور ملا کر تکیہ بھرا جائے تو تکیہ ٹھنڈا بھی رہے گا اور کھٹمل وغیرہ سے بھی نجات مل جائے گی۔

انجمل ... ایڈیشن (۱۰) ... ۱۹۴۶ء

مصری پاکستان سوڈان

از قسمر احمد

زخمی تری ادا کے بطرز دگر ہر ایک
تنہا کچھ ایک بندۂ درگاہ ہی نہیں

انگریزی سیاست مصر میں جو کھیل کھیل رہی ہے وہ ہم ہندوستانی مسلمانوں کے لئے سبق آموز ہے ہندوستان میں تو کہا جاسکتا ہے کہ ہندو اور مسلمان دو مذہب کے لوگ بستے ہیں ایک کو دوسرے سے نفرت ہے اس لئے ایک دوسرے سے لڑتے اور ایک دوسرے کو اپنی اپنی اکثریت کے صوبوں سے نکالنے پر تلے ہوئے ہیں مگر مصر اور سوڈان میں تو ایک مذہب اور ملت کے لوگ ہیں کلمہ گو ہیں ایک رسول کی امت ہیں مگر اور سے انگریز وہ جادو کر دیا ہے کہ آج نام نہاد مصری آزادی تو درکنار ملک مصر کی خوشحالی آبادی، زرخیزی اور ساری تہذیب و ترقی خطرہ میں پڑ گئی ہے اور لطف یہ ہے کہ جس طرح ہندوستانیوں کے متعلق دنیا میں کہا جا رہا ہے کہ ہم انگریز کیا کریں لیگ اور کانگریس میں سمجھوتہ نہیں ہوتا اسی طرح وادی النیل کے علاقہ جات کے متعلق بھی یہی کہا جاتا ہے کہ ہم انگریز کیا کریں خود سوڈانی مصریوں کے ساتھ مل کر کام کرنے پر راضی نہیں اور سوڈانی قائد اعظم السید سر عبدالرحمٰن المہدی سوڈان کو مصر سے علٰحدہ رکھنا چاہتے ہیں اللہ! اللہ! سر عبدالرحمٰن انہیں جناب سید المہدی رحمۃ اللہ کی یادگار ہیں جنہوں نے اپنے جیتے جی انگریزوں کو گھسنے نہیں دیا تھا جس کے بغض میں کچنر نے مرحوم کی لاش کو قبر سے نکال کر پھانسی پر چڑھایا اور پھر جلا کر خاک بھی اڑا دی۔ اور بارگاہ ایزدی سے اس کی پاداش میں خود فرعون کی طرح سمندر میں ڈوب مرا جس کی تاریخ موت "فرعون غرق بحر ہوئی"۔

+۲۰۰+۲۰۰+۵۰+۴۴۶+۲۰۰+ = ۲۰۰+۴۱۹+۲+۴۰۰+۱۴ = ۱۹۱۶ء

مصر اور سوڈان کی علٰحدگی کی خرابی

ابھی لگے ہاتھوں یہ بھی سن لیجئے کہ مصر اور سوڈان دونوں کا کیا نقصان اس علٰحدگی میں ہے اور انگریزوں کا کیا فائدہ مصر اور سوڈان دونوں وادی نیل کے علاقے اور دونوں کی سرسبزی اور سارا خوشحالی استفائے نیل پر ہے اور وہ یوں کہ مصر میں بارش نہیں ہوتی بلکہ ہر سال بحر ہند سے جو مانسون اٹھتا ہے وہ حبشہ یعنی ابی سینیا کے پہاڑوں پر آکر رکتا ہے جس سے ان پہاڑوں میں خوب بارش ہوتی ہے انہیں پہاڑوں سے دریائے نیل نکلتا ہے چنانچہ جبل حبشہ پر جو بارش ہوتی ہے اس سے دریائے نیل میں طغیانی آتی ہے اور اس طرح دریائے نیل کا پانی جب بڑھتا ہے تو سوڈان کو سیراب کرتا ہوا آگے بڑھ کر خرطوم کے مقام دریائے نیل کی دونوں شاخیں نیل ابیض و نیل اخضر ملتے ہیں اور پھر یہ طغیانی کا پانی جھومتا ہوا دیار مصر میں داخل ہوتا ہے اور مصر کے مرتفع میدانوں میں میلوں تک دونوں جانب پھیلتا جاتا ہے یہ بارہ دس دن رہتی ہے اس زمانے میں مصری عید دریائے نیل مناتے ہیں اور دس دن تک سارے ملک مصر میں وہ جشن مناتے ہیں جس کے مقابلے میں بنارس کا میلہ بڑھوا منگل مات ہے۔

جب تک مسلمانوں کا قدم ملک مصر میں نہ آیا تھا مصریوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مصری ایک حسین کنواری لڑکی دلہن بنا کر قعر دریائے نیل میں ڈال دی جاتی تھی جس کے بعد طغیانی آتی تھی قدیم مصریوں کا یہ عقیدہ تھا کہ جب تک کوئی کنواری حسینہ نیل کے دیوتا کی بھینٹ نہ چڑھائی جائے گی دریائے نیل میں طغیانی نہ آئے گی۔

ہزاروں لڑکیاں اس طرح نامراد دنیا سے اٹھ چکی تھیں جس سال حضرت عمرو [illegible] رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا اتفاق سے طغیانی میں دیر ہوئی۔ اہل مصر نے حضرت ممدوح سے آکر عرض کیا کہ جب تک کسی کنواری حسینہ کو بھینٹ نہ چڑھایا جائے گا دیوتا راضی نہ ہوں گے اور ملک خشک سالی سے تباہ ہو جائے گا۔ حضرت عمرو ابن عاص رضؓ نے فرمایا کہ میں خود اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ کوئی جوان لڑکی خواہ وہ غیر مسلم ہی ہو دریا کی بھینٹ چڑھائی جائے۔ مگر اہل مصر کے اصرار سے آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع دی آپ نے ایک خط لکھ کر بھیجا کہ اسے دریائے نیل میں ڈال دو خط کا مضمون یہ تھا کہ:۔

"اے نیل اگر تو خدا کے حکم سے رواں ہے تو پھر تجھے کسی بھینٹ کی ضرورت نہیں اور اگر تو کسی اور کے حکم سے جاری ہے تو ہمیں تیری ضرورت نہیں اور اگر تو کسی اللہ کے حکم سے جاری ہے تو ہمیں تیری ضرورت نہیں ہمارا خدا ہمیں پانی دے گا" اس کے نیچے دستخط اور مہر خلافت ثبت تھی اس کے دوسرے ہی دن سے دریا میں طغیانی شروع ہو گئی۔

اب یہ صورت ہے کہ تین دن دریا میں طغیانی کا زور ہوتا ہے اور جس کے بعد تین دن تک پانی مصر کی زمین میں پھیلتا ہے اور تین چار دن میں اتر جاتا ہے اس سے سارے ملک میں دریا کی لائی ہوئی سیاہ (کریل) مٹی پڑ جاتی ہے جس سے سارا ملک زرخیز ہو جاتا ہے اور بلا آبپاشی گیہوں چنا اور کپاس پیدا ہوتی ہے۔

سعد زاغلول پاشا مرحوم کے زمانے میں انگریزوں نے یہ دھمکی دی تھی کہ وہ کوہ حبشہ کے دامن میں بند باندھ کر نیل کے پانی کو صرف حبشہ کی آبپاشی کے لئے محدود کر دیں گے یہ ایسی دھمکی تھی کہ اگر اس پر عمل ہو تو سوڈان اور مصر دونوں ریگستان بن کر رہ جائیں گے اور ساری زرخیزی ہوا ہو جائے گی۔

اس وقت تو یہ دھمکی اس وجہ سے بیکار گئی کہ چند ہی دنوں بعد اٹلی نے حبشہ پر حملہ کر دیا اور صورت حال بدل گئی اب پھر وہی پرانی صورت سامنے ہے ہیل سلاسی والی حبشہ انگریزوں کے رہین منت اور زیر اثر ہیں مگر قبل اس کے کہ حبشہ کا دہانہ ڈالا جائے سوڈان میں السید سر عبدالرحمٰن المہدی کو قائد عظم بنا کر علٰحدگی سوڈان کی تحریک اٹھائی گئی ہے سوڈانیوں کو الگ سبز باغ دکھایا جا رہا ہے کہ سوڈان میں نیل کی طغیانی سے کافی فائدہ اٹھانے کی صورت نکالی جائے گی۔ مگر در اصل اس کی تہ میں وہی پالیسی کام کر رہی ہے کہ مصر و سوڈان دونوں پر انگریزوں کی شہنشاہی کا استقرار رہے۔

یہ وہ کھلی ہوئی عیاری ہے جس کے سمجھنے کے لئے کسی بڑے تدبر اور تفکر کی ضرورت نہیں ہے مگر جب اپنا تدبر و فراست معطل کر کے ایمری اور چرچل کے پڑھائے ہوئے سبق پر عمل ہو اور ہر ہر قدم ان کی خوشنودی کے لئے اٹھتا ہو تو پھر ساری سمجھ بوجھ بیکار ہے مگر اس کا رونا نہیں ہے رونا تو ان عامۃ المسلمین پر ہے جو اس کھلی ہوئی عیاری کو نہیں سمجھتے اور اپنے وطن کے حصے بخرے کرنے پر تلے ہوئے ہیں حالانکہ مصر اور سوڈان کا قضیہ ان کے لئے بمنزلہ تازیانۂ عبرت کے ہے۔

یادیں کا کوئی خاص وجہ بھی ہے؟"
"تم تو جانتے ہو ... [illegible]
... بالکل ... کہ یہ کون
نوجوان ہے جو کچھ دنوں سے ہمارے ہاں آنے
جانے لگے ہیں یہ وہی ہے جس نے منورما کو ڈوبنے
سے بچایا تھا ملاقات ہو گئی ہے ... کے لئے
... پھر کہتے کہ وہ
... [illegible] ... سنا ہے منورما سے
اس سے خاص ربط و ضبط ہو گیا ہے، تم
بزرگ ہو۔" "تمہیں اس کا اختیار ہے لیکن
ایک نوجوان لڑکی کا ایک غیر مرد سے
اس طرح آزادانہ ملنا کسی طرح مناسب
معلوم نہیں ہوتا"
"ٹھیک ہے" ... نے کہا۔ "اب اگلے مہینے
ہی تو منورما کی شادی ہونے والی ہے پھر کیا
یہ مناسب ہوگا کہ رویندر کو صاف جواب
نہ دیا جائے۔ بلکہ کسی حیلے سے دونوں کو
ملنے جلنے سے روک دیا جائے۔"
"ہاں کوئی ایسی ہی صورت اختیار
کی جائے گی۔" مدن بابو نے کہا۔

— ۲ —

رویندر اپنے ... روم میں بیٹھا تھا
اس کے چہرے پر افسردگی سی چھائی ہوئی تھی
معلوم ہوتا تھا وہ کسی قلبی اذیت اور ذہنی
تکلیف میں مبتلا ہے۔
اسی حالت میں امر کرشن ونود شنکر
اور ہرکشن چند آ گئے لیکن رویندر پر کچھ
ایسی خود فراموشی طاری تھی کہ اسے اپنے
دوستوں کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔
امر کرشن تمسخر آمیز انداز میں بولا
"کیوں ... دلہن ... کے خیال میں محو ہیں نا؟"
امر کرشن کی آواز سن کر رویندر چونک
پڑا اور اپنی اس ازخود رفتگی پر جھینپ سا گیا
ونود شنکر بولا۔ "رویندر تم نے یہ کیا
حالت بنا رکھی ہے۔ مرنے ہی پر تل گئے ہو کیا
... [illegible] ... رویندر ...
دل ... کا کام کر رہا تھا مگر اس نے اپنے
کو سنبھال کر مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے
ان سے کہا۔
"تم لوگ تو کسی حسینہ کو دور سے
ایک جھلک دیکھ لیتے ہو تو ہفتوں اسے بھولتے
نہیں۔ ہر وقت اسی کا تذکرہ رہتا ہے۔ میرا تو
اس سے ... ملنا جلنا ہو چکا ہے۔ اور ہم
دونوں آئندہ زندگی کتنی خوشگوار ... اور ...

... ایک ساتھ ... ہیں"
امر کرشن قہقہے سے ہنس پڑا اور رشک
آمیز طنز کے ساتھ بولا۔
"تب تو کھل کھیل کر نہیں تو اسی دریا میں
پھاند کر جس میں وہ ڈوب رہی تھی تمہارا مر جانا
ضروری ہے۔"
ہرکشن چند نے شرارت آمیز ہمدردی
جتاتے ہوئے کہا۔
"امر کرشن سوچو تو کہ اس قدر ربط و ضبط
اور اس قدر راہ و رسم کے بعد وہ دوسرے کے
گھر جا رہی ہے۔ غریب رویندر کے لئے مر جانے
کی بات ہے اور تم اس کی ہنسی اڑا رہے ہو؟"
ونود شنکر نے ہرکشن چند کی صدا میں
صدا ملاتے ہوئے کہا۔
"دیکھو اس قدر جلد کہ بیچارے رویندر
کی آرزوئیں دل کی دل ہی میں رہ گئیں اس کے
باپ کو نہ جانے اس کی شادی کی اتنی کیا جلدی
پڑی تھی"
رویندر شادی کی بات سن کر چونک سا پڑا
اس نے پوچھا۔
"کیا اس کی شادی ہونے والی ہے؟
تمہیں کیسے معلوم؟"
ونود شنکر بولا۔ "تمہیں نسبت کی خبر
ہی نہیں صرف ایک ہفتہ اور باقی ہے۔ اسے
مہینے کی پندرہ کو ہونے والی ہے۔"
نہ جانے کیوں رویندر کے چہرے پر
خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور اس نے مسکراتے
ہوئے کہا۔ "خوب؟"
"اچھا تو ہم لوگ جا رہے ہیں پھر ملیں گے"
امر کرشن بولا۔
"بہتر ہے۔" رویندر نے کہا۔

— (۳) —

صبح کا وقت تھا ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
کے جھونکے دلوں میں فرحت و سرور پیدا کر رہے
تھے چڑیاں خوشی کے نغمے گا گا کر ادھر ادھر
پھدک رہی تھیں۔ بابو مدن موہن کے دروازے
پر شادیانے بج رہے تھے۔ ان کا گھر مسرت
و شادمانی کا گہوارہ بنا ہوا تھا اور گھر میں تمام
عورتیں شادی کے گیت گا رہی تھیں۔
آنگن میں منڈوے کے گرد دولہا
دلہن اور دونوں طرف کے لوگ کثیر تعداد میں
جمع ہو رہے تھے۔ سب کے چہرے خوشی سے
روشن اور شگفتہ تھے۔ دلہن (منورما) کے ٹھیک
سامنے ... پر رویندر بیٹھا ہوا
اس وقت وہ ... اور بشاشت
... [illegible] ... دولہا اور

... شادی کی رسم ادا کر رہے تھے۔
انہیں معلوم تھا کہ منورما کے کوئی بھائی نہیں ہے
اس لئے انہوں نے مدن بابو سے پوچھا۔ "سرکار
دلہن کے بھائی کی رسم کون ادا کرے گا؟ اب
انہیں کی ضرورت پڑے گی۔ ان کو یہاں پر
بلوا لیجئے۔"
برہمن کو تو اس کے پوچھنے کی ضرورت
ہی نہ تھی کہ رویندر کون ہے؟ مگر مدن بابو
کے پاس بیٹھے ہوئے خوشنما بابو نے پوچھا
"یہ رویندر بابو کون ہیں بھائی"
"وہی نوجوان ہے جس نے منورما کو دریا
میں ڈوبنے سے بچایا تھا۔ منورما کو جب ہی
سے بہن کی طرح مانتا ہے اس لئے بھائی کی
رسم وہی ادا کرے گا۔"
خوشنما بابو کو اور کچھ پوچھنے کا حوصلہ
نہ ہوا۔ مگر ان کی آنکھوں سے ان کی حیرت ...
کا صاف اظہار ہو رہا تھا۔
رویندر نے سچے خلوص اور جوش کے ساتھ
بھائی کی رسم ادا کی۔ شادی کے مراسم کی ادائیگی
کے بعد رویندر دوسرے لوگوں کے ساتھ باہر
نکلا تو امر کرشن اور ہرکشن چند کھڑے اس کا
انتظار کر رہے تھے لیکن اس وقت ان کے
چہروں پر تمسخر اور استہزا کے آثار کی بجائے
ایک احترام آمیز متانت طاری تھی۔
(شاہکار)

یہودی ایجنسی کو الٹی میٹم

یروشلم ۳ر فروری۔ فلسطین کے چیف سکریٹری نے یہودی ایجنسی کو یہ الٹی میٹم دیا ہے کہ دہشت پسندوں کی پکڑ دھکڑ میں حکومت کی پوری طرح مدد کرو۔ اس الٹی میٹم کی مدت سات دن ہے۔

ہی اسکے معاملات میں فیصلہ کن کوشش کے
قیام امن جنگ کے اختتام پر ہندوستان کے
آئین کو ترتیب دینے کے لئے ہندوستانیوں کی ایک
دستور ساز کمیٹی کے قیام کی تجویز پیش کی گئیں اس
موقعہ پر کانگریس اور دیگر جماعتوں نے منظور
نہ کیا۔

۸ اگست سنہ ۱۹۴۲ء کو کانگریس نے سول
نافرمانی کی تحریک شروع کرنے کا فیصلہ کیا اور گاندھی
جی کو اس کا کام سونپ دیا۔ گاندھی جی نے تمام مسئلہ کو
تقریر کی آزادی تک محدود کر دیا جس کے
تحت شرکت جنگ کے خلاف یا خود جنگ کے
خلاف تقریر کرنے کا حق لیا گیا، اس تحریک کا
مقصد جنگی کوششوں میں روڑا اٹکانا نہ تھا بلکہ
یہ ایک آزاد قوم کی طرف سے طریقۂ جنگ کے
خلاف اخلاقی احتجاج تھا۔ لارڈ لنلتھگو کی حکومت
کی طاقت ور حکومت نے بڑے پیمانہ پر گرفتاریاں
شروع کر دیں ہزاروں کانگریسیوں کو قید کر دیا
گیا جن میں صوبجاتی اسمبلیوں کے ۳۹۸ ممبران
مرکزی اسمبلی کے ۲۷ ممبران، ۳۱ سابق وزراء
آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ۱۷ ممبران اور ورکنگ
کمیٹی کے ۱۱ ممبر بھی شامل تھے۔ ہزاروں کو
مقدمہ چلائے بغیر ہی لامحدود عرصہ کے لئے
قید کر دیا گیا، ان میں بعض مشہور کانگریسی
اور فاشزم کے مخالف تھے۔ حکومت برطانیہ
نے اپنی ان سامراجی سرگرمیوں پر ناز کیا
لیکن در حقیقت وہ ہر ہندوستانی کی نظر میں
خواہ وہ کسی بھی سیاسی جماعت سے متعلق تھا
اپنی دباؤ کی پالیسی کے باعث ذلیل ہو گئے۔

جون سنہ ۱۹۴۱ء میں روس پر جرمن حملہ
کے باعث جنگ کا رخ بدل گیا اور حکومت ہند
نے محسوس کیا کہ ظالمانہ پالیسی کے نتائج
برے نکل رہے ہیں، دسمبر سنہ ۱۹۴۱ء میں کانگریس
نے شخصی ستیہ گرہ ختم کر دیا۔ اور جاپان کے
اعلان جنگ سے کچھ ہی پہلے لیڈران کو رہا کر دیا
گیا۔ ورکنگ کمیٹی نے متحدہ اقوام اور خاص کر
چین اور روس کی حمایت کا یقین دلایا لیکن
اپنے پہلے نقطۂ نظر کو پھر دہرایا کہ صرف
آزاد ہندوستان ہی قومی بنا پر ملک کی
حفاظت کر سکتا ہے۔ کانگریس نے محسوس کیا
کہ جاپانی تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور سلسلۂ رسل
و رسائل اور رسول نظام کے ختم ہو جانے کا اندیشہ
ہے۔ اس لئے اس نے ان حالات میں لوگوں
کی اقتصادی اور سماجی بہبودی کے لئے ایک
تعمیری پروگرام مرتب کیا۔ کانگریس کا خیال
درست نکلا اور جاپانیوں نے جلد ہی جنوب
مشرقی ایشیا پر تسلط جما لیا اور مشرقی ہندوستان
فوری جاپانی حملہ کی زد میں آ گیا۔

کرپس مشن

اس موقع پر کرپس صاحب اپنی تجاویز
لے کر ہندوستان کی جانب دوڑے اور ۲۳ مارچ
کو کراچی پہنچے لیکن کسی بھی پارٹی کی تجاویز
سے رضامند نہ ہونے پر ۱۲ اپریل کو واپس چلے
گئے۔ کانگریس نے فوری مستقبل کی تجاویز کی خامی
کے باعث انہیں مسترد کر دیا، کرپس مشن سے
برطانیہ و ہندوستان کے تعلقات میں اور تلخی
پیدا ہو گئی۔ کانگریس نے یہ واضح کر دیا ہے
کہ اس خیال سے متفق نہیں ہے کہ آزادی
کسی غیر ملکی حملہ سے حاصل ہو سکتی ہے خواہ
حملہ کے ارادے کچھ ہی ہوں" اور یہ کہا کہ اگر
دشمن کا حملہ ہو تو عدم تعاون و عدم تشدد سے
اس کا مقابلہ کیا جائے گا کیونکہ برٹش حکومت
نے کسی دوسرے طریقہ سے لوگوں کے ذریعہ
قومی مدافعت کرنے سے روکا ہے" کانگریس کی
اس وضاحت کے باوجود بھی حکومت نے
غیر ممالک میں یہ پروپیگنڈا منتشر کیا کہ ہندوستان
چھوڑ دو کا مقصد جاپانیوں کو مدعو کرنا تھا
لیکن کانگریس نے صاف واضح کر دیا کہ
چین کی مدد کرنے کے لئے ہندوستان میں
اتحادیوں کی افواج رکھنے کے لئے تیار تھی اور
برٹش کے چلے جانے کے مطالبہ کا مطلب یہ
نہ تھا کہ ہندوستان سے ہر انگریز چلا جاتا

جبر و تشدد کا دور

حکومت نے اس کا جواب دینے کے لئے
الہ آباد میں آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے دفتر
پر چھاپہ مارا۔ کانگریس کے خلاف زہر افشانی
کو دوگنا کر دیا اور تمام ملک پر جبر و تشدد
کرنے کی تفاصیل تیار کیں۔ کانگریس نے
حکومت کے چیلنج کو منظور کر لیا۔ مہاتما گاندھی
کے ہاتھ میں تحریک کی باگ ڈور دے دی گئی
گاندھی جی نے وائسرائے کو آخری اپیل کی
لیکن وائسرائے ملک میں ظلم کی لہر دوڑانے
کرنے پر تلا ہوا تھا۔ کانگریس کے لیڈران کو نظربند
کر دیا گیا علاوہ ازیں ۶۰۰۰ دیگر اشخاص
کو مقید کیا گیا۔ عوام نے اس ظلم کا جواب عجیب
ہی طریقہ سے دیا۔ تمام ملک میں ہیجان برپا
ہو گیا۔ پولیس نے اسے دبانے کی کوشش کی
کی اس کوشش ۱۰۲۹ ہلاک اور
زخمی ہوئے ۶۰ جگہوں پر فوج بلائی گئی

سیام دورِ حاضرہ میں

جنوبی مشرقی ایشیا میں سیام واحد آزاد
ملک ہے اس کا رقبہ دو لاکھ مربع میل ہے اور
ایک کروڑ ساٹھ لاکھ کی آبادی ہے سالہا سال
تک سیام یورپین سرمایہ داروں کی کشمکش میں
رہا ہے۔ فرانسیسی انڈو چائنا۔ برما اور ملایا
کے بیچ میں ہونے کے باعث ان یورپین
مقبوضات کے درمیان میں یہ حد فاصل بنا ہوا
ہے اور برطانیہ اور فرانس دونوں کی زد پڑتی
ہے نیز چین اور جنوبی سمندری علاقوں کے
درمیان تجارتی راستے سیام ہی سے ہو کر
گذرتے ہیں مگر سیام کو یہی اہمیت نہیں ہے
بلکہ اقتصادی حیثیت سے اسے عالمگیر اہمیت
حاصل ہے۔ یہ ملک ٹین۔ چاول۔ ربر اور
ٹیک لکڑی کے لئے مشہور رہے اور یہاں کی
پیداوار پر عرصے غیر ملکی سرمایہ داروں
کی نظر ہے۔

سنہ ۱۹۳۹ء میں جنگ شروع ہوتے ہی
انگریزی فرانسیسی رشتہ کمزور ہوا اور جاپان
نے ادھر توجہ کی اسے سیام میں اپنا اثر زیادہ
بڑھانے کا شوق تھا اور اپنی حکومت کی مزید
توسیع کے لئے اسے سیام کو لینے کا خیال
تھا چنانچہ سنہ ۱۹۴۰ء میں جاپان اسی جگہ ہے
جہاں سے جاپان جنوبی سمندروں پر قابض
ہو سکتا ہے۔

جنگ کے زمانے میں ساڑھے تین
سال تک سیام کو جاپانی سبز باغ دکھاتے
رہے اور اسے خوشحالی کا اچھا تجربہ ہوا ہے
جاپان کی تباہی کے بعد سیام نے دل مخدوم
سے اتحاد پر آمادگی ظاہر کی اگرچہ لندن ٹائمز
نے اسے تسلیم کیا تھا کہ سیام ایک مظلوم
ملک ہے

اور بہار اور یو، پی میں پانچ جگہ ...
بمباری کی گئی ہر طرف ظلم و ستم کی پکار تھی
ہر تحریر جس میں کانگریس کا کوئی بھی عنصر
پابندی لگا دی گئی ہے

چین میں ہوائی جہاز گم ہو رہے ہیں

شنگھائی۔ چین کا ایک اور قومی ہوائی جہاز
یانگو اور ہانگ کانگ کے درمیان گم ہو گیا ہے اس
جہاز پر ۲۴ مسافر سوار تھے جن میں چینی حاجی
...

سیر سینما

ایروز — میں "آرائشی کھلونا" MAGNIFICENT DOLL

یونیورسل پکچرز کا سو فیصدی فلم جس میں امریکی سیاست کے ایک پہلو پر نظر خاص ڈالی گئی ہے پیش کیا گیا ہے اور یہ پیش کش ایک نہایت ہی عمدہ تفریح ہے جس سے ہندوستانی فلم بین حضرات بھی خوب محظوظ ہو سکتے ہیں۔

قصہ کا تعلق ایک حسین دوشیزہ سے ہے جس کی خواہش نے ایک قوم کی قسمت کا فیصلہ کیا اور جس نے ثابت کر دیا کہ وہ بیک وقت تین آدمیوں سے پوری وفاداری کے ساتھ محبت کر سکتی تھی۔

جنجر راجرس کو ایک ایسی عورت کا پارٹ تفویض کیا گیا ہے جو اپنے کردار کو نہایت ہی دلچسپی کے ساتھ ادا کرتی ہے جس کا پتہ تاریخ سے چلتا ہے کہ وہ امریکہ کی تیرہ ریاستوں میں نہ صرف بہترین لباس پہننے والی شمار کی جاتی تھی بلکہ نہایت ہی مشہور مہمان نواز بھی تھی۔ اس کا امریکہ کو آزادی دلانے میں کتنا حصہ تھا اور اس نے کس طرح اپنی محبت کو وطن کی آزادی پر قربان کیا اس کا اندازہ یہ فلم دیکھنے سے ہو سکتا ہے۔

نیو امپائر — میں "خونی عاشق" SUSPENSE

مونوگرام پکچرس کا تازہ ترین کارنامہ جس کی تیاری پر تقریباً دس لاکھ ڈالر کی خطیر رقم صرف کی گئی ہے پردۂ سیمیں پر پیش کیا گیا ہے۔ فلم کے عنوان سے ہی پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک ایسا سنسنی پھیلانے والا ڈرامہ ہے جس میں قتل و خون کا ہونا ضروری ہے۔ اس کا کھیل دوسری عشقیہ تصویروں سے بالکل جداگانہ ہے۔ اس میں برف پر رقص کرنے کا لاجواب شاندار مظاہرہ کیا گیا ہے اور برف پر اسکیٹنگ کے نہایت ہی شاندار مناظر پیش کئے گئے ہیں اور مشہور برطانوی رقاصہ بیلیٹا نے اسکیٹنگ کے فن کو بڑی خوبی کے ساتھ دکھلایا ہے۔

بیری سولیوان اور البرٹ ڈیکر نے بھی خاص کام کئے ہیں۔ عشق کی الجھنوں کے بعد موقع ٹریجڈی کو بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ کس طرح ایک نامعروف لیکن دھن کا پکا نووارد ایک برف کے ڈانسنگ ہال کے مالک اور اس کی رقاصہ محبوبہ کے درمیان آ جاتا ہے اور باوجودیکہ کئی بار اسے ناکامی ہوئی لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری۔ یوجین پالیٹ اور بونیٹا گرانویل کے اداکاری کام بھی قابل دید ہیں۔

میٹرو — میں HOLIDAY IN MEXICO

میٹرو گولڈوِن کا تازہ ترین موسیقی سے پر سو فیصدی رنگین شاہکار بڑی کامیابی کے ساتھ دوسرے ہفتہ کے لئے دکھایا جا رہا ہے۔ جوزے اتوربی، راڈی میکڈاول، ایلونا میسی، جین پاویل اور زیویر کوگاٹ جیسے نامی گرامی اداکاروں نے اپنی روح پرور اداکاری کے عمدہ جوہر دکھائے ہیں۔

قصہ کا تعلق سرزمین میکسیکو سے ہے جہاں متعدد ممالک کے سفارت خانے ہیں۔ ایک امریکی سفیر اور اس کی نوجوان لڑکی کے درمیان بے پناہ محبت ہے۔ لڑکی اپنے مکان کا انتظام بڑی مستعدی کے ساتھ کرتی ہے اور وہ اپنے والد کی جدائی کو گھڑی بھر کے لئے بھی برداشت نہیں کرتی۔ اس کے والد کی ایک کلب میں گانے والی حسین عورت سے اتفاقیہ ملاقات ہوتی ہے جو اس کی پرانی آشنا ہوتی ہے۔ اس ملاقات سے ان دونوں میں کچھ کشیدگی پیدا ہوتی ہے اور چند الجھنیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ وہ کس طرح سے سلجھائی جاتی ہیں انہیں نہایت ہی دلچسپ اور روح پرور پیرایہ میں پیش کیا گیا ہے۔

اکسلسیر — میں "شیطان کا ساتھی" ANGEL ON MY SHOULDER

ایک عجیب و غریب مزاحیہ ڈرامہ دوسرے ہفتہ کے لئے روک لیا گیا ہے جسے یونائیٹڈ آرٹسٹس نے پیش کیا ہے۔ یہ ایک بالکل انوکھی پیش کش ہے جس میں ایسی باتیں ہیں جو صرف انسانی تخیل ہی میں آ سکتی ہیں۔ دوزخ کے آگ کے مناظر اور اس میں بسنے والے بدروحوں کی زندگی اور ان پر حکومت کرنے والی روحوں کو منصۂ شہود پر لایا گیا ہے۔ پال منی، کلاڈ رینس اور این بیکسٹر اس عجیب محیر العقول کہانی کے خاص اداکار ہیں۔

اس میں شیطان اور اس کے [illegible] کی کارستانیاں بتائی گئی ہیں۔ وہ ایک بدمعاش کے ساتھ جسے ایک اس کے ساتھی بدمعاش نے قتل کیا تھا ساز باز کرتا ہے اور ایک ایماندار جج کو بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اپنے مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنے بدمعاش ساتھی کی روح کو جج کے جسم میں کس طرح داخل کراتا ہے اپنی بدی کے اثر سے وہ کس طرح جج سے بدلہ لینا چاہتا ہے اور اس کے اس جال کا تار پود اس جج کی سکریٹری جو اس کی محبوبہ بھی ہے کس طرح بکھیر دیتی ہے وہ نہایت ہی قابل دید ہے۔

ریگل — میں "سیزر اور کلیوپیٹرا" CAESAR AND CLEOPATRA

مشہور ناول نویس جارج برنارڈ شا کی مقبول ناول سے اخذ کردہ برطانوی اسٹوڈیوز کا تیار کردہ سو فیصدی رنگین شاہکار جسے گیبریل پاسکال نے ڈائرکٹ کیا ہے پبلک کے خاص اصرار پر دوبارہ پیش کیا گیا ہے۔ اس فلم کی تیاری پر روپیہ پانی کی طرح بہایا گیا ہے۔ ویوین لے نے اپنی اداکاری کے نہایت ہی عمدہ جوہر دکھائے ہیں کہ کس طرح ایک نوجوان شہزادی [illegible] سازشوں کے باعث بدنام ہو کر مصر کی ناگن کے نام سے مشہور ہوئی۔

کلاڈ رینس نے مشہور فاتح سیزر کا پارٹ ادا کیا ہے اور اپنی شجاعت اور عقلمندی کا جو بے بہا جوہر پیش کیا ہے وہ واقعی قابل دید ہے۔ فلورا رابنسن نے شہزادی کی خادمہ اور اسٹورٹ گرینجر نے شہزادی کے آرٹسٹ کی حیثیت سے نمایاں کام کئے ہیں۔

اسٹرینڈ — میں "میکسیکو کا آزاد" JUAREZ

وارنر برادرس کا زندہ شاہکار اپنی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے روک لیا گیا ہے جس میں میکسیکو کے نجات دہندہ [illegible] کی آزادی کی جدوجہد کے کارنامے بڑی وضاحت کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔ فرانس کے نپولین سوم کے میکسیکو میں شہنشاہیت کے قائم کرنے کے عزائم کو کس طرح ایک ریڈ انڈین خاک میں ملاتا ہے اور اس کی خطرناک چالوں کو کس طرح ملیامیٹ کرتا ہے وہ اس قصہ میں وضاحت کے ساتھ دکھائی گئی ہیں اور متحدہ امریکہ میں آزادی، برابری اور جمہوریت کی حقیقی تعلیم کا صحیح نقشہ ہمارے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

مشہور کیریکٹر ایکٹر پال منی نے وارینز کا کردار ادا کر کے اپنی بے مثل اداکاری کے بہترین جوہر دکھا کر خراج تحسین وصول کیا ہے۔ برائن اہرن اور بیٹ ڈیوس نے بھی نمایاں کام کئے ہیں۔ کلاڈ رینس، گیل سونڈر گارڈ، جان گارفیلڈ، جوزف کیلیا، ڈونالڈ کرسپ، ہیری ڈیوینپورٹ، گلبرٹ رولینڈ، ہنری او نیل، پیڈرو دی کارڈوبا اور [illegible] کے اداکارانہ کام بھی قابل دید ہیں۔

The Bombay Ministers with Justice CHAGLA attended a special show of JUAREZ at the STRAND THEATRE on Feb. the 5th. MR. M. H. A. FAZALBHOY received the distinguished guest.

REX HARRISON and IRENE DUNN in 20TH CENTURY Fox Pictures ANNA and the KING OF SIAM shortly to be screened in BOMBAY.

ROBERT MONTGOMERY and INGRID BERGMAN in RAGE IN HEAVEN next attraction at the METRO.

WALTER PIDGO , JANE POWELL, ILONA MASSEY and XAVIER CUGAT in M. G. M's technicolour Musical extravaganza HOLIDAY IN MEXICO which entered second week at the METRO.

EDITED, PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS, BOMBAY 3.

قیمت دو آنہ

نمبر ۷ ||| بمبئی یکشنبہ ۱۶ فروری ۱۹۴۷ عیسوی ||| جلد ۲۰

VOL. XX | BOMBAY, SUNDAY 16TH FEBRUARY 19[illegible] | NO. 7

مسٹر آصف علی کی امریکہ کو روانگی
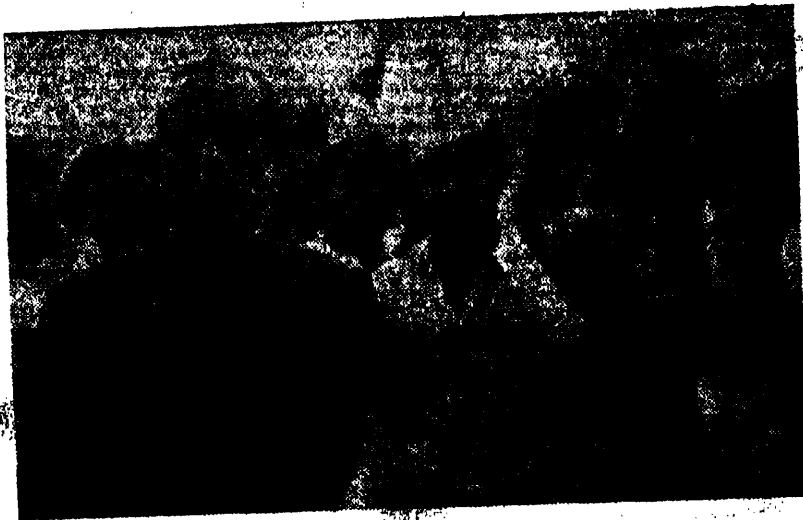
امریکہ کے پہلے ہندوستانی سفیر مسٹر آصف علی ہوائی جہاز سے امریکہ روانہ ہوئے۔ کراچی کے ہوائی مستقر پر آپ کو وداع کرنے کے لئے آپ کی بیگم صاحبہ اور سندھ کے کانگریسی احباب کی ایک کثیر تعداد موجود تھی

بمبئی قانون ساز اسمبلی کا ایک منظر

گذشتہ پیر کو بمبئی قانون ساز اسمبلی کا افتتاح ہوا۔ اس موقع کی تصویر

شادی شدہ ہوابازوں کے لئے شاندار کمرے
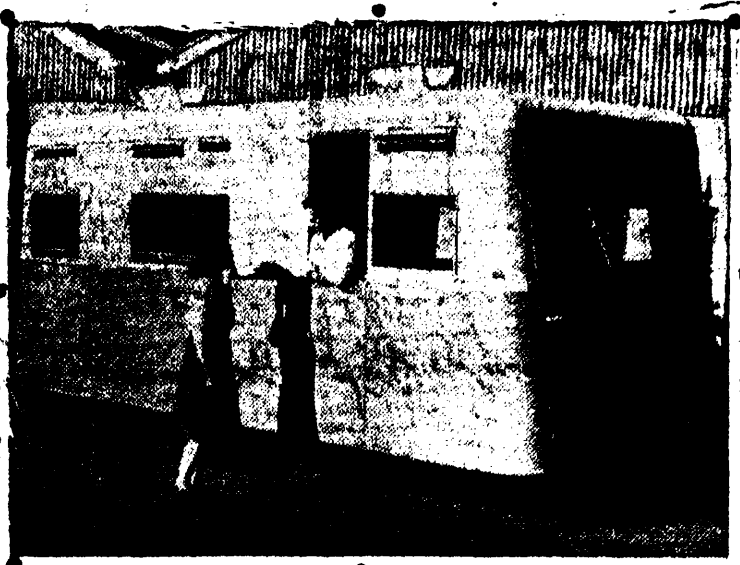
برطانیہ کا تازہ ترین ٹریلر کاروان

مجاہدِ ملّت

از حضرت ادیب مالیگاؤں
جامعہ ملیہ اسلامیہ
جامعہ نگر (دہلی)

دلوں کا جذبِ صادق یوں بھی اک دن رنگ لاتا ہے
سمندر تشنگی خود آکے پیاسوں کی بجھاتا ہے

اجالا ہو کے رہتا ہے تمناؤں کی محفل میں
ستاروں کی طرح ہر داغِ دل کا مسکراتا ہے

ٹپکتی ہے وفا اشکِ مسرت بن کے آنکھوں سے
دلِ مغموم تسکین و خوشی کے گیت گاتا ہے

نسیمِ وقت کے ہاتھوں سے کھلتی ہے گرہ دل کی
چمن کا غنچہ غنچہ گوہرِ شبنم لٹاتا ہے

نگاہوں میں اتر آتا ہے نقشہ بزمِ ایمن کا
حریمِ ناز سے یوں کوئی آئینہ دکھاتا ہے

چمک اٹھا ہے ہر گوشہ جوابِ کہکشاں بنکر
وطن کی سرزمیں اترا رہی ہے آسماں بنکر

جہادِ حریت میں وقف کردی زندگی تو نے
وطن کے راستے میں جان کی پروا نہ کی تو نے

کیا ہے خیر مقدم ہر بلا کا تو نے خوش ہو کر
اڑائی ہے ہر اک تکلیفِ زنداں کی ہنسی تو نے

بزرگانِ سلف کی جھلکیاں ہیں تیری سیرت میں
ہزاروں دلکشی پائی بنامِ سادگی تو نے

وراثت میں ملی ہے تجھ کو باطل سوز گویائی
بھلادی ساحرِ افرنگ کی افسوں گری تو نے

وطن کے اے مجاہد، ہند کے اے صف شکن غازی
سرِ میدان دکھائے جوہرِ مردانگی تو نے

عتابِ انگریز کا آنکھیں بچھاتا ہی رہا لیکن
نہ دی پائے طلب کو فرصتِ آسودگی تو نے

فرشتے مرحبا کہتے ہیں تیری استقامت پر
بریلی میں ادا کی سنتِ پیغمبری تو نے

فغاں میں ہیں تری بھڑکے ہوئے شعلے بغاوت کے
کیا بیدار ہر سینے میں احساسِ خودی تو نے

ہزاروں آبرو کے جان کے دشمن ہوئے لیکن
وطن کے دشمنوں سے کی نہ ہرگز دوستی تو نے

ہر اک دل کو بنا کر آشنائے سوزِ آزادی
غلامی کے اندھیرے میں جلائی روشنی تو نے

کئے اپنوں نے کیا کیا ظلم زعمِ اکثریت میں
جبیں پر آج تک لیکن شکن آنے نہ دی تو نے

سلیقہ پایا ہے تجھ کو غلامانِ محمد کا
مٹائے فقر کے بل پر غرورِ خسروی تو نے

محبت بھی سیاست بھی صداقت اور شجاعت بھی
بڑھائی مردِ مومن بن کے شانِ زندگی تو نے

مدینے کی فضا شاہد ہے تیرے نورِ باطن کی
دیارِ پاک میں بارہ برس تعلیم دی تو نے

ادیب انصاف ہے جن میں جو نیک و بد سمجھتے ہیں
حقیقت میں وہی شانِ حسین احمد سمجھتے ہیں

یہ نظم ادیب صاحب نے مولانا مدنی کی آمد پر جمعیۃ العلماء مالیگاؤں کے سالانہ جلسہ میں ۲۹؍جنوری ۱۹۴۷ء کو پڑھی۔

نرسنگ ہوم

پانچ ایک سال کے قیام میں مسٹر برج نندن آٹھویں بار نرسنگ ہوم میں داخل ہوئے تھے۔ یہ ان کی بدقسمتی تھی کہ بمبئی میں صرف چار ہی نرسنگ ہوم تھے اور وہ ان چاروں میں دو دو بار داخل ہو چکے تھے ورنہ ان کے بس میں ہوتا تو وہ ہر بار ایک نئے نرسنگ ہوم میں داخل ہوتے نرسنگ ہوم ہی نہیں وہ زندگی میں ہر بات میں تنوع چاہتے تھے یہاں تک کہ اگر وہ ذرا کم ہمت اور ڈرپوک نہ ہوتے تو ہر سال ایک نئی بیوی بیاہتے اور تب شاید انہیں نرسنگ ہوم جانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔

ڈاکٹر دلال نے مسٹر برج نندن کا معائنہ ختم کرتے ہوئے کہا: "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بنیادی طور پر آپ بالکل تندرست ہیں۔ صرف کام کی زیادتی کی وجہ سے آپ کی صحت گر رہی ہے آرام، مالش اور معدنی پانی کے استعمال سے آپ کی صحت ایک ہفتہ میں بحال ہو جائے گی۔"

مسٹر برج نندن نے کھانستے ہوئے جواب دیا "پچھلی مرتبہ بھی آپ نے یہی کہا تھا اور اس کے بعد میں چار مرتبہ مختلف نرسنگ ہوم میں جا چکا ہوں۔ پھر بھی ہر روز شام کو مجھے سارے جسم میں درد ہوتا ہے اور کبھی کبھی تو دل گردہ کا شک ہونے لگتا ہے۔"

"لیکن کیا آپ نے میرے مشورے پر عمل کیا۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ انسانی جسم صرف ایک حد تک دباؤ برداشت کر سکتا ہے۔ آپ کام کم کیجئے۔ مسٹر برج نندن اور آرام زیادہ"

"نرس" ڈاکٹر نے نرس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "انہیں کمرہ نمبر ۱۲ میں لے جاؤ اور دیکھو آپ کو پورے آرام کی ضرورت ہے آرام مالش اور معدنی پانی۔"

مسٹر برج نندن نرس کے کندھے پر ہاتھ رکھا کمرہ نمبر ۱۲ کی طرف ہو لئے۔

ڈاکٹر دلال کا نرسنگ ہوم صرف بمبئی کے امراء اور بڑے بڑے سیاسی لیڈروں کے لئے مخصوص تھا اس لئے نہیں کہ وہاں دوسروں کے لئے دروازے بند تھے۔ بلکہ اس لئے کہ عام لوگوں کے پاس سیم و زر کی اس قدر افراط نہ تھی کہ وہاں جا سکیں۔

اس نرسنگ ہوم میں کمرہ نمبر ۱۲ سب سے بہترین کمرہ تھا۔ یہاں ہر قسم کا آرام و آسائش مہیا تھی۔ دیواروں پر بہترین فن کاروں کے شاہکار آویزاں تھے۔ ریڈیو تھا، ٹیلی ویژن سکرین تھی جس پر نرسنگ ہوم کے اپنے پینٹنگ روم سے چھوٹی چھوٹی تمثیلیں نشر کی جاتی تھیں اور ماہرین طب نے ایسا انتظام کیا تھا کہ ایک بٹن دبانے پر مکین کے جسم میں ماورائے بنفشی لہریں سرایت کرنے لگیں۔ کمرہ نمبر ۱۲ میں بیٹھنے، اٹھنے اور لیٹنے کے لئے ہر شکل کی گدے دار کرسیاں، تخت اور کوچ موجود تھے۔ مریض جس طرح چاہے آرام دیے پر استراحت کر سکتا تھا۔ یہاں جسم کو بھی آرام ملتا تھا اور ذہن کو بھی مکمل آرام کے لئے اس سے بہتر جگہ شاید ہی کہیں مل سکے۔

مسٹر برج نندن نے کیمیاوی اجزا سے ملے ہوئے پانی سے غسل کیا، ڈھیلا پاجامہ اور کھلا کرتا پہنا اور ماورائے بنفشی کا برقی بٹن دبانے کے بعد ایک سات کونوں والی ڈھلوان کوچ پر دراز ہو گیا۔ یہ شعاعیں اسے بہت ہی پسند تھیں۔ یہ اس کے جسم میں ایک سنسنی سی پیدا کر دیتی تھیں ایسی ہی سنسنی جیسے کسی حسین دوشیزہ کے جسم کے لمس سے پیدا ہو۔ وہ سوچ رہا تھا کہ نسوانی لمس بھی انسان کے جسم کے لئے ایسا ہی ہے جیسے ریڈیم کے لئے یورانیم۔ مگر یہ بنفشی شعاعیں، نسوانی لمس کا بے نظیر بدل [illegible] معصوم کر بڑے بڑے نیتا گاندھی مہاتما بھی انہیں بلا تکلف استعمال کر سکتے ہیں [illegible] لیڈر مہاتماؤں سے خیال فوراً گاندھی کی طرف منتقل ہو گیا

گاندھی جی کا خیال آتے ہی وہ سوچنے لگا کہ وہ بھی تو گاندھی جی سے کسی طرح کم نہیں۔ صحت گرنے پر گاندھی جی بھی جسم کی مالش کرواتے ہیں۔ معدنی پانی پیتے ہیں اور مکمل آرام کرتے ہیں اور اس کے لئے بھی ڈاکٹر دلال نے یہی علاج تجویز کیا ہے۔ اسے نرسیں مالش کریں گی معدنی پانی پلائیں گی اور آرام کے لئے ڈاکٹر دلال کا نرسنگ ہوم بہترین جگہ ہے اگر گاندھی جی "جوہو" یا کسی اور سمندر کنارے جگہ چلے جاتے ہیں تو ڈاکٹر دلال کا نرسنگ ہوم بھی کنارِ دریا پر واقع ہے۔ آئندہ وہ ڈاکٹر دلال کے نرسنگ ہوم میں ہی آیا کرے گا۔ وہ بھی گاندھی جی کی طرح بڑا آدمی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ گاندھی جی ایک بوڑھے سیاستدان ہیں اور وہ ایک فن کار۔

گاندھی جی ستیہ گرہ آشرم کی یاد تازہ کرتی ہے تو اس نے لوگوں کو پریزیڈنٹ کی یاد دلا دی ہے پیرس میں ہونے والی بین الاقوامی فنی نمائش اسے دنیا کا بہترین مصور ثابت کر دے گی۔

نرسنگ ہوم میں داخل ہونے سے پہلے اس نے اپنا بہترین شاہکار پیرس کی فنی نمائش میں بھیج دیا تھا۔ یہ یاد آتے ہی اسے انتہائی مسرت ہوئی اور وہ زیر لب گنگنانے لگا۔

ٹیلی ویژن سکرین نے اس کی توجہ اپنی طرف منعطف کر لی۔ سکرین پر ایک چھوٹی سی تمثیل کھیلی جا رہی تھی۔ تمثیل نگار نے ازدواجی زندگی کا ایک پہلو پیش کیا تھا۔ میاں بیوی دونوں خوبصورت تھے اور خوب سیرت بھی لیکن دونوں میں ناچاقی رہتی تھی۔ میاں کو ہر وقت شک رہتا تھا کہ ہر آدمی اس کی بیوی پر عاشق ہے اور بیوی کو یہ شکایت تھی کہ ہر عورت اس کے میاں کی بیوی بننا چاہتی ہے۔ نوبت طلاق تک پہنچی اور طلاق کے بعد بیوی نے ایک مصنف سے شادی کر لی۔

ایسا ظاہر ہوتا تھا کہ تمثیل نگار ابھی تک کنوارے ہیں اور اپنی خوابوں کی دنیا آباد کرنا چاہتے ہیں۔

"گدھے کہیں کے" مسٹر برج نندن نے زیر لب کہا اور وہ اپنی آٹھ سالہ ازدواجی زندگی پر ایک طائرانہ نظر دوڑانے لگا۔ اگر کہیں اسے ایسی پری چہرہ بیوی ملی ہوتی تو وہ اسے اپنے دل میں چھپا کر رکھتا۔ اسے کبھی شکایت کا موقع ہی نہ دیتا وہ اپنی ہر نئی تصویر میں اسے کسی نئے پہلو اور نئے انداز میں پیش کرتا اور وہ تصویریں دنیا کی بہترین تصویریں تصور کی جاتیں لیکن ایسا ہونا تھا نہ ہوا۔ اس کی بیوی تو بدصورتی کا مرقع تھی۔ موٹی، بدصورت، سفید بھینس۔ اگر وہ ایک امیر باپ کی بیٹی نہ ہوتی تو وہ کبھی اس سے شادی نہ کرتا۔ بدصورت اور یہ ناز۔ کپ شب عروسی کو ہی پہلی ملاقات کے بعد کہنے لگی تھیں "اوہ! ڈیئر آئی ایم سو سوری" لیکن اس کا اپنا موڈ تو اسی وقت ہی ختم ہو گیا تھا جب اس نے اس حسینہ کی صورت دیکھی تھی اور اسی بگڑے ہوئے موڈ میں اس نے آٹھ سال گزار دیے تھے بلکہ اب تین بچوں کا باپ بھی بن چکا تھا "اوہ گاڈ!" اس نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

وہ اپنے جسم میں پھر درد سا محسوس کرنے لگا تھا وہ اٹھا اور اٹھ کر اس نے ماورائے بنفشی شعاعوں کا برقی بٹن دبا دیا۔

اب وہ ایک بچہ کی طرح [illegible] آنکھیں اوپر کیا [illegible] آرام کر رہا تھا اور سر [illegible] کی طرف تھا اور [illegible] کی طرف خیالات کا تانتا بندھا ہوا تھا۔

اس کے سامنے کئی اور تصویریں ابھرنے لگیں ریحانہ کی، منورما کی، مینا کی، اروشی کی اور نغمہ کی یہ سب اس کی ماڈلوں کی تصویریں تھیں وہ نے ان سب سے عشق کیا تھا لیکن سب نے اسے ٹھکرا دیا تھا اور تب وہ چھوٹی سی مصیبت بیگم کی آ پہنچی تھا اس کی بیوی اور اس کی شہرت ہر جگہ اس کے ساتھ تھی مگر کتنا تضاد تھا دونوں میں۔ دولت اور حسن، سیم اور خوشحالی وہ اس تضاد کو کبھی نہ مٹا سکا۔

بمبئی آنے پر اس کی ملاقات راجہ رام سے ہو گئی تھی اور راجہ رام نے اسے عشق کا نیا سبق پڑھایا تھا اس نے کہا تھا "سنو بھائی برج۔ یہ بمبئی ہے بمبئی۔ یہاں عشق بھی دوسری قسم کا ہوتا ہے اس عشق کا نام ہے سنہرے اور روپہلی سکوں کا عشق۔ یہاں بڑے بڑے ادیب موٹی توند والے سیٹھوں سے عشق کرتے ہیں تاکہ ان کی فلم کمپنیوں میں انہیں سیٹھ کی دکان [illegible] اجرت پر جگہ مل جا سکے۔ [illegible] کے ذہن بھی تو ندبن کے رہ جاتے ہیں یہاں کارل مارکس کے بعض نام لیوا شاعروں سے عشق کرتے ہیں تاکہ ان کے مجموعہ کے ٹکٹ بک جائیں اور یہ مغنیاں سیاسی لیڈروں سے عشق کرتی ہیں تاکہ ان کے ساتھ ان کی تصویر اتر جائے۔ یہاں فن کار امراء کی لڑکیوں سے عشق کرتا ہیں تاکہ ان کی پرورش ہوتی رہے۔"

مگر راجہ رام نے اپنی مثال پیش کی تھی وہ ایک [illegible] وقت میں تین دولت مند لڑکیوں سے عشق کرتا تھا انہیں نئی نئی کہانیوں کے پلاٹ سناتا تھا۔ انہیں نئی نئی کتابوں کے نام بتاتا تھا۔ انہیں اخبار کی سب خبریں سناتا تھا

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

سرحد بلقان یا شرارہ جنگ

اگر آج دنیا دو حصوں میں تقسیم نہ ہو گئی ہوتی تو ممالک کی جغرافیائی اور ملکی حد بندی علیحدگی سے ہو جاتی مگر اب جو ایک طرف سوویٹ روس اور دوسری طرف مغربی اقوام کے دو اکھاڑے قائم ہو گئے ہیں تو اس سے قوموں کے جذبات ہیجان میں ہیں خصوصاً بلقان کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں اب بساط سیاست پر ایسے مہرے ہیں جنہیں دوسرے اپنے مطلب کے لئے چلا اور لڑا رہے ہیں۔

فتنۂ بلقان

یونان اس وقت چھ بندیوں کے نرغے میں ہے مغربی مقدونیہ پر سلونیکا کے شمال سے جو یوگوسلافیہ کی سرحد تک باغیوں کا قبضہ ہے حال میں یونان کا ایک وفد یہ ثبوت لے کر نیو یارک پہنچا ہے کہ یوگوسلافیہ ان باغیوں کو پوری امداد دے رہا ہے اور مجلس میں یہ امر یونان کی طرف سے پیش کیا جا رہا ہے کہ اس کی تحقیقات کی جائے دوسری طرف مارشل ٹیٹو یونانی فوجوں پر الزام رکھتا ہے۔

البانیہ بھی جیسے یوگوسلافیہ اور بلغاریہ کی طرح پوری پوری روسی مدد حاصل ہے یہ الزام لگاتا ہے کہ یونانی باقاعدہ فوجیں ایپائرس پہ حملے کر رہی ہیں ادھر تھریس میں کمیونسٹ ندور دیکھ کر ترکی کو یہ دھڑکا ہے کہ کہیں دردانیال کی طرف حملہ نہ ہو جائے۔

دنیا کی حالت دیکھتے ہوئے اسے عالمگیر فتنہ کا پیش خیمہ سمجھنا چاہئے دوران جنگ میں اسی مارشل ٹیٹو کے اقتدار کو جو اتحادیوں نے تسلیم کیا اسے یوگوسلاویہ بالکل روسی اثر میں آ گیا پھر روسی فوجوں نے جو بلغاریہ اور رومانیہ کو آزاد کرایا اس سے یہ دونوں ملک روسی ہوا خواہ ہو گئے پھر البانیہ کا ساتھ دینا لازمات سے تھا۔

برطانیہ کا رویّہ

یونان البتہ انگریزوں کے ساتھ رہا۔ اور گو اب تک حکومت یونان کی طرف سے اطمینان نہیں پھر بھی کمیونسٹوں کے گود میں جا پڑنے کی یہی صورت غنیمت ہے کیونکہ اس صورت میں تو یونان بالکل روسی ہو کر بلقانی بلاک میں مل جاتا ادھر روس نے ترکی سے معاہدہ دوستی ختم کر کے اور دردانیال کا مطالبہ کر کے ترکوں کو مغربی دول کی طرف مائل کیا۔ سلافی کمیونسٹ حلقے چونکہ خشکی میں محصور اور سمندروں سے دور ہیں اس لئے مختلف مقامات سے سمندروں تک پہنچنا چاہتے ہیں اس میں شک نہیں کہ ساحل ڈلمیشیا کی طرف یہ بحر ایڈریاٹک تک پہنچ گئے ہیں مگر اس ساحل پر کوئی بڑا بندرگاہ نہیں ہے یہ ٹریسٹ پر قبضہ کی تاک لگائے ہوئے ہیں تاکہ آسٹریا زیکوسلواکیا اور ہنگری پر اقتصادی غلبہ پا سکیں اسے یونان سے اس تنگ راستہ کی لگن ہے جو سلونیکا اور سرحد ترکی کے درمیان ہے اور جس کے باعث کوہ رہوڈوپ کے بلغاری کسان بحر ایجین تک پہنچ سکتے ہیں۔

یونان پر اعصابی حملے

اسی لئے اس کے کمیونسٹ پڑوسی یونان پر حملے کرتے رہتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ روس کے ایما سے بلغراد صوفیہ اور تیرانا کے یہ دھاوے دو مقاصد کے لئے ہیں ایک مقصد صاف یہ ہے کہ شاہی یونان کو کمزور بنا دیں اور شاہ لڑا اس کی حکومت کو ہٹا کر اپنے موافق حکومت قائم کر دیں دوسرا مقصد یہ ہے کہ یونان کو مجبور کر کے اپنے لئے بحر ایجین تک راستہ پیدا کریں۔ یعنی یوگوسلافیہ اور اس کے مضافات کو دبا لے اور بلغاریہ بنادر کوالا اور ڈیڈی آغاچ پر قابض ہو (ڈیڈی آغاچ کا یونانی نام الکزینڈروپولس ہے) رہا تو اسے یہ فکر ہے کہ یونان ایپائرس پر مستقل قبضہ جما سکے اس علاقہ کو یونان کی فوجوں نے اٹلی سے حاصل کیا تھا۔

خود یونان کی اندرونی فضا ان بلقانی ریاستوں کے موافق ہے یونان کے پاس صرف تین ڈیوژن فوج ہے اور وہ مقدونیہ اور تھسلی کے باغیوں سے مقابلہ نہیں کر سکتی پہاڑی علاقہ میں باقاعدہ فوجوں کو بہت ہی دشواریاں ہیں اور خفیہ حملہ آوروں کا پتہ لگانا ان کے بس سے باہر ہے۔

خود یونان کا خیال ہے کہ بلغاریہ جو یوگوسلافیہ اور البانیہ کی سرحد پر خصوصیت کے ساتھ موقع دیکھ کر یہ چھاپہ مار فوجیں قائم کی گئیں ہیں پھر یونانی حکومت محض بیرونی امداد پر قائم ہے اس لئے کمزور ہے مگر ٹیٹو کی حکومت اپنی اندرونی قوت سے مضبوط ہے اور روسی طریقہ کار سے کام لے کر اس نے جو فیڈریشن قائم کیا ہے اس نے اس کی طاقت کو اور مضبوط کر دیا ہے رہا ساحل تک پہنچنے کا سوال تو یونان کا بیان ہے کہ یوگوسلافیہ کو سلونیکا پہنچنے کی آزادی ہے اور بحر ایجین تک رسائی کے لئے دیدی ہے آغاچ اور کوالا سے درآمد و برآمد کی اجازت بھی رہے گی۔

غرضیکہ مشرقی یورپ کا وہ گوشہ جہاں مشرق و مغرب کا انصال ہوتا ہے اور دو مختلف تہذیبیں ملتی ہیں یورپ کے لئے ایک خطرے کا مقام بن رہا ہے اور اب یہ دیکھنا ہے کہ ان بلقانی ریاستوں کو کس طرح پر مطمئن کیا جاتا ہے۔

نیشنل کیڈٹ کور کی ذیلی کمیٹی

نئی دہلی - ۳۱ر جنوری نیشنل کیڈٹ کور آرگنائزیشن کمیٹی کی ایک ذیلی کمیٹی کے چار ارکان برطانیہ کا دورہ کرنے کے لئے ۱۱ر فروری کو روانہ ہوں گے یہ ارکان حسب ذیل ہیں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کے پروفیسر ایم حیدر - ایم بی ای ہندوستانی فوج کے لفٹننٹ کرنل الطاف قادر ایم بی ای - فرگوسن کالج پونہ کے ڈاکٹر جی ایس مہاجنی اور کمیٹی کے سکریٹری لفٹننٹ کرنل ایل پی سین - ڈی ایس او۔

یہ ذیلی کمیٹی برطانیہ میں قیام کے دوران میں بری فوج - بحری فوج اور ہوائی فوج کے کیڈٹ کوروں - نوجوانوں کے اداروں - لڑکوں کے کلب اور بوائے اسکاوٹ اور گرل گائیڈ کے اداروں کے طریقہائے کار کا مطالعہ کرے گی۔

کمیٹی جن امور کی پوری واقفیت حاصل کرنی چاہتی ہے وہ یہ ہیں - کیڈٹ کوروں کے مصارف کہاں سے آتے ہیں - گذشتہ جنگ سے پہلے یونیورسٹی کے کتنے فیصدی گریجویٹوں کو کمیشن دیا جاتا تھا - کیڈٹ کی ٹریننگ کے لئے اسکول کیونکر منتخب کئے جاتے ہیں - کیڈٹ یونٹوں کے لئے افسروں کو کیونکر حاصل کیا جاتا ہے اور انہیں کیونکر تربیت دی جاتی ہے کیا یونیورسٹیوں افسروں کے ٹریننگ کور ہیں اور وہ اس کا کیا طریقہ اختیار کرتی ہیں۔

اس کمیٹی کے چیرمین پنڈت ایچ این کنزرو ہیں اور یہ ۱۹۴۷ء میں نیشنل کیڈٹ کور جب قائم ہو گی تو دو ڈویژن پر مشتمل ہو گی - جن میں سے ایک سینیر ڈویژن یونیورسٹیوں اور کالجوں میں ہو گی اور دوسری جونیر ڈویژن اسکولوں میں ہو گی - لڑکیوں کے لئے بھی ایسی ہی ڈویژنیں ہوں گی۔

کور کا مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے نوجوانوں میں دوستی - قیادت - کردار اور رفاقت کی صلاحیتیں ابھاری جائیں اور انہیں ملک کے دفاع کی طرف راغب کیا جائے۔

تارے جیسی آنکھیں

ریکس ہیریسن و لانا ٹرنر کی تعریف

امریکہ کے ممتاز مصور مسٹر جان دا گیل نے ریکس ہیریسن اور لانا ٹرنر کے متعلق یہ بیان دیا ہے کہ ان کی آنکھیں اسقدر پرکشش ہیں۔ کہ فلمستان میں کسی کی نہیں ہیں۔

آپ نے اخبار نویسوں سے کہا کہ وہ حقیقتاً مست نظر آتے ہیں مس ٹرنر کے متعلق تو آپ اس بارے میں یقین کریں گے۔ مگر مسٹر ہیریسن کے متعلق جب تک آپ ان کی آنکھیں نہ دیکھیں گے شاید ہی یقین کریں۔

فارایور امبر کی اسٹار لینڈا ڈارنیل کی آنکھیں ہالیوڈ میں سب سے بڑھ کر حسنی ہیں۔ اور اولیو ما ڈی ہویلینڈ کی سب سے زیادہ شوخ۔

داگیل نے جینے ٹیرنی کی آنکھوں کو جنگل کی آنکھیں جون فانٹین کی آنکھوں کو استوار آمیز بتلایا - آپ نے گریر گارسن کی آنکھوں کو پوری طرح کی سمجھدار انگرڈ برگمین کی بے ریا اور مارگریٹ چیپمین کی آنکھوں کو عشوہ گر بتلایا۔

پبلک لائبریری نیویارک

ممالک متحدہ امریکہ میں ساڑھے چھ ہزار کتب خانے ہیں جن میں سے پبلک لائبریری نیویارک نے بھی کتاب خانہ سب سے بڑا ہے اس کی شاندار عمارت ففتھ ایونیو اور ۴۲ اسٹریٹ میں واقع ہے۔ یہ مقام شہر نیویارک کے وسطی حلقہ مڈٹاؤن میں ہیٹن میں واقع ہے۔

۱۸۹۵ء میں تین بڑے پرائیوٹ کتب خانوں کو ملا کر یہ پبلک لائبریری بنائی گئی تھی۔ شہر بھر میں اس کی اکسٹھ شاخیں ہیں۔ جو اس شہری علاقہ کے تین مرکزی حلقوں میں نمایاں جگہ پر ہیں اس لائبریری میں کل ملا کر ۱۷۰۰ اسو ملازم ہیں اور رفاہ عام کے لئے پبلک ٹکس سے اس کے اخراجات مہیا کئے جاتے ہیں۔

اس کتب خانہ میں ۴۷ لاکھ کتابیں ہیں۔ جنہیں اگر قطار میں رکھا جائے تو ۸۰ میل لانبی قطار ہوگی۔ یہاں ۳۲ لاکھ رسالے اور میگزین اس شعبہ میں ہیں جو حوالہ اور یادداشت (ریفرنس) کے لئے ہے ۱۵ لاکھ کتابیں اس شعبہ میں ہیں جو کتب خانہ کے باہر کتابیں اجرا کرتا ہے سالانہ پچاس لاکھ کتابیں ریفرنس ڈپارٹمنٹ میں لوگ آ آکر مقابلہ کرتے اور یادداشت مرتب کرتے ہیں اور ایک کروڑ دس لاکھ کتابیں سالانہ لوگ گھروں پر لے جاتے ہیں اس کتب خانے میں بہت نایاب کتابیں ہیں گٹن برگ کی انجیل ہے قدیم ترین اناجیل میں دعا کی وہ کتاب ہے جو سب سے پہلے امریکہ میں چھاپی گئی وہ خط بھی چھپا ہوا موجود ہے جو کولمبس نے امریکہ کا راستہ معلوم کرنے کے بعد لکھا تھا۔ نویں صدی سے سولھویں صدی تک کے مصور قلمی نسخے ہیں، تصویروں کے اور دستاویزوں کے مجموعے اور خاص تعداد کتابیں بہت سی ہیں۔ مرکزی عمارت میں ۴۰ - ۵۰ لاکھ آدمی سالانہ جاتے ہیں مگر یہ کوئی نمائش کی جگہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے کمرے مطالعہ اور تحقیقات کے لئے ہیں اور کل تاریخ کے مطالعہ کے لئے الگ کمرے ہیں اسی طرح تخلیقی عمل ان فنون معماری بافت۔ نقشہ کشی قلمی نسخوں۔ موسیقی یہودی ادب سلاونک ادب مشرقی ادب اقتصادیات۔ معاشرت۔ سائنس اور مصطلحات جرائد اور رسائل۔ اسٹیج اور تھیٹر کے الگ الگ کمرے ہیں کمرہ فہرست اور کمرہ مطالعہ میں روزانہ دس ہزار آدمی آتے ہیں ۶۰ لاکھ کتابوں کی فہرست کے لئے الگ الگ کارڈ ہیں جن سے حوالہ جات کا پورا پورا پتہ چل جاتا ہے۔ لائبریرین کا یہ فرض ہے کہ وہ آدمیوں اور کتابوں پر نگاہ رکھے اور فہرست سے کتابوں اور حوالہ جات کے نکالنے میں مدد دے اور لوگوں کو یہ بتائے کہ کس سکشن سے پڑھنے والے کا کام نکلے گا۔ فہرست والے کمرے میں ایک حصول اطلاع کی میز ہے۔ لڑکوں کی تفریح طبع کے لئے علیحدہ انتظام ہے۔ تمام دن لائبریرین اور اس کے ماتحت لوگوں کو واقفیت بہم پہونچاتے رہتے ہیں۔ عموماً مستفسرین فون اور ڈاک سے سوالات کرتے ہیں جن کے باقاعدگی سے جوابات دیئے جاتے ہیں۔ کمرہ مطالعہ ایک چوتھائی ایکڑ وسیع ہے اور آٹھ سو نشستیں ہیں۔ دیوار دل پر حوالہ جات کے لئے ۲۵ ہزار کتابیں باقاعدہ رہتی ہیں جنہیں بلا کسی دستخط لوگ لیتے ہیں۔ سب سے زیادہ ہجوم شعبہ سائنس میں ہوتا ہے اس میں زیادہ تر کاروباری لوگ جاتے ہیں یہاں اصولی اور عملی سائنس کی کتابیں ملتی ہیں اور سائنس اور انجینئری کے رسالوں کے فائل رکھے جاتے ہیں۔ ریلوے اور بجلی اور دیگر قسم کی سائنس کی کتابیں اور رسالے ہیں اقتصادی شعبہ میں جنگ کے بعد تیس فی صدی ترقی ہے اور سابق فوجی ملازموں کو یہ فکر ہے کہ بجائے دفاتر کی ملازمت کے خود اپنا کاروبار کریں۔

موسمی رسالوں کے شعبہ میں دس ہزار رسالے جمع ہیں اور کاروباری آدمی زیادہ تر ان کا مطالعہ کرتے ہیں تاکہ صنعتی ترقیوں سے باخبر رہیں۔ موسیقی کے شعبہ میں ۱۵ ہزار راگ راگنی کی مطبوعات ہیں۔ اس کے گشتی حصہ میں جو شہر کے وسطی حصہ میں ہے بہت سے گرامو فون ریکارڈ ہیں جو ایسے امکانات میں بجائے جاتے ہیں۔ جن سے آواز باہر نہیں نکلتی

تفریح اطفال

اس شعبہ میں عمر کی قید نہیں ایسے ننھے بچے بھی کرسیوں پر بیٹھے چھوٹی چھوٹی میزوں پر رکھی ہوئی تصویروں کا معائنہ کرتے ہیں۔ اسکولی طلبا امداد کے لئے یہاں سے کتابیں لے جاتے ہیں بیشتر جریدے جاتے ہیں اور معلمین اور نفسیات اطفال کے ماہرین یہاں تحقیقاتیں کرتے

اندھوں کے لئے

اندھے بھی مایوس نہیں جانے پاتے ان کے لئے یہ شعبہ الگ ہے جس میں بریل حروف میں ۴۲ ہزار مطبوعات ہیں ان کے علاوہ ۱۲ ہزار بولنے والی کتابیں اور ۱۸ ہزار موسیقی کے ریکرڈ رہیں اور ان کے علاوہ انگریزی فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں بریل حروف میں رسالے ہیں یہ مفت پڑھنے کے لئے جاری کئے جاتے ہیں

اور اس کے علاوہ فہرست بھی کتابوں کی چھپتی ہے جو امریکہ اور انگلستان میں شائع ہوتا ہیں۔

نیویارک کے اجنبی باشندوں کے لئے الگ کتابوں کے انبار ہیں اور سالانہ پانچ لاکھ سے زیادہ غیر ملکی زبانوں کی کتابیں لوگوں میں دیکھنے میں آتی ہیں وہ کتابیں دست بدست دیکھنے کو بانٹی جاتی ہیں اس لائبریری میں طباعت کی دکان بھی اور جلد سازی کا بھی انتظام ہے جہاں ہزاروں کتابیں سالانہ از سر نو درست اور مجلد ہوتی ہیں۔ ایک فوٹو لینے کا بھی اڈہ ہے جہاں خاص خاص اجزا کا فوٹو ۲۰ منٹ فی اوسط صفحہ لیا جاتا ہے۔ حال میں اس کا بھی انتظام کیا گیا ہے کہ جو کتابیں کہنگی کی وجہ سے خراب خستہ ہوتی نظر آتی ہیں۔ ان کا مائکرو فلم دفوٹو لیا جائے

(اقتباس)

مسلح فوجوں کو ملکی بنانے کی کمیٹی عارضی رپورٹ پیش کریگی

مسلح فوجوں کو ملکی بنانے کی کمیٹی حال ہی میں اس مقصد کے لیے قائم کی گئی تھی کہ کم سے کم عرصہ میں ہندوستانی فوجوں کو ملکی بنانے کے طور طریقوں کا تعین کیا جائے نیز معقول قابلیت کا مناسب لحاظ کرتے ہوئے جائزہ لے۔ چونکہ اس کمیٹی کی اصل رپورٹ آئندہ مئی تک تیار نہ ہو سکیگی اس لئے بعض امور کے متعلق اس نے عارضی سفارشیں پیش کر دی ہیں جن پر حکومت ہند کو فوری غور کرنے کی ضرورت ہے ایسے ہی امور پر مزید عارضی رپورٹیں بھی پیش کی جائیں گی۔

اب تک کمیٹی کے چھ اجلاس ہو چکے ہیں اور اس نے وائسرائے ایڈمیرل سر جیا فرے ماڈر فلیگ آفیسر کمانڈنگ، رائل انڈین نیوی، ایر وائس مارشل۔ ہیری کین، ایر آفیسر انچارج ایڈمنسٹریشن، ایر ہیڈ کوارٹرز ہندوستان، لفٹنٹ جنرل ای۔ ڈی ٹکوار شا ماسٹر جنرل ہندوستان نیز کئی دیگر سینیا اسٹاف افسروں کی شہادت لی ہے۔ آئندہ اجلاس ۱۱ فروری ۱۹۴۶ء کو ہونا قرار پایا ہے۔

فوج کے تینوں شعبوں کے متعدد ہندوستانی افسروں کی شہادت عنقریب لی جائیگی غالباً مہینے کے آخر میں کمیٹی ہندوستانی فوج اور شاہی ہندوستانی ہوائیہ کے بعض دستوں کا معائنہ کرنے کے لئے کوہاٹ جائیگی

یورپ کے چور بازار

یورپ میں اس وقت باضابطہ چور بازار کا زور ہے۔ سلفصت درجن ممالک میں چور بازاری کے [illegible] سوداگر اپنی زندگی و قلبی سرزمین پیر لوٹ مچانے میں مصروف نے جا رہے ہیں۔

خصوصاً بلقان۔ پولینڈ اور اٹلی میں تو دنیا راستہ صاف رکھنے کے لیے مخالف چور سوداگر قتل کئے جاتے ہیں۔ اس رقیبانہ جنگ کے لیے ان کے پاس کافی سامان حرب بھی ہے کسٹم اور سرحدی چوکیوں کے اعلیٰ حکام بھی ان کے تنخواہ دار ہیں بہت سے سیاسی مدبرین ان کے تنخواہ دار ہیں کتنے اقتصادی سپاہی آئے تحفص کس طرح روپیہ کما رہے ہیں کہ سرحد سے پار جو مال جاتا ہے اسے نظر انداز کرتے

صحت کا نیا عالمی ادارہ

اقوام متحدہ کی اقتصادی و معاشرتی کونسل کے تحت صحت کے عالمی ادارہ کے قیام کی تجویز تھی۔ آج حکومت ہند کے سیکریٹری محکمہ صحت نے متعلقہ کاغذات مرکزی اسمبلی میں پیش کر دیئے ہیں۔

گزشتہ سال نیویارک میں اقوام متحدہ کی اقتصادی و معاشرتی کونسل نے ایک بین الاقوامی صحت کانفرنس منعقد کی تھی یہ کانفرنس ۱۹ جون سے لے کر ۲۲ جولائی تک جاری رہی اور اس میں ماہرین کی ایک جماعت کی تجاویز کی بنا پر جو محض اسی مقصد کے لئے قائم کی گئی تھی اس ادارہ کے لئے دستور العمل تیار کیا گیا۔ برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کی طرف سے ہندوستان کے وفد نے ادارہ کے دستور العمل اور صحت عامہ کے بین الاقوامی دفتر سے متعلق شرائط معاہدہ کی دستاویز پر دستخط کئے لیکن وفد کا معاہدہ حکومت ہند کی توثیق پر مشروط تھا۔

جنگ سے پہلے صحت کے دو بین الاقوامی ادارے تھے ایک تو صحت عامہ کا بین الاقوامی دفتر اور دوسرا مجلس اقوام کا شعبہ صحت، نیا ادارہ ان دونوں اداروں کے کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیگا۔

دستور العمل کے مطابق صحت کی ایک مجلس صحت، جماعت عاملہ اور ایک دفتر قائم کیا جائے گا۔ اس مجلس میں ان ملکوں کے نمائندے بطور وفد کے شامل ہوں گے جو اس کے رکن ہوں گے اور اس کے سالانہ اجلاس ہوا کریں گے۔

دستور العمل اور دستاویز شرائط معاہدہ کی توثیق کے سوال کا جواب فیصلہ ہوگا اگر مرکزی اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ میں اس کے متعلق ریزولیوشن پیش ہوگا۔

صحیح نام مصر ہے

الاہرام میں مصر کے مشہور مقالہ نویس نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ملک کو بجائے اجپٹ کے مصر پکارا جائے۔

جبکہ آئرلینڈ نے پرانا نام آئر اختیار کر لیا۔ پرشیا ایران کہلانے لگا سو پوٹامیہ عراق ہو گیا تھا جبکہ یونانی نام ترک کر کے عربی نام مصر اختیار کرنا چاہیے

یورپ کے آئینہ میں

ہندوستان اگر اپنی حالت پر غور کرے تو یہاں کی صورت حال بھی مختلف نظر آئے گی۔ غریب حکومت لیگی ہو یا کانگریسی جب اس کے عمال اور رعایا دونوں اس پر تل جائیں کہ بے ایمانی سے روپیہ کمایا جائے اور نگراں خود اس میں حصہ بٹانے کی فکر میں لگیں تو غریب وزارتیں کیوں مورد الزام بنائے جائیں "اس حمام میں سبھی ننگے" ایک مثل مشہور ہے ہندوستان کے حکمران بھی مجبور سے ہو رہے جب آوے کا آوا بگڑا ہو تو اصلاح نہیں آسان،

سیاہ سونا اور دیارِ ایران

ایک طرف تو ایشیائی ممالک اپنی اپنی آزادی کی فکر میں ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں اور دوسری طرف روس برطانیہ اور امریکہ کی ریشہ دوانیاں جاری ہیں چنانچہ نجد اور حجاز سے مملکت ایران آج کل اسی کشمکش میں مبتلا ہے اس داستان کو ولیم پرکس کی زبان سے سنئے جو انہوں نے رسالہ کرسچین سائنس مونیٹر میں لکھا ہے۔

ایران کے جنوب مغربی گوشے پر جہاں میسوپوٹامیہ کے ریگستان کا سلسلہ دامن کوہ ایران سے آکر مل جاتا ہے اس وقت مشرق وسطیٰ کا اعصابی مرکز قائم ہو رہا ہے اسی ریگستان سے ہوکر اسو میل لانبی مٹی کے تیل کی پائپ لائن گذرتی ہے۔ جس سے ایک ارب چالیس لاکھ ٹن تیل اندرون سے ہوکر جاتا ہے۔ آبادان وہ مقام ہے جو مٹی کے تیل صاف کرنے کا سب سے بڑا کارخانہ ہے اور یہیں سے یہ تیل صاف ہوکر خلیج فارس سے دنیا میں پھیلتا ہے۔

یہیں سے اینگلو ایرانین آئل کمپنی حکومت ایران سے معاہدے اور اقرار ناموں کے ذریعے منفعت حاصل کرتی ہے مشرق وسطیٰ میں یہ سب سے بڑی تیل کی کمپنی ہے حکومت ایران کو بھی اس کے حصوں سے معقول آمدنی ہے اور برطانیہ کا بھی سب سے بڑا متروکہ ہے جس پر غیر ملکی تبادلہ قائم ہے ریگستان ایران میں یہ تیل کی کمپنی یورپین اور مشرقی جمہوری تجارت کے اتصال کی جگہ ہے اس وقت اس پر کمیونسٹ زور لگا رہے ہیں اس علاقہ خوزستان جو تیل کا ذخیرہ ہے اس سے تنہا برطانیہ ہی کو تعلق نہیں ہے بلکہ بروازِ طیارہ کی رفتار کے حساب سے چند گھنٹوں کے فاصلہ پر بحرین اور سعودی عرب میں امریکن کارخانہ ہے اس وقت برطانوی استحکامات خلیج فارس کے پہاڑ میں کام کر رہا ہے اور چونکہ ان مشرقی تیل کے چشموں میں بیالیس فی صدی حصہ امریکہ کا ہے اس لئے اسے بھی خواہ مخواہ دلچسپی اور تردد ہے۔

انگریزوں کو نکالنے کی سازش

پارسال اہواز میں جو کچھ ہوا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ برطانیہ کو نکال باہر کرنے کی گہری سازش ہو رہی ہے اور یہ بھی پوشیدہ نہیں کہ انگریزوں کے نکلنے کے بعد کون ان کی جگہ لے گا۔

روسیوں کو گرم سمندروں تک پہنچنے کی ہمیشہ فکر رہی ہے۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ روس ڈریسٹ اور دردانیال کے لئے کیوں کوشاں ہے اور کیوں شط العرب میں جہاں دریائے فرات اور دجلہ گرتے ہیں حال میں فتنے برپا ہوئے تھے مگر اس کی تہہ میں بصرہ کے گرم بندرگاہ کے علاوہ کوئی اور چیز ہے اس نواح میں بے انتہا تیل ہے روس کی نظر اس پر بھی ہے اور کوشش یہی ہے کہ اپنے مقصد کے لئے وہ انگریزوں کو نکال باہر کرے اس غرض کے لئے روس ہر طرح کے حربے استعمال کر رہا ہے چنانچہ آذربائی جان کے نیم خود مختار علاقہ کی شورش اور کرد قبائل کے ہنگامے اسی کا نتیجہ ہیں اور منشا یہ تھا کہ ترکی مشرقی ایران اور عراق کے شمالی حصہ میں اپنا اثر پھیلائے اسی طرح فلسطین میں وہ اس منافرت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جو یہود نوازی کی بدولت میں امریکہ اور برطانیہ کے خلاف پھیل رہی ہے ایران میں روسیوں نے تودہ پارٹی کے ذریعے سے خوزستان میں جہاں انگریز ایران کے تیل کے چشمے میں فتنہ برپا کرایا گذشتہ سال اس تیل کے مسئلہ کے سلسلے میں اہم باتیں دیکھنے میں آئی ہیں۔

نمایاں واقعات

اولاً ایران کے بائیں بازو والے اخبارات اور ماسکو ریڈیو نے عام طور سے انگریزی عمال اور خصوصیت سے اینگلو ایرانی کمپنی کے کارکنوں کے خلاف الزام تراشی شروع کی یہ الزامات طرح طرح کے ہیں اور ایسے لوگوں پر جو تیل کے معاملات میں پوری طرح واقف ہیں دوم اہواز میں جو برٹش تیل کا مرکز ہے ایک روسی قونصل خانہ ہے جس میں بیس آدمی ہیں حالانکہ یہاں انگریزوں کے قونصل میں صرف چار کلرک کام چلاتے ہیں اور صرف ایک نائب ہے اگرچہ یہاں علاوہ تیل کے انگریزوں کے اور بھی دوسرے کاروبار ہیں خود روسیوں کا یہاں نہ کوئی مفاد ہے اور نہ کاروبار۔ بلکہ ادھار پٹہ کے تحت جو سامان روس کو جاتا تھا وہ بھی بند ہوگیا۔

تیسرا اہم واقعہ جون اور مئی کے مہینوں کی اسٹرائک ہے یہ اسٹرائک نہ تو صنعتی جھگڑوں کے لئے تھی نہ اجرت کے لئے بلکہ یہ بالکل سیاسی نوعیت کی تھی

چوتھے اسی زمانے میں موصل اور کرکوک میں اسٹرائک شروع ہوئی اور اس کی شہادت ملتی ہے کہ دونوں جگہوں کی اسٹرائک ایک ہی سلسلہ میں ہوئی۔

اس وقت ایران کے تیل کے علاقوں میں سکون ہے ایرانی حکومت کے بروقت انتظام نے اور مارشل لا کے ذریعے لیڈروں کو خارج البلد کیا مگر اس سکون کا اعتبار نہیں کیونکہ یہ ایک ایسا خیمہ ہے جو ایرانی حکومت کے تبدیلی نظام پر منحصر ہے۔

دو حکومتوں کی رقابت

غرضکہ مشرقی یورپ اور چین کی طرح یہاں بھی روس اور مغربی یورپ کی حکومتوں کی طرح دو اصولوں کا تصادم ہے اور تیل کے علاوہ ایران پر اقتدار کی فکر ہے روس تو بندر بصرہ اور بحر ہند تک رسائی چاہتا ہے اور تودہ پارٹی اور آذربائی جان کی جمہوری پارٹی ان کی مددگار ہے اور مغربی اتحادیوں کے لئے روس کا روکنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ مشرق وسطےٰ اور حکومتہائے مشرق وسطےٰ جن پر اب تک برطانیہ اور امریکہ کا اثر رہا ہے اب روس کے اثر میں آجائیں گی۔

شکر کی صنعت کی ترقی!

سردار داتار سنگھ کا خطبہ

شکر کی زیادہ پیداوار ہمارا اصل مقصد ہے اور یہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے۔ جب شکر کی صنعت کی ترقی اور بہبودی سے دلچسپی رکھنے والے تمام افراد پوری پوری کوشش کریں" یہ کہتے وہ الفاظ جو زرعی تحقیقاتی کونسل کے وائس چیرمین اور گنے کی مرکزی ہندوستانی کمیٹی کے چیرمین سردار بہادر سردار داتار سنگھ نے آج ۸ فروری کو کمیٹی کے سالانہ اجلاس کے موقع پر اپنے افتتاحی خطبہ میں کہے"

اس امر کا ذکر کرتے ہوئے کہ شکر کی صنعت کو ماسیاتی تحفظ عطا کرنا غالباً ہندوستان کی شکر کی صنعت کی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے اور شاید اس سے سب کو اتفاق ہوگا کہ ابھی بہت عرصہ تک اس تحفظ کی ضرورت ہوگی" سردار داتار سنگھ نے کہا۔ اس تحفظ کی موجودہ میعاد ۳۱ مارچ ۱۹۴۸ء تک ہے اور آپ حضرات آج ہونے والے مباحث کی بنیاد پر اس کے جاری رکھے جانے کے متعلق جو سفارشات کریں گے وہ انڈین ٹیرف بورڈ کے پاس غور کرنے کے لئے بھیج دی جائے گی"

امید ہے کہ گنے کی مرکزی کمیٹی ترقی اور تحقیقات کی اسکیمیں نیز اپنے دفتر اور شوگر ٹکنالوجی کے شاہی انسٹی ٹیوٹ کے سلسلے میں ۴۸-۱۹۴۷ء میں ۵۰۳۴۸۱۱ روپیہ خرچ کرے گی موخر الذکر انسٹی ٹیوٹ تحقیقات کے علاوہ تربیت یافتہ عملہ مہیا کرنے میں ملکی صنعت کی مدد کرتا ہے۔

سردار داتار سنگھ نے کہا " خود اپنی جگہ میں شوگر ٹکنالوجی کے انسٹی ٹیوٹ کے قیام کا مسئلہ جو ہمارے محکمے کے مرکزی تحقیقاتی اسٹیشن سے وابستہ ہوگا بے حد اہم ہو گیا ہے۔ حکومت ہند حال میں آپ کی ان سفارشوں کو قبول کر لیا ہے کہ زائد اکسائز محصول میں سے ایک کروڑ ۲۵ لاکھ کے عطیہ سے ۵۰۰۰۰۰ کی رقم اس مقصد کے لئے مخصوص کر دی جائے۔ اس غرض کے لئے زمین حاصل کرنے کے متعلق تازہ ترین صورتِ حال آپ کی اطلاع کے لئے کسی آئندہ وقت آپ کے سامنے رکھی جائے گی۔ حکومت نے اس کمیٹی اور منصوبہ بندی کی ذیلی کمیٹی کی سفارشات صوبوں کی ترقی اسکیموں کے لئے ۔۔۔ لاکھ روپیہ کی باقی ماندہ رقم مختلف صوبوں کو دینا منظور کر لی ہے۔ مذکورہ سفارشات کو کامل طور پر قبول کر لیا گیا صوبائی حکومتوں سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ اپنی ترقی کی نظر ثانی شدہ اسکیمیں اس کمیٹی کے جائزہ کے لئے پیش کریں۔

سیر سینما

میٹرو میں اس ہفتہ میٹرو گولڈن میئر کا مقبول سنسنی خیز شاہکار "ستم ان ہیون" یا RAGE IN HEAVEN پھر ایک بار ہدیۂ ناظرین کیا گیا ہے اس میں ایکٹنگ کا معیار نہایت اعلیٰ ہے۔ قصہ بھی سنسنی خیز اور اداکاروں کے کارنامے قابل دید و تعریف ہیں۔ انگرڈ برگمین رابرٹ ماؤنٹگمری اور جارج سینڈرز نے اس کے اداکار ہیں یہ فلم اپنی خصوصیات کی وجہ سے ضرور مقبولیت کا درجہ حاصل کرے گی یہ تصویر انسانی دل کی اندرونی مخفی اور پیچیدہ تحریکوں کو منکشف کرتی ہے اس کا تعلق خاص طور پر ایک کمزور ذہن مگر مختل دماغی حد تک خوبصورت شخص سے ہے جو ایک حسین اور وفادار لڑکی سے شادی کرتا ہے اور پھر اس نامناسب توہم کی وجہ سے کہ اپنے پر خود ہی ستم ڈھاتا ہے کہ وہ اس کے بہتر دوست سے محبت کرتی ہے۔ یہ سب اس کے اس منصوبہ کا پس منظر جس میں وہ اپنے دوست کو پھانسی پر لٹکوانے اور اپنے رقیب سے نجات لینے کے لئے ایک جرم کا مرتکب بننے میں کرتا ہے۔ وہ اس کام کو کس طرح انجام دیتا ہے جو قدر حیرت انگیز ہے اتنا انوکھا اور غیر معمولی ہے۔ لوسیل واٹسن آسکر ہومولکا فلپ میری ویل اور مینیو آرلش اداکاروں کے معاون ہیں۔

اسٹرانڈ میں اس ہفتہ وارنر برادرس کی نئی سنسنی خیز فلم "دی بگ سلیپ" یا THE BIG SLEEP ہدیہ ناظرین کی گئی۔ پردۂ سیلم پر شاید ہی کوئی اس سے زیادہ سنسنی پیدا کرنے والا پیچیدہ پلاٹ دیکھا گیا ہو جیسا کہ اس فلم میں پیش کیا گیا ہے۔ حیران و پریشان کن وارداتیں تشدد اور راستوں پر لاشوں کے انبار پڑے ہیں بگڑے لوگ ملتے ہیں۔ اس فلم کے مکالموں پر توجہ نہ کی گئی تو قصہ شاید ہی ناظرین کی سمجھ میں آئے قصہ کا تعلق ایک غیر سرکاری سراغرساں سے ہے جس کی خدمات ایک کپتی ظاہر اپنی نوجوان بیٹی کو بلیک میلنگ کرنے والوں سے بچانے کے لئے حاصل کرتا ہے اور اس سلسلے میں اس کو نہایت خوفناک حالات سے دو چار ہونا پڑتا ہے بلکہ بعض اوقات تو موت کا منہ دکھائی دینے لگتا ہے۔

سخت دل ہمفرے بوگارٹ اس کا اسٹار ہے اور یہ فلم اس کو لارین باکال سے پھر ملا دیتی ہے جو کپتی کی بڑی بیٹی کے طور پر اپنا عجیب دلکشی کی وجہ سے راز کو اور زیادہ پیچیدہ اور گہرا بنا دیتی ہے۔ مارتھا ویکرس جو ایک نو

مسئلہ ہے اس کی بہن کا پارٹ ادا کرتی ہے اور جان رڈلے ڈروتھی میلون چارلس والڈران وغیرہ ان کے ساتھ اور خاص کام کرتے ہیں۔

ریگل میں اس ہفتہ پیرا ماؤنٹ کا بہترین ڈرامۂ محبت کی متوالی" یا THE STRANGE LOVE OF MARTHA IVERS ہدیہ ناظرین کیا گیا ہے۔ قصہ نہایت دلچسپ ہے جس میں ہر قسم کے پر لطف حالات اور واقعات دیکھے جاتے ہیں اور اس کے لئے نہایت موزوں کردار کا بھی انتخاب کیا گیا ہے۔ بار بزا اسٹینوک اس کی اسٹار رہتی ہے جس نے اس میں اپنے فن کے بہترین جوہر پیش کئے ہیں اور اسٹیج کے اداکار کرک ڈگلاس کو پہلی بار اس میں اس کے خاوند کا پارٹ دیا گیا ہے۔

فلم کا پلاٹ ایک نہایت ہی سنگدلانہ قتل کا ہے جس میں ریاکاری حرص وحشی کا ایک ایسی عورت کے متعلق مرقع پیش کیا گیا ہے جو ضدی ہے اور جس نے بطور ایک بچہ کے قتل کا ارتکاب کیا ہے اور اس کے بعد ایک بے گناہ شخص پھانسی پر لٹکا دیا۔ اس کا مزدور اور نشہ باز خاوند جس نے اس جرم میں اس کا ساتھ دیا اور اس کے بعد اپنی بیوی کے زیر اثر زندگی کے دن گذارتا ہے ایک قمار باز ہے جو اس کو آخر کار ڈرا دھمکا کر روپیہ اینٹھنے کی فکر کرتا ہے لیکن اس کی محبت کو نہیں ٹھکراتا۔ سوا اس کے لیزابیتھ اسکاٹ جو ڈیفنی اینڈرسن اور رومن بوہنین ان کے معاون ہیں۔

ایروز میں اس ہفتہ انٹرنیشنل پکچرس کی تازہ ترین فلم "ٹیمپٹیشن" یا TEMPTAION ہدیہ ناظرین کی گئی ہے۔ قصہ بیلا ڈونا نامی ایک کامیاب ناول کا اقتباس ہے۔ جس میں بعض حقیقتاً قابل نفرت لوگوں کا گندا افسانہ پیش کیا گیا ہے ان لوگوں میں ایک نوجوان جوا رید معاش اور بے اصولہ نوجوان بھی ہے جو باقاعدہ طور پر ایک فریفتہ عورت کو اور ایک بیوی کو بس شکار بناتا ہے جو اس کی ہدایت پر اپنے خاوند کو اس وقت تک زہر دیتا رہتا ہے جب تک

که خاوند کا اعتماد اس کے کمینہ دل پر اثر نہیں کرتا اور اس کے بعد ایک غیر متوقعہ کرشمہ ظاہر ہوتا ہے۔

قصہ کے زیادہ تر حصہ کا تعلق مصر سے ہے اور ایک زمانۂ قدیم کے حالات معلوم کرنے والی مہم سے تعلق رکھتا ہے جو راماسین نجم نامی فرعون کی قبر تلاش کرنے میں مصروف ہے اس میں قتل اور سکتہ کے سنسنی خیز واقعات ہیں۔

چارلس برینٹ مرلے آہیران اور چارلس کاردن اس کے اسٹار ہیں اور پال لوکاس لڈوگ اسٹاسیل لینارا لوک اور رابرٹ کاپا وغیرہ ان کے معاون ہیں۔

نیو امپائر اس ہفتہ مونوگرام کی سنسنی خیز فلم "جو پلوکا چیمپ" JOE PALOOKA CHAMP ہدیہ ناظرین کی گئی ہے۔ فلم میں گھونسہ بازی کے سنسنی خیز واقعات مذاق اور رومان کے دلچسپ مناظر پیش کئے گئے ہیں۔

قصہ کا تعلق ایک دیہاتی مگر گھونسہ بازی کا فطرتی ذوق رکھنے والے نوجوان سے ہے جسے ایک مینیجر نے جو گھونسہ باز کی تلاش میں حیران و پریشان ہو رہا تھا پایا اور تربیت دیکر ایک کمینہ لوٹنے والے اور اس کے خونخوار ... ساتھیوں کی مخالفت کے باوجود دنیا کی چیمپین شپ میں کھڑا کر دیا۔

جو کرکوڈ نامی ایک پیشہ ور گالف کھیلنے والا پالوکا کا پارٹ انجام دیتا ہے۔ یہاں ایرول اس کے مینیجر نابی واکس کا پارٹ ادا کرتا ہے اور ایلانیس ناکس ایک حسین سوسائٹی کی لڑکی این ہلوے کے لباس میں دیکھی جاتی ہے جو اس پر عاشق ہو جاتی ہے۔ ایڈ وارڈ وکلائیلی جو سادر سام میکلڈ اینل سارہ پیڈن ایلفیاگن (خود) وارین ہائیمر اور رابرٹ کینٹ وغیرہ ان کے معاون ہیں۔

ایکسیلسیر میں اس ہفتہ رینبو پروڈکشنز کی تازہ دلچسپ فلم "سانیرا آف میری" یا THE BELLS OF ST. MARY'S ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے

یہ تصویر ان تصاویر میں سے ہے جسے دیکھ کر شام کا لطف اٹھایا جا سکتا ہے سادہ مذاق والے تبدیل ہونے والے حالات کا یہ فلم ایک لطیف انسانی قصہ پیش کرتی ہے جس کا تعلق ایک گرجا کے اسکول اور اس کی تارک الدنیا عورتوں اور پادری کے مصائب اور آلام سے ہے جو وہ اس کو زمین کے لالچی کپتی کی دست برد سے بچانے کے لئے اٹھاتے ہیں یہ کپتی اسی زمین کو اپنی عالیشان نئی عمارت کے لئے موٹروں کا پارک بنانے کے لئے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

بنگ کراسبی اس کا اسٹار ہے اور فادر اومیلی کا پارٹ ادا کرتا ہے اور انگرڈ برگمین اس کے مقابل پارٹ کو انجام دیتی ہے دونوں پادری اور اسکول کی سپرنٹنڈنٹ کا پارٹ ادا کرتے ہیں اور تعلیم کے متعلق مختلف خیال رکھتے ہیں اور اداکار بھی قابل تعریف کام کرتے ہیں۔

اردو کی ترویج و اشاعت آپ کا اخلاقی فرض ہے

ریکھا نہو روشن آرٹ پروڈکشن کے سوشل شاہکار "رنگین کہانی" کی ہیروئن

فضلی فلمس کی تازہ ترین فلم "مہندی" کا ایک خوبصورت سین
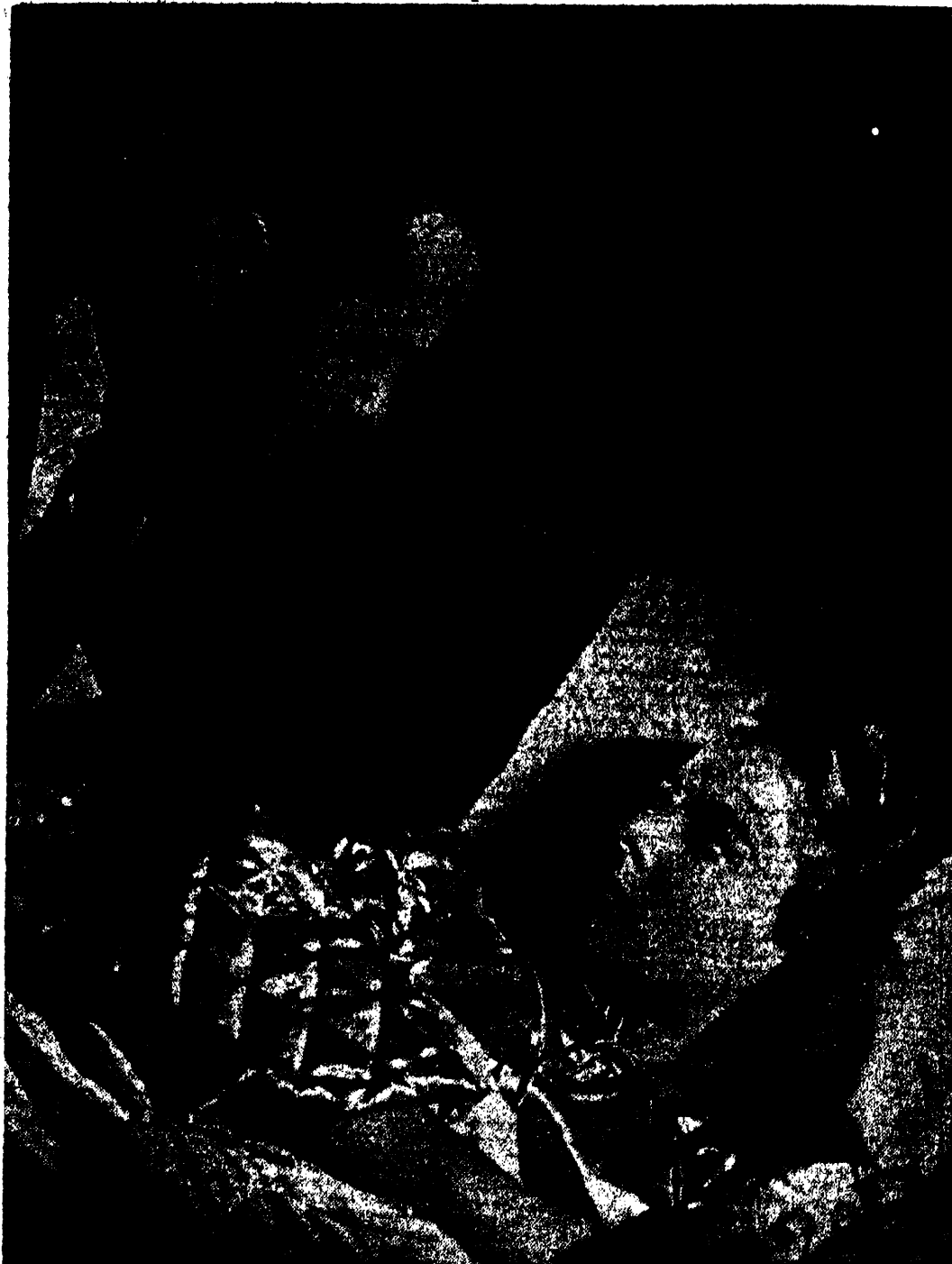
INGRID BERGMAN and ROBERT MONTGOMERY make a triumphant return to the METRO screen this week in M-G-M's Suspense-filled psychological drama of a husband obsessed by jealousy: RAGE IN HEAVEN. GEORGE SANDERS, LUCILE WATSON and OSCAR HOMOLKA are others in an outstanding cast.

EDITED, PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS, BOMBAY 3.

پھول فروخت کرنے والوں کے لئے لندن میں مدرسہ

موٹر کا ایک نہایت عمدہ ماڈل

نئی آکسفورڈ ٹیکسی
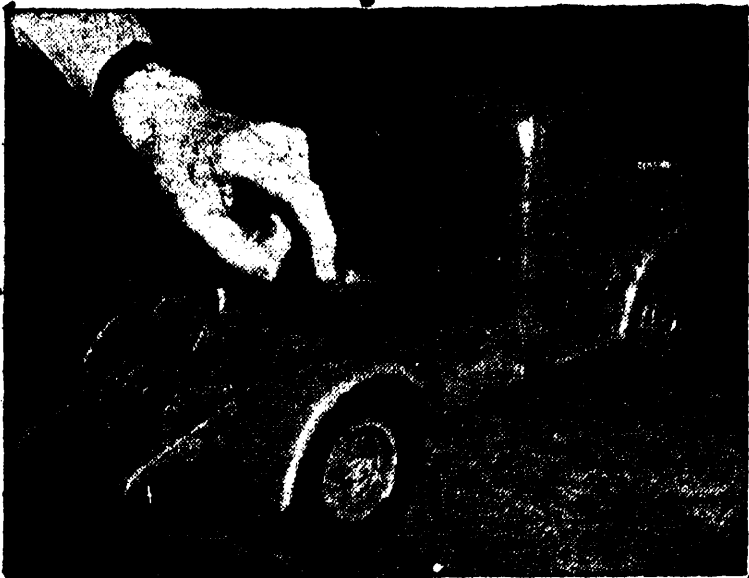
سیاسی دنیا کدھر جا رہی ہے

انگریزی کے مدرسوں میں زمین کی گردش بتاتے ہوئے جغرافیہ کے استاد نے یہ پڑھایا تھا کہ زمین کی دو طرح کی گردشیں ہیں ایک تو یہ کہ زمین اپنے محور پر گھومتی ہے جس سے دن رات کا امتیاز ہوتا ہے یعنی جو حصہ سورج کے سامنے ہوتا ہے وہاں دن اور جو حصہ سامنے نہیں ہوتا وہاں رات ہوتی ہے اور دوسری وہ محوری گردش ہے جو زمین سورج کے گرد گھوم کر لگاتی ہے جس سے جاڑا گرمی برسات یعنی موسمی رت بدلتی رہتی ہے۔

ٹھیک یہی صورت حال اس وقت سیاسی دنیا کی ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، یہاں اس وقت سیاسی دنیا کو اپنے نظام میں جذب کرنے کے لئے سیاسی دنیا کو چکر دے رہے ہیں۔

نظر غور سے اگر دیکھا جائے تو اس وقت کی سیاسی دنیا ان زیر پا افتادہ ممالک کا مجموعہ ہے جن پر دول یورپ کا یا تو قبضہ ہے یا قبضہ کی نگہ ہے اور اگر قبضہ دائمی نہیں ہے تو کم از کم یہ کوشش ہے کہ اپنے اقتدار کے نظام شمسی سے نکل کر نہ جانے پائیں۔

یہ بھی کوئی چھپا ہوا راز نہیں ہے کہ جنگ دوم کے بعد سے صحیح معنوں میں دو سورج ہیں لگے ہیں ایک تو دول مغرب دوسرے دول متحدہ مشرق ان دونوں سیاسی نظام ہائے شمسی میں چھوٹے بڑے متعدد سورج اور ان کے لواحق بطور دم دار سیاروں کے دن رات اسی میں غلطاں پیچاں رہتے ہیں کہ غریب سیاسی دنیا کے ممالک کو کس طرح اپنے نظام میں کھینچ لائیں [illegible]

اور تشبیہات نظام فلکی سے الگ ہو کر دیکھا جائے تو صاف کھل جاتا ہے کہ ؎

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

جس ملک کو دیکھئے اسی کشمکش میں مبتلا ہے چین ہو یا انڈو چائنا سیام ہو یا انام برما ہو یا ہندوستان، ایران ہو یا عراق فلسطین ہو یا مصر و شام ہو یا ترکی مراکش ٹیونس، الجیریا، ٹریپولی ہو یا مشرق عربی اور جنوبی افریقہ ہر جگہ یہی حصول اثر و اقتدار کا جذبہ کام کر رہا ہے ہر ملک دوہری کشمکش میں مبتلا ہے ایک تفریق باہمی دوسرے تعلق دول غالب۔

مثال کے طور پر مصر کو لیجئے، مصری خوش تھے کہ انہیں آزادی مل گئی اب انگریزی فوجیں ملک سے رخصت ہو گئیں، نہر سوئز اب اپنی ہے مگر وہ اسے بھولے ہوئے تھے کہ لیے بازیگر عیار سے سابقہ ہے جو نئی نئی صورت بنا کر بھیس بدل کر ان پر مسلط رہنے کی تدبیر نکال لیتا ہے چنانچہ پہلا ڈنکا سوڈان کی جھلک کا سامنے ہے اور بظاہر بات بھی لگتی ہوتی ہے اور ساتھ ہی قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی (خاکم بدہن) مصر اور سوڈان دونوں کو مبتلائے مصیبت رہنا ہے بجائے اس کے کہ اپنا جھگڑا آپ طے کریں دونوں دوڑ دوڑ کر برطانیہ کے پاس جاتے ہیں اور اب تو مصر کو عدالت اقوام کی سوجھی ہے حالانکہ اس سے بڑھ کر مصر اور سوڈان کی بدنصیبی نہیں ہو سکتی۔

افسوس اس کا ہے کہ مصر اور سوڈان دونوں نے اب تک کچھ نہیں سیکھا واہ رے مغربی جادوگر وہ چھو منتر پڑھ دیا ہے کہ دونوں کے دونوں مبہوت اور آپس ہی میں کٹے پڑتے ہوئے ہیں۔

اسی طرح طرابلس الغرب ٹریپولی اور اس سے مغرب کے دیار اسلامیہ کو پیچیدگی میں مبتلا رکھا گیا ہے جس کی تفصیل طوالت طلب ہے مگر اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں۔ ہندوستانیوں کے سامنے اس وقت تین ممالک مثال کے لئے موجود ہیں۔

(۱) ترکی (۲) فلسطین اور (۳) خود ہندوستان۔

پہلے ترکی کو لیجئے۔ برطانیہ ایک طرف تو یہ چاہتا ہے کہ ترکی روس کے اثر میں بھی نہ آئے اور اس غرض کے لئے امیر عبداللہ والی شرق اردن ترکی بھیجے گئے کہ ترک اور عرب میں اتحاد کرائیں مگر اسی کے ساتھ یہ بھی فکر ہے کہ سواحل دنیا در اسکندرونہ وغیرہ سے ترکی کو محروم کر دیا جائے، امیر عبداللہ کو یہ سبز باغ دکھایا گیا ہے کہ انہیں شام کی بادشاہت مل جائے۔ ایرانی شاعر نے شاید انہیں کے لئے کہا تھا ؎

بلبل بر بادنت بہ تعمیر ملک شام
یثرب تباہ شد بہ تمنائے ملک رے

بہر صورت ترکی کا مسئلہ تو ابھی جون تک زور پکڑے گا غریب فلسطین کا معاملہ تو اس وقت پورے زور و شور سے چل رہا ہے یہودی زور پکڑتے جا رہے ہیں ان کے شورش پسند دستے انگریز افسران ججوں اور فوجی سپاہیوں اور سرداروں کو پکڑ لے جاتے ہیں کوڑے لگاتے ہیں اور طرح طرح سے ذلیل کرتے ہیں انگریزوں کی جان لینا ان کی منتہائے نظر ہے بم چلتے ہیں ٹرینیں اڑا دی جاتی ہیں فوجی چوکیوں اور کلبوں پر بم پھینکے جاتے ہیں جس کے باعث اب فلسطین سے بچے اور عورتیں ہٹائے جا رہے ہیں یہ سب ہے مگر انہیں فلسطین پر قبضہ رکھنا ہے یہود اور عرب دونوں کی خوشامد کرتے ہیں کبھی فلسطین کو یہودستان اور عربستان کے دو حصوں میں تقسیم کا سوال اٹھایا جاتا ہے کبھی اس کی فکر ہوتی ہے کہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

رباعیات قمر

بکھری ہوئی زلفوں کا سمٹنا معلوم
گھنگھور گھٹا چھا کے ہٹنا معلوم
اس عالم پیری کو غنیمت جانو
اب عہد جوانی کا پلٹنا معلوم

کیا زخم ہنسیں جو وہ الماس نہیں
باقی کوئی امید نہیں آس نہیں
دنیا سے چلا ان کی تمنا لے کر
وہ پاس اگر نہیں تو کچھ پاس نہیں

از جناب قمر احمد صاحب قمر

نت نئے شگوفے

بسلسلۂ صفحہ (۳)

یہود اور عرب دونوں کو ملا کر اپنے اختیار اور قبضہ کی حکومت بنا دیں ساتھ ہی اس کی بھی فکر ہے کہ کہیں روس اسے اپنے نظام میں جذب نہ کر لے۔

یہ سارا کھیل محض اس لئے ہے کہ جو ٹیلے کو اپنے بس میں رکھ کر ایک طرف تو ممالک عرب پر قبضہ رکھا جائے دوسری طرف عراق تیل کی پائپ لائن جو حیفہ تک آتی ہے محفوظ رہے۔

ہندوستان پر دونوں فریق کی نظر ہے اور گردش زمین اور نظام شمسی کا جو استعارہ شروع مضمون میں پیش کیا گیا ہے پوری طرح سے اس بدنصیب ملک پر چسپاں ہوتا ہے یہاں دونوں سیاسی سورج اپنے تمام سیاروں، ومدار تاروں وغیرہ کے اس غریب سرزمین کو اپنے اثر میں رکھنے اور لانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

بظاہر یہاں ابھی انگریزوں نے ہندوستانیوں کو آزادی کا پروانہ دے دیا ہے مگر اسی کے ساتھ ساتھ پاکستان، سکھستان، دراوڑستان اور رجواڑے کتنے نان بھی رکھے ہیں۔ اس نظام میں برطانیہ بمنزلہ سورج کے ہے تو دیسی ریاستیں اس کے بروج اور قونصل اور سفراء و سیاح اور ایجنٹ اس کے متعلقہ سیارے ہیں دوسری طرف روسی نظام کو فرصت نہیں ہے مگر اپنے اثرات اپنے ومدار تاروں یعنی کمیونسٹ پارٹی کے ذریعے سے ملک میں پھیلا کر ایک انتشاری صورت پیدا کر رہا ہے اور آئن اسٹین اور اسحاق نیوٹن کے بتائے ہوئے نظریے پوری طرح پیش نگاہ ہیں اور ہندوستانی ان سے متاثر اور مسحور ہو کر وہ حرکات مذبوحی کر رہے ہیں جس سے حیرت ہوتی ہے ایک طرف ہندوؤں کو یہ یقین دلا دیا گیا ہے کہ بس اب ملک تمہارا ہے من مانی کارروائی کرو اور دوسری طرف مسلمانوں کو یہ سمجھایا جاتا ہے کہ تم جو ہزار برس تک اس ملک پر حکمراں تھے اب غلام بنائے جا رہے ہو سکھوں کو پڑھایا جاتا ہے کہ پنجاب میں تم حکمراں رہ چکے ہو اب مسلمان تم پر حکمراں ہوں گے [illegible]

اقتدار کے شوق میں ہر [illegible] بھی مادہ اور اہلیت ہے ایک پارٹی بنا [illegible] باسکر میٹری [illegible] کو [illegible] کر لیڈر بن بیٹھا۔ [illegible]

مہابھارت کے متعلق جیسا کہ خود مہابھارت میں لکھا ہوا ہے ایک مبصر نے یہ تبصرہ کیا ہے کہ یہ کورو اور پانڈو کی جنگ نہ تھی بلکہ کرشن جی کا چکر تھا جو حریفین کے سر کاٹ رہا تھا ٹھیک اسی طرح ممالک اسلامیہ اور بلاد عرب میں سامراج برطانیہ اپنا کام کر رہا ہے اور فکر یہی ہے کہ یہ ممالک آپس میں ایک دوسرے کے حریف بھی رہیں اور برطانیہ کے طرفدار بھی۔ ایک طرف تو روس سے توڑ کر اپنی طرف ملانے کے لئے ترکی سے سودے کی جا رہی ہے ساتھ ہی اس کا بھی خیال ہے کہ پہلی جنگ عمومی میں عربوں اور ترکوں میں نفاق کی جو خلیج ڈالی گئی تھی وہ کہیں بھر نہ جائے اور یہ دونوں اسلامی ممالک جو ایک دوسرے سے جدا ہو کر پریشان اور سراسیمہ اور کمزور ہو رہے ہیں کہیں پھر نہ مل جائیں۔

چنانچہ امیر عبداللہ ترکی گئے اور ابھی وہ ترکی پہونچے بھی نہ تھے کہ یہ خبر دی جانے لگی کہ امیر عبداللہ ترکی کی مدد سے شام کا بادشاہ ہونا چاہتے ہیں حالانکہ امیر عبداللہ کے ترکی جانے سے بہت قبل خود انگریزوں نے امیر عبداللہ کو یہ سبز باغ دکھایا تھا کہ تم کو شام کا بادشاہ بنایا جائے گا یہ وہی پرانی عیاری ہے جو امیر عبداللہ کے بھائی امیر فیصل کے ساتھ پہلی جنگ عمومی کے بعد کی گئی تھی اور انہیں شام کا بادشاہ بنا کر مرہون منت رکھا گیا تھا۔ اور پھر فرانس کو اشارہ کر کے فرانسیسی قوت کے ذریعے سے انہیں شام سے دیس نکالا تھا جس کے بعد عراق کی امارت دے کر اشک شوئی کی گئی اب قاہرہ سے انگریزی خبر رساں دنیا کو مطلع کرتے ہیں کہ مصر اور برطانیہ کے سیاسی حلقوں میں یہ چہ میگوئیاں ہیں کہ امیر عبداللہ ترکی کیوں گئے اور لندن کی قیاس آرائی یہ ہے کہ اس کی تہ میں یہ تحریک کام کر رہی ہے کہ شام و شرق اردن کا اتحاد ہو جائے اور شام عظمیٰ پر عبداللہ حکمراں ہوں اور ترکی اور ہاشمی حکومت کے اتحاد سے عرب لیگ کو ملا کر یونان اور ریاستہائے لبنان سے تا بہ عراق ایک محاذ قائم کر دیا جائے۔ اور چونکہ مصر عرب لیگ میں ہے اس لئے وہ خود اس میں شامل ہو جائے گا۔

یہ خبر قاہرہ سے کیوں نشر کی گئی اس میں بھی ایک بڑا راز پوشیدہ ہے عہد اتاترک غازی مصطفےٰ کمال پاشا سے انگریزوں نے مصر میں یہ پروپیگنڈا کیا تھا کہ اب ترکی نعوذ باللہ اسلام سے منحرف ہو کر دہریہ ہو گیا اور ممالک اسلامیہ سے اس کا رشتہ ٹوٹ گیا اس لئے اب سیادت بلاد اسلامیہ کا اگر کوئی مستحق ہے تو وہ مصر ہی ہے اور شاہ مصر ہی اب مستحق خلافت ہیں چنانچہ اب تک مصر ہی عرب لیگ کا قائد سمجھا جاتا ہے لیکن اگر ترکی عرب لیگ میں شامل ہو جائے تو مصر لازماً اس امتیازی درجہ پر قائم نہ رہ سکے گا جو اس وقت اسے حاصل ہے اس لئے یہ خبر محض اس لئے اڑا دی گئی کہ اگر ترکی عرب لیگ میں شامل ہو تو مصر کو اس سے منحرف کر کے اس اتحاد اسلامی کو ایسا کمزور کر دیا جائے کہ وہ اتحاد کے بعد بھی برطانیہ کے اثر سے نہ نکل سکے اور صحیح معنوں میں اتحاد نہ ہو سکے۔

آرگن کی حیثیت سے اسے چلا رہا ہے اور ملک میں انتشار اور افتراق کی ہوائیں چل رہی ہیں اور غریب ہندوستانی پریشانی اور باہمی منافرت اور پھوٹ میں مبتلا ہیں جس سے پریشان ہو کر حضرت موسیٰ کے یہودیوں کی طرح گھبرا کر چلا اٹھتے ہیں کہ ہم آزادی سے باز آئے ہمیں انگریزوں کی غلامی ہی قبول ہے،

غرضکہ پرانی موسوی تاریخ اپنے اوراق کو دہرا کر فرعونی دور کا نظارہ دکھا کر دنیا کو بتا رہی ہے کہ جس طرح اب سے چار ہزار برس قبل یہودیوں کو فرعون سے نجات ملنے کے بعد ۴۰ سال تک بیابان تیہ میں سرگرداں ہونا پڑا تھا ہندوستانی قوم کو بھی برطانوی فراعنہ سے بچ نکلنے کے بعد مختلف وادیوں اور بیابانوں میں ذریات فراعنہ کی بدولت جن کی نگاہیں اور آسرا چرچل اور ایمری پر ہیں سرگرداں ہونا پڑے گا۔

ہاتھی اور تاریخی واقعات

ازجناب رام سروپ صاحب

ہاتھی اگرچہ حلیم و سلیم ہے ایک ہی صفات کا مخزن ہے مگر اس میں شک نہیں کہ اکثر مواقع پر ہندوستان کی تقدیر کا فیصلہ محض اسی جانور کے ذریعے ہوا۔ اس نے اپنی جہالت سے خود اپنی فوج کو کچلا اور دشمن کے واسطے راستہ صاف کیا جیسا کہ محمود غزنوی کے حملے کے وقت راجہ آنند پال کے ہاتھی نے کیا اس کی بدولت فتح شکست کی صورت میں تبدیل ہو گئی۔

کہا جاتا ہے کہ نادر شاہ نے بروقت حملہ دہلی اس پر سوار ہونے سے انکار کر دیا تھا اور اس کی وجہ یہ بتلائی تھی کہ یہ بغیر لگام کا جانور ہے اگر بگڑ گیا تو کیا حشر برپا کر دے، ہندوستان کی تاریخ میں اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں نورجہاں نے اسی پر بیٹھ کر شیر کا شکار کیا تھا، اور جہانگیر سے غیر معمولی انعام پایا تھا اسی پر بیٹھ کر اس نے اپنے شوہر کو مہابت خاں کی قید سے رہائی دلائی تھی ہندوستان میں اس سے مختلف کام لئے گئے۔ البتہ برہما کے باشندوں کی طرح اس سے لٹھے کھینچ کر بندرگاہ تک نہیں لائے گئے اور نہ ملک سیام کے بادشاہ کی طرح سفید ہاتھیوں کا گلہ پالا گیا البتہ جب ہندوستان میں آزادی کا پرچم ہرا رہا تھا یہاں کا گوشہ گوشہ پررونق تھا۔ گاؤں گاؤں میں بے فکری کا عمل دخل تھا یہاں کے باشندوں کی ضروریات محدود تھیں ان کے دامن پر تکلف کا دھبہ نہ تھا ان کی ضروریات زندگی مصنوعات کی محتاج نہ تھیں ان کے گھروں میں دودھ کی نہریں اور غلہ کے انبار تھے ان کے دل مہمان نواز تھے ان کا قلب دھوکہ، مکاری عیاری الغرض جملہ عیوب سے پاک تھا اس وقت یہاں کے راجہ، مہاراجہ حتیٰ کہ امراء، وزراء نیز دیگر عمائد و روسا ہاتھی رکھتے تھے ان کی آرائش کے واسطے متعدد اور مختلف قسم کے سامان تھے شادی کے موقع پر نیز دیگر تقریبوں میں جن کا تعلق مسرت و شادمانی سے تھا اس پر جلوس نکلتے ہاتھی سجائے جاتے تھے ان پر عماریاں رکھی جاتی تھیں جھولیں ڈالی جاتی تھیں ان کی سونڈ پر نیز پیشانی پر مختلف قسم کے نقش و نگار بنائے جاتے تھے آگے آگے

باجے بجتے تھے آتش بازی چھوٹتی تھی ہاتھی جھومتے چلے جاتے تھے جیسا کہ مثنوی میر حسن میں شہزادہ بے نظیر کی سواری کے جلوس پر بیان کیا ہے

برابر برابر کھڑے تھے سوار
ہر اک دل میں تھی ہاتھیوں کی قطار

سونڈ اٹھاتے تھے جس کا مقصد یہ تھا کہ سلام کرتے اور دعا دیتے ہیں اس میں شک نہیں کہ آجکل سرکسوں میں اس کے ذریعے عجیب و غریب کام دکھلائے جاتے ہیں۔ انقلاب نے جہاں

لمبے دانت ہوتے ہیں اس کے نیچے بہت چھوٹے اور خوبصورت ہوتے ہیں یہ ہمیشہ گروہ میں رہنا پسند کرتا ہے اور گروہ کا سردار ایک طاقتور ہاتھی ہوتا ہے۔

اس کی خوراک عموماً پتیاں ہیں مگر گنا اس کو بیحد پسند ہے غسل سے اس کو بیحد محبت ہے سورج کی گرمی اس کو نہیں بھاتی لہذا یہ رات میں نکلنا اور چلنا پھرنا پسند کرتا ہے جب تک یہ ۲۵ سال کا نہیں ہوتا اس کا قد چھوٹا رہتا ہے اس کے بعد کافی اونچا ہو جاتا ہے اس کی عمر تقریباً ۷۰ سال ہے لیکن عام طور پر یہ ۱۵۰ سال تک بھی زندہ رہتے ہیں۔

ہمارے ملک میں جو ہاتھی پائے جاتے ہیں ان کا رنگ مٹیالا ہوتا ہے مگر سیام اور برہما میں سفید رنگ کے ہاتھی ہوتے ہیں۔

ہندوستان میں ریاست ریواں۔ نزائی۔ بھوٹان، دہرہ دون وسط ہند۔ گوداوری کی وادی مغربی ساحل۔ کوئم بٹور، ٹراونکور نیل گری کے ڈھال، کرگ، میسور۔ کنارہ لنکا اور آسام کے جنگلات میں بھی ہاتھی پائے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ برما۔ آسام مشرقی مجمع الجزائر۔ کانگو کا بیسن، واقع افریقہ دریائے آمیزن کا بیسن واقع جنوبی امریکہ میں ہتھنی ۲۲ ماہ ۲۰ دن میں بچہ دیتی ہے ہاتھی اگر کسی پر حملہ کرے تو سیدھے نہیں بھاگنا چاہیئے۔

سنہری روپہلی وہ عماریاں
شب و روز کی سی طرحداریاں
وہ فیلوں کی اور سیکڑ بز کی شان
جھلکتے وہ مقیش کے سائبان

خاندان مغلیہ کا زمانہ جب نصف النہار پر تھا اس وقت ہاتھیوں کی تربیت میں کافی حصہ لیا گیا تھا ہاتھی جب قلعہ [illegible] تھے تو آگے دونوں پاؤں [illegible]

ہماری قدیم تہذیب کو فنا کر دیا وہاں ہاتھیوں کا جلوس بھی قریب قریب بند ہو گیا۔

جن احباب کے یہاں بزرگوں کی یادگاریں ہاتھی موجود ہیں وہ بھی اس سے پریشان ہو کر اس کے دوسرے وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہاتھی کی متعدد اقسام ہیں اسکی اونچائی ۱۲ فٹ ہے ہتھنی کی اونچائی کچھ کم ہوتی ہے اور نہ ہاتھی کی طرح اس کے

قیامت ہوگی

(ازجناب قمر احمد صاحب قمر)

مرتے دم گر ترے دیدار کی حسرت ہوگی
یہ بھی اک اور قیامت پہ قیامت ہوگی

پیش خالق اگر اس بت کو ندامت ہوگی
بات ایمان کی یہ ہے کہ قیامت ہوگی

یہ کہاں تاب کہ کھلے اپنی زبان محشر میں
وہ اگر سامنے ہوں گے کہ قیامت ہوگی

صبح محشر کی طرح چاک گریباں اپنا
ان کی کاکل میں جو پوشیدہ قیامت ہوگی

کشتۂ زلف ہوں اے داور محشر فریاد
بیگماں راہ عدم راہ قیامت ہوگی

کہہ تو دوں درد جدائی کا فسانہ لیکن
آگیا ان کو جو غصہ تو قیامت ہوگی

فتنۂ حشر اٹھائیں گی تمہاری چالیں
تم میری قبر پر آئے تو قیامت ہوگی

جھوٹ ہے وعدۂ فردا کو اگر سچ سمجھوں
اور اگر جھوٹ سمجھ لوں تو قیامت ہوگی

عرصۂ حشر میں آنا نہ مثال خورشید
داغ دل اپنے جو بھڑکے تو قیامت ہوگی

لب خاموش سے ہاں سن لوں تو ہو شادئ مرگ
اور نہیں سننے سے ایجان قیامت ہوگی

دل کے شعلے جو بھڑکتے ہیں قمر تو فرقت میں
میں سمجھتا ہوں بہت جلد قیامت ہوگی

دلچسپیاں

ماسکو کا آنکھوں کا اسپتال جو ۵۰ برس ہوئے تعمیر ہوا تھا رولروں کے ذریعے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا گیا ہے اور ۱۰۰ مریض اس وقت بھی اس میں موجود تھے۔

نیوزیلینڈ کی گیس سپلائی کمپنی کو پانچ پونڈ کا ایک چیک موصول ہوا ہے اس کے ساتھ زلینڈ نے جو خط بھیجا ہے اس میں لکھا ہے کہ انہیں ایک بل ۱۸۸۰ء میں موصول [illegible] تھا جس کی ادائیگی کے [illegible] روپیہ بھیج رہا [illegible]۔

امریکن دستور اساسی

آرٹیکل نمبر ۵

جب دو ثلث ممبران منظور کرلیں گے اس وقت کانگریس دستور اساسی میں ترمیم کرے گی یا نفاذ قانون میں تبدیلی اس وقت ہوگی جب دو تہائی ریاستیں منظور کرلیں گی ترمیم کے لئے ایک جلسہ طلب کیا جائے گا جو بہرحال اس وقت مطابق دستور ہوگا جبکہ ریاستوں کی مجلس قانون ساز کی تین چوتھائی تعداد منظوری دے دے گی مگر کانگریس اسے طے کرنے کی تا سنہ ۱۸۰۸ء سے قبل جو ترمیمات ہوں گی وہ آرٹیکل (۱) کی دفعہ ۹ کی مدات (۱) و (۴) پر نافذ نہ ہوں گی الا کسی ریاست کو سنٹ میں ہو اس کی تعین آراء سے اس سے محروم کیا جائے گا۔

آرٹیکل نمبر ۶

اس دستور کی منظوری سے قبل جو طے کئے گئے ہیں یا تصفیہ ہوئے وہ جائز متصور ہوں گے۔

یہ دستور اساسی اور وہ انہیں ریاست ہائے متحدہ جو اس کے مطابق بنائے جائیں یا بنے ہوں وہ ریاستہائے متحدہ کے قانون متصور ہوں گے اور ہر ریاست کا جج ان قوانین کے نفاذ اور عملدرآمد کی پابند ہوگی سینیٹرس۔ ریاستوں کے ممبران جماعت قانون ساز اور جملہ عہدہ داران نظم و نسق و عمال صیغہ عدل کو جو ریاستہائے متحدہ میں ہوں یا کسی ریاست میں سب کو حلف لینا یا اقرار کرنا ہوگا کہ وہ دستور کی پابندی کریں گے مگر کسی عہدے کے لئے کسی مذہبی جانچ کی ضرورت نہ ہوگی۔

آرٹیکل نمبر ۷

ریاستہائے تصدیق کنندہ کے درمیان نو ریاستوں کی تصدیق نفاذ دستور کے لئے کافی ہوگی۔

منظوری متفقہ ممبران مجتمع آج یہ دستور بتاریخ ۱۷ ستمبر ۱۷۸۷ء اور ۱۲ گو اہان آزادی ریاستہائے متحدہ کی تصدیق سے پاس ہوا (دستخط) جارج واشنگٹن (صدر) اور نمائندہ ورجینیا

ترمیمات

اول دس ترمیمات ۱۵ دسمبر ۱۷۹۱ء میں منظوری ہوئی اور یہی منشور حقوق کے نام سے مشہور ہیں۔

ترمیم نمبر ۱

کانگریس کسی مذہب کے معاملے میں بھی کوئی قانون نہیں بنائے گی اور نہ مذہبی آزادی میں رکاوٹ ڈالے گی نہ آزادی مطابع میں نہ پرامن اجتماع میں رکاوٹ ڈالے گی

ترمیم نمبر ۲

آزاد ریاست کی حفاظت کے لئے باقاعدہ ضرورت ہے باشندوں کے آزادی اسلحہ میں کسی طرح کی رکاوٹ نہ ہوگی

ترمیم نمبر ۳

صلح کے زمانے میں کوئی سپاہی کسی مکان میں مقیم نہیں کیا جائے گا بلا مرضی مالک مکان کے زمانہ جنگ میں بھی خلاف قانون نہیں جائیں گے

ترمیم نمبر ۴

کسی شخص کے حق حفاظت ذات مکان، کاغذات اور املاک میں دخل اندازی نہیں کی جائے گی اور نہ تلاشی یا گرفتاری ہوگی اور نہ کوئی وارنٹ جاری ہوگا البتہ حلف نامے سے کہ ازروئے ضرورت تلاش یا حصول قبضہ رکھا کر ذاتی جائداد قبضہ میں لی جا سکتی ہے یا تلاشی لی جا سکتی ہے۔

ترمیم نمبر ۵

کسی شخص کو سزائے موت یا دوسری جرم کی سزا نہ دی جائے گی جب تک صدر مجرم قرار نہ دے بری اور بحری فوجیں اس سے مستثنیٰ ہوں گی جبکہ جنگ یا خطرۂ جنگ ہو اور ایک ہی جرم کے لئے کسی کو دوبارہ سزا نہ دی جائے گی اور نہ کسی جرم میں خود اپنے خلاف شہادت دینے پر مجبور کیا جائے گا اور نہ خلاف قانون جان مال یا جائداد سے محروم کیا جائے گا اور نہ رفاہ عام کے لئے بلا معاوضہ کسی کی جائداد لی جائے گی۔

ترمیم نمبر ۶

ہر مقدمہ فوجداری میں ملزم کا حق ہوگا کہ جلد اور پبلک میں سماعت مقدمہ ہو جس میں آزاد ریاست شریک ہو ملزم کی نوعیت جرم بتا دے گی اور شہادت اس کے سامنے ہوگی گواہان صفائی کی طلبی کا لازمی طور پر انتظام کیا جائے گا اور مدافعت کے لئے وکیل رکھنے کا حق ہوگا۔

ترمیم نمبر ۷

مقدمات دیوانی میں اگر ریاست پیس ڈالر دے تو جیوری کے ذریعہ فیصلہ ہوگا اور جیوری کے فیصلے واقعات کی سماعت کسی دوسری عدالت میں خلاف قانون عائد نہ ہوگی۔

ترمیم نمبر ۸

بہت زیادہ قسم ضمانت مقرر نہ ہوگی نہ بہت سخت جرمانہ ہوگا نہ سزا غیر معمولی اور سخت ہوگی

ترمیم نمبر ۹

جو حقوق دستور میں دئے گئے ہیں ان کے علاوہ جو حقوق رعایا کے ہوں گے وہ انہیں حاصل ہوں گے۔

ترمیم نمبر ۱۰

اختیارات دستور اساسی کے مطابق ریاستہائے متحدہ کو نہیں ملے ہیں نہ جن سے ریاستیں ممنوع ہیں وہ ریاستوں یا عام باشندوں کو حاصل رہیں گے۔

ترمیم نمبر ۱۱

(۸ جنوری ۱۷۹۸ء کو حاصل ہوئی)

جو مقدمات کسی ریاست نے دائر کئے ہیں یا کسی ملکی رعایا نے دائر کر رکھے ہیں ان مقدمات پر ریاستہائے متحدہ کو اختیار سماعت نہ ہوگا۔

ترمیم نمبر ۱۲

(۱۸ دسمبر ۱۸۶۵ء)

دفعہ ۱:۔

بجز اس حکومت کے جو کسی جرم کی سزا میں جبری خدمت لی جاتی ہو ریاستہائے متحدہ امریکہ اور اس کے ملحقات کے نہ غلامی باقی رہے گی اور نہ جبری خدمت۔

دفعہ ۲:۔

کانگریس مناسب قانون سازی کے ذریعے سے دفعہ بالا کو نافذ کرے گی۔

ترمیم نمبر ۱۳

(۲۸ جولائی ۱۸۶۸ء)

دفعہ ۱:۔

جو شخص یہاں کا پیدائشی ہے یا رعایا کی طرح آباد ہے وہ ریاستہائے متحدہ اور اس ریاست کا جہاں بود و باش رکھتا ہو باشندہ متصور ہوگا۔ کوئی ریاست کوئی ایسا قانون نہیں بنائے گی جس سے کسی باشندے کے حق شہریت میں رکاوٹ ہو یا کمی ہو اور نہ کوئی ریاست بلا چارہ جوئی عدالت کسی کو جانی آزادی یا جائداد سے محروم کرے گی اور نہ اپنے حدود میں مساوی حفاظت قانون سے محروم کرے گی۔

ترمیم نمبر ۱۴

کانگریس کو حق ہوگا کہ وہ جس آمدنی پر چاہے ٹیکس عائد کرے اور اس ٹیکس میں سے دوسری ریاست یا ریاستوں کو رسدی حصہ ملے گا نہ آبادی کی تعداد کا لحاظ ہوگا۔

ترمیم ۱۵

محض جنسی امتیاز کے باعث کانگریس یا کوئی ریاست کسی کو حق رائے دہی سے محروم نہ کرسکے گی نہ حق میں تخفیف روا رکھے گی کانگریس مناسب قانون بنا کر اسے نافذ کرے گی۔

ترمیم نمبر ۱۶

دفعہ ۱۔ ترمیم [illegible] دستور اساسی منسوخ کی جاتی ہے)

دفعہ ۲۔ خلاف قانون درآمد و برآمد مسکرات ممنوع کی جاتی ہے

دفعہ ۳۔ اگر [illegible]

سات سال [illegible]

بسلسلہ صفحہ

"آنے دو" یہ کہکر وہ انگریز پیرا پہنے کام میں لگ گیا۔

شیر سنگھ خیمے کے اندر داخل ہوا وہ انگریز افسر بڑے تپاک سے اس سے ملا۔

"گڈ ایوننگ سر" جمعدار شیر سنگھ نے آداب بجالاتے ہوئے کہا :

"گڈ ایوننگ، ہرگز دی ورلڈ دیدیا"

شیر سنگھ کے ہونٹ ہلکر رہ گئے وہ چپ کھڑا رہا۔ چاروں طرف خاموشی کا عالم تھا۔

"ویل شیر سنگھ ۔ ۔ ۔" انگریز افسر نے کہا۔ ہم تمہاری پچھلی بہادری سے بہت خوش ہیں اور اس بار بھی کیا"

"حضور کا حکم اور بندے کا سر حاضر ہے !"

"شاباش ! ہمیں تم سے ایسی ہی امید تھی دیکھو ہمارا رجمینٹ بہت خطرے میں ہے دشمن چاروں طرف سے گھیر رہے ہیں۔ رستے کے دستہ کے یہاں پہونچنے تک بچنے کا اگر کوئی طریقہ ہے تو صرف ایک ۔ ۔ ۔ ۔"

"فرمایئے"

"ادھر دیکھو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

صاحب نے شیر سنگھ کی نگاہ میز پر پڑے ہوئے نقشے کی طرف کھینچتے ہوئے کہا :

"یہ ہے پل نمبر ۴ ۔ ہم ہیں پل نمبر ۲ پر ۔ یہ ہے برفانی پانی سے اچھلتا ہوا برفانی نالہ سمجھے ؟"

"جی ہاں"

"اب بات یہ ہے کہ دشمن کے ایک دستہ نے کسی طرح دریا پار کر اس پل پر قبضہ کر لیا ہے اور اس وقت ان کو اچھی طرح سے گائڈ کر رہا ہے ان کا مین ڈیٹچمنٹ پیچھے آ رہا ہے کچھ دیر کے لئے اگر سیف رہنے کا طریقہ ہے تو ایک یعنی ۔ ۔ ۔ ۔"

"اس پل کو اڑا دینا ہوگا۔"

"بہت ٹھیک ۔ تم میرا مطلب سمجھ گئے سوچ لو بہت مشکل کام ہے ۔ کر سکوگے"

"کیوں نہیں ؟ جان ہتھیلی پر رکھکر جاؤنگا"

"شاباش شیر سنگھ ۔ یہی تو ہماری قوم کی بہادری ہے"

شیر سنگھ چپ رہا اتنے میں مل میں کچھ سوچکر وہ انگریز افسر جمعدار کے پاس کھڑا ہو گیا اور اس نے آہستہ سے اس کے کان میں کچھ کہا۔

"سمجھے"

"جی حضور"

تاریکی کا گہرا پردہ چاروں طرف پھیل چکا تھا ہوا کی سائیں سائیں اس خاموشی کو چھیدتی معلوم پڑتی تھی ایسے ہی وقت میں ایک نوجوان بغل میں گٹھری دبائے ہوئے بیدھڑک چلا جا رہا تھا اس کے دل کے اندر طرح طرح کے خیالات کا ایک طوفان سا اٹھ رہا تھا۔ اسی سے وہ کچھ جھنجھلایا سا جان پڑ

تو ہر ہی کا تیجو سے کچھ تعلق ہے اور نہ وہ پیار بارے ہی میں کچھ جانتی ہے۔

"لیکن اس کا پریم تو کبھی پھیکا نہ پڑنے والا معلوم پڑتا تھا ۔ بہتی ہوئی آنکھوں سے کہے ہوئے اس کے آخری الفاظ تو صاف صاف میری طرف تکا ہی دکھا رہے تھے پھر !

"پھر کیا ؟ آدمی کا دل بدلتے کچھ دیر تھوڑے ہی لگتی ہے ۔ تمہیں گاؤں سے آئے اب دو سال ہوگئے ہیں شاید ۔ ۔ ۔ ۔

اور ہاں عورت ذات کا پیسے کو دیکھکر پھسل جانا ابھی تو مشہور ہے ممکن ہے تم کنگال کو بھول گئی ہو، آخر تمہارے پاس ہے ہی کیا ؟ روکھی سوکھی کا بھی تو ٹھکانا نہیں، وہ ٹھہرا افسر، مالدار، اب وہ افسرانی ہوگی، داسی ہونے کے بجائے اب حکم کیا کرے گی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

تیجو مجھے امید نہ تھی کہ ہمارے پریم کا یہ انجام ہوگا، تیار رشتہ جوڑتے وقت میرے ٹوٹے دل کا کچھ تو خیال ہوتا ۔ ۔ ۔ چل آج ہی چل کیا سنہری موقع ہے سامنے سماں پر کھیں کر آج یہ کام کر دے اور پھر دنیا سے چھٹی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مگر شیر سنگھ کے خیالات کی رو نے پلٹا کھایا سوچنے لگا دنیا سے چھٹی ! مگر کیوں ؟ کس لئے ؟ صرف تیجو کے لئے، ہرگز نہیں آخر میرا اس سے رشتہ ہی کیا تھا ۔ شیریں فرہاد کے قصوں کے زمانے لد گئے —— آج کل ہے بیسویں صدی —— آزادی کا زمانہ ہر ایک کو آزادی چاہیئے۔

"آزادی ہاں آزادی نے تو اسے میری طرف جھکا دیا تھا وقتاً فوقتاً ملنے کی آزادی تھی اگر آزادی نہ ہوتی تو وہ گھر میں ہی نہ گھٹی سڑتی ہوتی ۔ اب اس آزادی کے لئے پرشچت کروں گا —— پرائشچت !

"تیجو ! مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں مگر جانتی ہو جلے دل کی آہ کو ! اگر تم جانتیں ۔ ۔ ۔ ۔ ہو سکے تو بھاگنے کو کم سے کم اس زندگی میں تو منہ نہ دکھانا ۔ جانے کیا کر بیٹھوں ۔ ۔ ۔ ۔"

چراغ

از جناب قمر احمد صاحب قمر

ہو رہا ہے سوزِ غم سے اپنا سارا تن چراغ
پھونک دیگا ہستیٔ بے مایہ کا خرمن چراغ

داغِ سینہ کی چمک سے یا تہِ دامن چراغ
راکھ کر دیگا تنِ خاکی کا پیراہن چراغ

دیکھکر افتادگی اپنی انہیں رحم آگیا
لو مبارک ہو کہ دکھلانے لگے دشمن چراغ

موسمِ گل میں گلِ لالہ کی ہے ایسی بہار
ہر روش ہوتی ہے تابانی سے ہر گلشن چراغ

روئے تاباں کی تصور سے دلِ شیدا اجلا
ہوگیا روشن کہ پروانوں کا ہے دشمن چراغ

عہدِ پیری ہے کہاں زورِ جوانی کی امنگ
پیکرِ خاکی ہے اپنا جیسے بے روغن چراغ

اپنے سینے سے عیاں ہے داغِ الفت کی جھلک
یا جلا رکھا ہے تو نے وہ بتِ پُرفن چراغ

مال و دولت کی ہوس سے اہلِ دنیا کا فریب
یہ بھی ہے اک گھات دکھلاتا جو ہے رہزن چراغ

انکی قہر آلود آنکھوں سے الٰہی دل کی خیر
کوئے قاتل میں جلا کر بیٹھے ہیں رہزن چراغ

زندگی بھر دل جلاتے تھے کسی کا یہ حسین
بعد مرنے کے جلاتے ہیں سرِ مدفن چراغ

ہے دلِ سوزاں کسی عاشق کا انکی زلف میں
کہ ہے تاریک شب میں اژدہے کا من چراغ

تھا قمر اک اہلِ دل جس کا یہاں پہ ہے مزار
منتوں کے اب جلائیں آ کے مرد و زن چراغ

"ویل، تو وہ پڑا ہے تمہارا سامان سویرا ہونے تک"

شیر سنگھ نے سر جھکا دیا پھر سامنے پڑی ہوئی گٹھری کو اٹھا کر اس نے صاحب کو سلام کیا اور دھیرے دھیرے خیمہ سے باہر ہو گیا۔

رہا تھا وہ سوچتا تھا ۔

"تو تیجو ایک افسر کے ساتھ بھاگ گئی یہ ناممکن ہے"

"ناممکن ہے کیوں ؟ کیا وہ تم سے اتنا ہی پریم کرتی تھی، ہو سکتا ہے جو ہو ناٹک ہو اور پھر اس بات کا پتہ بھی تو نوہر کی بھابی نے لکھا ہے بھلا اس کو جھوٹا کرنے سے مطلب ؟ نہ تو

(باقی صفحہ پر)

افسانہ

کسی کی غلطی

از جناب ہرقلتی صاحب بی اے

سسپاہ سے لمبے اپنا امر گیت گا رہے تھے ایک طرف سڑک کے پیڑ کا آسرا لئے ایک نوجوان لڑکا اور ایک نوجوان لڑکی کھڑی تھی لڑکا تھا کوئی بیس برس کے قریب، اس کا سڈول جسم لمبا پر جلال چہرہ تھا کی جوانمردی کے پل باندھ رہے تھے مگر اس کی دھیمی دھیمی مسکراہٹ میں اداسی کی ایک لہر سی جھلک مار رہی تھی۔ لڑکی دیہاتی پوشاک میں ملبوس تھی اس کی بڑی بڑی گول آنکھیں اس کے سندر گال گھنگریلے بال اونچا قد اس کی خوبصورتی کو بڑھا رہے تھے عمر صرف ۱۸ سال تھی وہ دونوں دھیمے دھیمے بات چیت کر رہے تھے۔

"تیجو! دیکھو اس بالک پن کو۔ میں تم سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں کیا سن سکو گی؟"

"اوں! ضروری بات! بھلا مجھ سے کون سی ضروری بات کہو گے؟ اچھا کہو، مگر دیکھنا اگر کوئی ناواجب بات کہو گے تو میں اپنے بھائی سے کہہ دوں گی۔"

"پہلے بات تو سن لو اپنے بھائی سے کیا کہو گی، سب باتیں کیا ہر ایک سے کہی جاتی ہیں تیجو نہیں جانتا اب ہمیں ایک دوسرے سے کتنی دیر کے لئے جدا ہونا ہوگا۔"

"کیوں؟ سچ سچ کہو!"

"میں لڑائی پر جاؤں گا۔"

تیجو نے منہ اٹھا کر پوچھا، "لڑائی پر! مگر کب؟"

"کل ہی! دادا کو کل ان کے پرانے مہربان صاحب کی چٹھی ملی وہ پرانی خدمات کی طرح اب بھی ہم سے مدد چاہتے ہیں۔ میں ضرور جاؤں گا تم جانتی ہو۔۔۔"

کچھ حیران ہو کر تیجو نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا مگر میں نے تو اس کی بابت کچھ نہیں سنا۔

"تم کیسے سن سکو گی آج دوپہر تک تو یہ بات میرے اور دادا تک ہی تھی ماں کے کان میں تو صرف ابھی ابھی ڈال کر آیا ہوں۔"

"تو تم ضرور جاؤ گے؟" تیجو نے کچھ اداس ہو کر کہا۔

"ہاں تیجو! نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے جانا ہی پڑے گا۔

جاتی ہو ہمیں لوگ کیوں ٹیڑھی نظر سے دیکھتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس ان کی جتنی زمین نہیں بیل نہیں۔ تم ہی دیکھو تمہارے باپو ہمارے تعلقات کو۔۔۔"

"مہربانی کر کے ان باتوں کو رہنے دو اچھا اگر جاؤ گے ہی تو اب اور کب دیکھ سکو گی؟" بات کاٹتے ہوئے تیجو نے کہا۔

"ٹھیک ٹھیک نہیں کہہ سکتا چاہے کہیں بھی ہوں، تمہاری یاد مجھے ضرور ستاتی ہی رہے گی تمہیں دیکھنے کی پیاس مٹے گی نہیں!"

یہ سنکر تیجو سر جھکائے چپ ہو گئی۔ دل ہی دل میں کہا "میرے لئے اتنا ہی کافی ہے اس سے زیادہ امید کرنا فضول ہے۔"

اتنے ہی میں دور سے کسی کے "تیجو تیجو" پکارنے آواز آئی دونوں چونک پڑے۔ یہ سجان سنگھ کی آواز تھی جو اپنی بہن کو ڈھونڈتا ہوا ادھر ہی آ رہا تھا۔

"شیرا! اب میں جاؤں گی!" تیجو نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔ شیرا نے اس کا ہاتھ چھوڑتے ہوئے کہا:-

"تیجو! اتنے دنوں میں مجھے بھول نہ جانا!"

تیجو کا دل بڑا کمزور تھا اس آخری بات کو سنکر اس کے آنسو گالوں پر ڈھلک آئے۔ اس نے آہ کے ساتھ کہا میں کبھی نہیں بھولوں گی شیرا، یہ کہہ کر اس نے شیرا کو پریم بھری نظروں سے دیکھا اور ایک طرف کو چلی گئی۔

دوسرے ہی دن پنجاب انفنٹری کے ساتھ شیر سنگھ کراچی اسپیشل میں روانہ ہو گیا۔

* * *

سورج کی سنہری کرنوں میں خیمے چمک رہے تھے انہی میں سے ایک چھوٹے سے خیمہ میں جمعدار صوبیدار شیر سنگھ کچھ غمگین سا بیٹھا تھا [illegible] وہ [illegible] کر سوچ رہا تھا!

مگر کسی طرح بھی وہ یہ اندازہ لگانے میں کامیاب نہیں ہوا کہ اس کی آشناکتنی اور تراش کتنی ہے وہ کئی انگلیاں لڑاتا مگر آخر میں وہی ڈھاک کے تین پات!

اسی وقت خیمے کی جھالر کو ہٹا کر کسی نے اندر قدم رکھا۔ شیر سنگھ چونک پڑا! اس نے کہا کون؟ تم، زورہر سنگھ!

"جی ہاں! کیا اس میں بھی کچھ شک ہے؟"

"۔۔۔" زورہر سنگھ نے چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ "ہوں۔ اتنے دن تو شکل نہ دکھائی آج کدھرسے ٹپک پڑے!" شیر سنگھ نے ہنسنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

"شکل دکھانے کے قابل ہوتی تو دکھاتے آج جیسے ہی کھلاہٹ ہوئی تو یہاں چلا آیا۔"

"تو کیا آپ نے ہمیں کھلاہٹ کی دوا سمجھ رکھا ہے۔ خیر تم آئے ہو تو بتاؤ آج کل کیسے گذرتی ہے؟"

"گذرتی ہے بہت مزے سے پیٹ بھرتے ہیں اور دکھاٹ توڑاتے ہیں بس تیرا کام نہیں ہے، مگر بھائی مجھے تو یہ ذرا بھی اچھا نہیں لگتا ہاتھ پر ہاتھ دھرے مکھیاں۔۔۔۔ اور گھر میں کون نالے خان تھے آپ جو یہاں جمعداری سے اکتا گئے"، زورہر نے بات کاٹتے ہوئے کہا

تم تو بناتے ہو بات کا بتنگڑ نکالتے ہو، نکالتے ہو اس کا کچومر بھلا میں نے کب نالے خاں ہونے کا دعویٰ کیا میرا مطلب تو تھا کہ گاؤں میں کیسے آرام سے دن گذرتے تھے وہ یہاں کہاں؟ زورہر بس تو جلدی ہی چھٹی لے کر گھر جاؤں گا، شیر سنگھ نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

شیر سنگھ نے اپنی بات ختم کی ہی تھی کہ زورہر بول اٹھا۔ ہاں تو شیر میں تم کو ایک بات بتانا ہی بھول گیا۔

"کیا بات؟" شیر سنگھ نے دلچسپی سے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں۔ معمولی گاؤں کی بات ہے تم جانتے ہو نہ اس تیجو کو؟"

"کون تیجو؟"

"وہی وہی سجان کی بہن، آپ کے گاؤں۔۔۔۔"

"ہاں ہاں! اس کو کیا ہوا جلدی کہو" شیر سنگھ نے بات کاٹتے ہوئے زورہر سے پوچھا۔

"آج بھابی کی چٹھی آئی ہے لکھا ہے کہ تین مہینے ہوئے وہ ایک افسر کے ساتھ بھاگ گئی ہے ابھی تک کوئی پتہ نہیں نہ معلوم کیا گول مال ہے؟"

شیر سنگھ چپ سنتا رہا۔

زورہر سنگھ نے پھر کہا۔ "اور تو اور زورہر سنگھ آج کل ایک عجیب مصیبت میں ہے ایک تو بیچارے کی لڑکی کھو گئی ہے دوسرے لوگوں نے انگلیاں اٹھا اٹھا کر اس کا گاؤں میں رہنا تک دوبھر کر رکھا ہے۔۔۔۔۔۔"

ابھی زورہر اپنی بات ختم بھی نہ کر پایا تھا کہ کسی کے بھاگتے ہوئے آنے کی آواز سن کر دونوں چونک پڑے اسی وقت ایک سپاہی خیمے میں داخل ہوا اور بڑے ادب سے فوجی سلام کر کے یہ عرض کی،

"جمعدار صاحب آپ کو صاحب نے یاد کیا ہے، ابھی!"

"ٹھیک، او" جمعدار نے سپاہی کی طرف دیکھ کر کہا اس نے یہ جواب پا کر پھر سلام کیا اور لفٹ رائٹ کرتا باہر نکل گیا شیر سنگھ اپنے کپڑوں کو ٹھیک کرنے لگا مگر دل میں کوئی بات کھٹک رہی تھی۔

* * *

خیمہ گیس کی تیز روشنی سے چمک رہا تھا چاروں طرف چٹائی پر ہتھیار بڑے قرینے سے رکھے تھے۔ درمیان میں گول میز رکھی تھی اور اس کے چاروں طرف کرسیاں۔ ادھیڑ عمر کا ایک انگریز ایک کرسی پر بیٹھا میز پر پڑی کسی چیز کو غور سے دیکھ رہا تھا اور کبھی کبھی اس پر اپنی پنسل سے کچھ لکھنے لگتا تھا۔

"حضور! جمعدار شیر سنگھ حاضر ہے" ایک سپاہی نے سیلوٹ کرتے ہوئے اس انگریز سے کہا۔

(باقی اگلے صفحے پر)

بقیہ صفحہ

"پھر بیٹھوں! آخر کیا؟ کچھ بھی تو نہیں ... نہیں نہیں، میں خود ہی اس کا منہ کبھی نہ دیکھوں گا ــــ کبھی نہیں ......

اتنے میں شیر سنگھ کو آواز سنائی پڑی ــــ "ہوگزدیر؟" وہ وہیں کھڑا ہوگیا، خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا،

"ہوگزدیر؟" پھر آواز آئی

شیر سنگھ سنبھلا بڑی سنجیدگی سے جواب دیا،

"ری ٹرامپ فائیو"

پھر کوئی آواز نہ آئی وہ آگے ہی آگے بڑھتا گیا اور خندقوں کو کودتا پھاندتا گہری تاریکی میں آنکھوں سے اوجھل ہوگیا

کوئی ایک گھنٹہ بعد ایک دم دھماکہ ہوا، ادھر ادھر کھلبلی مچ گئی۔

+ + +

اندھیری غار میں لیمپ روشنی پیدا کر رہے تھے چاروں طرف کراہنے کی آوازیں تھیں وارڈ بوائے اور نرسیں ادھر ادھر چکر کاٹتے ہوئے گھائل سپاہیوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے اتنے میں گلے میں سٹیتھسکوپ لٹکائے چند ڈاکٹر غار میں داخل ہوئے اور پلنگ نمبرہ کے چاروں جانب کھڑے ہوکر اپنا سامان ٹھیک کرنے لگے کچھ دیر بعد ایک بولا:

"زخم تو کچھ گہرا نہیں ہے مگر خون کے بہہ جانے سے اس کی نبض دھیمی پڑ رہی ہے۔"

"اور شاک؟" دوسرے نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"شاک کا اثر ہے تو سہی لیکن خاص نہیں شور ماپکے دل کا معلوم ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر نے زخم صاف کرکے اس پر مرہم لگایا اور چھاتی پر روئی رکھ کر پٹی باندھ دی سامان اکٹھا کرتے کرتے اس نے کہا

"سسٹر نمبر ۸!"

"جی ہاں"۔ اس کا جواب ملا اور ساتھ ہی ایک نرس بھاگتی ہوئی وہاں آپہنچی۔

"دیکھو اسے تھوڑی سی چائے گرم پلاؤ اور پھر باری باری سے ماتھے پر گرم اور ٹھنڈے پانی کی گدی رکھو بھی۔"

نرس مریض کی تیمارداری میں لگ گئی متواتر دو گھنٹہ کی تیمارداری کے بعد مریض نے منہ کھولا "پانی"۔

نرس نے جھک کر چائے کی پیالی کی نلی مریض کے منہ سے لگا دی تھوڑی دیر کے بعد مریض نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا ــــ "میں کہاں ہوں؟ کیا ــــ کیا؟"

"ہسپتال میں" "اب تم بہت اچھے ہو۔"

"ہیں! کون؟" مریض نے دائیں طرف سر جھکاتے ہوئے کہا پھر آنکھیں ملنے لگا۔

"کیا تم؟ تم ــــ تیجو؟ سچ سچ....."

"ہاں! میں ہی تیجو ہوں" اس نے انگوٹھے پر اپکل باندھتے ہوئے کہا۔

"تم! تم یہاں کیسے؟ تم افسر کے ساتھ ..... کیا دیکھ رہا ہوں، کیا سنتا تھا...؟"

"ہاں ٹھیک کہتے ہو..... سُن...."

"سنوں کیا خاک! مریض نے چارپائی پر سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا ــــ جب ٹھیک ہی ہے تب مجھے اپنا کالا منہ دکھانے کیوں آئی۔ جلے پر نمک چھڑکو گی؟ مجھے منہ نہ دکھا ؤ جاؤ!! جا.......ؤ!!!"

یہ کہتے کہتے وہ غش کھا کر گر پڑا۔

نرس خوفزدہ ہرنی کی طرح سہمی کھڑی تھی اس کے دماغ میں خیالات کا طوفان اٹھ رہا تھا مریض کے الفاظ اس کے کانوں میں گونج رہے تھے آخر میں حوصلہ کرکے اس نے مریض کو ٹھیک سے لٹا دیا اور پہلے کی طرح تیمارداری میں لگ گئی مگر اب اس کے ہاتھوں میں کمزوری ناطاقتی سی آگئی تھی جب مریض کو نیند آگئی تب وہ وہاں سے چلی گئی۔

دوسرے دن شیر سنگھ کی غشی جاتی رہی وہ پہلے کی طرح صحت مند معلوم پڑتا تھا اس کو تکیہ میں باہر کی طرف نکلا ہوا ایک لفافہ دکھائی پڑا اس نے لفافے کو پھاڑ ڈالا ایک چھٹی نکلی پہلے چند لفظ پڑھ کر وہ قہقہہ مار کر ہنسنے لگا کیا خوب سوجھی ہے "پیارے ــــ پیا...... رے" کتنی چالاک ہے؟ پھر پھنسائیگی کیا مجھکو؟....... مگر ایک دم اس کا چہرہ بدل گیا وہ سنجیدگی سے چھٹی پڑھنے لگا۔

پیارے شیر!

تم نہیں جان سکتے مجھکو کون کون سی امنگیں، کون کونسی امیدیں یہاں کھینچ لائی تھیں مگر آج وہ سب خاک میں ملتی نظر آئیں جب سے تمہارے سخت الفاظ سنے ہیں اندر ہی اندر جلی جارہی ہوں تم نے مجھے دیوانہ بنا رکھا تھا، بنارہے ہو، بناتے رہو گے، امید نہیں کہ پھر کبھی تم کو دیکھوں لیکن جانے سے پہلے تمہارے دل سے غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کرتی ہوں یہ آخری چھٹی لکھ رہی ہوں شاید اپنے کام میں سپھل ہوسکوں"۔

تمہاری بات چیت سے معلوم ہوا کہ میرا شام دتو کے ساتھ بھاگ آنا ہی تمہارے دل میں کھٹک رہا ہے مگر میں تمہارے خیالات کو ٹھیک ٹھیک نہیں بھانپ سکی، خیر ٹھیک ٹھیک حال مختصراً لکھے دیتی ہوں جیسا من میں آئے سمجھنا؟

تم کو گاؤں سے آئے ایک سال ہوچکا تھا اس دوران میں تمہارا خط تمہارے جانے کے ایک ماہ بعد ہی ملا اس کے بعد نہیں، تمہارا خط نہ ملنا مجھے کھٹکا نہ جانے کیا کیا خیالات دل میں آنے لگے اگر تم عورت کے دل کو جانتے تو خیال آتا چلوں تمہارے گھر سے ہی تمہارا حال پوچھ آؤں مگر راستہ ہی میں جاکر رہ جاتی، سوچتی نہ جانے تمہارے پتا کیا خیال کریں، اور لوٹ آتی گاؤں میں کسی سے ڈرتی کہ کہیں بات کا بتنگڑ نہ بن جائے اس طرح پورے بارہ مہینے گذر گئے۔

ایک دن یہی میجر شام دتو گاؤں میں بھرتی کرنے کے لئے آیا گاؤں کے باہر اس نے اپنا تمبو لگوایا۔ لہنا، نوجا سنگھ، بدھو وغیرہ گھبلیوں کے لالچ میں دھڑا دھڑ اپنا نام لکھوانے لگے، میرے دل میں بھی شوق پیدا ہوا بھرتی کا میلہ دیکھنے کے بہانے ایک روز شام کو میں میجر شام دتو سے ملی اور آپ کی خیریت پوچھی مگر کوئی خاص جواب نہ پا سکی آخر اس سے میں پوچھ ہی تو بیٹھی "کیا عورتوں کی بھرتی نہیں ہوتی"۔

"بھلا لڑائی میں عورتوں کا کیا کام؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا مگر ہاں نرسوں کی پلٹن ان کے لئے ہے"۔

"مطلب"

"مطلب یہ کہ گھائل سپاہیوں کی دیکھ بھال کے لئے کی جاتی ہے"

"تو ہندوستانی نرسیں کہاں بھیجی جاتی ہیں"۔ میں نے میجر سے پوچھا

"جہاں ہندوستانی سپاہی ہوں"

میرے دل میں کچھ امید کی جھلک پڑی میں نے پوشیدہ طور پر اپنا نام نرسوں کی پلٹن میں لکھوا دیا چوتھے دن میں بغیر کسی سے پوچھے میجر شام کے ساتھ چلی آئی دہلی میں میں مس میو کے زیرِ نگرانی میں رکھی گئی اور میں باقاعدہ نرسنگ کا کام سیکھنے لگی۔

+ + +

اس کیمپ میں آئے مجھے ایک ہفتہ ہوچکا تھا فوجیوں کی لسٹ سے مجھے پتہ چلا کہ تم یہیں ہو مگر مجھے تمہارے پاس آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ مگر تمہاری خبر ضرور رکھتی تھی۔ آج آج... خیر جو بات گذر چکی سو گذر چکی اب اس کی یاد ستائے کیوں، یہ ہے اتنے دنوں کی میری مختصر کہانی، اب اس ابھاگن کو تم سے ملنے کی امید نہیں، ہوسکے تو مجھے معاف کر دینا۔

آپ کے آخری درشنوں کی پیاسی

"تیجو"

چھٹی پڑھ کر شیر سنگھ کی حالت عجیب ہوگئی چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک رنگ جاتا اس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر چھاتی میں ایک ٹیس اٹھی اور پھر لیٹ گیا تکیہ اس کے منہ پر تھا۔

آج شیر سنگھ تین سال کے بعد لڑائی سے لوٹا تھا اب دو کھیتوں کی آڑ میں (باقی صفحہ پر)

(باقی صفحہ پر)

دوستی کا حق

ــــــ حقیقت رقم ــــــ

شیخ کلیم اور میر کلو بچپن میں لنگوٹیا یار تھے بیس برس کی عمر تک دونوں ایک ساتھ رہے آنکھ مچولی، گلی ڈنڈا، اور دوسرے دیہاتی کھیل کے لڑائی جھگڑوں کے باوجود ان کا پیار قائم رہی بڑے ہو کر شیخ کلیم وکیل بنے اور میر کلو پہلوان۔ دونوں کی راہیں جدا جدا مگر جب کبھی ملتے تو وہی پرانا یارانہ قائم رہتا مرتبوں کے فرق نے میر کلو کے جیتے جی دل میں کسی قسم کی منافرت پیدا نہ ہونے دی میر کلو جب کبھی عدالت کے کام سے تحصیل کو جاتے تو شیخ کلیم کے لئے چوزے۔ بٹیر یاں۔ باجرے کا ملیدہ۔ جوار کا ستو ضرور لیجاتے اور شیخ کلیم بھی ان کی خاطر مدارات ایک وقت کے کھانے ناشتے اور حقہ پانی سے کرتے، دیکھنے والوں کو تعجب ہوتا کہ وکیل صاحب یوں تو کھلنے پر کبھی۔ بیٹھنے دیتے مگر میر کلو کی خاطر تواضع میں کبھی فرق نہ آنے دیتے یہ بات میر کلو کی وفات کے بعد بھی قائم رہی اور میر کلو کا لڑکا میر چھینو جب کبھی انہیں کچہری میں نظر آتا تو اسے بڑی شفقت سے اپنے گھر لے جاتے اور بلا کچھ کھلائے پلائے جانے نہ دیتے شام ہوتی تو رات بھر اسے کھانا کھلاتے پہناتے میر چھینو انہیں اپنا حقیقی چچا سے کم نہ سمجھتا۔

میر چھینو اپنے باپ کا سا پہلوان تو نہ ہوا البتہ لاٹھی چلانے دوڑنے اور بلند مقامات سے کودنے میں استاد تھا پڑھنے لکھنے سے کام نہ تھا جاہلوں کی صحبت میں اسے تاڑی پینے کا چسکا پڑ گیا جوانی کا زمانہ، بدن میں پھرتی طبیعت میں تیزی، نشہ کا ترنگ یہ سوجھی کہ تاڑی پر دام لگانا بیکار ہے اگر دام لگا کر پی گئی تو پھر بات ہی کیا رہی نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے دو ایک ساتھیوں کو لے کر رات میں تاڑ پر چڑھ گئے اور تاڑ مالی نے تاڑی بٹورنے کے لئے جو برتن لگایا تھا اس میں سے کچھ تاڑی تو ایک لوٹے میں بھر کر رسی کے ذریعہ ساتھیوں کے لئے نیچے لٹکا یا باقی تاڑی برتن میں منہ لگا کر غٹ غٹ پی لی اور دوسرے تاڑ کی طرف متوجہ ہوتے اس طرح [illegible] تین چار تاڑ کی تاڑی میر چھینو اور ان کے دوستوں کی بدولت صاف [illegible]

صبح کو تاڑ مالی آکر دیکھتا کہ تین چار تاڑوں کے برتن بالکل صاف! حیران تھا کہ آخر کیا معاملہ ہے،

غریب تاڑ مالی کو سرکاری ٹھیکہ کا روپیہ دینا پڑتا تھا یہاں ایک دن کا معاملہ ہوتا تو صبر کر جاتا جب یہ دیکھا کہ یہ روز برتن کورے رہتے ہیں تو مجبوراً اس نے حلقہ کے پولس اسٹیشن افسر کو کچھ نذر بھینٹ دی اور تھانے دار صاحب نے چوروں کا پتہ لگانے کا بیڑا اٹھا یا خفیہ طور پر کانسٹبلوں اور چوکیداروں کو نگرانی کی ہدایت دی دو چار دن تو حلقہ کے کانسٹبل اور چوکیدار بھی ٹال گئے مگر جب سختی گرم ہو گئی تو یہ لوگ بھی سراغرسانی کے لئے مستعد ہو گئے۔ مثل مشہور ہے سو دن چور کے ایک دن شاہ کا۔

ایک چاندنی رات میں جب میر چھینو اپنے دوستوں کو تاڑی دے کر اور خود پی کر اتر رہے تھے کہ پولیس کے سپاہی اور چوکیدار پہونچ گئے نیچے کھڑے ساتھیوں کو پکڑنے لگے میر چھینو کو جو موقع ملا تو وہ پیپے کو دکر بھاگے دھاکے کی آواز پر چاندنی رات میں کانسٹبلوں، چوکیداروں، تاڑ مالی اور اس کے ساتھیوں نے انہیں بھی پہچان لیا دو ساتھی تو مع تاڑی کے پکڑے گئے تھے رات ہی میں تھانے میں رپٹ ہوئی گرفتار ملزم حوالات میں بند ہوئے اور میر چھینو کے نام وارنٹ گرفتاری جاری ہوا۔

اب میر چھینو کا نشہ ہرن ہوا گرفتاری اور سزا میں کوئی دقیقہ باقی نہ تھا کہ انہیں ہوش آیا اور سیدھے شیخ کلیم کے گھر گئے اور رو کر بولے کہ ا۔

چچا مجھ سے قصور تو ہوا مگر اب عزت آپ کے ہاتھ ہے نہیں تو آپ کا بھتیجا جیل گیا، ساتھ ہی سارا حال سنایا۔

شیخ کلیم کچھ دیر سوچ میں رہے اس کے بعد کچھ بڑبڑاتے ہوئے اٹھے گھوڑا کسا گیا شیخ کلیم سوار ہوئے اور یہ ان کے ساتھ ساتھ صدر گئے ایک بنگالی وکیل کو جو فوجداری میں اچھا کام کرتا تھا وکیل مقرر کر کے ضمانت منظور کرا دی۔

پیشی کے دن جب مقدمہ پیش ہوا اور گواہان ثبوت نے بیان دینا شروع کیا تو پتہ چلا کہ گواہان ثبوت میں سے ہر ایک نے ان کو پہچانا تھا اور بظاہر رہائی کی امید نہ تھی۔

دوسری تاریخ پر صفائی کے گواہان پیش ہوئے ان میں پہلا نام شیخ کلیم کا تھا ان کی شہادت یہ تھی کہ مجھے ضروری کام کے لئے ایک شخص کو بھیجنا تھا میں نے وقوعہ کے دن میر چھینو کو اپنے پاس بلا بھیجا چونکہ انہیں ضروری ہدایات دینی تھیں میں نے اپنے پاس چارپائی پر سلایا دس بجے رات تک ان سے باتیں کرتا رہا کوئی دو گھنٹہ کے بعد میری آنکھ کھلی حقہ پینے کی خواہش ہوئی انہیں جگایا اور میر چھینو نے آگ جلائی حقہ بھرا۔ پھر چونکہ صبح سویرے ہی انہیں روانہ کرنا تھا صبح چار بجے پھر انہیں جگایا حقہ پانی کرتے چھ بج گئے اس وقت سے جا کر انہیں ۲ ۱/۲ بجے صبح کی ٹرین میں ٹکٹ کٹوا کر بنارس روانہ کیا۔

اس طرح پر وقوعہ کی شب جو کہی جاتی ہے اس روز یہ میرے پاس رہے مزید ثبوت میں دو گواہ اور بھی پیش کر دئے۔

اور ملزم تو سزایاب ہوئے اور میر چھینو صاف بچ گئے جب تک مقدمہ تھا شیخ جی نے ان سے کچھ نہ کہا اب جو چھڑا کر لائے تو اتنا کہا کہ ا۔

دیکھ بے لڑکے میں نے تیرے باپ کا خیال کر کے تجھے چھڑا لیا ہے لیکن اگر آئندہ تجھے ایسی حرکات کرتے میں نے سنا تو خود جیل بھجوا دونگا یہ بھی شریف کے لڑکے تھے عہد کیا کہ اب آپ کبھی میری شکایت نہ سنیں گے اس کے بعد میر چھینو تاحیات تاڑ پر نہ چڑھے۔

کیس کی غلطی

(بسلسلہ صفحہ)

کو دیے بھاند نے دالا شیر نہیں تھا اب وہ کھیتوں کی بجائے دکھ نہ ہو کر اس سے کارات صوبیدار شیر سنگھ، اس کے وہ خوبی کے دن کٹ گئے اور جلد ہی اسے جاگیر ملنے والی تھی مگر اس کے دل میں وہ شانتی وہ مسرت نہ تھی جس کی تمین سال پہلے اسے امید تھی نہ معلوم کونسی گہری چتا اس کو اندر ہی اندر جلاتی رہتی تھی۔

سویرے گاؤں کے بہت سے لوگ اس سے ملنے کے لئے آئے ذیلدار صاحب اور ان کے صاحبزادے سجان سنگھ بھی تھے آتے آتے گاؤں کی بہت سی لڑکیوں نے بھی گاؤں کے پھاٹک پر اس کا سواگت کیا تھا مگر اسے تیجو کہیں نظر نہیں آئی ایک دو بار اس نے کسی کسی سے پوچھنا بھی چاہا لیکن جرات نہ کر سکا سوچا کسی سے اس کی بات پوچھنے کا حق ہی کیا ہے اور......

"شیرا" کسی نے آواز دی

"آ یا بے بی جی"

شیر سنگھ نے خیالات کا تار توڑتے ہوئے اپنی ماں کو جواب دیا پھر پاؤں میں جوتے پہن کر دالان میں آیا دالان اس کی ماں تھال پر وے بیٹھی تھی اس نے آٹا کر موجن کرنا شروع کر دیا۔

ماں نے بھی باتوں کا سلسلہ چلاتے ہوئے کہا "تیجو بھی لوٹ آئی ہے"

"کب" اس نے حیرت سے پوچھا

"پانچ مہینے ہی تو ہوئے کہتی تھی میں نے بھی بہت سی لڑائیوں کے میدان دیکھے ہیں مگر جب سے آئی ہے کھاٹ سے ناطہ جوڑ رکھا ہے"

"کیا بیماری ہے"

"میں کیا جانوں؟ ـــ سارے دن بکتی رہتی ہے ـــ مجھے تم ہی کھینچ لے گئے، میں بالکل بے قصور ہوں۔ صرف ایک بار درشن دے دو۔ آخری وقت معاف تو کر دینا۔ اسی میں مجھے شانتی ملے گی وغیرہ وغیرہ کوئی کہتا ہے کہ اسے تپ دق ہو گئی ہے کوئی بولتا ہے وہ پاگل ہو گئی ہے.... ہزارہ سنگھ تو آج کل صدمہ میں گھلا جا رہا ہے"

شیر سنگھ اب وہاں نہ بیٹھ سکا جلدی سے پانی پی چپ چاپ اٹھ کھڑا ہوا۔

"کیوں دودھ پی بیٹی میں ٹھنڈی ہو سکی" ماں نے حیران سے پوچھا (باقی کالم ۳ پر)

(بسلسلہ کالم ۴)

"بھوک نہیں ہے" شیر سنگھ نے کچھ سنجیدگی سے جواب دیا اور پھر جلدی سے گھر کے باہر ہو گیا تیزی سے پاؤں اٹھاتا وہ ذیلدار ہزارہ سنگھ کے دروازے پر جا پہونچا۔ تیجو کی ماں وہیں کھڑی تھی بڑی نرمی سے کچھ دبی سی ہنسی کے ساتھ اس نے کہا

"آؤ بیٹا! اب ہم غریبوں کو تو نہ بھول جاؤ گے" اور اسے اندر لے گئی۔

کمرے کے اندر ایک چارپائی پڑی تھی اس پر کپڑوں کے ایک ڈھیر کے سوا کچھ نہ دکھائی دیتا تھا۔ سر تک تو چادر کے پلے کے نیچے دبا ہوا معلوم ہوتا تھا چارپائی کے پاس پہنچ کر سجان کی ماں نے آہستہ سے کہا "تیجو تیجو دیکھ تو شیرا تجھ سے ملنے آیا ہے" (باقی صفحہ ۱۲ پر)

کام دیو کا استھان

سد

اب تو وہ اگلی سی باتیں نہ رہیں ہندستانی
[illegible] یورپین طرز کی عادی ہوتی جا رہی ہے
مرد و عورتیں بھی سینما اور ناٹک کی فدائی
ہو کر آخری شو کے بعد کہیں ۱۲ - ۱ بجے تک
گھر لوٹتی ہیں اور چائے پان کرتے کرتے
کہیں دو بجے کے قریب بستر پر جانا نصیب
ہوتا ہے۔
سنہ بھر پہلے آدھی رات تک جاگنا
پھر زندگی کے بعد نیند ہی کہیں ہے دو گھنٹے یا
ہم منٹ کی کروٹ شب کے بعد آتی ہے پھر
بھلا صبح کو آنکھ کیونکر کھلے نتیجہ یہ ہے کہ صبح
بنارس کا لطف اب بالکل زمانۂ گذشتہ
کی یاد کی طرح دھندلا بلکہ دلوں سے محو ہوتا
جا رہا ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ حسینان بنارس
کا جمگھٹ کاشی کے مختلف گھاٹوں پر گنگا جی
اشنان کے پن حاصل کرتا اور من چلے تماش
بینوں کے لئے ایک دلچسپ نظارہ پیدا کرتا
صبح بنارس کے شیدائی تاروں کی چھاؤں
اور صبح کاذب کے دھندلکے میں مشتاقانہ
گھروں سے نکل کھڑے ہوتے اور کسی قریبی
گھاٹ سے ایک کشتی کرایہ پر لے کر مختلف
گھاٹوں پر حسن لب آب کے نظارے دیکھتے
ہوئے دن نکلتے نکلتے گھروں کو لوٹ آتے
اور کاروبار میں مصروف ہو جاتے وہ بھی کیا
زمانہ تھا جب ایک طرف نازنینان بنارس
کے طول کے غول نگہ بازوں کی دزدیدہ نگاہی
سے بے پروا، اپنے ایشور کی یاد میں مگن دن
نکلنے سے بہت پہلے دشاشومیدھ گھاٹ پر
پہنچ کے اشنان کرتیں اور [illegible] کی جانب
کرتی ہوئی سورج نمسکار (سلامی) کرتے
ہوئے کسی بیٹھے ہوئے پجاری سے چندن
لیتیں اور پھول جیسے نذر دیتی ہوئی بشوناتھ
جی کے درشن کو جاتیں اور راستہ میں بیٹھے
ہوئے فقیروں محتاجوں اور بھکاریوں کو بھی
آٹا کچھ دیتیں جو ان کی روز کی قوت لایموت
سے کہیں زیادہ ہوتا یہ اس وقت کی باتیں
ہیں جبکہ یہ مشہور تھا کہ کاشی میں رات کو آٹا
پاپ ہوتا ہے کہ مبادا جی جن کا لب یہ خبر
دیتا اور یہ تہیہ کر لیتے کہ اب یہ پانی اس
قابل نہیں رہا جو اسے دھرتی پر بہنے دیا
جائے بس صبح ہوتے ہی اسے تباہ کر دیا
جائے گا مگر صبح ہوتے ہی آتا پوجا پاٹ دان
پن ہوتا کہ وہ سارا غصہ بھول کر مگن ہو جاتے
ہیں۔ گو آج بھی کاشی میں تیرتھ کرنے والے
جاتریوں کا ایک میلا لگا رہتا ہے اور اشنان
اور درشن کرنے والوں کی وہی بھیڑ رہتی ہے
مگر گراموفون ریڈیو، سینما ناٹک اور دوسری
مغربی دلچسپیوں نے شہریت اور خصوصاً
صبح کا خاتمہ کر دیا ہے اور اصلی باشندگانِ
کاشی کو حضرت محسن کاکوروی کے اس شعر پر
عمل رہ گیا ہے ؎

گھر ہی اشنان [illegible] آج جوانانِ کاشی
جا کے گنگا پہ نہانا بھی ہے اک طول عمل

البتہ اب بھی شہر کی بوڑھی اور پرانے زمانے
کی یادگار مرنے والی خواتین جو دلوں میں
مرنے کی تمنا لئے ہوئے کاشی باس ہو رہی
ہیں "ہر ہر گنگے" کہتی ہوئی اور گنگا باسی
کے بھجن گاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔
مگر صبح بنارس کا وہ لطف کہاں جس
پر شیخ علی حزیں نے ایران کو خیرباد کہہ کر
بنارس میں آسن جمایا تھا اور یہی کہتے کہتے
پیوند خاک ہو گئے کہ ؎

از بنارس نہ روم معبد عام است اینجا
ہر برہمن پسرے لچھمن و رام است اینجا

اب سے تقریباً تیس چالیس سال قبل
کا ذکر ہے جبکہ ملک میں مذہب اور دھرم کا
تو زور تھا مگر فرقہ بندی کے تعصب اور باہمی منافرت
کا نام نہ تھا بلکہ ہندو مسلمان ایک دوسرے
کے تیوہاروں اور جلسوں میں بے دریغ
شرکت کرتے تھے اور ایک کو دوسرے سے
کسی قسم کا دھڑکا نہ تھا۔
لکھنؤ کے ایک مولوی صاحب جو معمولاً
سال میں ایک دو بار ضرور بنارس جاتے خود
اپنا ایک دلچسپ واقعہ یوں بیان فرماتے ہیں
مگر اس بیان سے لطف اندوز ہونے کے لئے
مولوی صاحب کی چند خصوصیات کا اظہار بھی
ضروری ہے۔
مولوی صاحب نہایت حسین اور خوش
وضع تھے، اور مذہبی پابندی اور تقدس کے ساتھ
آزاد خیال ایسے کہ سیر و تفریح، میلوں اور
تماشوں کی شرکت میں ذرا بھی جھجک نہ تھی
حتیٰ کہ جس طوائف سے کسی دوست کے یہاں
ملاقات ہوتی تو اس کے گھر جانے میں دریغ
نہ تھا۔ بنارس جب کبھی جاتے تو صبح بنارس
کی سیر ضرور کرتے ایک دفعہ فرمانے لگے کہ
ابکی جو میں سیر بنارس کے لئے نکلا تو دسہرہ
کے گھاٹ پر جا کھڑا ہوا اتفاق سے گھاٹ پر
اس وقت پہونچا جبکہ دن نکل رہا تھا لب آب
سیڑھیوں پر کھڑے ایک سادھو کے بھجن
کے لطف لے رہے تھے کہ ایک برہمن دریا سے
نہا کر نکلا مولوی صاحب نہاتے پانی سے نکلتے
دیکھ کر اس خیال سے اٹھے کہ کہیں پانی کی
چھینٹیں ان پر نہ پڑ جائیں تو مولوی صاحب
کی پرچھائیں اس برہمن پر پڑی اور وہ
فوراً کود کر پھر پانی میں گیا اور دو غوطے لگا کر
پھر نکلا مولوی صاحب کو اس کی اس حرکت
پر حیرت ہوئی اور اب کی وہ خود اس کی وجہ
دریافت کرنے کو آگے بڑھے ابکی پھر اس پر
پرچھائیں پڑیں اور پھر وہ آپ سے پانی میں
غوطہ مار گیا غرضکہ تین بار جب یہی صورت
ہوئی تو عاجز آ کر برہمن نے خود کہا کہ مولوی
صاحب ذرا آپ کنارے رہئے کہ میں سوکھا
کپڑا تو پہن لوں مولوی صاحب نے پوچھا کہ
میں تو کنارے ہوں تم پانی سے نکلتے کیوں
نہیں۔ برہمن نے جھلا کر کہا کہ صاحب آپ تو
کنارے ہیں مگر آپ کی پرچھائیں تو کنارے
نہیں وہ تو مجھ پر پڑ جاتی ہے مولوی صاحب
نے پوچھا کہ اس سے کیا حرج ہے؟
برہمن نے کہا کہ حرج کیوں نہیں صبح
صبح ایک مسلمان کی پرچھائیں پڑنے سے سارا
دن خراب رہے گا۔
اب مولوی صاحب مسکرا کر ہٹے وہ
باہر نکلا دھوتی بدلی بھیگی ہوئی دھوتی کو نچوڑ کر
گارا اور کندھے پر رکھ لوٹیا میں پانی لے کر
پاس کی مورتی کے پاس گیا کچھ دیر پوجا کی
پجاری سے چندن لے کر ٹیکا لگایا کچھ معمولی
سا دان دے کر آگے بڑھا مولوی صاحب جو اس
کی حرکت سے متعجب تھے (باقی صفحہ ۱۲ پر)

بسلسلہ صفحہ ۱۱

اس کے پیچھے چل کھڑے ہوئے کہ دیکھیں یہ کہاں جاتا ہے۔ اسے اس کا کچھ پتہ نہ تھا کہ کوئی اس کی ٹوہ میں سایہ کی طرح ساتھ ہے برہمن چلتے چلتے ایسی گلی میں پہونچا جہاں کوٹھریوں میں پرانی بازاری عورتیں کس مپرسی کے عالم میں اس امید میں بیٹھی نظر آتی تھیں کہ شاید کوئی گناہوں کا متوالا ان کی طرف متوجہ ہو جائے۔

برہمن چلتے چلتے ایک کوٹھری میں گھس گیا۔ مولوی صاحب پہلے تو یہ سمجھے کہ شاید یہ اپنے گھر پہونچ گیا اور پڑھنا چاہتے تھے کہ برہمن کوٹھری سے باہر نکلا اور دو کوٹھری چھوڑ کر ایک تیسری کوٹھری میں گھس گیا اب تو مولوی صاحب گھبرائے اور حیرت سے آگے بڑھکر اس کوٹھری کے پاس جا کر دیکھنے لگے کواڑ چونکہ کچھ کھلے ہوئے تھے انہوں نے دیکھا کہ کالی ادھیڑ سی عمر والی عورت کی بغل میں بیٹھکر برہمن اسے گدگدا رہا ہے مگر وہ کچھ پریشان سی ہے اس کے لب برہمن نے دو چار پیار کی باتیں کیں اور اس کے ہاتھ میں کوئی رقم دے کر اور شام کو آنے کا وعدہ کر کے چل نکلا اسے اٹھتے دیکھکر مولوی صاحب پیچھے ہٹے۔

برہمن باہر نکلا اور اسی طرح دو تین کوٹھریوں میں گھسا مولوی صاحب دیکھتے رہے کہ وہ اسی طرح ہر ایک سے ہنستا بولتا اور رکھ۔ ان کے ہاتھ میں دیتا ہوا شام کو آنے کا وعدہ کر کے نکل کھڑا ہوا۔ اب تو مولوی صاحب کے استعجاب کی انتہا نہ تھی اور بالآخر انہوں نے پنڈت جی کو روک کر پوچھا کہ آخر اس کے کیا معنی ہیں مجھ سے تو آپ نے اتنا پرہیز کیا کہ پرچھائیں پڑنے نہ دی اور اب ان بازاری ذلیل عورتوں کی بغل میں بیٹھنے سے پرہیز نہیں؟

برہمن:۔ سنو مولوی صاحب تم نے تو دیکھ ہی لیا ہے اب تم سے کیا پردہ ہے وہ دنیا کو دکھلانے کے لئے تھا اور یہ کام دیو کے بجھانے کے لئے۔

مولوی صاحب:۔ پنڈت جی میں آپ کی بات کا مطلب نہیں سمجھا۔

برہمن (ہنسکر) مطلب صاف ہے یہ بیچاریاں کام دیو کے بس میں پڑ کر اپنی جوانی کھو چکی ہیں، اب ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے یہ بھیک مانگنے سے رہیں دوسرا کوئی بے مانگے دینے سے رہا خود ان میں نہ صورت ہے نہ جوانی کا کوئی انداز پھر کوئی ان کو کیوں پوچھنے لگا اس لئے میں نے ایسا کیا۔

دلچسپ معلومات

انسان کی کلائی میں آٹھ ہڈیاں ہوتی ہیں ہتھیلی میں پانچ اور انگلیوں میں چودہ

پیدائش سے کر پچاس سال کی عمر تک ایک آدمی ۶۰۰۰ دن کام کرتا ہے اور ۶۰۰۰ دن سوتا ہے ۴۰۰۰ دن تفریح وغیرہ میں صرف کرتا ہے ۱۵۰۰ دن کھاتا ہے ۵۰۰ دن بیمار ہوتا ہے ۱۱۲۵۰ دن آدمی چلتا ہے۔

دریائے ٹیمز کے ٹنیل پر ۶ لاکھ ۳۰ ہزار پونڈ صرف ہوئے۔

بقول ٹالسٹائی علمی کاموں کے لئے عمدہ وقت ۹ بجے صبح سے ۳ بجے سہ پہر تک ہے۔

مصنوعی مکھن پہلی دفعہ ۱۸۶۹ء میں پولسی واقع فرانس میں بنایا گیا مکھن گردوں اور حیوانات کی چربی سے تیار کیا گیا۔ زیتون اور بنولے کے تیل وغیرہ سے بھی مصنوعی مکھن بنایا جاتا ہے۔

جاپان میں ہر سال ۵۰۰ سے زیادہ زلزلے آتے ہیں۔

دنیا بھر میں ۳۰۶۴ زبانیں اور ایک ہزار سے زائد مذاہب ہیں۔

انسانی حیات کی اوسط ۳۳ سال ہے اور ہزاروں آدمیوں میں صرف ایک شخص ۱۰۰ سال کی عمر پاتا ہے۔

ایک ویل مچھلی کی زبان سے ایک ٹن تیل نکالا گیا ہے۔

اے شاد کس طرح سے کروں عرض مدعا
ناآشنا ابھی صنم خورد سال ہے (شاد)

شرما کے وہ بولے بھی تو کیا ہم سے نہ بولو
کیا خوب تیری چھیڑ کا حسرت یہ صلہ ہے (حسرت)

وہ رند شوخ جو دیر و حرم میں سرکش تھا
ترے حضور میں بیٹھا ہے سر جھکائے ہوئے
(اثر صہبائی)

سوز دروں سے جل بجھو لیکن دھواں نہ ہو
ہے درد دل کی شرط کہ لب پر فغاں نہ ہو
(محمد علی جوہر)

کام کی باتیں

عالم جاہل کو اس لئے پہچان لیتا ہے کہ وہ جاہل رہ چکا ہے اور جاہل عالم کو اس لئے نہیں پہچانتا کہ وہ خود کبھی عالم نہیں رہا
ارسطو

خوبصورت عورت آنکھوں کی مسرت ہے اور خوش اخلاق عورت دل کی مسرت
نپولین

تم اس وقت تک کامل نہیں جب تک تمہارے دشمن تم پر اعتبار نہ کرنے لگیں
سقراط

دنیا کی لڑائیاں اور آدھے مقدمات محض زبان کا کرشمہ ہیں۔
جیمز کوشن

احمق آدمی کا دل منہ میں اور عقلمند آدمی کی زبان دل میں ہوتی ہے۔
سقراط

کوریا میں امریکی روسی رقابت

جب سے جاپان کا خاتمہ ہوا ہے کوریا کے متعلق روس اور امریکہ ایک دوسرے کے حریف بن گئے ہیں دونوں یہاں پر حکمرانی چاہتے ہیں امریکنوں نے کوریا پر قبضہ کر کے جاپانیوں کو یہاں متعین کیا اور یہ الزام دیتے رہے کہ روس اسے اپنی ریاست میں شامل کرنا چاہتا ہے کیونکہ بحر پاسفک کی جنگ میں مشرق بعید کا یہ اہم فوجی مقام ہوگا۔

روسی کیا کہتے ہیں؟

ذیل کے مضمون سے روس کے نقطۂ نظر کا پتہ چلتا ہے:۔

اخبار اسٹالنسکی کمل میں کوریا کی تشکیل حکومت کے متعلق اسمولنسکی لکھتا ہے :۔

کہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو وزرائے خارجہ روس امریکہ اور برطانیہ کی ماسکو میں کانفرنس ہوئی جس میں کوریا کے متعلق ایک تاریخی فیصلہ ہوا اور کوریا میں عارضی ڈیماکریٹک حکومت قائم کی گئی اہل کوریہ نے اس فیصلہ کا دلی خیر مقدم کیا اور جیسے شمالی کوریہ نے جو روسی مرکز اثر میں تھا اور نیز جنوبی کوریہ نے جو امریکی اثر میں تھا جلسوں تقریروں اور مظاہروں کے ذریعے سے خیر مقدم کیا صرف چند مخالفین نے اس فیصلہ کی مخالفت کی اور ان کا یہ خیال صحیح تھا کہ جاپانیوں کو ملا کر ان کے حقوق آزادی میں دست اندازی کی جا رہی ہے۔ اور ہر طرح پر عملی اور زبانی طور سے ماسکو کے فیصلے کو ناکام بنایا جا رہا ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ امریکہ والوں نے انہیں جنوبی کوریہ والوں کی حمایت کی جو تصفیہ ماسکو کے مخالف اور اعلیٰ ڈیموکریٹک حکومت والوں کے دشمن ہیں۔

جنرل ہوج امریکی نمائندہ متحدہ کوریا اب تک اس تصفیہ ماسکو کی مخالفت کر رہا ہے اور اس میں شک نہیں کہ امریکی روسی ... نے اور نیز اس مسئلہ کو خراب کر دیا ہے ... کوریہ میں ڈیماکراٹک قسم کی عارضی حکومت ... کرنے میں جس قدر دیر ہو رہی ہے ... کے استبدادی ... کمیشن کے، تو ... ڈیماکریٹک کے حامی کوریہ میں دبائے جا رہے ہیں اور جنوبی کوریہ کے آئے دن کے جھگڑے ثابت کر رہے ہیں کہ یہ استبدادی یہاں صحیح حکومت قائم نہ ہونے دیں گے۔

شمالی کوریہ کی حالت مختلف ہے شمالی کوریہ سے جاپانی استبدادیت کا خاتمہ ہو چکا ہے اور وہاں باشندوں کے نمائندوں کی حکومت ہے۔

شمالی کوریہ کی سیاسی جماعت میں پچاس لاکھ ممبران ہیں جو ڈیماکریٹک بلاک کے حامی اور اس حکومت کے انتظام میں عوام کو بہت فائدہ ہوا ہے مگر جنوبی کوریہ والے ابھی ان اصلاحات کا جواب دیکھ رہے ہیں اسی لئے وہاں کاشتکاروں کا مسئلہ حل نہیں ہو سکا ۶۵ فیصدی زمین ایسے کاشتکاروں کے قبضہ میں ہے اور کچھ امریکن کوریہ میں جوائنٹ اسٹاک کمپنی کے پاس ہے بقول امریکی اڈگرانسو کے کاشتکاری جاپانی طرز پر ہے فرق یہ ہے کہ اب جاپان کے بجائے امریکی لگان کو وصول کرتے ہیں۔

چونکہ عوام کا معیار زندگی پست ہو رہا ہے ڈیماکریٹی آزادی ختم ہو رہی ہے اور جماعت عوام کو دبایا جا رہا ہے اس لئے پبلک میں ناراضی بڑھتی جا رہی ہے۔

گذشتہ ستمبر اکتوبر میں اسٹرائک کی تحریک زوروں پر رہی جس میں کئی جگہ تشدد کی ضرورت پیدا ہوئی۔

واضح ہو کہ یہ روسی نقطۂ نظر ہے اور ان کی نظریے کے مطابق جماعت عوام (پیپلز پارٹی) سے مراد کمیونسٹ ہی ہو سکتے ہیں جن کی روسی ہوا خواہی اور وطن دشمنی کا تماشہ ہندوستان خود دیکھ رہا ہے کہ کس طرح غریب مزدوروں کو ابھار کر ملک میں ابتری پیدا کی جاتی ہے"۔ (مترجم)

البانیہ

البانیہ میں اصلاح حال کا کام زوروں سے جاری ہے اور تانبے کی کان۔ کوسیوڈ کے تیل کے چشمے اور اسکوٹاری (اسکوڈر) کے سمنٹ کے کام از سر نو درست کئے جا رہے ہیں۔

بقول از وستنیا (روسی جریدہ)

الوزخواجہ کی حکومت پتھر کے کوئلے پر پوری توجہ دے رہی ہے ریلوے کی مرمت اور تعمیر کر رہی ہے اور ۱۹۴۷ء میں دوسری صنعتیں بھی قائم کی جائیں گی۔

زراعت میں بھی خاص ترقی ہوئی ہے جنگ سے قبل ۱۴۰ تعلقہ دار تین ثلث مزارع کے مالک تھے اب یہ سب زمین کاشت میں ہے پارسال پہلے ملین فرانک البانوی تعلیم پر خرچ کیا گیا اور ۴۰۰ سو نئے اسکول کھولے گئے تعلیم معلمین کا بھی انتظام ہوا اب پہلی یونیورسٹی بھی کھلنے والی ہے

پہلے ملک میں تین اسپتال تھے اب دس اسپتال ہیں ان کے علاوہ صحت خانے آرام خانے صحت بخش مقامات اور بچوں کی تربیت گاہیں قائم ہوئی ہیں جن کا کہیں نام نہ تھا۔

جمہوریہ اہل البانیہ اس فکر میں ہے کہ جنگ کے جذبات کا دفعیہ کرے اگرچہ جمہوریہ کی طرح طرح سے مخالفت کی جا رہی ہے اور یونانی شاہی پسند تسالدارس کے اغوا پر منسٹر بیرونی اشاروں پر سرحدی جھگڑے اٹھاتے رہتے ہیں اور یونانی استبدادی البانیہ کی زمینوں پر دعوے دار ہیں۔

برطانیہ اور امریکہ دونوں لڑائی کے زمانے میں تو البانیہ والوں کی شجاعت کی تعریف کرتے رہے ہیں مگر اب ان کو یہ گوارا نہیں ہے کہ البانیہ مجلس اقوام میں شامل ہو جائے مگر جمہوریہ البانیہ کی خارجہ پالیسی یہی ہے کہ خود امن سے رہے اور دنیا کے امن میں خلل نہ ہو۔ البانیہ والے اپنی مساعی میں قطعی حق بجانب ہیں اور ہر ایک ملک کے آزاد خیال ترقی والے ان کے ہمدرد ہیں اور اسی سے البانیہ والے اپنی ترقی کی دھن میں لگے ہوئے ہیں۔

چین روسی جرائد میں!

لنشکی روسی مقالہ نگار ہیں ان کو یہ شکایت ہے کہ چینی کومن ٹانگ والے چین میں امن ہونے نہیں دیتے۔ اس کا بیان ہے کہ چند امریکی اخبار یہ الزام لگا رہے ہیں کہ امریکی فوجی افسران ہی چین میں امن ہونے نہیں دیتے اور باہم لڑاتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی یہ شکوہ ہے کہ کومن ٹانگ میں ایسے فوجی افسران موجود ہیں جو پہلے جاپان کے ساتھ ہو کر خود چین سے لڑتے تھے اب تک بہت سے جاپانی چین میں موجود ہیں وہ قیدی جنگ کے نہیں ہیں بلکہ آزاد ہیں اس کی تائید چائنا ریویو (شنگھائی) سے بھی ہوتی ہے۔

وہ لکھتا ہے کہ چین میں بہت سے جاپانی موجود ہیں اور بہت سے بڑے بڑے جاپانی افسران کومن ٹانگ کی فوج میں شامل ہیں اس طرح کومن ٹانگ کمیونسٹوں کے خلاف دشمنان چین سے کام لے رہی ہے۔

مضمون نگار حضرات سے!

گذارش ہے کہ وہ مضامین صاف اور خوشخط لکھ کر بھیجیں ورنہ شائع نہ ہو سکیں گے
"ایڈیٹر"

شہر سینما

اکسلسیر

میں اس ہفتے پیرا ماؤنٹ کی جنتی بیب ہوپ اور ریا جے بیون سے گریز کے رومانی پر لطف مزاحیہ تصویر

گھوڑے سوار دلہن یا

THE BRIDE WORE BOOTS

ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے۔

باربرا اسٹینک اور رابرٹ کمنگس اور جیف وارین نامی ایک نہایت ہی ہنس مکھ نوجوان جوڑے کا پارٹ ادا کرتے ہیں۔ جو ایک دوسرے کے سچے پرستار ہیں لیکن ایک دوسرے کے مشغلوں سے نفرت کرتے ہیں سالی گھوڑوں کی دیوانی ہے اور اس کا خاوند اس چیز کے خیال تک کو برداشت نہیں کرسکتا اور جیف تاریخی ناول نویس کا ذوق رکھتا ہے اور قدیم یادگاریں جمع کرنے کا شائق ہے۔

اس کی بیوی عورتوں کی خوشامد اور ان مشغلوں پر ... کرتی ہے جو اس کے کاموں کی وجہ سے اس کو ملتے ہیں۔

ویلرک نامی کی صورت میں ایک مشہور گھوڑ اسوار مالک کی مداخلت جسے سالی سے کاروباری واسطہ ہی نہیں ہے بلکہ اور بھی کچھ معاملہ رکھتا ہے اور ایک سازشی نوجوان لڑکی جس کا پارٹ ڈائنا لائن نے ادا کیا ہے صورت حال کو نہایت عجلت سے نازک بنا دیتے ہیں لیکن ایسے پر لطف اشخاص کو جیسے فلم کا ہیرو اور ہیروئن ہے جدا نہیں کیا جاسکتا اس نئے پیرا ماؤنٹ نے آلبرٹ نامی ایک ہوشیار کا تعاون حاصل کیا ہے

ریگل

میں ڈیوڈ سیلزنک کی مقبول تخلیق شاہکار محبت کی کہانی یا

INTERMEZZO

ناظرین کی فرمائش پر دوبارہ پیش کی گئی ہے اس تصویر کی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے انگرڈ برگمین کا امریکن فلم بینوں سے تعارف کرایا اور مزید اہمیت کی اس لئے حامل ہے کہ لیزلی ہاورڈ آنجہانی اس کے کردار کا سہرا دار ہے۔

قصہ کا تعلق ایک مشہور وائلین بجانے والے سے ہے جس کی شادی زندگی کہ نہایت خوشگوار تعلقات میں ہو گئی مگر اس نے اپنی بیوی بچوں کی محبت اپنی بیٹی کی نوجوان حسین

معلمہ موسیقی کے عشق میں فراموش کردی ہے۔ دلچسپ مکالمے نیز ایکٹنگ اس فلم کی قابل تعریف خصوصیات سے ہیں

امپریز

میں اس ہفتے ٹوئنٹیتھ سینچری فاکس کی لاجواب فلم سراغرساں بچے یا

HOME SWEET HOMICIDE

ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے۔

قصہ کا تعلق تین ہوشیار اور رنگین بچوں سے ہے جنہیں اتفاقیہ طور پر قتل کے ایک واقعہ کا سراغ مل جاتا ہے اور اس کے بعد وہ اس پر اسرار واقعہ کو حل کرنے کی خود ہی کوشش کرتے ہیں تاکہ اس طرح جو شہرت ہو اس کی وجہ سے ان کی بیوہ ناول نویس ماں کی تصنیفات کی بکری بڑھ جائے۔ پیگی این گارنر ڈین ہسٹاک اور کانی مارشل ان بچوں کا پارٹ ادا کرتے ہیں اور رنڈالف اسکاٹ لائن باری بالغ اداکاروں کے رہنما ہیں۔

نیو امپائر

میں اس ہفتے پیرا ماؤنٹ کی رومانی حالات سے پر رنگین مقبول عام فلم جنگل کی رانی یا

HER JUNGLE LOVE

عوام کی فرمائش پر دوبارہ پیش کی گئی ہے چند سال قبل جب یہ فلم بمبئی میں پہلی بار پیش کی گئی تھی تو مسلسل کئی ہفتے چلی تھی اور جنگل کی مہمات کا ذوق رکھنے والے ناظرین کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی تھی اس موقع پر بھی جبکہ پھر اسے پیش کیا جارہا ہے ناظرین اس کو ضرور پسند کریں گے۔

ڈوروتھی لامور کر تصویر ملایا کے قومی لباس میں ایک اور ایسا پارٹ دیتی ہے جس نے اس ممثلہ کو شہرت کے انتہائی عروج پر پہنچایا اور اس میں اسکورے میلینڈ کے ساتھ پھر اس میل کو تازہ کرنے کے لئے یکجا کیا گیا ہے جو جنگل کی شہزادی نامی فلم میں اس قدر مقبول ثابت ہوا ہے۔

قصہ کا تعلق ایک نوجوان ہوا باز سے ہے جس کا ہوائی جہاز ایک سنسان مگر خوشنما جزیرے پر گر تا ہے اور جہاں صرف ایک ہی حسین اور سوخ نوجوان عورت آباد ہے جس نے اس سے قبل کبھی کسی سفید فام مرد کو نہیں دیکھا ان میں محبت ہو جاتی ہے لیکن اس جزیرے کے قریب خونخوار جنگلی آدمیوں کا ایک قبیلہ آباد ہے اور اس قبیلے کے سردار کا مشغلہ یہ ہے کہ وہ آدمیوں کو مگرمچھوں کے سامنے ڈال دیتا۔

معاونین میں لائینل اوورمین، جے کیرل نیش، ڈوروتھی ہاورے اور جوناتھن ہیل خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

میٹرو

میں پھر اس ہفتہ میٹرو کی سنسنی خیز تصویر ریج ان ہیون یا

RAGE IN HEAVEN

پبلک کے اصرار پر دوبارہ پھر جاری رکھی گئی ہے فلم اس قابل ہے کہ اسے دوبارہ دیکھا جائے۔

اسٹرانڈ

میں وارنر برادرس کی تصویر دی بگ سلیپ یا

THE BIG SLEEP

اس قدر مقبول ہورہی ہے کہ منتظمین کو اس ہفتہ بھی اسی کو جاری رکھنا پڑا۔

اس سال اناج کی کمی رہے گی
مرکزی اسمبلی میں حکومت کا اعلان

نئی دہلی ۱۹ر فروری۔ مرکزی اسمبلی میں مسٹر احمد جعفر کے سوال کا جواب دیتے ہوئے غذائی سکریٹری مسٹر ہچا پانی نے فرمایا کہ ۱۹۴۷ء کے پورے سال میں چاول کی کمی رہے گی اور دوسرے اناجوں کے متعلق ابھی کچھ کہنا دشوار ہے بلبیئی حیدرآباد صوبہ متوسط اور وسطی ہند میں بارش کی وجہ سے گیہوں کی فصل کو شدید نقصان پہونچ گیا ہے۔ باہر سے اناج منگوانے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے ۱۹۴۶ء میں ۵ کروڑ ۳۱ لاکھ روپئے کا اناج باہر سے منگوایا گیا ہے اور اس کی قیمتیں کم رکھنے کے لئے ساڑھے پندرہ کروڑ روپئے کی رعایتی رقم ادا کی گئی ہے مسٹر کھرے گھاٹ نے اپنے جواب میں بتلایا کہ غذائی پیداوار بڑھانے کا جو پروگرام بنایا گیا ہے اس کی رو سے پانچ برس کے بعد سے اناج کی پیداوار میں چالیس لاکھ ٹن سالانہ زیادہ غلہ پیدا ہونے لگے گا۔

کس کی غلطی

(بسلسلہ صفحہ ۱)

پھر شیر سنگھ کی طرف نظر گھما کر بولی

"دیکھو بیٹا ہماری قسمت پھوٹ گئی نہ جانے اس کو کیا ہوگیا ہے؟ کسی نے جادو کر دیا ہے یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں سے دو آنسو ٹپک پڑے وہ باہر چلی گئی۔

اتنے میں بستر کچھ ہلا، اگلے ہی لمحے تیجو کا چہرا نظر آیا مگر بدلا ہوا اتنا کہ وہ کرائے پہچانے نہ بنتا تھا۔ نہ اس چہرے پر وہ مسکراہٹ تھی نہ وہ رونق تھی۔

جوش میں آئی ہوئی تیجو نے بڑی مشکل سے سانس لیا اور دونوں ہاتھ باہر کی طرف پھینکتی ہوئی بولی۔

شیرا۔ شیرا! کیا تم ہی ہو؟ میں خواب تو ......

ہاں تیجو، میں ہی ہوں۔ شیر سنگھ نے اپنے آپ کو قابو میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔

شیرا کیا مجھ ابھاگن کو معاف کردوگے؟ آخری وقت میری ایک چھوٹی سی غلطی یہ...۔ تیجو کہتے کہتے رک گئی اس کی آنکھوں میں آنسو گرنے لگے۔

شیر سنگھ آپے میں نہ رہا اس نے اس کے پاؤں پکڑ لئے اور بڑی عاجزی سے بولا۔ "تیجو قصوروار میں ہوں غلطی میری ہے میں ہی تمہاری بات ٹھیک ٹھیک نہ سمجھ سکا۔ تم تو دیوی ہو اس گنہگار کو معاف کردو اسی میں مجھے شانتی ملیگی۔ کردو ۔ کردو!"

وہ ایک دم رک گیا اس کے سامنے تیجو خاموش بے حس و حرکت پڑی تھی اس سے نہ رہا گیا سر اس کے قدموں پر رکھ دیا سارے گاؤں میں کہرام مچ گیا

نوٹ:۔ اس افسانے کے کردار فرضی نام ہیں

INGRID BERGMAN and GEORGE SANDRRS in M. G. M's
"RAGE IN HEAVEN" now in its 2nd week
at the METRO.

مسٹر ادورکر

ڈاکٹر عارف پٹھانی "دیوالی"
میں جو کرشمہ ... دکھائی
جا رہی ہے

سر جے جے اسکول آف آرٹس کے
پہلے ہندوستانی پرنسپل
مسٹر ادورکر

You will LAUGH, SCREAM, ROAR with RED SKELTON as he bluffs his way into a fortune—and into the heart of a beauteous blonde, MARILYN MAXWELL in M-G-M'S THE SHOW-OFF opening soon at the METRO, Bombay. The supporting cast includes MARJORIE MAIN, VIRGINIA O'BRIEN and EDDIE "ROCHESTER" Anderson.

EDITED, PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS, BOMBAY 3.

نمبر ۹ ||| بمبئی یکشنبہ ۲ مارچ ۱۹۴۷ عیسوی ||| جلد ۲۰

VOL. XX BOMBAY. SUNDAY 2ND MARCH 1947 NO. 9

بمبئی صوبائی خواتین کونسل کا شاندار اجتماع

گذشتہ منگل کی شام کو بمبئی صوبائی خواتین کونسل کا ۲۱ واں سالانہ اجلاس ہوا۔ جلسہ کا افتتاح مسٹر کھیر وزیراعظم بمبئی نے کیا

ہریجنوں کے لئے ورسووا کے مندروں کے دروازے کھول دئیے گئے

ورسووا میں تین مندروں کے دروازے ہریجنوں کے لئے کھول دئیے گئے
اس شاندار موقع پر مسٹر کھیر بھی حاضر تھے

حکومت بمبئی کی دودھ کی نئی اسکیم کے خلاف خواتین کا مظاہرہ

بمبئی کی خواتین کا ایک جلوس حکومت بمبئی کی دودھ کی نئی اسکیم کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لئے بمبئی کونسل ہال کی طرف بڑھ رہا ہے

طلبہ اور سیاست

اس بحث پر مختلف لیڈران اور صاحب فکر حضرات نے مختلف مواقع پر اظہار خیال کیا ہے یونیورسٹی کے تقسیم اسناد کے جلسوں میں طلبہ کی کانفرنسوں میں مختلف درسگاہوں میں ہر طبقہ اور ہر خیال کے رہنماؤں نے طلبہ کو بتایا ہے کہ سیاست کے متعلق طلبہ کا رویہ کیا ہونا چاہئے ذیل کا مضمون مشہور مفکر ہیرلڈ لسکی کے خیالات کا آئینہ بردار ہے جسے موصوف نے اخبار نیشن میں شائع کیا ہے۔

طلبہ کی جمعیتوں کے مقاصد انہی دو میں سے ایک ہوتے ہیں یا تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ تعلیم کا راستہ واضح ہو اور آسان ہو جائے یا ایسے سیاسی اصول کی تبلیغ ہو جس میں ان کے ممبران کو دلچسپی ہو۔ اول الذکر کی بہترین مثال بین الاقوامی طلبہ سروس ہے جس کا منشا محض یہ ہے کہ باتبادلہ خیالات ہوتا ہے اور ایک دوسرے سے ملاقاتیں ہوا کریں اسے طلبہ کی قومیت مذہب سیاسی خیالات اور قومی معتقدات سے تعلق نہیں ہوتا اس کلیہ سے صرف ایک مسئلہ مستثنیٰ ہوتا ہے اور وہ مسئلہ طلبہ کی آزادی کا ہے کیونکہ جس قدر طلبہ کو باہم اپنے مسئلے میں آزادی ہوگی اور اسی طرح جس قدر زیادہ وسیع تجربات حاصل ہوں گے اسی قدر انہیں ایجاد اور اخذ کی قابلیت پیدا ہوگی۔

اس سوسائٹی کو طلبہ کے معتقدات سے سروکار نہیں ہوتا وہ اس سے غرض نہیں رکھتی کہ کون کنزرویٹو ہے کون لبرل کون ری پبلکن ہے کون ڈیماکریٹ، کون کمیونسٹ ہے یا کوئی سوشلسٹ ہے اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ دنیا کی اصلاح کرے اور نہ یہ چاہتی ہے کہ دنیا کے تمام افکار سے قطع نظر اپنے خیالات کی دنیا میں اشاعت کرے اسے نہ تو ڈنمارک سے غرض ہے نہ مسئلہ فلسطین سے نہ ٹریسٹ کے مسئلے سے اس کا کام صرف یہ ہے کہ مختلف ممالک کے طلبہ کو باہم رابطہ اور میل جول کا موقع حاصل ہو اگر امریکی طلبہ فرانسیسی طلبہ سے ملیں یا انگریزی طلبہ سے دوسرے ملک کے خیالات سے واقفیت کا موقع حاصل ہوگا اور اسی طرح طلبہ کو دوسرے ملک کے خیالات سے واقفیت کا موقع حاصل ہوگا اور اس طرح طلبہ کی سوسائٹی کو رواداری اور خیر جنبہ داری کے جذبات کی ترقی کے مواقع پیدا ہوتے رہیں گے اور اگر یہ بات نہ ہوئی تو پھر حصول علم کے باوجود تنگ نظری، اور مخصوص مسئلہ کے متعلق تنگ خیالی کا نمو ہو جائے گا۔

یونیورسٹی کی تنظیم

اس میں تو کسی کو بھی شبہ نہیں ہے کہ یونیورسٹی کو ایسے طلبہ کی سوسائٹیوں کو ترقی دینی چاہئے جن میں مختلف اطفال طلبہ کو باہمی میل جول کے مواقع پیدا ہوتے رہیں طلبہ کے لئے یہ امر ضرور پسندیدہ ہے کہ وہ خود ایک سیاسی رائے رکھیں اور ان طلبہ سے بحث و تمحیص کریں جن کی سیاسی آراء کو وہ غلط سمجھتے ہیں۔

اس کے ساتھ یہ امر بھی ضروری ہے کہ طلبہ کے نظریات بین الاقوامی ہوں اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی خبر ہے کہ دنیا کس رنگ پر جا رہی ہے۔

ایک بین الاقوامی طالب علم کو چاہئے کہ وہ اپنے نظریے کو اصلی رنگ میں پیش کرے اور دنیا یہ سمجھ جائے کہ یہ کنزرویٹو اصول کو مرکزی طریقے پر پھیلانا چاہتے ہیں مگر طلبہ کی زندگی کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ایسی جماعت یا آرگنائیزیشن کے جزو بن کر رہ جائیں۔ بلکہ ان کے لئے یہی کافی ہے کہ ان کا تعلق ایک سیاسی جماعت سے ہے اس پر بھی اگر وہ روس کے اصول پر اعتراض کریں یا برطانیہ کے سوشلسٹ حکومت پر معترض ہوں تو انہیں یہ سمجھ لینا چاہئے کہ وہ محض طالب علم کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مدبر کی حیثیت سے گفتگو کرتے ہیں

دنیا کی اصلاح کی فکر

مگر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اس منشا کو طلبہ کانفرنسوں کے انعقاد میں پیش نظر نہیں رکھا جاتا۔ جس کی کوئی ایک وجہ نہیں ہے ایک بڑی وجہ تو یہ ہے کہ تنظیم علم میں طلبہ محض اپنے خیالات کا اظہار مدنظر رکھتے ہیں اور اس سبب انہیں اس لئے ناکامی ہوئی ہے کہ دنیا کا انتظام وہ سال زیادہ عمر والوں کے ہاتھ میں ہے اس کے ساتھ نو عمروں کے خیالات میں یکساں روی نہیں ہوتی اور جو سیاسی تجویزات کانفرنسوں میں پاس ہوتی ہے اسے وہ بھی سمجھتے ہیں کہ سیاسی نہیں ہیں۔ پھر نہ تو اس کا تعلق کسی سیاسی جماعت سے ہوتا اور نہ اس کے نمایندے بلا اس خیال کے ان جماعتوں میں شریک ہوئے کہ وہ اسے تقویت دینے کے لئے آئے ہیں۔

بین الاقوامی یوتھ کانگرس

اس کی واضح مثال یوتھ کانفرنس میں ملتی ہے جو ۱۹۴۶ء میں لندن میں ہوئی تھی اس میں بہت سے ممالک کے نمایندے شریک تھے اس میں نمایاں بات یہ تھی کہ کمیونسٹ نمایندے اپنے ملک کی کمیونسٹ پارٹی کے تناسب کے لحاظ سے بہت زیادہ شریک تھے کانفرنس کے منتظمین نے برٹش لیبر پارٹی کو دعوت شرکت نہیں دی تھی بلکہ انہیں اس کی خبر بھی نہ تھی کہ اس قسم کی کانفرنس منعقد ہو رہی ہے چنانچہ جب اٹلی۔ یونان۔ بلغاریہ اور فرانس کے سوشلسٹ نمایندوں کو برطانوی سوشلسٹ نمایندوں کی ضرورت و جستجو ہوئی تو انہیں ایک برطانوی سوشلسٹ نمایندہ نہیں ملا اور کانفرنس سے علٰحدہ ہو کر رابطہ قائم کرنا پڑا اور خود کانفرنس کے جلسوں میں اس کا احساس تھا کہ اکثریت اور غلبہ کمیونسٹ پارٹی کو حاصل ہے جنہوں نے ایسا اقدام و انتظام کیا تھا کہ کانفرنس کی تمام تر کارروائی ان کے زیر اثر ہو اس لئے کسی کو تعجب نہیں ہوا جب یہ دیکھا کہ کانفرنس کا نتیجہ صرف یہ تھا کہ کمیونسٹ طریقہ کار کو بڑھایا جائے۔

کمیونسٹ کا آلۂ کار

اس سے میری یہ رائے صحیح ثابت ہوئی ہے کہ جہاں یہ احتیاط جسے میں نے اوپر ظاہر کیا ہے نظر انداز ہوا غرض و غایت کی صفائی ناپید ہو جاتی ہے (ضرورت ہے) کہ ہر خیال کے طلبہ ایک جگہ جمع ہوں اور ان میں سے چند ٹولی بنا کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں جائیں۔ پہلی صورت میں تو صرف یہ ہو کہ کمیونسٹ جماعت کا ایک وفد اس غرض سے چلا کہ (۱) اپنی پالیسی کو پیش کرے اور (۲) خود نمایندے چنے اور اس طرح پر وہ کانفرنس میں غلبہ حاصل کریں اور صرف اپنے غرض و غایت کو پیش نظر رکھیں اور اس میں انہیں اس لئے کامیابی ہوتی ہے کہ مخالف رائے والے بے اثر یا غائب رہتے ہیں اور جو مخالف ہوں بھی تو وہ متزلزل، غیر متحد اور پیش و پس میں رہ جاتے ہیں کمیونسٹ رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ تو نئیوں کے حدود کی پروا نہیں کرتے اور دوسرے ملک کے نوجوانوں کی مدد لیتے ہیں اور ان کے نمایندے خوب خاطر و مدارات کرتے ہیں اور وہ یہ فضا پیدا کر دیتے ہیں کہ اگر ان کی ہم آہنگی نہ کی گئی تو کانفرنس بے نتیجہ رہے گی اور اگر ان کی تائید کی گئی تو یقیناً کچھ نہ کچھ فائدہ مرتب ہوگا اگرچہ اس کا پتہ نہیں رہتا کہ وہ فائدہ کیا ہوگا۔

نتیجہ آخری یہ ہوتا ہے کہ اس طرح ایسی جماعتی تنظیم ہوتی ہے جس کا اقتدار یا تو کمیونسٹوں کے ہاتھ میں رہتا ہے یا ایسی جماعت کے ہاتھ میں جو کمیونسٹوں کے ہمدرد ہوں اور نمایندے اس امر سے بے خبر رہتے ہیں کہ جس مقصد کے لئے وہ یہاں آئے تھے اس سے بالکل مختلف مقصد کی تائید کر کے اپنے وطن واپس جا رہے ہیں۔

نمائش کی ہوشیاری

اب اس کے خلاف صورت پر نظر کیجئے جو کم دلچسپ نہیں ہے مثلاً نوجوانوں کا ایک وفد امریکہ سے یورپ جاتا ہے یہ لندن پیرس اور پراگ کی سیاحت کرتا ہے لندن میں اسے بجز کمیونسٹ پارٹی کے دوسرے بائیں بازو والے سے ملنے کا موقع نہیں ملتا۔ پیرس میں اسے یہ پتہ چلتا ہے کہ سوشلسٹ اور کمیونسٹ میں ایک مشتبہ اتحاد ہے پراگ میں کمیونسٹ نوجوان اسے فخر کمیونسٹ وزیر اعظم سے ملاتے ہیں، مگر اسے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ گو وزیر اعظم کمیونسٹ ہے مگر رواداری اور درگذر اور باہمی تعلقات اچھے موجود ہیں اور وہ وہاں امریکہ کی سی ہم آہنگی پاتا ہے (باقی صفحہ ۔۔۔ پر)

امریکہ کا وفاقی نظریہ

تمہید

غیر ملکی باشندوں کی نظر میں عام طور سے کانگرس کا طریقہ قانون سازی امریکی حکومت کا نمونہ ہے انہیں اس کی خبر نہیں کہ امریکہ میں ۵۰ قانون ساز جماعتیں ہیں جو اپنی اپنی ریاستوں کے لئے قانون بناتی ہیں۔ اسی طرح صدر ریاستہائے متحدہ امریکہ کے مجسٹریٹ کے ساتھ ساتھ ۵۰ گورنران ہیں جنہیں ان کے صوبے منتخب کرتے ہیں۔ حکومت ریاستہائے متحدہ تو مرکزیت پر مبنی ہے اور وحدت پر ملکہ سوئزرلینڈ کی طرح وفاقی یا فیڈرل ہے فیڈرل سسٹم کی قومی حکومت واشنگٹن ڈی سی میں ہے اور قومی ضرورت ریاست کے لئے سارے قومی علاقے کے لئے حکمران ہے اور ۵۰ ریاستیں اپنی اپنی ریاستوں کے صدر مقام پر اپنی اپنی ریاست کی حکومت چلاتی ہیں ہر ریاست کے تحت میں مقامی حکومتیں ہیں، سی کونٹی کی حکومت۔ شہروں کی حکومت قصبات کی حکومت وغیرہ وغیرہ

۴ مارچ ۱۷۸۹ء کو جبکہ پہلی کانگرس طلب ہوئی تھی۔ یہ حکومت شروع ہوئی اس وقت ابتدا میں ۱۳ ریاستوں نے یہ طے کیا کہ ۲ سال سے جو غیر مضبوط رشتہ دار تھا قائم ہے وہ کافی نہیں ہے بلکہ ایک مضبوط مرکزی حکومت کی ضرورت ہے ساتھ ہی اس کا بھی خیال تھا کہ ہر ریاست حتی الوسع اپنی خود مختاری بھی ہاتھ سے نہ دے چنانچہ اس امر کو محسوس کر کے کہ غیر ملکی اور ملکی عام قومی معاملات کا انتظام مرکز سے ہے اور ساتھ ہی مقامی اختیارات قائم و برقرار ہیں فیڈرل طریقہ اختیار کیا گیا اس وقت سے یہ تبدیلیاں تو ہوئی ہیں کہ کون سے امور عام قومی نفع کے ہیں اور کون سے کس ریاست سے متعلق ہیں مگر فیڈرل نظریہ ہی کے مطابق کام ہوتا چلا آتا ہے۔

زمانے کی ترقیات سے اور مکانی و زمانی میں تخفیف اور تجارتی و صنعتی معاملات کی ترقی نے مرکزی قومی حکومت کے اختیار کو وسیع کر دیا ہے اور پہلے اکثر وہ امور جن کا تعلق کسی ریاست سے تھا اب مرکزی قومی حکومت سے ہے مگر یہ امر باعث تعجب ہے کیونکہ مرکزیت کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومت میں بھی یا مداخلت آتی جاتی ہے اور ایک ایسے ملک میں جو یورپ کے برابر ہے فیڈرل اصول کے بدولت ہر مقام اور ہر پیشے کی حفاظت اور قومی نقطۂ نظر سے ترقی ہے اور مقامی ضروریات کے لئے وہ لوگ قانون بناتے ہیں جو مغربی حالات اور ضروریات سے واقف ہیں۔

اس پورٹ سے ہر حکومت کی بین الاقوامی حیثیت واضح ہو جائے گی اور وفاقی طریقہ کار کا پتہ چل جائے گا

مختلف الخیالوں کا اتحاد

امریکہ کا رقبہ

اصول حکومت جو امریکہ میں نافذ ہے اس کے سمجھنے کے لئے اس کے رقبہ کا جاننا ضروری ہے الاسکا کو ملا کر یہ یورپ کے برابر ہے اگر یورپ کے نقشہ کو امریکہ کے نقشے پر رکھیں اور دونوں ہم پیمانہ ہوں تو مغربی ساحل سپین جنوبی کیلیفورنیا سے مل جائے گا استنبول چارلسٹن جنوبی کیرولینا سے ملیکا سسلی نیو اورلینس کے قریب ہوگا اور بالٹک کا جنوبی علاقہ جھیل سوپیریر سے مل جائے گا اس طرح امریکہ کسی ایک ملک نہیں بلکہ پورے یورپ کے مانند ہے۔

مختلف علاقے

یورپ کی طرح امریکہ بھی جغرافیائی علاقے میں جو اپنی آب و ہوا۔ ذرائع اور خصوصیات کے لحاظ سے دوسرے علاقے سے یورپ والوں کی طرح علحدہ ہے۔ امریکہ کی آزادی کے وقت جو تیرہ پرانی ریاستیں بحر اوقیانوس پر واقع ہیں وہ انگلینڈ۔ فرانس اور اٹلی کے مشابہ ہیں اسی طرح نیو انگلینڈ ریاستہائے وسط اوقیانوسی۔ جنوب مشرق۔ جنوب مغرب، وسط مغرب اور ساحل بحر الکاہل میں سے ہر ایک کی خصوصیت میں ذرائع مختلف ہیں اقتصادی حالت جداگانہ ہے اور مفاد متضاد ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ زبان کا اختلاف نہیں اور نہ طریق معاشرت کا گرم قومیت کے ساتھ ساتھ مقامی حالات مختلف نہیں مگر اس کے ساتھ مختلف مفادات مثلاً زراعت اور صنعت اپنے جداگانہ حلقوں کے لحاظ سے ہیں اور اس لئے ان سب میں تحفظ حقوق کے ساتھ ہم آہنگی رکھنا ضروری ہے

اتحاد کی ضرورت

اس وسعت اور جغرافیائی اختلاف اور ریاستہائے متحدہ کے نام کے باوجود امریکہ ایک واحد ملک ہے یہ لوگ بیک وقت آباد ہوئے ایک تاریخی روایات میں ایک قسم کے قانون میں اور ایک ہی زبان ہیں اس لئے یہ ایک ہوم ہو گئے ہیں ان سب سے بڑھ کر ان ابتدائی ۱۳ ریاستوں کے تعلقات اور تقریباً ایک صدی تک کے تاریخی پس منظر نے امریکن روایات کو مخصوص کر لیا ہے یہ صحیح ہے کہ گذشتہ صدی کی اقتصادی ترقیوں اور ریل کی اکتشافات اور اب دوسرے تیز رفتار باربرداریوں نے حدود کے تعین کو بے معنی سا بنا دیا ہے اور سارے ملک میں ایک واحد صورت قائم کر دی ہے اور سارے بمنزلہ ایک جسم کے ہیں گو اس میں مختلف اعضا ہیں عام قومی جذبہ اور پارٹی کی تنظیموں نے سب کو متحد کر دیا ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ مقامی اور جداگانہ ضروریات کا بھی انتظام ہے۔

فیڈرل سسٹم

۱۷۸۹ء-۱۷۸۱ء کے اتحاد کی ناکامی

دور نوآبادیات میں ابتدائی ۱۳ ریاستیں بالکل الگ الگ تھیں اور ان میں صرف یہ امر مشترک تھا کہ سب برطانوی شاہی میں تھیں جنگ آزادی کی بدولت ایک [illegible] اتحاد ہوا اور وہ مرکزی [illegible] مانگی کی ابتدا و ساتھ ۱۳ نوآبادیات نے جو اب علحدہ علحدہ ریاستیں تھیں اس ڈر سے کہ ان کی حکمرانی ختم نہ ہو جائے اتحاد قائم کرنے میں پس و پیش کرتی رہیں اور راضی نہیں ہوئیں تو ایسے دفعات اتحاد پر جس کے ذریعے سے محض مبہم اور غیر مربوط اتحاد تھا اور نہ ایک بجائے خود حکمران تھا اور ۳ زاد تھیں اور کوئی متحدہ قومی حکومت نہ تھی۔ اور کانگرس کے ہاتھ میں نہ صرف اتنی قوت نہ تھی کہ وہ ہر ریاست سے سفارشیں کرے نہ وہ قوت مضبوط کر سکتے تھے نہ ٹیکس عائد کر سکتے یا وصول کر سکتے تھے نہ تجارت کو فروغ دے سکتے ہیں اور نہ فوج جمع کر سکتے تھے اس سے مشکلات پیدا ہوئیں اور اگر کانگرس نے خزانہ کو درست کرنا اور قوت کو مضبوط کرنا چاہا تو حکومتیں سست رہیں اور خود ریاستیں ایک دوسرے سے ذرا ذرا سی باتوں میں جھگڑتیں اور ایک دوسرے کے جہازوں سے نت نئے محصول وصول کرتی تھیں چنانچہ اس اتحاد سے جو سبق ملا اس کے ماتحت مضبوط مرکزی حکومت کی بنیاد پڑی۔

مضبوط قومی حکومت

۱۷۸۷ء میں زراعت اور حرفت کے لیڈروں نے پیش دستی کر کے ایک جلسہ دستور سازی کے لئے طلب کیا اس میں تجربہ کار ممبر تھے اس دستور اساسی کو محض فلسفہ دانوں نے نہیں بنایا تھا بلکہ عملی لوگوں نے بنایا تھا اور خاص خاص مسائل کا تصفیہ کیا گیا تھا۔ اب یہ طے ہوا کہ مرکز کو ہر ریاست کی منظوری کی ضرورت نہیں ہے بلکہ خود منظوری دے اور خود اپنی عدالتوں کے ذریعے نفاذ کرے اپنے عمال سے کام لے اور حسب ضرورت افراد پر اپنا دباؤ رکھے اسی کے ساتھ ریاستوں کا بھی سابقہ اقتدار بحال رہے۔

فیڈرل اصول کا استعمال

فیڈرل یا وفاقی طرز حکومت کا اصول یہ ہے کہ مختلف طاقتوں میں توازن طاقت رہے حکومت کو دو حصوں میں اس طرح تقسیم کیا گیا کہ مرکز اور ریاستیں دونوں مضبوط رہیں اور ایک دوسرے کو قوت بخشیں اس میں امریکی ذہانت کا پتہ چلتا ہے جس سے لوکل حکومت گورنمنٹ پر دباؤ پڑتا ہے۔ طامس جیفرسن نے کہا تھا "اچھی حکومت اجتماع اختیارات سے نہیں بلکہ ان کی تقسیم سے حکومت اچھی ہوتی ہے۔

ہر ریاست براہ راست اپنے مفاد کے لئے کام کرتی ہے کیونکہ قریب ہونے کے باعث وہی اس کام کو اچھا کر سکتی ہے"

جیفرسن نے جس وقت مندرجہ بالا جملہ کہا تھا اس وقت سے اب زمانہ بدل گیا ہے اور ریاستوں میں وسعت ہو گئی ہے۔ اور ریاستی اور قومی ضروریات میں بہت کچھ تبدیلیاں ہو گئی ہیں مگر فیڈرل حکومت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں یہ تقسیم نہیں ہوتی کہ کون سے کام ریاستوں کے متعلق ہیں اور کون سے شعبے قومی حکومت کے بلکہ عام اصول کے مطابق حالات کا جائزہ لیتے ہوئے تصفیہ ہو جاتا ہے ۱۷۸۹ء کے دستور اساسی کی رو سے ریاستوں نے چند اختیارات قومی حکومت کو تفویض کئے تھے چنانچہ آج بھی قومی حکومت اسی دستور کے مطابق

(باقی اگلے صفحہ پر)

کا فرض ہے البتہ حسب ضرورت ترمیم اور توضیح کر لینا۔ اس میں اضافہ ہوتا رہتا ہے مگر اس ترمیم سے قبل اس امر کا جائزہ پڑتال کر لی جاتی ہے کہ آیا دستور اساسی کے مطابق اس ترمیم کا اختیار اور منصب بھی ہے یا نہیں۔

قومی حکومت کی فوقیت

دستور اساسی کی دفعات کی رو سے قومی حکومت کو سب پر فوقیت ہے قومی حکومت کو تعلقات خارجہ جس میں دفاع عامہ بھی شامل ہے کا ضبط و انصرام غیر قوموں کے ساتھ تجارتی تعلقات کے قیام اور اعلان جنگ کا حق حاصل ہے۔ قومی حکومت کو اس کا بھی حق دیا گیا کہ وہ ریاستوں سے الگ اپنی عدالتیں قائم کرے اور ساتھ ہی اسے سب سے اہم حق یہ دیا گیا کہ وہ ٹیکس لگائے اور ریاستوں کے مابین جو امور ہوں ان کو طے کرے یہ حقوق سابقہ ابتدائی اتحاد میں حاصل نہ تھے۔

قومی حکومت اور ریاست کی علٰحدگی

فیڈرل حکومت کے اصول سے یہ مترتب ہوتا ہے کہ قومی حکومت اور ریاستوں کی حکومتیں الگ الگ رہیں چنانچہ جہاں قومی حکومت سے الگ اس سے بھی الگ تھلگ ۴۸ ریاستیں اور ان کی مجالس قانون ساز ہیں قومی حکومت کی مجلس انتظامیہ معہ اپنے صدر کے ۴۸ ریاستوں اور ان کے سربراہ گورنروں کی کمیٹی انتظامیہ سے جداگانہ ہے قومی حکومت اور ریاستوں کی عدالتیں علٰحدہ علٰحدہ اور متوازی ہیں مگر سپریم کورٹ بالاتر ہے اور وہ ریاستوں کے درمیان جھگڑوں، ریاستوں اور فیڈرل گورنمنٹ کے درمیان جھگڑوں کا فیصلہ ناطق کرتی ہے اور فیڈرل دستور کے مطابق شخصی حقوق کی بھی حفاظت کرتی ہے۔

کانگرس کا ہیولی

ریاستوں اور قومی حکومت کا توازن کانگرس کے اس ہیولی سے ظاہر ہوتا ہے جو نیویارک میں ۴ مارچ ۱۷۸۹ء کو ہوئی تھی۔ (دراصل راستہ کی دشواریوں کے باعث مکمل اجلاس اپریل میں ہوا تھا) اس میں دستور اساسی نے دو ایوان قائم کئے

(۱) ایوان منتدبین جس میں ہر ریاست کی تناسب آبادی کے لحاظ سے ممبر چنے گئے۔

(۲) سینٹ جس میں ہر ریاست کے دو نمائندے رکھے گئے۔

اس آخری ایوان میں ریاستوں کے رقبہ اور آبادی کا لحاظ نہیں رکھا گیا اس طرح ایوان منتدبین نے آبادی اور رقبہ کا لحاظ نہیں کیا گیا اور سینٹ سے ریاست کا یہ حق قائم رہا کہ قومی حکومت میں ان کی اہمیت ہے۔

مرکزیت کا خیال

امریکہ میں سوئزرلینڈ اور دوسری وفاقی حکومتوں کی طرح اس کا خیال ہے کہ مرکزیت کو زور ہے۔

ریاست ہائے متحدہ میں سیاسی خیالات اور تبدیل شدہ حالات کے مطابق قومی حکومت کے اختیارات میں توسیع کی گئی ہے جس کی یہ بھی وجہ ہے کہ خشکی اور ہوائی ذرائع آمد و رفت نے ریاستوں کو قریب تر کر دیا ہے اور جدید ذرائع باربرداری نے سہولتیں پیدا کی ہیں اور صنعتیں اب قومی نقطۂ نظر سے وسیع تر ہو گئی ہیں اور ان تبدیلیوں نے اقتصادی تفاعل پیدا کر دیا ہے ان میں اسباب کی بنا پر وہ امور جو پہلے ریاستوں کے متعلق تھے اب کانگرس اس کے لئے قانون بناتی ہے اور قومی حکومتیں جن ذرائع سے ان کا انتظام کرتی ہیں اس میں بھی وسعت دیدی گئی ہے

ریاستیں اور حکومتی اعضا

ریاستی اختیارات کی وسعت

نیویارک اور کیلیفورنیا۔ اوہیو اور دوسری ریاستیں جو خود ریاستہائے متحدہ مرکب ہے جس کے اول الذکر ماتحت ہیں بیک وقت خود بھی اپنی حدود کے اندر آزاد ہیں اور بہت بڑی حد تک قانون سازی، انتظام اور عدالتی انصاف کرتی ہیں عام باشندوں کو بجائے قومی حکومت کے زیادہ تر اپنی ریاستوں سے سابقہ رہتا ہے جس وقت وہ ڈاکخانہ کا اسٹامپ خریدتا یا خط وصول کرتے ہیں تو یہ خدمت اس کی قومی حکومت انجام دیتی ہے جس وقت وہ انکم ٹیکس ادا کرتا ہے وہ براہ راست قومی حکومت کی مدد کرتا ہے مگر یہ ریاستیں ہیں جو پیدائش اور اموات درج کرتی ہیں نابالغوں کے ولی مقرر کرتی ہیں تعلیم کا خرچہ دیتی ہیں پیشہ یا تجارت کا لائسنس دیتی ہیں نکاح کراتی ہیں طلاق دیتی ہیں مقدمات دیوانی کی اسی طرح سماعت کرتی ہیں جس طرح فیڈرل عدالتیں وفاقی شہری حقوق کی سماعت کرتی ہیں ریاستیں ذہنی آزادی اور دوسرے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں۔

تعلیم کی نگرانی ریاست کے کمشنر یا سپرنٹنڈنٹ تعلیم کے ذمہ ہے ایک ریاستی تعلیمی بورڈ بھی ہوتا ہے یہ افسر ہر حصۂ ریاست کا معائنہ کرتا ہے مقامی تعلیمی اداروں سے اتحاد عمل کرتا ہے اور معیار تعلیم کو ترقی دیتا ہے اصلاح و ترقی کے نقشے بناتا ہے اور جدید قانون سازی کے لئے رپورٹ کرتا ہے کبھی مدرسوں کی ٹریننگ کے لئے معائنہ کرتا ہے اور معائنہ کیلئے اس کے پاس بڑا اسٹاف ہوتا ہے تاکہ ساری ریاست کے لئے ایک نصاب کے ماتحت ترقی ہو امداد سرکاری دیتا ہے مدارس کی عمارتوں کے نقشے منظور کرتا ہے اور استادوں کو سند قابلیت دیتا ہے۔

اگرچہ تعلیم ریاست ہی کے اختیار میں ہے مگر قومی حکومت بھی خاص خاص ریاستوں کو جدید پروگرام پر عمل کرنے کے لئے امداد دیتی ہے اور ممکن ہے کہ آئندہ اس شعبہ پر بھی قومی حکومت کا اثر بڑھے۔

مقامی ضروریات کا لحاظ

مقامی ضروریات کی سرانجام دہی کے لئے وہی ریاستیں زیادہ موزوں ہیں اس امر کو ہمیشہ تسلیم کیا گیا کہ سارے ملک کے اندرونی مسائل کو یکساں حل نہیں کیا جا سکتا اور ٹامس جیفرسن اور وڈرو ولسن کی یہ رائے تھی کہ اگر یہ ریاستیں پہلے سے نہ ہوتیں تو انہیں اس وقت قائم کرنا پڑتا مثلاً چند سوشیل اصلاحات جو شمالی ریاستوں میں ضروری ہیں چند جنوبی ریاستوں کے لئے بیکار رہتی ہیں۔ اسی طرح گنجان آبادی والے مقامات کے لئے جو قوانین بنے وہ کم علاقہ جات مثلاً نبراسکا اور نواڈا کے لئے بیکار رہیں تیس سال ہوئے صدر الیٹ TAFHI نے لکھا تھا کہ ہمارا فیڈرل طریقہ امریکہ ایسے ملک کے لئے ازبس ضروری تھا محض جغرافیائی حیثیت سے نہیں بلکہ اس حیثیت سے کہ مختلف حصوں کے مفاد ایک دوسرے سے جداگانہ ہیں اس لئے یہ ضروری تھا کہ ایک خاص حصہ پر اسی حصہ والوں کی حکومت ہو باہر والوں سے تعلق نہ ہو اگر یہ صورت نہ ہوتی تو ہماری ریاستہائے متحدہ میں اتحاد و ہم آہنگی نہ ہوتی۔

یہ ریاستیں سیاسی تجربہ گاہیں ہیں

یہ ریاستیں ایسی تجربہ گاہیں ہیں جہاں سے سلسلے اصول طے کر کے قومی حکومت اور دوسری ریاستوں میں لے جاتے ہیں گویا ان ریاستوں میں تجربہ ہوتا ہے بعض وقت ایک مسئلہ کے متعلق مختلف ریاستیں مختلف طریقے اختیار کرتی ہیں اور اس طرح مختلف تجربات کے نتیجہ کا موازنہ اور مقابلہ ہوتا رہتا ہے اس طرح ایک ریاست کا طریقہ کار دوسری ریاست یا قومی حکومت میں رائج ہو جاتا ہے قومی دستور اساسی کے قبول ہونے سے قبل متحدہ حکومتوں نے قومی مقننہ کے انتخاب کا موجودہ طریقہ اختیار کر لیا تھا۔

مزدوروں کے تحفظ کا قانون ایک ریاست سے دوسری ریاستوں میں پھیلا اس طرح سارے ملک پر اس کی ذمہ داری ہو گئی کہ اگر مزدور زخمی، مضروب یا ہلاک ہو تو اس کا معاوضہ یا تاوان دیا جائے اسی طرح بچوں سے مزدوری لینا۔ ریلیف کی خدمات اور ایسے ہی دوسرے ضروریات کا پہلے ریاستوں میں تجربہ کر کے تب واشنگٹن میں پیش کیا گیا ہے۔ ریاستوں میں خواہ سوشیل اصلاحات کی ابتدا نامکمل رہی ہو مگر قومی حکومت نے ان اصلاحات کو ریاستوں ہی سے لیا کسی خاص مسئلے پر عوام کی رائے ہی عوام کے مطالبہ پر حکام کی علٰحدگی۔ پارٹی کے امیدوار نامزدگی۔ نفاذ قانون کے یہ طریقے سب ریاستوں سے شروع ہوئے

اس وقت سکاٹ لینڈ کی بندش کا تجربہ ہو رہا ہے متعدد ریاستوں نے براہ راست حکومت کی طرف سے فروخت کا انتظام کیا ہے یہ تجربہ ہے دیر ہو گی مگر امید ہے کہ اس طرح مسکرات کے متعلق معقول انتظام آگے چل کر ہو سکے گا۔

(باقی آئندہ)

ندامت

سوختہ جاں ... جامعہ نگر (دہلی)

افسانہ

از جناب محمد امین شرقپوری

کوٹھی نئی نویلی دلہن کی طرح آراستہ
تھی شیلا مسکراتی ہوئی موٹر سے نکلی گول کمرے
میں اس کے شوہر سوشیل انتظار کر رہے تھے
مگر شیلا سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سوشیل
جھلا کر اٹھے دروازے پر رکتے ہوئے بولے
آ سکتا ہوں؟
"جی نہیں، ذرا ٹھہریئے" سوشیل پیچ و
تاب کھا کر پلٹ آئے ان کی شادی کو ابھی دو
مہینے ہوئے تھے اس مختصر عرصہ میں شیلا دیوی
کا پہلا کارنامہ پرانے مکان سے ... آؤٹ
تھا سوشیل کے بزرگ برسوں سے اسی گنجان
آبادی میں رہتے چلے آئے تھے مگر شیلا
دیوی نے آتے ہی بولیں "اُف کس قدر تنگ
مکان ہے آخر یہ کوٹھیاں کس کام آئیں گی۔"
سوشیل تنہیں، بیوی سے محبت ہی نہیں
بلکہ عشق تھا بیوی کی ہاں میں ہاں ملا کر بولے:-
"کتنی تو ٹھیک ہو" اسی روز بیوی کو لے
کر نئی کوٹھی میں چلے آئے جائیداد کے علاوہ
مستقل مشاہرہ پر ملازم بھی تھے، موٹر بھی تھی
نوکر چاکر تھے شیلا دیوی کے آرام کے لئے
ہر وہ چیز موجود تھی جو مغربی تمدن کے لئے
ضروری سمجھی جاتی ہے۔
شیلا بی۔ اے تھی اور بچپن میں
باپ کے ساتھ یورپ کی سیر بھی کر آئی تھی
مغربی انداز کچھ اس قدر بھا گئے تھے کہ رات
دن انہیں کے گیت گاتی۔ بیشتر وقت
ڈریسنگ اور آرائش میں گذرتا اکثر ساڑھی
پہنتی مگر کبھی کبھی مغربی وضع کا لباس بھی زیب
تن ہوتا۔ ہیٹ بھی لگاتی، پارٹیاں اور
کلب اس کے محبوب شغل تھے گانے کا شوق
تھا ناچ سے نہ صرف رغبت تھی بلکہ اس فن
میں خاص مہارت حاصل تھی ... کی طرح
پیچ و خم کھاتی ہوئی زلفیں جس پر ہندوستان
کی عورت فخر کرتی ہے شیلا دیوی بچپن ہی سے
ان سے محروم تھی۔ بال آئے دن سیلون کی
نذر ہوتے کٹے ہوئے بالوں کو دیکھ کر پھولی
نہیں سماتی تھی چہرے پر طرح طرح کی مصنوعات
کی آزمائش نے قدرتی حسن کو ملیامیٹ
کر دیا تھا دور سے چینی کی گڑیا معلوم ہوتی
چھوٹی چھوٹی آنکھیں، باریک سرخ ہونٹ
بڑھے ہوئے ناخن نیم عریاں لباس۔
سوشیل نے گھڑی دیکھی پانچ بج گئے،
کسی قدر جھنجھلا کر بولے، کھڑکی سے جھانک
کر دیکھا شیلا برآمدے میں کھڑی تھی جیسے
جیک کو بلا رہی تھی جیک دم ہلاتا ہوا آ رہا تھا
آؤ، آؤ، چٹکی بجا کر بولی۔ سوشیل باہر نکل آئے
شیلا نے پلٹ کر دیکھا۔ معاف کیجئے، ہنستے ہوئے
بولی۔
"آپ کو نہیں جیک کو بلا رہی ہوں"،
سوشیل ٹھٹک کر رہ گئے شرم و غیرت سے انکی
پیشانی پسینہ سے تر ہو گئی بولے "دو گھنٹے سے
انتظار کر رہا ہوں آج رمیش کے ہاں پارٹی ہے
بھول گئیں کیا؟"
"میں بہت تھکی ہوئی ہوں آپ ہی چلے
جائیے" کہتے ہوئے جیک کو لے کر باغیچے میں
چلی گئی۔

(۲)

مہمانوں سے رمیش کی کوٹھی کا صحن پٹا پڑا
تھا۔ موٹر پھاٹک پر رکی رمیش نے چونک کر دیکھا
سوشیل تنہا موٹر سے نکلے رمیش ہاتھ دبا کر بولے
"وہ نہیں آئیں"
"جی" سوشیل نے کہا
"بھابی کہاں ہیں؟" رمیش کی بیوی
مسکراتی ہوئی آئی "کیا عرض کروں"
سوشیل گھبرا کر بولے طبیعت کچھ ٹھیک
نہیں تھی ان کی۔
"ہاں! میرے ہاں آنا شاید انہیں
پسند نہیں ہوگا"
"یہ بات نہیں بھابی" سوشیل کرسی پر
گرتے ہوئے بولے ان کی نظریں مہمانوں پر
منڈلا رہی تھیں ہشاش بشاش مہمان اپنی
اپنی بیویوں کے ساتھ رونق افروز تھے اس
وقت انہیں تنہائی بہت بری محسوس ہو رہی
تھی پارٹی ختم ہو گئی مہمان خوشی خوشی لوٹ گئے
سوشیل افسردہ ہو کر محفل سے چلے جب گھر
پہنچے تو سات بج رہے تھے شیلا جیک کو گود
میں لئے باغیچہ میں بیٹھی ہوئی تھی اس وقت
سوشیل کو جیک پر غصہ آ رہا تھا کرسی پر بیٹھ کر
بولے:-
"کیا مصیبت ہے جب دیکھو کتا تمہاری
گود میں ہوتا ہے۔"
"آپ کو اعتراض کا کیا حق ہے" شیلا
تنک کر بولی، "آپ کو برا کیوں لگتا ہے؟" کہتے
ہوئے کتے کو پیار کرنے لگی۔
"برا لگنے کی بات نہیں آخر میں بھی گھر
میں رہتا ہوں" کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ رک گئے
شیلا چونک کر کھڑی ہو گئی اور بولی، "ڈانس کیلئے
جانا ہے درزی کم بخت ابھی تک فراک نہیں لایا"
ملازم کو آواز دی رانی ڈرتے ڈرتے قریب
آئی۔
"تم نے بھیجا کسی کو درزی کے پاس؟"
"آتا ہی ہوگا میم صاحب" کانپتے ہوئے
بولی۔
"... لانے کا ... بج رہے ہیں" کلاک
کو دیکھ کر بولی جہاں ایک خوبصورت رسٹ
واچ خاموشی سے چل رہی تھی،
"بوا سے" شیلا ... بولی ... برس کا
کشوری بھاگ کر آیا۔
"درزی کہاں ہے؟" بڑے دروازے
سے درزی مسکراتا ہوا آ رہا تھا۔
"آ گیا میم صاحب!" شیلا کی جان میں
جان آئی بن ٹھن کر ایک رنگین تیتری معلوم
ہو رہی تھی نکلی۔ موٹر آہستہ آہستہ پھاٹک
سے نکلی سوشیل کھڑے دیکھ رہے تھے ان کا دل
زور زور سے دھڑک رہا تھا خاموشی سے
بڑے کمرے میں چلے آئے پلنگ پر لیٹ گئے
ایک لمحہ کے لئے انھوں نے آنکھیں بند کر کے
دیکھا۔ ڈانس ہال کا نقشہ آنکھوں کے آگے
گھوم گیا جہاں ہر جنبر مرد اس کے ساتھ ناچنے
کی درخواست کر رہا تھا اور شیلا مسکرا کر ان
کی درخواست کو شرف قبولیت بخش رہی تھی
عریاں بازو اور غیر مرد کے ہاتھ، سوشیل کروٹیں
لینے لگے گھڑی نے گیارہ بجائے انھوں نے
چونک کر دیکھا شیلا اچھلتی ہوئی بجلی کی تیز روشنی
میں اپنے کمرے میں جا رہی تھی ایک لمحہ بعد کواڑ
بند ہو گئے۔ شیلا بجلی کی طرح کوند کر خواب گاہ
کے پردوں میں گم ہو چکی تھی۔

(۳)

آج سوشیل کی طبیعت خراب تھی احباب
مزاج پرسی کے لئے آ رہے تھے ڈاکٹر کا تانتا
بندھا ہوا تھا۔ شیلا نے رسماً ایک دو مرتبہ پوچھا
"کیوں کیسی طبیعت ہے کام کی زیادتی کا نتیجہ
ہے گھومنے نہیں جاتے"،
سوشیل خاموشی سے سن رہے تھے
چپ چاپ پڑے تھے نبض تیزی سے چل رہی
تھی نرس سرہانے کھڑی تھی سوشیل بڑبڑائے،
نرس بھاگتی ہوئی شیلا کے پاس آئی "صاحب
بلا رہے ہیں"
"ابھی تو گئی تھی ان کے پاس" لیٹے لیٹے
بولی، نرس چلی آئی سوشیل نے آنکھیں پھاڑ کر
دیکھا جیسے وہ کہتے ہوں کیا کہا شیلا نے؟
شیلا پلنگ پر پڑی تھی، جیک برابر کی
تپائی پر بیٹھا ہوا تھا۔ پنکھا تیز رفتاری سے چل
رہا تھا ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی "آپ کا فون ہے"
بوا نے کہا
"ہیلو"
"بہت اچھی پکچر ہے"
"... اچھا آتی ہوں" گول کمرے میں
ڈاکٹر بیٹھا تھا۔
شیلا پرس ہاتھ میں لئے تیزی سے
نکل گئی۔ شوفر موٹر لے آیا سوشیل نے کھانستے
ہوئے کروٹ لی
"شیلا کو نہیں بلایا تم نے"
نرس مسکرا کر بولی "باہر جا رہی ہیں"
سوشیل پھر کھانسنے لگے۔ ڈاکٹر نے چونک کر
دیکھا "کیوں کیا ہوا؟"
"کھانس رہے ہیں" نرس بولی
دوائی کا ایک دو ذرہ دیتے ہوئے بولے
"پلا دو ابھی" سوشیل نے منہ کھول دیا اور
کھانسی رک گئی۔

"آ گئیں آپ" شیلا کے دوست مسکرا کر
بولے۔
"اگر پکچر اچھی نہ ہوتی تو شاید آپ کو
تکلیف نہ دیتا"
"کوئی مضائقہ نہیں" شیلا ہنس کر بولی
"بہت دنوں میں آئی ہے ایسی پکچر"
"اوہ! بہت تعریف کر رہے ہیں آپ؟"
بازو میں بازو ڈالے سینما ہال میں گھس
گئے۔

(باقی صفحہ ... پر)

(سلسلہ صفحہ)

تصویر کسی امریکن فلم کمپنی کی تھی، ایک لڑکی سے دو نوجوان محبت کرتے تھے، ایک لڑکی کا شوہر تھا اور دوسرا عاشق۔ شیلا ہر سین پر مسکرا رہی تھی اور کلدیپ اسے خوش پا کر آپے سے باہر ہو رہے تھے دونوں کی انگلیاں پروسے پر جمی ہوئی تھیں۔

ایک دن جبکہ لڑکی کا شوہر بیمار تھا وہ عاشق کے ساتھ فرار ہو گئی شیلا چونک پڑی، کلدیپ ہنس پڑے کھیل ختم ہو گیا۔ شیلا نے ایک انگڑائی لی کلدیپ کو ایسا محسوس ہوا جیسے حسن کی دیوی سنہری پروں کو پھیلا کر اس کے دل کو [illegible] رہی [illegible]

[illegible] نکلے کلدیپ کار چلا رہے تھے شیلا ان کی برابر کی سیٹ پر بیٹھی تھی، جب کبھی دو کہنیاں ٹکراتیں تو کلدیپ کا دل زور سے دھڑکتا شام بھیگی ہوئی تھی، اور رنگینیوں میں کھوئی ہوئی موٹر بھی فراٹے بھرتی ہوئی جا رہی تھی دریا کے کنارے رکی، کس قدر دلکش منظر ہے۔ کلدیپ ہنس کر بولے،

"ہاں" شیلا نے کہا

اس کے بال عجیب انداز سے لہرا رہے تھے اور چہرے کا رنگ ہلکے گلابی پھول کی طرح نکھر رہا تھا کلدیپ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے:۔

"سینما ہال میں بیٹھے بیٹھے جی اکتا گیا۔ شیلا آؤ تھوڑی دیر چہل قدمی کریں"

دونوں جا رہے تھے آہستہ آہستہ دریا کا کنارہ، بھیگی ہوئی شام، ہوا کے جھونکے کلدیپ کا دل آپ ہی آپ گدگدا رہا تھا۔

پلنگ پر دراز سوشیل کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے دل پر دہکتا ہوا انگارا رکھ دیا ہے بلبلا اٹھا۔

"آپ لیٹے رہیے" نرس بولی

"ڈاکٹر" وہ بولے، ڈاکٹر نے چونک کے دیکھا، "میرا دل!" رکتے ہوئے بولے "کیا جانے کیوں ڈوبا جا رہا ہے" "اور درد بھی تو ہو رہا ہے"

"چھوڑو مجھے" شیلا بے رخی سے بولی موٹر میں آ کر بیٹھ گئی۔ کلدیپ ہاتھ ملتے ہوئے بولے "آخر یہ سرد مہری کیوں؟"

شیلا خاموش تھی، موٹر آہستہ آہستہ جا رہی تھی پھر [illegible] ہو گئی کلدیپ کے ہاتھ اسٹرنگ پر تیزی سے حرکت کر رہے تھے۔

"روکو۔ روکو" وہ چلائی موٹر ایک کھڈ میں دھم سے جا پڑی شیلا کے چلانے کی آواز دب گئی۔ موٹر اچھل کر نکل پیڑ سے زور سے ٹکرائی۔

سوشیل چونک کر پلنگ پر سے کھڑے ہو گئے،

"کیا ہوا؟" ڈاکٹر نے تعجب سے پوچھا

"کچھ نہیں ڈاکٹر" وہ سنبھل کر بولے شیلا نہیں آئی۔ جواب میں نرس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

راہ گیر دوڑ کر آئے، موٹر کے حادثے کے شکار دو زخمی سڑک پر پڑے تھے موٹر اوندھی پڑی تھی۔

(۴)

تازہ اخبار سوشیل کے ہاتھوں میں تھا آج وہ رو بصحت نظر آ رہے تھے نرس کرسی پر بیٹھی سلائیوں سے کچھ بن رہی تھی نوکروں میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں بیم صاحب کل سے غائب ہیں۔

سوشیل چونک پڑے موٹر کے ٹکرانے کا دردناک حادثہ۔ رائے زادہ کلدیپ اور شیلا دیوی ہسپتال میں صاحب فراش ہیں ...... پرچہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

ہسپتال کے احاطے میں ایک کار رکی۔ سوشیل چھڑی لے کر کمرے میں داخل ہوئے، دو پلنگ برابر برابر [illegible] پڑے تھے، ایک پر کلدیپ تھا دوسرے پر شیلا۔

"کیا ہوا شیلا؟" وہ تپائی پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ شیلا نے چونک کر دیکھا آنکھیں بھر لیں اور پھر بند کر لیں۔

"بولو"۔ سوشیل بے چین ہو کر بولے جواب میں شیلا نے آنکھیں جھپکا کر دیکھا آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ ندامت کے آنسو۔ سوشیل کچھ سوچنے لگے، ان کی نظر پلنگ کلدیپ پر پڑی جو ان کا دوست [illegible]

چپ چاپ۔ پھر جیسے انہوں نے آنکھیں کھولیں میں واقعات کو بھانپ لیا تھا شیلا کے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے:۔

"میں اچھا ہوں شیلا۔ ابھی [illegible] ہو گیا تھا جب تم!" وہ رک گئے، شیلا کے امڈے ہوئے آنسو بہ نکلے۔ "تم رو رہی ہو میں جانتا ہوں"۔ انہوں نے کھڑا ہونا چاہا مگر معلوم ہوتا تھا کہ تپائی کے ساتھ چپک گئے ہیں ان کی انگلیاں کسی خاص جذبے کے ماتحت شیلا کے آنسو پونچھنے لگیں۔ رومال بھیگ گیا آنسو تھے کہ بہے جا رہے تھے۔

"نہیں نہیں شیلا" وہ پھر کے بولے شیلا نے ان کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا ہونٹوں تک لے گئی

کلدیپ نے کروٹ لی۔ سوشیل نے پلٹ کر دیکھا، کلدیپ پر جھک گئے۔

"چوٹ زیادہ تو نہیں آئی"

کلدیپ نہ بولے نہ ہی حرکت کی کچھ کہنا چاہتے تھے مگر معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے زبان پکڑ لی ہے کپڑے سے منہ ڈھانپ لیا انہوں نے سنا جیسے شیلا کہہ رہی تھی:۔

"میں بے گناہ ہوں"

"بہت جلد اچھی ہو جاؤ گی شیلا" ان کی زبان سے نکلا شیلا بھیگی ہوئی پلکیں جھپکا رہی تھی آنسوؤں کے قطرے کانپ رہے تھے جن کے ساتھ سوشیل کی آنکھیں بھی ڈبڈبا گئیں [illegible] ہوئے کھڑے ہو گئے۔ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اتر رہے تھے۔

"ختم"

طرحِ نو

از جناب مسعود اختر جمال

ڈوبا ہو جس کی لے میں زمانہ کا سوز و ساز
وہ زندگی نواز ترانہ ہی اور ہے

جس میں دھڑک رہا ہو دل کائنات بھی
اس دل کی دھڑکنوں کا فسانہ ہی اور ہے

ہوں جس کے دامنوں میں سحر کی تجلیاں
وہ خواب وہ طلسم شبانہ ہی اور ہے

اس عہد میں نہ ڈھونڈو تم یہ رنگینیاں
یہ دور ہی جدا، یہ زمانہ ہی اور ہے

نصائح

جوانی ایک نادانی ہے، اور جوانی عمر ایک جدوجہد اور بڑھاپا ایک پشیمانی

دیو کی سی طاقت رکھنا اچھا ہے مگر اسے دیو کی مانند استعمال کرنا ظلم ہے۔

جتنا کام مشکل ہوگا اتنا ہی اس کا انجام دینا عظمت کا باعث ہے۔

اخلاص سے کام کرنا سیکھو تاکہ اس کی جزا تجھے مل جائے۔

دنیا کے غم میں مبتلا نہ ہو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے

پروپیگنڈا

یوں تو پروپیگنڈا کے معنی سے ایک عرصہ سے واقف تھے مگر عملی تجربہ اس کا بھائی صاحب کی بدولت ہوا۔ بھائی صاحب کے نام بتانے کی چنداں ضرورت نہیں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ وہ کلکتہ یونیورسٹی کے ڈبل ایم اے اور الہ آباد یونیورسٹی کے ایل ایل بی تھے اور وکلا سے لے کر موکل تک سب اسی نام سے ان کو جانتے اور پہچانتے تھے پہلے یہ یو پی کے ایک مغربی ضلع میں کبھی گورنمنٹ پلیڈر کبھی منصف تھے اور آخر کار وکالت کرتے تھے۔ تحریک ترک موالات کے ابتدائی دور میں یہ اپنے وطن آگئے تھے جہاں ان کے چھوٹے بھائی ایک کامیاب وکیل تھے اور ان سے سن کر ہر شخص انہیں بھائی صاحب پکارتا تھا اور مرتے دم تک جیسے تقریباً تین سال ہوئے وہ سب کے بھائی صاحب ہے۔

جس وقت بھائی صاحب سے اول اول ملاقات ہوئی ہے پنجاب کے مظالم مارشل لا والوں کو بے قرار کئے ہوئے تھے اور تحریک خلافت جاری ہو چکی تھی اور ہم لوگ نئے نئے سیاسی خدمات سے سرشار کانگرس اور خلافت کے مقامی جلسے کر رہے تھے۔ انہیں جلسوں میں سے ایک جلسہ میں بھائی صاحب سے ملاقات ہوئی وہ بھی اس طرح کہ انہوں نے خود کہہ کر تقریر کی اجازت لی بھائی صاحب کا لہجہ فرنچ آبادی تھا اور اتنا جلد جلد اور تیزی سے بولتے تھے کہ شروع کے دو چار منٹ تک تو یہی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اردو بول رہے ہیں یا انگریزی یا پشتو، مگر آدمی قابل تھے تقریر تھوڑی دیر میں لوگوں کو دلچسپی ہو جاتی تھی۔

تو بھائی صاحب سے یوں ملاقات ہوئی اور چونکہ ہر معاملہ میں وہ کوئی نہ کوئی رائے ضرور دیتے اس طرح بے تکلفی ہو گئی اب انہوں نے ہم لوگوں کو سمجھایا کہ اگر اپنی تحریک کو کامیاب بنانا چاہتے ہو تو ضلع پولیٹیکل کانفرنس کرو ہم لوگ اب تک کانفرنس کرنے سے بچتے تھے محض بھائی صاحب کے زور دینے سے مستعد ہو گئے اور ایک ابتدائی کمیٹی طلب ہوئی جس میں مختلف کاموں کے لئے مختلف اشخاص چنے گئے ہمارے کانگرس اور خلافت دونوں کے صدر قاضی محمود احمد صاحب تھے وہ استقبالیہ کمیٹی کے صدر ہوئے میں سیکرٹری بنایا گیا۔ بابو گجانند مارواڑی خزانچی اسی طرح مختلف عہدے اور کام مختلف لوگوں کو سپرد کئے گئے۔ اتفاق سے بھائی صاحب کو کوئی عہدہ نہیں ملا تب میں نے کہا کہ بھائی صاحب میں علیحدہ ہوتا ہوں آپ علیحدہ ہو جائیں۔

بھائی صاحب:- نہیں میں نے اپنے لئے خود کام سوچ لیا ہے تم لوگ ناتجربہ کار ہو وہ کام تم لوگوں سے نہ ہوگا۔

میں:- بھائی صاحب وہ کونسا کام ہے؟

بھائی صاحب:- میں پروپیگنڈا سیکرٹری رہوں گا جلسہ کی اشتہار بازی ہر شخص کو نہیں آتی تم لوگ نادان ہو اس کام کو میں انجام دوں گا۔

سب نے ہنسی خوشی سے منظور کیا۔ ہم لوگ تو جلسہ کر کے مطمئن ہو گئے اور چندہ جمع کرنے والی کمیٹی چندہ کرنے لگی۔ مگر بھائی صاحب نے پوسٹر اور اشتہار اور ہینڈ بل تیار کرنا شروع کیا۔ کیا مجال جو اس کام میں کسی کو ہاتھ لگانے دیں اگر کسی نے کچھ کہا تو بھائی صاحب نے فوراً جواب دیا کہ بس بولو نہیں مجھے میرے طریقہ پر کام کرنے دو۔

دوچار روز کے بعد میں نے جو چھپے ہوئے اشتہارات دیکھے تو میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب میں نے یہ دیکھا کہ ہر بڑے چھوٹے ہندو مسلم سکھ پارسی عیسائی کا نام تشریف لانے والوں میں موجود ہے۔ مہاتما گاندھی۔ لوکمانیہ تلک سے لے کر پی اف بروچہ تک سب لیڈروں عالموں۔ پنڈتوں اور سکھ سرداروں کے نام آنے والے حضرات میں درج ہیں۔

میں:- (حیرت سے) بھائی صاحب اس غلط بیانی سے فائدہ؟

بھائی صاحب:- میاں تم بچے ہو۔ اسی کا نام پروپیگنڈا ہے یورپ والے اسی طرح دنیا میں کامیاب ہوتے ہیں ہم لوگ مغربی اضلاع میں یوں ہی کانفرنسوں کو کامیاب بناتے رہے ہیں۔

میں:- مگر بھائی صاحب یہ تو صریح جھوٹ ہے۔

بھائی صاحب:- تو پروپیگنڈا اور کسے کہتے ہیں۔

غرضکہ جوں جوں کانفرنس کا زمانہ قریب آتا گیا بھائی صاحب کا پروپیگنڈا زور پکڑتا گیا یہاں تک کہ ایک روز بارہ بجے رات کو تمام ممبران کے گھر کہلا بھیجا کہ اسی ایک بجے کی گاڑی سے پوجیہ پا مالوی جی تشریف لا رہے ہیں جملہ ممبران استقبالیہ کمیٹی اسٹیشن پر موجود رہیں مالوی جی کانفرنس کے متعلق مشورہ دیں گے اور اسٹیشن ہی سے ۲ بجے شب کی گاڑی میں واپس جائیں گے۔

میرے لئے بارہ بجے شب کو اٹھنا اور اسٹیشن جانا قیامت تھا مگر بھائی صاحب نے مجبور کیا تو میں بھی ہنستا ہوا ان لوگوں کے ساتھ اسٹیشن گیا۔ مگر بھائی صاحب نے چونکہ یہ کہلا بھیجا تھا کہ میں ہار پھول لئے ہوئے اسٹیشن پر جا رہا ہوں میری فکر نہ کرنا ہم لوگ اسٹیشن پر پہونچے تمام تلاش کرتے ہیں مگر بھائی صاحب کا پتہ نہیں ایک بجے گاڑی آئی مالوی جی صاحب تو کیا نظر آتے گاڑی سے اترنے والوں میں ایک بھی برہمن نہ تھا۔ دوسرے دن دس بجے بھائی صاحب سے ملاقات ہوئی۔

میں:- (ہنستے ہوئے) کیوں بھائی صاحب یہ کیا مذاق تھا۔

بھائی صاحب:- (نہایت متانت سے) مذاق کیسا میں مذاق نہیں کرتا

(باقی اگلے صفحہ پر)

حشر جذبات

از حضرت ثاقب صاحب

اگرچہ جلوہ ترا خوگر حجاب نہیں — مگر یہ میری نظر ہے جو کامیاب نہیں

رہین ضبط سکوں میرا اضطراب نہیں — کہ تیرا عہد تمنا خیال و خواب نہیں

تو اپنے عشق میں اتنا تو جذب پیدا کر — کہ جلوہ خود ہی پکارے کوئی حجاب نہیں

رہے گی حسرت نظارہ عمر بھر تجھ کو — تری نظر کو خود اندازۂ حجاب نہیں

امید تجھ سی ہو کیا مجھ کو اے فریب نمود — مری نگاہ ابھی تک تو کامیاب نہیں

نہیں ہے اب مرا دل شکوہ سنج مستوری — کہ دیکھتا ہوں جہاں تک کوئی حجاب نہیں

گذر گئی ہیں تری بے حجابیاں حد سے — کہ میرا گریۂ شب تک بھی مستجاب نہیں

اسی کو حاصل صد زندگی سمجھ لیتا — وہ کہتے کاش کہ تجھ سا وفا خراب نہیں

فریب حسن ہے یا ہے سکون ہی مجھ کو — میں کہہ رہا ہوں مرے دل کو اضطراب نہیں

ادھر بھی کاش ہو تیری نگاہ لطف و کرم — کہ میرے شوق کی دنیا میں انقلاب نہیں

رہ مراد میں جس نے کہ جان تک دے دی — تو اس کو کس لئے کہتا ہے کامیاب نہیں

عجیب عشق کی مجبوریاں ہیں اے ثاقب
وہ سامنے ہیں مگر دیکھنے کی تاب نہیں

میں :۔ ایک بجے رات کو ہم لوگوں کو اسٹیشن دوڑانا مذاق نہیں تو اور کیا تھا ؟

بھائی صاحب :۔ (سنجیدگی سے) آخر ناتجربکار ۔۔۔ ہے یہ پروپگنڈا کا ریہرسل تھا ریہرسل اس وقت تو یہ بات کھٹکی گذری ہوئی ۔۔۔ کو کامیاب بنانے میں ہم سب منہمک تھے۔ اس نے چند دن پوچھ گچھ نہ ہوئی اب بھائی صاحب کا حوصلہ بڑھا ۔

سنا تھا دھر بمبئی میں مشہور کر نا شروع کیا کہ شنکر آچاریہ جگت گرو آ رہے ہیں کسی سے ۔۔۔ میں کہا کہ لالہ لاجپت رائے صاحب نے آنے کا وعدہ کیا ہے کسی سنی کو دیکھا تو کہا کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب اور مولانا عبدالباری صاحب تشریف لا رہے ہیں ، دیوبندی ملے تو کسی دیوبندی عالم کا نام لے لیا ۔ غرضکہ بھائی صاحب نے وہ پروپگنڈا باندھا کہ اگر ہم لوگ کسی سے تردید کرتے تو وہ ہمیں کو جھوٹا بتاتا ۔

خدا خدا کرکے وہ دن آیا جس کی صبح کو کانفرنس تھی بھائی صاحب کے مشورے سے ہم لوگوں نے ڈاکٹر انصاری صاحب کو صدر بنایا تھا چونکہ لیڈروں کو خط لکھنے اور دعوت دینے کا کام بھائی صاحب نے اپنے ذمہ لے لیا تھا اور انتظام یہ کیا تھا کہ باہر کے خطوط بالا بالا خود لے لیتے اور کسی کو نہ دکھاتے اس لئے ہم لوگوں کو یہ بھی پتہ نہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب مرحوم آتے بھی ہیں یا نہیں اور آتے ہیں تو کس ٹرین سے ۔ بھائی صاحب صاحب یہ بھی نہ بتاتے کہ واقعی کون کون صاحب تشریف لا رہے ہیں ۔ کہ اس کا انتظام کیا جاتا ۔ اب ہر شخص بھائی صاحب سے عاجز تھا مگر منہ سے کچھ نہ کہتا تھا ۔

ایک بجے کے قریب بھائی صاحب نے ہم لوگوں کو بھی خبر دی اور سارے شہر میں یہ اعلان کرا دیا کہ مسٹر سی آر داس مولانا مظہرالحق اور مسٹر جے ایم سین گپتا تشریف لا رہے ہیں سب لوگ سواگت اور خیر مقدم کے لئے اسٹیشن چلیں ۔

اس کو بھائی صاحب نے کچھ اس انداز سے کہا کہ مجھے بھی یقین ہوا کہ کچھ نہ کچھ سچ ہے ہم لوگ مع ایک بھیڑ کے دریا پار کرکے اسٹیشن پہونچے گاڑی آئی نہ بنگالی پارٹی نہ بہاری پارٹی وہ تو غنیمت یہ ہوا کہ اسی ٹرین سے ڈاکٹر انصاری صاحب اور پنڈت جواہرلال نہرو تشریف لائے جس سے پبلک کی کچھ تشفی ہوئی اور بھائی صاحب کے پروپگنڈے کی عزت قائم رہی مگر جتنے کارکن تھے وہ سب بھائی صاحب کو کن نگاہوں سے دیکھ رہے تھے

میں سمجھ رہا تھا کہ آج غریب بھائی صاحب کی خیر نہیں ہے بہر صورت مہمان اپنی اپنی رہائش گاہ پر ٹھہرائے گئے مجمع چھٹ گیا اللہ کا نام کرنے والوں نے بھائی صاحب کا ہاتھ پکڑا اور بالکل تنہائی کے مقام پر لے گئے میں ڈرا کہ بھائی صاحب کی مرمت ہوئی اور دبی زبان سے میں نے کہا کہ ہم لوگ عدم تشدد کے سپاہی ہیں مگر ہر شخص بگڑا ہوا تھا کہا کہ تم چپ رہو تمہیں نے بھائی صاحب کو تیز کر دیا ہے ۔

بھائی صاحب :۔ ہیں خیر تو ہے تم لوگ تو غصہ میں بھرے ہوئے ہو آخر کیا بات ہے ؟

ایک :۔ بات یہ ہے کہ بھائی صاحب اب ہم لوگ کانفرنس سے الگ ہوتے ہیں اب آپ ہی انتظام کیجئے ۔

بھائی صاحب :۔ کیوں ، کیوں ! آخر کس بات کی شکایت ہے ؟

کئی آوازیں :۔ شکایت پوچھتے ہیں ہم لوگوں سے غلط باتیں بتلاتے ہو اور پریشان کرتے ہو ۔ اور پھر کہتے ہو کہ شکایت کیا ہے ؟

بھائی صاحب :۔ اوہو ! یہ بات ! ارے یار یہ پروپگنڈا تھا پروپگنڈا ۔ تم لوگ تو نرے کودن ہو دیکھو میں نے سارے شہر میں دھوم مچا دی ۔

اب تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا بے ساختہ ہنس پڑا جس سے دوسرے بھی ذرا نرم پڑے اور سب نے بھائی صاحب سے یہ اقرار لیا کہ اچھا اس شرط پر معاف کیا جاتا ہے کہ تم دنیا میں جتنا چاہے جھوٹ بولو مگر ہم لوگوں کو صحیح بات بتا دیا کرو ۔

غرض بھائی صاحب سے اس کا اقرار لینے کے بعد ہر شخص مطمئن ہوکر پنڈال کی آرائش اور دوسرے انتظام میں مصروف ہو گیا ۔ کوئی گیارہ بجے سب گھر واپس گئے ابھی کھا پی کر مشکل سے چارپائی پر لیٹے ہوں گے کہ ایک والنٹیر نے آکر مجھے جگایا کہ اسٹیشن چلئے ۔ مزید سوال پر اس نے بتایا کہ بھائی صاحب کے پاس تار آیا ہے کہ پنڈت موتی لال نہرو مسز اینی بسنٹ اور مہاتما جی کوئے ہوئے ایک بجے رات کی گاڑی سے چھوٹی لائن سے تشریف لا رہے ہیں

میں نے ہنسکر اس سے کہا کہ بھائی صاحب سے کہدینا کہ وہ اسٹیشن چل کر انتظام کریں شہر میں اعلان کی ضرورت نہیں رات کو ان معزز مہمانوں کو مجمع کے شور و غل سے تکلیف ہوگی اسٹیشن کے جو بنگلے مہمانوں کے لئے ہیں اس میں ٹھہرائیں ۔ صبح کو استقبال ہوگا ۔

میں تو سو گیا اس کا خیال بھی نہ رہا ۔ صبح سات بجے سیدھا پنڈال پہونچا بجز چند غریب رضاکاروں کے اور کوئی نہ تھا جلد جلد دوسرے والنٹیروں کو بھی بلوایا رضاکار کو بلانے کے لیے آدمی بھیجا بمشکل آٹھ بجے تک ایک ایک کرکے سب آئے مگر سب کا غصہ سے منہ پھولا ہوا ۔ البتہ بھائی صاحب کا پتہ نہ تھا جو آتا مجھ پر بگڑتا کہ دیکھو پھر رات بھائی صاحب نے ہم لوگوں کو دوڑا دیا ۔

میں نے بلجاجت سب کو سمجھایا کہ بھائی صاحب تو غائب ہو گئے اب عزت تم لوگوں کے ہاتھ ہے ۔ کانفرنس ہو جانے دو پھر بھائی صاحب سے سمجھ لیا جائیگا جس پر یہ بات سب کو پسند آئی اور چار و ناچار سب نے کام شروع کر دیا دس بجے سے کانفرنس کا اجلاس تھا نو بجے میں نے بھائی صاحب کو ایک طرف چکر لگاتے ہوئے دیکھا ۔

بھائی صاحب :۔ اے میاں تم یہیں ہو میں نے لوگوں کو اسٹیشن مہمانوں کے خیر مقدم کے لئے بھیجا ہے تم سیکریٹری ہو ضرور جاؤ ۔

میں :۔ بھائی صاحب اب خیریت اسی میں ہے کہ آپ چپ چاپ کنارے بیٹھ جایئے ورنہ اسٹیشن سے واپس آنے والے آپ کو اس دنیا سے رخصت کر دیں گے ۔

بھائی صاحب :۔ کیوں کیوں میں نے کیا کیا ؟

میں :۔ آپ نے آدھی رات کو سب کو دوڑایا اور اس وقت عین کانفرنس کے وقت سب کو اسٹیشن بھیج دیا ۔

بھائی صاحب :۔ (ہنسکر) ارے میاں اسی کو تو پروپگنڈا کہتے ہیں اگر تم لوگوں کو ناگوار ہے تو میں ہٹا جاتا ہوں ۔

کانفرنس کی کامیابی کے بعد کسی کو اس کی فرصت کہاں کہ وہ بھائی صاحب سے جواب طلب کرے مگر اتنا ضرور ہوا کہ بھائی صاحب کی زندگی میں جتنی کانفرنسیں ہوئیں پھر کسی میں نہ بھائی صاحب پوچھے گئے ، ورنہ کوئی پروپگنڈا سیکریٹری مقرر ہوا ۔

دنیا کی بے راہ روی

...ہر کہاں کیسے تھے
... باک اثر ہے پتہ کا بیاں
چل پھل چل پھل چل پڑی دنیا
یا دشت نیز تو ہے یہ تھیں بیٹھے
بیٹھے ہوا ہو گیا ۔ ابھی تو بچے
تھا سے تھے "

ہوتے تھے ۔ بڑے بڑے راجہ مہاراجہ
چیونٹیوں کی طرح بلوں میں گھسے رہتے
تھے ۔

" یہ ہوش باش کہ دنیا رواں دواں ہے "
" سب ٹھیک ، سب جانتے ہیں کہ
دنیا متحرک ہے ساکن نہیں ۔ مولانا ظفر
(؟) ہادی مرحوم نے کہا تھا کہ ؎

قدیم فلسفہ سے بڑھ گئی نئی حکمت
اب آسمان نہیں چلتا زمین چلتی ہے

" ارے بھائی توبہ کرو توبہ ۔ شاعری
کو چھوڑو ۔ اللہ اللہ کرو ۔ اور ہاں پنڈت جی
تم بھی رام رام جپو ۔
آخر کچھ کہو گے بھی یا نصیحت ہی نصیحت
ہی دیں گے "
" کہنا کیا ہے کیا تم نے آج خبر نہیں
سنی ۔ دنیا اپنے محور سے ہٹ گئی ہے ابھی
اخباری دفتر سے سن کر آ رہا ہوں "
تو اچھی بات ہے اب ؎

لذتِ حسن دگر چشم تمنا دے گی
ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا دے گی

عقل کے ناخن لو ۔ شاعری سے باز
آؤ جو دم باقی ہے یاد مولیٰ میں بسر کرو ۔
آخر تمہیں مرنے کی کیوں سوجھ رہی
ہے یہاں تو یہ رنگ ہے ؎

موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے
مرنے سے پہلے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں

مگر اب قدر عافیت معلوم ہو جائے گی
تھوڑی دیر میں نہ امیر رہیں گے نہ فقیر ایک
الٹ ہی نامہ ہو جائے گا ۔
آخر تم آج دنیا کے مٹانے پر کیوں
تلے ہوئے ہو کیا طلسم ہوشربا کی دنیا ہے
میں جی کہتا گیا ہے جو اب طلسم دنیا کا تو اگ
لے بیٹھے ہو ۔
تمہیں کیا خبر کہ دنیا کدھر جا رہی ہے
ابھی گھڑی دو گھڑی میں مرنا پڑے گی لوگ ڈھونڈ کے
سنو تو دنیا اپنے محور سے ہٹ گئی اور نظام
شمسی سے الگ ہو کر فضائے بسیط میں دوڑتی
ہوئی قطب تارے کی طرف کو قدم بڑھا رہی ہے
آخر اس دنیا کو بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا
جو اپنا اصلی راستہ چھوڑ کر خلا میں بے تکان
دوڑنے لگی ۔
اور میاں تمہیں بنت کی خبر بھی ہے کہ
کہ اب دنیا میں کہ دشمنی کی جگہ محبت ہے ۔

انجمن والی دوربین ہے اس سے پتہ چلا ہے کہ ایک
نیا سیارہ فضائے بسیط میں نمودار ہو گیا
ہے جس کی کشش اتنی زبردست ہے کہ دنیا
سورج کی کشش سے نکل گئی اور اب یوں
سمجھئے کہ یہ سیارہ عروس دنیا کو بھگائے لئے
جا رہا ہے ۔

آخر کدھر لئے جا رہا ہے
فضائے بسیط میں
پھر اس کا انجام کیا ہوگا ۔

" اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے ہمیں تو کوہ
ولسن کی رپورٹ کا انتظار ہے کہ وہ اب کیا خبر
دیتا ہے ۔
" مگر بھائی دنیا نے کیا کیا ہے جو تنہا اسے
یہ سیارہ بھگا کر لے چلا ہے نظام شمسی میں تو
زہرہ مشتری بھی ہیں ۔
تم تو زہرہ کی چندی نکالنے لگے اس کا
ابھی پتہ نہیں معلوم ہوتا ہے ممکن ہے کوئی خاص
کشش ہو جس کا اثر اس سیارہ پر بھی پڑ رہا
ہو ۔ کشش کی نہ پوچھو آخر ہزاروں لاکھوں
خلق خدا پاگل ہے جو دنیا پر جان دے رہی ہے
میاں اب لاکھوں کروڑوں خلق خدا
کی خوب خبر نہیں ہے اس بے راہ روی میں جو دنیا
کسی دوسرے ستارے سے ٹکرا گئی تو آن کی
آن میں سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے اور
دنیا کا پتہ بھی نہ رہے گا
تو کیا یہاں کی آبادی میں کوئی کشش ہے
ان کی نہ پوچھو یہی کوئی نہ کوئی سامان
ایک دن تباہی دے گا ۔ افسوس اس کا ہے کہ
یہ دنیا جلد مٹ جائے گی ۔
یہ تو سچ کہا ؎

فنا ہے سب کے لئے ہم پہ کچھ نہیں موقوف
یہ رشک ہے کہ اکیلا ہے گا تو باقی

پھر وہی شاعری یہ نہیں سوچتا کہ
ہمارا حشر کیا ہونے والا ہے ۔
ہو گا کیا جان عزیز سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے
جان عزیز ! جان عزیز ! کس منہ سے
کہتے ہو اگر جان عزیز ہوتی تو آئے دن خونریزیاں
اور فتنہ و فساد نہ ہوتے اور بے گناہ لوگوں
کی جانیں نہ جاتیں ۔
تم تو بات کہتے کہتے جھگڑا کرنے لگے

آن کی آن میں دنیا کی اس بے راہ
روی اور عوا کی خبر ساری دنیا میں پھیل گئی ۔

بظاہر تو کچھ پتہ نہ تھا مگر البتہ اب سورج
کی جگہ اس نئے سیارے نے لینا شروع کر دیا
اور اس کی تمازت سے دنیا چمک اٹھی چاند
بھی اب راتوں کو غائب رہنے لگا اور کبھی کبھار
نظر آ جاتی اور اس کی چاندنی دکھائی دیتی اہل
دنیا بھی اب غفلت سے چونکے ہر طرف دنیا کے
سلامتی کی دعائیں مانگی جانے لگیں مسجد ، مندر ، کلیسہ
صومعہ سب میں دنیا کی خیر منائی جانے لگی ۔ حکومتی
اعلان کے مطابق ۔ ۔ گھنٹہ عبادت کے لئے
وقف ہو گیا بڑے بڑے دہریئے احکام الٰہی کو
ماننے لگے ۔ جسے دیکھو تسبیح لئے سلامتی کا وظیفہ
پڑھ رہا ہے قربانیوں اور چڑھاؤں کا اب
زور و ہجوم سے ہوا دنیا میں نام کو مویشی باقی
نہ رہیں ۔ آب و ہوا کی تبدیلی اور تداخل ایام
نے لوگوں کے مزاج کا توازن ڈھیلا کر دیا رنگی
کیفیت میں خلل آ یا خونریزی فرقہ بندی کے
جھگڑوں کا زور ہوا اور یہ معلوم ہونے لگا کہ
اب کسی کی عزت باقی نہ رہے گی اور نہ دھن دولت
مگر دنیا ہے کہ بے تکان فضا میں اڑی چلی جا رہی
ہے ۱۹۷۵ء میں نو اٹم بم نے تباہی برپا
کی تھی اور ۱۹۶۹ء کی تیسری جنگ کی بدولت
تو دنیا تہ زمین رہنے کی عادی ہو گئی تھی سنتے آئے
تھے کہ قرب قیامت کے وقت تہ زمین سے باشندے
انسان نکلیں گے مگر الٹی بات ہے کہ دنیا زیر
زمین جا رہی ہے ۔
یورپ تو اب محض ایک جغرافیائی نام تھا
جس طرح کبھی انگلستان نو آبادیات کی بدولت
پھولا پھلا تھا آج دنیا کی بدولت امریکہ مالا
مال ہو رہا تھا ۱۹۶۹ء میں جو جنگ امریکہ
اور روس میں ہوئی اس میں برطانیہ نے محض
پرانی دنیا سے متوسل ہونے کے باعث روس
کا ساتھ دیا اور اس طرح روس اور امریکہ یا
نئی اور پرانی دنیا کے تصادم میں برطانیہ کا
خاتمہ ہو گیا ہی نہیں بلکہ سطح زمین اب ویران
تھی ساری آبادی زیر زمین تھی اکے دکے
کسان تو ہل چلاتے نظر آتے تھے ورنہ کوٹھیاں
کارخانے ۔ دوکانیں غرضیکہ تمام کاروبار زیر زمین

سائنس والوں کا خیال تھا کہ
اگر دنیا کسی سیارے یا گشتی دمدار تارے
سے ٹکرا گئی یا کسی نئی دنیا کے اٹومک اثر میں
آ گئی تب تو اس دنیا کا کہیں پتہ بھی نہ رہے گا
اور نہ کسی کو اس کی تہذیب و تمدن کی خبر ہوگی
اس لئے دنیا میں اب ایک نئی رو دوڑ گئی
اور ملکی اور نیشنل تعلقات کو بھول کر اب
بین الاقوامی یا من حیث العالم ساری دنیا کی
یادگار باقی رکھنے کا خیال پیدا ہوا اور اب
نئی قسم کی خونریزی اور خانہ جنگی شروع ہو گئی
یہ خونریزی بین الاقوامی جماعتوں اور مختلف
ملکی وطن پرستی کے درمیان چھڑ گئی امریکہ کے
کرہ روئی کی بین الاقوامی فوجیں یورال اٹومک
کارخانوں سے جا بھڑیں بین الاقوامیوں کو
اس کی بھی فکر ہوئی کہ دوسری دنیا والوں کے لئے
کارنامہ ہائے دنیا باقی رکھے جائیں اس کے لئے
بڑے بڑے پتھر کی چٹانوں پر سینکڑوں من بازنا
میں تاریخ دنیا اور کارنامہائے دنیا لکھ کر مختلف
اکناف عالم میں زیر زمین دفن کیا گیا بڑے
بڑے مشہور بین الاقوامی مجسمے بنا کر اور رسالے
... لکھ کر دفن کر دئے گئے ۔ کیونکہ عام خیال
یہ تھا کہ تصادم کی صورت میں کاغذی کتابیں
جل کر راکھ ہو جائیں گی ۔
دنیا میں اب بین الاقوامی نغمے گائے
جانے لگے اور نئے نئے شعرا پیدا ہو گئے ۔

اب دنیا کی نظروں سے چاند کئی کئی دن
غائب رہنے لگا اور اس کی چال اب بجائے
حدود کے مجزولی ہو گئی تھی اور بظاہر ہر وقت
قریب تھا جیسا کہ دنیا اس نئے سیارے میں ضم
ہو کر ختم ہو جائے ۔
اس تیز رفتاری میں کہیں کوئی دمدار
تارہ زناٹے کے ساتھ پاس سے گذرا جس سے
دنیا کو چنداں نقصان نہ ہوا ہاں ایک تارہ
ٹوٹ کر اسکندریہ کے پاس سے گذرا اور سمندر میں
گرا جس سے چند جہازوں کو تو نقصان پہنچا
باقی دنیا سلامت رہی اب کوہ ولسن کی دوربین
میں یہ دیکھا گیا کہ دنیا کی رفتار سست ہو رہی
ہے اور کچھ عرصہ بعد یہ احساس ہوا کہ دنیا
پھر اپنے محور کی طرف نظام شمسی میں لوٹ رہی
ہے اور پھر دوربین سے مریخ عطارد زحل
زہرہ اور مشتری نظر آنے لگے

(باقی اگلے صفحہ پر)

دلچسپ معلومات

چاند کی چاندنی بھی راتوں کو روشن کرنے لگی اور اب کوہ ولسن والوں کو یہ دھڑکا سمایا کہ اب جو دنیا اس اجنبی سیارے کی گرفت کو نکل ہے تو جس طرح کوئی فولادی کمان مشین سے نکل کر زبردست جھٹکا دیتی ہے اسی طرح زمین اپنی رجعت کے زور میں سورج سے جا بھڑے گی۔

ایک خطرے کے دفعیہ کے بعد گو دوسرا خطرہ لاحق ہوا تو باہمی فتنہ انگیزی کا رخ بھی بدل گیا۔ روس اور کمیونزم کے خلاف کئی امریکی مورخوں نے کچھ ناواجب جملے لکھ دئے تھے روس کو اس پر اعتراض ہوا اور پھر جنگ تھی اور عجب نہیں جو چوتھی جنگ کا اعلان ہو جاتا مگر چین اور ہندوستان آڑے آئے گرے ہوئے پتھروں کے تختے اکھاڑے گئے اور خیال ہوا کہ اب ان کی کوئی ضرورت نہ ہوگی مگر دنیا پھر اب بین الاقوامی سے فرقہ بندی اور ملکی حدود کے جھگڑوں میں مبتلا ہو گئی۔ ادھر کوہ ولسن والے دنیا کی رفتار پر غور کر رہے تھے مگر ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے مگر رفتہ رفتہ یہ اندازہ ہونے لگا کہ اب دنیا پھر پرانی حالت کی طرف لوٹ رہی ہے کیونکہ پرانے سرحدی اور فرقہ بندی کے جھگڑے شروع ہو گئے۔ امریکہ کے خلاف چین روس، ہندوستان کا اتحاد قائم ہونے لگا ادھر دنیا اپنی رجعت میں مریخ اور مشتری سے بچ بچا کر سورج کے گرد چکر لگا کر پھر اپنے محور پر آگئی اور پرانی بے ڈھنگی چال چلنے لگی۔

آدمی کیوں طالب راحت ہے دنیا میں لا
چین دانے کو برابر آسکا ملتا نہیں

دریائی گھوڑا عام طور پر افریقہ میں ہوتا ہے یہ ۱۲ سے ۱۴ فٹ لمبا اور پانچ فٹ اونچا ہوتا ہے اس کے جسم پر بال نہیں ہوتے اس کی کھال قریباً دو انچ موٹی ہوتی ہے۔

انگلستان میں بیرونی فلموں پر دو پیسہ سے لے کر پانچ آنہ تک فی فٹ کے حساب محصول لیا جاتا ہے۔

برطانیہ کی ۱۵ انچ دہانے کی توپ کا وزن ... ۱۰۰ ٹن ۱۴۰ سے ۱۹۵۰ ...

ویسے زمین کی کل آبادی کا ایک ثلث عیسائی ہیں۔

جنگ عظیم سے قبل جرمن نو آبادیات کا رقبہ گیارہ لاکھ مربع میل تھا اب یہ اتحادیوں کے قبضہ میں ہیں۔

روئے زمین پر تانبے کی کل پیداوار ۰۰۰ ۹۷ میٹرک ٹن سالانہ ہے جس میں سے ۸۰ ہزار ٹن قلمرو برطانیہ میں سے نکلتی ہے، زیادہ مقدار آسٹریلیا و کناڈا سے دستیاب ہوتی ہے۔

قبطی جو عام طور پر مصری باشندے ہیں مذہباً عیسائی ہیں ان میں مخصوص بات یہ ہے کہ وہ غیر قبطی عیسائیوں میں شادی نہیں کرتے۔

مونگا سمندری پیداوار ہے جو دراصل سمندری کیڑوں کے رہنے کے گھر ہوتے ہیں ان کے رنگ اور شکلیں مختلف ہوتی ہیں، سرخ رنگ کا مونگا بحر روم میں بہ کثرت ہوتا

ہے۔ بحر الکاہل۔ بحر ہند اور بحر روم میں بعض چٹانیں کئی کئی میل وسیع ہیں۔

وہ سب مرکبات جن میں تانبے کا جزو ہو وہ زہریلے ہو جاتے ہیں ان کے استعمال میں انتہائی احتیاط کرنی چاہئے۔

کاگ دراصل ایک قسم کے تاڑ کے درخت کی چھال ہوتا ہے جو عام طور پر جنوبی یورپ اور شمالی افریقہ میں بکثرت میں پیدا ہوتا ہے جو بحر روم کے شمالی و جنوبی ممالک کہلاتے ہیں چھال ہر نو برس سال میں اتاری جاتی ہے۔

حبشہ میں چکی کا رواج نہیں ہے بلکہ اناج سل بٹے پر پیستے ہیں۔

لڑکوں کے اسکاؤٹ کی طرح گرل گائیڈ کی تحریک اب بھی زور پکڑ رہی ہے اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس وقت دس لاکھ لڑکیاں گائیڈ کا کام کرتی ہیں جن میں سے چھ لاکھ انگلستان اور اس کے مقبوضاتی علاقوں میں ہیں۔

صحت کے چند اصول

۱۔ قبل از طلوع آفتاب کسی باغ کی سیر کرنا۔ کچھ دور تک ٹہلنا زیادہ وقت کھلی اور تازہ ہوا میں گذارنا۔

۲۔ کھلی ہوا میں کئی دفعہ گہرے سانس لینا اس سے تازہ اور صاف ہوا زیادہ مقدار میں پھیپھڑوں کے اندر داخل ہوگی اور زیادہ خون صاف ہو کر جسم کو صحت بخشے گا بیٹھ کر کام کرنے والوں کے لئے یہ بہت ہی ضروری ہے۔

۳۔ ہر صبح داتن کرنا (داتن صاف اور تازہ ہوا) اور بار داتن کرنے سے پہلے چند مرتبہ داتن اور منہ کو پانی سے صاف کر لینا نہایت ضروری ہے۔

۴۔ ہر روز جسم کو خوب مل کر تازہ پانی سے نہانا اس سے بدن کے تمام فضلات دور ہو کر مسام کھل جاتے ہیں نہانے کے بعد جسم کو صاف اور سوکھے کپڑے سے خشک کر لینا چاہئے۔

۵۔ صاف لباس پہننا ضرورت سے زیادہ اور تنگ کپڑے نہ پہننا اگر میسر ہو سکیں تو خوشبودار پھول اپنے پاس رکھنا۔

۶۔ کھانا پکانے کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور کلی کرنا۔ کھانا ہمیشہ آہستہ آہستہ چبا کر صاف برتنوں میں صاف جگہ بیٹھ کر کھانا چاہئے۔

۷۔ کھانے پکانے کے برتن اور پکانے والے کے ہاتھ اور کپڑے صاف ہونا چاہئیں غذا کو مکھیوں اور مچھروں سے بچا کر رکھنا چاہئے۔

۸۔ کھانا کھانے کے بعد تقریباً آدھ گھنٹے تک کوئی جسمانی یا دماغی کام نہ کرنا۔

۹۔ رات کو کھانا کھا کے سونے سے تقریباً دو ڈھائی گھنٹے پہلے کھانا۔

(۱۰) ہاتھ پاؤں دھو کر اپنے مذہب کے مطابق خدا (پرماتما) کو یاد کر کے دس بجے رات تک سو جانا۔

کون یہ ہمکلام تھا مجھ سے
ہائے کوئی بھی آس پاس نہیں (اثر لکھنوی)

میں قائل ہوں دیر و حرم کا لیکن
ترا آستاں پھر ترا آستاں ہے

ماہر القادری

چوٹ کا علاج

۱۔ پرانا گڑ اور چونا قلعی (بجھا ہوا) ہموزن لے کر خوب کوٹ کر روٹی کی مانند بنا کر چوٹ کی جگہ پر باندھ دیں۔

۲۔ شہد ایک چھٹانک۔ میں ہلدی ایک تولہ ملا کر چوٹ یعنی درد والے مقام پر آہستہ آہستہ لگا کر اوپر سے روئی باندھ دیں۔

۳۔ کتھا پپڑیا ۲ تولے، ہلدی ۲ تولے، کافور ۳ ماشے، لونگ ۳ ماشے سب کو کسی برتن میں گھوٹ کر ایک جا کر لیں اور درد کے مقام پر لگائیں اوپر سے روئی باندھ دیں۔

۴۔ ٹھنڈے و گرم پانی کی باری باری سے اونچی دھار مقام درد پر چھوڑیں۔

۵۔ لال اور چکنی مٹی کو پانی میں گھول کر پانی کو چھان لیں۔ چھنے پانی میں نمک لاہوری ڈال کر اتنا پکائیں کہ لیپ کی مانند ہو جائے اس کے بعد گرم گرم چوٹ کے مقام پر لیپ کریں ٹھنڈا ہو جانے پر بدلتے رہیں۔

۶۔ جب سخت درد ہو جلن ہو تو شراب میں روئی بھگو کر لگا دیں۔

۷۔ ہلدی اور چونہ ہم وزن لے کر پانی میں گھول کر لیپ کر دیں۔

۸۔ ابلتے پانی میں پھٹکڑی ڈال کر گاڑھا لوشن بنا کر اور اس میں روئی بھگو کر درد کے مقام پر باندھ دیں۔

۹۔ تیل۔ تارپین۔ ایک تولہ۔ تیل لونگ ایک تولہ۔ دارچینی ایک تولہ۔ کافور ۳ ماشے سب کو ملا کر درد والی جگہ پر لیپ کریں۔

۱۰۔ ارنڈ کے بیج ۵ تولے گائے کے پیشاب میں پیس کر لیپ کریں۔

۱۱۔ ایک پوٹلی میں لاہوری نمک باندھ کر گرم گرم گھی میں ڈبا کر سینکدیں۔

۱۲۔ موم دس تولے۔ تیل ناریل بیس تولے ست پودینہ ½ تولہ۔ دارچینی کا تیل تین ماشے۔ کافور تین ماشے۔ لونگ کا تیل تین ماشے۔ نوشادر تین ماشے۔

موم اور ناریل کا تیل پگھلا کر کھرل میں ڈالیں۔ پھر باقی چیزیں بھی کھرل میں ڈال کر خوب اچھی طرح کھرل کریں پھر بوتل میں بھر دیں۔ درد کی جگہ پر تھوڑی سی دوائی مل دینے سے جس جگہ درد ہو آرام ہو جاتا ہے ان میں سے کوئی سی دوا استعمال کریں۔

ساقیا دیر نہ کر کشتی مے لانے میں
جان پیاسوں کی پڑی ہے ترے پیمانے میں

حضرت جلیل

مست شوق آیا ہوں ساقی ترے میخانے میں
جوش بھرتا ہے چھلکتے ہوئے پیمانے میں

دل شاہجہانپوری

اجمل میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو ترقی دیجئے۔

سیر سینما

ایکسلسیر میں اس ہفتہ آر۔ کے۔ او ریڈیو کی نہایت دلچسپ فلم "جاسوس بیوی" یا

NOTORIOUS

ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے۔ کچھ عرصے سے انگرڈ برگمین کو پردۂ سیمیں پر عموماً ہمیشہ دیکھا جا رہا ہے اور ہر بار اس کے کارنامے ایک دوسرے سے جداگانہ اور روز بروز بہتر انداز کے نظر آتے ہیں مگر اس فلم میں جس میں اس نے کیری گرانٹ کے ساتھ پہلی بار اسٹار پارٹ میں حصہ لیا ہے اپنے تمام گذشتہ کرداروں کو ماند کر دیا ہے اور ہچکاک کی نظر انتخاب نے معلوم ہوتا ہے اپنی اس تخلیق کو بہتر بنانے کے لئے اسی کو موزوں پایا ہے جس میں اس نے دشمن کی مابعد جنگ کی سرگرمیوں کا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کو فلم کے ہیرو اور ہیروئن نے کامیاب بنایا ہے۔

قصہ کی مرکزی شخصیت ایک خوبصورت جوان عورت ہے جو جرمن نسل کی ہے جس کے باپ کو غداری کے الزام میں سزا دی گئی تھی۔ خفیہ شعبے کے ایک امریکن ایجنٹ کی مداخلت سے جس پر وہ عاشق ہو جاتی ہے اس کی خدمات بلاد جمہوری کے دولتمند جرمنوں کی ایک جماعت کے پراسرار راز دریافت کرنے کے لئے حاصل کی جاتی ہے۔

اس فلم میں اپنے ذاتی فرض اور اس ملک کے فرض کی ادائیگی کے درمیان وہ جدوجہد کرتی ہے جسے اس نے اپنا ملک بنا لیا ہے اور جس دشوار گذار کام کو اس نے سرانجام دیا ہے ہچکاک کی فلموں کے انجام کے معیار کو اور بلند کرتا ہے کلاڈ رینس اور لیو پولڈ کیلیرن وغیرہ کے کارنامے قابل دید ہیں۔

ریگل میں اس ہفتے کولمبیا پکچرس کی لاجواب رنگین موسیقی سے بھرپور فلم "جالسن کی کہانی" یا

THE JOLSON STORY

ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے۔ امریکہ کی تفریحی فلموں کی تاریخ میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ فلم اول درجہ کی فلموں میں شمار ہوتی ہوگی کیونکہ بمبئی پریس شو کے بعد اس کو افتتاحیہ شو دیکھنے والوں کا بھی قیاس ہے کہ اچھی چیز ہے اور عرصہ تک اس کی یاد تازہ رہے گی۔ یہ اس آسا یولسن کی داستان پیش کرتی ہے گذشتہ صدی ختم ہونے کے بعد بطور ایک بارہ سالہ لڑکے کے پیٹے میں گانے کا پایا اور پھر بطور بے مثل ال جالسن کے دنیا کی نہایت ہی مقبول شخصیت بن گیا اور گانے کے میدان میں دنیا کو متحیر بنا دیا۔

پردہ دو گھنٹہ ناظرین کو مصروف رکھکر یہ دلچسپ داستان نغموں میں اپنا خلاصہ پیش کرتی ہے اور سامعین کو وہ سریلے راگ سنائی دیتے ہیں جس نے جالسن کو چالیس سال کے واقعات سے پُر اس عالمگیر شہرت کا مالک بنا دیا۔

لاری پارکس نے ال جالسن کا پارٹ نہایت خوبی سے ادا کیا ہے اور ال جالسن کے دلفریب اور سحر آگیں نغموں کی یاد پھر تازہ کر دی ہے اور فلم دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ وہ ال جالسن ہی کے سریلے گانے سن رہے ہیں۔ ایولین کیز کو اس میں ہیروئن کا پارٹ دیا گیا ہے جو اس نے فالبرکی ایک حسین رقاصہ کے ادا کیا ہے اور جب اس نے اس کے ساتھ شادی کر کے اس وقت اس سے کنارہ کشی ہو گئی کہ دنیا ہمیشہ یہ محسوس کرے گی کہ اس کے دل پر وہ قابض ہے ان دونوں کے علاوہ بے شمار اداکاروں نے اس فلم میں حصہ لے کر لیا اور اس کو کامیاب بنایا ہے۔

میٹرو میں اس ہفتے میٹرو گولڈون میئر کا پرلطف مزاحیہ شاہکار "دی شو آف" یا

THE SHOW-OFF

ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے اس فلم کی ظرافت کا بے مثل اداکار ریڈ اسکیلٹن بے ظریفانہ کام کرتا ہے کہ باہر کے تو باہر گھر کے لوگ بھی پریشان تو ہوتے ہیں۔ مگر انہیں اس کے کاموں سے لطف بھی ملتا ہے۔ اپنے کام کے دوران میں کیمیاوی اشیا سے بھی چھیڑ چھاڑ کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ مع اپنی بیوی کے اپنے مکان کے باہر پھینک دیا جاتا ہے ایک دوست کی موٹر اور اپنے مکان کو آگ لگا دیتا ہے اور نتیجہ کے طور پر خود کو جیل میں پاتا ہے مگر اس ظاہرداری کے پردے میں وہ ایک بے لوث سنہری دل چھپائے ہوئے ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی بیوی اس کی پرستش کرتی ہے ماریلن میکسویل اس خوش نصیب دلہن کا پارٹ ادا کرتی ہے جو اس کی فخریہ باتوں میں آکر خود کو بھول جاتی ہے اور اس کے بعد اس دن کے لئے دعا مانگنے کو زندہ رہتی ہے۔

موجودہ پروگرام میں ایک ملٹسٹ کی فلم موسومہ

TRAFFIC WITH THE DEVIL.

ٹرافک وتھ دی ڈیول بھی شامل ہے جس میں موٹروں کے حادثات کے حیاتکاہ واقعات پیش کئے گئے ہیں موٹر چلانے والے حضرات اسے ضرور ملاحظہ فرمائیں اور سبق حاصل کریں۔

ایروز میں اس ہفتے ارنلی تھیو سینچری فاکس پکچرس کی سنسنی خیز فلم "بھائی کا قصاص" یا

ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے فلم میں نشنانہ مرگ کے قدیم زمانے کا میلوڈرامہ پیش کیا گیا ہے جس کا تعلق ایریزونا سے ہے طاقتور لوگوں کی بندوق بازی کے ول ہلا دینے والے واقعات قتل بدمعاشوں کے رونگٹے کھڑے کرنے والے کارنامے گھوڑوں کی سرپٹ دوڑ سے پیدا ہونے والے سموں کے شور کانوں کو بہرہ اور نظر کو خیرہ کرنے والے اور بہادر لوگ جن میں اچھے خراب اور مذبذب قسم کے سبھی شامل ہیں اپنا لہو بہاتے ہیں کہ جنوب غرب پر بھی قانون کی گرفت ہو جائے فلمساز نے اس فلم کو کامیاب بنانے کیلئے موزوں اداکاروں کا انتخاب کیا ہے جن میں

امپائر میں اس ہفتہ ہنری فونڈا اور کرسٹیلو وغیرہ کی غیر معمولی تک کی مقبول ترین بین الاقوامی کلیکشن "باغ بہشت" یا

THE GARDEN OF ALLAH

ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے چارلس بوائر اور مارلین ڈیٹرچ اس فلم کے ستارے ہیں قصہ کا تعلق ایک راہب سے ہے جو اپنے عہد کو توڑ کر دنیا دار بن جاتا ہے اور ایک عورت سے شادی کر کے اپنے مذہبی عقائد، زندگی اور محبت کے درمیان کی مخالفت میں پھنس کر حیران رہ جاتا ہے بیسل ریتھبون، جوزف شلڈکراٹ، سی آبرے اسمتھ اور ایلن مارشل وغیرہ ان کے ساتھ نمایاں حصہ لیتے ہیں۔

اسٹرانڈ میں اس ہفتے وارنر برادرس کی پراسرار واقعات سے لبریز فلم "فیصلہ" یا

THE VERDICT

ہدیۂ ناظرین کی گئی ہے اس فلم کی بمبئی میں نمائش سے قبل جو رائے زنی کی گئی اس میں اس کے واقعات کو اس قدر پراسرار بتایا گیا ہے کہ فلمی دنیا میں شاید ہی ایسے واقعات پر نظر پڑی ہو فلم کا انداز نیز گذشتہ میں ایک بے گناہ شخص کو پھانسی پر لٹکانے سے ہوتی ہے اور اس کے بعد قتل کا ایک اور سانحہ پیش آتا ہے اور اسکاٹ لینڈ یارڈ پریشان ہو کر قاتل کی تلاش میں نکل کر جو تندی کرتا ہے سڈنی گرین اسٹریٹ اور پیٹر لارے کو اس میں پیٹر لارے [illegible] کی ہیرو [illegible] پارٹ [illegible]

برطانوی ریس کے گھوڑے ہوائی جہاز کے ذریعہ کیلیفورنیا بھیجے جا رہے ہیں

برمی وفد کا لندن میں پرجوش خیر مقدم

کھلونے جیسے راستوں کے ذریعہ بچوں کو راستوں پر سے
صحیح سلامت گزرنے کی تعلیم دی جا رہی ہے

RED SKELTON and MARILYN MAXWELL in M. G. M's riotous comedy THE SHOW OFF this week at the METRO.

A MATTER OF LIFE AND DEATH, a British film, shows Roger Livesey as a doctor giving Squadron-Leader Carter (David Niven) an injection, while the incidents in the Other World are being enacted in the patient's brain.

EDITED, PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS, BOMBAY 3

افضل الاشغال خدمۃ الناس

سنڈے ایڈیشن

بمبئی

اجمل

THE AJMAL

SUNDAY EDITION

Regd. No. B 2491

ایڈیٹر
عثمان حسین خان

ESTD. 1928

بیادگار
مسیح الملک مرحوم و مغفور

بناء ۱۹۲۸ء

نمبر ۱۰ | بمبئی یکشنبہ ۹ مارچ ۱۹۴۷ عیسوی | جلد ۲۰

VOL XX | BOMBAY, SUNDAY 9TH MARCH 1947 | No. 10

مسٹر جے پرکاش نراین کانپور میں

گذشتہ ہفتہ آل انڈیا سوشلسٹ پارٹی کی کانفرنس کانپور میں ہوئی۔
اس تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ مسٹر جے پرکاش نراین
کانفرنس میں شرکت کی غرض سے جا رہے ہیں

دنیا کے سب سے بڑے گیس کے کارخانہ میں
موسم سرما کا مسئلہ

پیٹر یوسٹینوف برطانیہ کا قصہ نویس ایکٹر اور پروڈیوسر
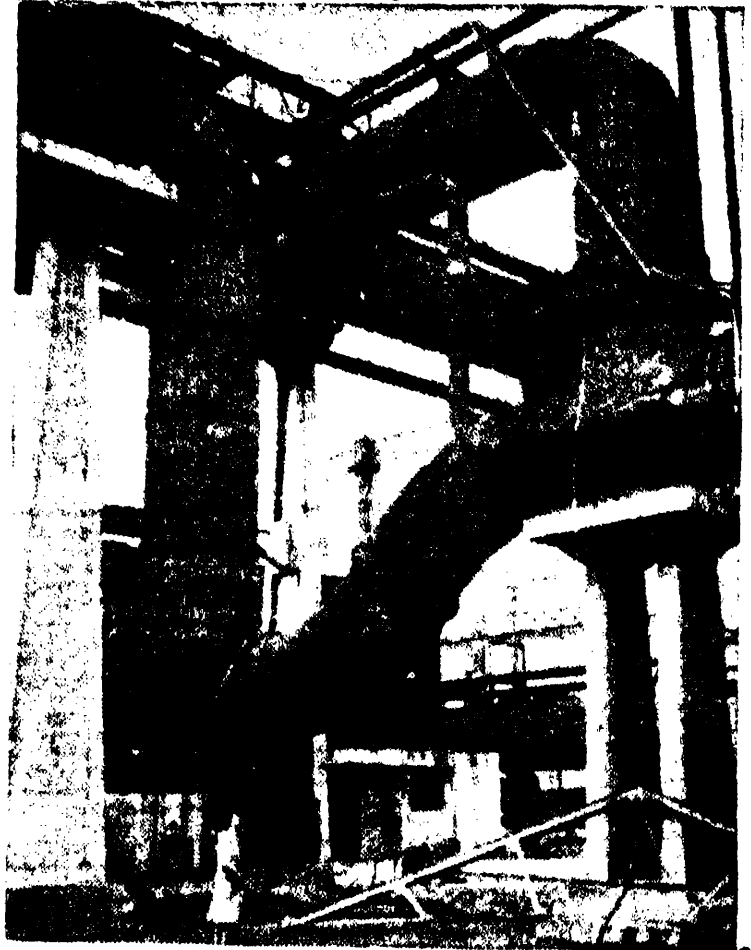
انگلستان میں کوئلہ کی کمیابی کی وجہ سے گیس لائٹ اینڈ کوک
کمپنی لندن دنیا میں سب سے بڑے گیس کے کارخانہ بیکٹن
پلانٹ کے بند ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے

ہوائی جہازوں کی نمائش

جوانوں کو غلامی کی ہدشش میں لاکر فروخت کرے مسلمان کا نام لے کر اس نے اپنے دامی بھیلے روانہ کئے اور بہ آسانی فتح حاصل کر لی۔ اس زمانے سے لے کر عہد مہدی تک جنہوں نے ہمیں آزاد کرایا ترکی حصہ دار سوڈان پر ملبند رہا اور اس کے سائے میں بدترین قسم کے ظالمانہ اور رشوتی حکومت قائم رہی ۱۸۸۵ء میں ہم آزاد ہوئے اور چودہ سال تک یہ آزادی قائم رہی ــــ اس ۱۴ سال کی آزادی کے علاوہ ۶ سال کی بدنصیبی اور مغرابِ حکمرانی کا اگر کوئی دعویٰ ہو بھی تو زائل کر دیا۔

اس کے بعد میل نے بتایا کہ ۱۸۹۸ء میں حملہ ہوا ایکی مصری اور انگریزی فوجیں تھیں اسی فتح کی بنیاد پر یہ دونوں ممالک سوڈان کے دعوے دار ہیں۔ (نامہ نگار نے ترکی مظالم کو بہت دیدہ دلیری سے بیان کیا ہے گر لارڈ کچنر کے واقعات کو پی گئے ــــ مترجم)

۱۸۹۸ء سے پہلے نہ تو مصریوں کا حق تھا نہ انگریزوں کا ــــ بلکہ یہ خطرہ محسوس کر کے کہ فرانس سوڈان پر قابض نہ ہو جائے مشہور کیا گیا کہ مصری سرحد پر شورش برپا ہے اور اس طرح یہ فوجیں سوڈان پر چڑھ آئیں۔

۱۹۰۱ء میں لارڈ کرومر نے خطاب میں تسلیم کیا کہ انہیں قبضہ کا کوئی حق نہ تھا، اور انگریز اور مصری دونوں سوڈان میں اجنبی ہیں۔ اور ہم سوڈان میں سوڈانیوں کی نمائندہ پارلیمنٹ چاہتے ہیں اس دوسری فتح کے بعد سے برطانیہ نے کبھی سوڈان کو اپنی ملک ہونے کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ مصریوں نے سوڈان کو جزو مصر سمجھا حکومت برطانیہ نے کسی کبھی اپنی نو آبادی کا جزو نہیں قرار دیا اور مصری نے خود اختیار حکومت ماننے آئے شاہی مصر کا جزو نہیں سمجھا مشترکہ عدالت نے بھی سوڈان کو مصر سے بالکل الگ تجویز کیا اس طرح پر دو عملی کے وقت سے سوڈان کی علیحدگی تسلیم ہوتی آئی۔

سوڈانی خدمات جنگ

زمانہ جنگ میں بھی مصر تو اپنی فکر میں تھا مگر سوڈانی فوجیں شمال میں گئیں اور برما نیہ اور دوسری متحدہ اقوامی فوجوں کے ساتھ ل کر اٹلی اور رومیل کی فوجوں پر [illegible] ہیں۔

یوم فتح کے جلسے میں ہمارے گورنر جنرل نے ہمیں مخاطب کر کے جو کچھ کہا تھا اسے بھی سن لیجئے:۔

"سوڈان نے اس جنگ میں جو کچھ کیا ہے اس پر فخر کر سکتا ہے سلطنت مس نے ۱۹۴۰ء میں جس مقصد کے لئے انہیں بلایا تھا سوڈانیوں نے بہادری تنظیم اور تابعداری کے ساتھ انجام دیا۔ سوڈان کو فتح کے راستے میں کبھی شبہ نہیں ہوا ۱۹۴۲ء میں سوڈانی فوجیں انگریزی اور ہندوستانی رفقائے کار کے ساتھ لڑتی رہیں اور شمالی افریقہ والی سینیا میں فتوحات حاصل کیں خود وطن میں سوڈانیوں نے افریقی راہ آمد و رفت کی حفاظت کی اور جو فوجیں اس ملک میں رہیں ان کی پوری مدد کی کسانوں نے غلہ دیا اور تاجروں نے سامان اور مالی امداد دی اور اس کے عمال نے ذمہ داری کے بوجھ کو برداشت کیا اس کارنامے میں فخر کیا جا سکتا ہے اور ہم تہ دل سے اسے یاد کرتے ہیں۔"

برطانوی مصری معاہدے کے سلسلے میں چند مصری اخبارات کے بیان پر انگلستان کے ممبران پارلیمنٹ نے اپنے شکوک ظاہر کئے اور مسٹر بیون نے ۲۶ مارچ ۱۹۴۶ء کو پارلیمنٹ میں یہ بیان دیا۔ ترمیم معاہدے میں بلا سوڈانیوں کے استمزاج کے کوئی ترمیم نہیں کی گئی۔ مگر ہمیں شبہ ہے کہ مزدور وزارت کہیں شاہی مملکت کے تحفظ کے پیش نظر مصری بادشاؤں کی خاطر سے ہمیں قربان نہ کر دے چنانچہ مسٹر بیون کی گفتگو نے ہمیں بہت مشتبہ بنا دیا ہے۔

مسودہ پروٹوکول

مسودہ پروٹوکول (ابتدائی وقتی تصفیہ) کا مفہوم یہ ہے کہ ہر دو اعلیٰ فریقین معاہدہ کنندہ سوڈان کے متعلق یہ ذمہ داری لیتے ہیں کہ سوڈان (مصر کے عام تاج کے اندر مصری اور سوڈانی اتحاد کے ڈھانچہ کے اندر) وہ تمام اختیارات پا جائے گا جس سے سوڈانی باشندوں کی خوشحالی رہے اور تمامی ترقیوں سے فائدہ اٹھا کر سوڈان میں اسی خود اختیاری قابلیت پیدا ہو جائے جس سے وہ یہ طے کر سکیں کہ سوڈان کا دستور اساسی کیا ہوگا جب تک ہر دو اعلیٰ فریقین متعاہد کو متفقہ طور پر اس کا یقین نہ ہو جائے سوڈانیوں کے مشورے اور ایما سے معاہدہ ۱۸۹۹ء تمام رہے گا اور معاہدہ ۱۹۳۶ء کا آرٹیکل ۱۱ مع ملحقہ اقرار نامے اور منظور شدہ منٹ کے دفعات ۱۴ تا ۱۶ کے باوجود آرٹیکل (۱) معاہدہ ہذا کے قائم و برقرار رہیں گے۔

اسی اقرار نامہ کی بنیاد پر شاہ فاروق نے مصر میں یہ اعلان کیا تھا کہ ہم جلد سوڈان کے متعلق مصری شاہی کا اعلان کریں گے اور اسی پروٹوکول کی بنیاد پر صدقی پاشا نے یہ ظاہر کیا کہ سوڈان کے متعلق اب برطانیہ کوئی استحقاق شاہی نہیں رکھے گا۔

اب تک سوڈان کے لئے لفظ "کنڈومی نیم" یہ استعمال ہوتا تھا جس کے معنی شرکت داری کے ہیں۔ اب یہ پالیسی مصر کے غلط اوہام نے شاہی کے متعلق دول اجانب اور منفقین میں تو اس پر غلط فہمی پیدا کر دے گا۔ اور اس کے معنی یہ لئے جائیں گے کہ اب سوڈان مصری مملکت میں ہے یہ ایک ایسا مغالطہ ہے جس سے مجلس اقوام متحدہ کو غلط فہمی ہو سکتی ہے۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۴۶ء کو صدقی پاشا نے ہفتہ وار مصری اخبار عروس الیوسف میں بیان کیا تھا کہ اعتراض اس پر کیا جاتا ہے کہ سوڈان کو سلف گورنمنٹ کے لئے تیار کیا جائے سلف گورنمنٹ اور آزادی میں فرق ہے اس مسئلہ پر لندن میں مسٹر بیون سے بہت بحث رہی اور مسٹر بیون نے بہ شدت ظاہر کیا تھا کہ کہیں سوڈان اس پر راضی نہ ہو اور آزادی کا خواہاں ہو تو برطانیہ نے جو وعدے کئے ہیں اس کی رو سے ہم اس کا مصر کے ساتھ نہ علیحدہ ہونے والے رابطہ میں رکھنا منظور نہیں کرتے۔ صدقی پاشا نے کہا کہ یہ امر ماننا پڑے گا کہ ایک دن وہ علیحدگی چاہیں گے گو مصر صرف بیس سال کے لئے ہے اس لئے اس مدت کے بعد ہر فریق آزاد ہے اور مصر اس قابل ہو جائے گا کہ سوڈان سے تصفیہ کر لے۔

مسٹر بیون نے سوڈان پر مصری استحقاق شاہی تسلیم کرتے ہوئے اس پر زور دیا کہ سوڈان کو اس کا یقین دلا دینا چاہئے کہ مصر سوڈان ان کے آئندہ استحقاق اور مطالبات کا احترام کیا جائے گا چنانچہ بہت بحث کے بعد یہ دفعہ پروٹوکول میں رکھی گئی۔

صدقی پاشا نے اپنے بیان میں کہا کہ جب یہ طے ہے کہ سوڈان مصری حکومت میں رہے گا تو مصری حکومت کے باہر ہونے کا سوال ہی نہیں ہے سوڈان کی ساری ترقی مصر کے اندر رہ کر ہی ہو سکتی ہے اس طرح سوڈانی علیحدگی کے حق سے محروم کر دئے گئے ہیں اور اس طرح جب تک کہ خود مصر کوئی صاف اعلان نہ کرے سوڈان علیحدہ نہیں ہو سکتا گویا پروٹوکول کی رو سے یہ اسی وقت ہوگا جب مصر پہلے سوڈان سے اس امر کا اظہار کر دے پھر اقوام متحدہ سے کہے۔

خود مسٹر بیون نے پروٹوکول کی اس دفعہ کی کوئی تشریح نہیں کی مگر گورنر جنرل نے وزیر اعظم کے ایما سے یہ اعلان کیا۔ یہ اعلان ۲۶ نومبر کو ہوا اور جو بمنزلہ اعلان وزارت کے لئے اس میں صدقی پاشا کو اس دعوے سے انکار نہ کرتے ہوئے کہ سوڈان پر اب تنہا (باقی صفحہ ۶ پر)

یک بیک یہ کیا ہو گیا مجھ کو
کیا بتاؤں کہ آ گیا کیا یاد
جانتا ہوں بتا نہیں سکتا
زندگی کس طرح ہوئی برباد

ــــ راز چاند پوری

ان کی مست آنکھوں میں کھویا ہوا ہوں
شرابوں کے سائے میں سویا ہوا ہوں

ــــ اثر جلالی

وہ ہزار دشمن جاں سہی مجھے غیر پھر بھی عزیز ہے
جسے خاک پا تری چھو گئی وہ برا بھی ہو تو برا نہیں

ــــ جگر مراد آبادی

کسی رند کی مقبول دعا ہو گئی یا رب
اٹھتی سوئے میخانہ گھٹا دیکھ رہے ہیں

ــــ جمیل مانک پوری

صغیر کٹ گئی ہے بستی میں خوش جمالوں کی
خدا ہی شرم رکھے ان سفید بالوں کی

ــــ صغیر بلگرامی

اٹھ نہ سکا قدم مرا خانۂ یار دیکھ کر
رہ گئی چشم آرزو نقش و نگار دیکھ کر

ــــ وحشت کلکتوی

امریکہ کا وفاقی نظریہ (۲)
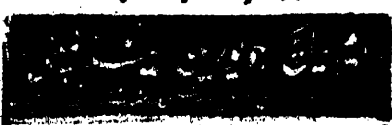
ریاستی حکومت میں باشندوں کی تعلیم

ڈیماکریسی کے عملی حیثیت کے لئے اس کی ضرورت کہ نظام حکومت میں باشندوں کا ہاتھ بھی شامل ہے امریکی ڈیماکریسی میں ناشندوں کی شرکت ریاست اور جماعتوں میں بہت اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس طرح شریک ہوکر انہیں سیاسی تجربات حاصل ہوتے ہیں اور جب تک رعایا میں سیاسی ڈیماکریٹک تربیت نہ ہو صحیح معنوں میں حکومت عوامی چل نہیں سکتی اس لئے اسکولوں کے بورڈ سٹی کونسل کونٹی کے نگران بورڈ اور مختلف حکومتوں اداروں میں شرکت کے باعث بہت سے امریکی حکومتی تجربات حاصل کرتے، مسائل سے واقف ہوتے اور شہری حقوق کو جان لیتے ہیں۔ بہت سے کانگریس کے ممبران پہلے سٹی کونسل اور کونٹی کے نگران بورڈ کے ممبر رہتے ہیں۔

حال ہی تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ۴۳ فی صدی اور ۳۶ فیصدی سنیٹروں نے کانگریس میں آنے سے قبل چار یا ساڑھے چار سال تک ریاستی مجالس قانون ساز کے ممبر رہ کر تربیت حاصل کر چکے ہیں یہی صورت قومی عہدہ داروں کی ہے جو پہلے ریاستی ملازمت اور خدمت انجام دے کر واشنگٹن میں عہدہ پانے کی تربیت پیدا کرتے ہیں۔

حملہ اور اندرونی فتنہ سے محافظت کرے ریاست اور قومی حکومت میں اتحاد عمل متحد قوانین کے ذریعے سے بھی ہوتا ہے جو صحت عامہ، تعلیم زراعت شارع عام اور سوشل ضمانتوں کے بنائے گئے ہیں اور یہ مختلف طریقوں سے ہوتا رہتا ہے۔

کی مثال یہ ہے (۱) یہ دیکھا جاتا ہے کہ ہر ریاست کس طریقے پر کام کرتی ہے (۲) کوئی واحد قومی ایجنسی کس طرح خدمات انجام دیتی ہے سنہ ۱۹۴۰ء میں ارکنسس میں ایک تحقیقات کنندہ نے یہ بتایا کہ حسب ذیل امور میں قومی ایجنٹوں نے ریاست

قومی حکومت کی ریاستوں کو مالی امداد

گو سوشل اصلاحات کا تعلق ریاستوں سے ہے مگر قومی حکومت حسب موقع امداد سے دریغ نہیں کرتی اور اس کے لئے حسب ضرورت قومی مالی امداد دی جاتی ہے بعض صورتوں میں تو قومی حکومت قانون بنا کر کسی ریاست کو حسب ضرورت خاص مقصد کے لئے مالی امداد دیتی ہے اور یہ طے کرتی ہے کہ یہ اخراجات کیونکر ہوں گے اور خود مقامی ریاست کیونکر خرچ کرے گی۔ اور معمولی طور سے ریاستوں کے طریق اخراجات وغیرہ کی جانچ کرلی جاتی ہے اور اگر کوئی ریاست احکام کے مطابق خرچ نہیں کرتی تو امداد روک لی جاتی ہے۔

متعدد مقامات پر ایسے قومی افسران سے ملتے ہیں جو ایک ریاست سے دوسری ریاست کا دورہ کرکے ریاستی افسروں سے ملتے ہیں موقع پر کام دیکھتے ہیں اور اشیاء مختلف سے کیفیت طلب کرتے ہیں۔ یہ امداد فیڈرل امداد کہی جاتی ہے اور ریاستی حکام کی سرکردگی اور فیڈرل حکام کی جانچ امریکی نظام حکومت کا جز ہے

اس کی مثال سڑکوں پر سرکاری مکانات، بڑھاپے کی پنشن دوسری اشد ضروری کاموں کی تکمیل نیشنل گارڈ اور زراعت کے چند شعبوں اور حرفت کی تعلیم ملتی ہے۔ سو سال ہوئے جب اول اول حصول آزادی کی امداد دی گئی تاکہ ریاستوں میں مدرسے بنائے جائیں سنہ ۱۹۱۶ء میں سڑکوں کے لئے کافی فیڈرل امداد دی گئی، سنہ ۱۹۲۰ء میں تین کروڑ ستر لاکھ سالانہ عام امور کے لئے فیڈرل امدادی گئی دس سال بعد یہ رقم دوگنی ہوگئی اور سنہ ۱۹۴۳ء کے بعد گرانی اور دوسرے کاموں میں کثیر رقم دی گئی۔

ہیں ہیضہ کی روک تھام، ملازمتوں کا انتظام زراعتی کالجوں میں تعلیم اور دریاؤں کے پانی کی پیمائش۔

جمعیۃ العلماء سے خطاب

(از حضرت ضیا، ڈرامہ نشٹ مالیگانوی)

یہ نظم جمعیۃ العلماء مالیگاؤں کے سالانہ اجلاس میں پڑھی گئی جس کیلئے حضرت ضیا ڈرامہ نشٹ کو انعام ملا۔

کدھر ہو قوم یہ بتلا دیا ہے علماء نے
جو بات ٹھیک تھی سمجھا دیا ہے علمائے نے

نہ جانے کون سی لے گا دیا ہے علمائے نے
دلوں کو اور بھی تڑپا دیا ہے علمائے نے

جو آگ خیبر سے بجلی کو بھی نصیب نہیں
وہ آگ روح میں دہکا دیا ہے علمائے نے

عمل کے نام کو سورج بنا کے پیش کیا
فضائے تیرا کو چمکا دیا ہے علمائے نے

غلام ملک کا ایمان ہی بغاوت ہے
یہ نقطہ قوم کو سمجھا دیا ہے علمائے نے

بساطِ ہند پہ انگریز رہ نہیں سکتا
زبانِ حق سے یہ فرما دیا ہے علمائے نے

نفس کو دے تپش یائے سوز آزادی!
قلوب سرد کو گرما دیا ہے علمائے نے

پڑھوائے ملت وطن حریت کے ساغر سے
لئے جہاد کو چھلکا دیا ہے علمائے نے

وہ تیغ ٹوٹ چکی جو اٹھی تھی ٹیپو پر
بنائے جبر کو ڈھا دیا ہے علمائے نے

اڑا سکے اسے تقسیم ہند کے جھونکے
علم جو ہند پہ لہرا دیا ہے علمائے نے

شکیب ہندو و مسلم ادھر اُدھر انگریز
یہ مسئلے کو بھی سلجھا دیا ہے علمائے نے

بڑھا کے دامن دل کو سمیٹ لے اے ضیا
عمل کے پھول کو بکھرا دیا ہے علمائے نے

ریاست اور قومی حکومت میں تعاون

قانون کو قومی اور ریاستی حکومتیں جداگانہ ہیں اور ایک دوسرے سے آزاد مگر دستور اساسی نے چند امور میں اتحاد عمل لازمی قرار دیا ہے: قومی حکومت اور ریاستی حکومت دونوں کے عہدیداروں کا انتخاب ریاست اور لوکل جماعتوں سے ہوتا ہے، قومی دستور اساسی کی ترمیم کے لئے قومی حکومت اور ریاست دونوں کی ہم آہنگی ضروری ہے۔ قومی حکومت اس پر مجبور ہے کہ ہر ریاست کا نظام حکومت ری پبلکن ہے اور اس کی نگرانی

قومی حکومت کے متعلق ریاستی خدمات

زمانہ موجودہ میں کوآپریشن کے ذریعے سے قومی حکومت نے ریاستوں کی جو خدمت کی اس کے ساتھ اتحاد عمل کیا فصل کی پیداوار کی تفصیل پودوں کی بیماریوں کی جانچ۔ پودوں کے تباہ کرنے والے حشرات الارض کا قرنطینہ، جنگلات کے کام۔ امراض مویشیان کا دفعیہ

رشوت

افسانہ

از روشن پٹیالوی بی اے

کون نہیں جانتا کہ خوبصورت پھول کے پہلو میں نوکدار کانٹا بھی ہوتا ہے جو پھول توڑنے والے کو اس کے گناہ کی سزا دئے بغیر نہیں چھوڑتا لیکن دست قدرت کی اس کاریگری کے نمونے کی کشش انسان کے دل میں زخم کی تکلیف کا خیال ہی نہیں آنے دیتی۔ کون نہیں جانتا کہ کثرت شراب نوشی کا انجام برا ہے۔ کون نہیں جانتا رشوت سیاہ ناگن ہے جس کو بھی اس نے ڈسا زندہ نہیں چھوڑا۔ مگر ساتھ ہی کتنے ایسے ملیں گے جو موقع پڑنے پر اس سے گریز نہیں کرتے۔

بابو ہر پرشاد بھی کچھ اسی قماش کے آدمی تھے وہ لالہ جوتی پرشاد کی وسیع جائداد اور لاتعداد زمینوں کے منیجر تھے لالہ جوتی پرشاد عیش و عشرت میں اپنی زندگی بسر کرتے تھے شراب ناب کے جام اور زنانِ بازاری کے ناچ گانوں سے انہیں اتنی فرصت نہ ملتی تھی کہ وہ اپنی جائداد کے انتظام کے متعلق کبھی کچھ سوچیں کہ آیا آمدنی ٹھیک طور پر وصول ہو رہی ہے یا نہیں مزارعان و دیگر متعلقین کسی قسم کی تکلیف میں تو نہیں۔

سیٹھ صاحب کی عیاشانہ زندگی کی وجہ سے بابو ہر پرشاد ہی تمام سیاہ و سفید کے مالک بنے ہوئے تھے انکی بے پرواہی و غفلت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر منیجر صاحب خوب کمانے لگے مزارعان کو جا بجا طرح طرح تنگ کرنے لگے کرایہ داروں اور ایجنٹوں پر اپنا رعب جمانے لگے انہیں سخت سست کہنے سے بھی نہ جھجکتے تھے۔ ان سے رقم کچھ وصول کرتے جمع کچھ ہوتی یا روپیہ لے کر بالکل ہی انکار کر دیتے کیونکہ انہوں نے آہستہ آہستہ رسیدات دینے کا رواج ختم کر دیا تھا۔ میعاد مقررہ سے پہلے ہی انہیں رقم ادا کرنے پر مجبور کیا جاتا انکار یا تساہل پر عدالت کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا کسی کی قرقی کروائی جاتی کسی کو تبدیلی سر[illegible] کرائی جاتی کسی کے رہن اور کپڑے نیلام ہوتے اور کسی کے بلا ضمانت وارنٹ جاری کرائے جاتے۔

سب ہی ان کے سلوک سے نالاں تھے علاقے میں ہائے ہائے مچی ہوئی تھی۔ مگر سب کے سب قفس زدہ پرندے کی طرح مجبور و بے بس بنے ہوئے تھے۔

(۲)

خاوند کی موت کے بعد عورت کا اپنے سسرال میں رہنا اگر ناممکن نہیں تو [illegible] ضرور ہو جاتا ہے خاوند کے علاوہ گھر کے دیگر افراد عموماً عورت کو اجنبی سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے۔ اور وہ اپنے والدین اور بھائی بہنوں سے دور سسرال میں رہتی ہے تو اپنے خاوند کی بے پناہ محبت کے سہارے؟ اور جب بیوگی کی وجہ سے یہ سہارا جاتا رہتا ہے تو اس کی رنگین امیدوں کی عمارت گر جاتی ہے خاوند کی موت کے بعد اسے محسوس ہوتا ہے کہ اپنا کون ہوتا ہے اور پرایا کون

—— شانتی کو بھی اپنے خاوند چرنجی لعل کی موت کے بعد سسرال میں وقت گذارنا مشکل ہو گیا اس کے سسرال والے کسی زمانے میں کافی متمول تھے مگر گردش ایام پے در پے اموات نے اس خاندان کو مٹی میں ملا دیا تھا۔ اس وقت شانتی کے گھر میں ایک شادی شدہ دیور کے علاوہ اور کوئی باقی نہ تھا اس نے سیٹھ ہر پرشاد کی کچھ زمین اقساط پر خرید لی تھی اور کچھ کو مقررہ حصہ دینے کے وعدہ پر کاشت کے لئے لیا تھا اسی زمین کی آمدنی سے ان کی گذر اوقات ہوتی تھی۔

مایوس و ناامید شانتی نے اپنے دیور کی مشکلات کو کم کرنے کے خیال سے اور دل کے اچاٹ ہو جانے کے باعث موضع بلنگے پور اپنے میکے جانے کا ارادہ کیا اور چند روز بعد ہی وہ وہاں پہونچ گئی اس کے والد بڑے بھاری رئیس تھے ان کی زمین انتہا [illegible] تھی (باقی اگلے صفحہ پر دیکھئے)

رنگِ تغزل

از جناب غافلؔ صاحب امروہوی

وہ لاکھ بے نیاز ہو لیکن خدا تو ہے — بندوں کو کچھ ملے نہ ملے التجا تو ہے

الفت کا میری اس پہ اثر کچھ ہوا تو ہے — نظریں بچا بچا کے مجھے دیکھتا تو ہے

مانا کہ میں نہیں یہ مرا حوصلہ نہیں — لیکن نقاب الٹنے کو بادِ صبا تو ہے

ان کو یقین ہو کہ نہ ہو یہ مرا نصیب — مجبور ہو کے حال کچھ ان سے کہا تو ہے

ناکامیاب ہوں مری کوششیں تو کیا علاج — وصلِ بتاں نصیب میں لکھا ہوا تو ہے

ہم اور بزمِ یار میں ہو جائیں باریاب — زاہد ہمارے حق میں کسی کی دعا تو ہے

یہ اور بات ہے کہ نہ ہو تم پہ کچھ اثر — یہ ماننا پڑے گا کہ نالہ رسا تو ہے

تم پیشِ آئینہ ہو، نہ دیکھوں میں کس طرح — معشوق تم نہیں ہو مگر دوسرا تو ہے

ساقی نے جام بخشا ہے اک تشنہ جان کو — کچھ دیر سے ملال ہمارا اٹھا تو ہے

پہنچیں گے ہم بھٹک کے ترے در پہ اک دن — گر رہنما نہیں کوئی قبلہ نما تو ہے

ہم تجھ پہ مر کے خلق میں رسوا ہوئے ہیں آپ — تیرا نہیں قصور ہماری خطا تو ہے

دشمن اگر نہیں تمہیں کس بات کا ہے غم — ہر دم تمہارے پاس دلِ مبتلا تو ہے

اے دل دعا یہ مانگ کہ مل کر جدا نہ ہو — ناحق ہے یہ جدائی کا رونا جدا تو ہے

جب سے ہوا ہے شربتِ دیدار اسے نصیب — تیرے مریضِ ہجر کو کچھ فائدہ تو ہے

غافلؔ عجب نہیں جو بنیں یار شیخ جی
ان کو شرابِ ناب کا چسکا دیا تو ہے

اس کی بیوی یعنی شانتی کی ماں پہلے ہی مر چکی تھی صرف ایک اور چھوٹی لڑکی اور ایک غیر شادی شدہ نوجوان لڑکا موجود تھا اس لئے شانتی کا یہاں آنا ان سب کو ہر طرح سود مند [illegible] چاہتے تھے کہ اس [illegible] بیوہ لڑکی سے [illegible] کوئی [illegible] نہیں [illegible] اس لئے انھوں نے [illegible] کہ شانتی کی خواہش کے خلاف کوئی کام نہ کیا جائے پھر اس کی خاطر ان کو [illegible] طرح [illegible] رکھ سکتا تھا

(۳)

سیٹھ [illegible] بول پڑے [illegible] ان کی صحت اچھی نہ رہتی تھی اس لئے نمونیہ کے معمولی سے حملہ ہی سے ان کا انتقال ہو گیا۔ اب گھر میں شانتی کے بھائی پریم پرکاش کی دھرم پتنی لیشیا کا حکم چلنے لگا لیشیا ایک تو نئی بیاہی ہوئی تھی دوسرے بہت بڑے گھر کی لڑکی تھی تیسرے خوبصورت ہونے کے باعث پریم پرکاش اس معاملے میں بھی اس کی مخالفت کی جرات نہ کرتا تھا۔

شانتی گھر میں اب ایک غیر ضروری فرد سمجھی جانے لگی اس پر بدقسمتی کا یہ دوسرا وار تھا پہلے وہ خاوند کی محبت سے محروم ہوئی اب باپ کی الفت بھی اس سے چھین لی گئی اس کی حالت اس شخص سے مشابہ تھی کہ جو موسلادھار بارش کے اثر سے بچنے کے لئے کسی مکان میں اپنا سر چھپائے مگر اس کے وہاں پہنچتے ہی مکان کی چھت گر کر اسے پہلے کی طرح غیر محفوظ کر دے۔

وہ حالات کا [illegible] عقلمندی [illegible] جائزہ لینے کے بعد مکمل خاموشی سے اپنی زندگی کے دن گذارنے لگی۔ وہ سمجھدار تھی اس لئے [illegible] کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرتی تھی اور اپنے بھائی کی خدمت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھتی تھی مگر جس طرح ایک حاکم اپنے اختیارات چھین جانے پر بہت عرصہ تک اس علاقہ میں کام نہیں کر سکتا جہاں وہ حکومت کرتا آیا ہے اس لئے کسی کے کچھ نہ کہنے پر بھی شانتی اب اس گھر میں اپنی موجودگی غیر ضروری سمجھنے لگی پہلے اس کے والد اسے منہ مانگی رقم گھر کے اخراجات کے لئے سونپ دیتے تھے۔ انھوں نے اس سے کبھی حساب نہ پوچھا وہ گھر کی ضروریات کے علاوہ لوگوں غریبوں کی جو ان کے گھر پر سوالی بن کر آتے تھے ہر جائز ضرورت کو پورا کیا کرتی تھی نوکروں کو حسب دلخواہ انعام اکرام بانٹا کرتی تھی۔ اور مذہبی سوسائٹیوں اور دھرم فنڈوں میں دل کھول کر دان دیا کرتی تھی مگر اب پریم پرکاش گھر کی ہر چیز کے لئے کہلانا پڑتا تھا وہ نئی روشنی کا نوجوان تھا [illegible] فقیروں کو دیکھ کر ہی اسے سخت غصہ آجاتا تھا وہ اپنی بہن کو کہا کرتا تھا کہ ان پر رحم کرنا بھی ایک گناہ سے کم نہیں جنہوں نے [illegible] صحیح مفہوم کو نہ سمجھ کر ان کی تعداد میں اس قدر اضافہ کر دیا ہے۔

تھا یہ باتیں معمولی تھیں مگر شانتی کے لئے ان کی خاص اہمیت تھی وہ پرانے خیالات کی عورت تھی اس کے لئے ایک فقیر کا گھر سے واپس چلا جانا گناہ تھا۔ ان حالات کے پیدا ہونے پر تقریباً دس سال بعد پھر اسے اپنے سسرال کی یاد آئی خاوند پہلے ہی مر چکا تھا۔ باپ بھی اس وقت زندہ تھا جب وہ میکے آئی تھی مگر کچھ عرصہ بعد ہی وہ بھی ہیضہ کا شکار ہو چکا تھا اس لئے سسرال والوں کی تمام جائداد پر کئی سال سے گھر کے [illegible] کالو رام کا قبضہ تھا۔ وہی زمین کی آمدنی رکھتے زمینداروں کو حصہ اور لگان وغیرہ ادا کرتے۔ شانتی نے سوچا کہ وہاں رہنے کے لئے ایک چھوٹا سا مکان بھی ہے بس بیس بیگھے زمین بھی ہے پھر کیوں نہ وہیں رہائش اختیار کی جائے کیا اکیلی جان بھی اس قدر جائداد سے اپنی دال روٹی کا گذارہ نہیں کر سکتی اسے کچھ یقین ہو گیا کہ اس کی زندگی وہاں زیادہ امن و آرام سے بسر ہو گی اس لئے اس نے وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا اور ایک روز سب سے رخصت ہو کر چلی گئی۔

(۴)

شانتی کا اپنے سسرال موضع دبال پور میں پہنچنا بوڑھے کالو رام کے لئے ایک آفت ناگہانی سے کم نہ تھا جس طرح کوئی کسان شبانہ روز محنت کر کے فصل تیار کرے اور ژالہ باری دفعتاً اسے تباہ و برباد کر دے، یا کوئی شخص ہزاروں امیدیں لئے ہوئے دل میں کوئی عمارت بنائے اور بجلی کا ایک ہی حملہ اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دے۔

بالکل اسی طرح کالو رام کے خرمن امید پر شانتی کی آمد نے برق تپاں کا کام کیا، کالو رام کی اس زمین سے بہت سے آرزوئیں وابستہ تھیں اس نے پچھلے سات آٹھ سال میں خاصے پیسے جمع کر لئے تھے

اس سے پہلے وہ فاقہ کشی سے اپنی زندگی گذارتا تھا اکثر شانتی کے خاوند لالہ چرنجی لال کے مکان پر ہی پڑا رہتا تھا وہی اسے روٹی کھلاتا اور جہاں تک ممکن ہوتا اس کی امداد کرتے۔ گھر کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہ تھی چرنجی لال کی موت کے بعد شانتی کے دیور بھی اسے اسی طرح مانتے تھے اس لئے ان کے انتقال پر اور شانتی کی غیر حاضری و عدم توجہی کی وجہ سے بوڑھے کالو رام نے زمین پر قبضہ کر لیا تھا کسی اور آدمی نے اس معاملہ میں مداخلت کرنا مناسب خیال نہ کی جب شانتی نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی تو اور کوئی جھگڑا کرتا تو کس طاقت کے سہارے؟

کالو رام کئی سال سے اس زمین کی آمدنی سے بڑی موج کر رہا تھا اسے پوچھنے والا بھی کوئی نہیں تھا جو کچھ آمدنی ہوتی اس میں سے کچھ کھا پی جاتا باقی جمع کر لیتا لیکن اب شانتی اس سے سب کچھ چھیننے آئی تھی تو پھر وہ خوش ہوتا تو کیونکر؟

شانتی نے گھر پہونچکر کالو رام کو بلوایا اور کہا کہ اتنے برس کا حساب کتاب کیا ہے؟

کالو رام نے ناک بھوں چڑھا کر جواب دیا:۔

"حساب کتاب کیا ہے؟ ...... زمیندار کا حصہ اور لگان ہی پورا نہیں ہوا یہاں بچنے بچانے کو کیا ہے سرکاری لگان کے بھی ابھی دو سو روپے زمیندار کے حساب میں میرے ذمہ باقی ہیں وہ ادا کرنے ہیں۔

شانتی نے اس خیال سے کہ دو سو روپیہ زمیندار کو دے کر ہمیشہ کے جھگڑے کا انتظام ہو جائے گا یہ رقم چپکے سے اسے دیدی۔

(۵)

کالو رام یہ رقم لے کر فوراً لالہ [illegible] پرشاد کے منیجر بابو ہر پرشاد سے ملنے کے لئے روانہ ہوا منیجر صاحب کے پاس پہونچکر اس نے رونی صورت بنا کر کہا:۔

"بابو جی میں تو لٹ گیا مجھے بچا لیجئے"

بابو ہر پرشاد نے جو حساب دیکھ رہے تھے ایک رجسٹر سے اپنی نگاہیں اوپر اٹھاتے ہوئے بے پرواہی سے پوچھا:۔

"آخر ہوا کیا او بوڑھے"

کالو رام نے آبدیدہ ہو کر جواب دیا منیجر صاحب ایک بیوہ میری روزی چھین لینا چاہتی ہے"

بابو ہر پرشاد نے پھر چڑ کر سوال کیا:

"کونسی بیوہ! اور کیسی روزی، کچھ بتائے گا بھی یا یونہی جان کھائے جائیگا۔

"وہ لالہ چرنجی لال کی بیوہ شانتی ہے اس کو آپ جانتے ہیں"

"ہاں ہاں پھر اس سے مطلب؟"

"زمین پر قابض ہونے کے لئے یہاں آئی ہے"

"پھر یہ زمین تو اسی کی ہے تو کون ہے اس کا؟"

"مالک ایسا نہ کہو مجھے بچاؤ اب تک آپ میری حفاظت کرتے ہیں اب پھر مجھے اس مصیبت سے نکالئے (باقی صفحہ ۱۰ پر)

بزرگوں کی کرامت

خاصان خدا، خدا نباشند
لیکن ز خدا جدا نباشند

آج تو ملک میں نفاق اور باہمی منافرت کا دور ہے اور جو اہل ثروت اپنے اپنے محلوں میں بے خوف چین کی بنسی بجاتے ہیں انہیں ملک کے سامنے تبدیل آبادی اور ترک سکونت کا مشورہ دیتے ہوئے ذرا بھی غریبوں کا خیال نہیں ہوتا کہ کن پریشانیوں سے انہیں دوچار ہونا پڑے گا۔ ہمارے نام نہاد لیڈروں میں جو صاحب املاک و دعادی ترک خطابات کے باوجود یہ خوب سمجھتے ہیں کہ ان کی املاک ان کی دولت ان کی تعلقہ داری اور ان کی سیاست کو ان کے بھی لاکھوں نقد مختلف بنکوں اور حصہ داریوں میں محفوظ ہیں انہیں کیا جہاں چاہیں رہیں، بقول حضرت اکبر؎

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جا کر

یہ تو آج کی صورت حال ہے ایک وقت وہ بھی تھا جبکہ ملک میں ہر طرف ہندو ہی ہندو تھا اس وقت ایک اکیلا مسلمان اللہ کا نام لے کر کسی نہ کسی بستی کے قریب کوئی ٹیکرہ یا خوش نما مقام آباد کرتا اور خدمت خلق کی بدولت اپنی دعا اور دوا اور سب سے بڑھ کر اپنی خوش اخلاقی کے اثر اور روحانی پاکبازی کے فیض عام سے گرد و نواح میں ایسی عزت پیدا کر لیتا جو بڑے بڑے بادشاہوں اور راجاؤں کو بھی نصیب نہیں۔ ان بزرگان دین بندگان خدا کو نہ حکومت سے غرض تھی نہ سیاست سے نہ اکثریت سے ڈرتے تھے نہ اپنے اقلیت میں ہونے کا غم ہونے کا ڈر تھا ان کا عقیدہ یہ تھا؎

ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست

جو لوگ ہندوستانی اسلامی عہد کی تاریخ انگریزی درسی کتابوں میں پڑھتے ہیں وہ تو یہی جانتے ہیں کہ سلطان محمود غزنوی نے سترہ حملے کئے مگر انہیں ان روحانی حملوں کی خبر نہیں جو غیر متشدد موالات کے ذریعے سے حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے راجپوتانہ میں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ نے سرہند شریف میں، حضرت سلطان الاولیاء اور حضرت [illegible] رحمۃ اللہ علیہم نے خاص پتھورا کے شہر دہلی میں اور اسی طرح صدہا بلکہ ہزارہا بزرگوں نے ملک کے مختلف حصوں پر روحانی حملے کر کے یہاں کے باشندوں کے دلوں کو فتح کیا جس کے باعث ان کے مزار آج ہندو اور مسلمان دونوں کے لئے باعث [برکت] ہیں۔ ایک دو ہوں تو نام گنائے جائیں، آج اس زندگی و دور خانہ جنگی میں بھی ان کے متبرک نام دلوں میں محبت اور عقیدت کی کشش پیدا کر دیتے ہیں۔

خود میرے وطن بجری آباد کا نام مخدوم ملک بجری آباد رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ کرتا ہے اور مسلمانوں سے زیادہ ہندوؤں کے دلوں میں ان کی بزرگی کا سکہ بیٹھا ہوا ہے۔ صورت یہ ہے کہ یہاں کے مسلمان تو ایک طرف ہندو بھی معاملہ پڑنے پر گنگا جلی اور تلسی اٹھائیں گے چھری کی قسمیں کھائیں گے لیکن اگر کوئی کہہ دے کہ مخدوم ملک بجری کے مزار پر چلو یا ملک بجری صاحب کی قسم کھاؤ تو اس کا معاملہ جھوٹا ہے تو وہ کبھی بھی اس کی ہمت نہ کرے گا۔

چھوٹے چھوٹے بچے، دیہاتی عورتیں کسان ہندو خواہ کسی ذات کے ہوں جب خدا کی قسم کھاتے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ بے گناہ ہیں یہ تھا زور ان کی روحانیت کا، یہ تھی قوت ان کی حق اور صداقت کی۔ میرا دعویٰ ہے کہ آج بھی کوئی مسلمان ایمانداری سے خلق کی خدمت اور تعلیم کے لئے تیار ہو جائے تو ہندو مسلمان دونوں اس کی عزت اور محبت کریں گے؎

شاہراہ منزل موہوم میں وہ چال چل
اپنی آنکھوں کو بچھائیں دوست دشمن زیر پا

قصبہ بجری آباد سے دکھن اور پچھم کے گوشے پر ایک میل کے فاصلے پر مخدوم ملک بجری آباد اور ان کے بھانجے صاحب کے مزارات مقدس ایک پوکھرے کے کنارے ٹیلے پر ہیں قصبہ اور مزار کے درمیان اودنتی ندی حائل ہے۔ میرے بچپنے میں ایک ہندو سادھو ایک بھجن مخدوم ملک بجری صاحب کی شان میں گایا کرتا تھا جس کے شروع کے تین جملے مجھے اب تک یاد ہیں ندی کے تیر بسیں ایک پیر
یعنی گنہاوہ [illegible]
بہے جبل نیر اودنتی کے دھارا
پانی صاف

یہ مجھے اب تک پتہ نہ چلا کہ کس زمانہ میں یہ بزرگ ماموں بھانجے تشریف لائے تھے فیروز شاہی تاریخ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ عہد فیروز تغلق میں جب شاہ فیروز تغلق نے جونا خان عرف سلطان محمد تغلق کے نام نامی پر شہر جونپور آباد کر کے اسے صوبہ قرار دیا تو پرگنہ بجری آباد صوبہ جونپور میں شامل کیا گیا اس سے زیادہ نہ معلوم ہو سکا اور نہ معلوم ہونے کا موقع ملا یہ بھی نہیں پتہ چلتا کہ قصبہ بجری آباد کرنے کے باوجود مخدوم صاحب ایک میل دور کیوں رہے۔ بیچ میں ندی حائل ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بستی اپنی جگہ پر ہے اور یہ شیران خدا تن آسانی کو پسند کر کے آبادی سے الگ رہ کر ہی خدمت خلق انجام دیتے تھے۔ اللہ اللہ ایک وہ اللہ کے شیر تھے جن کو بجز خدا کسی کا خوف نہ تھا ایک ہم ان کے بدنام کنندہ نکو نامے چند ہیں جو اکثریت کے خوف سے مرے جا رہے ہیں۔

لطف تو یہ ہے کہ جہاں پر یہ مزار واقع ہیں وہاں ہندو راجپوتوں کی زمینداری ہے گو مزار کے مجاور بجری آبادی مسلمان ہیں مگر کیا مجال جو کوئی ایک اینٹ بھی چھو سکے مسلمانوں سے زیادہ ہندو وہاں کی حفاظت کرتے ہیں۔

سنہ ۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے کہ مزار کے متصل جو آم کا باغ ہے اس میں کہیں سے ایک سہ پہر کو خانہ بدوش کنجڑے آئے اور اپنی کسی دیوی کے نام پر ایک سور مار کر گوشت پکانا چاہا اس کی خبر قریب کے راجپوتوں کو ہوئی تو لاٹھیاں لئے ہوئے پہنچے اور کنجڑوں کو للکارا کہ کم بختو یہاں سے جلد بھاگو ہم لوگ تو مخدوم صاحب کی یہ عزت کرتے ہیں کہ باغ کی لکڑی نہیں توڑتے اور تم نے یہاں سور مارا ہے غرضکہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر باغ سے نکال کر ندی کے پار کر دیا۔ جب راجپوت واپس گئے تو ان کنجڑوں نے پھر اسی باغ میں آ کر سور کا گوشت پکانا شروع کیا۔ قدرت خداوندی دیکھئے کہ ابھی پکا ہی رہے تھے کہ پانچ کنجڑے ہیضہ میں مبتلا ہوئے دو تو وہیں مر گئے پھر تو یہ کنجڑے توبہ توبہ پکارتے لاشیں مریض اور سب سامان لے کر بھاگے ادھر اس کی خبر گرد و نواح میں ہوئی اتفاق سے جون کا مہینہ تھا اور بارش نہیں ہو رہی تھی لوگ پریشان بھی تھے یہ جو خبر ہوئی ہے تو گرد و پیش ۳۰-۴۰ میل تک کے ہندو مسلمان جمع ہوئے اور اپنے طریقہ کے مطابق کسی نے قرآن خوانی کی فاتحہ دیا کسی نے بھجن گائے، مٹھائی کی نیاز کرائی اور مخدوم صاحب کے وسیلے سے اللہ سے پانی کی دعا مانگی عین وقت پر بارش شروع ہو گئی اور کئی دن تک بارش کا سلسلہ رہا۔ ہندو مسلمان دونوں اس پاکستانی سے خوش خوش بامراد گھروں کو مخدوم ملک صاحب کی تعریف میں مست لوٹے۔

سیاست کا برا ہو کہ آج محض اپنی لیڈری قائم رکھنے کے لئے غریبوں میں لڑاوا اور کرو کا پرچار ہے اور اس کو بھول بیٹھے ہیں کہ اسلام دنیا میں امن و صلح کا پیغام لے کر آیا ہے؎

منزل ہستی میں دشمن کو بھی اپنا دوست کر
رات ہو جائے تو دکھلائے تجھے رہزن چراغ

پھلوں کے فوائد

ہمارے جیسے گرم ملک میں جہاں نہ زیادہ لوگ گوشت خور ہیں اور نہ ہونا ہی چاہئے، خوراک میں پھلوں کا زیادہ تعداد میں ہونا بہت ضروری ہے آپ نے بہت سے پرانے مونیشیوں کے بارے میں سنا ہوگا کہ سخت تپسیا کے وقت وہ بعض پھل ہی کھایا کرتے تھے اگرچہ ویسی تپسیا ہر ایک کو کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر ہم اپنی جسمانی اور دماغی قوت کو پورے طور سے تندرست حالت میں رکھنا چاہتے ہیں تو پھل کھانا بھی بہت ضروری ہے اب کئی اور ملکوں میں طرح طرح کے تجربے آدمی و جانوروں پر کئے گئے ہیں جن سے یہ ثابت ہو گیا ہے کہ پھل نہ کھانے والوں میں پھل کھانے والوں سے زیادہ بیماری ہوتی ہے اسی وجہ سے اب دور دراز فاصلہ پر جانے والے جہازوں میں پھل کافی تعداد میں لے جائے جاتے ہیں۔

پھل نہ محض ہماری صحت اچھی رکھتے ہیں بلکہ بہت سی بیماریوں سے بھی ہمیں بچاتے ہیں گویا خوراک کے علاوہ دوا کا کام بھی دیتے ہیں بات یہ ہے کہ پھلوں میں دو خاص چیزیں یعنی معدنیات اور وٹامن دوسری تمام کھانے کی چیزوں سے زیادہ پائی جاتی ہے۔

یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ اور سب کھانے والی چیزیں ہوتے ہوئے بھی اگر ان کی کمی ہوتی ہے تو خون ٹھیک نہیں رہتا۔ آپ جانتے ہیں خون ہی جسم کی جان ہے اور خون کے ہی خراب ہو جانے سے بہت قسم کی بیماریاں ضرور پکڑ جاتی ہیں اس لئے پھلوں کو بیماریوں سے بچانے والی غذا کہتے ہیں یہ کہیں اچھا ہے کہ بیماری ہو ہی نہیں! بنسبت اس کے کہ بیماری ہو اور پھر اچھی کی جائیں لاکھوں آدمی جو دیکھنے میں بیمار نہیں معلوم ہوتے اصل میں جانتے ہی نہیں کہ تندرستی کیا چیز ہے یہ ان کی خوراک کی غلطیوں کا سبب ہے ہمارے ملک میں بھی خوراک کی جانچ قریب ۲۰ سال سے ہو رہی ہے اور تجربوں کے ساتھ ساتھ ایک یہی نتیجہ نکلا ہے کہ ہر ایک کو اپنی خوراک میں نصف سیر روزانہ پھل و ترکاری کھانا چاہئے یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ آموں کی فصل میں اور گنے کی فصل میں لوگ اکثر موٹے ہو جاتے ہیں۔

ان سب فائدوں کے علاوہ پھل و ترکاری شامل ہونے سے آپ کا کھانا ذائقہ دار ہو جائے گا جس کو آپ بہت رغبت سے کھائیں گے اگر دن میں ایک دفعہ بھی کچھ کچی ترکاریوں جیسے ٹماٹر، گاجر، پیاز، ککڑی، پالک یا مولی میں سے دو تین چیزوں کو کاٹ کر اور ان میں تھوڑا نمک اور لیموں ڈال کر کھایا جائے تو جسم تندرست رہ سکتا ہے علاوہ اس کے کوئی بھی موسمی پھل روزانہ کھایا جائے تو جسم تندرست رہ سکتا ہے علاوہ اس کے کوئی بھی موسمی پھل روزانہ کھایا جائے تو خون ہمیشہ صاف رہے گا۔ اب میں آپ کو کچھ پھلوں کے مخصوص وصف بتا کر مضمون ہذا کو ختم کروں گا۔

دیسی آم:- قبض کو دور کرتا ہے خون صاف کرتا ہے، اور خوراک بھی ہے۔

قلمی آم:- خوراک ہے خون صاف کرتا ہے۔

پپیتا:- جگر کے لئے بہت فائدہ مند ہے قبض کو دور کرتا ہے اور یہ ہاضم بھی ہے۔

امرود:- پیٹ صاف کرتا ہے اور خون صاف کرتا ہے۔

لیموں:- پیٹ صاف کرتا ہے اور خون صاف کرتا ہے۔

کیلا:- خوراک میں روٹی کے برابر ہے پیٹ کی کھٹاس دور کرتا ہے

ٹماٹر:- پیٹ صاف کرتا ہے خون کے لئے بہت مفید ہے۔ بیماری دور کرتا ہے۔

پالک:- خون کو مضبوط رکھتا ہے پیٹ کو صاف رکھتا ہے۔

مولی:- خون کی خرابیوں کو دور کرتی ہے پیٹ صاف کرتی ہے

گاجر:- خون کو مضبوط کرتی ہے یہ خوراک بھی ہے۔

انجیر:- پیٹ صاف رکھتا ہے خون کو ترقی دیتا ہے۔

چند مفید مقولے

لوگوں میں طاقت کی اتنی کمی نہیں جتنی کہ مستقل ارادے کی (ڈاکٹر ہیوگو)

انسان تب تک ناکامیاب نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے دل میں اس کا خیال نہ آ جائے اور وہ اس پر یقین نہ کر بیٹھے۔ انگریزی ضرب المثل

تکلیف دراصل ایک برکت ہے جو کہ سایہ میں پوشیدہ ہے اس سے نہ گھبراؤ بلکہ اس پر غالب آ کر اس سے فائدہ اٹھاؤ (بائبل)

شکر

پھلوں میں دیگر اجزا کی بنسبت عمدہ قسم کی شکر ہوتی ہے۔ یہ شکر بالکل قدرتی ہے اور پیٹ میں پہنچتے ہی ہضم ہو کر جسم کے مفید استعمال میں آ جاتی ہے پکے ہوئے پھلوں میں یہ شکر بہت زیادہ تعداد میں ہوتی ہے یہ پہلے ہی بتلایا جا چکا ہے کہ پھلوں میں معدنیاتی اجزا زیادہ ہوتے ہیں یہ معدنیاتی اجزا خون کی حالت ٹھیک رکھنے کے لئے ضروری ہیں اس لئے پھلوں کی اتنی اہمیت ہے۔

ناکامی کامیابی کے سنہرے مندر تک پہنچنے کے لئے سیڑھی ہے (ضرب المثل)

نہ جھپکنے والی آنکھ، نہ بدلنے والا ارادہ اور نہ تھکنے والا جسم کامیابی حاصل کرنے کے لئے تین سنہری چیزیں ہیں (بروک)

اگر کامیابی کے خواہشمند ہو تو سراپا عمل بن جاؤ۔

دنیا میں اس کے لئے کوئی بات ناممکن نہیں جو کوشش کرے (سکندر اعظم)

ناکامی کا خوف دل میں رکھنا دوسرے الفاظ میں ناکامی کو بلانا ہے اور کامیابی کا یقین رکھنا کامیابی حاصل کرنا ہے۔

ہر ناکامی اپنے ساتھ کامیابی کا ایک سنہری موقع لاتی ہے۔

کبھی بیکار نہ رہو کیونکہ بدی بہت ہی آسانی سے اس روح میں اتر آتی ہے جو شغل سے خالی رہتا ہو۔

انجام سنڈے ایڈیشن (۱۲) ۹ مارچ ۱۹۴۷ء

صلح پسند انگریزوں کو مایوسی

برطانیہ کی فیبین FABION جماعت جو خدمت خلق اور امن عالم کی حامی ہے مجلس اقوام متحدہ کی کارروائی سے بے حد مایوس ہے، ان کا جماہانہ رسالہ فیبین کولونیل بیورو شائع ہوتا ہے اس میں حال میں یو این او کے متعلق یہ تبصرہ ہے:-

ہم نے گذشتہ چند ہفتوں کے اندر یو این او کے اجلاس کے رنجیدہ تماشے دیکھے ہیں اجلاس کے شرکا ایمانداری کے ساتھ پاک باطن نہیں کہے جا سکتے۔ مضامین تو متعدد پیش ہوئے۔ جنوبی مغربی افریقہ کے جنوبی افریقہ سے الحاق کا مسئلہ۔ جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے ساتھ برتاؤ۔ چارٹر کے الفاظ کی تشریح خصوصاً اس امر کی تعریف کہ ایک حکومت کا براہ راست سروکار کس امر سے ہے۔ جزائر جاپان کے متعلق امریکی روش۔ مگر ان تمام مسائل میں کوشش اور تگ و دو یہی رہی کہ اپنا مطلب حاصل کیا جائے۔ تماشائیوں کو خوش کر دیا جائے اور اپنا مطلب نکالا جائے اور تولیت میں جس پائداری اور حقیقت شناسی کی ضرورت ہے اسے نظر انداز کر دیا جائے۔

انگریزوں اور ہندوستانیوں کے متعلق اخبار مذکور لکھتا ہے:-

انگریزوں نے اچھی تولیت کے بڑے موثر کارنامے بتائے جس پر روسیوں نے طرح طرح کے صحیح اور نادرست اعتراضات جڑے۔ ان سب کے باوجود برطانیہ نے اپنی نیک نیتی کا مظاہرہ اس وقت کیا جبکہ اس نے جنرل سمٹس کی حمایت اس مسئلہ میں کی کہ جنوبی مغربی افریقہ کو اتحاد جنوبی افریقہ میں شامل کر دیا جائے۔ اور یہ تائید اس انداز سے کی گئی اور اس طرح پر اس مسئلہ کو بیان اور پیش کیا نے بیا سمٹس کی پیٹھ ٹھونکی اور شاباشی دی گئی کہ برطانیہ کے بڑے بڑے حامی بھی حقارت سے مسکرائے۔

ہندوستان کے نمائندوں نے جو طریقہ کار اختیار کیا اس پر ان کی تعریف ضروری ہے مگر انتظام حکومت کے متعلق جو ہندی کی چنڈی ... گئی وہ کچھ بہت پسندیدہ نہ تھی ہندوستان کا یہ ... کہ خود حکومت اقوام ان پر حکمرانی [illegible]

جرمنی میں جو دول اربعہ کی حکومتوں کے باعث خرابی لاحق ہے انہیں دیکھتے ہوئے یہ سمجھنا چاہئے تھا کہ ایسی حکومت غریب نو آبادیات کے لئے مزید بدنصیبی کا باعث ہوگی۔

روس چونکہ دول مغرب کے ڈھنگ پر نو آبادیات نہیں رکھتا اور اس لئے وہ اعتراضات سے اپنا دامن بچائے ہوئے ہے اور یہی وجہ تھی جو وہ بڑھ بڑھ کر نو آبادیات والوں پر اعتراضات کی بوچھاڑ اور اپنا پروپیگنڈا کرتا تھا۔ بہر حال جتنی باتیں کہی گئی ہیں وہ ضرور لوگوں کو ہموار بنا سکے گی سوال یہ ہے کہ کیا اقوام کی تولیت واقعی بے غرضانہ ہے اور یہ نظام تولیت واقعی مفید ہوگا۔ اور اگر یہ نہیں ہے تو دوسری صورت کونسی ہوسکتی ہے۔

روسیوں کے اعتراضات کو محض تخریبی ہیں روسیوں نے اس پر زور دیا کہ قدیم حکم برداریوں کو تولیت میں منتقل کر دیا جائے، مگر وہ جانتا ہے کہ چارٹر (مجلس اقوام) میں تولیت کا نام تک نہیں دراصل اس تولیت کی حمایت سے وہ اپنی شہرت اور تعریف کا خواہاں تھا، نو آبادیات رکھنے والی حکومتوں پر جو اعتراضات کئے گئے وہ بہت زیادہ موثر اور مفید ہوتے اگر اس کے ساتھ ان خرابیوں کا حل بھی بتایا گیا ہوتا۔

اس وقت جو پس منظر ہے وہ نہایت قابل لحاظ ہے جب تک بین الاقوامی اختلافات قائم ہیں اس تولیت والی پالیسی کے نام سے ایک دوسرے پر حملے ہوتے رہیں گے اور ایک دوسرے کی نیت پر شبہ کرتا رہے گا۔ اور اس وقت تک کوئی بات نہیں کہی جا سکتی ہے جب تک کہ اس مسئلہ کا کوئی حل نہ نکل آئے۔ اور یہ مسئلہ سیاسی میدان جنگ کے باہر نہ ہو جائے۔

فیبین جماعت تو محض اسے افسوسناک کہہ کر نو آبادیات والوں کو طفل تسلی دیتی ہے کہ دیکھا ہوتا ہے مگر نو آبادیات کی دنیا کو اب صبر کی تاب نہیں وہ تو یہ دیکھنے کے منتظر ہیں کہ یو این او آخر کس دن اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہو کر دنیا کو یہ بتاتی ہے کہ وہ یورپین گوری قوم کی آلہ کار بن کر رہ گئی۔ دنیا کی لوٹ کا مشترکہ اہتمام کرتی ہے مگر اس میں شبہ نہیں کہ اگر غریب اقوام کی حمایت نہ کر سکی تو اقوام کا تصادم یقینی ہے۔

بہار کے مسلمانوں کی حالت گاندھی جی کے سامنے بیان کی گئی

پٹنہ ۷ مارچ آج ... کرد مسلمان ملاقاتیوں نے گاندھی جی کے سامنے بہار کے فساد کا شکار ہونے والے مسلمانوں کی حالت بیان کی۔

انہوں نے اے پی آئی کو بتایا کہ گاندھی جی نے ان کو یقین دلایا ہے کہ صوبے میں میرے کام کے لئے جس قدر مدت درکار ہوگی ٹھہروں گا۔

شہزادی الزبتھ "پرنسس الزبتھ آف انگلینڈ" نامی ہوائی جہاز کے
نام رکھنے کی رسم ادا کر رہی ہے

بچوں کو کشتی پر چلنے کی تعلیم دی جا رہی ہے

"Easy to Wed" is the title of Esther Williams' new M-G-M hit, coming soon to the Metro screen, but whatever the picture Esther's in, it could just as aptly be titled "Easy to Look At." This latest Technicolour musical offers the famed swimming champ another chance to show her stuff in the water—and also has her singing and dancing with Van Johnson, Lucille Ball and Keenan Wynn.

A chorus of beauties (above) from the spectacular "Begin The Beguine" production number in Warner Bros. Technicolour musical extravaganza, "NIGHT AND DAY" opened last Friday at the Strand Cinema. The film based on the life of Cole Porter, co-stars Cary Grant & Alexis Smith.

EDITED, PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS., BOMBAY 3.

قیمت دو آنہ　　　　۱۶ صفحے

نمبر ۱۲ ‖ بمبئی یکشنبہ ۲۳ مارچ ۱۹۴۷ عیسوی ‖ جلد ۲۰

VOL. XX | BOMBAY, SUNDAY 23RD MARCH 1947 | NO. 12

جنوبی افریقہ کے نمائندے ڈاکٹر نیکر اور ڈاکٹر دادو جو ایشیائی کانفرنس میں شرکت کے لئے ہندوستان آئے ہیں۔
ویلو پیج میں کھڑے ہیں

سوشلسٹ پارٹی کے لیڈر مسٹر جے پرکاش نراین نے گذشتہ اتوار کو کرلی کامدار میدان
میں ایک عام جلسہ میں تقریر کی۔ اسکی ایک تصویر

شہزادی الزبتھ برٹش ایرویز کارپوریشن کے منیجر سے گفتگو کر رہی ہیں

مسٹر ایرلی شور ہندوستان کے برطانوی ہائی کمشنر جو تمام ملک کا دورہ کر کے حال ہی میں دہلی واپس لوٹے ہیں۔
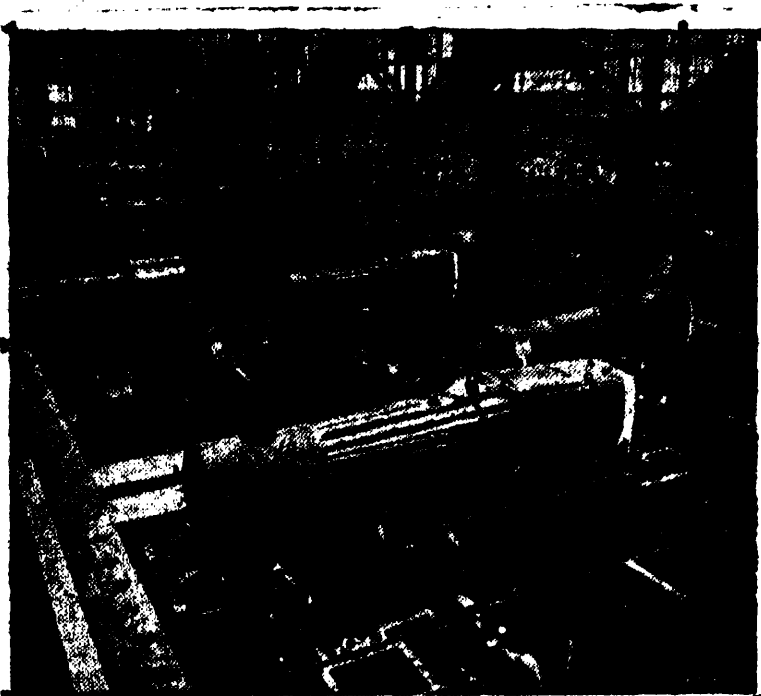
انگلستان میں کوئلہ سے چلنے والے انجنوں کو تیل کے ذریعہ چلایا جا رہا ہے۔ تا کہ سالانہ دس لاکھ ٹن کوئلہ کی بچت ہو۔

رہتا ہے۔ تقسیم اور ربوٹ نہ ہونی چاہئے۔

(۷) بار بار ایک جملہ کو نہ دہراؤ:۔ اگر کوئی جملہ ہو تو اسے بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں اگر مجمع پر اس کا اثر ہے تو پہلی بار ہی میں اثر ہوگا اور اگر مجمع نے اسے پسند نہیں کیا ہے تو دوہرانا بیکار ہے۔

(۸) اپنی جگہ پر قائم رہو:۔ تقریر کے دوران میں زیادہ حرکت ضرورت نہیں ہے نہ فوجی قواعد کرنے کی ضرورت ہے اس سے خیال بٹتا ہے۔

(۹) تقریر کے وقت جھومنے کی ضرورت نہیں:۔ تقریر کے وقت بجلی پرز نہ رہ کر تقریر کرنی چاہئے۔ جھکنے یا کمزوری دکھانے سے اثر زائل ہوتا ہے

(۱۰) خود اعتمادی اور قوت:۔ خود اعتمادی کے ساتھ زور دار الفاظ میں مفہوم ادا کرو۔

(۱۱) آخری جملے زبردست ہوں:۔ اگر آخری الفاظ کمزور اور پھیکے پھیکے ہوں گے تو سارا لطف تقریر زائل ہو جائے گا۔ آخری جملے ایسے ہوں جو زبان زد ہو جائیں اور ما حصل تقریر ہوں۔

(۱۲) معافی مانگنے کی ضرورت نہیں:۔ مجمع سے معافی کے الفاظ میں اپنا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا ہو سم کی خرابی، وقت کی طوالت وقلت کے لئے معافی معافی مانگنے کی ضرورت نہیں۔

(۱۳) وقت کا لحاظ رکھو:۔ تقریر نہ بہت طویل ہو اور نہ بہت مختصر دونوں صورتیں ناپسندیدہ ہیں۔

(۱۴) مذاق اور ظرافت میں احتیاط:۔ ظرافتیہ جملوں میں موقع کا لحاظ رکھو۔ بے موقع مذاق مناسب نہیں۔ برمحل جملے البتہ اپنا اثر دکھاتے ہیں مثال کے طور لائڈ جارج کا ایک واقعہ بتا دینا کافی۔ اپنی ایک انتخابی تقریر میں جو بالکل مخالف مجمع کے سامنے ہو رہی تھی۔ لائڈ جارج بتا رہے تھے کہ میں پارلیمنٹ میں کیا کام کروں گا۔ مجمع مخالف تھا اسے اثر نہ ہوتا تھا۔ آخر میں لائڈ جارج نے کہا کہ میری کوشش یہ ہوگی کہ ویلس میں ہوم رول ہو۔ اسکاٹ لینڈ میں ہوم رول ہو۔ مجمع میں سے ایک شخص نے چلا کر کہا۔ جہنم میں ہوم رول ہو۔ لائڈ جارج نے متانت سے کہا کہ بہت صحیح ہر شخص کو اپنے وطن کا خیال چاہئے۔ محض اس ایک جملے نے مجمع کو اپنا لیا اور ساری رائیں لائڈ جارج کو ملیں —— !

دستی دیا سلائی

آج کل ہندوستان میں دیا سلائیوں کا قحط ہے۔ دیہاتوں میں تو دیا سلائی سُرمہ لگانے کو نہیں ملتی۔ شہروں میں البتہ جہاں کہیں آدمیوں کی بھیڑ نظر آئے جس سے سڑک کا راستہ رک جائے تو سمجھ لو کہ وہ دو پیسہ فی ڈبیہ دیا سلائی عوام کے ہاتھ بھی جا رہی ہے چور بازار کا تو کچھ کہنا ہی نہیں۔ اگر کوئی اور میں ایک ڈبیہ پا جاتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ لوٹ میں اسے جرمنی کا علاقہ مل گیا۔

یہی صورت یو۔پی اور بہار میں نمک کی بھی ہے۔ دو دو پیسہ کے نمک کے لئے لوگ میلوں کا چکر لگا کر شام کو بے نمک کی دال اور ترکاری کھاتے ہیں خیر نمک تو ایسی چیز ہے جس کے لئے اگر حکومت معقول انتظام کرے اور چور بازار کے لال سوداگران کی نگرانی کر دے تو بہت سا ذخیرہ مل جائیگا اور اگر سانبھر وغیرہ نمک نہیں آ سکتا تو مقامی شورہ بنانے والے لونیوں کو نمک سازی پر آمادہ کر کے اس دشواری کو رفع کر سکتی ہے۔ رہ گئی دیا سلائی اگر حکومت مستعد ہو ہر قانون میں دیا سلائی بنائی جا سکتی ہے جس کی آسان صورت یہ ہے کہ "بانس کی تیلیاں چھوٹی چھوٹی کاٹ کر ان کے سروں کو فاسفورک ایسڈ سلیوشن میں ڈبا کر پھر انہیں میں ڈال دی جائے تاکہ یہ تیلی پھر اس کو جذب کر لے۔ طریقہ آسان ہے مگر مختلف صوبجاتی حکومتوں کا فرض ہے کہ چند گشتی افسران (طلبائے سائنس) کو اس کام پر تعینات کر دے جو مختلف اضلاع کے دیہاتوں میں گھوم گھوم کر دیہات والوں میں اس دیسی صنعت کا رواج دیدیں۔ یہ دیا سلائیاں بہت کارآمد ہوں گی اور کارخانہ کی مشین ... دیا سلائیوں کا مقابلہ کر سکے گی رہا دیا سلائی کے بکس بنانے کا سوال تو نہایت عمدہ تھی سے پرانے انگریزی اخباروں کے کاغذ کر لیا ہے بکس بن سکتا اور کارآمد ہو سکتا ہے۔ کاغذ کو دوہرا کرنے کی ضرورت ہوگی تاکہ بکس مضبوط بنیں۔

مرد عورت نہیں تو در کنار چھوٹے چھوٹے بچے یہاں اس کام کو مزے میں کر سکتے ہیں۔

تعجب ہے کہ کانگرسی حکومتوں نے ابتک اس گھریلو صنعت کی طرف توجہ نہیں کی ہے ورنہ ایک طرف ہر ہر گاؤں میں دیا سلائی بنتی اور ساتھ ہی بانس کے جو بچے کھچے حصے بچ رہتے ان سے کاغذ بنانے کے لئے ر تیار ہو سکتی ہے۔ آج کل پھر یو۔پی کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے مدارس میں لڑکوں سے مٹی کے برتن بنوائے جاتے ہیں اور بیسک ٹرننگ میں گھریلو صنعت کی تعلیم دی جاتی ہے اس میں دیا سلائی اور کاغذ سازی کو جلد سے جلد جاری کر دیا جائے۔

کلوار اور شرابخواری کی روک تھام

کیا خانہ خرابی ہے الٰہی توبہ!

ہندی مثل ہے کہ در آگ لگا کے پانی کو دوڑے۔ ٹھیک یہی مثل امریکہ کے ان تاجروں کی ہے جو شراب بناتے اور لاکھوں کا بیوپار کرتے ہیں۔ آسٹریلیا کا رسالہ "نیک لٹ" لکھتا ہے کہ امریکہ کے یہ کلال لاکھوں ڈالر اس لئے چندہ دے رہے ہیں کہ اس امر کی تحقیقات کی جائے کہ لوگ کیونکر عادتاً شراب خوار ہوتے ہیں سے ہر جانے کا قاتل نے نرالا ڈھب نکالا ہے ہر ایک سے پوچھتے ہیں کس نے اس کو مارا ہے یہ تحقیقات کارنل یونیورسٹی میں سترہ ہزار پونڈ کے صرفہ سے پانچ سال میں مرتب ہوگی۔

سین ڈیگو کیلیفورنیا میں ایک دوسرا شراب کشید کرنے والا ساہوکار ایک مدرسہ اس امر کے لئے چلا رہا ہے کہ لوگ شراب پینے میں اعتدال برتنے لگیں۔ مختلف شراب کشید کرنے والے اداروں نے ڈاکٹر ولیم جیرین کو اس لئے مقرر کیا ہے کہ لوگوں میں اس امر کی کوشش کریں کہ شراب کم پیا کریں۔

ڈاکٹر جیرن کا بیان ہے کہ شراب فروشوں کا یہ خیال ہے کہ ان کی آمدنی ان لوگوں سے ہے جو شراب اعتدال اور ہوشیاری سے پیتے ہیں۔ ان معدودے چند افراد سے نہیں ہے جو بے مستی میں پی کر دُھت رہتے ہیں ان کی رائے میں سے ہے کہ بدنام کنندۂ نکو نامے چند است

بلکہ خود شود از صحبت نادان بدنام

چور بازار کھلے بند

دہلی میں چور بازار کے متعلق اب مجبور ہو کر حکومت نے بھی نظر ثانی شروع کی ہے۔ کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ تنہا حکومتی راشن سے شہر کا کام نہیں چلتا آپ اس وقت روپیہ میں پیسہ پیسہ اور چور بازار کے لال سوداگران میں صلح ہو گئی ہے جسے حکومت بھی چاہتی ہے اور اب حکومت کا خیال ہے کہ پبلک ان کی نفع بازی سے خود بیزار ہے اور وہ پبلک سے شرمندہ ہیں۔

اٹومک قوت سے بجلی

جس طرح دنیا کے پہلے بوڑھے نے تلوار بنائی۔ اور اس کی خونریزیوں سے رنجیدہ ہو کر اس خدمت خلق کی طرف توجہ کی اور ہل جوتنے کے لئے بنایا۔ اسی طرح امریکہ کے سائنسدان اب اٹومک قوت سے بجلی پیدا کرنے کی فکر میں ہیں آسٹریلیا کے رسالہ نیک لٹ کو اطلاع ملی ہے کہ سردست ایک کنکریٹ کا بکس بنایا گیا ہے جس کی دیواریں اور اوپر نیچے کی ڈھکن بھی کنکریٹ کی ہے۔ ان ڈھکنوں میں سوراخ بنے ہوئے ہیں جن کے ذریعہ سے یورینیم اس صندوق میں ڈالا جاتا ہے۔ جب کافی یورینیم جمع ہوگا تو اس سے اجزا منتشر ہوں گے اور زبردست آگ بھڑک اٹھے گی۔ اس آگ سے گیس یا ہوا گرم ہوگی جس سے پانی سے بھرے ہوئے بوائلر میں گرمی ہو جائیگی اور اس طرح پر بجلی پیدا کی جائے گی۔ اور یورینیم کی ان سلاخوں کو دبا کے بیٹھ کر خود بخود کام کرنے والی مشینوں سے قابو میں رکھا جائیگا۔

پال

ریاورڈ موجودہ وزیر اعظم فرانس ۵۸ سالہ سوشلسٹ وہ شخص ہے جو قبل از جنگ مگر آج اپنی خدمات کے بدولت اس منصب جلیلہ پر فائز ہے

ڈوم کے گھر پدمنی

از۔ وقائع نگار

محاورہ متھرہ کی ایک مشہور مثل ہے کہ ڈوم کے گھر پدمنی ہے۔ بچپنے سے سنتا تھا اور اس کا مفہوم یہ سمجھایا گیا تھا کہ بعض لڑکیاں ڈوم کے گھر ایسی حسین پیدا ہوتی ہیں جو حسن صورت میں اپنا ثانی نہیں رکھتیں۔ ایک عرصہ تک میں بھی یہی سمجھتا رہا۔ مگر ایک زمانہ کے بعد ایک وقت آیا جب اس کا صحیح مطلب سمجھ میں آیا۔

مگر اس کو سمجھنے اور سننے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ ڈوم کسے کہتے ہیں۔ مشرقی یو۔ پی کے ڈوم ہندوستانیوں میں وہ جماعت ہے جو آبادی سے بالکل الگ تھلگ رہتی ہے اور ہندوستانی دیہاتی سوسائٹی میں جس کا کوئی درجہ نہیں ہے بلکہ اُسے چور، ڈاکو کا مرادف اور گندگی، وحشت اور جہالت کا علمبردار سمجھا جاتا ہے۔ عام طور سے بظاہر تو یہ بانس کے ٹوکری ٹوکریاں بنا کر بیچتے یا چٹائیاں تیار کرتے ہیں اور جب کوئی ہندو مر جاتا ہے تو اس کی ارتھی کے ساتھ ساتھ بھیک مانگتے اور پیسے لوٹتے ہیں۔ سورج گہن اور چاند گہن کے مواقع پر بھیک مانگتے ہیں۔ گویا گداگری ظاہری پیشہ اور چوری پوشیدہ پیشہ ہے خصوصاً گورکھپور کے ضلع کے ڈوم جرائم پیشہ ہونے میں بدنام ہیں۔ یہی سبب تھا جو آج سے تقریباً آٹھ سال ایک انسپکٹر پولیس شیخ محمد ظہور نے یہ اسکیم پیش کی کہ ڈوموں کے رہنے کے لئے ڈوم ٹولے علحدہ بنوائے جائیں اور رات کے وقت پولیس جانچ کر لیا کرے کہ کوئی ڈوم گھر سے غائب تو نہیں ہے۔ اس اسکیم کی بدولت شہر گورکھپور کو بہت حد تک ڈوموں کے سفاکانہ چوری سے نجات ملی۔ مولویوں اور پنڈتوں کو اس کی توفیق کیوں ہوتی یا دیدیوں نے اس کی طرف توجہ کی اور یہ ڈوم ٹولے فلانے اب مکتی فوج یا سالویشن آرمی کا مرکز ہیں۔ مسلمان اپنی تبلیغ، آریہ سماجی اپنی شدھی اور سنگھٹن کے گیت گایا کریں اور اس تبلیغی کام کو مسیحی مشن جو لے اڑے جوان، غریب اور بے کس ڈوموں کو تعلیم و تربیت دے رہے ہیں۔

مختصر یہ کہ ڈوم اب تک تعلیم سے کوسوں دور ہیں جیسے گندے سے گندے کام میں باک نہیں۔ ہندو سوسائٹی نے اس کو حقیر سمجھ کر خدمت مقرر دی ہے کہ جب کوئی ہندو مرے تو مردے کے جلانے کے لئے ڈوم سے آگ مول لی جائے۔

ان چند تشریحی جملوں سے ڈوموں کا پوزیشن سمجھ میں آگیا ہوگا۔ مگر "ڈوم کے گھر پدمنی" کا مفہوم ظاہر نہیں ہوتا اور میں بھی اس عام غلطی میں مبتلا تھا جس کی ایک بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ میں نے ایک ڈوم کا واقعہ گورکھپور میں سنا تھا کہ وہ چوری کرنے میں اس درجہ مشاق تھا کہ سہ منزلہ مکانوں کی اونچی اونچی دیواروں پر محض چھپکلی دیتا ہوا سانپ یا چھپکلی کی طرح چڑھ جاتا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی سنا تھا کہ اس کی بہن اس درجہ حسین تھی کہ ایک تھانیدار گھر بار چھوڑ کر بی بی بچوں سے منہ موڑ کر اس کے دیوانے تھے۔ اور بالآخر اسے گھر میں ڈال لیا۔

شاید کہ یقیناً اس غلط فہمی میں تاعمر مبتلا رہتا۔ حسن اتفاق کہ سنہ ۱۹۳۱ء میں ایک ضعیف العمر منشی جی سے ملاقات ہوئی۔ عجیب دلچسپ آدمی اور پرانی تاریخ کے واقف کار۔ ان کی باتوں سے بہت سی نئی نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک دن کچھ ابر و باد تھا اور موسم خوشگوار۔ منشی جی اس روز بہت بشاش تھے۔ باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ مولوی صاحب میں ذات کا لوہار ہوں آپ لوگ تو لوہار کو بے قدر سمجھتے ہیں مگر لوہار کوئی معمولی قوم نہیں۔ مہادیو جی سے ہمارا سلسلہ ملا ہوا اور سکندر جی ہمارے مورث اعلیٰ ہیں جن کی پیدائش کی داستان یہ ہے کہ تارکا سور نامی راکھشس اتنا زبردست تھا کہ تمام دیوتا اس سے عاجز تھے اور اندر مہاراج کو اس کا خوف ہوا کہ تارکا سور کا زور بہت بڑھا تو سب دیوی دیوتا اکٹھا ہو کر مہادیو جی کے پاس فریاد کو گئے۔ مہادیو جی کو ان پر رحم آیا اور انھیں اپنے روحانی طاقت (شکتی) سے آگ کو دیکھا جس سے آگ وہ تیز شعلہ پیدا ہوئی کہ جسے آگ نہ برداشت نہ کر سکتی تھی لاچار اس نے اس تیزی (شکتی مہادیوجی) کو دریائے گنگا پر ڈالا۔ اس سردی اور گرمی کے اتصال سے سکندر جی پیدا ہوئے۔

میں۔ اس کا مطلب صاف نہیں کھلا۔

منشی جی۔ (خوشی میں) مطلب صاف ہے۔ مہادیو جی تیس اور بجلی پیدا کرتے۔ سکندر جی کو اس فن میں ماہر کر دیا وہ اسکی مدد سے دیوتاؤں کے لئے شکتی بان۔ اور بجلی بان پیدا کرتے تھے۔ اس سے تارکا سور ہی کا خاتمہ نہیں ہوا بلکہ طرح طرح کے ہتھیار نکلے۔ تم نے کرشن جی کا سدرشن چکر، ارجن کے بان (آتشی تیر) اور بھیم کے گدا (گتکا) کی تعریف سنی ہوگی یہ سب سکندر جی کے بنائے ہوئے آلات ہیں۔

میں۔ پھر اُن سے لوہار ذات والوں کو مطلب۔

منشی جی۔ (ہنس کر) یہ لوہار اس سکندر جی کی اولاد ہیں اور آریہ نسل میں جب مختلف ذاتیں (جاتیاں) بنائی گئیں تو لوہاروں کے سپرد یہ کام ہوا کہ وہ ہتھیار لیں کے پیدا ہتھیار کسانوں کے آلات وغیرہ کے لئے تراز و تیار کریں چنانچہ بوجھے لکڑی کا پیشہ ان کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

میں۔ اچھا منشی جی یہ بتلایئے کہ ڈوموں کو کونسا پیشہ دیا گیا۔

منشی جی۔ (قہقہہ لگا کر) مولوی صاحب آپ بھی عجیب عجیب باتیں پوچھتے ہیں۔ سنئے آپ نے ہندوستان کا اتہاس (تاریخ) تو پڑھی ہوگی۔ مگر یہ داستانیں آپ کو آسانی سے نہ ملیں گی یہ تو آپ پڑھے ہونگے کہ پہلے زمانہ میں یہاں دوسری دوسری قومیں آباد تھیں جس وقت آریہ یہاں آئے تو یہاں کہیں چماروں کا راج تھا۔ کہیں پاسی حکمراں تھے، کہیں ڈوم تھے، کہیں موسہر، کہیں گونڈ بھیل۔ سنتھال۔ مختلف غیر آریہ نسلیں راج کرتی تھیں مگر یہ قومیں بہت زیادہ ترقی یافتہ نہ تھیں مگر چین و آرام کی زندگی بسر کرتی تھیں۔ یہ محنت کے عادی تھے۔ حکومت دراصل پنچایتی شکل میں تھی۔ اور ایک ذات و نسل دوسرے سے الگ تھلگ تھی اور اسوجہ سے قومی نقطۂ نظر سے کمزور تھی۔ آریوں کے منظم اور تربیت یافتہ فوج کا مقابلہ نہ کر سکی اور جلد ہی اطاعت کر لی۔ صرف ایک ڈوم قوم ایسی تھی جو آریوں سے پوری طرح اور عرصہ تک لڑتی رہی۔ اس طرح یہ جہاں بہت سی قومیں آبادی اور آریوں سے اندر جنگلوں اور پہاڑوں میں چلی گئیں اور بہت سی ذاتیں اور نسلیں ان کی غلام ہو گئیں مگر ایک ڈوم ہی برابر لڑتی تھی جو مدت تک ... سے اطاعت نہ کی اور ... اور انھوں نے برابر آریوں کا مقابلہ بھی کیا اور مقاطعہ بھی جب کھلا ہو تو ... عاجز ہوئے تو گوریلا قسم کی جنگ شروع کی۔ آپ نے بچپنے میں کہانیوں میں پڑھا ہوگا کہ اکثر ڈوم رانیوں اور راجکماریوں کو اٹھا لے گئے جنھیں کسی راجہ نے لڑ بھڑ کر چھڑایا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ڈوم کی عورتیں اور لڑکیاں بھی عصمت اور عفت میں یکتا تھیں۔ پدمنی جانتے ہیں کسے کہتے تھے، پدمنی

کلرک

افسانہ

از جناب راماننڈ ساگر

"دفتر میں کام کے اوقات کیا ہوں گے؟"
"صبح نو بجے سے چھ بجے شام تک۔"

ایک سال پہلے کا سوال اور رائے بہادر کا وہ جواب اس کے کانوں میں اس طرح گونج رہا تھا جیسے ابھی ابھی کہا گیا ہو۔ اس نے آنکھ اٹھا کر دفتری کلاک کی طرف دیکھا جس نے ابھی ٹن ٹن کر کے سات بجائے تھے کلاک بدستور چل رہا تھا۔ سات بجا کر رکا نہیں گیا تھا پھر وہ کیوں رک جانے اور پیشتر اس سے کہ اس کی نظریں کلاک سے میز پر منتقل ہوں۔ اس کا قلم دوات سے سیاہی لے کر سامنے پڑی ہوئی فائل کے سفید صفحہ پر چلنے لگا۔

کلاک کی ایک آواز نے شنکر میں جو مستعدی پیدا کر دی تھی۔ دوسری آواز نے اسے فنا کر دیا۔ ساڑھے سات بجے کی "ٹن" ہوئی اور شنکر میں جو مستعدی پیدا کر دی تھی۔ دوسری آواز نے اسے فنا کر دیا۔ ساڑھے سات بجے کی ٹن ہوئی اور شنکر کا قلم پھر رک گیا۔ اس نے جوانی میں نیم سفید ہو جانے والا سر اٹھا کر رکنے والے کلاک کی جانب اور پھر اپنے سامنے پڑے ہوئے کاغذوں اور فائلوں کے انبار کی جانب دیکھا۔ ابھی بہت کام باقی تھا۔ لیکن یہ ختم کب ہوگا۔ یہ رائے بہادر کے دفتر کا کام۔ جو ان کے کرایہ داروں سے کرایہ وصول کرنے کے مقدمے لڑنے سے لے کر گھر میں آنے والے ٹیلوں کو گننے تک پھیلا ہوا تھا۔ آج اسے چند دوستوں کے ساتھ ساڑھے سات بجے سینما دیکھنے جانا تھا۔ لیکن یہ کام ———

اس کی گہرے بھورے رنگ کی بڑی بڑی آنکھوں میں سرخی پھیل گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور کرسی کی پشت پر اپنا بوجھ ڈال کر جیسے کچھ سوچنے لگا۔

لیکن کلاک نہیں رکا تھا اور اس کا کام۔ ۔

دن کی روشنی اور رات کے اندھیرے نے ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال دیں ان کے آخری قہقہے نے دور افق پر ایک سرخ رنگ کے چمکتے ہوئے بادل کی صورت اختیار کر لی۔ باہر سڑک پر سیر کرنے والے دوستوں کی ٹولیاں انسان کے قہقہے، موٹروں اور تانگوں کے شور و شغب فضا میں ایک گونج پیدا کر رہے تھے۔ اور اس شور کے اوپر کہیں اوپر تیرتی ہوئی وہ باجوں کی سریلی آواز

شاید کسی نئے فلم کی اشتہار بازی کے لئے جلوس نکالا گیا تھا یا کوئی برات جا رہی تھی۔ کتنی مسرور ہے دنیا لیکن رائے بہادر کا کلرک۔ "آخر اس کا کام کب ختم ہوگا؟"

رات کے اندھیرے نے آدھی دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ابھی تک نیچے سڑک پر سے کسی اکے دکے راہ گیر کے چلنے کی آواز آ رہی تھی کبھی کبھی دوستوں کا کوئی قہقہہ ذرا نزدیک بھی گذر جاتی ہے تو کیا ابھی تک دوستوں کی محفلیں گرم ہیں؟ اور اس کے اپنے دوستوں کی محفل؟ ..... کیا وہ بھی ابھی تک کہیں بیٹھے ہوں گے..... ؟... لیکن اس کا کام..... یہ کب ختم ہوگا؟ نہیں دوستوں کی محفل کب کی بکھر چکی ہوگی۔ اب جلدی سے کیا فائدہ..... ؟ کام ختم ہی کیوں نہ کر لیا جائے..... لیکن یہ ختم کب ہوگا؟۔

اور پھر ختم کیا ہی کیوں جائے؟ کیا کلرک کی زندگی کا مقصد یہی ہے کہ تیس پینتیس روپے ماہانہ کی خاطر زندگی کی تمام رنگینیوں اور تمناؤں کو ان موٹے موٹے اور پھٹی ہوئی جلد والے رجسٹروں کو کالا کرنے میں گم کر دے۔

اسے رائے بہادر کے ہاں نوکر ہوئے سال بھر ہو چکا تھا اور رائے بہادر کا معاملہ اوقات کار کے متعلق روز اول والا جواب ابھی تک ایک تعبیر تشنہ خواب تھا۔ اول تو کام ہی ساڑھے سات آٹھ بجے سے پہلے ختم نہ ہونے پاتا۔ اور اگر ہو بھی جاتا تو اتنی دیر میں رائے بہادر ٹینس کھیل کر واپس آ چکے ہوتے تھے اپنی تھکان اتارنے کے لئے محض اس غرض سے دفتر میں بیٹھ جاتے کہ ان کے دو تین کلرک ان کے سامنے نیم دائرے کی صورت میں دست بستہ کھڑے رہیں اور آنجناب اپنی بے معنی اور بد ذوقی کی حامل باتیں سناتے رہیں۔

رائے بہادر اسی میں راحت محسوس کرتے تھے کہ جب تک وہ رات کا کھانا کھا کر بستر پر دراز نہ ہو جائیں۔ ان کے کلرک دفتر کی رونق بڑھاتے رہیں۔ شاید وہ یہ چاہتے تھے کہ ملاقاتی کسی وقت بھی آ جائے تو اسے رائے بہادر

کی عظمت کا ویسا ہی اثر پڑے جیسے بیلی رام برادرز کی ۲۴ گھنٹہ سروس کا اس کے گاہکوں پر ان کے دل پر کئی بار یہ خیال آیا تھا کہ کلرکوں کے سوتے رات کو چوکیداری کی کیا ضرورت ہے؟ لیکن کلرکوں کو ناجائز تکلیف دینے کے خلاف ان کا ضمیر بغاوت کر دیتا تھا جہاں ناجائز.. تکلیف دینا انھیں گوارا نہ تھا وہاں انھیں ناجائز رعایت دینا بھی پسند نہ تھا۔ چنانچہ ان کے ہاں ہفتہ وار، ماہوار یا سالانہ تعطیل کا کوئی ریکارڈ موجود نہ تھا۔ ہاں اگر کلرک کا کوئی قریبی رشتہ دار مر جائے تو رائے بہادر اپنا اصول توڑنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔

یہ سب کچھ سوچتے سوچتے شنکر کی آنکھوں کے سامنے رائے بہادر کی شکل پھر گئی جس پر حرص و طمع کی سیاہی پھیلی ہوئی تھی۔ جس کے قہقہے کی آواز کئی مفلسوں کی سوکھی ہڈیوں کے چٹ چٹ ٹوٹنے سے مرکب تھی اور جس کی پیشانی پر انسانیت کا ایک بھی خط نہ تھا۔ لیکن جس نے خدا کی ایک دین نے سیکڑوں انسانوں کا مرجع بنا رکھا تھا انسانیت... انسانیت کے لئے رحم و انصاف لازمی ہیں وہ ان سے کورا ہے۔ اسی لئے... لیکن کیا ہم میں انسانیت ہے؟۔

ہم جو دن میں کئی کئی مرتبہ اس کے سامنے گڑگڑاتے ہیں۔ کیا ہم انسان ہیں جو اس کے ہر روا اور ناروا کو چپ چاپ برداشت کرتے ہیں.... تڑاخ.... شنکر کے ہاتھ میں قلم جانے کس جوش کے زیر اثر ٹوٹ چکا تھا۔

شنکر کے سامنے والی میز پر بیٹھے ہوئے بوڑھے امین چند نے اپنے وارا کے وقت کی عینک کو جس کی ایک کمانی ابھی تک صحیح سلامت تھی۔ ناک کی گھوڑی سے ایک لمحہ کے لئے اٹھا کر اس تیور کے کی جانب کچھ عجیب ڈھنگ سے دیکھ کر کہا۔

"شنکر کیا سوچ رہے ہو؟ تمہارا کام کب ختم ہوگا؟"

اس نے بڈھے کی جانب دیکھا جس کی باطنی نگاہیں پکار پکار کر کہہ رہی تھیں۔

"چھوکرے تم کس جھنجھٹ میں پڑے ہو۔ یہاں اس دنیا میں ایسا ہی ہوتا ہے یہاں فلاح کا قانون ہی انسانیت اور انصاف کہلاتا ہے۔ یہ دنیا ہے.... حقائق کی.. تمہاری شاعری اور تصورات کی نہیں.... تم شاعر مزاج ہو ہی۔ ہی۔ ہی۔ ہی"

شنکر اس نگاہ طنز کی تاب نہ لا سکا اپنے سامنے پڑے کاغذوں کے انبار کی جانب دیکھنے لگا اور میز پر پڑے ہوئے کاغذ پر جلی حروف سے لکھا تھا۔

"تم شاعر مزاج ہو۔ احساسات کو زندہ رکھنے والے اور اس دنیا میں آئے ہو شاعری کرنے۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔ ہا۔!"

اس نے سر تھام لیا آنکھیں بند کر لیں لیکن کانوں میں کوئی کہہ رہا تھا۔

"رائے بہادر کا کلرک اور پھر اس قدر حساس۔ اوہ۔ ہو۔ ہو۔ ہو۔ ہو۔"

اس نے کانوں میں بھی انگلیاں دے لیں۔ کیا ایک کلرک کے لئے حساس ہونا گناہ ہے کیا اسے ایک زندہ لاش بن جانا چاہیے ایک لاش جسے سہانی برساتوں کی گھنگھور اللہ ہوئی گھٹائیں، بسنت کے نیلے پیلے اور اودے پتنگ ہولی کی رنگ پاشیاں کسی بڑے تیوہار کے دن بیوی بچوں کا میلہ دیکھنے پر اصرار، سب کچھ جسے اس دفتری قبر سے باہر نہ نکال سکے۔ ایک لاش جس کا جسم تو زندہ ہو لیکن احساس مردہ ہو چکا ہو۔

میں ایسی کلرکی سے باز آیا اگر شادی کی جائے تو بیوی کو گھر کی چار دیواری میں حبس بیجا میں کیوں رکھا جائے آخر نوکری کی غایت یہی ہے کہ خالی اوقات میں عیش سے زندگی بسر کی جائے.... خالی اوقات... یہ خالی وقت کب ملے گا؟ آخر یہ کام کب ختم ہوگا؟۔

اس نے سامنے بیٹھے ہوئے امین چند کی جانب دیکھا۔ وہ بڑھا ہو چکا ہے اسے بیوی کے احساسات یا عیش سے کیا لیکن بیچارہ لال تو ابھی پینتیس سال سے زیادہ کا نہیں اس کے احساسات کو کیا ہو گیا ہے اس نے بیچارے لال کی طرف دیکھا۔ اس نے بھی اپنا سر اٹھایا۔

لمحہ بھر کے لئے اس کی جانب دیکھا اور پھر اپنے کام میں منہمک ہو گیا۔ لیکن اس ایک ہی لمحہ میں اس کی نگاہیں شنکر کو جواب دے گئیں۔

"تم کیا جانو؟ بھولے نوجوان۔ تمہارے تصورات کی لہر ابھی تک دنیا کی حقیقت کی کسی چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش نہیں ہوئی ورنہ تم ایسا نہ سوچتے۔ ہمارے احساسات کی راکھ میں سے اب بھی کبھی سوئے ہوئے کوئی شرارہ تڑپ اٹھتا ہے کبھی کبھی ہمارے دماغوں میں بھی زلزلے کے چند جھٹکے محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن ان سب کی شدت اس گہرائی تک نہیں پہنچتی جو بیوی بچوں کا پیٹ بھرنے کے خیال میں ہے لیکن تم خالی پیٹ لئے بیٹھے ہو۔ تمہارا کام کب ختم ہوگا؟"

شنکر کی نگاہیں پھر جھک گئیں۔ سامنے فائلوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ نیچے سڑک پر ایک سائیکل سوار گھنٹی بجاتا ہوا جا رہا تھا۔ گھنٹی کی آواز سے اس کی تیز رفتاری کا اندازہ ہو رہا تھا۔ اسے گھر جانے کی جلدی ہے شاید گھر پر بیوی انتظار کر رہی ہو گی۔ اس کے بچے تو اب تک سو چکے ہوں گے اور کیا جانے بیوی بھی اونگھ رہی ہو۔ کھانا پروسنے کیلئے کئی مرتبہ سر پوش کھولا ہوگا لیکن اس کا خاوند جلدی کیسے آ جائے کہ آج کل دفتر دفتر ہی ہے۔ اگر پیٹ پالنے کیلئے ہی دفتر جانا ہوتا ہے۔ لیکن دفتر کا کام . . . . . اس مقابلہ پر پیٹ بھرنا مقدم نہیں ہو سکتا۔ بیچارہ وال کی بیوی بھی تو منتظر ہو گی۔ اور سیری ہونے والی بیوی . . . . لیکن یہ کام کب ختم ہوگا . . .؟ یہ رائے بہادر کے دفتر کا کام۔

دفتر سے باہر نکلتے وقت کوٹھی میں ایک موٹر داخل ہوئی۔ شنکر نے دیکھنے کی کوشش کی کہ اس میں کون بیٹھا ہے۔ لیکن سامنے کی تیز بتیوں نے نگاہ خیرہ کر دی تھی۔ شنکر پھاٹک پار کر رہا تھا کہ کسی کے اونچی ایڑی والے بوٹوں کی کھٹ کھٹ کوٹھی میں سنائی دے رہی تھی اور ہوا کا کوئی آوارہ جھونکا اس کے لبوں [illegible] نیلے [illegible] گیت کو جنم دیتا شنکر تک پہنچ گیا۔

"ندی کنارے کھڑی ہوں . . . بنا تیرے من کی ماری"

شنکر نے آواز پہچان لی۔ یہ رانی تھی۔ رائے بہادر کی چنچل لڑکی شاید سینما دیکھ کر لوٹی تھی۔ کتنی حسین ہے وہ حسن ہمیشہ رحمدل ہوتا ہے۔ اس روز اس کے طلائی نکلس کی کئی کڑیاں ریت میں گر گئی تھیں شنکر نے نہایت محنت سے ڈھونڈ کر [illegible] تو اس نے کہا "منشی جی آپ [illegible] یہ قریب ہی سو جایا کیجئے میں ایک

کا چھلکا پڑا تھا۔ رانی نے اسے توڑا۔ سونگھا اور بالوں میں لگا کر چلی گئی۔ اس نے سوچا وہ بھی اپنے آنگن میں پھولوں کا ایک پودا لگائے گا مگر ماں بیمار تھی کہ گھر کی سجاوٹ تو تیری بہو کے آنے پر ہو گی اور بہو لانے سے وہ ہمیشہ انکاری رہا۔ جب اپنا پیٹ بھرنے کی ابھی کوئی اچھی سبیل نہیں تو بہو لانا کیا معنی۔ رائے بہادر کی نوکری کا کیا بھروسہ۔ نہ معلوم وہ یہ ملازمت نہیں کرے گا۔ یہاں اس کے تصورات کی دنیا آباد نہیں ہو سکتی لیکن آج رانی نے اس کا خیال بدل دیا۔ "ادھر سنئے آپ کو کیا بلایا ہے" کتنی خوش قسمت ہے۔ اس کی پیشانی باپ کی طرح شکنوں آلود نہیں۔ اس کے لب غصہ کے مارے پھڑکنا نہیں جانتے وہ صرف مسکرانا جانتے ہیں . . . اور پھر ان کے صحن میں کھلے ہوئے پھول یقیناً اس کوٹھی میں حسین اور رحمدل انسان بھی رہتے ہیں جو کلرکوں کو "آپ" کہہ کر بھی پکار سکتے ہیں اور ان سے ہنس ہنس کر باتیں کر سکتے ہیں۔ اس کوٹھی میں اچھے آدمی بھی بستے ہیں۔ مسکراتے چہروں والے اور پھر کوٹھی کے صحن میں کھلے ہوئے پھول . . . وہ بھی اپنے آنگن کے لئے ضرور شگفتہ پھولوں کا ایک پودا لگائے گا۔

چند ہی روز بعد وہ کہیں سے گلاب کی ایک قلم لے آیا۔ انہی دنوں اس کی ماں نے شنکر کیلئے ایک خوبصورت لڑکی کا قصہ ڈھونڈ نکالا۔ سگائی ہو گئی۔ ماں شادی کی تیاریوں میں مصروف تھی۔ شنکر نے گلاب کی جو قلم لگائی تھی اس میں ایک کونپل پھوٹ پڑی تھی۔

اچانک شنکر کو ٹھوکر لگی اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ سامنے موتی محل سینما میں روشنیاں جل رہی تھیں۔ اسے پھر بہت دیر ہو جانے کا احساس ہوا۔ اس کی بوڑھی ماں کو کتنی تکلیف ہوتی ہو گی جب بیٹے کے انتظار میں سو بھی نہیں سکتی۔ ایسی ملازمت بھی کیا ہوتی ہے؟ سامنے سینما کے باہر ایک انگوری رنگ کی کار کھڑی تھی جس میں ایک ڈرائیور بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ آخر یہ بیچارہ بھی تو ملازمت ہی کر رہا تھا! اس کی زندگی کلرک سے بھی بدتر ہے۔ کیا جانے اسے کب چھٹی ہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ مالک سینما سے نکلے تو کسی شراب خانے میں جا بیٹھے۔ اس بیچارے کی بھی بیوی ہو گی۔ وہ تو یقیناً انتظار نہیں کرتی ہو گی۔ کیونکہ بے انتہا میں سکون ہوتا ہے۔ لیکن یہ تو لالہ کستوری لال کی کار ہے سنا ہے کہ اسے سرمایہ داروں کی صحبت [illegible] تک نہیں گئی۔ اپنے ملازموں کا بہت خیال رکھتے ہیں گے۔ آخر سرمایہ داروں میں تو اچھے لوگ بھی ہوتے ہیں

یہ ضرور خوبصورت ہوگا تبھی اچھی سیرت رکھتا ہے۔ رانی بھی تو خوبصورت ہے نا؟ . . . وہ مسکراتا ہوا چہرہ اور اس کے صحن میں وہ کھلے ہوئے پھول! میرے پودے کی کونپل بھی اب کلی بن چکی ہو گی۔ بس پہلے ہی دن اسے دیکھا تھا۔ جب وہ پھوٹ رہی تھی۔ ادھر کئی دن سے دفتر جلدی جانا ہوتا ہے۔ اور دیر سے آنا پڑتا ہے۔ اسے دیکھنے کی فرصت نہیں۔ رانی کو بھی تو اس دن کے بعد نہیں دیکھا۔ وہ اس روز مسکراتی ہی جا رہی تھی۔ شاید وہ ہر وقت مسکراتی رہتی ہے لیکن اگر وہ دفتر کے کلرکوں کی ابتر حالت دیکھے کیا پھر بھی اسی طرح مسکراتی رہے۔ رنگین تتلی سے یہ توقع فضول ہے۔ ابھی کل ہی دلدار سنگھ سنا رہا تھا کہ چھوٹی بی بی نے اسے بید مارا۔ وہ بوڑھا بیچارہ۔ وہ کہتا ہے اسے کبھی ہنستے نہیں دیکھا تو کیا وہ صرف نوجوانوں ہی سے مسکرا کر باتیں کرتی ہے اور "آپ" کہہ کر بلاتی ہے۔ پھر اسے کیا سمجھا جائے۔ انصاف پروری یا نفس پروری . . . .

شنکر کے سامنے اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا۔ سینما کی چکا چوند روشنیاں بہت پیچھے رہ گئی تھیں سامنے میونسپلٹی کی مہربانی سے اندھیرے کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔

بوڑھے ایڈمنسٹر نے اپنے دادا کے وقت کی عینک کو ناک کے اونچان سے ایک لمحہ کے لئے اٹھا کر اس کی جانب کچھ عجیب ڈھنگ سے دیکھ کر کہا:-

"شنکر تم ابھی بچے ہو ان باتوں کو نہیں سمجھتے رائے بہادر نے تمہیں جو برطرف کر دیا ہے تو ان کی مراد در حقیقت یہ نہیں بلکہ وہ تمہیں مایوسی کے اندھیرے میں دھکیل کر اس بات کا احساس کرا دینا چاہتے ہیں کہ ایسی غلطی کا انجام کیا ہو سکتا ہے تاکہ آئندہ تم غلطی کے خوف سے لرزتے رہو۔ دو تین مرتبہ گڑگڑاؤ گے تو دوبارہ ڈپٹ ہی میں معاملہ نپٹ جائے گا۔ جاؤ اس وقت جاؤ وہ اندر ہیں۔ وہاں جا کر گڑگڑاؤ۔ عورتوں کا دل جلدی پسیج جاتا ہے۔ تمہاری سفارش ہو جائیگی" شنکر نے سر جھکا لیا: "عورتیں سفارش کر دینگی۔ وہاں رانی بھی تو ہو گی۔ وہ یقیناً اسے بچا لے گی۔ آخر غلطی ہی تو ہو گئی ہے" شنکر صحن میں داخل ہو چکا تھا۔ سامنے ہی رانی کھڑی ہنستی مسکراتی ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک خوبرو جوان نفیس سوٹ پہنے باتیں کر رہا تھا۔ دونوں کی آنکھوں میں ایک چمک تھی جو کسی خاص وجہ سے پیدا ہوا کرتی ہے شنکر دیکھ کر رکا۔ [illegible]

وہاں میری سفارش کون کریگا۔ کیا یہ [illegible] آسکتی اس خوبرو جوان کو چھوڑ کر لیکن . . . شنکر سوچتا جا رہا تھا۔ لیکن اس کا تیسرا بڑھتے ہوئے قدم رکنا ہی تھا کہ رانی کی آواز سنائی دی تھی۔

"کہاں چلے ہو؟"

"رائے بہادر کے پاس"

"کیا کام ہے؟"

شنکر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کیا بتاتا کہ کیا کام ہے؟ چنچل حسینہ اگر اس وقت اکیلی ہوتی تو شاید بتا بھی دیتا۔

رانی نے کرخت آواز میں پھر پوچھا۔

"کیا کام ہے؟"

"کچھ تھوڑا سا ہے۔"

"کچھ تھوڑا سا! تمہیں پتہ نہیں کہ یہ وقت آرام کرنے کا ہے۔ انہیں تھوڑی دیر تو چین کا سانس لینے دیا کرو چلے آتے ہو منہ اٹھائے ہوئے۔"

شنکر نے جواب نہیں دیا چپ چاپ واپس آ گیا۔ ایک سفید رنگ کا خوشنما پھول اکڑا کھڑا ہوا تھا۔ اس نے اسے توڑ لیا اور مسل کر پھینک دیا۔ اس میں اسے کسی کے خون کی رنگت دکھائی دے رہی تھی۔ سفید خوشنما۔ اس کیاری کے پاس سے رانی اور وہ نوجوان ہنستے ہوئے گزر گئے جن میں لگے ہوئے پھول کھلے ہوئے تھے۔

پہلی کیاری میں مالی حسب معمول پھولوں کو [illegible] اکھاڑ کر باہر پھینک رہا تھا۔ شنکر کوٹھی سے باہر نکل گیا۔

"وہ اب معافی مانگنے نہیں آئیگا۔ نہیں وہ اب یہ ملازمت نہیں کریگا ایسے بدسیرت مالک کی نوکری جس میں انسانیت نام کو نہیں۔ اگر ملازمت ہی کرنی ہے تو کہیں اور جگہ ڈھونڈ لے گا۔ سرمایہ داروں میں کئی اچھے لوگ بھی تو ہوتے ہیں اور لالہ کستوری لال بھی تو سرمایہ دار ہے۔

"آداب عرض" شنکر نے جھک کر جواب دیا۔

"آداب عرض بھئی کہو مزاج اچھے ہیں۔

کیا اب دفتر سے آ رہے ہو؟"

"کونسا دفتر"

شنکر نے حیران ہو کر پوچھا۔ کیسی بات کرتے ہو؟"

"ہاں بھائی مجھے لالہ کستوری لال نے برطرف کر دیا ہے۔" "برطرف" شنکر کی آواز رک گئی۔

برطرف کیوں کر دیا؟۔

"اے بھائی سرمایہ داروں کا کیا پوچھتے ہو۔ انہیں وجہ جاننے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بیوی کے [illegible] کا کوئی [illegible] آیا تھا اسے ملازم رکھنا تھا مجھے نکال [illegible] ہے۔ [illegible]

حاضر جوابی

انگریزوں کے ابتدائی عہد حکومت میں دستاویزات کی رجسٹری کا کام بھی تحصیلدار صاحبان کے سپرد تھا۔ کچھ دنوں بعد تحصیلدار کے ذمہ مالگذاری کی وصولی اور مقدمات مال اور فوجداری کی سماعت دہ گئی۔ اور دستاویزات کی رجسٹری کا محکمہ الگ کر دیا گیا۔ جج ضلع رجسٹرار ہوئے اور ان کی نگرانی میں محکمۂ رجسٹری قائم کرکے ایک سب رجسٹرار مقرر ہوا۔ چنانچہ شروع شروع میں جب یہ محکمہ قائم ہوا۔ تو سب رجسٹرار کو اکثر کاغذات کے متعلق تحصیلدار سے خط و کتابت رہتی تھی۔ اس زمانہ میں دفتروں کی زبان عموماً اردو تھی اور تحصیلدار اور سب رجسٹرار زیادہ تر انگریزی سے نابلد اس لئے خط و کتابت اردو ہی میں ہوتی تھی۔ اتفاق سے نانہ سوائے ایک تحصیلدار نے جو ذرا بگڑے دل تھے مجسٹریٹ ضلع کو یہ شکایتی خط لکھا کہ سب رجسٹرار بہت گستاخ ہے مجھے "حضور" نہیں لکھتا اس لئے فہمائش ہونی چاہیے۔ چونکہ سب رجسٹرار جج ضلع کا ماتحت تھا اس لئے مجسٹریٹ نے جج کو لکھا کہ سب رجسٹرار بہت گستاخ ہے وہ ہمارے تحصیلدار کو "حضور" نہیں لکھتا۔ اس کی فہمائش کی جا دے۔ مسٹر پامر ایک انگریز جج تھا۔ اس لئے سب رجسٹرار سے جواب طلب کیا۔ سب رجسٹرار نے جواب دیا کہ میں اور تحصیلدار درجہ میں مساوی ہیں۔ اس لئے ہرگز حضور نہیں لکھونگا۔ اب اس کا مقدمہ باقاعدہ جج صاحب کے یہاں ہونے لگا۔ اور دونوں طرف سے وکلا مقرر ہوئے اور روزانہ دو تین گھنٹے اس کی بحث رہتی کہ سب رجسٹرار تحصیلدار کو حضور لکھے یا نہ لکھے۔ پامر صاحب پریشان تھے سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا فیصلہ کرے تین دن کی بحث کے بعد سماعت دوسرے دن کے لئے ملتوی ہوئی۔ ادھر سب رجسٹرار کو یہ ضد کہ تحصیلدار کو ہرگز حضور نہ لکھونگا۔ اگر فیصلہ خلاف ہوا تو استعفا دیکر گھر چلا جاؤنگا ان کے ایک دوست نے کہا کہ تم مولوی محمد عبد اللہ صاحب وکیل سے مشورہ کرو۔

سب رجسٹرار ان کے پاس گئے۔ حالات کہہ بغیر پیش کی۔ مولوی عبدالاحد نے کہا کہ اچھا جب پیشی کا وقت آئے تو مجھے خبر کرنا مکالمتہ داخل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوسرے دن مقدمہ پیش ہوا اور پھر بحث شروع کی۔ مسٹر پامر پریشان تھا کہ کیا فیصلہ کرے اور پریشانی میں ادھر ادھر تاک رہا تھا۔ اتفاقاً مولوی عبدالاحد کو کھڑے دیکھ کر پوچھا۔

جج — ویل مولوی آپ کس کی طرف سے وکیل ہیں۔
مولوی عبدالاحد — میں وکیل تو نہیں ہوں مگر بحث دلچسپ ہے اس لئے سن رہا تھا۔
جج — اچھا تو آپ اپنی رائے بتائیے کہ تحصیلدار کو سب رجسٹرار حضور لکھے یا نہ لکھے۔
مولوی عبدالاحد — حضور اگر میں کچھ کہوں گا تو ممکن ہے کسی کو ناگوار ہو۔
جج — ویل ہم بھی تو اسکی رائے پوچھتا ہے
سب وکلاء — (بہ یک زبان) ہیں مولوی صاحب آپ فرمائیے۔
مولوی عبدالاحد — (رکتے ہوئے) حضور یہ فرمائیے کہ اگر سب رجسٹرار تحصیلدار کو حضور لکھے گا تو پھر حضور کو کیا لکھے گا۔
جج — ویل کہ حضور سے بڑا کوئی لفظ نہیں ہے۔
مولوی عبدالاحد — اگر ہوتا تو ہم لوگ حضور ہی کے لئے نہ استعمال کرتے
جج (غصہ سے سرخ ہو کر) تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ تحصیلدار جج کی برابری کرنا مانگتا ہے یہ نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں ہو سکتا۔

تحصیلدار کا وکیل کچھ بولنا چاہتا تھا کہ جج نے روک کر کہا بس بس اب ہم کچھ سننا نہیں مانگتا۔ سب رجسٹرار ہرگز تحصیلدار کو حضور نہیں لکھے۔ ویل پیشکار روبکار لکھو کہ سب رجسٹرار ہرگز ہرگز تحصیلدار کو "حضور" نہ لکھے۔

اب تو کانگرسی وزارت نے سرے سے ہی "حضور" کا خاتمہ کر دیا اور رفتہ رفتہ اب کوئی حاکم حضور نہ پکارا جائے گا اور عدالتی زبان سے "حضور" یوں غائب ہو گا جیسے ہندوستان سے انگریز۔

---

(۲)

متفقی غازیپور میں ایک مقدمہ کی سماعت ختم کرکے منصف صاحب خاموش بیٹھے کچھ سوچ رہے تھے اور دو تین پرانے وکلاء آہستہ آہستہ آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے کہ فلاں منصف نے فیصلہ میں یہ بیوقوفی کی فلاں منصف نے فلاں مقدمہ میں یہ بیوقوفی کی۔ یہ فقرے یقیناً ہو رہے تھے اور اتفاق سے منصف صاحب بھی کچھ کچھ سنتے جا رہے تھے جب تابڑ توڑ تین چار دفعہ سن لئے تو یکبارگی لیا، بولے

منصف — (تیز ہو کر) پنڈت جی کیا وکیلوں میں بیوقوف نہیں ہوتے۔
پنڈت جی — ہوتے تو ہیں مگر ان سے نہیں پاتے
منصف — آخر وہ کیا ہوتے ہیں۔
پنڈت جی — (سادگی سے) منصف!

یہ سنتے ہی منصف صاحب اٹھ کر اپنے رٹیائرنگ روم میں چلے گئے۔

---

(۳)

جج — غازیپور کے اجلاس میں ایک ہندوستانی جج کے سامنے جنھیں اپنی قابلیت کا دعویٰ تھا انگریزی لفظ Ascendancy (?) اسامین پر بحث ہو رہی تھی اور ایک پرانے وکیل اپنی تعریف کر رہے تھے مگر جج صاحب ان سے تشریح میں متفق نہ تھے
جج — (ذرا تیز ہو کر) مولوی صاحب آپ اسکو بھول رہے ہیں کہ انگریزی آپ کی مادری زبان نہیں۔
مولوی صاحب — جناب والا۔ انگریزی یہاں کسی کی بھی مادری زبان نہیں ہے۔

جج صاحب کچھ سوچکر خاموش ہو گئے۔

اڈیشنل سب جج (گواہ سے) تم کتنے ہل کی کھیتی کرتے ہو
گواہ — حضور ایک ہل کی کھیتی کرتا ہوں مگر تین بیل ہیں —
اڈیشنل سب جج — نہیں! تین بیلوں کی ضرورت کیوں
گواہ — (سادگی سے) جیسے جج اور اور سب جج کی مدد کے لئے حضور
اڈیشنل سب جج — نہیں ویسے ہی دو بیلوں کی مدد کے لئے تیسرا بیل ہے۔

برطانیہ میں حیدرآباد کے تعلیمی نمائندے

حیدرآباد دکن ۱۰ مارچ۔ حیدرآباد کے سابق وزیر تعلیم مسٹر علی اکبر حان حکومت نظام کے مشیر تعلیم مقرر ہو کر برطانیہ جائینگے۔ آپ آج لندن جانے کے لئے بمبئی ہوائی جہاز سے روانہ ہو گئے ہیں۔

نظام ریلوے اور تعمیرات کے ڈائرکٹر خان بہادر نظام الدین ریلوے کے جنرل منیجر مقرر کئے گئے ہیں۔ اور ان کی جگہ مسٹر جی این سندار ریلوے ڈائرکٹر مقرر کئے گئے ہیں۔

روس سے سب بیزار ہیں

ڈی وٹ جاں بورسالہ کرسچین سائنس مونیٹر میں لکھتے ہیں کہ روس اپنی پالیسی اب نرم کر رہا ہے۔ جس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ نیویارک میں مولوٹوف کا رویہ بہت معتدل اور مائل بہ صلح رہا۔ نیز اسٹالن نے اخبار کے سوالات کے جو جوابات دئے ان سے بھی صلح اور نرمی کی جھلک نظر آتی تھی۔ مگر خود روسی جرائد کے تبصرے اور مقالے اس کی ہم آہنگی نہیں کرتے۔ بلکہ اخباروں میں بین الاقوامی مسائل پر جو تبصرے ہوتے ہیں ان میں بعد از جنگ والی پالیسی اور پروپاگنڈا بازی نمایاں رہتی ہے۔ لندن میں ریڈیو کے ذریعہ سے جو اخباری خبریں ملیں ان کا خلاصہ اس امر کا پتہ دیتا ہے کہ وہ اپنے مرکز سے ذرا بھی نہیں ہٹے ہیں۔

نمونہ ملاحظہ ہو:۔

ڈینوب:۔ انگریزوں اور امریکنوں کا یہ مطالبہ کہ روس میں دریائے ڈینوب میں مساوی حقوق دئے جائیں سراسر ناجائز ہے۔ مالمالوف نے ماسکو سے انگریزی زبان میں جو نشر کیا ہے اس میں اس قسم کے مطالبہ کو سرمایہ دارانہ نفع اندوزی سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کا یہ دعویٰ ہے کہ جنگ دوم سے پہلے یوگوسلاویا میں ۸۰ فیصدی غیر ملکی سرمایہ لگا ہوا تھا۔ اور رومانیہ میں ۹۰ فیصدی اور اس طرح اہم تجارت پر قبضہ کر کے غریب باشندوں کو غریب اور بے بس بنائے ہوئے ہیں۔ اور ترقی کرنے نہیں دیتے۔ مگر یہ اعتراضات درست نہیں کیونکہ سب جانتے ہیں کہ اس تھوڑے زمانے تک وادی ڈینوب ملکی [illegible] کا بھی رواج نہ تھا۔ غیر ملکی سرمایہ داری ہی کی بدولت بجلی پہنچانے کے لئے گیس اور سواری کے لئے موٹروں کا رواج تھا۔ ڈینوب کے علاقوں والے بیحد غریب تھے اور خود اس قابل نہ تھے کہ صنعتوں میں سرمایہ لگا سکیں۔ روسی نکتہ چیں نقاد اس امر پر روشنی نہیں ڈالتے کہ آج ڈینوب کے جن علاقوں پر روسی حکومت کی سختیاں اور پابندیاں ہیں۔ جنگ سے قبل وہاں کی آزادی تھی۔

حق اجتماع:۔ ماسکو سے یہ خبر نشر ہوئی ہے۔ کہ امریکی استبدادی حکومت کا نظریہ ہے کہ چند نفوس آزادی کی ساری دنیا پر حکمرانی کریں۔ لہٰذا اس کے لئے امریکہ کو اپنی

فوجوں اور فوجی تدابیر کا گھمنڈ ہے جس کے ساتھ ساتھ توسیع ملک کی بھی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہیں سے یہ نکتہ بھی سمجھ میں آجاتا ہے کہ کیوں روس نے انجمن متحدہ میں یہ سوال اٹھایا تھا کہ غیر مخالف علاقوں میں کتنی فوجیں ہیں۔ مگر یہ خبر دینے والا اس امر کو نظر انداز کرتا ہے کہ خود روس میں بھی چند ہی افراد حاوی رہ کر دنیا پر حکومت چاہتے ہیں۔ ایک دوسرا انتقاد یہ دکھاتا ہے کہ معاہدات کے باوجود امریکی فوجیں غیر مخالف علاقوں میں ہیں حالانکہ مخالف اور غیر مخالف علاقوں میں خود روسی فوجیں بھری پڑی ہیں۔ اور تینوں حکومتیں روس، برطانیہ اور امریکہ اس انتظار میں ہیں۔ کہ امن و امان قائم ہو جائے معاہدات مرتب ہو جائیں۔ اس وقت یہ فوجیں ہٹائی جائیں۔

البانیہ:۔ یہ بھی اعتراض ہے کہ البانیہ کے شاہی حقوق کو برطانیہ اور یونان کی فوجیں غصب کئے ہوئے ہیں۔ حالانکہ انگریزی جہاز محض اس لئے گئے تھے کہ خبر ملی تھی کہ البانیہ نے دریا میں بارود بچھا رکھا تھا اور پھر جب واقعات واضح ہوں گے تو اصلیت سب پر کھل جائے گی۔ غرضیکہ خلاصہ ان تمام بحث و مباحث کا یہ ہے کہ روس ملک گیری کے حمام میں سب کے سب ننگے ہیں۔

ہوائی جہاز کا حادثہ
۲ ہلاک

لندن ۱۲ مارچ۔ کل نصف شب سے کچھ قبل شاہی ہوائی بیڑے کا ایک جہاز آئرلینڈ کے قریب ٹکرا گیا جہاز کے آدمیوں میں سے اب تک چار کا پتہ چل سکا ہے۔ باقی کی تلاش جاری ہے جن چار کا پتہ چلا ہے ان میں سے دو مر چکے ہیں۔

آٹھ جہاز دو سپاہ بکن جہاز اور ایک آب دوز کشتی باقی آدمیوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

کلکتہ۔ ۱۱ مارچ۔ مولانا محمد اکرم خان صدر بنگال صوبجاتی مسلم لیگ، مسٹر عبد المتین چودھری رکن مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم لیگ اور چار دوسرے ممتاز لیگی رہنماؤں نے ایک مشترکہ بیان جاری کیا ہے جس میں لکھا ہے کہ حکومت آسام نے نو آبادکاروں کے سلسلہ میں جو پالیسی اختیار کی ہے اس کا مقصد لاکھوں غریب بنگالی کسانوں کو باقاعدہ طور پر برباد کر دینا ہے یہ بنگال کے غریب کسان ہی تھے جنہوں نے آسام کو زرعی اور اقتصادی حیثیت سے ترقی یافتہ اور خوشحال بنایا ہے۔

حکومت آسام انسانیت کے تمام اصولوں کو پامال کرتے ہوئے غریب نو آبادکار بنگالی کسانوں پر طرح طرح کے ظلم کر رہی ہے۔ کاشتکاروں کی فصلوں کو ہاتھیوں کے پیروں تلے روند کے برباد کیا جا رہا ہے۔ ان کے مکانات جلا دیے گئے ہیں اور بالکل منہدم کر دیئے گئے ہیں۔ کسانوں کو جبراً ان کی زمینوں سے نکالا جا رہا ہے اور ہزاروں ایکڑ زمین گا[illegible] کے لئے رکھی جا رہی ہے۔ ہم ملک سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس وقت ان غریب اور برباد شدہ کسانوں کی مالی امداد کرے

ادبی معمہ نمبر ۱۵

نمبر ۳۰
تین ہزار روپے کے نقد انعامات

پہلا انعام صحیح حل کرنے والوں کو دو ہزار روپے
دوسرا انعام ایک غلطی کرنیوالوں کو پانچسو روپے

تیسرا انعام دو غلطی کرنے والوں کو تین سو روپے
چوتھا انعام تین غلطی کرنے والوں کو دو سو روپے

قواعد و ضوابط معمہ کو صرف سیاہی سے ایسا بھرئیے کہ صاف پڑھا جائے اور ایک خانہ میں صرف ایک ہی حرف لکھا جانے کٹے ہوئے مشکوک حروف یا حروف والے حل شریک مقابلہ نہ ہوں گے ایک ہی شخص جس قدر حل چاہے سادہ کاغذ پر مع اقرار نامہ بھر کر بھیج سکتا ہے ایک شخص کو ایک وقت میں صرف ایک ہی انعام ملیگا جس کا وہ سب سے زیادہ مستحق ہوگا اگر ایک ہی انعام کے پانیوالے ایک سے زیادہ ہوں گے تو وہ سب پر برابر تقسیم کر دیا جائیگا ترمیم اندازی ہرگز نہ ہوگی غیر رجسٹری شدہ حلوں کی وصولی کی ذمہ داری نہیں لی جائیگی ایک حل کی فیس داخلہ ایک روپیہ اور ایک ہی نام سے تین حلوں کی فیس ڈھائی روپیہ ہوگی مختلف نام کے حضرات حل تو ایک لفافہ میں بھیج سکتے ہیں مگر فیس جداجدا آنی ضروری ہے ترسیل زر بنام منیجر ادبی معمہ ۵۲۱ جانسن روڈ قرول باغ دہلی بذریعہ پوسٹل آرڈر یا منی آرڈر آنی چاہئے منی آرڈر کی رسید حل کے ساتھ ملفوف ہونی لازمی ہے وصول شدہ رقم واپس نہ ہوگی اور نہ آئندہ حلوں میں محسوب کی جائیگی چھ پیسے کے ٹکٹ آنے پر معماد فتر سے بھی بھیجا جا سکتا ہے منیجر کو آخری تاریخ بڑھا دینے کا اختیار ہے صحیح حل سربمہر لفافہ میں منیجر ماہنامہ کے پاس محفوظ ہے متنازعہ امور کی سماعت کا اختیار صرف عدالتہائے دہلی کو ہوگا۔

اشارے سیدھے

(۱) اس کے بغیر کوئی معاملہ نہیں ہوتا (۴) اس پر بیٹھا جاتا ہے (۶) اجڑی ہوئی دہلی کا ایک خاص محلہ ہے (۷) جسم کی حفاظت کے لئے یہ بہت ضروری ہے (۸) جسمانی قوت و زور کو یہ کہتے ہیں (۹) ہر شخص کو فطرتاً اس سے ہمدردی ہوتی ہے (۱۰) یورپ کی یہ ایک قوم ہے (۱۱) اس کیلئے تو جان تک لڑا دی جاتی ہے (۱۳) حرام لتاہن اللہ اکبر کہنیوالوں کو یہ کہتے ہیں (۱۵) بتائیے کس جماعت کو سب سے افضل برتر اور قابل تقلید سمجھنا کس اعتبار سے ہے (۱۶) پرہیزگار ہونے کو یہ کہتے ہیں (۱۷) ایک وزن کا نام (۱۸) ایک علم کا نام

اشارے کھڑے

(۱) ہندوستان کے ایک صوبہ کا دارالخلافہ ہے (۲) ایک درخت کا نام ہے (۳) کم نصیبی کا ہم پلہ ہے (۵) فی زمانہ اس ہی کو دست غیب کہتے ہیں (۱۲) یہ نہیں تو کچھ نہیں (۱۴) بدن کا حصہ کہا جائے تو کیا مضائقہ ہے؟

آخری تاریخ جس کی آخری ڈاک تک تمام حل معہ فیس داخلہ وصول ہو جانے چاہئیں ۹ اپریل ۱۹۴۶ء ہے صحیح حل قرولباغ دہلی مورخہ ۱۱ اپریل ۱۹۴۶ء میں دیکھئے اگر آپ نے فیس داخلہ کے ہمراہ بھید معمائیں تو صحیح حل اور فہرست انعامات آپ کو براہ راست بھیجد ی جائیگی

	۵ ر	کت	■	۳ آ ش	و	۲ ا	۱ ک
■		ز	ر	۷ ے	■	ر	۶
ر	و		۹ م	■			۸ ک
■	ت	ا	۱۱	■		۱۰ د	■
۱۴ ک	■	د		ا	۱۳	■	۱۲
ا	■	ث	س	ا		۱۵	
ر	■	ن	۱۷	■	م		۱۶ ر
■	ا	ی	م	ی	۱۸	■	ت

تعداد حل ملفوفہ ....
حوالہ اخبار ....
پوسٹل آرڈر نمبر ....
رسید منی آرڈر نمبر ....
نام و پورا پتہ خوشخط ....

میں نے قواعد و ضوابط کو بغور پڑھ لیا ہے لہٰذا میں اقرار کرتا ہوں کہ منیجر معمہ ہذا کا فیصلہ میرے حق میں قطعی اور قانوناً قابل تسلیم ہوگا۔

دستخط ....

منیجر ادبی معمہ نمبر ۵۲۱ جانسن روڈ قرولباغ دہلی

It's a new singing and dancing Van Johnson and Esther Williams in "Easy to Wed," M-G-M's laugh musical in Technicolor, now showing on the Metro screen. In the scene above, they're doing a lilting Samba number, with Ethel Smith at the organ. Lucille Ball and Keenan Wynn also star in this lavish production

ویرا۔ دیسائی۔ رماشکل پوری اور ۔محسن کے ساتھ "آٹھ
دن میں" جو بڑی کامیابی کے ساتھ راکسی میں
دکھایا جا رہا ہے۔

سلوچنا چترجی فیمس پکچرس کے تازہ ترین فلم "میرا سہاگ" میں
جسکی نمایش عنقریب نیو ویسٹ اینڈ میں ہو گی

EDITED, PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS, BOMBAY 3.

قیمت دو آنہ

۱۲ صفحات

Secretary,
Darul-Mutala,
Jamia Millia,
Jamianagar,
Delhi.

افضل الاشغال خدمۃ الناس

سنڈے ایڈیشن

بمبئی

اجمل

THE AJMAL
SUNDAY EDITION

Regd. No. B 2491

ایڈیٹر
عثمان حسین خان

ESTD. 1928
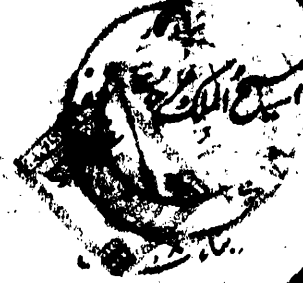
نمبر ۱۳ || بمبئی یکشنبہ ۳۰ مارچ ۱۹۴۷ عیسوی || جلد ۲۰

VOL. XX | BOMBAY. SUNDAY 30TH MARCH 9147 | NO. 13

نئے اور سابق وایسرائے

نئے وایسرائے لارڈ لوئی ماؤنٹبیٹن اور سابق وایسرائے لارڈ ویول ایک ساتھ کھڑے ہیں

بین الایشائی کانفرنس میں تبت کے
نمائندوں کی شرکت

بمبئی کی ٹراموے اور بس کی ہڑتال کی وجہ
سے غیر معمولی بھیڑ کا ایک منظر

بڑودے کے پرجا منڈل مسٹر جولی لال شاہ
کا استقبال

اس روز میں آفس ہاؤس کے پاس کھڑا موٹر بس کا انتظار کر رہا تھا۔ میں نے سُنا۔

"لینا ہے تو لے نہیں تو بھاگ جا"

"نہیں سرکار چار آنے دیجئے"

"ہم دو گنے سے ایک کوڑی بھی زیادہ نہیں دیگا"

"چار آنے سے کم نہیں ہوں گے سرکار، بہت دور جگہ ہے"

یہ معلوم کرنے کیلئے کہ آخر معاملہ کیا ہے۔ جدھر سے آواز آ رہی تھی میں ادھر ہو لیا۔ دیکھا ایک بڑے تن و توش والا شخص اپنی میم کے ساتھ رکشا کے نزدیک کھڑا تھا۔ بڑھا رکشا والا دست بستہ نہایت عاجزانہ طریقہ پر یہ کہتے ہوئے صاحب کی طرف آگے بڑھا

"صاحب دو آنے تو کم ہیں"

اس کے جواب میں صاحب نے اس کے سینہ پر ایک گھونسہ مارا۔ رکشے والے کے منہ سے ایک آہ نکلی اور وہ پاس ہی کیچڑ میں جا گرا رکشے کے پاس دو آنی ڈال کر صاحب اور میم چلدیئے۔

رکشے والے کو بڑی چوٹ آئی تھی۔ وہ کراہتا ہوا اٹھا۔ مجھے اس پر رحم آ گیا میں پاس جا کر دریافت کیا۔

"کیوں بھائی چوٹ زیادہ تو نہیں لگی؟"

وہ رکشے کی طرف بڑھتے ہوئے بولا "نہیں بابوجی!"

"کہاں سے آ رہے ہو؟"

"اسٹیشن سے"

"کرایہ کتنا ٹھہرایا تھا؟"

"ٹھہرا تو کچھ بھی نہیں تھا بابوجی میں نے سوچا بھلے آدمی ہیں چار آنے سے کیا کم دیں گے۔ یہاں آکر وہ صرف دو آنے دینے لگے میں چار آنے مانگتا تھا"

"تم دن بھر میں کتنا کما لیتے ہو؟"

"یہی دس پانچ آنے بابوجی"

"تمہارا گھر کہاں ہے؟"

"ہمارا گھر کہاں ہے بابو — دن بھر مزدوری کیا کرتے ہیں۔ رات کو کسی کے گھر کے چھجے کے نیچے یا سڑک کی پٹری پر سو جاتے ہیں"

"تم کہاں کے رہنے والے ہو؟"

"میرا مکان ندگام کے پاس ہے"

"پھر تم وہاں سے یہاں کیسے آ گئے؟"

(پیٹ پر ہاتھ مارتے ہوئے)

اُس پاپی پیٹ کے لئے بابو! ہمارا نصیب ہی پھوٹا ہے"

اتنا کہکر دفعتاً رکشا والا خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار صاف طور پر نمایاں ہو رہے تھے۔ ہاتھ سے اس نے پیشانی کا پسینہ پونچھا اور رکشا اٹھاتے ہوئے بولا:۔ "حضور آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"یہیں نزدیک کے پاس"

"میں ادھر ہی جا رہا ہوں آیئے پہنچا دوں"

"نہیں! ابھی میں ادھر نہیں جاؤں گا۔ ماؤنٹ روڈ پر تھوڑا کام ہے" یہ کہکر میں نے عنوان تبدیل کرتے ہوئے دریافت کیا:۔

"مکان پر تمہارے کون کون ہیں؟"

"میری ایک لڑکی اور اس کا ایک لڑکا ہے"

"اور تمہارا داماد کہاں رہتا ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

رکشا والا خاموشی سے زمین کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر آہ سرد بھر کر بولا:۔

"آپ یہ کیوں دریافت کر رہے ہیں؟" میں نے کہا۔

"یوں ہی، آخر تم۔ نکال چھوڑ کر

افکارِ عالیہ

از حضرت اختر نگینوی

ارمان و شوق و آرزوئے دل لئے ہوئے — ہم ساتھ اپنے رہتے ہیں محفل لئے ہوئے

اللہ رے منزلت کہ سر مکیدہ ہے آج — ابرِ سیاہ رحمتِ کامل لئے ہوئے

طوفان و موجِ بحرِ حوادث کا خوف کیا — دامن میں خود ہی دامنِ ساحل لئے ہوئے

لطفِ خلش ہو، دل میں یہ سینے کا ہے مزہ — کچھ نوک کی بھی ناوکِ قاتل لئے ہوئے

واصل ہو وہ رہروِ منزل بھی خوش نصیب — منزل گئی جسے سرِ منزل لئے ہوئے

اُٹھنے سے اُن کے بزم ہی سنسان ہو گئی — چلتے ہوئے وہ رونقِ محفل لئے ہوئے

اے ہمتِ بلند، بہت ہوں شکستہ دل — آسانیاں بھی کچھ دمِ مشکل لئے ہوئے

منزل کیواسطے رہِ منزل کی ہے تلاش — پھرتا ہی مجھکو جادۂ منزل لئے ہوئے

یوں دل نے تیرِ یار کو پوشیدہ کر لیا

جیسے ہے رازِ خاص کوئی دل لئے ہوئے

تعصب

از افادات حضرت علامہ جمال الدین افغانیؒ

تعصب ایک ایسا لفظ ہے جسے مختلف مجلسوں میں بڑی بے تکلفی سے استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک وہ شخص جو آسانی سے بات سمجھنے اور سمجھانے کی صلاحیت نہیں رکھتا اپنی غلط روی کے لئے مخاطب پر تعصب کا الزام لگا کر راستہ پیدا کر لیتا ہے۔ لوگوں [illegible] کے دل و دماغ پر فرنگی پردے پڑے ہوئے ہیں، جن کو حق و باطل، صداقت و کذب اور صحیح و غلط میں تمیز نہیں ہے۔ یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ دوسروں پر تعصب کا الزام لگا کر اپنی برتری کا رعب بٹھائیں۔ بار بار یہ کہا جاتا ہے کہ متعصب کامیاب نہیں ہو سکتا۔ متعصب [illegible] راہ میں [illegible] متعصب میں دنیا کی برائیاں پائی جاتی ہیں۔ غرض یہ کہ مشرقی ممالک میں تعصب کا لفظ تقریباً ہر گفتگو کی ابتدا اور انتہا ہوتی ہے اور [illegible] کے ذریعہ سے ہر معقول [illegible] بآسانی سے کر دی جاتی ہے۔ آپ دیکھیں گے سر کی ایک بناوٹی جنبش کے ساتھ ایک کور دماغ اور جاہل انسان دوسرے کو متعصب کہہ کر اپنی احمقانہ گفتگو کا پلہ بھاری کر لیتا ہے۔ اس نے زیادہ ترقی یافتہ شکل میں کسی شخص کو مذہبی مجنون کہا جاتا ہے۔ گویا یہ تعصب کا وہ آخری درجہ ہے۔ جہاں پہنچ کر ایک انسان دوسروں کی طرف سے تحقیر و اہانت اور طعن و تشنیع کا نشانہ بن جاتا ہے، حالانکہ جتنا زیادہ اس لفظ کو استعمال کیا جاتا ہے اسی قدر اس لفظ کے مفہوم سے بے اعتنائی برتی جاتی ہے جو نافہم دوسرے کو متعصب اور فرقہ پرست کہتے ہیں۔ ان کے دماغ ان الفاظ کے معنی سے بالکل خالی ہوتے ہیں یہ ان کی جرات اور تہور ہے

کہ باوجود اپنی انتہائی نارسائی عقل کے اس لفظ کو دنیا کی سربراہی کا سرچشمہ سمجھتے ہیں۔

تعصب لفظ عصبیت سے نکلا ہے اور عصبیت مصدر نسبتی ہے جو نسبت ہے عربی لفظ عصبہ کی طرف۔ عصبہ کے معنی ہیں مردوں کی وہ جماعت جو دشمنی اور عداوت کے خلاف اپنی حفاظت کرتی ہے۔ تعصب نفس انسانی کی ایک محمود اور قابل تعریف صفت ہے۔

یہی صفت ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے پراگندہ افراد کو ایک اجتماعی کڑی میں جوڑا ہے، یہی وہ صفت و جذبہ ہے جو کسی ملت کے افراد کو باہم پیوستہ رکھتا ہے۔ بلکہ یہی وہ صحیح ترین امتزاج ہے جو ایک نام کے ماتحت مختلف افراد کو جمع کر دیتا ہے۔ جس کی بنا پر حقوق کی حفاظت قومی عزت اور سربلندی کی ضمانت کی جاتی ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ ان متفرق افراد سے ایک جدید احتیاجی مخلوق پیدا کرتی ہے بالکل اس طرح جیسے انسانی بدن مختلف اجزاء عناصر سے مرکب ہوتا ہے اور ان سے ایک روح اپنے تدبر اور اختیار کے ماتحت کام لے کر ایک ایسا شخص بنا دیتی ہے۔ جو دوسرے افراد انسانی سے اپنے شیون و اطوار میں ممتاز ہوتا ہے اس طرح جذبہ عصبیت یعنی وحدت عصبی کسی امت میں امتیاز اور حصول عظمت کا باعث ہوتا ہے۔ اس سے امتوں میں مسابقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ بات کبھی نہیں بھولنی چاہئے کہ افراد کی طرح امتوں میں بھی جذبہ مسابقت حصول کمال کا ذریعہ ہے۔ یہ کمال بقدر طاقت تمام لوازم حیات میں پایا جاتا ہے تعصب ایک روح کلی ہے۔ جو کسی امت اور اس کی ہیئت ترکیبی میں بمنزلہ روح انسانی کے ہوتی ہے اور افراد کی روحیں اس روح اجتماعی کے حواس خمسہ ہوا کرتے ہیں اگر ان میں سے کسی کو صدمہ پہنچتا ہے تو روح اجتماعی طبیعت انسانی کی طرح جوش میں آکر اس کے دفع کی کوشش کرتی ہے۔ اس سے ایک حمیت عامہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس سے امت میں عظمت اور سربلندی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے یہی وہ جذبہ ہے جو کسی امت کے افراد میں برائیوں اور قومی خیانتوں سے بچنے کا خیال پیدا کرتا ہے۔ اس کے ذریعے افراد ایسی حرکتوں سے پرہیز کرتے ہیں جن کے نتائج امتوں کے لئے بدنامی اور بے عزتی کا باعث ہوں، کسی امت میں اگر اچھی اور پسندیدہ خصلتیں موجود ہیں اور روح اجتماعی زندہ ہے تو اس تعصب کا بدرجہ کمال موجود ہونا ضروری ہے۔ اس کے افراد باہم دیگر اس طرح

جگر بریلوی

جبتک انساں پاک طینت ہی نہیں
علم حکمت، علم و حکمت ہی نہیں

جس میں پہنائی و رفعت ہی نہیں
اور کچھ ہے وہ، محبت ہی نہیں

سینۂ آہن بھی تھا جس سے گداز
اب دلوں میں وہ حرارت ہی نہیں

اس زمانے میں دلائل کے سوا
ہر حقیقت اب حقیقت ہی نہیں

بھنچ کے رہ جائے وہ غنچہ ہی کہاں
گھٹ کے رہ جائے وہ نکہت ہی نہیں

حسن کو سمجھا ہے کیا اے بوالہوس
حسن معنی بھی ہے صورت ہی نہیں

صرف نقالی ہے مغرب کی جگر
شعر میں جب مشرقیت ہی نہیں!

پیوستہ رہیں گے جیسے ایک زندہ بدن کے تندرست اعضاء۔ بدن انسانی میں اگرچہ سر سب سے اونچا ہے لیکن کسی طرح پیروں سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اسی طرح پیر اگرچہ سب سے نیچے ہیں لیکن وہ اپنے کو کسی طرح کار آمد ہونے میں نیچے درجہ کا نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ مجموعی طور پر انسانی بدن کی حفاظت میں یہ دونوں اپنے اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

جب کسی امت کے افراد میں باہمی ربط وارتباط کمزور پڑجاتا ہے تو اس میں جذبۂ تعصب بھی کمزور ہو جاتا ہے۔ قوت متحدہ بھی کم ہو جاتی ہے اعصاب وعروق ڈھیلے پڑجاتے ہیں اور آہستہ آہستہ وہ امت تحلیل ہوتی ہوئی فنا کی طرف روانہ ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ایک بدن ان مدارج سے گذر کر فنا ہو جاتا ہے اسی درجہ کے بعد امت کی روح کلی بھی مرجاتی ہے۔ اور اس کی ہیئت ترکیبی بھی ٹوٹ جاتی ہے۔ اگر اس کے بعد بھی افراد زندہ نظر آتے ہیں تو تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ان کی حیثیت اجزاء پراگندہ اور بکھرے ہوئے دانوں سے زیادہ نہیں ہے۔ خداوند تعالیٰ اگر اس درجہ تک پہنچنے کے بعد بھی اس امت میں جدید حیات پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کے افراد میں جذبۂ تعصب پیدا ہو جاتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ یہ جذبہ اجتماعی شکل اختیار کر کے نشاۃ ثانیہ کا موجب ہوتا ہے۔ اس وقت افراد کی غفلت ختم ہو جاتی ہے اور ان میں ایک دوسرے کی مدد کا خیال باہمی ربط وروابط کا قیام اور اجتماعی حمیت وتعصب اجنبی اور غیروں کی دخل اندازی کو روکنے کے لئے پیدا ہو جاتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسرے اوصاف انسانی کی طرح تعصب بھی ایک وصف ہے افراط وتفریط دیگر تمام صفات کی طرح اس میں بھی ہو سکتی ہے اس صفت کے اعتدال کا مرتبہ وہ ہے جس کے فوائد کے سلسلہ میں بیان کیا جا چکا ہے اسی طرح اس میں تفریط یعنی نقص اور کمی سے امت کو جو نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ وہ بھی ہم کسی حد تک جان چکے ہو صرف ایک صورت باقی رہ جاتی ہے وہ یہ کہ اگر یہ جذبہ با افراط یعنی حد اعتدال سے زیادہ پایا جائے تو اس کے کیا نقصانات ہوں گے۔

جذبۂ تعصب کا حد اعتدال سے زیادہ ہونا ایک عیب ہے جو خلاف عدل جور وجفا پہ مائل کرتا ہے ایسا شخص ہر حق وناحق میں اپنے ہم مسلک کی حمایت کرتا ہے اسے اپنے سوا ہر شخص لاشے اور غیر انسانی حیثیت کا نظر آتا ہے۔ وہ کسی طرح اس کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ اپنے ہم قوم کے علاوہ دنیا کے کسی انسان کا کوئی حق یا کوئی عزت تسلیم کرلے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ایسا شخص حد اعتدال سے باہر ہو جاتا ہے۔ اور تعصب جیسے مفید جذبہ کے فوائد نقصانات کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ اس سے امت کے وقار اور اعتبار کو صدمہ پہنچتا ہے، اجتماع انسانی کے لئے عدل وانصاف ضروری ایک بنیادی صفت ہے اس کے ذریعہ امتوں میں قوت حیات رہتی ہے۔ ہر وہ قوت جو عدل وانصاف کے آگے سر نہ جھکائے یقیناً زوال وبربادی کے آگے سر جھکائے گی۔ تعصب کی افراط کا یہی وہ درجہ ہے جس کو رسول صلعم نے مذموم ومردود قرار دیا ہے ارشاد ہوتا ہے، لیس منا من دعا الی العصبیت الجاہلیتہ جس نے ایام جاہلیت کے لیے تعصب کا دعویٰ کیا وہ ہم (مسلمان) میں سے نہیں ہے لفظ تعصب اصل میں اس جذبہ کے لئے بولا جاتا ہے جو ایک خاندان کے افراد کو آپس میں مربوط رکھتا ہے۔ اس میں رابطہ مورث اعلیٰ کا ایک ہونا ہوتا ہے۔ اب عام طور سے گفتگو میں نسلی رابطہ کے علاوہ دین ومذہب کے رابطہ کو بھی تعصب کے نام سے تعبیر کرنے لگے ہیں۔ یورپ کے احمق شاگرد دو بھائیوں کی حمایت کو چھوڑ کر صرف دو ہم مذہبوں کی باہمی حمایت کو تعصب کے نام سے تعبیر کرنے اور اس کی مذمت کیا کرتے ہیں۔ ہم نہیں سمجھتے کہ ان کا یہ طریقہ عقل وخرد کے نزدیک صحیح قرار پا سکتا ہے۔ کوئی ایسا رابطہ جس کی بناء پر متفرق افراد ایک وحدت کی شکل اختیار کرلیں اور باہمی تعاون کے ساتھ کمالات حصول اور نقصانات کا دفعیہ کریں تو یقیناً یہ ایک محمود فعل ہوگا۔ چاہے یہ رابطہ نسب ہو یا دین کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ رابطہ دین مذموم قرار دیا جائے اور رابطہ نسب محمود جب سے بنی نوع انسان دنیا میں آباد ہیں ان دونوں قسم کے رابطوں نے بہت بڑے بڑے اجتماعی کام انجام دیئے ہیں جن پر آج بھی پوری دنیائے انسانیت فخر کر سکتی ہے۔ عقل یقیناً اسے قابل تعریف قرار دے گی کہ ایک بھائی اپنے دوسرے بھائی کی امداد کرے اور مصیبتوں میں اس کے کام آئے حوادث کے آگے سینہ سپر ہو جائے۔ اس سے زیادہ وسیع رابطہ کے ساتھ اگر یہی محمود افعال اور قابل تعریف تعاون رابطہ دین ومذہب کے ماتحت انجام پائیں تو انہیں مذموم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اصول عقائد میں اشتراک کی بناء پر اگر افراد انسانی میں جذبۂ تعصب پایا جاتا ہے تو بایں شرط کہ حد اعتدال سے تجاوز کر کے مخاطب کی بے حرمتی اور جور وجفا پر منتج نہ ہو، ایک محمود اور قابل تعریف جذبہ ہے۔ انسانی فضائل میں سب سے زیادہ اور سب سے زیادہ بہتر جذبۂ تعصب ہی ہے پھر اگر یہ جذبہ مقدس ترین اور بہترین رابطہ یعنی رابطۂ دین ومذہب کی بناء پر ہو تو یقیناً نور علیٰ نور کہا جائے گا۔ رابطۂ عقائد ومذہب کی استواری اور جذبۂ تعصب کے استحکام سے ایک بڑا فائدہ

ایک دلچسپ مکالمہ

(ایک ریل کے سفر میں سننے میں آیا)

بھگوانداین۔ جے ہند مولوی صاحب
مولوی صاحب۔ جے ہند شری مان جی، جے ہند
بھگوانداین۔ کہئے مولوی صاحب آپ تو
کہتے تھے کہ سوراج ملنے
پر حالت سدھر جائیگی اور دیس
کا بھلا ہوگا مگر یہ کیا ہو رہا ہے
ابھی ادھورا سوراج ہی تو
دیس میں ملا ہے ہائے ہائے مچ گئی
ہے جب پورن سوراج ہوگا
تو شاید بھارت ورش ہی کا
ناش ہو جائے گا
مولوی صاحب۔ توبہ کرو شری مان جی توبہ کرو۔
تم موجودہ خرابی کو آزادی کی
بدولت سمجھتے۔ یہ تمہاری غلطی ہے
بھگوانداین۔ تو پھر کیا سمجھا جائے۔ اس کے
پہلے تو یہ بات نہ تھی آج جدھر
دیکھو رشوت کی ترقی ہے چور بازار
کا زور ہے، فرقہ بندی کے جھگڑے
بڑھ رہے ہیں بھائی سے بھائی لڑ
رہا ہے اور تو اور خود کانگریس
میں پھوٹ ہے ایک دوسرے
کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں۔
مولوی صاحب۔ آپ جو کہتے ہیں وہ باتیں ضرور
ہیں۔ مگر اس کی وجہ یہ نہیں ہے
جو آپ سمجھے ہیں۔ میں مانتا ہوں
کہ دو سو برس کی غلامی کے بعد
جو آزادی کی جھلک نظر آنے
لگی ہے تو اس سے فائدہ اٹھانے
اور صحیح راہ عمل اختیار کرنے میں
دشواریاں پیش آ رہی ہیں اور
ہماری حالت اس پنچھی پکھیرو
کی سی ہو رہی ہے جو برسوں
تک پنجرے میں بند رہنے کے بعد
آزاد ہو کر اڑنا چاہے تو اڑا
نہیں جاتا۔
بھگوانداین۔ (بات کاٹ کر) یہ صحیح مگر یہ آپس
کی مار دھاڑ۔ اور یہ بازار کی
خرابی کیوں۔
مولوی صاحب۔ آپ پوری بات تو سن لیجئے
ساری خرابی کی وجہ ظاہر ہو جائے
گی اس وقت جو حالت پیدا
ہے اس کی کئی وجہیں ہیں۔
اور اس میں جس حد تک مہنگی
گرانی کے باعث دنیا میں جو
خرابی پیدا ہے اس کا بھی اثر ہے۔

ایک آواز۔ مولوی صاحب بات یہ ہے کہ
دنیا سرمایہ داروں کی بدولت
خرابی میں مبتلا ہے جب تک
مزدوروں کی حالت درست
نہ ہوگی اور روس کی طرح اس
دیس سے سرمایہ داری ختم نہ
ہوگی اسوقت تک یونہی
اندھیر مچا رہے گا۔
مولوی صاحب۔ بھائی بحث مباحثہ میں بات
بڑھتی ہے۔ اب ذرا میری بات
پوری طرح سن لیجئے۔ پھر آپ
خود ایک نتیجہ پر پہنچ جائیں گے
کئی آوازیں۔ نہیں۔ مولوی صاحب آپ
کہئے ہم لوگ سن رہے ہیں۔
لال باؤٹے تو یوں ہی بیچ میں
کود کر کام خراب کرتے ہیں۔
لال باؤٹے والا۔ بھائیو آپ جو کہتے ہیں اس
کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا مارکس
کا فلسفہ نہیں پڑھا ہے اس لئے
آپ کی سمجھ میں نہیں آتا کہ
دولت کی ناجائز تقسیم سے ملک
میں کتنی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔
ایک بڈھا لیڈر۔ بھائی روس میں جا کر مارکس
کا فلسفہ پڑھا گنگا دھر راؤ جی
صاحب کی کبھی تو سننے دیجئے
مولوی صاحب۔ دیکھئے انگریزوں کے ملک پر
ایک زمانہ میں رومیوں کا
قبضہ تھا اور جولیس قیصر نے
برطانیہ والوں کو اپنا غلام بنا
لیا تھا۔ کچھ دنوں بعد جب
رومیوں کے برے دن آئے تو
وہ برطانیہ کو چھوڑ کر اپنے دیس
میں چلے گئے۔ اور غلامی
سے نکلنے کے بعد برطانیہ والوں کو
کیسے اپنی آزادی کو بچانا
مشکل ہو گیا تھا۔ یہی صورت
آج ہمارے سامنے ہے۔

اور ہم اگر اسوقت اپنی حالت
کو سنبھال نہ سکے تو ہم بھی
برطانیہ والوں کی طرح پریشانی
میں مبتلا ہو جائیں گے اور آزادی
کو سنبھالنا مشکل ہو جائیگا
مجھے خوب یاد ہے کہ جس وقت
۱۹۱۷ء میں علی برادران کو
نینڈروں سے چھندواڑہ
بھیجا جا رہا ہے تو الہ آباد کے
اسٹیشن پر فریمنٹل کلکٹر الہ آباد
نے میرے سامنے مولانا محمد علی
سے جو باتیں ہوئیں وہ آج سامنے
آ رہی ہیں۔
فریمنٹل۔ مسٹر محمد علی تم کہتے ہو انگریز
چلے جائیں مگر آج ہم چلے جائیں
تو تمہارا کیا حشر ہوگا۔؟
مولانا محمد علی۔ حشر کیا ہوگا ہم چین کی زندگی
بسر کرینگے۔
فریمنٹل۔ خاک چین ملے گا آپس میں
لڑ کر تباہ ہو جاؤ گے۔
مولانا محمد علی۔ ہاں ہم میں سے جو خراب آدمی
ہیں لڑ کر ختم ہو جائیں گے جو
بچیں گے وہ چین کرینگے۔
لال باؤٹے والا۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ بچے گا کون
سب تو لڑ بھڑ کر ختم ہو جائیں
بھائی تم نے کبھی اوکھ کے رس
سے گڑ بنتے دیکھا ہے جس وقت
کڑاہ میں رس ڈالا جاتا ہے
اور چولہے میں آگ جلائی جاتی ہے اور
رس پکنے لگتا ہے تو ساری میل اوپر
کھا کھد اوپر آ جاتی ہے اور اچھا رس گڑ کی
شکل میں صاف ہو کر بننے لگتا ہے آج
بھی وہی حالت ہماری ہو رہی ہے۔ ہم
آزادی کے کڑاہ میں پڑ کر تاؤ کھا رہے ہیں
ہمیں غصہ میں جو ہلچل جاری ہے۔ اس
میل کے ساتھ اچھا گڑ بھی نکل جاتا ہے
مگر اب یہ گڑ پکانے والے کی عقل ہے

کہ اس وقت اچھے گڑ کو بچائے اور صرف
میل صاف کرے۔ لیکن جیسا کہ شری مان
بھگوانداین جی کا خیال ہے۔ آجکل جو خرابی
ہے خرابی ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ
اس قومی گڑ کے پکانے والے اپنے کام
سے غافل ہو رہے ہیں۔ ان کی غفلت کی تصویر
بھی خوب سمجھ لیجئے۔ دیکھئے یہ کام کانگریس
کے کارکنوں کا تھا کہ وہ آگے بڑھ کر کام
کو سنبھالتے اور ملک سے خرابی کو دور
کرتے۔ مگر ان کی قوت اور جوش الیکشن
کی ہار جیت میں ختم ہو چکا ہے۔ اور
کونسلوں کی بازی جیت کر وہ یہ سمجھ
بیٹھے ہیں کہ ہمارا کام ختم ہو گیا۔ اب نفع
بانٹنے کا وقت ہے۔ حالانکہ یہ ان کی غلطی
ہے اور کام کرنے کا وقت تھا۔ ایک موٹی
بات یوں سمجھ لیجئے۔ کہ آج دیس میں کپڑے
کے لئے ہائے ہائے مچی ہوئی ہے۔ ہر شخص
پریشان ہے۔ لیکن اگر کانگریس والوں کا ایمانداری
سے ملک میں چرخے اور کرگھے کو رواج دیا
ہوتا تو ملک میں یہ ہائے ہائے نہ مچی ہوتی
مگر انھیں تو اپنی تعریفوں سے ہی چھٹی نہیں
زبانی لفاظی بہت کچھ ہے کام کچھ بھی نہیں
آج خود کانگریسیں میں پھوٹ ہے کتنے
مہاسبھائی جنھیں کل تک کانگریس سے
دور کا لگاؤ نہیں تھا۔ کھدر پوش بن کر
گاندھی جی کے نام سے ملک میں فرقہ بندی
کے فساد اٹھا رہے ہیں۔ جو لوگ صحیح معنوں
میں کانگریسی ہیں۔ ان کو مہاسبھائیوں
کے مقابلہ میں اپنے اقتدار قائم رکھنے کی
فکر تو ہے مگر دیہاتوں میں نکل کر کام کرنے
سے وہ بھی بھاگتے ہیں کیونکہ دیہاتوں
کا سدھار ایک ٹیڑھا کام ہے۔ کانگریس
کی سوشلسٹ پارٹی سے امید تھی کہ وہ
دیہاتوں میں کچھ کام کرے گی مگر اس
کے نیتا لوگ ابھی اپنی ۱۹۴۲ء کی خفیہ
کارناموں میں ہی مگن ہیں، زبان سے سب
کہتے ہیں مگر دیہات سدھار کا نام نہیں لیتے
اور نہ کوئی ٹھوس کام کرتے۔ یہ ہمارے
لال باؤٹے والے بھائی یہاں پر اجلاس میں
بھی یہ لوگ کام ضرور کرتے ہیں مگر ہمارے
دوست سچی بات کہنے کو برا نہ مانیں گے
یہ دو طرح کی غلطی میں مبتلا ہیں۔ ایک تو
یہ کہ یہ بلا لحاظ اس کے کہ ہمارے دیس
کے لئے روسی تعلیم مناسب ہے یا نہیں اور
ملک کے لحاظ سے اس میں کسی تبدیلی کی

رحمٰن خاں

از
حقیقت رقم

کیفیت یہ تھی کہ اس سے بھی درایک بچہ کا قد گول منہ چپٹی ناک جو ملیریا کے جراثیم کو دعوت دے رہی تھی۔ بڑی بڑی بیل کی سی آنکھ گول داڑھی۔ دبلا پتلا جسم مگر پیٹ نکلا ہوا۔ جس میں تلی بڑھی ہوئی چہرے سے سنگ روغن اڑا ہوا اور جس سے پتہ چلتا تھا۔ کہ وقتاً فوقتاً ان پر ملیریا کا حملہ ہوتا رہتا ہے۔

یہ ہے ہمارے رحمٰن خاں کا اس وقت کا حلیہ جب کہ ان کی عمر اگ بھگ، چالیس کے قریب رہی ہوگی۔ یہی وہ وقت ہے جبکہ میں نے انہیں پہلی بار دیکھا تھا۔ یہ گورکھپور کے رہنے والے تھے۔ اور خدمت گار کی حیثیت سے اپنی روزی کماتے تھے۔ ان کی خصوصیت ایک یہ تھی اور یہ خصوصیت زیادہ نمایاں تھی کہ جس کے یہاں ملازمت کرتے سب سے پہلے یہ طے کر لیتے کہ کھانا کافی اور پیٹ بھر ملیگا۔

مگر یہ بھی عجیب بات ہے یا ان کی قسمت کی بدنصیبی کہ تمام عمر ان کا پیٹ کبھی نہ بھرا اور ہمیشہ وہ اس کے لیے آسمان جفا پیشہ کی شکایت ہی کرتے رہے۔ مشہور تو یہ ہے کہ ان کی شریک حیات بی بی اس وجہ سے انہیں چھوڑ کر دوسرے کی ہو رہی کہ رحمٰن اپنا پورا کھانا کھا جانے کے بعد بھی بے اس غریب کے کھانے کا بڑا حصہ اطمینان سے تناول کر جاتے۔ اور اس کی پرواہ بھی نہ کرتے کہ غریب بی بی کے کھانے کیلئے بھی کچھ بچ رہا یا نہیں۔ ان کی تمام عمر اس کی حسرت رہی کہ وہ کسی کامیاب طوائف کے یہاں ملازم ہو جاتے جس کی وجہ سے ایک بار انھوں نے خود یہ شانی کہ کامیاب طوائف کے یہاں جو لوگ آتے ہیں وہ شوقین ہوتے ہیں ملازموں کو بھیج کر حلوائی کی دوکان سے پوری مٹھائی منگاتے ہیں۔ جس میں نوکر کو حلوائی سے دستوری کے نام سے رقم الگ ملتی ہے۔ اور جو پوری مٹھائی آتی ہے اس میں نوکر کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ رحمان خاں کا نظریہ پہلی بی بی کے بھاگ جانے کے بعد یہ تھا کہ وہ ایسے گھرانے میں شادی کے متمنی ہیں جہاں انھیں پیٹ بھر گوشت۔ بھات مفت عمر بھر کھانے کو ملے۔

میں:۔ تو کیوں رحمان خاں اس طرح عمر بھر بی بی کی روٹیاں توڑا کروگے۔

رحمٰن خاں:۔ میاں خدا نہ کرے جو میں بی بی کا زر خرید بن کر رہوں۔ جب تک ہاتھ پیر چلتے ہیں آپ لوگوں کی خدمت گذاری کرتا رہونگا۔

میں:۔ تو سسرال سے ہر طرح کی [illegible]

رحمان خاں (منہ بنا کر) ہاں صاحب غریب کے لیے سو عیب ہوتے ہیں مگر امیروں کو کوئی نہیں دیکھتا۔ روپیہ ہوتے ہوئے روپیہ پر جان دیتے ہیں۔ بڑے بڑے بی۔اے۔ایم اے شادی کے لیے شرط لگاتے ہیں کہ لڑکی والے ولایت جانے کا انتظام کر دیں۔ ابھی پرسوں لالہ بیشری پرشام کی نواسی کی بات چیت تھی۔ کسی تعلقہ دار کا لڑکا تھا، پچاس ہزار تلک، پچیس ہزار خرچ راہ اور تیس ہزار زیور برتن کے نام سے مانگا جا رہا تھا۔ آخر بات طے نہیں ہوئی۔ پرسوں میاں جاکر بیٹی والوں سے لڑ رہے تھے کہ شادی کے دن لڑکا موٹر پر سسرال آئے گا۔ ایک رولس رائس نہیں تو شیورلٹ ہی خرید کر اسٹیشن بھیج دیجیے گا۔ میں تو روپیہ پیسہ نہیں مانگتا۔ بوسیرا دھ سیر تین پاؤ گوشت اور سوا سیر چاول میں تمام جھگڑا طے ہوتا ہے۔ کیوں میاں میں کچھ زیادہ کا گنہگار نہیں۔ اگر روپیہ مانگوں تو جو سزا چاہو کی وہ میری رحمان خاں آدمی بہت منطقی تھے اور اگر یہ پیٹ کے غمی نہ ہوتے اور کچھ پڑھے لکھے ہوتے تو شاید کسی تعلقہ دار کے مصاحب ہوتے۔

ایک دن بیٹھے بیٹھے کہنے لگے کہ میاں، دنیا بھی بڑی لالچی ہے۔ ہمارے شہر کے اگروالے کے یہاں بارات آنے والی تھی لڑکے والے کا اصرار تھا کہ میرا لڑکا سب قابل ہے، اسے ملک لینا پیشہ نہیں ہے مگر عزت اور وجاہت خاندانی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہاتھی۔ گھوڑا، بیل گاڑی، موٹر کار اور موٹر سائیکل سسرال سے ملے اور عمر بھر ان سواریوں کے اخراجات کی ذمہ داری لیں اب کہیں میرا سوا سیر چاول اور تین پاؤ گوشت تو آپ کو برا لگا۔ مگر ان امیروں اور پڑھے لکھوں کو نہیں کہتے جو شادی بیاہ کے نام سے بیٹی والوں کو لوٹ لینا چاہتے ہیں۔ ارے بابو غور سے دیکھیے تو اس حمام میں سب ننگے ہیں۔ یہ انگریزی راج ہے بلکہ وکٹوریہ کی حکومت ہے اب عورتوں کو مردوں کا پیٹ پالنا پڑے گا۔ دیکھیے تو کوئی کرینگی۔ دیکھیے مرزا صاحب کتنے بڑے کلے ٹھلے کے ڈپٹی ہیں اور اس پر ان کے پیشاب کا چراغ جلتا ہے۔ مگر ذرا بنگلہ پر دیکھیے بھیگی بلی بنے رہتے ہیں بیگم کے سامنے بولتے کیوں سسر کی بدولت ڈپٹی کلکٹری ملی تھی۔

میں۔ مگر رحمان خاں ملکہ وکٹوریہ کو مرے ہوئے تو بہت دن ہوگئے۔

رحمٰن خاں:۔ اس سے کیا ہوتا ہے راجہ صاحب تو ابھی پرسوں ایک بنگالی بابو کہہ رہے تھے کہ ملکہ وکٹوریہ کا فرمان ہے کہ ہندوستانی آزاد ہو جائیگے۔ . . . .

غرضکہ رحمان آدمی تھے دلچسپ اور باتیں بھی پتے کی کہتے تھے۔ ایک موقع پر ایک ملنے والے ہفتہ میں کئی کئی دن متواتر آتے اور عموماً ایسے وقت جبکہ گھر کی خادمہ باہر کسی کام کے لیے آتی۔ اور کسی نے تو خیال نہیں کیا مگر رحمٰن خاں تاڑ گئے۔ اور ایک روز ان کے سامنے نہایت مخلصانہ انداز سے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے سرکار خطا معاف ہو تو ایک عرض کروں۔

وہ:۔ کہو میاں رحمٰن خاں کیا بات ہے۔

رحمٰن خاں:۔ سرکار آجکل عورتیں مشکل سے کام کرنے والی ملتی ہیں۔ ذرا حضور نظر رہے۔ نہیں تو ہمیں تلاش میں دوڑنا پڑیگا۔ وہ بیچارے شرما کر چپکے سے چلتے ہوئے اور پھر نہ آئے۔

میں:۔ کیوں میاں رحمٰن خاں یہ کیا حرکت تھی۔

رحمٰن خاں:۔ میاں آپ نہیں جانتے یہ گھاگ کیوں ہیں ہے یہ جو صاحب آتے تھے تو کیا یہ آپ سے ملنے آتے تھے جی نہیں نہیں اس نوکرانی سے ملنے اور ان کا بھگانے کی فکر تھی۔ میں تو سرکار ورا ہوں اڑتی چڑیا پہچانتا ہوں۔ دیکھو میں خانصاحب کے یہاں نوکر تھا۔ انھیں یہ فکر تھی کہ بیٹے کی شادی کسی مالدار گھرانے میں کروں بہت سمجھایا کہ میاں شادی بیاہ لڑکی سے ہوتا ہے سونے چاندی سے نہیں سمجھ میں نہیں آتا۔ تو صاحبزادے پڑھے لکھے ایک نواب کے اصطبل داماد میں بھینس کی طرح بندھے بیٹھے ہیں۔

قصہ مختصر یہ ہے کہ رحمٰن خاں باتوں کے دھنی اور بہت دلچسپ تھے۔ ملازم کی حیثیت سے بھی برے نہ تھے۔ البتہ عیب ان میں تھا جس کے باعث وہ کہیں ٹکتے نہ تھے۔ اس کا تجربہ یوں ہوا کہ رمضان شریف کے روزے رکھے گئے تھے۔ اور اہتمام ماہ رمضان کے سلسلہ میں ایک نیچہ بنانے کو دیا گیا تھا۔ اس روز شام کو ایک روپیہ رحمٰن خاں کو دیا گیا کہ دوکان سے جا کر نیچہ لائیں رحمٰن گئے مگر ایسے گئے کہ پوری رات اور پورا دن گذر گیا۔ دوکاندار خود نیچہ دے کر دے گیا۔ مگر رحمٰن خاں نہ آج آتے ہیں نہ کل۔ رحمٰن خاں کی تلاش شروع ہوئی بمشکل ان کے ایک ملنے والے نے بتایا کہ صاحب آجکل دیوالی کے دن ہیں۔ رحمٰن خاں آپ کو ماسی گنج کے بازار میں ملیں گے۔ ہم لوگ دو آدمی ماسی گنج پہونچے۔ دیکھا کہ کوڑیوں کا جوا شروع ہے قریب ایک دوکان میں ہو رہا ہے اور رحمٰن بیٹھے ہوئے کوڑیاں پھینک رہے ہیں اور چہرے پر ان کے خون کی سرخی دوڑ رہی ہے۔ میں نے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ رحمٰن خاں چونکے اس وقت ان کی آنکھیں جوش سے ناچ رہی تھیں۔

میں:۔ رحمٰن خاں خیر تو ہے۔

رحمٰن خاں:۔ میاں ایک روپیہ ہو تو دیدیجیے۔ اگلی تنخواہ میں کاٹ لیجیے گا۔

میں:۔ روپیہ کیا کروگے۔

رحمٰن خاں:۔ بڑے معرکے کی بازی ہے آتھا لگاؤ لگا جس سے گئی ہوئی رقم لوٹ آئیگی۔

بمشکل جواریوں کے غول سے نکال کر باہر لایا۔ رحمٰن خاں ہار دل شکستہ مکان آئے اور یہ چلا کہ نیچہ والا روپیہ اور اپنی گرہ کے بھی چند روپیہ جوئے کی نذر کر چکے ہیں۔

مالک خانہ:۔ رحمٰن خاں معلوم ہوتا ہے کہ نوکری سے جی بھر گیا۔

رحمٰن خاں:۔ ارے بھائی ایسا نہ کیجیے ورنہ کہیں ٹھکانا نہ رہیگا۔ فاقہ کے باعث مرنا پڑیگا۔ [illegible] کہ اس کا [illegible]

مالک خانہ:۔ [illegible]
[illegible]

سلسلہ صفحہ

ضرورت ہے یا نہیں۔ سیر معاملہ میں روس کی حکومت اور روس کی تعلیم پر ان کی نظر رہتی ہے [illegible] دیہات [illegible] میں [illegible] کام [illegible] محض اس [illegible] سے کام [illegible] ہیں کہ کارخانوں کے مزدوروں کو اجرت کے اضافہ کا سبز باغ دکھا کر کارخانہ داروں [illegible] رہتے ہیں اور دیہات کے مزدوروں کو اضافہ اجرت کی چاٹ دلا کر زمینداروں سے لڑاتے ہیں۔ یعنی تخریبی کام رہے ہی اور محض سردکار ہے۔ تعمیری کام کچھ نہیں۔

لال بابو گھسے والا۔ (گرم ہو کر) اور حکومت و کانگریس اس کے ملازم کیا کرتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ میں آپ سے یہی بتانا چاہتا ہوں بیٹا تو میں بتا چکا ہوں کہ جو اصلی کانگریسی ہیں وہ تعمیری اور سماجی کام سے غافل ہیں اور نگرانی کا جو فرض ان کے ذمہ تھا اس کو انجام نہیں دیتے بلکہ خود اس نفع بازی میں شریک ہو گئے ہیں۔ مگر نہیں۔ ایک بات اور سمجھ لیجئے۔ یہ تو آپ کو معلوم ہے کہ ۱۹۴۲ء کے اندولن میں انگریزی حکومت اپنے اہلکاروں کو اس کا موقع دیدیا کہ وہ رعایا کو خوب لوٹیں چنانچہ رشوت اور لوٹ کی گرم بازاری [illegible] اور چند کہ چھوڑ کر ہر محکمہ اور ہر با اختیار ملازم نے غریبوں کو خوب لوٹا دہی بگڑی ہوئی عادت ابتک چل رہی اور کنٹرول اور سپلائی کی وجہ سے انہیں لوٹنے کا اور بھی موقع ملا۔ یہ لوگ وزراء کے دربار میں حاضر ہو کر خوب خوب خوشامدیں کرتے اور اپنی ملک دوستی کا اظہار کرتے ہیں مگر حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر چور بازاری میں شریک غالب ہوتے ہیں۔ کانگریسیوں کا فرض تھا کہ ان کے کام کی نگرانی رکھتے اور حکومت کو ان کے بداعمالی کی خبر دیتے مگر وہ خود ہی اسی برائی میں دانستہ یا نادانستہ مبتلا ہیں اور جس کے باعث ان عملوں کو اور بھی لوٹنے کا موقع ملتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ آجکل دنیا کی حالت خراب ہے مگر ہندوستان کی خرابی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جیسے پاس غلہ ہے وہ اگ [illegible] ہیں۔ سنئے ساہو کار اگ چور بازاری میں مبتلا ہیں حکام افسر الگ نفع بازی کی فکر میں ہیں۔ ایسی صورت میں

تاوقتیکہ ایمانداری کے ساتھ نگرانی نہ ہو کام خراب ہوتا جائے گا۔ اس کے ساتھ [illegible] اور مجالس قانون ساز بھی کچھ [illegible] ہیں اور وہ یہ کہ ابتک ان کی ساری کوشش شہریوں کی طرف تھی دیہات سے غافل ہیں جس سے دیہاتوں میں گرانی بڑھ رہی ہے مگر وزارت اس سے غافل نہیں ہے۔ اور پنچایت کا قانون بنا رہی ہے۔ اب اگر کانگریسی کارکنوں نے مستعد ہو کر اس پنچایتی حکومت کو عمدگی سے چلایا اور کافی نگرانی رکھی تو البتہ غریب ہندوستانیوں کے دن پھر جائینگے اور اگر اس میں بھی غفلت کی گئی اور کام میں ڈھیل ہوئی تو جو کچھ نہ ہو رہیں۔ اپنے فرض سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ فرقہ بندیوں کے جھگڑوں یا اجرت کی کمی بیشی کی لڑائیاں ہمارا علاج نہیں ہیں۔ لیجئے میرا اسٹیشن آ گیا۔ اگر ملاقات ہوئی تو پھر باتیں ہونگی۔ جے ہند۔ کئی آوازیں۔ جے ہند۔ جے ہند۔ وقت جلد ختم ہو گیا اور آپ کی باتیں بہت سی رہ گئیں۔

حکومت ہند کا محکمۂ نشر و اشاعت

حکومت ہند کے محکمۂ اطلاعات نے براڈکاسٹنگ نے ملک کی عام واقفیت اور غیر ممالک سے رابطہ اتحاد و مفاد تعلقات کیلئے جہاں اور کام شروع کئے ہیں انہیں انگریزی اردو اور ہندی میں اور ساتھ ہی ساتھ دوسری غیر ملکی زبانوں میں رسالے اور ماہنامے جاری کر دیئے۔ تاکہ عوام کی واقفیت میں اضافہ کے ساتھ ساتھ دنیا کی برادری میں بھی ہندوستانی روشناس ہو جائیں۔ ان رسالوں اور میگزینوں کی تفصیل دلچسپی سے خالی نہیں۔

(الف)

اندرون ملک کیلئے رسالے

(۱) آجکل:۔ یہ اردو پندرہ روزہ ہے اس میں ہندوستان کے مفاد کے ساتھ ساتھ قریبی ہمسایہ ممالک کے معاملات سے بھی ہندوستانیوں کو باخبر بنایا جاتا ہے۔

(۲) آجکل:۔ یہ ہندی ماہنامہ ہے اس میں بھی عام ملکی دلچسپی کی اطلاعات اور قریبی ممالک کے معاملات سے ہندی داں پبلک کو روشناس کیا جاتا ہے۔

(۳) نونہال:۔ یہ اردو زبان میں بچوں کا ماہانہ رسالہ ہے۔ اس رسالہ کے ذریعہ سے بچوں کو شہریت کی تعلیم دیجاتی ہے تاکہ وہ اپنے وطن کے قابل فخر سپوت بنیں۔

(۴) ہے ڈے:۔ (Hey day) انگریزی زبان میں برنونہال کا ہمعصر اور ماہانہ شائع ہوتا ہے انگریزی پڑھنے والے بچوں کے لئے مفید ہے۔

(۵) آن ورڈ (Onward) خواتین کے لئے یہ ایک انگریزی [illegible] ہے۔ اس [illegible] خواتین

میں وسعت نظر حب الوطنی اور قومی جذبات پیدا کرتی ہے۔

(۶) فورن ریویو Foreign Review یہ ایک انگریزی ماہنامہ ہے جس میں ہندوستانیوں کو غیر ممالک کے رسم و رواج تہذیبی معاشرت سے واقف بنایا جاتا ہے۔

(۷) دنیا:۔ رومن اردو ماہنامہ ہے اس سے وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جنہیں فوجی ملازمت کے دوران میں رومن زبان یعنی ہندوستانی خط میں انگریزی کی تعلیم ہوتی ہے۔

(۸) دنیا:۔ (اردو پشتو) یہ ماہنامہ اردو اور پشتو زبان میں شائع ہے

(۹) دنیا:۔ (ہندی گجراتی) ہندی اور گجراتی کے رابطہ کے لئے یہ ماہنامہ مفید ہے۔

(۱۰) دنیا:۔ انگریزی اور تامل میں یہ ماہنامہ مدراسیوں کے لئے مفید ہے۔

(۱۱) انڈین ٹریڈ بلیٹن:۔ یہ انگریزی زبان کا پندرہ روزہ ہے جس سے ہندوستانی تجارت کے متعلق بیش بہا معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

(ب)

غیر ملکی تعلقات کیلئے

(۱) شاہپورہ:۔ فارسی زبان کا رسالہ ہے۔ اس سے ایرانی زبان سے اور حالات سے ہندوستان نیز ہندوستان سے اہل ایران واقف ہوتے ہیں۔

(۲) النفیر:۔ عربی کا رسالہ [illegible] عرب سے تعلقات کے [illegible]

بقیہ ”غیر ملکی تعلقات کیلئے“

(۳) آہنگ:۔ فارسی انگریزی زبان کا سہ ماہی رسالہ ہے۔

(۴) العرب:۔ عربی زبان کا ماہانہ رسالہ ہے۔

(۵) نیو انڈیا:۔ انگریزی اور چینی زبان کا سہ ماہی رسالہ ہے۔

(۶) دنیا:۔ انگریزی روسی زبان کا دو زبانوں سے واقف بنانیوالا رسالہ ہے

(۷) دنیا:۔ انگریزی برمی دونوں زبانوں کا ماہانہ رسالہ ہے۔

(۸) دنیا:۔ انگریزی چینی دو زبانوں کا ماہنامہ ہے۔

(۹) پراسپکٹس:۔ یہ سہ ماہی میگزین امریکہ، یورپ اور دیگر ممالک کے ان باشندوں کے لئے کارآمد ہے جو ہندوستان کی رفتار ترقی سے واقف ہونا چاہتے ہیں۔

"رحمٰن خاں"

بسلسلہ صفحہ ۱۱

رحمٰن - وہ کون کون باتیں ہیں -

مالک خانہ - پہلی بات یہ ہے کہ تم جوا کھیلنے سے توبہ کرو۔

رحمٰن خاں - آپ سب بات بتا دیجئے تو میں ایک ساتھ جواب دوں -

مالک خانہ - دوسری بات یہ ہے کہ تمہاری عادت ہے کہ کسی کام کو دیکھیے خواہ کتنا ضروری کام ہو اور تم ہو کہ جہاں کہیں تم نے دیکھا اگر کسی مُردے کے فاتحہ کا کھانا غریبوں کو کھلاتے دیکھا۔ تم بھی جھٹ سے ان میں بیٹھ گئے یہ بات مجھے پسند نہیں

رحمٰن خاں - اور کیا شکایت ہے -

مالک خانہ - تیسری بات یہ ہے کہ شادی بیاہ کی کسی میں تم بلا پوچھے باجہ بجانے والوں کے ساتھ بارات میں باجہ بجانے چلے جاتے ہو جس سے سارا کام ابتر ہو جاتا ہے

رحمٰن خاں - سرکار آپ کہہ چکے - اب میرا جواب سن لیجئے -

دیکھیے میں مسلمان ہوں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، جوا کھیلنا حرام ہے میں اس پر لعنت بھیجتا ہوں، مگر صاحب دیوالی میں اگر کبھی کبھی دو ایک روپیہ کا داؤ لگا لیتا ہوں تو یہ جوا کھیلنا تھوڑا ہی ہے۔ جوا تو وہ ہے جو باقاعدہ داؤں لگاتے ہیں میں تو یونہی کسی نہ کسی داؤں پر دو ایک روپیہ رکھ دیتا ہوں۔ اس میں کیا کا نقصان ہی کیا ہے - رہا فاتحہ کا کھانا تو میرے صاحب اس میں اس کا نقصان نہیں مجھے پلاؤ گوشت پیٹ بھر کر کھانے کو مل جاتا ہے - کھانے وقت میں ایک رومال سے آدھا منہ چھپائے سر جھکائے رہتا ہوں کسے خبر کہ اس کا نوکر کھا رہا ہے - میں خود بھی بات نہ کہہ دیتا تو آپ کو پتہ بھی نہ چلتا - رہا باجہ بجانے کا معاملہ تو صاحب بارات میں پوری مٹھائی خوب ملتی ہے آپ نوکر رکھیں یا نہ رکھیں یہ کام مجھ سے چھوٹ نہیں سکتا -

غالباً یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس کے بعد رحمان خاں کی ملازمت باقی رہی یا نہیں اور یہ تو مجھے بھی نہیں معلوم کہ رحمان خاں پھر کیا ہوگئے -

صوبہ بہار کے دیہات سے سبق

صوبہ بہار جو اس وقت بربریت اور سفاکی کی بدترین شال پیش کر کے ... رہے ملک کے لئے بدنامی اور رسوائی کا ٹیکہ ثابت ہوا ہے اس سے یہ اطمینان بخش خبر بھی ملتی ہے کہ ضلع گیا میں شوکھ دیورا ایک چھوٹا سا دیہات ہے - یہاں سے یہ تحریک پیدا ہوئی ہے کہ دیہات والے اپنے انتظام کی فکر آپ کریں - چنانچہ اس موضع والوں کی دیکھا دیکھی گرد و پیش کے مواضع میں بھی دیہاتی جمہوریہ کی بنیاد رکھی گئی ہے - خود دیہاتی اپنے وزرا چنتے ہیں جو دیہات کا انتظام کرتے ہیں اور ان کے احکام کو بجا لانے کا کام نوجوان رضاکار انجام دیتے ہیں -

تقریباً پانچ ماہ ہوئے جب شوکھ دیورا دیہاتی جمہوریہ کا خیال پیدا ہوا عموماً اس موضع میں کاشتکار اور مزدور رہتے ہیں - ان دیہاتیوں نے اس کا انتظام کیا ہے کہ وہ حکومت کے دست نگر نہ رہیں بلکہ اپنی ضروریات کا آپ خیال کریں - گیا کی سوشلسٹ پارٹی نے البتہ انہیں مشورتی امداد دی ہے - چنانچہ خود دیہات والوں کی کوشش سے شوکھ دیورا گرام سرکار قائم ہوگئی - اور والنٹیروں کی چار رجمنٹ بھی بن گئی ہے - یہ والنٹیر گرام سرکار کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں - شوکھ دیورا تھانہ کوا کول کے علاقہ میں ہے چنانچہ اس علاقہ کے تقریباً پچاس دیہات اس جمہوریہ میں شریک ہوگئے ہیں اور ان کے ۵۰۰ رضاکار ہیں - شوکھ دیورا میں گرام سرکار کی عدالت ہے - جہاں دیہاتی مقدمات فیصل ہوتے ہیں اور اس کا اثر یہ ہے کہ سرکاری عدالتوں میں مقدمات نہیں جاتے - ان دیہاتوں میں گرام سرکار کے قیام سے جرائم بھی کم ہوگئے ہیں اور دیہات کے انتظام کے لئے وزرا مقرر ہیں اور مختلف وزیر کے متعلق مختلف کام رہتا ہے - مثلاً ایک وزیر مال ہے جو گرام سرکار کے مالیہ کا منتظم ہے - ایک وزیر تعلیم ہے جو دیہات کی تعلیم کا نگران ہے وزیر صحت گاؤں کی صفائی کا نگران ہے حفاظت کے لئے وزیر مدافعت ہے - ان سب نگرانوں کا رہ وزیر اعظم ہوتا ہے - گویا اس دیہاتی حلقہ پیدی کا بنیہ بن گئی ہے جو انتظام کرتی ہے - اور پانچ ماہ کی مختصر مدت میں ہی بہت سی اصلاحات ہوگئی ہیں یہ بھی طے ہوا تھا کہ ۱۲ دسمبر سے نوجوان دیہاتی والنٹیروں کی تربیت کے لئے کیمپ کھولے جاتا مگر صوبہ کے فسادات کے باعث اسے ملتوی کر دیا گیا - اب جون میں ہوگا - مگر گرام سرکار کے قیام سے زمیندار اور پولیس کو اس کا خطرہ ہے کہ ان کی قوت کمزور ہو رہی ہے - اور دیہات سے اثر اٹھتا جا رہا ہے - اور طرح طرح سے اس کے کاموں میں رکاوٹیں ڈالنے کا اندیشہ رہتا ہے - چونکہ اس گرام سرکار کے قیام میں سوشلسٹ جماعت کا ہاتھ ہے اس لئے اس کا فرض ہے کہ وہ ان دیہاتوں کو اس خوش اسلوبی سے چلائے کہ نہ تو فرقہ بندی کے جھگڑے اٹھیں اور نہ کسان اور زمیندار کے - کیونکہ اس دیہاتی جمہوریہ کو جتنی زیادہ قوت ملتی جائے گی اتنا ہی دیہات والوں کا فائدہ ہوگا اور پولیس اور زمیندار دونوں کے وار خالی جائیں گے ابھی گرام سرکار کا ابتدائی دور ہے اور یہی وقت احتیاط کا ہے تاکہ فرقہ ورانہ جوش اور جذبہ کی بدولت کام ابتر اور خراب نہ ہو - اس وقت صبر سکون اور ضبط کے ساتھ غیر متشدد طریقہ پر حالات کے سدھارنے اور گرام سرکار کے کام کو بڑھانے کی ضرورت ہے -

ملاپ

سلسلہ

لیکن وہ پھر خاموش ہو گیا۔
میں نے اس کے شانے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "کیوں بولتے کیوں نہیں؟"

"تب اس نے بڑی جھجک اور شرم کے ساتھ کہا۔ "بچپن میں میں جس اسکول میں پڑھتا تھا اسی اسکول میں ایک لڑکی بھی پڑھتی تھی۔ وہ حساب سیکھنے میرے پاس آیا کرتی۔ مجھے اس سے محبت ہو گئی۔ اس کے بعد میں شہر کے ہائی اسکول میں پڑھنے چلا گیا۔ جب کبھی میں اپنے گاؤں جاتا اس کے یہاں بھی جاتا۔ ہم دونوں کی محبت اور کشش بڑھتی گئی۔ آخر جو ہونا تھا وہ ہو کر ہی رہا۔ ہم دونوں گھبرا گئے۔ لیکن اب ہو ہی کیا سکتا تھا۔ میں اپنے خاندان کی بدنامی برداشت نہ کر سکا۔ اسی رات بلا کسی سے کچھ کہے سنے گاؤں چھوڑ کر مدراس چلا آیا۔

میرے سر پر بجلی گری۔ میں نے کہا لعنت ہے تم پر۔ تمہیں اپنی بدنامی کا خیال ہے اور اس معصوم لڑکی کی آئندہ زندگی کا خیال نہیں؟ شرم نہیں آتی تمہیں؟ چلے جاؤ اسی وقت میرے یہاں سے سمجھنا کہ دوست مر گیا۔

چودھری کچھ دیر حیراں کا تہاں کھڑا رہا بعد ازاں خاموشی سے باہر چلا گیا۔ قریب دو ماہ بعد وہ مجھے پھر ملا اور بولا۔ "مجھ سے غلطی ضرور ہوئی؟ میں اس کی تلاش میں گیا لیکن اس کا کوئی پتہ نہ چلا۔ اب میں کیا کروں؟"

میں نے جواب نہ دیا۔ وہ تھوڑی دیر چپ کھڑا رہا اور پھر چلا گیا۔

مدراس سے لوٹ کر اس نے ایک مور میں ایک دواخانہ کھولا۔ وہ ملنسار اور ہوشیار تو تھا ہی اس کی پریکٹس خوب چلنے لگی۔ پانچ سال کے اندر ہی ڈاکٹر چودھری کے نام سے مشہور ہو گیا۔

(۳)

گھر پر میں چائے پی رہا تھا کہ ڈاکٹر چودھری کی موٹر دروازہ پر آ کر رکی تھی اور پھر ہیٹ اور [illegible]

میرے کان میں پڑی۔ شیام میرے لڑکے کا نام تھا۔ وہ میرے ہی تھے! گود میں لئے ہوئے تو [illegible] چودھری میرے کمرے میں داخل ہوئے۔ میں نے کہا "آج ادھر کیسے بھول کر چلے آئے؟"

"ایسے ہی۔ مسز جانسن کی بیوی بیمار ہے اس کو دیکھنے آیا تھا۔ تم تو ادھر کبھی آتے ہی نہیں۔ اس وقت کوئی خاص کام نہ ہو تو کہیں چلا جائے؟"

ہم تینوں موٹر پر ہوا خوری کو نکل پڑے۔ موٹر میں چلا رہا تھا۔ اڈیار سے قریب آدھ میل آگے چل کر میں نے ایک تنگ گلی میں موٹر کا رخ کیا۔ ڈاکٹر چودھری نے تعجب سے پوچھا۔

"ارے ادھر کہاں؟"

میں نے کہا "ادھر شام بابو کا ایک دوست رہتا ہے اس سے ملنے چل رہے ہیں"۔

"شیام بابو کا دوست؟"

ڈاکٹر چودھری نے دریافت کیا اور پھر خاموش ہو گئے۔

کچھ دور جا کر میں نے موٹر روک دی اور اتر کر چودھری سے کہا۔

"تم یہاں ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں"

"لیکن تم جا کہاں رہے ہو؟" ڈاکٹر چودھری نے متحیر ہو کر سوال کیا۔ میں بلا جواب دیئے آگے بڑھا اور رکشا والا کٹیا کا مکان تلاش کرنے لگا۔ نزدیک ہی میونسپل نل پر گھڑا لئے ہوئے ایک عورت پانی بھر رہی تھی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کوڈ چودھری کا مکان کون سا ہے؟ وہ عورت شرما کر اپنے آنچل کو سنبھالتے ہوئے آنکھوں سے سامنے والے مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"یہی ہے"

ایک تعلیم یافتہ، صاف ستھرے کپڑے پہنے امیر آدمی کو اس محلہ میں آیا دیکھ کر وہ متحیر سی تھی۔ میرے دریافت کرنے کے طریقے نے اسے اور بھی تعجب میں ڈال دیا۔

اس عورت کے پاس ایک لڑکا تھا۔ میں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

"بچے تمہارے نانا کب آئیں گے؟"

لڑکے نے جواب دیا "رات میں"

"چلو ہمارے ساتھ چلو، ہم تمہیں مٹھائی دیں گے" کہتے ہوئے بچے کو میں نے گود میں اٹھا لیا اور موٹر کی طرف بڑھا۔

چودھری نے پوچھا: "یہ کس کا لڑکا گود میں لئے چلے آ رہے ہو؟ تم بھی عجیب آدمی ہو"

میں نے کہا "یہ کسی رکشا والے کا ہی ہو گا۔ یہ شیام کا دوست ہے"

میرے اس طرز عمل سے عورت دنگ رہ گئی۔ گھڑے کو ادھر ادھر ہی رکھ کر وہ گھبرائی ہوئی میرے پیچھے پیچھے دوڑتی آئی۔ چودھری اس کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ اس عورت نے پہلے تو اسے پہچانا نہیں کیونکہ وہ سوٹ بوٹ میں پورا صاحب بنا ہوا تھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ اسے پہچان کر پانی پانی ہو گئی۔ غصہ اور خوف سے اس کا جسم کانپ رہا تھا۔ پڑوس کی عورتیں یہ تماشا دیکھنے کے لئے جمع ہو گئی تھیں۔ چودھری کی نظریں دفعتاً زمین میں گڑ گئیں۔

میں نے اس بدنصیب عورت کو سمجھا دیا کہ ہم اسی نل کے شوالے میں بیٹھے ہیں تمہارے بابوجی آئیں تو ان سے کہنا تمہارے ایک دوست جو آلش ہاؤس کے پاس ملے تھے اپنے ایک دوست کے ساتھ تم سے ملنے آئے ہیں۔

رات کے قریب قریب نو بج گئے تھے۔ شیام اور اس کا دوست کھیل کود کر موٹر ہی میں سو گئے تھے۔ ڈاکٹر چودھری کے دماغ میں ایک ہیجان [illegible] تھی۔ دوڑتا ہوا ایک آدمی ہماری طرف [illegible] ذرا بھی دقت نہ ہوئی [illegible] چودھری تھا۔ ڈاکٹر چودھری اسے دیکھ کر دور کھڑا ہو گیا۔ کوٹیا نے اسے نہیں پہچانا۔ میں نے کہا۔ یہ میرے ایک دوست ہیں۔ یہاں بڑے ڈاکٹر ہیں۔ ڈاکٹر چودھری کا نام تو آپ نے سنا ہے نا؟"

کوٹیا "آپ کا نام بھلا کون نہیں جانتا۔ سینیٹوریم میں آپ ہی کا تو بنگلہ ہے نا وہاں تو کئی بار سواریاں لے جا چکا ہوں"

میں نے کہا "ہاں ہاں۔ وہی"

اسی وقت چودھری آگے بڑھا اور جھک کر کوٹیا کے قدموں کو چھوا۔ وہ ہکا بکا سا رہ گیا۔

میں نے کہا۔ "ان کو پہچانا نہیں؟"

گلی کے موڑ پر لگی ہوئی بتی کی دھندلی روشنی میں کوٹیا نے ڈاکٹر چودھری کو پہچانا اور اسے اپنی لڑکی کے بچپن کے ساتھی بن کٹیا کی یاد آ گئی۔ اس کا تعجب غصہ میں تبدیل ہو گیا۔ دانت پیس کر وہ تھرتھر کانپنے لگا۔ اس کو غش آ گیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ اسی رات کو کوٹیا۔ اس کی بیٹی ڈاکٹر چودھری اور شیام بابو کا دوست میرے مہمان تھے۔

قیمت دو آنہ

ایک کیمرہ جس سے ۱۸ ممالک کی تصویر کھینچی جائیگی

ہندوستان کے نیے وایسرائے لارڈ ماؤنٹبیٹن

لارڈ ماؤنٹبیٹن ہندوستان کے نیے وایسرائے اپنی بیگم اور دختر پیٹریشیا کے ساتھ

کلف اینڈرسن برٹش گھانا کا مشہور مکہ باز

سلوچنا چترجی فیمس پکچرس کے تازہ ترین فلم "میرا سہاگ" میں
جسکی نمایش عنقریب نیو ویسٹ اینڈ میں ہوگی

EDITED, PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS, BOMBAY 3.

نمبر ۱۶ ۱۱ بمبئی یکشنبہ ۴ مئی ۱۹۴۷ عیسوی ۱۱ جلد ۲۰

VOL. XX BOMBAY. SUNDAY 4TH MAY 1947 NO. 16

دستور ساز اسمبلی میں پنڈت نہرو

کل پیر کو دستور ساز اسمبلی کا اجلاس ہوا۔ پنڈت جواہر لال نہرو تقریر کرتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں

برطانیہ میں سیلاب کی تباہ کاریاں

دستور ساز اسمبلی کا ایک منظر

سلطان محمد تغلق کی پالیسی پر ایک نظر

(۳)

ہندوؤں کے ساتھ برتاؤ

ہندوؤں کے متعلق اس کا وہی رویہ تھا جسے بعد کو اکبر بادشاہ نے اختیار کیا اس نے ہندوؤں کو خوشحال دیکھ کر لوٹنے کی فکر نہ کی۔ برنی کو اس کی سخت شکایت ہے کہ تانبا سکہ کے رواج سے ہندو خوشحال ہو گئے۔ جنوبی ہند کی متعدد ریاستوں کو تو اس نے کمزور ضرور کیا لیکن راجپوتوں کے خلاف اس نے کوئی مہم سر نہیں بھیجی۔ برنی کو یہ بھی شکایت ہے کہ بجائے چتوڑ اور رنتھمبور کے اس نے دور دور کے ممالک کے فتوحات کے منصوبے باندھے اسکی پالیسی کی وہ لوگ تعریف کریں گے جو اکبر کی پالیسی کے حامی ہیں اس وقت کے حالات کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ابن بطوطہ اس امر پر طنز کرتا ہے کہ یہاں ایسے بھی لوگ ہیں جو اس زمانے میں ہندو کے قتل کو درست سمجھتے ہیں۔

مال غنیمت اور محاصل

سب سے پہلے علاؤالدین نے مال غنیمت میں تبدیلی کی ⅘ حصہ حکومت کا قرار دیا اور مابقی سپاہیوں میں تقسیم کیا اس پر بغاوت بھی ہوئی جسے اس نے سختی سے دبا دیا تغلق بادشاہ بھی اس پالیسی پر عامل رہے اور انھوں نے سپاہیوں کی تنخواہیں مقرر کر دیں جسے سیاستنامے میں چودھویں صدی کا کمال بتایا گیا ہے دور حاضرہ میں بادشاہ کی تنخواہ کا تعین سول لسٹ سے ہو جاتا ہے۔ قرون وسطیٰ میں یہ بات نہ تھی خود انگلستان میں اس پر شاہوں اور پارلیمنٹ میں جھگڑے رہے۔ شاہان دہلی اسے کب ماننے والے تھے اور علاؤالدین اور محمد تغلق تو اس سلسلے کے آخری شخص ہو سکتے

مذہبی پالیسی کی دوسری باتیں

رہیں مذہبی پالیسی کی دوسری باتیں مثلاً قضاۃ کا محدود اختیارات، فیصلہ، سادات کا احترام مسلمانوں کو موت سے آزادی، یہ وہ معاملات ہیں جن کے لئے محمد تغلق کہا جاتا ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عہد اکبری تک اسے عادل پکارا جاتا تھا۔ فیصلوں کے متعلق خود ذاتی معاملات میں تو وہ ان فیصلوں کو پوری طرح مانتا مگر اس نے یہ جدت کی کہ دوسروں کے مقدمات دیوانی کے لئے وہ خود بہ حیثیت حاکم اپیل ماتحت قضاۃ کے فیصلوں کی اپیل سنتا اور اس کی کوشش کرتا کہ قاضی جی کو دلائل سے معقول کرے اگر وہ اس پر بھی نہ مانتے تو خود ان فیصلوں کو مسترد کر دیتا ہے مظالم ان کی صورت یہ ہے کہ بارہ بغاوتیں ہوئیں جنھیں اس نے سختی سے فرو کیا جن میں سے سات کو خود سلطان نے فرو کیا ان میں سے ایک کا لیڈر مارا۔ ایک بھاگ نکلا اور پانچ معاف کئے گئے۔ باقی جن پانچ کو افسروں نے دبایا ان میں سے چار بلا اطلاع و اجازت سلطانی قتل ہوئے اور ایک کو بوجہ معقول بحکم سلطان قتل کیا گیا۔

ان کے علاوہ مورخین نے سلطانی بربریت کے واقعات بشد و مد بیان کئے ہیں ان میں سے ایک معاملہ میں سخت نرمی سے کام لیا گیا۔ دو محض اتفاقی واقعات تھے، دو کا سلطان سے کوئی تعلق نہیں ہے کم از کم آٹھ واقعات وہ ہیں جن میں قانون داں یا مذہبی پیشوا ماخوذ تھے اور ان پر غبن یا بغاوت کا الزام تھا۔ مگر بادشاہ نے ان کے سید یا شیخ ہونے کی پروا نہ کی اس سے یہ نہ سمجھنے کہ وہ ظالم تھا بلکہ انصاف میں بالکل بے لاگ اور غیر جانبدار تھا اس لئے وہ لوگ جو اب تک اپنے کو تمام سزاؤں سے بچوت سمجھتے تھے وہ بادشاہ کو خونیں اور ظالم بتانے لگے۔

ان کے علاوہ دو واقعات اور ایسے ہوئے جن سے معاصرین نے بادشاہ کیخلاف رائیں قائم کیں ایک تو سرحدی پالیسی کو بالکل بدل دیا۔ ایک صدی تک مغرب سے مغلوں کے حملے ہوتے رہے جس سے زرخیز پنجاب بالکل تباہ ہو گیا چنانچہ دہلی کے حکمرانوں کو محافظ سرحد مقرر کرنے کی ضرورت رہتی تھی اس لئے آخری حکمران سرحد کا افسر جب ان حملہ آوروں کا دوست ہو گیا تو تنگ نظر ہندوستانیوں کو سخت حیرت ہوئی خود منگول میں کئی ٹکڑے ہو گئے تھے اس لئے ان سے اپنے محافظت کے لئے بادشاہ نے ہمسایہ ممالک سے اتحاد پیدا کیا ان میں سے چغتائی قبیلہ اور ان کے حکمران طرمشرین نے اسلام قبول کر لیا تھا اس لئے معاہدہ میں کوئی شرعی ممانعت نہ تھی پھر اس سے فائدہ یہ ہوا کہ سرحد کی طرف سے کوئی حملہ نہیں ہوا دوسرا الزام برنی یہ لگاتا ہے کہ جو غیر ملکی مغرب سے آئے ان کی بہت خاطر کی گئی اسے یہ خیال نہیں آتا کہ یہ مظلوم مسلمان تھے جو جنگ سے

کیا ہوگا؟

از حضرت امن لکھنوی

یہ نظم کہن زیر و زبر ہو کے رہے گا
مانو کہ نہ مانو یہ مگر ہو کے رہے گا

چھایا ہوا ہے پچھلے پہر کا یہ اندھیرا
مشرق سے عیاں نور سحر ہو کے رہے گا

چمکے گی سوا سال میں جب ہند کی تقدیر
بدخواہ وطن خاک بسر ہو کے رہے گا

جو دانہ کہ دو قرن ہوئے بویا گیا تھا
صد شکر وہ امسال شجر ہو کے رہے گا

تعلیم سے ہو جائے گی اخلاق کی تصحیح
ہر فرقہ یہاں شیر و شکر ہو کے رہے گا

مایوس نہ ہو حامل پیغام محبت
پیغام محبت کا اثر ہو کے رہے گا

بس دور تداخل ہے یہ ہنگامہ یکسال
بعد اس کے وطن امن کا گھر ہو کے رہے گا

سلطان کی فیاضی

برنی کو سب سے زیادہ شکایت سلطان کی فیاضی کی ہے جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس فیاضی سے غیر ملکی ہی زیادہ مستفید ہوئے۔ ان میں سے کتنے ملازم تھے کتنے امیدوار ملازمت اور کتنے قابل افراد تھے۔ اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ سلطان کو انتظام حکومت میں ترقی اور اصلاح کا شوق تھا اور یہ ثابت ہے کہ ایران اور مغربی ایشیا میں اس زمانہ میں انتظام ہندوستان سے اچھا تھا۔ ان اجنبیوں کو ہندوستانیوں نے بہت ناپسند کیا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ جو منصب انہیں مل رہا ہے وہ ہندوستانیوں کا حق تھا (گویا موجودہ حیدرآباد کے ملکی اور غیر ملکی کا جھگڑا سمجھ لو) چنانچہ عین الملک کی بغاوت میں اسی جذبے کو دخل تھا۔

اسی طرح مذہبی پیشوا اور ہندوستانی عہدہ دار دونوں سلطان کے مخالف تھے اور اسی مخالفت کو فرو کرنے کے لئے اس نے خلفائے مصر کو خلیفہ تسلیم کیا — مگر سلطان کی یہ پالیسی کامیاب نہ رہی اور آخری عہد حکومت میں انہیں غیر ملکی عہدہ داران نے بغاوت کی۔ اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں مگر عین اس وقت جبکہ اس کی حکومت اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی دنیاوی زندگی سندھ کے ریگستان میں ختم ہو رہی تھی، مذہبی پیشوا یہ ثابت کر رہے تھے کہ اسے اتار کر اس کے چچیرے مگر کمزور بھائی کو تخت پر بٹھا دیں ایک طرح سے یہ اچھا ہی ہوا کیونکہ محمد تغلق کے بعد جوں جوں اس کے کارکردہ سمجھے ہوئے اہلکار ختم ہوتے گئے فیروز تغلق تیمور کے تباہ کن حملے کے باوجود مذہبی متوالوں کے اثر میں آتا گیا۔

برنی اور سلطان

اب دو باتیں رہ جاتی جن کا مختصر اعادہ ضروری ہے یعنی برنی اور سلطان، برنی نے اپنے آقا کو بدنام کرنے کا کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا وہ اپنی رائے میں نیک نیت ہے۔

برنی ۲۰ سال ملازم شاہی تھا اور اخیر عہد میں سلطان کا مشیر بھی تھا مگر فیروز شاہی انقلاب میں یہ اپنی جگہ سے ہٹا دیا گیا اور پانچ سال بہت تنگی سے بسر ہوئی جس وقت یہ تاریخ لکھنے بیٹھا ہے تو اپنے آقا کے محاسن اور کمالات ظاہر کئے بغیر نہ رہا اور ابتدائی اصلاحات کی تعریف بھی کی مگر ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی طرح اس نے موجودہ خرابیوں کو پچھلے عہد کی لامذہبی کا نتیجہ سمجھ لیا۔ ساتھ ہی اسے ممالک غیر سے ذرا بھی واقفیت نہ تھی اس کی یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ سلطان کیوں معاملات میں لوگوں کی رائے نہ مانتا تھا اسی لئے اس کی تحریر میں ناواقفیت اور تعصب کی جھلک نمایاں ہے البتہ اس کی قابلیت میں شبہ نہ تھا خود فیروز شاہ نے اس کی وفات پر کہا کہ کاشکہ مجھے کوئی ایسا مورخ مل جاتا۔

رہا سلطان کا کیریکٹر تو اس کے متعلق تیرہویں صدی کا مصنف اسے "عادل" کے لقب سے پکارتا ہے مگر کیا ہم اسے مان لیں کہ وہ ہوشیار تو تھا مگر ناکام رہا ایسا سمجھنا انصاف کے خلاف ہوگا۔ دوآبہ کے اضافہ مال گزاری کے بعد قحط۔ تام نہاد سکہ کی ناکامی۔ خراسان کی فتح کے سلسلہ میں اتحادیوں کی علحدگی کے باعث اسکیم کا ناتمام رہنا۔ پھر ابتدائی بیس سال میں پانچ سال کا سخت قحط یہ ایسی باتیں تھیں جن سے حکومت کو ابتر ہو جانا چاہیے تھا۔ مگر اس کے لئے اسے کوئی ذمہ دار قرار نہیں دے سکتا۔ گو بنگال اور دکن حکومت سے نکل گئے مگر بنگال پہلے بھی پوری طرح مطیع نہ تھا اور دہلی والے اسے ناپسند ہی کرتے تھے۔ رہا دکن تو اسے فتح کرنے کا عزم تھا مگر موت نے اسے ختم کر دیا لیکن کاٹھیاوار جو اس وقت غیر ملکی تجارت کا مرکز تھا اس کے ہاتھوں میں مضبوطی سے رہا۔ رہا ہندوؤں کے ساتھ آزادانہ پالیسی تو اس پر کوئی کچھ کہے مگر سلطان کو مطعون نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ہمیں بلا لحاظ اس کے کہ موجودہ مورخ کیا کہتے ہیں اور ان پر کیا اثر ہے ہمیں سلطان کی خوبیوں کو نظرانداز نہ کرنا چاہیے۔ وہ نہ تو پاگل تھا اور نہ وہمی بلکہ واقعات اور اس کے کارنامے اس کا اطلاق کرتے ہیں بات یہ تھی کہ وہ اپنے زمانہ سے زیادہ قابل دوراندیش اور واقف کار تھا اس کی آزادخیالی، اس کی اصلاحات اور طریقہ کار مروجہ طریقوں سے مختلف تھے اس لئے مخالفین اور نکتہ چینوں کا ایک غول اس کے خلاف پیدا ہو گیا اور طرح طرح سے اسے بدنام کرنا شروع کر دیا۔ مگر کیا اس لئے کہ اس کی اصلاحات ناکام رہیں اس کے افسران نالائق تھے منصب کو عمدگی سے انجام دے سکتے ہم اسے مجنوں اور خبطی ہی کہیں گے۔

محمد تغلق ٹھٹھہ کی دیواروں کے نیچے فوت ہوا ایسے بہادر اور جری کے متعلق دنیا کا فتویٰ یہی ہوگا کہ ؎

جو مرد ہو تو جیے اس طرح زمانے میں
کہ مر بھی جائے تو موت اس کی زندگانی ہو

موت نے جب اس عادل بہادر کو خاک گور میں چھپا دیا تو ایسے لوگ اس کے وقائع لکھنے بیٹھے جو اس کی ہر اسکیم کے مخالف اور نکتہ چیں تھے اور انہیں ہر بات میں عیب بینی ہی کی تلاش تھی انھوں نے اس کے اوصاف کو نظرانداز کیا یا کم کر کے دکھایا اس کی فتوحات کو اجاگر نہیں کیا مگر حق پوشیدہ نہیں رہ سکتا اور ان متعصب اور مخالف مورخوں کی تحریروں کے باوجود نمایاں ہو کر رہے گا۔ مگر بدگو اور عیب بین کی زبان کون روک سکتا ہے۔

اس قابل مہذب اور خوش اخلاق اور منتظم بادشاہ کو جس نے کمزوری کی حمایت کی مظلوموں کے ساتھ انصاف کیا۔ تاریخ اسے خواہ خونیں قرار دے یا مجنوں مگر ایک جملہ جو ابن بطوطہ نے اس کی شان میں لکھا ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے

ابن بطوطہ وہ شخص ہے جس نے قرطبہ سے پیکن تک کی حکومتیں دیکھیں کریمیا سے موباسہ تک گیا اس نے باوجود تمام نکتہ چینیوں کے محمد تغلق کے متعلق یہ لکھا کہ "تمام انسانوں میں محمد تغلق سب سے زیادہ حلیم اور سب سے زیادہ انصاف کا شیدائی ہے"

(مسٹر براؤن اب دنیا میں نہیں ہیں مگر جو تحقیقات وہ محمد تغلق کے متعلق کر گئے ہیں ہمیں امید ہے کہ موجودہ آنے والے دور آزادی کی ہندوستانی نسلیں اس کی قدر کریں گی اور اس سے فائدہ اٹھائیں گی۔ اور اسے تسلیم کریں گی اور انگریزوں میں بھی ایسے صحیح دل و دماغ والے ہوئے ہیں جو بقول اکبر دنیا کو یہی بتاتے تھے کہ ؎

بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانے سے

مترجم)

(ختم شد)

عقل بڑی یا پیسہ

ایک دلچسپ کہانی

(بچوں کے لئے)

کسی ملک میں ایک راجہ راج کرتا تھا اس کے لئے پیسہ ہی سب کچھ تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ پیسے ہی کے بل پر دنیا کے سب کام کاج چلتے ہیں میرے پاس بے انتہا دولت ہے اس لئے میں اتنے بڑے ملک پر حکومت کرتا ہوں اور لوگ میرے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے ہیں میں چاہوں تو بھی روپوں کی سڑک بنوا دوں۔ آسمان کو چھونے والے پہاڑوں کو کھدوا کر پھینک دوں پیسے کے برتے پر میرے پاس یہ جو فوج ہے اس سے کسی بھی حکمران کو ایک دن میں کچل سکتا ہوں چنانچہ وہ سب سے یہی کہتا کہ مذہب مسرت، عورت، بھائی بہن اور دولت سب کچھ پیسہ ہی ہے " مرتے دم تک وہ راجہ پیسے کے نشے میں چور تھا لیکن اس کی رانی بڑی عقلمند تھی، وہ پیسے کو حقیر اور عقل کو برتر سمجھتی تھی اس کا بیان تھا کہ دنیا پیسے سے زیادہ عقل کے سہارے چلتی ہے لیکن راجہ کے سامنے وہ کبھی کچھ نہ کہتی تھی۔

ایک روز راجہ نے پوچھا: رانی سچ سچ بتاؤ دنیا میں عقل بڑی ہے یا پیسہ ؟ رانی عجیب کشمکش میں پڑی۔ راجہ کے دل میں پیسے کی جو وقعت تھی اس سے وہ بخوبی واقف تھی پھر بھی اس نے کہا۔ مہاراج اگر سچ سچ پوچھتے ہیں تو میں عقل کو بڑی سمجھتی ہوں عقل ہی سے پیسہ آتا ہے اور عقل سے سارے کام کاج ہوتے ہیں عقل نہ ہو تو خزانے سب یوں ہی لٹ جاتے ہیں۔ اور راج پاٹ چوپٹ ہو جاتے ہیں۔

پیسے کی اس طرح برائی سن کر راجہ کو بہت غصہ آیا وہ بولا۔ رانی تمہیں عقل پر بڑا گھمنڈ ہے دیکھوں گا کہ اس کے سہارے تم کیسے اپنا کام چلاتی ہو ؟"

اگلے روز راجہ نے رانی کو شہر سے باہر ایک مکان میں رہنے کو بھیج دیا۔ خرچ کے لئے اسے کوڑی بھی نہ دی اور اس کے جسم پر جو زیور تھے وہ بھی سب اتروا لئے ... حال ... کے لئے ایک نوکر اس کے ساتھ کر دیا

رانی معاملہ سمجھ گئی اس نے دل ہی دل میں کہا۔ میں بھی ایک دن راجہ کو دکھا کر ہی رہوں گی کہ دنیا میں عقل بھی کوئی چیز ہے پیسہ ہی سب کچھ نہیں۔

نئے مکان میں پہونچ کر رانی نے کمہار کے آدمے سے دو اینٹیں منگوائیں اور انہیں سفید کپڑے میں اچھی طرح لپیٹ کر اوپر سے اپنے نام کی مہر لگا کر نوکر سے کہا کہ اسے تم سیٹھ کے پاس لے جاؤ کہنا رانی نے یہ رہن رکھ کر دس ہزار روپے مانگے ہیں کچھ دنوں میں تمہارا روپیہ مع سود واپس دے دیں گی اور اپنی امانت واپس لینگی۔

نوکر سیٹھ کے یہاں پہونچا رانی کے نام کی مہر دیکھ کر سیٹھ نے سمجھا کہ ضرور اس میں کچھ جواہرات ہوں گے اس نے دس ہزار روپیہ خاموشی سے نوکر کو دیدئے روپے لے کر نوکر رانی کے پاس پہونچا۔ ان روپوں سے رانی نے تجارت شروع کر دی رانی عقلمند تو تھی ہی بیٹھی بیٹھی ترکیبیں بتلاتی اور نوکر اسی طرح کام کرتا

تھوڑے ہی دنوں میں رانی نے تجارت سے اتنا پیسہ پیدا کر لیا کہ سیٹھ کا روپیہ ادا ہو گیا اور پھر بھی اس کے پاس کافی روپیہ بچ رہا۔ اس روپے کو اس نے غریبوں کی بھلائی میں خرچ کرنا شروع کر دیا۔ غریبوں کے بچوں کے لئے ایک اسکول، علاج کے لئے ایک دواخانہ اور یتیموں کے لئے یتیم خانہ کھلوا دیا۔ شہر کے باہر رانی کے اس مکان کے ارد گرد بڑی رونق رہنے لگی۔

ادھر رانی کے چلے جانے پر راجہ اکیلا رہ گیا رانی تھی تو وہ اس کے کاموں کو سنبھالے رہتی تھی۔ حکومت کے کاموں میں وہ معقول رائے دیتی تھی۔ چالبازوں سے راجہ کو بچاتی تھی لیکن جب وہ چلی گئی تو لوگوں کی بن آئی مکار اور چالباز لوگ راجہ کو لوٹنے لگے۔ راج کے کاموں میں بڑی بڑی غلطیاں ہونے لگیں اور آمدنی گھٹ گئی کچھ ہی دنوں میں خزانہ خالی ہو گیا اور یہاں تک نوبت آئی کہ نوکروں کی تنخواہ دینا بھی مشکل ہو گیا۔

حکومت کی یہ حالت دیکھ کر راجہ گھبرا اٹھا۔ جو کچھ دولت بچی تھی اسے ساتھ لے کر اور حکومت وزیروں کے سپرد کر کے وہ تیرتھ جانے کے بہانے شہر چھوڑ کر چل دیا۔

شہر کے باہر ہی اسے ٹھگ ملے ان میں سے ایک کانا ٹھگ راجہ کے پاس آ کر بولا۔ مہاراج میری ایک آنکھ آپ کے یہاں دو ہزار روپے میں گروی رکھی ہے یہ لیجئے اپنے روپے اور میری آنکھ مجھکو دیجئے"

راجہ گھبرایا۔ بولا۔ کہاں بھائی میرے پاس تو کسی کی آنکھ نہیں ہے تم شہر میں چلے جاؤ اور وزیروں سے پتہ لگاؤ۔

مگر وہ ٹھگ کب ماننے والا تھا بولا:۔ مہاراج وزیروں کو میں کیا جانوں۔ میرا سودا آپ سے ہوا تھا اور آپ ذمہ دار ہیں میں ابھی آپ کو یاد دلاتا ہوں۔ آپ کو یہ ضرور یاد ہوگا کہ گروی رکھی ہوئی آنکھ بگڑ گئی یا کھو گئی تو آپ کو اپنی آنکھ دینی پڑے گی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے میری آنکھ کھو دی ہے اب آپ اپنی آنکھ دیجئے گا۔

راجہ یہ جواب سن کر بہت پریشان ہوا اور کسی طرح چار ہزار روپے دے کر اس سے اپنی جان بچائی۔ ابھی وہ مشکل سے چار قدم

ننھے میاں کا گیت

(از جناب محمد اسد جاوید ہوشیار پوری)

چمکو ننھے ننھے تارو
چمکو راہگیروں کے پیارو
حیراں ہوں میں کیا شے ہو تم
میرے گھر کے اوپر چمکو
جب سورج چھپ جائے نکلو
چندا ماموں جب چھپ جائے
دھرتی روشن کرنے والو
چمکو چمکو پیارے تارو!
رات اندھیاری روشن کر دو

چمکو میرے راج دلارو
چمکو میری آنکھ کے تارو
ہیرے ہو یا تم موتی ہو
ننھے گھر کو روشن کر دو
جب اندھیارا ہو تم چمکو
دھرتی کو تب روشن کر دو
دور اندھیرا کرنے والو

آ رہے ہوں گے کہ ایک بوڑھا آدمی سامنے آیا اور بولا: "مہاراج میرا ایک کان آپ نے اپنے یہاں گروی رکھا ہے اپنا روپیہ مع سود لے کر میرا کان دے دیجئے۔"

راجہ نے اسے بھی منہ مانگا پیسہ دیا اور آگے بڑھا۔ اس طرح کئی ٹھگ باری باری سے راجہ کے سامنے آئے اور جو کچھ روپیہ پیسہ تھا سب چھین کر لے گئے۔ خالی ہاتھوں راجہ کماری چوبولیکا کے ملک میں داخل ہوئے۔

کماری چوبولیکا اس ملک کے راجہ کی لڑکی تھی اس نے عہد کیا تھا کہ جو کوئی اسے جوئے میں ہرا دے گا اسی کے ساتھ وہ شادی کرے گی اور بہت سا مال بھی دے گی راج کماری بہت حسین تھی دور دور سے بڑے بڑے راجکمار اور لوگ جوا کھیلنے آتے اور ہار کر جیل کی ہوا کھاتے بیسیوں راجکمار جیل میں پڑے تھے۔

مصیبت کے مارے یہ راجہ صاحب بھی اس ملک میں آ پہونچے۔ چوبولیکا کی خوبصورتی کا شہرہ جب انھوں نے سنا تو اس کے ساتھ شادی کی خواہش ان کے دل میں بھی پیدا ہوئی۔ راجکماری نے اپنے محل سے کچھ فاصلہ پر ایک بنگلہ بنوا دیا تھا شادی کی خواہش سے جو آنے والے لوگ اسی میں ٹھہرتے تھے راجہ بھی اس بنگلہ میں پہونچا، پہرے داروں نے فوراً اس کی اطلاع راجکماری کو دی۔

تھوڑی دیر بعد ایک طوطا اڑ کر آیا اور راجہ کے ہاتھ پر بیٹھ گیا۔ اس کے گلے میں ایک خط بندھا ہوا تھا جس میں شادی کی شرطیں لکھی تھیں اور آخر میں یہ لکھا تھا کہ اگر یہ شرط پوری نہ ہو سکی تو تمہیں جیل کی ہوا کھانی پڑے گی راجہ نے اس خط کو پڑھ کر جیب میں رکھ لیا اس نے شرط منظور کر لی۔

تھوڑی دیر میں اسے راجکماری کے محل میں بلا لیا گیا بازی شروع ہوئی اور آخر میں راجہ ہار گیا شرط کے مطابق اسے بھی دوسرے راجکماروں کی طرح جیل جانا پڑا۔

راجہ کی حالت خراب ہونے اور اس کے شہر چھوڑ کر چلے جانے کی خبر جب رانی کو ملی تو اسے بہت افسوس ہوا اس کا پتہ لگانے کے لئے وہ گھر سے چل پڑی کچھ آگے جانے پر اسے وہ پرانے ٹھگ ملے جنھوں نے راجہ کو لوٹا تھا سب سے پہلے کانا ٹھگ رانی کے پاس آیا اور اپنی آنکھ واپس مانگی۔

رانی نے کہا۔ "آنکھیں میرے پاس بہت سے لوگوں کی گروی رکھی ہیں تمہاری بھی انہیں میں ہوں گی اس لئے تم اپنی دوسری آنکھ نکال کر دو۔ اس کے وزن کی جو آنکھ ہوگی وہی تمہیں دی جائے گی۔"

ٹھگ بہت پریشان ہوا۔ رانی نے کہا "دیر نہ کرو فوراً آنکھ نکالو ورنہ اپنے نوکر سے کہہ کر زبردستی نکلواؤں گی کسی کی گروی چیز میں اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتی۔"

ٹھگ کی یہ حالت ہو گئی کہ کاٹو تو لہو نہیں۔ بڑی مشکل سے اس نے رانی کو چار ہزار روپے دے کر اپنی دوسری آنکھ بچائی یہی حال بوچے کا بھی ہوا جب اس نے دیکھا کہ رانی کا نوکر بڑھ کر اس کا دوسرا کان کاٹنا چاہتا ہے تو اس نے بھی رانی کو چار ہزار روپے دئے اور اپنی جان بچا گا۔

ٹھگوں سے فرصت پا کر رانی آگے بڑھی راجہ کا پتہ لگاتے لگاتے آخر کار وہ بھی کماری چوبولیکا کے ملک میں پہونچی یہاں آ کر معلوم ہوا کہ راجہ جیل میں ہے تو اسے بہت افسوس ہوا اور وہ اسے قید سے چھڑانے کی تدبیر سوچنے لگی اس نے پتہ لگایا کہ چوبولیکا کس طرح جوا کھیلتی ہے اور سب حال معلوم کر کے مردوں کا سا بھیس بنا کر وہ بنگلہ پر پہونچی پہرے والوں نے راجکماری کو فوراً اطلاع دی۔ تھوڑی دیر میں ایک طوطا اڑ کر آیا رانی نے چٹھی کھول لی دو تین گھنٹے کے بعد اسے محل میں لے جایا گیا۔

کماری چوبولیکا کی طبیعت نہ معلوم کیوں گرنے لگی وہ محسوس کرنے لگی کہ وہ راجکمار سے بازی نہ جیت سکے گی اور اس کے ساتھ شادی کرنی پڑے گی آخر کار چوسر ڈالی گئی۔

راجکماری چوسر کھیلتے وقت بلی کے سر پر چراغ رکھی تھی بلی کو اس طرح سکھایا گیا تھا راجکماری کے داؤں جب ٹھیک نہیں پڑتا تھا تو اسے اشارہ کرنے پر بلی سر ہلا دیتی تھی جس سے چراغ کی لو ہلنے لگتی تھی اسی عرصہ میں وہ اپنا پانسہ بدل دیا کرتی تھی۔

رانی کو یہ بات پہلے سے معلوم ہو چکی تھی اور بلی کو خاموش رکھنے اور سر ہلانے سے روکنے کے لئے اس نے ایک چوہا پال لیا تھا۔

چوسر کا کھیل ہونے لگا۔ کماری جب بازی ہارنے لگی تو اس نے بلی کو سر ہلانے کے لئے اشارہ کیا لیکن رانی نے اس کا پہلے سے ہی انتظام کر رکھا تھا اس نے اپنی آستین میں سے چوہے کو نکال کر باہر کر دیا تھا اور بلی کی نگاہ اپنے شکار پر اتنے زور سے گڑی تھی کہ کماری کے اشارے کا جو وہ بار بار کر رہی تھی اس پر اثر ہی نہ ہوتا تھا راجکماری نے کئی بار کوشش کی لیکن بلی ٹس سے مس نہ ہوئی اور شکار کو دیکھتی رہی۔

آخر میں راجکماری ہار گئی ذرا سی دیر میں شہر بھر میں اس کی اطلاع پہونچ گئی اور راجکماری کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ رانی بولی: "میری تمہاری شادی تو شرط پوری کرتے ہی ہو گئی رہی بھانوریں پڑنے کی بات تو یہ رسم اب گھر چل کر ادا ہوگی وہیں دھوم دھام سے شادی ہوگی۔"

کماری چوبولیکا کو بھی اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ ہوا اور وہیں پر چلنے کے لئے راضی ہو گئی رانی نے کہا "ایک بات اور ہے یہاں سے چلنے سے پہلے ہی جتنے لوگوں کو تم نے جیل میں ڈال رکھا ہے اور وہ مصیبت اٹھا رہے ہیں، انہیں چھوڑ دینا پڑے گا سب کو میرے سامنے بلاؤ۔"

راجکماری نے اس سوال کو بھی منظور کر لیا لہٰذا سب قیدی رانی کے سامنے لائے گئے۔ ہر ایک قیدی کی ناک چھید کر ایک ایک کوڑی پہنا دی گئی تھی اور سب کے ہاتھ میں کولھو ہانکنے کی ہنکنی اور کھانے کے لئے کھلی کا ایک ایک ٹکڑا تھا۔ انہیں کے بیچ میں راجہ بھی تھا۔

رانی نے اس کی حالت دیکھی تو اس کا جی بھر آیا لیکن اس نے اپنے دلی جذبات کو دل ہی میں چھپا لیا۔

سب قیدیوں کی ناک میں سے کوڑی نکلوائی گئی اور نائی بلا کر سب کی حجامت بنوائی گئی۔ اچھے اچھے کپڑے اور کھانے پا کر راجہ کے بھیس میں بیٹھی ہوئی رانی کا شکریہ ادا کیا اور سب اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ راجہ نے بھی راج کمار کا شکریہ ادا کر کے اپنے شہر کا رخ کیا۔

اگلے دن رانی راجکماری چوبولیکا کو رخصت کرا کر اور بہت سی دولت جہیز میں لے کر خوش خوش اپنے محل میں آ گئی۔

جب راجہ لوٹ کر اپنے شہر میں آئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ رانی کے مکان کے پاس بہت سی عمارتیں بنی ہوئی ہیں انھوں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایک مندر ہے ایک دو دھرم شالہ ایک یتیم خانہ ہے اور یہ رانی نے بنوایا ہے۔

یہ سن کر راجہ کو سخت حیرت ہوئی شام کو انھوں نے رانی کو بلایا اور پوچھا کہو رانی اب تمہاری کیا رائے ہے عقل بڑی یا پیسہ؟

اس کے جواب میں رانی کچھ نہیں بولی۔ خاموشی سے اس نے ناک کی کوڑی کھلی کا ٹکڑا اور چوبولیکا کو راجہ کے سامنے پیش کر دیا۔ اب راجہ کی آنکھیں کھلیں وہ سمجھ گئے کہ چوبولیکا سے ان کو چھڑانے والا راجکمار اور کوئی نہیں خود اس کی عقلمند رانی ہے۔

راجہ نے شرمندہ ہو کر سر نیچا کر لیا رانی نے قدر سے مسکراتے ہوئے کہا اب میں پوچھ سکتی ہوں کہ عقل بڑی یا پیسہ؟ دھیمی آواز میں راجہ نے کہا معاف کرو رانی میں غلط راستہ پر تھا واقعی عقل کے آگے پیسہ کوئی چیز نہیں۔

ایک نیک ساعت میں چوبولیکا کی شادی بڑی دھوم دھام کے ساتھ راجہ سے کر دی گئی، اور پھر سب لوگ چین سے رہنے لگے۔

(ختم)

سر ہالفورڈ میکنڈر

اور اگر مر جائے تو نوحہ خواں کوئی نہ ہو

مارچ گذشتہ میں سر ہالفورڈ جے میکنڈر انگلستان میں فوت ہوئے۔ اس سانحہ کی کسی کو خبر بھی نہ ہوئی محض ایک مختصر سا طبقہ ماتم کر کے رہ گیا۔ رسالہ کرسچین سائنس مونیٹر میں کارلائل مارگن نے اس کی موت کے متعلق محض اتنا لکھا کہ اس موت پر چوٹی کے سیاست دانوں اور اہل علم طبقہ میں افسوس کا اظہار کیا گیا ——

عوام تو میکنڈر سے واقف بھی نہ تھے اور ہندوستان میں کوئی جانتا بھی نہیں۔ میلانی نے سچ لکھا ہے کہ

جو زندہ ہیں قدر ان کی جہاں میں نہیں ہنوز زندوں سے کچھ ان مردہ پرستوں کو نہیں کار

مگر زمانہ میکنڈر کی کوششوں کی قدر کرے گا۔ یہ سچ ہے کہ میکنڈر ایک بلند پایہ جغرافیہ داں تھا مگر ایک ایسا جغرافیہ داں جس نے علم جغرافیہ کو ایک باکار اور قابل عمل طریقہ سے پیش کر کے "جغرافی سیاست" (جیو پالیٹکس) کی بنیاد قائم کی۔ اس نے یہ بتایا کہ جغرافیہ طبعی کا اگر لحاظ کر کے دیکھا جائے تو جن ملک میں دریا پہاڑ گرم یا سرد موسم ہیں تو ان کا اثر تربیت یافتہ جماعتوں کی سیاسی ترقی پر پڑتا ہے اس کی تحقیقات کا ماحصل یہ ہے کہ کہ سمندر سے زیادہ زمین کے مادی اسباب کا اثر سیاست عالم پر پڑتا ہے۔ امیر البحر ماہن Mahan کا نظریہ اس کے خلاف ہے ان کی رائے میں سمندر کا اثر زمین سے بڑھا ہوا ہے۔ مگر میکنڈر کے نظریہ کو آسانی سے انداز نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ زمینی وسائل دنیا کا مالک ہو سکتا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ روس اور سائبیریا میں یہ خصوصیات موجود ہیں۔

۱۹۰۴ء میں میکنڈر نے اپنے اس نظریہ کو ایک مختصر سے مضمون میں جغرافیہ سوسائٹی میں لندن میں پیش کیا ——

اور ۱۹۱۹ء میں اس نے "ڈیماکریٹک آئیڈیل اور ریئلٹی" (جمہوری آئیڈیل کا نصب العین اور اصلیت) کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی جس میں اس زمانہ کے اتحادیوں کو آنے والے خطرات سے آگاہ کیا۔ اور یہ بھی بتایا کہ ان میں روسی خطرات کا احتمال ظاہر کیا۔ امریکہ اور انگلستان میں تو شاید ہی کسی نے اسے پڑھا ہو مگر جرمن ڈالے لے اڑے۔ اور جنرل ہاؤس ہوفر نے اس کا بغور مطالعہ کیا اور ہٹلر کو سنایا۔ کم از کم اس نے ہٹلر کو اس کے مضمون سے واقف کیا۔ ہٹلر اور نازیوں نے اسے پسند کر کے اسی کے مطابق جرمنی کو درست کرنا چاہا۔ اور اس فکر میں ہوئے کہ جرمنی دنیا کا مالک ہو جائے۔

اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ زمانہ حاضرہ میں ہر سیاستدان ملکی تفوق اور ترقی میں ہر ملک کے طبعی جغرافیہ کا لحاظ کرتا اور اسے کارآمد بنانا چاہتا ہے۔

میکنڈر اور ہاشوفر کے علاوہ دوسرے ارباب فکر جنہوں نے جغرافی سیاست کو ترقی دی۔ فریڈرک رٹیزل۔ اور روڈلف کجیلن ہیں۔ ان سے پہلے بھی متعدد ارباب فکر نے جیو پالیٹکس پر تحقیقات کی ہے مگر میکنڈر کو تفوق اس لئے ہے کہ زمانہ حاضرہ کے حالات کے لحاظ سے اس نے اس علم کو ایک عملی سائنس کا درجہ دیدیا ہے ——

آج جبکہ ہندوستان آزادی کے دروازہ پر پہنچ چکا ہے اور اس کے نئے نئے مختلف علوم اور فنون کی تحصیل کے شوق میں ممالک غیر کا سفر کر رہے ہیں۔ اس کی ضرورت ہے کہ کئی ایک طالب العلم خاص اس علم جیو پالیٹکس کی تعلیم و تحقیق سے بہرہ ور ہو کر وطنی ترقی اور قوت کا باعث ہوں۔ اس لحاظ سے مرکزی حکومت کے آنریبل وزیر تعلیم کو توجہ دلانا یقیناً مفید ہوگا۔ کیونکہ ممدوح کی دوربین نگاہیں میکنڈر کے تصانیف سے ملک کو مستفید ہونے کا خیال کر چکی ہوں گی۔

جرمنی کے ساتھ ٹیلیگراف کا سلسلہ

اب بھیجنے والے کی ذمہ داری پر ان معاملات کے لئے —— جو جرمنی کے برطانی اور امریکی منطقوں میں واقع ہیں —— پھر تار کی سروس شروع کر دی گئی ہے۔ بشرطیکہ وہی ہیں جو پوسٹ اینڈ ٹیلیگراف گائیڈ کے موجودہ ایڈیشن میں جرمنی کے لئے دی گئی ہیں۔ صرف سرکاری و نجی عام تار (آرڈنری ڈیفرڈ) اور اخباری تار قبول کئے جاتے ہیں ان منطقوں میں اس امر کے متعلق کوئی پابندی عاید نہیں کہ وہ کن لوگوں کے نام بھیجے جائیں۔ لیکن برلن کے برطانوی اور امریکی منطقوں میں یہ تار صرف تسلطی حکام قونصلوں اتحادیوں کے فوجی مشن کے ممبروں یا غیر جرمن تجارتی فرموں کو بھیجے جا سکتے ہیں۔

جرمنی سے ہندوستان کو صرف تسلطی فوج (فوجی و شہری دونوں) کے آدمی غیر جرمن تجارتی ایجنٹ بعض لائسنس یافتہ جرمن فرمیں اور ایسے تجارتی ادارے تار بھیج سکتے ہیں جو جرمنی کی اقتصادی بحالی سے تعلق رکھتے ہوں۔

تحفظ کے لئے ٹیرف بورڈ کو درخواستیں

بعض صنعتوں کے مطالبات ٹیرف بورڈ کو پیش کئے گئے تھے۔ حکومت ہند نے فیصلہ کیا ہے کہ اب اکسپانڈڈ میٹل اور بائنڈ انڈسٹریز کی درخواستیں بھی بورڈ کو پیش کر دی جائیں۔

وہ اشخاص یا فرمیں جن کو ان صنعتوں میں سے کسی ایک میں بھی دلچسپی ہو یا ایسی صنعتیں جن کا دار و مدار ان اشیا کے استعمال پر ہو اور وہ چاہتی ہوں کہ ٹیرف بورڈ ان کی رائے پر بھی غور کرے تو ان کو چاہئے کہ بورڈ کے سکریٹری کو کنٹریکٹر بلڈنگ، بیلارڈ اسٹیٹ نکل روڈ، بمبئی نمبرا کے ایڈریس پر اپنے معروضات بھیج دیں۔

چپڑا لاکھ کی صنعت کو خطرہ
مصنوعی رال کے گراموفون ریکارڈ

امریکہ میں نئی مصنوعی رال کی دریافت کی وجہ سے ہندوستان کی چپڑا لاکھ کی صنعت پر ایک نہایت نازک وقت آن پڑا ہے ہندوستان سے چپڑا لاکھ کی سالانہ برآمد کی قیمت دو کروڑ سے زائد ... اس صنعت میں تقریباً تیس ہزار آدمی کام کرتے ہیں جو لاکھ ناصاف لاکھ کو صاف لاکھ میں تبدیل کرتے ہیں اس طرح تقریباً تیس لاکھ گھرانے جو دیہات میں بستے ہیں اور درختوں سے لاکھ اتارتے ہیں روزی پا رہے ہیں۔

امریکہ ہمارا سب سے بڑا گاہک تھا۔ وہ ہماری برآمد کا آدھا بلکہ دو تہائی حصہ لے جا رہا تھا اور اس سے گراموفون ریکارڈ بنا رہا تھا حال ہی میں امریکہ میں مصنوعی رال سے بھی گراموفون ریکارڈ بنائے گئے ہیں۔ وہ نہ تو زیادہ قیمتی ہیں۔ اور پھر لاکھ کے ریکارڈوں سے کہیں بہتر ہیں۔ وہ ٹوٹتے بھی نہیں اور نہ ان میں خراش کی آوازیں نکلتی ہیں بلکہ موسیقی کی نہایت عمدہ صدائیں اٹھتی ہیں۔

ماہر مشاہدین کی رائے ہے کہ ہندوستانی لاکھ کی صنعت اگر زندہ رہ سکتی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ لاکھ کی قیمت کم کر دی جائے اور ریسرچ کے عمل کو بڑھایا جائے اور اس قسم کے ریکارڈ تیار کئے جائیں جو نہ تو ٹوٹیں اور نہ ان کی سطح سے خراشدار آوازیں نکلیں اگر اس سلسلہ میں کچھ نہ کیا اور قیمتیں چڑھ گئیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ لاکھ کی صنعت مٹ جائے گی۔

گاندھی جی کے لئے چلتی پھرتی جھونپڑی

مہاتما گاندھی کے دیہات بہ دیہات کے دورہ میں مسٹر ستیش داس گپتا نے ان کے لئے متحرک جھونپڑی پیش کی۔ اس جھونپڑی کا حجم بڑا ہوا تھا اور اس کا وزن ۷۰۰ پونڈ تھا اس کی لمبائی ۱۲ فٹ چوڑائی آٹھ فٹ اور بلندی دس فٹ تھی۔ اس میں تین کھڑکیاں دو دروازے اور ایک دالان تھا۔ اس میں دو چار پائیاں تھیں جو کھدر کے کپڑے کے بنے ہوئے بند کمرے تھے ایک مالش کے لئے اور ایک غسل کے لئے۔ اس تمام جھونپڑی کو لپیٹا جا سکتا تھا اور صرف چند آدمی اسے اٹھا کر لے جانے کے لئے کافی تھے جھونپڑی اندر سے گرم اور آرام دہ تھی اس جھونپڑی کو مہاتما جی نے ماسپور کے مقام پر استعمال کیا لیکن چونکہ اسے اٹھانے کے لئے آدمی درکار تھے اور گاندھی جی اس بات کو گوارا نہ کرتے تھے اس لئے انہوں نے اس کو آگے لیجانے سے انکار کر دیا۔

دلچسپ معلومات

اندھے کتابیں پڑھ سکیں گے

انگلستان میں ایک ایسا آلہ تیار کیا جا رہا ہے جس سے اندھے انسان بھی کتابیں پڑھنے کے قابل بن جائیں گے خیال کیا جاتا ہے کہ اگر یہ آلہ مکمل ہو گیا تو اندھے نہ صرف چھپی ہوئی کتابیں آسانی سے پڑھ لیا کریں گے بلکہ وہ ٹائپ شدہ عبارت کو بھی پڑھ سکیں گے عنقریب یہ آلہ بنکر تیار ہو جائے گا اور اس کے موجد نے ایک بیان دیتے ہوئے کہا ہے کہ میں ابتدا میں چند آلے بہت زیادہ قیمت پر فروخت کرنے کے بعد اس کے دام اتنے کم کر دوں گا کہ ہر اندھا انسان اس آلے کو خرید کر اس کی مدد سے کتاب پڑھ سکے گا۔

بجلی گرنے کی خبر دینے والا آلہ

بجلی اچانک گرتی ہے اور بہت کافی نقصان پہونچاتی ہے لیکن ایک سائنس دان نے بجلی سے حفاظت کی ایک تدبیر مہیا کر دی ہے اس نے ایک آلہ ایجاد کیا ہے جو بجلی کے گرنے کی پہلے سے اطلاع دیدیتا ہے اس آلے کی ایجاد کا مقصد یہ ہے کہ جن کانوں میں بجلی گرنے سے آگ لگ جاتی ہے ان کی حفاظت کی جا سکے اور اس آلے کے موجود ہونے سے بجلی گرنے سے پہلے پتہ چل جایا کرے گا تاکہ حفاظت کی تدبیر جب ہو سکے۔

جب مرچ سونے سے زیادہ مہنگی تھی

آج کل دنیا میں غلہ کی قلت ہے لیکن ایک ایسا دور بھی گذرا ہے جبکہ دنیا میں مرچ کی اس سے بھی زیادہ قلت تھی اور اسے روپے کی بجائے استعمال کیا جاتا تھا مرچ کی قلت کی وجہ سے اس زمانے میں یہ صورت پیدا ہو گئی تھی کہ ملک کے بہت ہی زیادہ مالدار لوگ اسے استعمال کر سکتے تھے باقی سب لوگ صرف نمک سے غذا میں ذائقہ پیدا کرتے تھے کہتے ہیں کہ ان دنوں مرچیں سونے اور چاندی سے بھی گراں فروخت ہوتی تھیں۔

یہ معلوم کر کے آپ کو اور بھی تعجب ہوگا کہ یورپ والے مرچ سے نا آشنا تھے ایشیائی ممالک سے مرچ یورپ میں پہونچنی شروع ہوئی اس کے یورپ پہونچنے میں مہینوں لگتے تھے اور بڑے دشوار گذار راستوں سے گذر کر مرچ ایشیا سے یورپ میں پہونچائی جاتی تھی جب راس امید کا سمندری راستہ دریافت ہوا تو مرچ کثیر مقدار میں یورپ پہونچنے لگی اور اس کے بعد مرچ کی قیمت گھٹ گئی۔

آواز کی لہروں سے کپڑے دھلا کرینگے

ایک سائنس دان نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں آواز کی لہروں کے ذریعے کپڑے دھلوایا کروں گا اس نے لندن کے ایک اخبار میں یہ اعلان کیا ہے کہ:-

"آواز کی لہروں کے ذریعے کپڑے دھوئے جا سکتے ہیں ان کا میل کچیل نکالا جا سکتا ہے اور ان میں کلف دیا جا سکتا ہے"

مگر ابھی تک اس سائنس دان نے یہ دعویٰ محض ایک خیال ہے اور خیال کی حد سے آگے نہیں بڑھا ہے۔

اس سائنس دان نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ میں عنقریب ایک ایسی مشین بنا کر دنیا کے سامنے پیش کرنے والا ہوں جس سے آواز کی لہروں کے استعمال سے دھوبی کا کام لیا جا سکے۔

لطائف

ہاتھی یا امرود

ایک میاں بوجھ بجھکڑ تھے ایک دن کسی شہر میں جا نکلے۔ بازار میں بہت سی ترکاریاں نظر پڑیں۔ ایک پھل پر میاں بجھکڑ کا دل للچایا اور سوچا کہ اس پھل کا نام تو پوچھ لوں۔ انھوں نے اس پر انگلی رکھکر دوکاندار سے پوچھا کہ میاں دوکاندار اس کا کیا نام ہے؟ ترکاری والے نے جواب دیا کہ صاحب اسے امرود کہتے ہیں۔ آپ نے یہ نام اپنی کتاب میں لکھ لیا اور آگے بڑھے۔

تھوڑی دور چل کر ایک ہاتھی ملا انھوں نے کبھی ہاتھی دیکھا نہ تھا ڈر کر ایک دوکان میں گھس گئے اور لوگوں سے پوچھتے رہے کہ بھائیو وہ کالی بلا بھی گئی یا نہیں؟ دوکاندار نے اسے سمجھایا کہ میاں اس سے خوف نہ کھاؤ یہ تو ہاتھی ہے اور امیروں کی سواری کے کام آتا ہے آپ نے ہاتھی کا نام بھی اپنی کتاب میں لکھ لیا۔ تھوڑے دنوں بعد یہ اپنے گھر کو ٹھیک کر رہے تھے کہ ایک روز ایسا ہوا کہ وہاں ایک ہاتھی بھی آ نکلا۔ گاؤں کے لوگوں نے کبھی ہاتھی کو نہ دیکھا تھا بہت گھبرائے اور میاں بوجھ بجھکڑ کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے گاؤں میں کوئی کالی بلا آ گئی ہے آپ چل کر اس کو دیکھیں۔ میاں بوجھ بجھکڑ بڑی خوشامد کے بعد دیکھنے گئے اور دور ہی سے بولے اوہو! یہ تو امیروں کی سواری کے کام آتا ہے پکڑ لو اس سے بالکل نہ ڈرو، پھر بولے ذرا ٹھہرو میں اپنی کتاب میں دیکھ لوں کہ اس کا نام کیا ہے ہاتھی ہے یا امرود، اور یہ کہہ کر انھوں نے کتاب نکالی اور دیکھا تو ایک نام ہاتھی تھا اور دوسرا امرود۔ بس کہا کہ یہ ہمیں ہاتھی ہی معلوم ہوتا ہے اگر ہاتھی نہیں تو امرود ضرور ہے!

چپراسی:- (منیجر سے) حضور یہ ردی کاغذ جلا دیئے جائیں۔

منیجر:- ہاں ہاں! ان سب کو جلا دو ان کی وجہ سے دفتر بھی گندہ رہتا ہے لیکن ایک کام کرنا۔ جلانے سے قبل ان سب کی ایک ایک نقل کلرک سے کرا لینا۔ شاید کسی وقت ان میں سے کسی کاغذ کی ضرورت پیش آجائے۔

باتوں میں کسی نے جو ترا نام لیا ہے
وہ ٹھیس لگا ہے کہ جگر تھام لیا ہے

برق تھیوری

غم گیا رونق حیات گئی
تم گئے ساری کائنات گئی۔

جما لیا دل بیتاب پر ترا نقشہ
نظر ملی تھی کہ تصویر کھینچ لی میں نے

ارجنٹینا میں اٹومک کاروبار

ولیم ہیمز لپ رسالہ نیوری پبلک میں رقم طراز ہیں کہ جزو لا تیجزیٰ (ایٹوم) کے تجزیہ کرنے والے مشہور زمانہ جرمن سائنسداں ورنر ہائسن برگ کو پیرون کی حکومت نے ارجنٹینا میں یورنیم کی پیداوار بکثرت ہوتی ہے۔ قوم ارجنٹینا انہاک کے ساتھ اس جنگی حربے کی تیاری میں مصروف ہے۔ جسے بہ آسانی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ سامان موجود ہے روپیہ کی کمی نہیں ہے پھر اس کے تیار کرنے والے سائنسدان بھی ہر طرف سے بلا بلا کر اٹومک سامان کی تیاری میں لگا دئے گئے ہیں اس سلسلہ میں ارجنٹینا نے جو کارروائیاں کی ہیں ان کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) ارجنٹینا جو اب تک چاندی کی معدنیات کے لئے مشہور تھا (ارجنٹ یعنی چاندی) یہاں یورنیم اور تھوریم بکثرت پیدا ہوتی ہے اور ان پر ریڈیم کا اثر بہت جلد ہوتا ہے چنانچہ علاقہ منڈوزا میں یورنیم کی جو سطح ملی ہے وہ بہت وسیع اور دیرپا ہے۔

(۲) پروفیسر ورنر ہائیسبرگ لنبرگ کا نوبل پرائز پانے والے سائنس دان ایٹوم کی تیاری کا سب سے بڑا ماہر ہے وہ اسی کام پر مامور ہے اس سے بڑھ کر کوئی اس کا بنانے والا نہیں ہے۔

(۳) ڈاکٹر گائیڈو بک جو ایک ہیچ سائنس دان ہے وہ پروفیسر ہائیسنبرگ کا نائب ہے ڈاکٹر ۱۹۴۳ء سے ارجنٹینا کی کارڈوبا پہاڑی میں خاموشی سے کام کر رہا ہے اور اس نے ایک فیز کا اجنٹا نامی کمپنی قائم کی ہے [illegible] گرامی اور غیر ملکی سائنس دان کام کر رہے ہیں۔

(۴) اٹومک تحقیقات کے لئے ارجنٹینا کی حکومت نے تین تدابیر منظور کی ہیں جن کے ذریعہ سے سرمایہ سامان اور ماہرین اکٹھا کئے جاتے ہیں اسے ابتدا میں تو عام اجلاس میں پیش کیا گیا مگر بعد کو حکومت کے خفیہ اجلاس میں اس فوجی تیاری کا کام شروع ہوا۔ اور پنجسالہ پروگرام، ملکی مدافعت جنگی سامان اور تجزیہ ایٹوم کے لئے خفیہ طور پر جاری کر دیا گیا ہے۔

(۵) قومی دفاع کے نام سے یورنیم اور تھوریم کی پیداوار پر سرکاری نگرانی رکھی گئی ہے اور اس کام کے لئے جو دوسری ضروری چیزیں ہیں وہ بھی بمد قومی دفاع سرکاری نگرانی میں مہیا کی جاتی ہیں۔

ابتداً سائنس دان کو ارجنٹینا میں بہت کم کامیابی ہوئی وجہ یہ تھی کہ ملک میں قابل سائنس دانوں کی کمی تھی ارجنٹینا کی حکومت نے اس کمی کو پورا کیا کہ وارنر ہائیسبرگ بلا لیا۔ ہائیسبرگ ایک میکانیکی موجد ہے اور دنیا کے سائنس دانوں میں بھی اس بات کا مدعی تھا کہ اٹومک قوت سے کام لے سکتا ہے ۱۹۳۱ء میں اسے نوبل پرائز ملا تھا، حالانکہ اس وقت یہ تیس سال کا تھا، اور اٹومک تحقیقات کر رہا تھا۔ ابتدا میں اسے محکمہ بحری نے عملی کمیونیکیشن کے لئے بلایا تھا تاکہ جنگی جہازوں میں الیکٹرانک اور دوسرے آلات لگائے جا سکیں اور یونس ایرس میں علم خیال ہے کہ بحری الکٹرانک آلات سے زیادہ یہ اٹوم طاقت اٹوم بم کے لئے زیادہ کارآمد ہے۔

اسی طرح پروفیسر بک بھی اپنے کام منصبی سے جو کارڈوبا سے فزیکل اور نیچرل سائنس کے نیشنل اکاڈمی اسٹرو فزیسٹ کا منصب ہے اس سے زیادہ وہ اٹومک تجزیہ میں کارآمد ثابت ہو رہا ہے یہ اس سے پہلے لارڈ ارنسٹ اور فورڈ کیمبرج کی کونڈش لیبوریٹری میں کام کر چکا ہے اور تالمس لوہر کوپن ہیگن کا تجربہ کار ہے اس وقت ہائیسبرگ کا دست راست ہو رہا ہے۔

پروفیسر بک کا خیال ہے کہ ارجنٹینا اپنی ریڈیو عمل معدنیات کو درست کر لیگا اور نیوکلیئر کے راستہ سے جس اٹومک بم دریافت ہوا ہے بہت سی دشواریاں دور ہو جائیں گی۔ یہ کام دیر طلب ضرور ہے مگر دنیا کا کوئی کام جلد نہیں ہوتا شہر روما ایک دن میں نہیں بنا۔ ہیروشیما ایک دن کی محنت میں تباہ ہوا۔ اسی لئے نیوکلیئر کی تحقیقات سے بھی اٹومک بم جلد نہ بنے گا۔ مگر امریکہ کی طرح ارجنٹینا کو بھی جلد اس میں کامیابی ہو جائے گی۔

انگلستان سے دلھنوں کی کھیپ

امریکی فوجیوں کی انگلستانی میم اور دلہنیں اب تک چالیس ہزار کی تعداد میں امریکہ پہونچ چکی ہیں اب تک تو امریکی حکومت ان بیاہتا عورتوں کو مفت پہونچاتی رہی ہے۔ مگر اس کے بعد بھی یہ سلسلہ برسوں تک رہے گا حالانکہ اب امریکی اپنا کرایہ خرچ کر کے غیر فوجی لباس میں آتے ہیں عموماً یہ وہ امریکی ہیں جو جرمنی میں تعینات تھے اب جن امریکیوں کو خود ان کے ملک میں جگہیں مل گئی ہیں وہ لندن کی رخصت تقرری سے فائدہ اٹھا کر ان لڑکیوں سے شادی کرنے کے لئے آ رہے ہیں جن سے زمانہ جنگ میں دوستی ہو گئی تھی اب ایسی عورتیں بلا کرایہ طیاروں پر نہیں جا سکتیں پھر ہر مہینہ میں سات سو انگریزی میمیں امریکنوں سے بیاہ رچا کر امریکہ چلی جا رہی ہیں۔

اشتراکیت کا باتونی

جارج برنارڈ شا کی سستم ظریفی پیرانہ سالی میں بھی کمزور نہیں ہوئی ہے کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ اورنگ زیب تخت نشینی کے بعد ایک دن گھوڑے پر سوار چاندنی چوک سے گذر رہا تھا کہ ایک دیہاتی عورت نے اپنی ساتھ والی سے کہا کہ دلی نے بڑا شوہر پایا اورنگ زیب نے یہ سنکر گھوڑے کو ایڑ دی تاکہ دکھائے کہ بڑھاپے میں بھی اعضا قوی ہیں مگر ساتھ والی عورت نے یہ جملہ سر کیا کہ بہن! بادشاہ بڈھا بھی ہے اور مسخرہ بھی۔ ٹھیک یہی حال برنارڈ شا کا ہے مشہور ہے کہ چرچل اور اس کے سگار پر جب برنارڈ شا نے جملہ سر کیا اور کسی دوست نے چرچل کو وہ جملہ سنایا تو اس نے جھنجھلا کر کہا "ہٹو بھی وہ تو سو شلزم کا باتونی مسخرہ ہے۔"

وہ ملک جو چھ مرتبہ مفتوح ہونیکے باوجود آزاد ہے

دنیا میں صرف چین ہی ایک ایسا ملک ہے جس پر آج تک چینیوں کے علاوہ کوئی غیر چینی قوم حکومت نہ کر سکی گذشتہ دو ہزار سال میں چین چھ مرتبہ فتح ہو چکا ہے تاتاریوں ترکوں۔ جرخیوں، منگولوں، منچوریوں نے اس پر باری باری سے قبضہ کیا لیکن چین چین ہی رہا کیونکہ چین والوں کا یہ دستور ہے کہ وہ حملہ آور کو اپنے اندر جذب کر کے اسے بھی چینی بنا لیتے ہیں اور اس طرح رفتہ رفتہ اس کی غیر ملکی اور جداگانہ حیثیت کو ختم کر دیتے ہیں۔

حملہ آور کو جذب کرنے کی اسکیم چین میں اس قدر اہم ہے کہ یہ توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ کوئی غیر ملکی چین پر کبھی حکومت کر سکے گی۔ کیونکہ اگر غیر ملکی اس ملک پر قابض بھی ہو گیا تو چین والے ان کو بھی شادی بیاہ کے ذریعہ چینی ہی بنا لیں گے۔

چین کے مشہور جنرل چیانگ کائی شک کی پیدائش ۱۸۸۶ء قصبہ فنگو آچیکنگ میں ہوئی۔

ہرن اپنی آنکھ اور ناک دونوں سے سانس لیتا ہے۔

نہ ہوئی میں

از جناب رام سروپ کبشنا گرچند وسی

گھر میں جہاں اور دلچسپی کے سامان موجود تھے وہاں نیم کا درخت بھی لہلہا رہا تھا۔ اس کا سایہ موسم گرما میں بے حد آرام دہ تھا صرف کملا ہی نہیں بلکہ اس کی دیگر ہم عمر لڑکیاں گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر یہاں جمع ہوتیں۔ اپنی عمر کے مطابق تبادلہ خیالات کرتیں ساون کے مہینہ میں جھولے پڑتے ایک دوسرے کو جھلاتی تھیں اور بچپن کا لطف اٹھاتی تھیں۔ کوئی کہتی کہ بہن بادل آیا، راگ ملہار گاؤ، کوئی کہتی یہ لطف چندروزہ ہیں۔ پھر ہم کہاں اور تم کہاں۔ دنیا کے دھندوں سے فرصت ملنا دشوار ہو گا ہر سال کے معمول کے مطابق ساون میں جھولے پڑے ہوئے تھے۔ لڑکیاں جھول رہی تھیں راگ گا رہی تھیں۔ کالی گھٹا موجود تھی جو کبھی برس جاتی کبھی سورج نکل آتا اور کبھی بادلوں کے پردہ میں روپوش ہو جاتا کملا بھی جھول رہی تھی مگر اس کا دل کسی کے انتظار میں تھی۔ وہ بار بار دروازے کی جانب نگاہ کرتی اور مایوس ہو جاتی کیونکہ اس کا چھوٹا بھائی ایک حجام کے ساتھ اس کی بڑی بہن کو بلانے گیا تھا اگرچہ اس کی بڑی بہن کے حسال میں بچے ہونے والا تھا مگر ماں کی محبت اور ساون کا لطف جو یہاں تھا وہ سسرال میں کہاں۔ ساتھ ہی ساتھ کچا راستہ ریل کا اتار چڑھاؤ ایسا دشوار تھا کہ ایسے موقع پر رخصت کرنا ناعاقبت اندیشی کی دلیل تھی۔ کملا کو اپنی بہن سے غیر معمولی محبت تھی۔ اور اس سے زیادہ محبت اس کے بڑے لڑکے سے تھی۔ جس کی عمر دو سال تھی اپنی محبت سے مجبور ہو کر کملا کو ایک ایک گھڑی ایک ایک برس معلوم ہو رہی تھی اور وہ نہایت بے چینی سے بہن کی آمد کا انتظار کر رہی تھی جو معاملات اس کی بہن کے آنے میں سدراہ تھے۔ ان سے وہ کما حقہ واقف نہ تھی۔

یکایک دروازہ کھلا۔ حجام اور چھوٹا بھائی رنجیدہ صورت میں مایوسی کی حالت میں گھر میں داخل ہوئے۔

ماں نے گھبرا کر پوچھا کہ "نرملا نہیں آئی" چھوٹے بھائی نے رو کر کہا۔ "ہم نے ہر چند کہا۔ مگر انھوں نے کسی طرح نہ مانا ناچار واپس ہوا۔"

کملا جھولا جھولتے ہوئے باتیں سن رہی تھی۔ بھائی آنسو پونچھ رہا تھا۔ حجام رو رہی تھی۔ حجام گھر جانے کی تیاری [illegible] کر رہا تھا۔ کملا نے نائی سے معلوم کیا۔ بی بی کیوں نہیں آئی۔ نائی نے انھیں الفاظ کا اعادہ کر دیا اور گھر چلنے کو تیار ہو گیا۔ کملا کو یہ باتیں بے حد ناگوار معلوم ہوئیں اور اس نے طنزیہ لہجہ میں یہ فقرہ کہا کہ۔ "نہ ہوئی میں" ورنہ کس کی مجال تھی جو نہ بھیجتا۔ بہر حال کچھ دیر کے بعد یہ افسانہ گیا گذرا ہو گیا اور گھر کے کام حسب معمول ہونے لگے۔ مگر کملا کو یہ بات گوارا نہ ہو سکی کہ اس کی بہن تیوہار پر گھر نہ آسکے۔

(۲)

آخر کملا کے اصرار پر اس کے پتا کو خود نرملا کی سسرال جانا پڑا اور نرملا کو چند یوم کے واسطے سسرال سے آنا پڑا۔ مگر کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ اس کا آخری بار جانا ہے۔ اب وہ پھر اپنے میکے کو نہ جائے گی۔ اگرچہ الوقت کا جانا بظاہر الفاظوں میں معمولی جانا اور آنا تھا مگر قدرت کہہ رہی تھی۔ کہ یہ جانا ہی سم قاتل ہے۔

کملا کے والد سن رسیدہ بزرگ تھے مگر محبت پدری میں حواس بجا نہ رکھ سکے۔ وہ نرملا کے اصرار [illegible] یہ برداشت نہ کر سکے کہ ان کی لڑکی تیج [illegible] کے تیوہار میں سسرال میں رہے۔

بہر حال نرملا مع اپنے بچہ کے آگئی اور تیجوں کا تیوہار بے حد دلچسپی سے کٹا۔ راگ گائے گئے۔

جھولے پڑے۔ رنگ برنگ کی ساڑیاں اور عمدہ عمدہ چوڑیاں پہنی گئیں۔ ہاتھوں پر مہندی لگائی گئی [illegible] نے بھی اس تیوہار کی دلچسپی میں [illegible] اضافہ کیا اور صبح کے وقت بادل [illegible] معمولی سا ٹکڑا برس کر [illegible] جس نے گرمی کو کم کر دیا آخر ش رفتہ رفتہ یہ دلچسپیاں کم ہوتی گئیں دن مہینے ختم ہو گئے اور وہ دن آ گیا کہ نرملا اپنی سسرال جانے لگی۔ اس کی بہن اور ماں کملا اس سے گلے مل کر خوب روئی [illegible] کہ بچے کو خوب پیار [illegible] میں منائی جا رہی تھی۔ غم کے پہلو میں جلوہ گر ہونے لگی۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ نرملا نے جس آرام کے ساتھ اپنا بچپن کا زمانہ گذارا تھا۔ اور جس ناز و نعمت میں اس نے پرورش پائی تھی اس کا عشر عشیر بھی اس کو سسرال میں میسر نہ تھا۔ ساس سسر کا خیال تھا کہ ضبط کی بنیاد سختی پر ہے نہ کہ مہر پر ساس کا کام صرف یہ ہے کہ چارپائی پر بیٹھ کر چھالیاں کاٹتی رہے۔ یا بچے کو کھلاتی رہے۔ یا بہو کے کام پر تنقید کرتی رہے۔

نرملا کا شوہر ایک آفس میں بابو تھا۔ اس کا فرض اس کے والدین کے مطابق یہی تھا کہ نرملا کو اپنے پاس نہ رکھے۔ دفتر میں کام کرے اور تنہائی میں زندگی بسر کرے کیونکہ ان کے خیال میں کہ نرملا کو اس قدر تمیز کہاں تھی کہ تنہا گھر کا کام چلا سکے اور ایسا کرنا اُن کی رائے میں لڑکے کو مطلق العنان بنانا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نرملا اپنے شوہر کے پاس سات آٹھ سال میں زیادہ سے زیادہ سات ماہ رہی ہو گی اور دونوں پتی پتنی نے جس بے لطفی سے مراحل زندگی طے کئے تھے۔ ان کو ان کا ہی دل جانتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ نرملا جب اپنی سسرال جاتی گویا سولی پر جاتی۔ وہ بے اختیار ہو کر لپٹ لپٹ کر ماں سے ملتی۔ مگر ہندوستانی تمدن کے مطابق سب رو دھو کر چپ ہو جاتے اور نرملا اور اس کی والدہ یہی سوچ کر دنیا کے کاموں میں مصروف ہو جاتیں کہ ہمارے مقدر میں یہی لکھا تھا۔ لیکن کملا یہی کہتی "نہ ہوئی میں"

(۳)

جب بھادوں کا مہینہ جس میں آفتاب یا تو بادلوں میں روپوش رہتا ہے یا جب چمکتا ہے تو پوری آب و تاب دکھاتا ہے انسان حیوان سب پریشان نظر آتے ہیں بدن پسینہ پسینہ ہے ہر شخص کو خواہش ہوتی ہے کہ کسی پیڑ کے سایہ میں بیٹھے یا کسی بند مکان میں پڑا رہے اس وقت کی تیز دھوپ [illegible] تانگہ جس میں ایک بچہ اور اس کی ماں کو لئے جا رہا ہے۔ جا رہا ہے بیل آہستہ آہستہ چل رہے ہیں جب کہیں ریت آ جاتا ہے تو بیلوں کی چال اور کم ہو جاتی ہے۔ یہ تانگہ قریب کے اسٹیشن سے ایک ایسے مقام کو جا رہا ہے جس کا فاصلہ اسٹیشن سے ۷ میل ہے۔ مگر اس شدت کی دھوپ میں یہ سات میل کا قلیل راستہ طے کرنا بڑا دشوار ہے بہر حال بیل ہیں کہ صبر و شکر کے ساتھ اس منزل کو طے کر رہے ہیں اور اس کے اندر جو ایک صابرہ عورت ہے وہ بھی منھ بند کئے اپنی گذشتہ اور موجودہ زندگی کا ماتم کر رہی ہے۔ کہاں نیم کا سایہ اور ساون کے راگ اور کہاں یہ آسمان سے برستی ہوئی آگ آخر کار راستہ طے کرنا ہی پڑا۔ یہ تانگہ کسی اجنبی کا نہیں ہے بلکہ اس میں بدقسمت نرملا اور اس کا لڑکا موجود ہے اس کا شوہر چھٹی نہ ملنے کی وجہ سے نہ آسکا لہذا اس کے والد بھی نرملا کے سسر موجود ہیں جو چھتری لگائے گاڑی بان سے باتیں کرتے جا رہے ہیں اور کہتے ہیں لگا ہے بیڑی خود بھی پیتے ہیں اور گاڑی بان کو بھی پلاتے ہیں الغرض انھوں نے اپنی اپنی دلچسپی کے کچھ نہ کچھ ذرائع فراہم کر لئے ہیں مگر ہندوستانی بہوؤں کو ابھی یہ آزادی کہاں کہ جو پیاس لگنے پر ایک گھونٹ پانی مانگ سکیں۔ ان کا تو اپنے حقوق کے لئے اپیل کرنا گناہ ہے تانگہ منزل مقصود تک جا پہونچا اور دن لگے اسی کشمکش میں بسر ہونے لگے جیسے کہ پہلے بسر ہوتے تھے۔ لیکن یہ دھوپ جو اس نے تین گھنٹے متواتر برداشت کی تھی اپنا رنگ لائے بغیر نہ رہ سکی۔

تیسرے دن کچھ ایسی صورت واقع ہوئی جس نے خوشی کو غم سے تبدیل کر دیا اور بچہ کی پیدائش سے پہلے ہی نرملا کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی دنیوی اصول کے مطابق وہ مکان جس میں روزانہ نرملا کے کاموں پر تنقید کی جاتی تھی۔ ماتم کدہ بن گیا۔ چونکہ ماتم چندروزہ تھا لہذا خوب کیا گیا۔ اب اس کی توصیف میں شاعرانہ مبالغہ سے کام لیا جانے لگا۔ صرف ایک بچہ ایسا تھا جو حقیقی صورت میں اپنی ماں کی [illegible] آنکھوں کے دیکھنے کا خواہشمند تھا جس سے ایک برقی رو نکل کر اس کی قسمت کا باعث ہوتی تھی۔ جب یہ دردناک سانحہ نرملا کے والدین اور اس کی بہن کملا نے سنا تو ان کا وہ حال ہوا جو بیان کرنا قلم کی طاقت

کیا بے دست و پا جرمن عیار ہیں؟

دشمن چو بینی ناتواں لاف از بر دست خود مزن
مغز لیست در ہر استخواں مرد لیست در ہر پیرہن

بہادر دن کی دھاک جان لیوا ہوتی ہے۔ جرمن قوم تباہ ہو گئی مگر اتحادی اب تک انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے فنا کے گھاٹ اتارنے پر تلے ہوئے ہیں اور دنیا پر اپنے سر دھڑ لینے کا بھی اظہار کرتے جا رہے ہیں کہ کہیں جنگجو قوم دوبارہ سر اٹھانے کے قابل نہ ہو جائے غرضیکہ کیا کیا مشورے اور دیا نت کے طرح طرح سے منصوبے کئے جاتے ہیں اور طریقہ کار وہی ہے جو پہلی جنگ عظیم کے بعد بتایا گیا تھا یعنی جرمنوں کو دبا کر نہتا کر کے ان کی قدرتی مصنوعات اور قومی محنت سے نفع اٹھایا جائے وہی رور وہی رائن لینڈ وہی کوئلہ اور لوہے کی معدنیات اور وہی اتحادیوں کی للچائی ہوئی نگاہیں۔

اتحادی حلقوں سے اب یہ صدا بلند ہے کہ غیر مسلح کرنے والے بین الاقوامی کمیشن کا فرض ہے کہ جرمنوں کو بے دست و پا کرنے اور نہتا بنانے میں ذرا بھی کوتاہی نہ کریں ورنہ پہلی جنگ کے بعد جو دھوکا ہوا تھا وہ اس دفعہ بھی ہو گا۔ پہلی جنگ کے بعد غیر مسلح کرنے والے کمیشن کو جرمنوں نے خوب ہی اُلّو بنا کر دھوکا دیا۔ کیونکہ بجائے اس کے کہ جرمن جنرل اسٹاف کو منتشر کر دیا جاتا خود اتحادیوں کے نظروں کے سامنے اور زیادہ ترسیع دی گئی۔

اب تو اتحادیوں نے تمامی اصول جنگ و قوانین کے جرمن پر غلبہ پاتے ہی بڑے بڑے جرمن معاملہ ین کو مجرم قرار دے کر مقدمہ چلایا اور ختم کر دیا۔ جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ مگر اس کے بعد بھی انہیں اس کا خوف ہے یا دنیا کو دکھا رہے ہیں کہ کہیں جرمنوں کی جنگی اسپرٹ پھر زور نہ باندھے

مری خاک تک محمد میں نہ رہی یہ برق
انہیں میرے مرنے ہی کا ہے یل عتبار تو

اس ثبوت میں یہ خوف بے جا نہیں کہا یہ جاتا ہے کہ ۱۹۱۴ء والی جنگ کے بعد دکھایا تو یہ گیا کہ جرمن جنرل اسٹاف توڑ دیا گیا مگر در حقیقت ایسا نہیں ہوا بلکہ انہیں مختلف اور چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کر دیا گیا۔ مطلب اس سے یہ تھا اگر کبھی کسی جماعت کا راز فاش ہو تو دوسری جماعت اپنا کام کرتی رہے

پُراسرار دفاتر

سب سے پہلے وزارت دفاع نے دو جدید شعبے قائم کئے ایک کا نام جنرل فوجی دفتر رکھا اور دوسرے کا محکمہ ممالک غیر۔ اتحادی نگران کمیشن کو ان دفاتر کے معائنہ کا موقعہ دیا گیا تھا اور بظاہر محض یہ لکھ معمولی فوج کے لئے ان کا قیام تھا مگر یہ کسی کو بھی معلوم نہ تھا کہ یہ دفاتر کس غرض سے قائم ہیں اور کمیشن اس مغالطہ میں مبتلا تھا کہ جرمن اپنے ملکی دفاع کے لئے حدود معینہ کے اندر کر سب کچھ کر سکتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ انہیں ہر ہزار فوجی افسروں سے زیادہ کے تقرر کا اختیار نہ تھا۔ اور کمیشن کو دخل اندازی کا اسی وقت حق ہوتا جب اس تعداد میں اضافہ کیا جاتا اس لئے ان دو بظاہر بےضرر محکموں سے تعرض نہیں کیا گیا۔ حالانکہ انہیں پر جرمن فوجی استحکام کا دارو مدار تھا۔ اور یہی دفتر اور جنرل حکومت کی متعینہ افواج اور متعدد جماعتوں کے درمیان میں رابطہ قائم رکھنے کا ذریعہ تھے

ممالک غیر کی جاسوسی

محکمہ ممالک غیر کا بظاہر تو یہ کام تھا کہ دوسرے ممالک میں فوجی مشن بھیجے جائیں اور دوسرے ممالک کے فوجی مشن کا خیر مقدم کیا جائے۔ مگر اس کا اصلی کام یہ تھا کہ ممالک غیر کی فوجی تیاریوں اور ترقیوں سے جنرل اسٹاف کو مطلع کرتا رہے مگر چونکہ ان محکموں پر سب کی نگاہیں رہتی تھیں اور نہ صرف اتحادی کمیشن بلکہ خود جرمنی کے سوشلسٹ اور ڈیماکریٹ ممبران اسمبلی بھی ان کی نگرانی کرتے رہتے تھے اس لئے فوج کی اصلی تیاری دوسرے ذرائع سے کی جاتی تھی اور ایسی رازداری سے پردہ پر وہ کام ہوتا تھا کہ ان کے کارناموں کے سامنے جاسوسی کے ناول مات ہو جاتے ہیں ان میں سے ایک ہر شیمن کلب تھا اس میں جرمن شاہنشاہی فوجی اسٹاف کے بڑے اور بڑے افسران ممبر تھے۔ اور بظاہر یہ بے ضرر سی جماعت تھی اور سب یہ سمجھتے تھے کہ یہ سب سابق فوجی ملازموں کا ایک کلب ہے مگر اس کے ممبران چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں برابر گشت لگاتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک واقعہ سنیے۔

۱۹۲۴ء کے موسم خزاں میں جب برلن سے ایکسپریس مشرقی پروشیا کے لئے روانہ ہوا تو اس میں تین درجہ اول کی بوگیاں ہر شیمن کلب کے لئے رزرو کر دی گئی تھیں جن میں شکاری اور ورزشی لباس میں کلب کے پرانے ممبران بظاہر تفریح کے لئے سفر کر رہے تھے۔ اب اسے اتفاق وقت سمجھئے یا امر طے شدہ کہ اسی ایکسپریس سے غیر ملکی اتاچی بھی مشرقی پروشیا جا رہے تھے تاکہ موسم خزاں کا جرمن فوجی اجتماع جو ہونے والا تھا اس کا مظاہرہ کریں۔ مشرقی پروشیا میں پہونچنے کے بعد ہر شیمن والوں کو پھر نہیں دیکھا گیا مگر یہ واقعہ ہے کہ جرمن باقاعدہ فوج کے اعلیٰ افسران سے ان کی ملاقاتیں ہوئیں۔ اور ایک غیر معروف مقام پر ان ہر شیمن کلب والوں سے جو در اصل پرانے اور تجربہ کار فوجی تھے رات کے وقت وہاں کے فوجی مظاہرے کے متعلق بحث تمحیص ہوئی یہ بھی واقعہ ہے کہ اس ہر شیمن کلب اور میونچ کے لوڈنڈورف بیورو میں رشتہ تعلق قائم تھا۔

لوڈنڈورف بیورو

۱۹۱۴ء ۔ ۶ والی جنگ کا یہ زبردست کمانڈر لوڈنڈورف اس بیورو میں اپنی سوانح زندگی مرتب کر رہا تھا اور یہ کام اتنا مہتم بالشان تھا۔ جس کے لئے ایک ٹائپ رائٹر اور ایک سکریٹری کافی نہ تھا گو لوڈنڈورف کی پنشن محض معمولی تھی مگر بیورو کے کام کی حیثیت ایک کارخانہ کی سی تھی۔ اس کام کے لئے پرانے فوجی عمال سکریٹری تھے جس پر اتحادی نگران کمیشن کو بظاہر اعتراض کی وجہ نہ تھی ان کے علاوہ جنرل ملٹری پالیسی اور ملٹری سائنس لمیٹڈ کے نام سے کاروبار جاری تھا۔ سرکاری حیثیت سے یہ کمپنی طباعت اور اشاعت کا کام کرتی تھی۔ اور محض فوجی تجربات کی طباعت و اشاعت سے سروکار تھا۔ جس پر بھی بظاہر کوئی اعتراض کی وجہ نہ تھی۔ اس کمپنی کو اسلحہ جات کے کارخانوں موٹر ساز کمپنیوں رنگ ساز سوداگر ایسے اور بڑے بڑے تعلقہ داروں سے مدد ملتی تھی۔ غرضیکہ اس طریقہ کی خفیہ تیاریاں تھیں جن کے ذریعہ سے دوسری جنگ عمومی کی تیاری کی گئی۔

خفیہ سوسائٹیوں کا ہوّا

گذشتہ تجربات سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ محض جرمن جنرل اسٹاف کو توڑ دینا ہی کافی نہیں ہے کیونکہ ہمارا مقابلہ محض ایک جماعت سے نہیں ہے بلکہ ایسی خفیہ انجمنوں سے ہے جس کا نمونہ جاپان کی جماعت ”سیاہ اژدہا“ میں مل چکا ہے مستقبل میں یالٹا کے اعلان اور اتحادیوں کی اسکیم کے مطابق نہ صرف جرمن رشتو ہر کا خاتمہ کیا جانا چاہیئے بلکہ اس کا موقع باقی نہ رکھا جائے کہ کوئی ناجائز اور خفیہ جماعت بن سکے۔ مگر جرمن جنرل اسٹاف کی صورت متعدد منہ والے سانپ کی سی ہے جس کا سر کاٹ دیا جائے تو دوسرا کام کرنے موجود رہتا ہے اس دفعہ نہ صرف سابقہ فوجی جماعتوں پر نظر رکھنی ہو گی بلکہ ہر سوسائٹی اور سائنٹیفک کمیٹی کی نگرانی کرنی ہو گی پبلشنگ فرموں کی دیکھ بھال کرنی ہو گی ورزشی اور کھیل کے کلب کو زیر نگاہ رکھنا ہو گا۔ اور سب سے زیادہ بڑے جنرلوں کی درس گاہوں اور تحریروں کا جائزہ لینا ہو گا جو اپنی یادداشت مرتب کرنے بیٹھیں گے

ایک میم جسے دعوت میں نمایاں جگہ نہیں ملی تھی (میزبان سے) جناب آپ اس کا خیال نہیں کرتے کہ کس مہمان کو کہاں بٹھانا چاہیئے

میزبان: جو مہمان اس قابل نہیں کہ ان کا احترام کیا جائے وہ جہاں بھی بیٹھ جائیں انہیں کوئی پروا نہیں ہوتی اور جو اس قابل نہیں ان کی پروا بے کار ہے۔

سبیتا دیوی "سرائے کے باہر" میں جو ناولٹی میں دکھایا جا رہا ہے

ون مالا "بیتے دن" میں جسے ڈائرکٹر عزرا میر تیار کر رہے ہیں

سریندر اور نور جہاں "انمول گھڑی" میں جو بیک وقت سوپر اور میجسٹک میں دکھایا جا رہا ہے
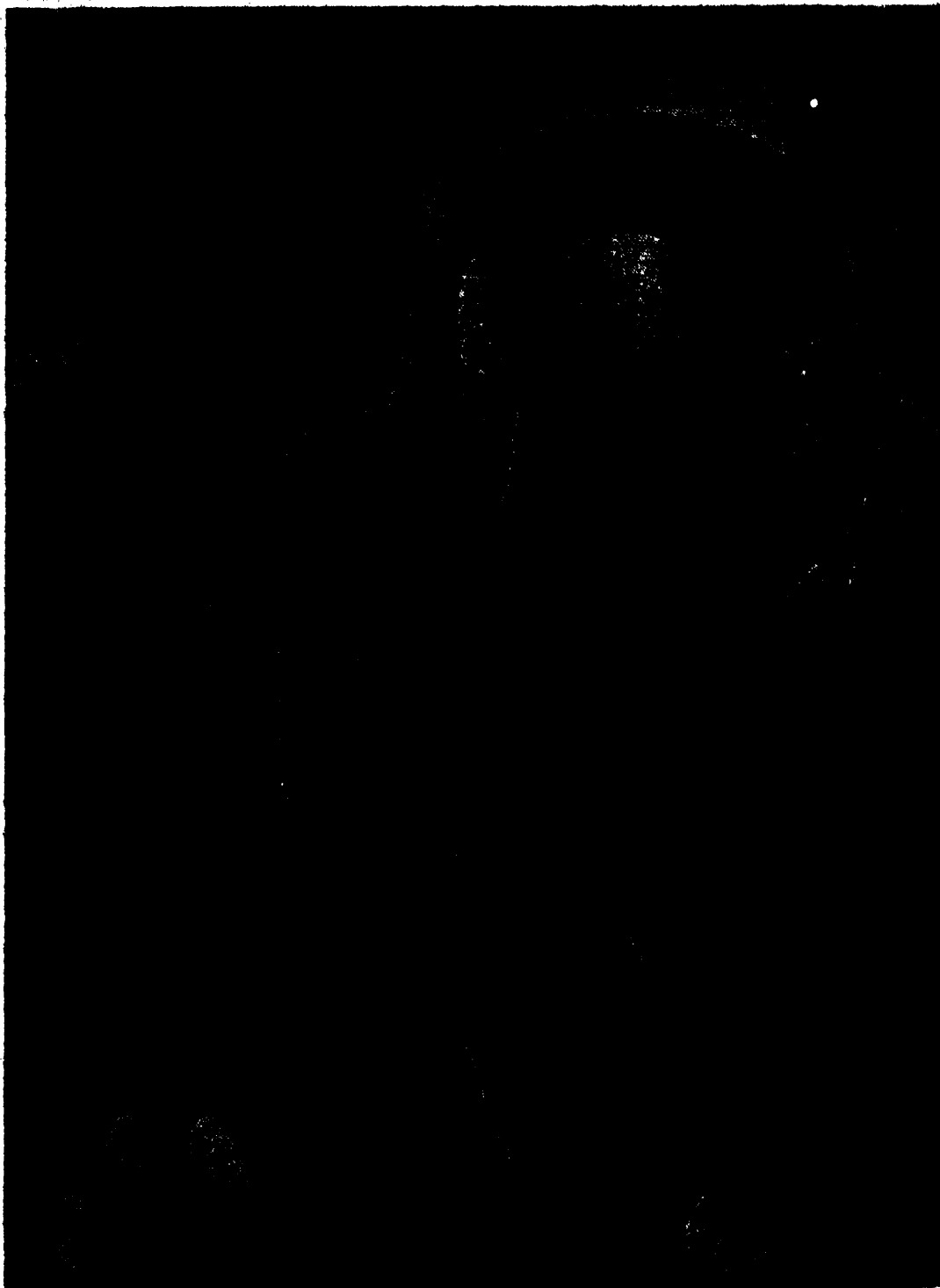
KATHARINE HEPBURN and ROBERT TAYLOR in M-G-M's latest picture "UNDERCURRENT" next attraction at the METRO.

EDITED, PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS, BOMBAY 3.

قیمت دو آنہ ۱۶ صفحات

نمبر ۱۸ ||| بمبئی یکشنبہ ۱۸ مئی ۱۹۴۷ عیسوی ||| جلد ۲۰

VOL. XX } BOMBAY, SUNDAY 18TH MAY 1947 { NO. 18

گاندھی جی کی سرت بابو سے کلکتہ میں ملاقات
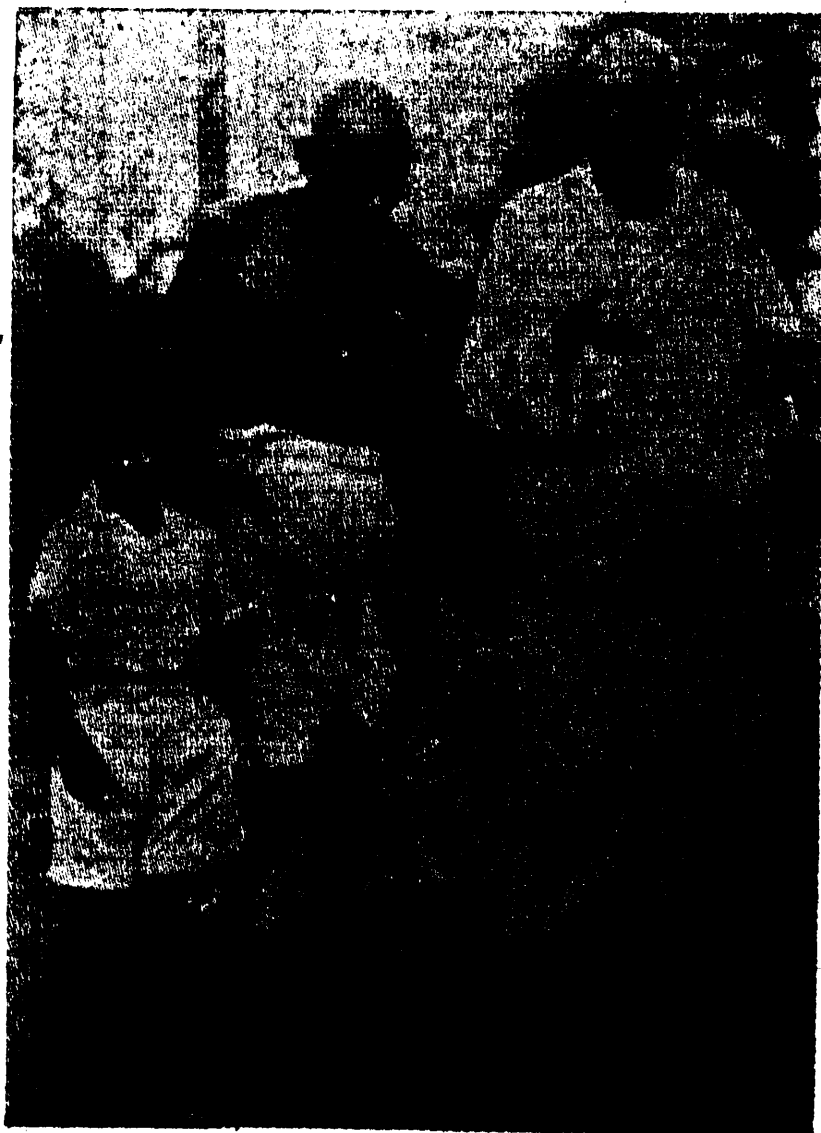
گاندھی جی اور سرت چندر بوس سودے پور آشرم کلکتہ میں

فقیر ایپی

فقیر ایپی جنہوں نے انگریزوں کی غلامی کے خلاف ہمیشہ جہاد کیا اور اب انہوں نے سرحد کے گورنر کے خلاف ایک کھلی چٹھی اخبارات میں شایع کی ہے

گذشتہ اتوار کو لردولا لمنٹک پر سوشلسٹ پارٹی کی طرف سے ایک جلسہ عام ہوا۔ مسٹر جے پرکاش تصویر میں دکھائی دے رہے ہیں

گذشتہ اتوار کو وزیر اعظم حکومت بمبئی مسٹر کھیر نے ہوم گارڈز کی پریڈ ملاحظہ فرمائی

جنوبی افریقہ کے نمائندوں ڈاکٹر یوسف اور ڈاکٹر نائیکر کا بمبئی کی خواتین کی طرف سے خیر مقدم کیا گیا

ناراضی کے اسباب

برطانوی لیبر جماعت کے منحرف ممبران پارلیمنٹ برطانوی کابینہ کی خارجہ پالیسی کے کیوں مخالف ہیں؟ اس کے متعلق طرح طرح کی پیشگوئیاں ہیں اور چرچل ایری کے ہمدردان بے دام کے اور انگریزی اخبارات کے کچھ حلقوں سے امید لگائے بیٹھے ہیں کہ مزدور جماعت کی یہ پھوٹ انہیں ختم کر کے پھر برسر اقتدار لائے گی اور لیبر قدیم کو ان کے منانے کا موقع ملے گا۔

انگلو یہ آس کہاں تک پوری ہوتی ہے اس کو آئندہ والا زمانہ ہی بتائے گا۔ مگر سوال بالا کا جواب ایک مزدور نے ممبر پارلیمنٹ منجانب حلقہ [illegible] مسٹر جینیگا ایس اور ان ہیوال وزیر مشلان نے دیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ مزدور جماعت میں خارجہ پالیسی پر جو ناراضی ہے وہ نہ تو کمیونسٹ جماعت کا نتیجہ اور نہ کسی قسم کی سازش ہے بلکہ اسے یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہر حلقہ مزدور اور ٹریڈ یونین کی طرف سے جن میں متعدد ممبران پارلیمنٹ بھی شامل ہیں مزدور کابینہ کو خطرے سے آگاہ کیا گیا ہے۔

یہ چیز کئی مہینے سے چل رہی ہے۔ اور نجی گفتگو اور پرائیوٹ ملاقاتوں میں وزیر خارجہ کو بتا دیا گیا ہے کہ خارجی سیاست سے لوگوں کو شکایت ہے۔

مسٹر بیون وزیر خارجہ کی صورت یہ ہے کہ جب وہ دو ایک ایسے ممبروں سے باتیں کرتے ہیں جو انسان کی ہر بات میں خوبی پاتے ہیں۔ انہوں کی ہر بات میں خرابی تو وہ جھنجھلا اٹھتے ہیں اور ناراض ہو جاتے ہیں بعض ان کے اس رویہ کو مناسب سمجھتے ہیں لیکن ہم میں سے وہ لوگ جو ان کے سوشلسٹ عقائد کے متعلق وزیر خارجہ کو اعتماد ہے ان سے گفتگو میں تہذیب متانت اور معقولیت ہوتی ہے۔

ہم اس قضیہ کے متعلق یہ رائے قائم کر کے چلتے ہیں کہ یہ اختلافات جماعتی قوت کو کمزور نہیں کرتی بلکہ یہ اختلافات سوشلسٹ اصول کے [illegible] نفاذ کے متعلق ہیں اور ان اختلافات کو نمایاں ہونا چاہئے تھا اور [illegible]

ان اختلافات [illegible]

پر اثر تو ضرور ہوگا مگر انجام کار میں جس کے لئے کوئی بڑی مدت درکار نہیں۔ کیونکہ ہمیں یقین دقت گذرنے کا موقع نہیں ہے اس کا نتیجہ اچھا ہوگا۔

جو لوگ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ لیبر جماعت میں پھوٹ پڑ رہی ہے وہ خود یہ نہیں سمجھتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ انگریزوں میں بلوغ سیاسی پیدا ہے۔ وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے کہ وہ ہر جماعت کی سننا چاہتے ہیں اور خود اپنے لئے فیصلہ کرنا چاہتے ہیں اگر اس قوم میں بلوغ سیاسی کی کمی ہوتی تو وہ راشننگ کے مسئلہ۔ مکانوں کی قلت اور عام حالات زندگی کی خرابی پر حکومت سے دست و گریبان ہو جاتے۔ مگر یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ خرابیاں کیوں پیدا ہیں اور حکومت جو کہ فوری مفاد اور آئندہ کی ترقی کے لئے کر رہی ہے۔ اس کا اعتراف کرتے ہیں تبدیلیوں کا منہ توڑ جواب دیا جا رہا ہے اور مختلف معاشرتی اور اقتصادی اداروں سے یکے بعد دیگرے نکالا جا رہا ہے۔ ہمیں ان سے لطف بین لطف آ رہا ہے اور کامیابی کی امید ہے اور حالات کو سوشلسٹ نقطۂ نظر سے درست کر دیں گے۔

رہے مسائل خارجہ

تو مسائل خارجہ میں ٹوریوں سے کوئی سخت مقابلہ نہیں ہے بلکہ اب تک ٹوری لیبر رنگ پر چلے جا رہے ہیں ٹوریوں نے تقریباً ہر سفارتی اور خارجی عہدہ کو اپنا لیا ہے اور غیر ممالک میں کل کی کل خارجی اقتصادی اور فوجی جگہوں پر بھی ٹوری بھرے ہوئے ہیں۔ اسی طرح مسٹر بیون ایک عجیب کشمکش ہم انگریزی طریقہ کے فدائی نہیں ہیں اور نہ کسی ملازم کو بعض اس کی ذاتی رائے کے لئے اگر وہ اپنا فرض منصبی صحیح طریقہ پر انجام دیتا ہے ماخوذ کرنا نہیں چاہتے۔ مگر صورت یہ ہے کہ سارا خارجی نظام ناکارہ ہو رہا ہے اور لیبر پارٹی کا کوئی فرد مرد ہو یا عورت ان کو بھی نہیں ہے نتیجہ یہ ہے کہ موقع پر جو کام فوری کرنا ہوتا ہے وہ انہی عہدہ داران کو کرنا ہوتا ہے اور وہ عہدہ دار ایسے ہیں جو لیبر جماعت کے نظریہ کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور اس لئے اس کے مطابق کام نہیں کر سکتے۔

اس لئے دفتر خارجہ کو ہر معاملہ میں ہدایات دینی الحق ہیں انگریز دنیا میں اپنا حکم چلانا نہیں چاہتے اور وہ امریکہ روس یا دوسرے ممالک کے نظریہ سے مخالفت کرنا چاہتے البتہ اپنا زاویۂ نظر واضح کر دینا چاہتے ہیں امریکہ اور روس تو اپنے اپنے نقطۂ نظر کو واضح کر دینا چاہتے ہیں مگر عمال کی خرابی کے باعث برطانوی نظریہ پوری طرح واضح نہیں ہوتا اسی کے ساتھ بدقسمتی سے یہ غلط خیال پھیل گیا ہے۔ کہ انگریزی وزارت خارجہ روس کی مخالف اور امریکہ کی حامی ہے

روس کے خوف کی وجہ

روس اس وقت ایک ویران ملک ہے کمزور ہے ڈرا ہوا ہے اس لئے بہت گھرکیاں دیتا ہے مگر وقت قریب ہے کہ وہ اپنی خود تیار کردہ سرزمین کی اقتصادی حالت درست کر لے گا۔ اس وجہ سے یہ سوالات پیدا نہیں کرے گی کہ امریکہ روس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر حملہ کر دے گا اور کیا برطانیہ تیسری جنگ عمومی کو نہ ہونے دے گا۔ یہی سوالات بے چینی کے ہوئے ہیں۔ اور اسی کے لئے سو ممبران نے اجلاس سے غیر حاضر ہو کر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیا۔ مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ موجودہ حکومت کو توڑنا چاہتے ہیں وہ یہ جانتے ہیں کہ ایسی اچھی حکومت کبھی انگلستان میں نہیں ہوئی تھی۔ البتہ اصلاح کے لئے وہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر دیتے ہیں۔ وہ نہ کمیونسٹ کے پھیر میں ہیں نہ ٹوریوں کے چکر میں ہیں بلکہ اپنا آپس کا اختلاف ہے جو زیادہ اہمیت نہیں دیکھتے۔

حکومت امریکہ کی کسان نوازی

(ذیل کا مضمون مختلف صوبہ جاتی حکومتوں کے لئے سبق آموز ہے۔)

"رادل بے جمیس [illegible]

زمانہ جنگ کا امریکی بحری مرمت ساز جہاز دکلی پر ریڈیو میں تھا۔ لڑائی کے خاتمہ پر جب جب وہ تخفیف میں آ گیا تو اس نے فارمرہوم ایڈمنسٹریشن سے قرضہ لے کر ۱۰۰ ایکڑ کا ایک فارم خریدا اور اب وہ اپنی بی بی اور تین بچوں کو لے کر چین سے ہے۔

زمانۂ جنگ میں میاں بی بی کلیفورنیا کے مرکز پر کام کرتے تھے جب کام چھوٹ گیا تو بی بی کے پاس صرف ۳۰۰ ڈالر تھا جس سے خرچ چلنا دشوار تھا۔ حکومت کی طرف سے کسانوں کی امداد کے لئے فارمرہوم ایڈمنسٹریشن قائم ہے۔ انہوں نے اس دفتر میں قرضہ کی درخواست دی۔ جہاں سے انہیں ڈالر قرض ملے۔ جس سے یہ مزرعہ خرید لیا اور ۲۵ سو ڈالر اخراجات کے لئے قرض ملے یہ روپیہ تین فی صدی سالانہ سود کے حساب سے اصل مع سود چالیس سال میں ادا کرنا ہوگا۔

ہیلیمن کے مزرعہ میں سپروائزر جیمس کی مدد سے بھینس۔ گائیں ۲۰۰ مرغیاں اور الف دیارہ کے لئے ۱۲ ایکڑ سفید مرچا۔ زیرز بنی ایک جھونپڑ۔ تھوڑی سی مرغیاں اور خانہ باغ اور ترکاریوں کا باغ ہے ہمیں مشن کی مدد سے ۳۰۰ کوارٹ پھل اور ۱۵۰ کوارٹ سبزی ترکاری بند بیلوں میں بھر کر ہر موسم میں جالان کر سکتا ہے۔ ہفتہ میں ایک دن ایک مدرسہ مولیشیاں میں مولیشیوں کی پرورش اور تربیت کی تعلیم لیتا ہے

۱۹۳۲ء سے امداد مزارعین کے محکمے قائم ہیں جن میں اب تک ہاسی ہزار بے روزگار اور جنگ کے مارے ہوئے کام کرنے کے قابل بنا دیئے گئے کہ کھیتی کرنے والوں کو تین قسم کے قرضے دیئے جاتے ہیں۔ مکمل فارم خریدنے کے لئے چالیس سالہ مدت کے لئے ۳ فی صدی سود پر قرضہ کم میعادی ایک سال سے ۵ سال کی مدت کے ۵ فی صدی سود کے قرضے خشک اور بے آب زمینوں کے لئے قرضہ آب رسانی

ساتھ ہی ساتھ قرضہ دیا جاتا ہے اسے مشورہ دینے میں بھی وقتاً فوقتاً مدد دی جاتی ہے اور ہر سپروائزر ہر کسان خاندان کی مدد کرتا ہے نیز ایک معاشرتی ماہر خانہ داری کو کاشتکار خاندانوں کے خانہ میں مشورہ اور مدد دیتا ہے۔

صوبجات مکمل طور پر آزاد ہوں گے اور ان کا متحدہ مرکز بھی ہوگا

ہندوستان کے متعلق برطانوی کابینہ کا فیصلہ

لندن، ۱۵ مئی۔ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے دورہ کے بعد قیاس آرائیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ حکومت برطانیہ کی طرف سے وائسرائے ان تجویزوں کو ہندوستانی لیڈروں کے سامنے جو تجویز رکھیں گے۔ اس کے بارے میں لوگ خیالی گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔ کہ انتقال حکومت کے طریق کے صحیح حالات کیا ہو سکتے ہیں۔

سرکاری حلقے جو اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ ابھی تک کوئی فیصلہ کن بات طے نہیں نہیں ہوئی، وہ بھی اس معاملے میں قیاس آرائی کے سلسلے میں زیادہ خاموش نہیں، عام طور پر اس بات کا اظہار خیال کیا جا رہا ہے کہ برطانیہ کا جنگی کیبنٹ نے نہایت احتیاط سے انتقال حکومت کے طریق کا ایک خاص پہلو سوچ نکالا ہے۔

اس نئی تجویز میں ایک بات یہ ہے کہ اس میں بڑی سمجھ گیری ہے اس میں وہ تمام بنیادی اصول موجود ہیں جو اصل برطانوی تجویز میں پہلے رکھے گئے تھے، اس کے باوجود ہندوستان کے مختلف فرقوں کے جتنے اعتراضات ہیں اس میں ان کا حل بھی موجود ہے۔

اس تجویز میں اس بات کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے کہ برطانوی کابینہ تقسیم ہند کے خلاف ہے اگرچہ قرطاس ابیض میں اس کے امکانات پر ضرور روشنی پڑتی ہے، کیونکہ اس میں حکومت یا حکومتوں کے الفاظ موجود ہیں۔

مستجادینہ کے پس پردہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کے جاننے والے کہتے ہیں کہ اس نئی تجویز میں مرکزی حکومت قبول شدہ صورت میں تو نہیں پائی جاتی لیکن متحدہ حکومت کے الفاظ موجود ہیں۔

یہ حکومت پورے طور پر خود مختار ہوگی۔ اساسی لحاظ سے کانگریس اور مسلم لیگ کے ہندستان اور پاکستان کے نظریوں پر پوری اترے گی۔

مرکزی حکومت ان آزاد [illegible] کار نمائندوں پر مشتمل ہوگی جو آزاد صوبوں کی طرف سے مقرر کردہ ہوں گے، اس کی صورت ایسی ہی ہوگی جیسی مجلس اقوام کی منظور ہو چکی ہے۔

سیاسی وجوہ کے علاوہ اس تجویز کے سلسلے میں عملی مشکلات آئیں گی، انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ [illegible] یہ کیا جا سکتا ہے کہ تقسیم کی صورت میں ریاستیں [illegible] کام کریں گی، دفاع جیسے [illegible] وسائل کا کام [illegible] بیرونی [illegible] کہ اب اس کام کو دولت متحدہ کی رسل و رسائل کی کمیشن کرتی ہے۔

کیا مجوزہ صورت میں ہر ایک، [illegible] ریاست اس بات کا دعویٰ کرے گی کہ اسے سیاسی نمائندگی دی جائے، بہرحال ہر ایک کام باہمی تعاون سے ہوگا اور اس کے لئے مجلس اقوام کی رکنیت ہمارے لئے مشعل راہ ہو سکتی ہے۔

جو لوگ مجوزہ پلان کے مضمون سے کچھ واقفیت کا اظہار کرتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ یہ اور بہت سی اور بہت سی پیچیدگیاں ہیں جن کے بارے میں ہندوستان اور وائٹ ہال میں تبادلہ خیالات ہوا۔

مسٹر [illegible] نے آج کے اخبار [illegible] میں لکھا ہے کہ [illegible] والے بیان میں ایک اعلان کی سی صورت ہے، اس میں برطانوی ہندوستان کو پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پنجاب اور بنگال کو بھی تقسیم کر دیا گیا ہے، ہندوستانی ریاستوں کو خود مختار حکومتیں قرار دیا گیا ہے۔ جو اگر چاہیں گی تو ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ ملکر نظم و نسق کریں گی یا پھر برطانیہ کے ساتھ جداگانہ طور پر حلیف بنکر رہیں گی۔ (رگلوب)

[illegible] نے مسلمانوں کے دلوں میں اعتماد پیدا کر دیا تو

ا[illegible] سے ہندوستان پر اثر پڑیگا۔ گاندھی جی کی تقریر

پٹنہ ۱۵ مئی۔ آج یہاں گاندھی جی نے پرارتھنا کی تقریر میں فرمایا میں نے نواکھالی میں "کرنے یا مرنے" کی قسم کھائی تھی۔ یہی قسم مجھے کلکتہ کھینچ لائی۔

گاندھی جی نے دہلی اور کلکتہ جانے کا ذکر کیا اور فرمایا۔ میرا کلکتہ آنے کا کوئی خیال نہیں تھا میں نے بہار اور نواکھالی کے لئے "کرنے یا مرنے" قسم کھائی تھی لیکن کلکتہ کے بارے میں جو کچھ سنا اس سے میرے دل میں خیال پیدا ہوا۔ کہ شاید میرا وہاں جانا کچھ مفید ہو۔ نواکھالی میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ بالکل ناکام نہیں رہا۔ میں کلکتہ میں بھی در اصل بہار ہی کے لئے کام کر رہا تھا میں کلکتہ جاؤں یا جہاں کہیں سے بلاوا آئے وہاں جاؤں لیکن بہار اور نواکھالی کو کبھی نہیں چھوڑ سکتا۔ میں جہاں کہیں بھی جاؤں وہاں میرا جانا "کرنے یا مرنے" کے مشن کے اندر ہوگا لیکن مستقبل ہر حال میں اللہ میاں ہی کے ہاتھ میں ہے۔

گاندھی جی نے فرمایا بہار میں معاملات آہستہ آہستہ چلے لیکن جب بہار میں لوگ جنون پر اترے تو ان کی رفتار بہت تیز تھی۔ اب اس کی کوئی وجہ نہیں نظر آتی کہ اصلاح کے وقت بھی ان کا قدم سست کیوں نہ ہو۔

گاندھی جی نے آخر میں کہا اگر بہار مسلمانوں کے دلوں میں اعتماد پیدا کرنے میں کامیاب رہا تو اس کا پورے ہندوستان پر اثر پڑے گا۔ (اے پی)

فارورڈ بلاک کے لیڈروں میں اختلاف

مدراس، ۱۵ مئی۔ معلوم ہوا ہے کہ بنگال اور پنجاب کی تقسیم کے سوال پر فارورڈ بلاک کے ممبروں کے درمیان سخت اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے۔

اگرچہ فارورڈ بلاک کے کچھ بنگالی ممبروں نے حال ہی میں کانگریس کے طرز عمل کی حمایت میں ایک میمورنڈم شائع کیا ہے، لیکن فارورڈ بلاک کی مجلس عاملہ کی اکثریت جس میں جنرل سکریٹری مسٹر شیل بھدرا یاجی بھی شامل ہے، اس بنیاد پر اس کے سخت مخالف ہیں کہ تقسیم کا اصول تسلیم کر لینا نہ صرف فارورڈ بلاک کے واسطے نقصان رساں ہوگا۔ بلکہ ملک کیلئے بھی خطرناک ثابت ہوگا

توقع ہے کہ فارورڈ بلاک کی ایگزیکٹو کمیٹی کی عنقریب میٹنگ طلب کی جائے گی، تقسیم کے سوال پر پارٹی میں اختلاف رائے پیدا ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ (رگلوب)

اسٹرلنگ قرضہ کا فیصلہ

لندن، ۱۴ مئی، اخبار فائنانشل ٹائمز رقمطراز ہے کہ مسٹر ڈالٹن نے دارالعوام میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ برطانوی کابینہ ڈاکٹر ڈالٹن کی سفارشات کی تائید کرتی ہے

اخبار مذکور اس کے بعد اپنی رائے دیتا ہے۔ اور ڈاکٹر ڈالٹن کے بیان کو بہت اطمینان بخش قرار دیتا ہے، اور کہتا ہے کہ آئندہ گفت وشنید میں جو لوگ برطانیہ کی طرف سے بات چیت کریں گے۔ اس بیان سے ان کے ہاتھ بہت مضبوط ہو جائیں گے۔

اخبار مذکور یہ بھی کہتا ہے کہ قرض خواہ ممالک کو اچھی طرح معلوم ہے کہ لندن نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب تک اسٹرلنگ قرضوں کو کم نہ کیا جائے گا۔ اس وقت تک وہ کسی معاہدے پر دستخط نہ کریگا، اس لئے قرض خواہوں کو زیادہ دیر لگانے اور بہتر شرائط کا انتظار کرنے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

فائنانشل ٹائمز سے سنڈے آبزرور نے اداریہ کا حوالہ دیتے ہوئے ہندوستان اور مصر کے بارے میں لکھا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان ممالک نے نہ برطانیہ سے یہ درخواست نہیں کی تھی کہ وہ ان کی حفاظت کرے لیکن ان ممالک نے اتحادی فوج سے فائدہ اٹھایا ہے [illegible] اس سلسلے میں [illegible] بن گئے۔ (رگلوب)

گاندھی جناح اپیل کی تشہیر

جبلپور میں ہوائی جہاز سے پھینکی گئی

جبلپور، ۱۴ مئی۔ فرقہ وارانہ امن کے لئے گاندھی جی اور مسٹر جناح نے جو مشترکہ اپیل شائع کی ہے اس کی نقول کل صبح ہوائی جہاز سے جبلپور میں پھینکی گئی تھیں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ کانگریسی حکومت نے اس صوبے میں پروپیگنڈا کا یہ طریقہ استعمال کیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حکومت [illegible] کا محکمہ اطلاعات فرقہ وارانہ امن [illegible] سے متعلق [illegible] کے لئے وسیع تشہیر [illegible] جو پمفلیٹ تقسیم کرنے کے سلسلے میں بھی یہی طریقہ اختیار کریگا۔

اڑیسہ کی ریاست پر نظام کا دعویٰ

کٹک، ۱۴ مئی۔ معلوم ہوا ہے کہ حکومت نظام اور مسلم لیگ کی حمایت سے [illegible] ریاستوں کی شمالی ریاستوں میں سے [illegible] ریاست بستر کی جس کا رقبہ ایک [illegible] ہزار مربع میل ہے حیدر آباد [illegible] کا مطالبہ کیا ہے۔ (رگلوب)

جمن

بشکریہ شعبۂ صحافت جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر (دہلی)

از جناب قمرالدین رام نگری

پھر جیسے پریم ناتھ کے زینے سے اُتر کر سڑک پر کھڑے ہوتے ہی پیچھے سے ایک آدمی نے کہا "بابو صاحب! یہ ریزگاری لے لیجئے اور ایک روپیہ مجھے دیدیجئے پیسے رہتے ہیں تو خرچ ہو جاتے ہیں۔"

پریم ناتھ نے اس کے چہرے کی طرف ذرا چونک کر دیکھا پھر اپنی سب سے چھوٹی لڑکی پھول کماری کو سہارا دے کر زینے سے اتارتے ہوئے بولے۔

"رنو! پھول باغ چلو گی نا؟"

بچی نے جواب نہیں دیا صرف سر ہلا دیا چلنے سے پہلے پریم ناتھ نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک روپیہ کا نوٹ نکال کر بولے۔ "لاؤ ریزگاری"

"لیجئے بابوجی! مگر کچھ پیسے بھی دوں گا" کہہ کر اس آدمی نے پریم ناتھ کے ہاتھ پر ایک چونی، نکل کے اور ایک دونی اور تین اکنیاں رکھ دیں اور باقی پیسے اپنی کرتے کی میلی تھیلی سے نکال نکال کر گننے لگا۔

پریم ناتھ کی بیوی پھول کماری کو اتارنے کے لئے زینے کے نیچے تک آ گئی تھیں۔ وہ کواڑ کے پیچھے کھڑے ہو کر بڑی دلچسپی کے ساتھ شوہر کا تماشہ دیکھ رہی تھیں۔

ابھی اس آدمی نے پیسے پورے بھی نہیں کئے تھے کہ چھ سات سال کی ایک لڑکی نے آکر اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور روتی آواز میں بولی "نہیں ابا سب پیسے نہ دو۔ ایک میں لوں گی۔ اوں۔ اوں۔ ایک تو مجھے دو" باپ نے لڑکی کو جھڑک کر کہا "ہٹ ہٹ کر دور ہو۔ اس کھیپ میں تجھے ضرور پیسے دوں گا۔"

لڑکی نہ مانی۔ بولی نہیں ابا۔ ابھی دو مجھے اور وہ باپ کا ہاتھ چھوڑ کر ذرا دور پر کھڑی ہو گئی۔ باپ نے ساری تھیلی الٹ کر باقی سات آنے پیسے گن دیئے اور روپیہ لے کر بجانے لگا۔

لڑکی کو شاید اب تک امید تھی۔ جب باپ چلنے کو ہوا تو اس کی کالی کالی آنکھیں اشک آلود ہو گئیں۔ وہ رونے لگی۔

پریم ناتھ نے ایک پیسہ لے کر اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ باپ نے گھوم کر کہا "نہیں بابو جی یہ نہ ہوگا اور لڑکی کے ہاتھ سے پیسہ چھین کر لوٹانے لگا۔

پریم ناتھ نے اس کے دھول بھرے ہوئے ہاتھ کو جھٹک کر کہا "جانے دو کیوں رلاتے ہو لڑکی کو، وہ بھی تو میری لڑکی ہی کے برابر ہے"

اتنے میں لڑکی مٹھی میں پیسہ دبا کر دوڑ کر خوشی خوشی بھاگ گئی پریم ناتھ نے پھول کماری کی انگلی پکڑ لی اور آہستہ آہستہ چل پڑے۔ وہ آدمی بھی ان کے ساتھ چلتا ہوا بولا۔

"بابو جی، یہ کوئی ٹھیک نہیں ہوا، ذبردستی تو میں نے آپ کو پیسے دیئے اور۔۔۔۔۔"

پریم ناتھ:۔ کیسے آدمی ہو جی! کیا میں نے تمہیں پیسہ دیا، جیسے تمہاری لڑکی ویسے میری لڑکی! تم کہاں رہتے کیا کام کرتے ہو؟ تمہارا نام کیا ہے؟

وہ سوالوں سے گھبرایا نہیں بولا۔

"جمن کہتے ہیں مجھے مٹی کھود کر بیچتا ہوں" پھر مول گنج کی ایک تنگ گلی کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ادھر نکڑ پر ایک کوٹھری میں رہتا ہوں۔ مٹی کی ضرورت ہو تو آپ یہاں پہونچا دوں"

پریم ناتھ:۔ اچھی بات ہے پھر بتاؤں گا۔

پھر دونوں الگ الگ راستوں سے چل دیئے مگر جمن کی آنکھوں سے جو احسان مندی اور جذبۂ تشکر کا اظہار ہو رہا تھا۔ وہ پریم ناتھ سے چھپا نہ رہا۔

(۲)

پریم ناتھ گھوم کر واپس آئے تو ان کی بیوی نے ہنس کر پوچھا:۔ کیوں جی۔ تمہیں بھی کتنی فضول باتیں ہیں۔ کون تھا وہ آدمی؟ کتنی ہی دیر تو دروازے کے پاس ہی لگا دی اور کہتے ہو رنو تنگ کر دیتی ہے"

پریم ناتھ نے پھول کماری کو گود سے اتار کر کہا "سب طرح کے آدمی ملتے رہتے ہیں اور آج تو پھول نے سچ مچ مجھے حیران کر ڈالا کہاں گھمایا اور لطف یہ ہے کہ گود سے نیچے قدم نہیں رکھا، کتنے پیسے خراب کرا کے تو لوٹی ہے نکال پھول اپنے کھلونے، بسکٹ اور چاکلیٹ تھوڑے کملا کو تھوڑے شاردا اور تھوڑے راجو بھیا کو دے۔"

بیوی نے پھول کماری کو اپنی گود میں کھینچ لیا اور بولی "بابو ٹہلنے میں پیسے خرچ نہیں ہوتے ہماری لڑکی نے کچھ لے لیا تو گویا بڑے خرچ ہو گئے دیکھیں بیٹی تم کیا کیا لے آئی ہو۔

پھول کماری اٹھ کر باپ کی طرف کھسکنے لگی تو ماں نے کھینچ کر بٹھا لیا اور ذرا مسکرا کر ڈانٹا جانتی نہیں۔ بابوجی کتنی جلدی پریشان ہو جاتے ہیں! پھر انہیں کے پاس کہاں گھومتی رہتی ہے۔

پریم بھری جھڑکیوں کے سامنے مٹھائی بھی پھیکی لگتی ہے۔ بڑی دیر تک پریم ناتھ بیٹھے بیٹھے گھریلو زندگی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ اس روز بڑی لڑکی کملا نے کھانا پکایا تھا۔ شاردا اور کملا دونوں کو ماں نے رسوئی وغیرہ کے کام میں ماہر بنا دیا تھا۔ سب لوگ اٹھ کر رسوئی گھر میں گئے۔ تب تک کافی دیر ہو چکی تھی۔

کھانے کے بعد پھول کی ماں نے کہا "تم نے تو جمن کی لڑکی کو ایک ہی پیسہ دیا مگر اس کے انداز اس کی ڈبڈبائی ہوئی آنکھیں اور اس کے باپ کی مجبوریاں کو دیکھ کر میرے تو جی میں تھا کہ اس سے پیسے نہ لیتے۔ یوں ہی روپیہ دیدیتے۔

پریم ناتھ:۔ عورتوں کا دل نرم ہوتا ہے۔ لیکن میرے لئے تو تم بڑی سخت ہو۔ اور کوئی زمانہ تھا۔ جب تمہیں راضی کرنے میں میرا نہ جانے کتنا وقت صرف ہوتا تھا۔ یاد ہے!

بیوی۔ تو تم چاہتے ہو بھول جاؤں

پریم ناتھ تم تو بھول بھی سکتی ہو مگر میرے لئے بھولنا مشکل ہے۔

اس کے بعد اور بہت سی باتیں ہوئیں پھول کی ماں نے ایک اور پُر لطف واقعہ سنایا۔ آج نیچے سڑک پر ایک مداری تماشہ دکھانے لگا۔ بڑی بھیڑ تھی دو دو تین تین لڑکیاں بھی کہیں سے آ گئیں۔ ایک غنڈے نے انہیں چھیڑ دیا۔ اس پر بڑا گول مال ہوا۔ پولیس آ گئی مگر غنڈے تو نکل بھاگے اور پٹ گیا بیچارہ مداری اس کا تماشہ بھی پورا نہ ہوا ایک پیسہ بھی اسے نہ ملا اسے اس شہر میں غنڈوں کا راج ہو رہا ہے شاید اب انہیں دبانے والا کوئی نہیں ہے

پریم ناتھ:۔ تم یہی سب دیکھا کرتی ہو دن بھر۔ دن بھر؟

بیوی:۔ اور کیا سڑک کے کنارے مکان سے جو لطف اٹھا سکتی ہوں اس سے کیوں باز رہوں۔

پریم ناتھ:۔ اچھا۔ اچھا خوب لطف اٹھاؤ۔

(۳)

پریم ناتھ کا سارا گھر کملا کے بیاہ کی تیاری میں مصروف تھا۔ ان کا اصلی گھر گاؤں میں تھا مگر وہ شہر ہی سے بیاہ کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے گاؤں سے بھی کئی عورتیں آ پہونچی تھیں۔ الہ آباد برات آ رہی تھی۔ چنانچہ آج وہ چھٹی لینے تھے چنانچہ آج وہ چھٹی ہی لینے گئے تھے کالج بند ہو گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی وہ دیر تک پرنسپل سے غپیں لڑاتے رہے وہاں سے چلنے لگے تو شہر میں فساد ہو گیا ہے اور سڑک بند ہے۔

اب وہ بڑی مصیبت میں پڑ گئے کالج میں رہنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا انھوں نے ٹیلیفون اٹھایا کئی جگہ فون کئے مگر کہیں سے جواب نہیں ملا۔ بڑی دیر کے بعد ایک دوست نے جواب دیا "آپ کالج میں ہیں تو وہیں رہیے شہر میں بہت خوفناک فساد ہو گیا ہے۔"

پریم ناتھ رات بھر بے چین رہے چپراسیوں کے سوا وہاں کوئی دوسرا نہ تھا انھوں نے پولیس۔ کوتوال ضلع مجسٹریٹ سب کو فون کئے مدد کی درخواست کی مگر سب نے مجبوری ظاہر کی۔ فساد کی خبریں بہت خوفناک معلوم ہونے لگیں۔ اب پریم ناتھ کو اپنے گھر کی فکر ستا رہی تھی۔ جہاں مسلمانوں کا زور زیادہ تھا۔

انھوں نے رات بھر پیٹھ نہیں دی کبھی کرسی پر بیٹھے کبھی بنچ پر۔ رات کو پچھلے پہر کے قریب سڑک پر شور و غل سنائی دیا۔ چونک کر جو دوڑے۔ دروازے کے

شیشوں سے جھانکنے لگے چپراسی نے کہا سرکار چل کر چپ چاپ بیٹھئے نہیں تو ہم سب کی جان جائے گی - ادھر آکر دیکھئے کتنی آگ جل رہی ہے معلوم ہوتا ہے کہ مکان جلائے جا رہے ہیں -

پریم ناتھ نے دیکھا کتنے ہی محلوں سے آگ کی لپٹیں اٹھ کر آسمان کو چھو رہی تھیں انہیں معلوم ہوا جیسے ان کا گھر بھی جل رہا ہو جی چاہا کہ دھکیل کر نکل جائیں چاہے جو نتیجہ ہو -

اسی وقت باہر کسی کے بھاگنے کی آواز سنائی دی یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ برآمدے میں آکر زور زور سے سانس لے رہا ہے - پریم ناتھ کا بدن کانپ اٹھا - چپراسی کے چہرے کا رنگ اڑ گیا - اس نے اشارہ کیا - چپ بیٹھئے سرکار - اس کے بعد کسی کے گرنے اور کراہنے کی آواز آئی " ہائے رام کیا ہوگا ؟

پریم ناتھ اٹھ کر دروازے کی طرف دوڑے - چپراسیوں نے روکنا چاہا مگر وہ نہیں رکے - انھوں نے دروازہ کھول دیا اور ایک خون سے لت پت جسم اٹھا لائے اس کا مرہم پٹی کرنے لگے - چپراسیوں نے بھی مدد دی - جب وہ شخص ہوش میں آیا تو کہنے لگا - آج کانپور میں مردوں کے ڈھیر لگ گئے ہیں - خون قتل اور ہولناک اور ایسے انسانیت سوز اور بہیمانہ مظالم کبھی سننے میں نہیں آئے انسانیت مر چکی ہے - نیکی کا خاتمہ ہو چکا ہے - آتشزنی کی وجہ سے کانپور کی فضا مکدر ہو رہی ہے جنہیں کبھی سورج کی کرنوں نے بھی نہیں دیکھا تھا وہ سوکھیاں پھولوں کی طرح مسلی جا رہی ہیں میں نے بہت کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے مکانوں کو جلتے ہوئے - مندروں اور مسجدوں کو گرتے ہوئے - پریم نے غصہ سے ہاتھ ٹیک کر کہا " اور حکام کہاں مر گئے -

نو وارد نے کہا - جب تمام شہر جہنم بنا ہوا ہو حکام کر ہی کیا سکتے ہیں - پھر بھی اپنی کوشش کر رہے ہیں -

سوا امن کا دور دورہ ہے جو لوگ پولیس کی نگرانی اور حفاظت پر بھروسہ کئے بیٹھے رہتے ہیں اور خود کوئی انتظام نہیں کرتے وہ طاقت ہوتے ہوئے بھی غنڈوں کے شکار ہو جاتے ہیں -

تیسرے روز بڑی کوشش کے بعد رضاکاروں کی ایک موٹر لاری پر بیٹھ کر پریم ناتھ گھر روانہ ہوئے گو اس وقت ان کے دل کی کچھ عجیب کیفیت تھی جلے ہوئے مکانوں کے کھنڈر دیواروں پر پڑے ہوئے خون کے چھینٹے لٹی ہوئی دوکانوں کے سامان مسجدوں اور مندروں کی شکستہ چوٹیاں اور مینارے اور اسی اندر سسکتی اور کراہتی ہوئی انسانی روحیں ان مناظر کو دیکھ کر پریم ناتھ کا سینہ شق ہوا جا رہا تھا -

وہ جب مکان کے سامنے پہونچ کر لاری سے اترے تو ہر طرف شمشان کا سا سکوت طاری تھا - ان کے زینے کے کواڑ روئی کی طرح کھلا پڑا تھا -

پریم ناتھ کا دل دھڑک اٹھا دو رضاکار ان کو گھیرے ہوئے وہ اوپر چڑھے تو ٹانگیں کانپنے لگیں انہیں یقین نہیں تھا کہ گھر میں کوئی بچا ہوگا - ایسا معلوم ہوتا تھا - گویا زینے کی ہر سیڑھی پر ہزاروں غنڈے چڑھ اتر چکے ہوں - ہتھیاروں اور بلموں سے دیواریں جگہ جگہ کھرچ گئی تھیں وہ کسی طرح دل کو دبائے اوپر پہونچے تو دیکھا الماریاں ٹوٹی پڑی ہیں سیر دے میلا دیئے گئے ہیں شیشے کی چیزیں بری طرح چور کر دی گئی ہیں -

گھر میں کسی کی آہٹ تک نہیں مل رہی تھی انہیں محسوس ہوا جیسے سب کچھ برباد ہو گیا ان کا سر چکرا گیا سنّاٹے کے ساتھ دھڑام سے زمین پر گر پڑے - پیشانی میں شیشہ چبھ گیا اور زور سے خون بہہ نکلا - پیچھے سے رضاکار دوڑے ہوئے آئے - اور اس کے ساتھ ہی اندر سے چمن، کملا کی ماں، کملا اور گھر کی تمام عورتیں تھیں - دوڑ پڑے پریم ناتھ بیہوش ہو گئے تھے - کملا کی ماں نے ان کا سر اپنی گود میں رکھ لیا - چمن بیٹھ کر پنکھا جھلنے لگا - رضاکار منھ پر پانی کے چھینٹے دینے لگے

ہوش میں آنے کے بعد بھی پروفیسر صاحب کو یہی محسوس ہوا کہ وہ کانپور کے ایک کلاہ کے مکان کی چھت پر نہیں بلکہ سورگ میں بیٹھا جی چاہتا تھا - بچوں کو گودوں سے اور سب سے پوچھیں کہ انھوں نے کس قسم کی تکلیف سے

آخری وقت کب دم توڑا تھا - مگر کوشش کے باوجود ان کے خشک گلے سے آواز نہیں نکل سکی انھوں نے چمن کو پہچاننے کی بھی کوشش کی مگر حافظہ کام نہیں کر سکا -

زمین پر رہ کر زیادہ تر سورگ کا لطف نہیں اٹھایا جا سکتا - پریم ناتھ کو بھی سب کچھ معلوم ہو گیا - ان کی بیوی نے انہیں بتایا کہ گرنے کی آواز سن کر ہم لوگ ڈر گئے تھے خیال ہوا غنڈوں نے پھر حملہ کیا ہے - ہم سبھی تین روز تک چمن کی کوٹھری میں چھپ کر مارے آنے سے خدا بچائے گھر پہونچے تھے - گھر کی کوئی بھولی چیزوں کو ابھی ہاتھ نہیں لگایا تھا - تمہاری فکر میں سب لوگ چپ چاپ بیٹھے تھے - کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیسے

اور کہاں پتہ لگایا جائے سا تھے ہیں ....

پریم ناتھ نے پوچھا - چمن تمہیں کیسے مل گیا تھا -

بیوی - ابھی یہ سب بتانے کی فرصت نہیں ہے

گاندھی کا وائسرائے کے نام تار

کلکتہ ۱۷ مئی - ڈاکٹر شیاما پرشاد مکرجی نے وائسرائے کی لندن روانگی کے وقت ان کے نام ایک تار دیا ہے جس میں بنگال کے ہندوؤں کے لئے ایک علیحدہ صوبے کے مطالبہ کا اعادہ کیا ہے - تار پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کے نام بھی بھیجا گیا ہے - (اے پی)

(۴)

دوسرے دن اور تیسری رات کو بھی پریم ناتھ کو وہیں رہنا پڑا - گھر پہونچنے کا کوئی انتظام نہ ہو سکا - اسی درمیان میں ہزاروں کٹے پھٹے ہوئے لوگوں نے وہاں پناہ لی - سب کی زبانی یہی معلوم ہوا کہ شہر میں

آسام اور بنگال کے اچھوت مسلم لیگ کے حامی ہیں

لندن میں مسٹر چندریگر کا دعویٰ

لندن۔ ۱۹ رمئی۔ حکومت ہند کے رکن تجارت مسٹر اسمٰعیل چندریگر نے کنگسوے ہال لندن میں مسلمانوں کے ایک جلسے میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ دس کروڑ مسلمانان ہند ہرگز ہندوؤں کی غلامی قبول نہیں کریں گے اس لئے کہ وہ آقاؤں کی تبدیلی نہیں چاہتے۔ مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ ہے اور ان سب کا تمدن اور نظریہ زندگی بالکل ایک ہے اتنی بڑی جماعت کو کسی طرح سے بھی اقلیت نہیں کہا جا سکتا وہ ایک مستقل قوم ہیں اور وہ تب ہی ایک اقلیت بن سکتے ہیں جب ہندوستان کی وحدت قائم رہے اور وہاں ایک مرکز ہو۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ مسلمان آج متحد ہیں اور پاکستان کی منزل ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ ہندو ذات پات کے بندھنوں میں جکڑے ہوئے ہیں اور مسلمان اس سے بے نیاز ہیں۔ ہندوؤں کا اقتصادی نظام ان کے ذات پات کے نظام سے متعلق ہے اور یہی وجہ ہے کہ مسلمان اس سے الگ ہیں۔ ہندو مل مالکان اپنے ذات پات کے امتیازی کی وجہ سے محض ہندوؤں کو مستری اور بابو بناتے ہیں۔

آج ہندوستان میں ہندو اور مسلمان دونوں یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ جداگانہ قوم ہیں مسلمانوں کو پنجاب سندھ بلوچستان اور سرحد میں مکمل اکثریت حاصل ہے اور بنگال کے قبائلی علاقے بھی پاکستان کے حامی ہیں ہندوؤں کے تمام تر پروپیگنڈے کے باوجود ستر فیصدی بنگالی ہمارے ساتھ ہیں اس لئے کہ بنگال میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی تعداد بیس فیصدی سے زیادہ نہیں ہے بقیہ تمام ہندو جو اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے ذات پات کے نظام کے شکار رہ چکے ہیں مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کے مؤید ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ آسام میں مسلمانوں کی تعداد محض ۳۵ فیصدی ہے مگر اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی تعداد تو محض اٹھائیس فیصدی [illegible] ذات کے ہندو وہاں اقلیت [illegible] مسلم لیگ کے حامی [illegible] مسلمانوں کو مکمل اکثریت حاصل [illegible] ایک [illegible]

ایک بہادر قوم کی حیثیت سے قدر اور عزت کرتا ہوں مگر سوال یہ ہے کہ ان کی بہادری ان کو اس کا حق کب دیتی ہے کہ وہ پنجاب کی تقسیم کا مطالبہ کریں۔ اگر وہ کانگریس کے جال سے نکل آئیں تو ان کو پنجاب کی حکومت میں برادرانہ سلوک ملے گا۔

سر مرزا اسمٰعیل کا مستعفی ہونا ناگزیر ہے

مانکٹن کا عزم بنگلور

حیدرآباد دکن ۱۵ رمئی۔ جبکہ یہ بات یقینی ہو گئی ہے کہ سر مرزا اسمٰعیل حیدرآباد کی وزارت عظمیٰ سے مستعفی ہو جائیں گے۔ لیکن یہ کہنا درست نہیں ہے کہ سر مرزا اسمٰعیل مستعفی ہو چکے ہیں۔

توقع ہے کہ سر مرزا اسمٰعیل اپنے فیصلہ کا اعلان سر والٹر مانکٹن سے مشورے کے بعد کریں گے، سر والٹر مانکٹن کل ان سے خصوصی طور پر ملاقات کرنے کیلئے بنگلور روانہ ہو گئے ہیں

اس دوران میں ریاست بھر میں بڑی سنسنی پھیلی ہوئی ہے، اور ان کے بعد آنے والے شخص کے متعلق عام طور پر قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں، اس قسم کی افواہ کی انتہائی ضرورت ہے، تاکہ حیدرآباد کا وزیراعظم ۲ رجون کی کانفرنس میں شرکت کر سکے (گلوب)

جنوبی افریقہ کے لیڈروں کی پنڈت نہرو اور مسٹر جناح سے ملاقات

پٹنہ جاکر گاندھی جی سے ملیں گے

نئی دہلی۔ ۱۶ رمئی۔ جنوبی افریقہ کے ہندوستانی لیڈر ڈاکٹر جی ایم نائیکر اور ڈاکٹر دادو کل پنڈت نہرو سے ملے اور جنوبی افریقہ کے تازہ حالات کے بارے میں ان سے باتیں کیں ان لیڈروں نے ایک بیان میں پنڈت نہرو کے ساتھ اپنی گفتگو کو قابل اطمینان بتایا۔

یہ لیڈر ۲۲ رمئی کو کراچی سے جنوبی افریقہ روانہ ہو جائیں گے۔

آج ان لیڈروں نے فرمایا جنوبی افریقہ میں کچھ ہندوستانی لیڈروں نے ایک نئی سیاسی جماعت بنائی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ نٹال اور ٹرانسوال انڈین کانگریس میں کسی قسم کا نفاق پیدا ہوگیا ہے۔

ڈاکٹر دادو اور مسٹر نائیکر لیڈران جنوبی افریقہ آج مسٹر جناح سے ملے اور جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کی حالت سے ان کو آگاہ کیا مسٹر جناح نے جنوبی افریقہ کے لیڈروں کو ذیل کا پیغام دیا۔

ڈاکٹر دادو اور ڈاکٹر نائیکر از راہ نوازش مجھ سے ملے اور ان حالات سے مجھے آگاہ کیا جو رونما ہو چکے ہیں یا ہو رہے ہیں وہ ایک منصفانہ حل کے لئے جو جدوجہد کر رہے ہیں مجھے اس پر پورا یقین اور اس کے ساتھ پوری ہمدردی ہے جو کچھ ہم سے بن پڑا ہم نے جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کے لئے کیا خواہش یہی ہے کہ ہم ان کے لئے کچھ اور کر سکیں۔

ڈاکٹر دادو اور ڈاکٹر نائیکر آج رات کو گاندھی جی سے ملنے کے لئے پٹنہ روانہ ہو رہے ہیں۔ (اے پی)

کیمیا کا شیدائی

. . . ۔ ہاں صاحب ایک زمانے میں مجھے بھی کیمیا کا خبط تھا کتنی دولت اکتنی دولت میں نے اس بازی کو قائم الحال کرنے میں اڑا دی ہے ۔ کتنے گوشہ نشین اصحاب اہل اللہ کی خاک میں نے گاؤں کی تلاش اور جنگل کے بندوں کی بہت کنکریں چھانی ہے ، باپ دادا کی ساری کمائی گھر کا سارا اندوختہ ، اسی کی تدبیر کی نذر ہو گئی مگر ایک تانبہ کو کنز بنا رنگ آیا تو بدن نہ رہا ، بدن ٹھیک ہوا تو رنگیلی نہ آئی ، غرض کہ سونا نہ بننا تھا نہ بنا اور وہ وقت بھی آگیا سب گھر بار کے غیر یاد کا کاٹنے ، بی بی اور بچی بچے کو کسی غیر کسی بہانے سے اپنے سالے کے ہمراہ رخصت کر کے اب خود اس کی فکر میں چل نکلا کہ کسی سادھو جوگی تا ہو کے جو سنیاسی سے الغرض سے رجوع کروں ، ہر مذہب کے خلوت نشین تارک دنیا اور آزاد مست قلندروں کی پا چھپیاں کسیں ، خدمت گذاری میں دن کو دن اور رات کو رات نہ سمجھا تن بدن کی سکھ نہ رہی مگر

سہہ نا امیدی ہم نامرادی

ہر طرف دھوکا فریب مکاری اور عیاری کا ڈھونگ ہی ڈھونگ نظر آیا ۔ کتنے سادھو لنگوٹ دہ گئے کرنے کے مدعی ملے کتنے نقیر زانشے دہ گن کرنے کے سلسلے اور کیمیا کا دعویدار تو ہر ڈھونگ لاؤلا نظر آیا ۔ جاہنوس اور حکیم بہا مہ کے بتائے ہوئے نسخے بھی لگائے گئے ۔ مگر یہاں پیسے ٹھکانہ تھا ۔ نسخے بیکار رہے ، معاملہ نسخوں کی حد سے باہر ہو چکا تھا اور عالم یہ تھا کہ ایسے خدا رسیدہ کی تلاش تھی جو ایک چٹکی راکھ سے سونا بنا دے ، اکسیر کی فکر تھی اکسیر کی ، ایک اہل پیر مرد [illegible] بتایا کہ عقرب جرارہ کو مل جائے تو تمہاری مراد پوری ہو اور ثبوت میں شد و مد سے یہ بتایا کہ مرزا منوچہر تھا ان دربار اکبری کا ایک رتن تھا وہ دکن سے دہلی آ رہا تھا ۔ کہ ایک منزل پر بکاول نے یہ خبر دی کہ نمکین چاول پکانے کے لئے جو دیگ رات کو الٹ کر رکھ دیا گیا تھا ۔ معلوم ہوتا ہے خود بخود کھل کھا گیا ہے مگر خانخانان یہ سنکر سخت حیرت سے اسے دیکھنے لگا اور یہ نفس نفیس الٹا کر دیگ نیچے گیا اور لک کاٹی سے راکھ کریدنے لگا اتنے میں ایک نکلا تھا ہوا ، اور بکری خود بخود دو ٹکڑے ہو گئی اب خانخانان بہت گھبرایا ۔ مگر ہمراہیوں میں ایک طبیب تھا ۔ اس نے عرض کیا کہ گھبرائیے نہیں کیمیا کی تقریب بہت ہے ، معلوم ہوتا ہے

کہ اس دیگ کے نیچے عقرب جرارہ پیدا ہو گیا ہے اب یہ تانبے کا دیگ تانبا نہیں رہا ہے بلکہ اکسیر بن گیا ہے ۔ منگائی اور دیگ ، غرض کہ دس بنیے اور بیج سنگ منگا منگا کر اس راکھ کی ڈھیر پڑ کھینچے جانے لگے اور نانا فانا ان میں ایک چمک سی ہو کر سارا تانبا سونا بن کر رہ گیا کو اکسیر بننے لگا ۔ اس طرح خانخانان قارون کی دولت کا مالک تھا ۔ اور بس پھر یہ نیا نسخہ سے سروکار ، اللہ توکت دلوانہ بار دیگر دھیلی عقرب جرارہ کی بندش شروع ہوئی ۔ اور عقرب جرارہ کی تلاش میں پہاڑوں اور گھاٹیوں میں مارا مارا پھرتا جنگل کے نہیں جھاڑی پر گذر اوقات ہوتی ۔ کٹ ان کٹ ان تقدیر کھلی لمبے ویران جنگل میں لے گئی جہاں نہ پانی کا پتہ تھا اور نہ پیڑ کا ، ہر طرف سنگلاخ زمین یا درے تھے کوسوں چلنے کے بعد بھی کہیں بھی کی صورت نظر نہ آئی ، بھوک پیاس سے جان لبوں تک آگئی تھی ، مگر تاب تاب پانی کی تلاش میں ایک طرف کو چلا جا رہا تھا ۔ بہت دور ایک گھنا گنجان پیڑ نظر آیا ۔ خدا خدا کر کے وہاں پہنچا اب طاقت جواب دے چکی تھی ، بدحواس ہو کر ایک پیڑ کے نیچے بدحواس ہو کر گر گیا ۔ اور سمجھ لیا کہ

سر شوریدہ بر بالین ، آسائش رسیدا ہیجا

خدا معلوم کب تک وہاں پڑا رہا تھا ۔ نیند تو کیا آئی ہوگی یہاں معلوم ہوتا ہے کہ غشی طاری ہو گئی تھی ۔ آنکھ جس وقت کھلی ہے تو یہ دیکھا کہ ایک مرد خدا رسیدہ سن سفید داڑھی اپنی گود میں لئے ہوئے گلاس سے کوئی چیز مجھے پلا رہا ہے ۔ تھوڑی دیر میں حواس درست ہوئے بھوک پیاس کا نام نہ تھا ۔ تکان بھی غالب تھی میں نے اب دونا تو ہو کر اس پیر مرد کو بہ ادب سلام کیا اور ہمدردی کا شکریہ ادا کیا اس نے نہایت محبت سے دعائیں دیں اور کہا کہ میاں صاحبزادے تم اس بیابان میں کہاں آ نکلے ۔ وہ تو خدا نے مجھے ادھر بھیج دیا ورنہ تڑپ تڑپ کر رگڑ رگڑ کر مر جاتے ۔

س :- سرکار یہ بیابان کونسا ہے

پیر مرد :- عزیزمن ، دامن کوہ ہمالیہ کا وہ حصہ ہے جو وہ بے آب و گیاہ ہے یہاں درندے بھی نہیں رہتے ہیں ، ترائی اور اس کوہ کے درمیان کے اس سنگلاخ کو بیابان کہتے ہیں ۔

س :- حضور عقرب جرارہ کی تلاش میں اکثر ۴۵

۴۵ پیر مرد بغور میری صورت دیکھنے لگا انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ مجھے پاگل سمجھ رہا ہے ۔

س :- سرکار میں پاگل نہیں ہوں ۔ بلکہ کیمیا کے شوق نے اس گت کو پہنچایا ہے اس کے بعد مختصر الفاظ میں اپنی حالت سنا دی ۔

پیر مرد :- (آنکھوں میں آنسو بھر کر) تمہاری طرح کتنے اس ہوائی تخیل میں سرگرداں ہوتے ہیں ۔ بات یہ ہے کہ اصلی کیمیا ہر انسان کے اختیار میں ہے ۔ ہمارے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے الکاسب حبیب اللہ انسان کی محنت ہی اصل میں کیمیا ہے ، مختصر نسخہ ہے جس X

X انسان ملامت غیرے لکھو پتی اور کروڑ پتی بن جاتا ہے ۔ پیر مرد کی باتوں سے میری آنکھیں کھل گئیں ، دیر تک وہ مجھے سمجھاتا رہا اور آخر اس کے سمجھانے سے میں نے بھی کر ہمت مضبوط باندھ کر اس نیک بزرگ کی نصیحت . . .

آسٹریلیا میں کثرت اولاد

آسٹریلیا میں ساڑھے سینتالیس سالہ مسز میری ڈاسن اصلی باشندہ لیکن شاید انگلینڈ کے بچہ پیدا ہوا ہے مگر بہت سی آسٹریلوی خواتین اس سے زیادہ زیادہ عمر کی ہیں جن کے بچے ہوئے ہیں آخری اطلاع یہ ہے کہ ایک ۱۵ برس کی عورت کے بچہ ہوا ہے ، مزید اطلاع یہ ہے کہ پچاس پچاس کی دو عورتوں کے بچے ہوئے ، ۴۰ ، ۴۹ برس کی سات عورتیں اور ۱۷ عورتیں ۴۸ ، ۴۸ سال کی ایسی ہیں جن کے بچے ہوتے ہیں ۔ اور ۴۷ سالہ آسٹریلین عورتیں جن کے بچے ہوتے ہیں ان کی تعداد ۵۴ ہے ۔ آسٹریلیا کا سب سے بڑھا باپ وہ ہے جس کے ۸۰ سال کی عمر میں ۴۳ سالہ بی بی کے بچہ پیدا ہوا ہے ۔

بڈھے باپوں میں دوسرے نمبر پر ۸۰ سالہ آسٹریلوی کا ہے ۔ اس کے بعد ۷۶ سال کے دو بڈھے ہیں ۔

ایک ۶۵ سالہ مرد کے اس کی ۴۳ سالہ بی بی کے دو توام لڑکے پیدا ہوئے ہیں ۔ •

آسٹریلیا میں عموماً شادی سے ایک دو سال کے اندر اولادیں ہو جاتی ہیں ، عموماً ۲۴ سال کی عمر میں شادی ہوتی ہے ۔ ۴۵ سال کی عمر میں بیوہ ہوتی ہیں اور ۳۵ سال کی عمر میں طلاق ہوتی ہے ۔ مرد ۲۷ سال کی عمر میں شادیاں کرتے ہیں رنڈوے ۹۱ سال کی عمر تک اور مطلقہ شوہر ۳۶ سال کی عمر تک ۔

یہ بھی پتہ چلا کہ ۶۲ سال کے مرد نے ۱۵ سالہ لڑکی سے شادی کی اور ایک ۷۶ سال کے مرد نے ۱۸ سالہ لڑکی سے ، اسی طرح ایک ۲۷ سالہ مرد نے ۱۲ سالہ لڑکی سے بیاہ کیا ۔

آسٹریلیا کا سب سے پرانا جوڑا ۱۰۵ سالہ مرد اور ۱۰۳ سالہ عورت کا ہے جو ابھی تک زندہ ہیں

سانپ کے منہ کی چھچھوندر

برطانیہ کے چودھری صاحب تو ایک ہی کائیاں ہیں ۔ نت نئے طریقوں سے اپنا الو سیدھا کرتے رہتے ہیں ۔ ترکوں سے مقابلہ تھا تو عربوں کو سبز باغ دکھا کر اپنے دام فریب میں لائے اور ترکی شاہنشاہی کا عربوں سے خاتمہ کرایا ، اس وقت جو عرب تھے ۔ وہ کوئی دوسرا ہی تھا ، آج تک معتوب سید امین الحسینی صاحب مفتی فلسطین معتوب کئے گئے ۔ مگر آج ان سے بڑا دشمن کوئی نہیں ، وجہ صرف یہ تھی ، کہ اپنا کام نکل گیا اب ان سے کیا کام ۔ دوستی انگریزی لغت میں اس رفاقت کو کہتے ہیں جو انگریزوں کے فائدہ اور مطلب کے لئے کی جائے ، عرب تو دوست اس لئے بنائے گئے کہ ترکوں سے لڑایا جائے امریکی یہودیوں کی دوستی اس لئے درکار تھی ۔ کہ جنگ کرنے کے لئے روپیہ حاصل کیا جاتا ہے ۔ اس طرح ابتدا ہی سے دو رخی کارروائی چلتی رہی ، عربوں سے اگر وحدت عرب کے وعدے تھے تو یہودیوں کے لئے اعلان بالفور کے ذریعہ وطن یہود کا سلسلہ جنبانی شروع ہوا ۔ اعراب یہ دیکھ کر کہ اس دو ناؤ کی سواری میں اپنی جیت ہی ہے کہ ترکیوں سے امریکہ کو آگے بڑھایا [illegible] امریکہ یہود لواز بر تلا ہوا ہے ۔ اور یہودیوں کو یہ امید بندھ چلی تھی کہ فلسطین میں یہودی حکومت ہو کر رہے گی ۔ کہ دوسرا دور کا شروع ہو گیا ۔ اب امریکہ اور یہودیوں کو یہی فکر ہے کہ دیکھیں مسئلہ فلسطین میں سوویٹ روس کا رویہ کیا ہوتا ہے ۔ چونکہ روس کے مقابلے میں امریکہ ترکی اور یونان کا ساتھ دے رہا ہے اس لئے قیاس غالب ہے کہ روس عرب فلسطین کی حمایت کریگا ۔ معاملہ دو گڑھے میں پڑا ہوا ہے ۔ انگریز خوش ہیں کہ طویلے کی بلا بندر کے سر گئی ۔ اب امریکہ جانے اور یہودی ۔ مگر کیا اس گورکھ دھندے سے انگریز اپنا دامن بچا لے جاسکیں گے ؟ یہ ایک ایسا سوال ہے ، جس کا بظاہر تو یہی جواب ہے کہ نہیں اور ہرگز نہیں ، اور وہ وقت دور نہیں نظر آتا جب دنیا سے یہ صدا بلند ہوگی کہ ۔

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

سیر سینما

ریگل

میں اس ہفتہ پیرا ماؤنٹ کی لاجواب تصویر "بدکردار عورت" یا

THE IMPERFECT LADY

ہدیہ ناظرین کی گئی ہے۔ ہالیوڈ کی ہردلعزیز جوڑی یعنی رے میلنڈ اور ٹریسا رائیٹ اس کے ہیرو اور ہیروئن ہیں قصہ کا تعلق انگلستان کے گذشتہ دور سے اور وہاں کی ایک قتل اور رسوائی کی واردات سے ہے۔

میلنڈ ایک امیر خاندان کے رکن اور ممبر پارلیمان کا پارٹ ادا کرتا ہے جو ایک ادنی درجہ کی لڑکی سے شادی کرتا ہے لیکن اس کا بھائی جو لڑکی کے ماضی سے واقف تھا اس شادی کی مخالفت کرتا ہے ایک شخص جو قتل کے الزام میں ماخوذ ہے باوثوق طور پر کہتا ہے کہ ایک لڑکی کو جس سے اس کی ملاقات لندن کی گلیوں میں ہوئی اور جس کا نام وہ نہیں جانتا اس نے رات بھر اپنے مکان میں رکھا تھا۔ لڑکی یقیناً ٹریسا تھی اب وہ اس حالت کا مقابلہ کس جرأت سے کرتی ہے دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے معاونین میں سر سیڈرک ہارڈوک اور جینا فیلڈ اینتھونی کوئن ریجنالڈ اوون وغیرہ اپنے خوشنما پارٹ بہت خوبی سے انجام دیتے ہیں۔

ایروز

میں اس ہفتہ یونیورسل کی سنسنی خیز فلم "نڈر سوار" یا

MICHIGAN KID

ہدیہ ناظرین کی گئی ہے۔ قصہ کا تعلق امریکہ کے ایک سابق افسر سے ہے جو فوج سے سبکدوش ہونے کے بعد رابینڈ واقع اریزونا میں اپنے مویشیوں کے رینج کو روانہ ہو جاتا ہے مگر ایک حسین وارثہ کی دولت بچانے کی کوشش میں رہزنوں کی ایک ٹولی سے اس کا سابقہ پڑتا ہے اور گروہ اس نوجوان وارثہ کو بدمعاشوں کے چنگل سے بچا لیتا ہے مگر ایسا کرتے ہوئے اس کو ٹولی والوں سے سخت لڑائیاں لڑنی پڑتی ہیں۔ اس کام میں اس کے تین فوجی رفیق بھی اس کا ہاتھ بٹاتے ہیں فلم کے سارے واقعات دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں یہ فلم رنگین ہے اور جان ہال اور ریٹا جانسن اس کے ہیرو اور ہیروئن ہیں۔

اکسلسیر

میں الکزینڈر کورڈا کی مقبول ترین فلم "لیڈیا" یا LYDIA

اس ہفتہ ہدیہ ناظرین کی گئی ہے یہ فلم پانچ سال قبل بمبئی میں دکھائی جا چکی ہے اور بے حد مقبول ہو چکی ہے۔ قصہ کا تعلق چار آدمیوں سے ہے جنہوں نے لیڈیا سے محبت کی اور چالیس سال کے بعد ان کو یہ معلوم ہوا کہ انہوں نے سراب سے محبت کی کیونکہ لیڈیا خود کو ایک ایسی عورت ثابت کرتی ہے کہ جو ان کے خیال کی عورت سے جداگانہ تھی۔ ایلن مارشل اور مرلے اوبیرن اس کے ہیرو اور ہیروئن ہیں۔ ہانس یارے، جارج ریوز اور ایڈنا مے اولیور وغیرہ ان کے معاون۔

میٹرو

میں میٹرو کی فلم "انڈر کرنٹ" یا

UNDERCURRENT

کی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے منتظمین نے اس ہفتہ بھی اسی کو جاری رکھا ہے رابرٹ ٹیلر اور مس ہیپبرن اس کے اسٹار ہیں۔

قصہ کا تعلق ایک دولتمند کے لڑکے اور ایک پروفیسر کی لڑکی کے معاشقے سے ہے جو پہلی ملاقات میں ایک دوسرے پر عاشق ہو کر شادی کر لیتے ہیں لیکن بعد میں ان میں نااتفاقی پیدا ہو جاتی ہے۔ فلم کا سنسنی خیز خاتمہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

اسٹرینڈ

میں وارنر برادرس کا نا [illegible] DEC ION یا

اس قدر کامیاب ثابت ہوا کہ اس ہفتہ بھی اسی کو جاری رکھنا پڑا۔ بیٹ ڈیوس اس میں بھی فریب دہی کی اپنی گزشتہ روایات برقرار رکھتی ہے اور فریب کی اس داستان کو اپنے کارناموں سے اصلی صورت میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ پال ہینریڈ اور کلاڈ رینس فلم کے اسٹار پارٹ میں مس ڈیوس کے ساتھی ہیں۔

برما کے لئے مستقل نائب وزیر

لندن۔ ۱۶ مئی۔ برما کے لئے ایک علیحدہ مستقل نائب وزیر برما مقرر کر دیا گیا ہے مستقل نائب وزیر برما کا نام سر ڈیوڈ مانٹیتھ ہے جو اس وقت مستقل نائب وزیر ہند ہیں۔

مکانوں کی قلت اور برطانیہ کی حکمت

ہندوستان اور خصوصاً بمبئی والوں کے لئے جہاں مکانات کی قلت ایک اہم مسئلہ ہے ذیل کا مضمون دلچسپی کا باعث ہوگا۔ کیونکہ اس سے پتہ چلے گا کہ کس طرح انگلستان کے بوڑھے اور بچے بلا تخصیص اس دشواری کو دور کر رہے ہیں

جنگ سے قبل انگلستان میں ایک کروڑ بیس لاکھ مکانات تھے اور سالانہ تین لاکھ مکانات بنتے تھے مگر جنگ کے چھ برسوں تک تعمیر کا کام بالکل بند رہا۔ پونے دو لاکھ مکانات برباد ہوئے۔ ڈھائی لاکھ مکانات کو سخت نقصان پہونچا۔ اور چالیس لاکھ مکانات کو معمولی نقصانات ہوئے جنگ کے خاتمہ پر برطانیہ کو نقصان شدہ مکانات بنانے تھے تاکہ ہر شخص کا ایک گھر ہو جائے اور [illegible] لاکھ مکانات کی تعمیر اس لئے ضروری تھی کہ گندے مکانات ختم ہو جائیں اور رہنے والوں کی جو کثرت متعدد مکانات سے ہے وہ دفع ہو۔

پچاس لاکھ مکانات کا اندازہ

اندازہ یہ کیا جاتا ہے کہ آئندہ دس بیس برس کے اندر برطانیہ کو پچاس لاکھ جدید مکانات کی ضرورت ہوگی تاکہ پرانے ناکارہ مکانوں کی جگہ لے سکیں یہ خدمت وزارت صحت کے سپرد ہوئی۔ مگر معماروں کی سامان کی نایابی بھی ساتھ ساتھ تھی اور ادھر مکانوں کی ضرورت بھی بڑھی حکومت نے۔ حکومت نے مزدوروں اور سامان کی فراہمی کے لئے دو خاص کام کئے ایک یہ کہ جو نئے مکانات بنیں وہ کرایہ پر دیئے جائیں۔ دوسرے یہ کہ جن کو زیادہ ضرورت ہے انہیں ترجیح دی جائے۔ چنانچہ

[illegible] نے ابھی [illegible] شہروں کی اور تعمیرات کی تقسیم ترجیح نمبر کے لحاظ سے ہونے لگی حکومت نے ٹھیکیداروں کے ذریعے سے مکانات بنوانے شروع کر دیئے اور سامان کی قلت کے لحاظ سے انتظام ہوا کہ جہاں زیادہ ضرورت ہو اس کا حق مرجح و مقدم ہوگا۔ اس طرح برطانیہ میں اچھے اچھے مکانات تیار ہو کر کرایہ دار ضرورتمندوں کو دیئے جاتے ہیں۔ لارڈ [illegible] کی صدارت میں یہ طے ہوا ہے کہ پانچ آدمیوں کی رہائش کے قابل مکانات نو سو مربع فٹ جگہ میں بنائے جائیں۔ قبل جنگ ۷۵۰ سے ۸۵۰ مربع فٹ میں بنائے جاتے تھے۔ ان مکانات میں بجلی کا خنک گرم زمینوں کا حاصل کرنا۔ معمار، مزدور اور سامان کی فراہمی سڑک اور نالیوں کی درستی پھر ان مکانات کی تقسیم اور اس کا انتظام کہ بازار اور مدرسے گرجا بھی ہوں۔ معمولی باتیں نہیں۔ سارے برطانیہ میں لوگ بڑی سرگرمی سے تعمیرات کی طرف متوجہ ہوئے اور بوڑھے بچے سبھی اس کام میں منہمک ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ۱۹۴۶ء کے خاتمہ تک ڈیڑھ لاکھ مکانات بن چکے جن میں ۵۸ ہزار مستقل ہیں اور ۹۲ ہزار عارضی ہیں اور تقریباً دو لاکھ خاندان مکانات میں پہونچا دیئے گئے۔ اسی طرح ساڑھے سات لاکھ آدمیوں کا انتظام ہو گیا

کملا کولنس "میرا سہاگ" میں جو لیو ویسٹ اینڈ میں دکھایا جا رہا ہے

GARSON IN TECHNICOLOR!......Greer Garson as Edna Gladney, the women who fell in love with 2000 babies and Walter Pidgeon as Sam Gladney, her husband, will be seen in M-G-M's BLOSSOMS IN THE DUST from next Friday at the METRO.

پرکاش "عرب کا ستارہ" میں جو عنقریب تاج ٹاکیز میں
دکھایا جائیگا

EDITED, PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS, BOMBAY 3.

قیمت دو آنہ

نمبر ۲۹ || بمبئی یکشنبہ ۳ اگست ۱۹۴۷ عیسوی || جلد ۲۰

VOL. XX | BOMBAY. SUNDAY 3RD AUGUST 1947 | NO 29

ہمارا قومی جھنڈا

ہندوستانی حکومت کا قومی جھنڈا جو پہلی بار بمبئی میں چوپاٹی پر آنجہانی تلک کے مجسمہ پر لہرایا گیا
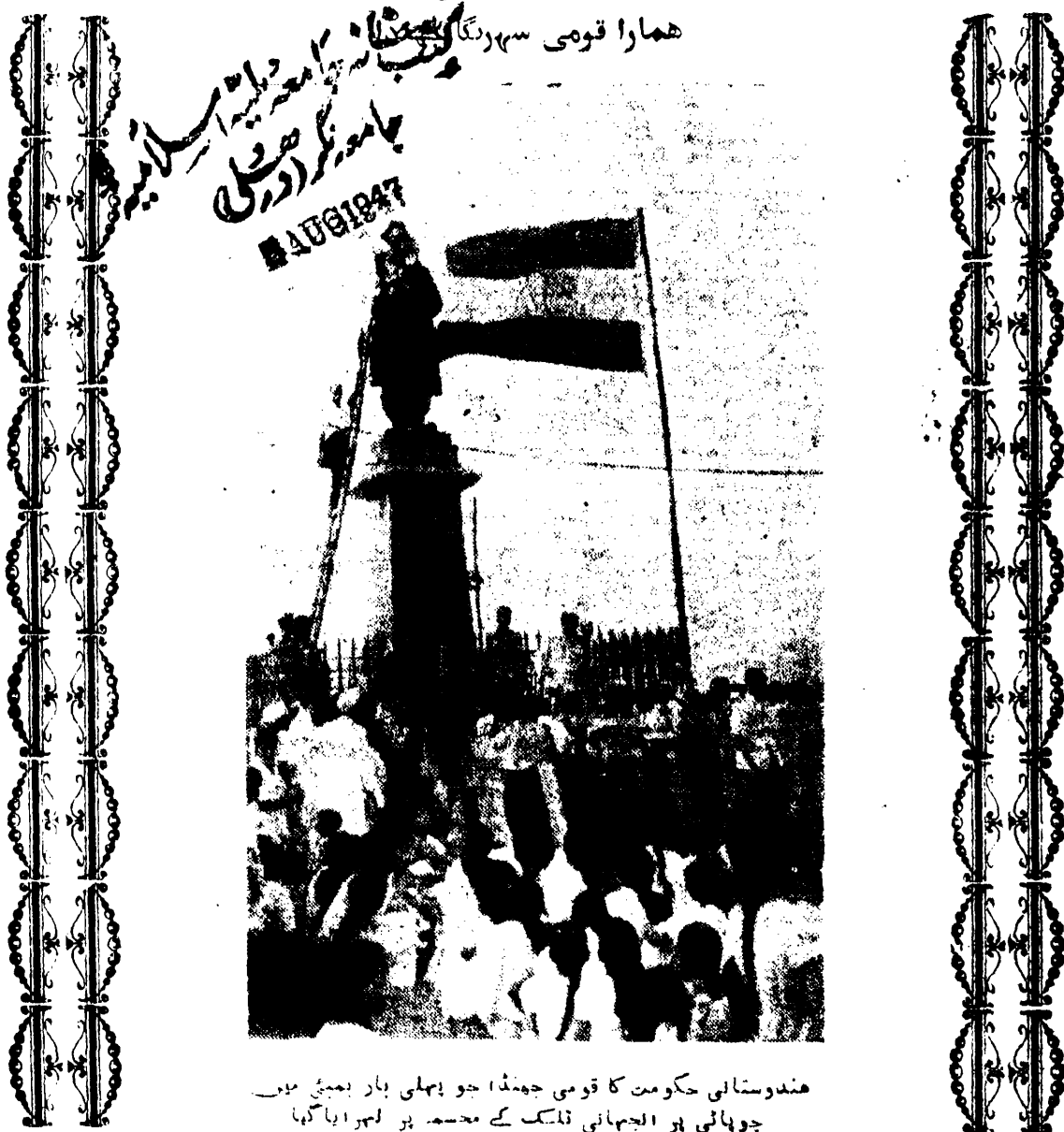
بمبئی کو آسٹریلیا کا تحفہ

بمبئی کو آسٹریلیا کی حکومت کی جانب دو کنگروں بطور تحفہ ملے ہیں۔
آسٹریلیا کے لارڈ کمشنر یہ تحفہ ڈاکٹر بھروچہ ڈپٹی میونسپل کمشنر
کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔

بسلے میں بندوق کی نشانہ بازی کا مقابلہ

یہ ہیں ترقی پسند ادیب

از:- ماہر القادری

رجعت پسند، قدامت پرست ...... کون؟ اہلِ مذہب، خدا کے ماننے والے! کس لئے؟ اس لئے کہ زمانے اور جدید تہذیب نے اخلاق کی قدروں تک کو بدل دیا ہے، پرانے نظریوں کی بساط ہی الٹ گئی، قدیم تصورات اس انقلابی دور کا ساتھ نہیں دے سکتے ـ یہ فتوے! بلکہ یوں کہئے کہ "فرمان" اور "منشور" کہاں سے صادر ہوا؟ ـــ ترقی پسندوں اور کمیونسٹوں کی بارگاہ سے!

اب کیا ہونا چاہئے ـــ؟ نیا خیال، نئے تصورات، جدید نظریئے، زندگی کا بالکل نیا انداز یہی شعر و ادب میں بھی نمایاں ہونا چاہئے، فرسودگی اور قدامت کے لئے دنیا میں کوئی جگہ باقی نہیں رہی ـ چاک کر ڈالو فکر و نظر کے تمام قدیم صحیفوں کو! دھجیاں اڑا دو پرانے نظریوں کی، زمین سے لیکر آسمان تک ہر چیز کو بدل ڈالو، عرش و فلک کی حکمرانی اور ہدایت و رہنمائی کا زمانہ گیا، اب تو جبریل[1] زمین والوں کے سامنے ہاتھ جوڑ کر عرض کر لیں کہ قصور ـــ! آسمان والوں کے لئے تو کوئی پیغام نہیں ہے؟

ترقی پسندوں کی پیشانی نازک پر اگر عتاب آمیز شکن نمودار نہ ہو تو عرض کر دوں کہ قدیم تصورات کا نام "رجعت" و "قدامت" ہے تو پھر یہ "کمیونزم" بھی اپنے بنیادی تصورات اور نظریوں کے اعتبار سے رجعت پسند اور قدامت پرست ہے ـ ایک ہزار سال سے بھی کئی صدی قبل ایران کے مزدک نے کہا تھا ـ

(۱) انفرادی جائداد اور ذاتی ملکیت گناہ ہے ـ

(۲) تمام عورتیں، مردوں کے لئے مباح ہیں ـ آج "کمیونزم" بھی یہی کہہ رہا ہے بلکہ اس پر عامل ہے، یہ "اشتراکیت" مزدکی عقائد کا عملی اقرار ہے ...... تو پھر ان تصورات میں نیا پن کہاں رہا، رجعت پسندی کے الزام سے تو کمیونزم بھی نہیں بچ سکتا، مانچسٹر کے شیشوں اور ماسکو کے بنے ہوئے محلات میں رہ کر فولادی سنگلاخ پر پتھر پھینکنا عقلمندوں کو زیب نہیں دیتا ـــ دوسرے کے منہ

انگلی اٹھانے سے پہلے، اپنے گریبان کی طرف تو دیکھو جھانک لیتے تو پوچھتے، یہ چھلنی بھی جس میں بہتر چھید ہیں، بڑے بول بولتی ہے ......

نظریوں اور اصولوں کی اچھائی، برائی اور افادیت کا معیار ماضی و حال ہے تو پھر "ہیگل" اور "کارل مارکس" کے تصورات بھی اس اعتبار سے پرانے ہو چکے تو ان تمام قدیم تصورات کو چھوڑ کر کوئی نیا نظریہ پیش کرو، بالکل نیا نظریہ ـــ جس پر قدیم تصورات کی پرچھائیں بھی نہ پڑی ہو ـــ کر سکوگے ایسا؟ فکر و عمل کی دنیا میں کیا یہ ممکن بھی ہے؟ کوئی "محال" یعنی "ماضی" سے بے نیاز ہو سکتا ہے ...... رجعت پسند اور قدامت پرست تو وہ ہیں جو "مزدکیت" کو زندہ کرنا چاہتے ہیں ... اور جو چھچھوروں کے نظریئے کو معیشت و معاشرت کا دستورالعمل بنائے ہوئے ہیں

ترقی پسند یا کمیونزم

جس حقیقت کو اندیشہ کہا گیا تھا وہ اندیشہ واقعات اور شواہد نے صحیح ثابت کر دیا ـــ یعنی یہ کہ "ترقی پسند ادب" اشتراکیت کی تبلیغ کے سوا اور کچھ نہیں ہے اور اس تحریک "ترقی پسند ادب" کے کرتا دھرتا سب تھے کمیونسٹ ـ ابھی حال ہی میں ان کمیونسٹوں کی بارگاہ سے ایک مینی فیسٹو شائع ہوا ہے جس میں "ترقی پسند" رسالوں اور اخباروں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ قدیم رجعت پسندی اور جدید رجعت پسندی سے دور رہیں ـ

ملاؤں اور مولویوں کو تنگ نظر اور متعصب کہا جاتا تھا مگر یہ وسعتِ نظر اور آزادیٔ فکر کے دعویدار، معلوم ہے کہ کس قدر تنگ نظر، متعصب اور حق ناشناس ہیں ...... سنو ـــ مسلمان ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں نے اختلافِ مذہب کے باوجود غیر مسلموں کے مضامین (نظم و نثر) اپنے رسالوں اور کتابوں میں شائع کئے اور کرتے رہتے ہیں، ان کی عالی ظرفی اور رواداری کا یہ عالم ـــ اور یہ "ترقی پسند ـــ" سنئے کیا کر رہے ہیں ـ

نظریہ کے اعتبار سے جس کو یہ اپنا مخالف سمجھتے ہیں اس کی غزلیں، نظمیں، تنقیدیں اور افسانے ان کے رسالوں میں نہیں چھپ سکتے اس کے ادبی کارناموں کو دانستہ طور پر اجاگر نہیں کیا جاتا تنگ نظری کی انتہا ہے کہ اگر کسی جلسہ اور مشاعرے کے اعلان میں "اس شخص" کا نام ہو تو یہ ترقی پسند رسالے اور اخبار اوروں کا نام اپنے یہاں چھاپ دیں گے مگر شخص مذکور کا نام حذف کر دیں گے

کسی رسالے، مجموعے اور تصنیف میں اگر ان کے "مخالف" کا کوئی مضمون، افسانہ یا نظم ہو تو اس کتاب اور شمارے پر تنقید کرتے ہوئے اپنے "مخالف" کا ذکر تک نہیں کرتے کہ کہیں اس کی شہرت کو اس ذکر سے تھوڑا بہت فائدہ نہ پہنچ جائے ـــ یہ ہیں علمبرداران "انقلاب" اور دعویداران جدت و تہذیب ہیں جو اپنے مقالوں میں ملا اور مولوی کی تنگ نظری کی شکایتیں کرتے رہتے ہیں، جن کا کہنا یہ ہے کہ ہمارے نظریئے عالمگیر، ہماری تحریک تمام انسانوں سے یکساں ہمدردی رکھتی ہے ......!

دعوے ...... اور عمل ـــ عصبیت، تنگ نظری، جانبداری ...... بدلہ، اپنے مخالفوں سے نفرت، بیزاری بلکہ عداوت! ان کے سینے کی تہوں کو یہ لوگ ہاتھ میں لیکر چھلنی سے کیچڑ میں پھینک دیتے ہیں کہ کہیں دوسروں کو ان گھناؤنے ناہمواریوں کی جھلک کسی کو نظر آ جائے ـ اور اپنے لوگوں کے حرف ریزوں کو اس طرح چمکا چمکا کر، ہوشمندوں کو پیٹ پیٹ کر دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ گویا یہی سب کچھ ہیں ......

یہ وہ جماعت ہے جو عمل اور خلوص زندگی میں دیکھنا چاہتی ہے، جو کسی مضمون، نظم اور کتاب پر تنقید کرتے ہوئے سب سے پہلے اس میں "خلوص" کو خوردبین سے دیکھنے کی کوشش کرتی ہے ـ جو انصاف و انسانیت کی دعویدار بلکہ ٹھیکیدار ہے ـ دنیا نے اپنی کمزوری چھپانے کے لئے کتنی خوبصورت اصطلاحیں تراش رکھی ہیں، ترقی، جدت، بغاوت، انقلاب، کتنے حسین اور پرشوکت نام ... مگر پردہ اٹھا کر دیکھئے! تو ـــ

دیتے ہیں دھوکا یہ بازیگر کھلا

اور "فرائڈ" کے مرید اور نام لیوا ؤ! "فحاشی، عریانی" جسے تم نے "جدت" سمجھ رکھا ہے یہ بھی پرانی چیز ہے، عرب کی جاہلیت کی شاعری میں بہت کچھ فحاشی، موجود ہے اور ہندوستان کے بعض قدیم مندروں میں جو بت، مجسمے اور مرقعے پائے جاتے ہیں وہ "سنسنی مصوری اور اظہار" کا اعتبار کرتے ہیں تہذیب نظر سے لیکن سے "آرٹ" کے بہترین نمونے ہیں، اس لحاظ سے بھی تم تو رجعت پسند ہو

روسی قومیت

اب سے چند سال پہلے "کمیونزم" جمہوری اور بھوک کے نام انسانوں کو بلاتا تھا ـ اب روسی قومیت کی برتری، سیاسی اور کشور کشائی اور جہانگیری کا مظہر بن کر رہ گیا اور روس زدہ ہی "اشتراکیت" کی ہمنوائی کرنے کے لئے ہندوستان کے "ترقی پسند" ادھار کھائے بیٹھے ہیں ـ

ایران کی شورش میں روسی کمیونسٹوں کا ہاتھ تھا، شازشوں نے شبستان عجم کو آگ اور لہو کا جہنم بنا دیا اور اب بھی خفیہ طور پر یہ کوششیں جاری ہیں "ترقی پسندوں" کے حلقے سے روس کی اس دست درازی کے خلاف کیا کوئی آواز اٹھی ـــ؟

اچھا صاحب! جانے دیجئے! ایران میں شخصی بادشاہت ہے مگر ترکی میں تو صورتحال کچھ اور ہے وہاں تو جمہوری اور عوامی حکومت ہے لیکن روس غریب ترکی پر جو دست درازی کرنے کے لئے حیلے تراش رہا ہے! دھمکیاں دی جا رہی ہیں، آئے دن "درۂ دانیال" کے بارے میں پے در پے بیانات روسی حکومت کی طرف سے شائع ہو رہے ہیں ـــ آخر یہ کیا ہے! ـــ اور معلوم ہے! روس کی ہوس جہانگیری اور جوع الارض کو درست اور جائز ثابت کرنے کے لئے ترقی پسندوں اور کمیونسٹوں کے (بمبئی) مشہور اخبار نے ترکی کے خلاف "فردِ جرم" لگا دی کہ وہاں عوام پامال کئے جا رہے ہیں ـ ـــ یعنی ترکی میں چونکہ عوام کے حقوق پامال ہو رہے ہیں اس لئے لازمی طور پر وہاں پر ایک ایسی حکومت کی سیادت قائم ہونی چاہئے جو سو فیصدی عوام کی حکومت ہے ـــ "اسٹالن زندہ باد!" "ترقی پسندوں کی جے" "کمیونسٹوں کو مرحبا" ـــ!

آزادی کے ان پرستاروں اور انقلاب و بغاوت کے شیدائیوں کے فکر و نظر کا منتہا اور مرجع "ماسکو" ہے، وہاں سے جو حکم صادر ہوتا ہے اس کے آگے یہ اپنی جبینِ اطاعت جھکا دیتے ہیں کہ بندہ پرور! آپ جو کچھ فرما رہے ہیں درست اور بجا فرما رہے ہیں، ہم آپ کے حلقہ بگوش آپ کے حکم سے بھلا سرتابی کر سکتے ہیں خدا وہ دن نہ لائے (مگر روس کے تیور تو بتا رہے ہیں کہ یہ ہو کر رہے گا) روسی طیارے جس دن ترکی علاقے میں آتشیں بم برسا رہے ہوں گے ـ تو یہ ہندوستان کے ترقی پسند ادیب اور شاعر دو "کمیونزم" کا بول بالا دیا تھے ہیں "ابوجہل" کی عظمت کی ...... کر لوگوں سے کہیں گے کہ روسی بم کی ایک ایک چنگاری مزدوروں کے مستقبل کو روشن کر رہی ہے، یہ لوگ تمام ...... گے مگر ......

بقیہ صفحہ ۲۰ پر

سلہ ایک ترقی پسند انقلابی شاعر کے ہفوات
سلہ قرب و بعد زمانی

مسرت کی گھڑیاں

عالم ہو میں کچھ آواز سی آجاتی ہے
چھیڑے کوئی کہتا ہے فسانہ دل کا

بانی بچپن کی ساتھی ساتھ ہی کھیلے ہوئے تھے۔ فرق یہ ہے کہ بچپنے اور کم سنی میں حاکم میں تھا وہ محکوم میرے ہر کام کو انجام دینا اس کا فرض منصبی تھا۔ میں ڈپٹی صاحب کا بیٹا تھا اور وہ ایک بے ماں باپ کی یتیم لڑکی جسے ڈپٹی صاحب نے ترس کھا کر پالا تھا اور وہ گھر کی چھوکریوں کی طرح گھر کا کام کاج کرتی تھی۔ پھر اس کی بساط ہی کیا تھی ۵-۶ سال کی عمر میں بھی اوقات سے زیادہ کام کرتی تھی مگر زیادہ وقت میرے ساتھ کھیلنے میں گذرتا تھا۔ ہمارے کھیل بھی نرالے تھے۔ کبھی شاہ چور کا کھیل ہوتا جس میں ہمیشہ شاہ تھا اور وہ چور کبھی ہم میں یہ مقابلہ ہوتا کہ آؤ آنکھیں دیکھیں جس کی نظر پہلے جھپک جائے وہ ہارا۔ کبھی باغ میں یہیں کہیں چھپ جاتی اور اسے میری تلاش میں چکر لگانا پڑتا کبھی وہ چھپتی اور میں تلاش کرتا اس وقت اس کی کیا صورت تھی اور کیا ناک نقشہ تھا۔ اسے بتانا بہت مشکل ہے نہ کبھی ادھر خیال گیا اور نہ اس کی ضرورت تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ نازلی ہے اور وہ سمجھتی تھی کہ میں ارشاد ہوں۔

مگر یہ دن ختم ہو گئے۔ اب میں تعلیم کے نام سے گھر سے باہر رہا۔ چھٹیوں میں کبھی گھر آیا تو یار دوستوں میں دن گذرا اتنا ضرور تھا کہ گھر کے اندر ارشاد بابو کے کام میں نازلی ہی پیش پیش رہتی۔

اب وہ وقت آیا جبکہ بچپن عنفوان شباب سے گٹھ بندھن کرتا ہوا رخصت ہوا اور ساتھ ہی ساتھ مجھے بھی تعلیمی انہماک میں گھر اور نازلی کا خیال بھی نہ رہا۔ اب میں بی۔ اے پاس کر کے ایک تجارتی فرم میں اسٹنٹ مینوں کا کام سیکھتا تھا۔ چھ ماہ اپرنٹس شپ کا زمانہ ختم ہوا۔ اور میں اب فرم مذکور کی ایک شاخ میں اسٹنٹ ہیڈ ہو گیا لاکھوں کا ... کا نام تجارت ساستا نہ کے بے چینی

فرصت ... ہے مجھ وطن سے نکلے ہوئے رہی ... دو ڈھائی سال ہو گئے تھے والدین کا اصرار تھا کہ

ہم سے کم ایک ماہ کے لئے گھر آؤں۔ تجارتی فرم کی ملازمت میں چھٹی کہاں بارے ڈاکٹر مظہر حسین کی سفارت کام آئی اور ڈاکٹری سرٹیفکیٹ کی بنا پر ایک ماہ کے لئے گھر آنا نصیب ہوا۔

بہت دنوں پر جو مکان آیا تو یہاں کی ہر چیز مسرت کے ساتھ خیر مقدم کرتی تھی۔ بات یہ ہے کہ اپنا دل جو افکار سے خالی اور خوش تھا تو ہر ہر چیز سے مسرت کی جھلک نمایاں تھی۔ کمرہ چھوٹے سے ... تک سبھی کی تو باچھیں کھل رہی تھیں مگر مجھے خیر مقدم کرنے والوں میں نازلی نظر نہ آئی نگاہیں بیتاب ہو گئیں اس چھوٹی جھنڈولے بال والی دبلی پتلی زرد رنگ والی لڑکی کو کھوج رہی تھیں جس کے ساتھ میں آنکھ مچولی کھیلا کرتا تھا۔ اور اس وقت بھولے سے بھی یہ خیال نہ رہا کہ میں بچہ نہیں بلکہ بیس سالہ نوجوان ہوں اور نازلی بھی اب جوانی کی سولہویں سترویں بہار کی ڈالیوں مستانہ جھومتے جھول رہی ہو گی۔

ہاں نازلی کو میں نے دیکھا اس گھڑی نہیں بلکہ آدھ گھنٹے کے بعد جبکہ میں نہا دھو کر نکلا تو ٹھاکران کے کمرے میں ناشتہ کے انتظار میں تھا اتفاق وقت ہے میرے آنے کے فوراً بعد ہی والدہ اور گھر کی دوسری عورتیں ایک عزیز کے یہاں کسی تقریب میں شرکت کے لئے چلی گئیں اور میری خاطر تواضع نازلی کے سپرد ہو گئی مگر نازلی اب وہ نازلی نہ تھی۔ اب تو وہ کچھ اور ہی تھی چمپئی رنگ۔ گدرایا جسم نکلتا ہوا قد ادھر وہ چائے کی ٹرے لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئی اور ادھر دل اس کی پیشوائی کے لئے تمنا اور ارمانوں کے ساتھ بڑھا کچھ دیر تو ہم ایک دوسرے کو تاکتے رہے۔ مگر نازلی نے سنبھل کر ٹرے کو میز پر رکھا خفیف سے سر کی جنبش نے میرا خیر مقدم کیا اور متبسم نگاہوں نے چائے نوشی کی دعوت دی۔ بے ساختہ دل میں آیا کہ کاش وہ بھی شریک طعام ہو جاتی مگر زباں میں بولنے کی طاقت نہ تھی اور نگاہوں کا تقاضا تھا کہ سب کچھ چھوڑ کر دیکھے جا۔ اس کے بعد تقریباً ایک ہفتہ تک یہ ہوا کہ نازلی تو نظر نہ آتی مگر میرا کمرہ خوب صاف شفاف بستر لگا ہوا اور میز خوشبو دار گلدستہ سلیقہ سے

رکھا ہوا اور غسل و شیو کا درست سامان بالکل نیم گرم پانی صابن اور صاف تولیے ساتھ مجھے ملتا۔ حیرت تو ضرور تھی کہ یہ سب چپکے سے کون درست کر جاتا ہے اور نازلی کا خیال تک نہ آتا۔ آٹھویں دن مجھے خوب یاد ہے کہ میں صبح سے ہی ایک عزیز کی بارات میں گیا ہوا تھا کہ تین ساڑھے تین بجے رات کو واپسی کا موقع ملا۔ میری دستک پر کسی نے چپکے سے کواڑ کھولا اس وقت دن بھر کی تکان تھی یہ بھی نہ سوچا کہ کھولنے والا کون تھا اور میں اپنے کمرے میں ہو رہا۔ ابھی میں کپڑے اتار کر بستر پر بیٹھا ہی تھا کہ آہستہ سے کواڑ کھلے اور کسی نے پاس والی میز پر کوئی برتن لا کر رکھا۔ آہٹ پا کر میں نے نگاہ اٹھائی تو نازلی سامنے کھڑی تھی اور میز پر ایک پیالی چائے رکھی تھی۔

میں: نازلی تم نے تکلیف کی اتنی جلد کہاں سے چائے مل گئی۔

نازلی: تکلیف کاہے کی میں جانتی تھی کہ آپ بارات سے تھکے ماندے آئیں گے اسلئے میں نے چائے کا انتظام پہلے ہی سے کر لیا تھا۔ پانی کھولتا رہا تھا صرف چائے ڈالنے کی دیر تھی۔

میں: گھر میں اور کوئی جاگ رہا ہے

نازلی (ایک ادا سے) آپ اطمینان رکھیئے سارا گھر بے خبر سو رہا ہے۔ صرف ہم آپ جاگ رہے ہیں۔

اب میں بالکل مبہوت تھا چائے کی طرف ہاتھ بڑھانے کے بجائے میں خود نازلی کی طرف بڑھا اور ہم دونوں ایک دوسرے سے ہم بغل تھے مگر یہ کیفیت دیر تک نہ رہی بلکہ نازلی نے مجھے سنبھال کر پلنگ پر بٹھایا اور خود چائے کی پیالی اٹھا کر میرے قریب بیٹھ کر بولی چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ دیر ہو گی تو مجھے ... پڑیگا۔ اب مجھے یہ فکر اور ادھیڑ بن تھی کہ کیا تدبیر کروں جو نازلی ہمیشہ کے لئے میری ہو جائے سوچتے سوچتے میں نے والدہ کو ایک مختصر سا خط لکھا جس میں ادب کے ساتھ میں نے یہ لکھا کہ آپ نے میری ہر فرمائش پوری کی کبھی میری بات ٹالی نہیں گئی۔ اور مجھے کبھی کچھ مانگنا نہ پڑا۔ مگر آج ایک سوال ہے اور وہ یہ ہے کہ اب تک آپ نے نازلی کی پرورش کی اب مجھے بخش دی جائے۔ کہ جائز طریقہ پر اس کا تعلق تا عمر ہو جاوے خط کے گھر میں ایک بارود کا کام کیا۔ ہر طرف ... مجھ سے تو کوئی کچھ نہ بولا۔ مگر غریب نازلی کو توبہ ... کچھ اور کچھ ... سنائی۔ اب سے پہلے

کمرے میں بھی آنے کا حکم نہ تھا۔ اسی ادھیڑ بن میں ایک دن لنگوٹیے یار میاں خیرات علی مل گئے انہوں نے چھوٹتے ہی کہا واہ یار گھر میں ہی شکار کہیں کوئی بڑا مچھلا ہوتا تو دولت بھی ملتی۔ میں خیرات علی کو ایک ریسٹوران میں لے گیا جہاں تنہائی میں میں نے اسے ساری کیفیت سنا دی اور صاف کہدیا کہ اگر نازلی مجھے نہ ملی تو پھر میں بھی دنیا میں نہ ہونگا۔ خیرات علی نے مجھے تسکین اور تشفی دی اور ہم باتیں کر کے رخصت ہوئے دوسرے دن آنا تو میں نے دیکھا کہ میاں خیرات علی آئے اور سیدھے والد کے کمرے میں گئے میری طرف تاکا بھی نہیں۔ اس کے تیسرے دن یہ معلوم ہوا کہ نازلی اب اس گھر میں نہیں ہے جس کا قطعی ثبوت اس سے ملا کہ میرا کمرہ صاف نہ تھا۔ میز پر گلدان میں پہلے دن والا مرجھایا ہوا گلدستہ تھا۔ غسل اور شیو کا سامان بھی درست نہ تھا۔ اور ہر کام کے لئے مجھے چھوکرے کو بلانا پڑا۔ دو دن بعد ایک صبح کو مجھے فرم منیجر کا تار ملا کہ ضرورت سخت ہے بغیر تمہارے کام نہیں چلتا فوراً آؤ۔ مجھے بھی اب یہ گھر کاٹے کھاتا تھا اسی وقت تیار ہو گیا اور بارہ بجے دن کی گاڑی سے روانہ ہو گیا۔ فرم والے اسٹیشن پر گاڑی رکنے سے پہلے میں نے پلیٹ فارم پر میاں خیرات علی ... وہ بھی مجھے ... لپکے اور گرم جوشی ... مصافحہ کرتے ہوئے بولا نامانا استاد پہلا دانا ہاتھ۔

اسٹیشن کے ویٹنگ روم میں بیٹھ کر معلوم ہوا کہ میاں خیرات علی کے والد بھی ڈپٹی صاحب (جو ... تھے) مگر خدا جانے کیا کیا زمین آسمان کے قلابے ملائے اور یہ بات طے ہو گئی کہ نازلی جائے خیرات علی کے گھر ... جائے جہاں سے وہ کسی بھلے مانس کے پلے باندھ دی جائے اور کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہو اس موقعہ پر میاں خیرات علی نے قہقہہ لگا کر کہا کہ بھائی میں کسی بھلے مانس کو تلاش کرتا پھرتا میں نازلی کو لئے ہوئے سیدھے یہیں چلا آیا میں نے ہی تار دیکر تمہیں بلایا ہے اب تمہاری نازلی تمہارے پاس ہے دس دن تمہاری چھٹی اور ہے۔ ... شام کو مولانا ... جناب ... نکاح پڑھا ... دس دن ... کہیں ... جا ...

اجمل میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

یہ ترقی پسند

(بسلسلہ صفحہ (۲))

"مطالبین گرجے اور ماسکو پر آنچ نہ آنے پائے" چاہے انقرہ اور استنبول کے دھوئیں اڑ جائیں

پروپیگنڈا

ترقی پسندوں اور کمیونسٹوں کی جماعت چونکہ مختصر ہے اس لئے منظم ہے اور ہندوستان کا جہلا اور عوام ان کے ہمنوا نہیں ہیں مگر ان کے پاس "آرگن" ہیں ترقی پسند مصنفین اور ترقی پسند ادیبوں کے نام سے باقاعدہ انجمنیں ہیں، پروپیگنڈے کے ہتھکنڈوں سے بخوبی واقف ہیں۔ اس لئے ان کے اخباروں اور رسالوں میں اس انداز سے ان کے جلسوں کی کارروائیاں شائع ہوتی ہیں گویا کہ تمام ملک کی نگاہیں ان پر لگی ہوئی ہیں اور شعر و ادب میں یہ لوگ منصب "استاد" تمام امامت اور درجۂ اجتہاد رکھتے ہیں۔

بہت سے نوجوان اور ادیب شاعر "ترقی پسندوں" کے اس صحافتی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر ان کے ساتھ ہو لئے ہیں اور ان کو یہ فائدہ بھی پہنچ رہا ہے۔ یعنی یہ کہ جو لوگ شعر و ادب میں کوئی مقام نہیں رکھتے اور جن کو قدرت نے شعر و ادب کی صلاحیت بھی عطا نہیں کی وہ آج "ترقی پسندوں" کے پروپیگنڈے کی بدولت مشہور ہو رہے ہیں ——— "شہرت" کا لالچ خدا کی پناہ! امریکہ کی ایک رقاصہ نے تاج کو دیکھ کر کہا تھا کہ اگر مجھے اس بات کا یقین دلا دیا جائے کہ مرنے کے بعد میری قبر تاج محل کے گنبد میں بن سکے گی تو میں ابھی تاج محل کے مینار سے کود کر جان دینے کو تیار ہوں تو شہرت کی ہوس ان نوجوانوں کو ادھر کھینچ لائی ہے ——— !

جو شاعر اور ادیب پہلے ہی مشہور تھے "ترقی پسندوں" اور کمیونسٹوں کی صف میں آ کر وہ مشہور تر ہو گئے اور ترقی پسند ان کی شہرت کے لئے کچھ نہ کچھ کرتے ہی رہتے ہیں ——— واقعہ کا رخ بدل گیا ہے مگر حقیقت نہیں بدلی۔ بادشاہوں اور امیروں کے دربار میں قصیدہ خوانی کی جگہ اب "کمیونزم" کی بارگاہ میں قصیدے عرض کئے جا رہے ہیں ——— اس کا صلہ؛ دولت، شہرت اور ناموری اور اس کے لئے بھی حرف ریزی اور دجد وجہد کی بہت زیادہ ضرورت نہیں پڑتی، بس جو دل میں آئے کہے اور لکھے جاؤ!

تین گروہ

جو ادیب، شاعر اور تنقید نگار اس ادبی گمراہی اور بے راہ روی کے خلاف آواز اٹھا سکتے تھے ان کی یہ حالت ہے ———

۱۔ ایک گروہ تو اس تحریک کو قابل اعتنا اور لائق التفات ہی نہیں سمجھتا کہ یہ آواز چند دنوں کے بعد خود بخود دب جائے گی، لہذا وہ چپ سادھے ہوئے ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ "مذبذبین" کا ہے، جو ترقی پسندوں کو نہ زیادہ اچھا سمجھتا ہے اور نہ زیادہ برا ——— بلکہ ان میں سے بعض تو ابھی صورت حال کا مطالعہ ہی کر رہے ہیں کہ دیکھیں ان تجربات کے کیا نتائج برآمد ہوتے ہیں! ان سادہ لوحوں میں سے کچھ سمجھتے ہیں کہ ممکن ہے چیلی کے انڈوں سے بچے نکلنے تک صبر کرنا چاہئے۔

۳۔ تیسرا گروہ ان ارباب قلم کا ہے جو اس ادبی بے راہ روی کے خلاف بہت کچھ کر سکتے ہیں مگر یہ لوگ اپنی شہرت اور ہر دلعزیزی کی ذرا سی بھی قربانی دینے کو تیار نہیں ہیں، یہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے تمام ادبی طبقے ان سے خوش رہیں، یہ حضرات "ترقی پسند ادب" پر ہلکی ہلکی تنقیدیں بھی کرتے ہیں تاکہ محتاط ادبی حلقہ میں ان کی ادبی ساکھ باقی رہے! اور پھر کہتے ہیں کہ ترقی پسند ادب میں کچھ مفید عناصر بھی ہیں اس طرح ترقی پسند ادیبوں کو وہ خوش بھی رکھنا چاہتے ہیں۔ ان کی پالیسی دو رخی ہے ——— مگر ان لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ ترقی پسندوں نے اس قسم کے ادیبوں، شاعروں اور تنقید نگاروں کے لئے "جدید رجعت پسند" کا لقب تجویز فرمایا ہے۔ یہ نہ ہو کہ چند دنوں کے بعد یہ صاحبان اس شعر کے مصداق ہو جائیں۔

خارے ترم کہ از سر شاخ دردہ ام
محروم گلستانم و مردود آتشم

ضرورت ہے اور شدید ضرورت ہے کہ کچھ ایسے ادبی مجاہد کمر ہمت باندھ کر میدان صحافت میں آئیں جو اپنی شہرت اور ہر دلعزیزی کی بڑی سے بڑی قربانی دے سکیں اور ہر بات صاف صاف کھل کر اور دو ٹوک کہتے جائیں۔

ایڈیٹر: "تمہارا مضمون تو بہت اچھا ہے مگر یہ پڑھ کر مجھے شیکسپیئر کی یاد آگئی"

مصنف - اکثر دوسرے ایڈیٹروں نے بھی شکایت کی ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ میرے مضامین کیوں نقل کر لیا کرتے تھے۔

ماسٹر کے بچاریوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ ہمت کافی ہے اور اس کے لئے وہ قربانیاں دے رہے ہیں تو کیا پرستاران حق ہاتھ پر ہاتھ دھرے یوں ہی بیٹھے رہیں گے! اٹھئے! اور جوش اور عزم کے ساتھ اٹھئے، عوام اور خواص سب کے سب آپکی ہمنوائی کے لئے تیار ہیں۔

کھویا ہوا لال

افسانہ

سردار علی صابری

مسٹر مکرجی کلکتہ کے بہت بڑے زمیندار تھے لاکھوں روپیہ سالانہ کی آمدنی تھی۔ وہ شہر کے دوسری جانب شہر سے نو سات میل کے فاصلہ پر ایک عالیشان کوٹھی میں رہتے تھے۔ سوائے اولاد کے انہیں دنیا میں اور کسی چیز کی خواہش نہ تھی اور وہ اسی سے محروم رہے تھے۔ پہلی بیوی سے شادی کو نو سال ہو گئے جب اولاد نہ ہوئی تو انہوں نے دوسری شادی کی اور تیسرے سال ایک خوبصورت بچہ پیدا ہوا۔ جس کا نام انہوں نے سشیل کمار رکھا۔ مسٹر مکرجی نے سالہا سال کی دعاؤں اور سینکڑوں منتوں مرادوں کے بعد اولاد کی شکل دیکھی تھی انتہائی ناز و نعم کے ساتھ سشیل کی پرورش شروع ہوئی درجنوں اشخاص اس کی خدمت کے لئے متعین تھے زیادہ دلار کی وجہ سے سشیل بہت ضدی اور خود سر ہو گیا تھا۔ جب اس کی عمر پانچ چھ سال کی ہوئی تو وہ اکثر جنگل کی طرف نکل جایا کرتا اور ادھیڑ عمر کا گورکھا ملازم بالعموم اس کے ساتھ رہتا تھا۔

مسٹر مکرجی کو اس ملازم بھرت سنگھ پر بہت اعتبار تھا اور انہوں نے سشیل کا محافظ خاص بنا رکھا تھا۔

زمانہ اسی طرح گزرتا گیا۔ سشیل کی عمر اب سات سال کی تھی۔ ایک دن سہ پہر کے وقت حسب معمول بھرت سنگھ کے ساتھ جنگل میں گھومنے گیا۔ لیکن سورج غروب ہونے پر واپس نہیں آیا۔ بھرت سنگھ روزانہ تاریکی سے پہلے ہی ضدی سشیل کو سمجھا بجھا کر مکان واپس لے آیا کرتا تھا۔ والدین کو قدرتی طور پر فکر ہوئی۔ بھرت سنگھ اور سشیل کی تلاش کے لئے آدمی دوڑائے گئے۔ لیکن دونوں کا کہیں پتہ نہ تھا۔ بھرت سنگھ کئی سال سے سشیل کی دیکھ بھال پر ملازم تھا۔ اور مسٹر مکرجی کو اس کی دیانت و رفاقت پر پورا اعتماد تھا۔ انہیں یہی امید تھی کہ ضدی سشیل جنگل میں کہیں دور نکل گیا ہے اور وفادار بھرت سنگھ اسے بہلا پھسلا کر لاتا ہوگا۔ جب رات زیادہ ہو گئی تو مسٹر مکرجی بالکل گھبرا گئے کیونکہ سشیل قیمتی زیورات پہنے ہوئے تھا۔ اس لئے انہیں اندیشہ ہوا کہ جنگل میں کسی بدمعاش نے زیورات کے لالچ

میں سشیل کو ہلاک نہ کر دیا ہو اور وفادار بھرت سنگھ نے بھی اپنے ننھے آقا کی رفاقت میں جان دے دی ہو۔

پولیس کو اطلاع کی گئی۔ سشیل اور بھرت سنگھ کا پتہ لگانے کے لئے بیش قیمت انعام مقرر کیے گئے۔ لیکن کسی کا بھی سراغ نہ ملا ایک مہینہ کے بعد پولیس نے بھرت سنگھ کو چیدہ زیورات فروخت کرتے ہوئے بازار سے گرفتار کیا اور وہ کلکتہ لایا گیا۔ بھرت سنگھ نے اقبال جرم کرتے ہوئے حسب ذیل بیان دیا۔

”میں مسٹر مکرجی کے یہاں کئی سال سے سشیل کی دیکھ بھال کے لئے ملازم تھا اور مجھے اس بچہ سے محبت تھی۔ لیکن جس دن یہ واقعہ ہوا جب میں سشیل کو حسب معمول جنگل کی طرف سیر کرانے کو لے گیا تو اس کے قیمتی زیورات پر میری نیت خراب ہو گئی۔ شام ہو جانے پر میں نے گھر واپس چلنے کے لئے کہا تو میں اسے بہکا کر اور دور لے گیا۔ تاریکی کافی بڑھ گئی تھی ایک گیدڑ کے بولنے سے سشیل ڈرا۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ کسی ڈاکو کی آواز ہے۔ تم مجھے اپنا زیور اتار کر دے دو تاکہ میں اسے چھپا دوں کر اپنے کپڑوں میں چھپا لوں سشیل نے مجھے اپنا سارا زیور دے دیا۔ اس نے پھر مجھ سے گھر چلنے کے لئے اصرار کیا۔ میں نے اس سے کہا ذرا دیر ٹھہر جاؤ۔ ڈاکو کسی دوسری طرف نکل جائے پھر ہم مکان واپس چلیں گے میں کسی طرح سشیل کو بہلاتے ہوئے دیر تک جنگل میں پھرتا رہا۔ آخر میں اسے لے کر میں ایک کنوئیں کے پاس پہنچا اور اس کے کنارے بیٹھ کر سشیل سے کہا۔ دیکھو تو کنوئیں کے اندر پریوں کا ناچ ہو رہا ہے۔ سشیل کنوئیں پر چڑھا اور جھک کر کنوئیں کے اندر دیکھنے لگا۔ میں نے اسے دھکا دیا۔ وہ کنوئیں کے اندر گرا۔ اس کے منہ سے چیخ نکلی۔ ساتھ ہی جنگل سے ایک مسلمان کی آواز آئی ”اللہ اکبر“

میں ڈر کر بھاگا۔ ساری رات میں جنگل میں چھپا رہا۔ صبح اٹھ کر بھاگا اور مختلف مقامات پر سشیل کے زیورات فروخت کیے“

اس اقبال جرم کے بعد پولیس نے اس کنوئیں کا بغور معائنہ کیا۔ کنواں بالکل خشک تھا اور زیادہ گہرا بھی نہ تھا۔ اول تو اس بات کا بظاہر امکان نہ تھا کہ سشیل جیسا تندرست لڑکا اتنی معمولی بلندی سے گر کر ہلاک ہو جائے گا اور اگر وہ مر بھی گیا ہوتا تو اس کی ہڈیاں وغیرہ ضرور دستیاب ہوتیں۔ سشیل کا راز ظاہر نہ ہو سکا۔ مسٹر مکرجی بھی اس کی تلاش سے مایوس ہو گئے۔ اور پولیس بھی۔

سشیل کے غم میں مسٹر مکرجی کا دل اب عیش دنیا سے سرد ہو گیا تھا وہ ہر وقت پوجا پاٹھ میں مصروف رہتے تھے۔ اور ان کی عالیشان کوٹھی فقیروں سادھوؤں اور مہنتوں کے لئے مہمان خانہ بن گئی تھی۔ دور دور کے سادھو ان کے پاس آ کر ٹھیرتے تھے اور مسٹر مکرجی ان کی بہت خاطر مدارات کرتے تھے۔

تقریباً سات سال کا عرصہ گزر گیا سنا ہے کہ ایک مشہور مہنت سوامی نارک ناتھ اپنے چیلوں کے ساتھ سیر و سیاحت کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے۔ مسٹر مکرجی کو خبر ہوئی اور انہیں اپنی کوٹھی پر لے آئے چونکہ کوٹھی ویرانہ میں تھی اس لئے سادھوؤں نے بھی اسے پسند کیا۔ مسٹر مکرجی اور ان کی بیوی نے مہمانداری کے فرائض انجام دیتے ہوئے جب سوامی نارک ناتھ کے ساتھیوں کو غور سے دیکھا تو انہیں چیلوں میں تیرہ چودہ سال کا ایک شکیل بچہ نظر آیا جو شکل و صورت اور وضع و اطوار میں دوسرے سادھوؤں سے بالکل مختلف تھا کہ وہ کسی معزز اور متمول گھرانے کا لڑکا ہے۔ اسے دیکھ کر مسٹر مکرجی کی نگاہوں میں اپنے گم شدہ بچے سشیل کی صورت پھر گئی اور انہوں نے اسے بے ساختہ اپنے سینے سے لگا لیا

پوچھا ”بیٹا تمہارا نام کیا ہے؟“

لڑکے نے جواب دیا

”تم کس کے لڑکے ہو“

”سوامی نارک ناتھ کا بالک ہوں“

”تمہارا گھر کہاں ہے؟“

”سادھو کا بالک جہاں رہ پڑے وہی اس کا گھر ہے۔“

”سوامی جی کے پاس کب سے ہو؟“

”جب سے جنم لیا“

”کبھی پہلے کلکتہ آئے تھے“

”کبھی نہیں“

مسٹر مکرجی اور ان کے شوہر دونوں حیران تھے۔ خاص کر لڑکے کا طرز گفتگو بھی ان کے لئے باعث استعجاب تھا۔ دوسرے سادھوؤں سے دریافت کیا۔ مگر کچھ پتہ نہ لگا۔ مسٹر مکرجی نے فیصلہ کیا کہ وہ سوامی نارک ناتھ سے اس لڑکے کے متعلق دریافت کریں گے۔ مگر سوامی جی کی عبادت کا وقت ہو چکا تھا وہ پوجا پاٹھ میں مصروف ہو گئے تھے اور ان کے چیلے بھی دھیان لگا کر بیٹھ رہے تھے۔ یہ لڑکا ابھی باقاعدہ طور پر سادھو نہیں بنایا گیا تھا۔ اس لئے پوجا کا سامان وغیرہ فراہم کرنے کی خدمت اسے تفویض ہوئی۔ کوٹھی کے وسیع احاطہ میں اب مکمل خاموشی تھی۔ سوامی نارک ناتھ اور ان کے سامنے چیلے سندھیا میں مصروف تھے۔ لڑکا کچھ دیر پانی بھرتا رہا۔ پھر اس کی نظر ایک بیج پر ایک گھونسلے پر پڑی اور وہ بچپن کی شوخی سے مجبور ہو کر تیزی سے درخت پر چڑھ گیا۔ اتفاق سے کسی سادھو نے مراقبہ سے فارغ ہو کر اسے آواز دی وہ گھبرا کر نیچے اترنے لگا جلدی میں پیر الجھ گیا اور وہ گھبرا کر نیچے اترنے لگا اور وہ اونچے درخت سے زمین پر گر پڑا۔ سر پر گہرا زخم آیا خون کا فوارہ جاری ہوا اور لڑکا بیہوش ہو گیا۔

سادھو اپنے منتر سے باہر نکل آئے مسٹر مکرجی کو خبر ہوئی وہ بدحواسی ہو کر نکلیں۔ لڑکے کی صورت میں اس وقت انہیں اپنے گم شدہ لال کا جلوہ نظر آ رہا تھا۔ ایک ملازم کو اشارہ کیا۔ اس نے بیہوش لڑکے کو گود میں اٹھایا اور مسٹر مکرجی اسے اپنے کمرے کے اندر لے گئیں۔ اسی وقت ڈاکٹر بلایا گیا۔ اس نے مرہم پٹی کی رات پریشانی کے عالم میں کاٹی۔ لڑکے کی حالت خراب تھی خدا خدا کر کے صبح ہوئی۔ لڑکے نے آنکھ کھولی مگر پھر تکلیف بڑھی اور اس پر سارے دن نیم بیہوشی کی حالت طاری رہی کلکتہ کے مشہور ڈاکٹر اس کا علاج کر رہے تھے زخم سے خون بہت جاری تھا شام کو اس کی طبیعت ذرا سنبھلی اور وہ تکیہ سے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ مسٹر مکرجی جب اس کی مزاج پرسی کے لئے اس کے کمرے میں داخل ہوئیں تو لڑکا بہت غور کے ساتھ ان کی صورت دیکھنے لگا۔ اس کی نظروں سے اس وقت ایک خاص قسم کی حیرت و پریشانی ظاہر ہو رہی تھی۔ مسٹر مکرجی نے اس سے محبت کے لہجہ میں پوچھا۔ ننھے سادھو تم کیا سوچ رہے ہو۔ کیا بات ہے۔۔

لڑکا ایک مقفل الماری کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ اس میں کیا ہے؟

پوجاری

اگلا پوجا کا سامان تیار ہے۔ اب آپ نہا دھو کر کے پوجا پاٹ شروع کیجئے۔ اور ٹھاکر جی کو بھوگ لگایئے"

"مگر بابا تمہاری لڑکی ٹھاکر جی کے درشن کرنے اور پرشاد لینے نہیں آئی"

"ارے بابا جی تم بھی کس ابھاگن کا نام لیتے ہو۔ دھندلکے میں پڑھ کر رادھا کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ اب وہ دیوی دیوتا کو نہیں مانتی وہ تو دو ایک دفعہ میں اسے زبردستی درشن کے لئے پکڑ لائی تھی نہیں تو وہ کب کی آنے والی"

"اچھا چنتا نہ کرو۔ اس کا اپائے علاج کر دونگا کہ وہ مندر کے سوا کہیں اور کا نام نہ لے گی۔

یہ باتیں گنگا کے کنارے آبادی سے دور ایک مندر کے پجاری اور ادھیڑ عمر کی عورت میں ہو رہی تھی۔ پجاری تیس پینتیس سال کا ایک موٹا مسٹنڈا سادھو تھا۔ جس کا کام یہی تھا کہ نادان مکر و دھرم پر جان دینے والی عورتوں کو پوجا پاٹ کا شوق دلا کر تھوڑی تھوڑی مٹھائی دیوتا کے چڑھاوے کے نام سے منگائے اور خود مزے لے لے کے کھا لے۔ تھوڑا بہت اسمیں سے پرشاد کے نام سے ان عورتوں کے ہاتھ پر رکھ دے جسے وہ عزت کے ساتھ لے کر ذرا ذرا سا اپنے گھر والوں کو چکھا دیں۔ دن میں دوبار صبح اور شام یہ شغل رہتا باقی وقت یا تو گانجے کی دم لگانے میں ختم ہوتا یا پھر بھنگ گھوٹی رہتی۔ ظاہر ہے کہ ایسے سادھو بہت جلد اپنے ارد گرد چیلوں کا بھی مجمع کر لیتے ہیں جو بابا جی کی پارسائی اور کرامت کی کہانیاں کمزور عقیدہ والوں میں مشہور کرتے رہتے ہیں۔ ان بابا جی کا نام پہاڑی بابا مشہور تھا۔ ان کے دو تین چیلوں نے خوب مشہور کر رکھا تھا۔ جس میں ایک بات یہ مشہور تھی کہ پجاری جی ہر سندھیا کے وقت مندر سے اڑ کر کیلاش پہاڑ پر مہادیو جی کے درشن کے لئے جایا کرتے ہیں۔ اور صبح سویرے سورج نکلنے سے پہلے لوٹ آتے ہیں۔ دوسری بات یہ مشہور رہتی کہ بابا جی کا پرشاد جو کھا لے اسے اگر بے اولاد ہے تو اولاد ہو جائے گی۔ خاص خاص معتقد کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ بابا جی مہادیو کے کمنڈل کو روز دکھا دیتے ہیں۔ ایک کپڑے کا ڈالر کو ایک منطق کی دو چیل بنا گئے ہیں۔ مگر یہ تک کسی نے خود نہیں دیکھی تھی بات ضرور مشہور تھی۔

دیہات کی عورتیں وہ بھی ان پڑھ اور خوش عقیدہ پجاری جی کو بہت مانتی تھیں۔ اس میں رادھا کی ماں گنگا بھی تھی۔ رادھا پڑھی لکھی لڑکی تھی عمر تو تیرہ چودہ سال سے زیادہ نہ تھی۔ مگر لڑکی ہوشیار تھی۔ وہ خود تو اس بیہودہ مندر کی پوجا پاٹ سے کوئی دلچسپی نہ رکھتی تھی دو ایک دفعہ گنگا کے دباؤ اور زبردستی سے یہ گئی تو بابا جی کی صورت شکل طور طریقہ سے بجائے اسکے کہ اچھا عقیدہ لے کر لوٹتی بدگمان ہی واپس آگئی اور یہ طے کر لیا کہ ماں خوش ہو یا ناراض مگر اب وہ بابا جی کے درشن کو کبھی نہ جائے گی۔

گنگا تو ایک کم عقل سی عورت تھی بابا جی سے یہ سنکر کہ بابا جی رادھا کا ایسا علاج کرینگے کہ وہ مندر کے سوا کہیں اور کا نام نہ لے گی اتنا خوش ہوئی کہ اسنے خوشی خوشی رادھا سے کہا کہ تم کو دیوتا کی پوجا کا خیال نہیں رہتا اب بابا جی تمہیں اپنے سادھن کے زور سے پوجا پاٹ کا شیدائی بنائیں گے۔

رادھا نے کرید کرید کر ماں سے سب کچھ پوچھ لیا اور یہ سمجھ گئی کہ یہ بدمعاش سادھو اب میری عزت و آبرو کے پیچھے پڑیگا۔ اور بیوقوف ماں کے ذریعہ سے میری زندگی خراب کرنے کی کوشش ہوگی اس سوچ میں آج اسنے کھانا بھی نہ کھایا۔ کوئی صورت سادھو سے بچنے کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ شام کے قریب جب اسکی ماں کسی کام میں مشغول تھی کہ آہستہ سے گھر سے نکلی اور قریب کے باغ میں جا کر ایک طرف بنچ پر بیٹھ گئی۔ وہ کسی غور میں گم تھی کہ ایک آواز نے اسے چونکایا۔

"رادھا رانی تم کس چنتا میں پڑی ہو خوش ہو جاؤ اب تمہارے اچھے دن آ گئے" تمہاری جوگنی چمک رہی ہے۔

رادھا نے دیکھا کہ کم و بیش چودہ پندرہ سال کا بے موچھ داڑھی والا نوعمر لڑکا گورا رنگ بڑی بڑی آنکھیں قبول صورت سادھو کے لباس میں اس کے آگے کھڑا ہے۔

رادھا۔ کنور جی مہاراج آپ کون ہیں اس عمر میں کیوں جوگیا بھیس لیا ہے اور آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا۔

سادھو۔ میں نے پجاری جی کے یہاں تمہیں دیکھا تھا۔ مجھے پجاری جی نے پتہ بتا کر کہا کہ تم کو یہ سب بات سمجھا آؤں۔

رادھا۔ کنور جی مہاراج تم کسی بڑے اچھے گھر کے معلوم ہوتے ہو سادھو کیسے ہو گئے۔

سادھو (آنکھوں میں آنسو بھر کر) میں خود نہیں جانتا کہ سادھو کیسے ہوا۔ اتنا یاد ہے کہ میں ایک بہت بڑے گھر میں رہتا تھا اور وہاں سبھی لوگ مجھے کنور جی کہتے تھے۔ تم مجھے کنور جی کیوں کہتی ہو۔

رادھا۔ تمہاری موہنی صورت دیکھ کر دل کہتا ہے کہ تم کسی بڑے گھر کے کنور ہو اور تمہیں دھوکہ دیکر سادھو بنایا گیا ہے یہ دن تمہارے پڑھنے لکھنے کھیلنے کودنے کے ہیں نہ کہ سادھو بننے کے۔

سادھو۔ ہاں میں تمہیں بہن ہی کہونگا تم سچ کہتی ہو میں بھی اس کام سے تنگ آ گیا ہوں مجھے بابا جی اور ان کے چیلوں کا طور طریقہ پسند نہیں۔

رادھا (محبت سے سادھو کو بنچ پر بٹھاتے ہوئے) پیارے بھائی نہ گھبراؤ ایشور چاہتا ہے تو تمہارے دن پھریں گے اور اس چنڈال چوکڑی سے نجات ملے گی۔ تم مجھ سے کبھی کبھی ملتے رہا کرو اور جو باتیں ہوں کہہ جایا کرو۔

سادھو۔ مگر میں بابا جی سے جا کر کیا کہونگا

رادھا۔ جا کر مری بالا کی کہنا اور کہنا کہ رات کو جب مہادیو جی کے پاس کیلاش پربت پر جائیں تو رادھا کو نہ بھولیں گے۔

سادھو۔ اچھا بہن تم کو بھی اسیر و بدمعاش سے ہے

رادھا۔ کیا بابا جی کیلاش نہیں جاتے

سادھو (ہنس کر) اب میں کیا کہوں کسی دن کیلاش کا حال کھل جائے گا۔ نو عمر سادھو تو یہ کہتا ہوا چل دیا۔ مگر رادھا کی پریشانی اور بھی بڑھی۔ اور قدم قدم پر اسے مسٹنڈا سادھو نظر آنے لگا۔ گھبرا کر وہاں سے اٹھی۔ دیکھا سامنے سے پرشاد اور احمد چلے آ رہے ہیں۔ یہ دونوں گاؤں کے تھانے کے کانسٹیبل تھے اور گنگا کا بھائی چونکہ کسی دوسرے تھانے پر ہیڈ مقرر تھا اسلئے یہ دونوں اکثر گنگا اور اس کی لڑکی کی خیریت لینے آجایا کرتے تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر رادھا کو کچھ خیال آیا اور وہ رکی۔ اسے رکتے دیکھ کر دونوں کھڑے ہو گئے۔

احمد اور پرشاد۔ کہو بیٹا اچھی طرح تو ہو اس وقت یہاں کیسے رہی ہو۔

رادھا۔ اچھا ہوا آپ لوگ مل گئے میں تو آپ ہی لوگ کے پاس جانے والی تھی

احمد۔ آخر خیریت تو ہے ہم لوگوں کی تلاش کیوں تھی۔

رادھا۔ ذرا اس بنچ پر بیٹھ جائیے۔ میں ابھی سب کہتی ہوں وہ دونوں بیٹھ گئے۔ رادھا نے پہلے تو ادھر ادھر نظر دوڑائی اور جب اطمینان ہو گیا کوئی قریب نہیں ہے تو بولی

رادھا: آپ لوگ میرے بزرگ اور ماما کے دوست ہیں اگر میرا ایک کام کر دیں تو بہت اچھا ہے۔ اسمیں آپ لوگوں کا بھی نام اور فائدہ ہے۔

پرشاد۔ رادھا رانی اب تو تمہیں بڑی بڑی باتیں آنے لگی ہیں کہو کیا کام ہے۔

رادھا: گنگا جی کے کنارے گاؤں کے پورب جو مندر ہے آپ اس سادھو کو جانتے ہیں۔

احمد (ہنس کر) جی اس بدمعاش کو کون نہیں جانتا صورت سے بدمعاش معلوم ہوتا ہے۔

رادھا۔ مگر تمہاری زبانی بتاتی ہے کہ تم کچھ نہیں جانتے۔ جب جانوں کہ تم یہ پتہ لگا دو کہ وہ کہاں کا رہنے والا ہے کس گرو کا چیلا ہے۔ اور اس کے ساتھ جو کمسن سادھو ہے وہ کس کا لڑکا ہے اور کس گاؤں کا ہے۔ اگر تم دو دن میں یہ پتہ چلا دو تو پھر میں اپنا کام بتاؤنگی۔ اب آپ لوگ جائیے پر کہلا نہیں یا اکیلے میں مجھ سے ملنے کا ماما کو خبر نہ ہو۔

یہ کہکر رادھا تو چلی گئی اور دونوں نوعمر کانسٹیبل حیرت میں بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے۔

پرشاد۔ معلوم نہیں رادھا نے یہ کیوں کہا۔ لو کام بھی مشکل بتا گئی۔

احمد۔ ہاں بہت ٹیڑھا کام ہے مگر اب تو ہمیں اس کی فکر کرنی چاہیے۔ اچھا تم بھیس بدل کر مندر کی طرف جاؤ میں بھی اسی فکر میں جاتا ہوں۔ مگر دونوں ساتھ ہی ساتھ تھانے پر آئے۔ پرشاد نے گشت کی ڈیوٹی رجسٹر میں لکھائی اور پولیس کا کپڑا اتار محض ایک دھوتی آدھی باندھے آدھی اوڑھے بازار سے پھول تھالے لے کر مندر کی طرف چلا اور احمد نے دفتر کی الماری کھول کر دس سال کا پولیس گزٹ نکالا۔ احمد کا خیال یہ تھا کہ نوعمر سادھو کو اگر یہ بدمعاش بھگا لایا ہے اور اگر یہ لڑکا بڑے گھر کا ہے تو ضرور گزٹ میں ہوگا اور اعلان درج ہوگا۔ حسن اتفاق کہ پہلے ہی گزٹ میں مارچ کے پرچے میں یہ اشتہار نکلا تھا "اطلاع اشتہار" بالم پرشاد سنگھ کے لڑکے کنور سنگھ کو اس کے مکان واقع موضع ... ڈاکخانہ ... تحصیل ... ضلع ... سے کوئی شخص بہکا کے لے گیا ہے۔ پتہ لگانے والے کو ۵۰۰ روپیہ انعام دیا جائیگا۔ اس کے علاوہ اشتہار میں لڑکے کا حلیہ اور حال تاریخ گمشدگی درج تھی۔ اس اشتہار کو پاکر احمد کو یہ معلوم ہوا کہ گویا اسے کامیابی

مریض کا خواب !

کیوں ڈاکٹر آپ نے یہ نہیں بتایا کہ میرا بخار تو نہیں بڑھ گیا ہے۔

ڈاکٹر :۔ (ایک قہقہہ کے ساتھ) ابھی وہ دن گئے جب ہندوستانیوں کا بخار بڑھ کر گوروں کا کھوکھروں سے لپٹا کرتا تھا اور ہمارے صاحب بہادر کو دو چار دن بلکہ ہفتہ عشرہ عدالت میں صفائی دینے کے لئے دوڑنا پڑتا تھا۔ کہ قصور نہ میرا ہے نہ میری شراب کی بوتل یا بوٹ کی نوک ملک کا یہ تلی کی تلی ہو ولسٹ بالی کی طرح پھول کر ٹھوکر کھو کر کی صدا لگاتی تھی۔

ڈاکٹر صاحب تو مریض کو ایک خواب آور دوا کھلا کر اور اپنی فیس لیکر چلتے ہوئے مگر مریض اب دوسری ہی دنیا میں تھا۔ اس کی آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ بمبئی کا ساحل ہے۔ گودی پر طرح طرح کے سمندری جہازات سفر کے لئے تیار ہیں اور جوق کے غول ان میں بوریا بستر سمیٹے جلدی جلدی جہاز کے زینوں پر چڑھ رہے ہیں۔ مگر کوئی بھی ہشاش بشاش نہیں ہے سب کی رنگت زرد ہے۔ چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ کبھی کبھی ان میں سے کوئی حسرت سے زمین کی طرف دیکھتا اور پھر آسمان کی طرف یاس سے تکتا ہے۔ بجوم بڑھا چلا جا رہا ہے آنسو تو بہرا لکھتر میں ڈبڑبا رہے مگر رومال چند ہی ناکوں سے لگا ہوا ہے سامنے سے ایک ننھا سا ٹامی اپنی ماں کا ہاتھ پکڑے چلا جا رہا ہے۔ کچھ پوچھنا چاہتا ہے مگر رک جاتا ہے آخر اس سے ضد رہا گیا ماں سے رک کر پوچھا ممی تم تو کہتی تھیں کہ ہم نے انڈیا کو فتح کیا ہے۔ پھر یہ ہمیں نکالا کیوں ؟

عورت :۔ (جذبات پر قابو پاتے ہوئے) ہاں چارلی بات تو یہی تھی مگر چرچل نے دھوکا دیا

چارلی :۔ چرچل نے دھوکہ دیا !

عورت :۔ (تیز ہو کر) ہاں ہاں ہمیں دھوکہ میں رکھا اس لئے کہ میں اپنے عہد وزارت میں شاہنشاہی کے کسی حصہ کو نکلتے دیکھ نہیں سکتا۔ مجھے اس ماسٹر کی بات کو سچ جانا مگر تم نے دیکھا کہ اس بڈھے کے سر سے کیا گیا۔

چارلی :۔ کیا گیا !

عورت :۔ جرمنی اور جاپان کو مٹا دینے کے بعد نہ تو جشن فتح منایا نہ ہندوستانی مدعا کو سلجھو مرگیا۔ بلکہ کیا تو یہ کیا انتخاب الکشن نشان دیا۔ نتیجہ اس کا مل گیا۔ ٹوری حکومت گئی۔ چرچل وزارت گئی۔ مزدوروں کا راج ہوا۔ ہمارا تختہ تاراج ہوا۔

ایک بوڑھا فوجی گورا :۔ میری پریشان نہ ہو تم (ٹامی) کو نہ مزدور رہی نہ مجبور وہ آسانی سے انگلستان کو چھٹنے نہ دیگا۔

میری :۔ اچھی یہ بھی دھوکے کی باتیں ہیں۔

گورا :۔ باتیں نہیں واقعات ہیں۔ ادھر انگلستان پر امریکہ اور دوسرے دوسرے ملکوں کا بہت سا قرضہ ہو گیا تھا۔ اگر وہ کوئی چال نہ چلتے تو سارے ساہوکار مہاجن ٹوٹ پڑتے اور انگلستان کو بیچنے کے دینے پڑ جاتے۔

چارلی :۔ تو کیا ہم پھر ہندوستان آئیں گے

گورا :۔ اطمینان رکھو ہندوستانی جھک مار کر ہاتھ جوڑ کر پاؤں پڑ کر ہمیں بلائیں گے۔ اور پھر ہم ہوں گے اور یہ ملک۔

چارلی :۔ تو مجھے بھی مشق کے لئے بڑی ہوئی کالی تلی ملے گی۔

مجبری :۔ (مریض کی طرف اشارہ کر کے) مشق کرنا ہے تو یہ کالا آدمی موجود ہے چلتے چلاتے ٹھوکر لگاتے چلو۔

مریض :۔ (چلا کر) نہیں نہیں میرا تلی کا حال بڑھا نہیں ہے۔ جاؤ ڈاکٹر سے پوچھ لو۔ اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ دیکھا گھر والی کھڑی جگا رہی ہے۔ اور کہہ رہی ہے کہ بہت سوئے اب شام ہونے کو ہے۔ دوا میں بھی دیر ہو گئی لو انگو کلی کر کے یہ دوا پی لو۔ اب تم کو بخار نہیں ہے۔

مریض کے دل کی دھڑکن اب کم تھی۔ اور اطمینان سے گھر در کو دیکھ رہا تھا۔

امریکہ میں طلاقوں کی بڑھتی ہوئی رفتار کے مدنظر ایک وکیل نے تجویز پیش کی ہے کہ شادی کے سرٹیفکیٹ کے ساتھ طلاق کے کوپن بھی دیدیئے تاکہ وقت ضرورت کام آ سکیں

لطائف

لائبریرین :۔ تم کیسی کتاب چاہتے ہو

لڑکا :۔ جس میں استاد سے بہانے کرنے کے گر لکھے ہوئے ہوں۔

دوکاندار :۔ "اس مشین کے استعمال سے بجلی کا خرچ نصف ہو جاتا ہے"

گاہک :۔ مجھے دو مشینیں دیدیجئے۔

جب ٹرام کے ٹکٹ کلکٹر نے معلوم کیا کہ ایک لڑکا پیسے کھو آیا ہے تو اس نے اپنی طرف سے دو آنے کا ایک ٹکٹ دیدیا۔ اس پر لڑکا بولا "مگر میری تو چونی گم ہو گئی"

ایک شخص بھاگا بھاگا جا رہا تھا کہ راستہ میں اسے ایک دوست مل گیا جس نے دریافت کیا۔

"کیا کہیں لڑائی ہو گئی ہے"

"ہوئی تو نہیں مگر میں ایک لڑائی سے بچنے کے لئے جا رہا ہوں"

"کیا مطلب ؟"

"کل دفتر کے منیجر نے کہا تھا کہ اگر تم دیر سے آئے تو تمہارا سر پھوڑ دوں گا"

ایک ایکٹرس گھبرائی ہوئی حالت میں وکیل کے دفتر میں آئی اور بولی۔

"میں طلاق لینا چاہتی ہوں"

وکیل "ضرور اور میں برائے نام فیس لے کر کام شروع کر دوں گا"۔

ایکٹرس "کتنی فیس ہے"۔

وکیل "پانچ سو ڈالر"

ایکٹرس دھنس کر اور اس سے نصف رقم پر تو اسے قتل کر دیا جا سکتا ہے۔

والدہ :۔ کیا تم نے حلوائی سے کہا تھا کہ کل اس نے دودھ کے ساتھ ملائی نہیں دی"

بچہ :۔ جی ہاں۔ اس نے کہا تھا کہ میں نے برتن میں اتنا دودھ ڈال دیا تھا کہ ملائی کے لئے جگہ ہی نہ بچ سکی۔

بچہ گھر آیا تو اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور منہ سے خون نکل رہا تھا اسے اس حالت میں دیکھ کر والد بولا

کیا آج پھر تم رمیش کے ساتھ کھیلے ہو۔ تمہیں کئی بار منع کیا ہے۔

بچہ (روتے ہوئے) کیا میری شکل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ میں کھیل کر آیا ہوں ؟

سپخانہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا

جامعہ نگر (دہلی)

قرآن کا پیغام دنیائے انسانیت کے نام

رمضان المبارک کا ایک ماہیہ پروگرام

اسلام کے ہر نام لیوا کو اپنے اوپر لازم کر لینا چاہیئے کہ قرآن کے مہینے رمضان المبارک میں قرآن کا پیغام دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچ جائے۔ کوشش کرنی چاہیے کہ کوئی کان ایسا باقی نہ ہے جو اس ربانی صدا کو نہ سن لے آپ یہ بھی کر سکتے ہیں کہ

۱۔ مساجد میں درس قرآن مجید قائم کرائیں

۲۔ تعلیم گاہوں میں قرآن مجید کی بامعنی تعلیم جاری کرائیں

۳ ادارۂ عالمگیر تحریک قرآن مجید حیدرآباد دکن کا رکن عام بنائیں۔

۴۔ تراویح میں ہر چار رکعت کے بعد یا شروع میں اس حصہ قرآن کا مفہوم حاضرین کو سمجھائیں جس کی قرأت کی گئی ہو

۵۔ لیلۃ القدر میں نزول قرآن کریم کی یادگار منائیں اور مدحت قرآن مجید کا یکسالہ پروگرام تیار کریں اور اس کی تکمیل کریں۔

ابو محمد مصلح

وائسرائے کا والیانِ ریاست کو خطاب

ہز ایکسیلنسی وائسرائے کی زیر صدارت ۲۵ جولائی ۱۹۴۷ء بروز جمعہ کو ایوان والیان ریاست میں ہندوستانی ریاستوں کے حکمرانوں اور نمائندوں کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ [illegible] کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے ہز ایکسیلنسی وائسرائے نے کہا۔

"یور ہائینسز اینڈ جنٹلمین"۔

اس تاریخی ایوان والیان ریاست ہند میں ہندوستان کی ریاستوں کے اتنے حکمرانوں۔ دیوانوں اور نمائندوں سے خطاب کرنا میرے لیے بڑی خوشی اور بڑے فخر کا باعث ہے۔ میرے لیے یہ پہلا اور آخری موقع ہے کہ مجھے آپ سے تاج برطانیہ کے نمائندے کی حیثیت سے خطاب کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

میں اپنی تقریر کے آغاز میں ان مذاکرات کی مختصر سی تاریخ بیان کرنا چاہتا ہوں۔ جن کے سلسلے میں میں ہندوستان میں اپنی آمد کے بعد سے مصروف رہا ہوں۔ اور ریاستوں کے بارے میں۔ میں نے جو رویہ اختیار کیا ہے۔

میرے سامنے دو نمایاں مسئلے تھے۔ پہلا مسئلہ تو یہ تھا کہ برطانوی ہندوستان کو اختیارات کس طرح منتقل کیے جائیں اور دوسرا یہ تھا کہ ہندوستانی ریاستوں کو اس موقع میں کس طرح ایسی جگہ دلائی جائے جو ان کے لئے معقول اور مبنی بر انصاف ہو۔

میں نے پہلے ہندوستان کے مسئلے کو طے کیا۔ کیونکہ آپ اس کا اعتراف کریں گے کہ جب تک یہ مسئلہ حل نہ ہو جاتا ریاستوں کے مسئلے کے حل کرنے کی کوشش کرنا قطعاً بیکار تھا۔ پس میں نے اپنی توجہ اس مسئلہ پر مرکوز کی۔

یہاں میں اپنے موضوع سے ہٹ رہا ہوں۔ تمام ریاستوں نے وزارتی مشن کے میمورنڈم مورخہ ۱۲ مئی کو قبول کر لیا تھا اور جب سیاسی جماعتوں نے ۱۶ مئی کے بیان کو قبول کر لیا۔ تو انہوں نے یہ اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ کہ اقتدار اعلیٰ کی منسوخی کے معنی یہ ہوں گے کہ ریاستیں کامل خود مختاری دوبارہ حاصل کر لیں گی۔ میں نے اس نقطۂ آغاز سے ریاستوں کے ساتھ اس مسئلہ پر بات چیت کرنے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے کی کوشش کی۔

لیکن پیشتر اس کے کہ میں ریاستی مسئلہ کو ہاتھ میں لیتا مجھے ایک اور ضروری کام بھی کرنا تھا۔ مجھے تقسیم کی کارروائی کے مسئلہ پر بھی توجہ دینی تھی۔ جو ایک ایسا پلان ہے جو میری ذاتی خواہشات کے خلاف ہے۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے۔ برما کو ہندوستان سے الگ کرنے میں تین سال صرف ہوئے تھے۔ باوجود اس امر کے جیسا کہ ہز ہائینس مہاراجہ آف بیکانیر اور دیگر حضرات تصدیق کر سکتے ہیں کہ ہندوستان اور برما کے درمیان کوئی سڑک موجود نہ تھی پھر بھی اس تقسیم کا انتظام کرنے میں تین سال لگ گئے۔ سندھ کے صوبہ کو بمبئی سے الگ کرنے میں دو سال لگے۔ حضرات ہم نے فیصلہ کیا کہ ۲ / ۱/۲ مہینے سے بھی کم مدت میں ہمیں دنیا کے ۴۰ کروڑ آبادی والے ایک بہت بڑے ملک کو تقسیم کرنا ہوگا۔ اس کی تیز رفتاری کی وجہ تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ جب تک برطانوی اقتدار باقی ہے سیاسی جماعتوں کے مابین تفصیلی اعتبار سے کوئی تسلی بخش فیصلے نہیں ہو سکتے پس جب ایک مرتبہ ہم دونوں حکومتوں کو قائم کرنے اور انہیں الگ کرنے میں کامیاب ہو گئے تو وہ خوشگواری کی فضا میں تفصیلات طے کرکے اور انجام تک پہونچانے کی کوشش کریں گی۔

اب آزادی ہندوستان کے ایکٹ نے ریاستوں کو تاج کی ذمہ داری سے آزاد کر دیا ہے ریاستوں کو مکمل آزادی حاصل ہے۔ فنی اور قانونی حیثیت سے وہ خود مختار ہیں۔ میں ابھی اس امر کا ذکر کروں گا کہ خود ہم کس قدر آزادی کو آپ کی ریاستوں کے مفاد کے لئے بہتر سمجھتے ہیں۔ مگر برطانوی نظم و نسق کے دوران میں اس وجہ سے کہ نمائندہ تاج اور وائسرائے ایک ہی شخص ہوا کرتا تھا۔ تمام مشترکہ معاملات میں مربوط نظم و نسق پیدا ہو گیا تھا۔ جس کے معنی یہ تھے کہ ہندوستان کا ذیلی براعظم ایک اقتصادی وحدت کی طرح کام کرتا تھا۔ اب یہ رشتۂ اتحاد منقطع ہو گیا ہے اگر اس کی جگہ کوئی اور چیز نہ رکھی گئی تو نتیجہ سوائے افراتفری کے اور کچھ نہ ہوگا۔ اور میرے خیال میں اس افراتفری کا ریاستوں کو سب سے پہلے نقصان پہونچے گا۔ ریاست جتنی بڑی ہوگی اسے اتنی ہی دیر میں نقصان پہونچے گا۔ مگر سب سے بڑی ریاست بھی اس طرح محسوس کرے گی کہ اسے نقصان پہونچ رہا ہے۔ جس طرح کوئی چھوٹی ریاست۔ پہلا اقدام یہ ہونا چاہیے کہ کوئی ایسی مشینری قائم کی جائے جس سے ہندوستان کی مستقبل کی دو حکومتیں یعنی ڈومینین آف انڈیا اور پاکستان کی ریاستوں سے براہ راست رابطہ و ضبط قائم ہو جائے۔ محفوظ رکھنے کے لئے کہ یہ محکمہ ہائے ریاست۔ محکمہ سیاسیات کے قائم مقام نہیں ہیں۔ یہ دونوں ایک ساتھ اور پہلو بہ پہلو قائم کئے گئے ہیں۔ محکمہ سیاسیات تو نمائندہ تاج کی طرف سے اقتدار اعلیٰ سے تعلق رکھنے والے امور انجام دیتا ہے اور محکمہ ہائے ریاست بتدریج وہ امور اپنے ہاتھ میں لیں گے جن کا اقتدار اعلیٰ سے نہیں بلکہ ہمسایہ ریاستوں کے ساتھ تعلقات سے ہے نیز اس کی وجہ سے ایک ایسی مشینری بن جائے گی۔ جو ایسے امور میں گفت و شنید کر سکے گی۔ انڈیا میں محکمہ ریاست سردار ولبھ بھائی پٹیل کی قابل قدر سربراہی میں ہے۔ اور خود میرے کمشنر اصلاحات مسٹر وی۔ پی مینن اس کے سکریٹری ہیں۔ پاکستان میں یہ محکمہ سردار عبدالرب نشتر کے ماتحت ہے اور مسٹر اکرام الحق اس کے سکریٹری ہیں یا ہوں گے۔ دو محکمے ہر حکومت میں قائم کرنا ضروری تھے کیونکہ نظریاتی لحاظ سے ریاستیں جس ڈومینین سے چاہیں اپنا مستقبل منسلک کرنے میں آزاد ہیں۔ میں یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ بعض جغرافیائی مجبوریاں ہیں جن سے بچا نہیں جا سکتا۔ تقریباً ۵۶۵ ریاستوں میں سے اکثریت ایسی ہے جو جغرافیائی لحاظ سے ناقابل تلافی طور پر انڈیا کی ڈومینین سے منسلک ہیں۔ اس وجہ سے پاکستان کے مقابلہ میں انڈیا ڈومینین کے ساتھ یہ مسئلہ کہیں زیادہ اہمیت کا ہے پاکستان کے معاملے میں ریاستیں اگرچہ اہم ہیں مگر ان کی تعداد زیادہ نہیں ہے اور پاکستان کے نامزد گورنر جنرل مسٹر جناح ہر ریاست کے ساتھ فرداً فرداً گفت و شنید کرنے کو تیار ہیں۔ مگر انڈیا کے معاملے میں جہاں ریاستوں کی کثیر تعداد کا معاملہ ہے واضح طور پر ہر ریاست سے الگ الگ گفت و شنید کرنا ناممکن ہے۔

میں نے پہلے اقدام کے طور پر یہ تجویز پیش کی پارلیمنٹ میں جو بل پیش تھا۔ کہ ہندوستان کی آزادی کا قانون۔ اس میں ایک دفعہ اور بڑھا دی جائے۔ جس کے مطابق تمام ضروری معاہدے اس وقت تک جاری رکھے جائیں گے۔ جب تک کہ ان فریقین [illegible] صرف یہ تھا کہ کم از کم تسلسل قائم رہے جب تک کہ ان پر غور کیا جائے۔ اور اس مختصر سے وقت میں حل ہو سکتا ہے۔ ہر ریاست کے ساتھ معاہدہ کیا جائے جس سے "اسٹینڈ اسٹل" یعنی موجودہ صورت کو برقرار رکھنے کے معاہدوں کی ضرورت منسوخ نہیں ہوتی۔ اس کی وجہ سے تھوڑا سا دم لینے کا وقفہ مل گیا ہے۔

میرے خیال میں یہ کہنا مبالغہ نہیں کہ اب اکثر حکمران اور دیوان یہ اندیشہ رکھتے ہیں کہ اقتدار اعلیٰ کے ختم ہو جانے پر ان کا مستقبل کیا ہوگا۔ ایک موقع پر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اگر وہ آئین ساز اسمبلی میں شامل نہ ہوئے اور آئین کو قبول نہیں کیا جو وہ بنائے تو وہ اس تنظیم سے خارج ہو جائیں گے اور میں کہوں گا کہ اگر آپ احتیاط کے ساتھ غور کریں تو ان کی حیثیت ایسی ہو جائے گی۔ جس کا مشاہدہ کوئی ریاست سکون خاطر کے ساتھ نہ کر سکے گی یعنی وہ ایسی حیثیت میں باہر رہیں گی۔ کہ دونوں ڈومینین حکومتوں میں سے کسی کے ساتھ بھی ان کے تسلی بخش تعلقات اور رابطہ نہ ہوں گے۔ آپ خیال کر سکتے ہیں کہ اس بات سے مجھے کس قدر طمانیت ہوئی اور مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی ویسا ہی اطمینان حاصل ہوگا کہ سردار ولبھ بھائی پٹیل نے اسٹیٹس ڈپارٹمنٹ کا چارج لینے پر اگر میں ایسا کہہ سکوں۔ ان امور کے متعلق جو ریاستوں اور ڈومینین آف انڈیا کے باہمی معاہدے کے لئے ضروری ہیں ایک نہایت مدبرانہ بیان دیا۔

آئیے اب ایک لمحہ کے لئے ۱۶ مئی ۱۹۴۶ء کے وزارتی مشن کے پلان پر نظر ڈالیں۔ اس میں یہ تجویز کی گئی تھی کہ ریاستیں مرکزی حکومت کو تین محکموں کے متعلق اختیارات سونپ دیں۔ یعنی دفاع۔ امور خارجہ اور رسل و رسائل کے محکموں کے متعلق۔ جہاں تک مجھے علم ہے اس پلان کو ہر حکمران اور ہر ریاست نے معقول قرار دے کر تسلیم کیا تھا۔ میں نے بہت سے حکمرانوں سے گفتگو کی ہے اور ان میں سے ہر ایک یہ محسوس کرتا تھا کہ ایک ریاست دفاع کے انتظامات خود نہیں کر سکتی۔ میں اندرونی تحفظ کا نہیں بلکہ اس دفاع کا ذکر کر رہا ہوں جو بیرونی حملہ آور کے مقابلے میں ضروری ہے۔ لہذا میں کہوں گا کہ اگر آپ دونوں میں سے کسی ایک ڈومینین کے ساتھ وابستہ نہ ہوئے تو آپ جدید اور [illegible] کی رسد حاصل کرنے کے وسیلے سے محروم ہو جائیں گے

برطانوی جنگی جہاز ” ڈیوک آف یارک “ جو سمندر میں مشق کر رہا ہے

کپتان میجر جنہوں نے ہوائی جہاز کے ذریعہ بحر اٹلانٹک ۲۰۰ بار پار کیا

THE AJMAL SUNDAY EDITION

A Scene from "Anna & The King of Siam" in which Ivere Dume as Anna is seen entering the gates of King's palace with her son. This outstanping Oriental Drama also starts, Rox Hani son and Linda Darrell.

Vanmala in Hatam Tai fine art production

A Scene of Prabhat's Age Badho

A Scene of Prabhat's Age Badho runig at Krishna.

Edited, Printed and Published by USMAN HUSEIN KHAN from the AJMAL PRESS, Bombay 3.

کایا پلٹ

(از حقیقت رقم)

(افسانہ سچا ہے مگر افسانہ کے نام بدلے ہوئے ہیں)

شمالی ہند کے ایک غیر معروف گاؤں کے ایک نوجوان سب سے پہلے بنارس ایسے رنگیلے اور سدا بہار شہر میں آنکھیں کھولی تھیں۔ نصیر ایک بہت کامیاب وکیل کا چھوٹا لڑکا تھا لاڈ پیار میں پلا تھا۔ اس کا بچپنا ایسے ماحول میں گزرا تھا جو ہندوستان میں عہد وکٹوریہ کی فارغ البالی اور اطمینان کی ضرب المثل تھا۔ غیر ملکی حکمرانوں کی جادوگری ہندو مسلمان دونوں کو خواب غفلت میں سلا دیا تھا۔ سہل طلبی عیش و رنگ کا زور تھا ہندوستانی امرا اپنے بچوں کو طوائفوں کو مجالس علم میں مجلس سیکھنے کے لئے بھیجنا معیوب نہ سمجھتے تھے۔ خیر اودھ خصوصاً لکھنؤ کی تو بات ہی دوسری ہے وہاں تو آج بھی تعلقہ داروں اور طوائفوں میں برادری کے حصے اور تحفے آتے جاتے رہتے ہیں۔ طوائفوں یا مجالس محرم میں شرکت، شادی بیاہ میں نوبید، فاتحہ فتوح میں تعزیت تو خیر ہے ہی اب تک اکثر اضلاع میں وکالت کی ترقی اور عوام میں کاروبار کی شہرت کے لئے کسی نہ کسی بازاری عورت کی طرف منسوب ہونا لازمہ کاروبار ہے مگر میاں نصیر کا خاندان اس سے مستثنیٰ تھا۔ ان کے سید بزرگی اور ایک طرف تو پیران طریقت اور علمائے کرام کے معتقد تھے دوسری طرف دنیاوی معاملات میں سر سید احمد خاں علیہ الرحمہ کے شیدائیوں میں تھے۔ یہی وجہ تھی جو اسکول الالکف میں میاں نصیر بے راہ نہ ہونے پائے البتہ علی گڈھ کالج میں داخل ہو کر کچھ تو تقاضائے سن اور کچھ والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد یہ ذرا آزاد ہو گئے مگر یہ آزادی بھی اس حد تک تھی کہ کالج کی یونیفارم یعنی سیاہ فرکش کوٹ سفید پائجامہ اور ترکی ٹوپی کے ساتھ ساتھ متعدد قسم کے ہوائٹ وے اینڈ لیڈ لا کمپنی۔ ان نیٹ اینڈ کمپنی وغیرہ انگریزی دکانوں کا تیہ دے رہے تھے۔ وہاں یہ بھی ہوا کہ وہ ایف اے تک کر سکے اور پروفیسروں کی سفارش سے یہ سرکاری ملازمت میں داخل ہو گئے اور یہ نوکر ہو گئے اور ادھر صاحبوں کی صحبت ان کے گرد جمع ہو گئی۔ اب یہ ایک نیم آزاد ہندوستانی مصاحب تھے۔ یار دوستوں کی صحبت میں یہ اب زنان بازاری کے حلقہ میں بھی جاتے ہوئے نظر آنے لگے اور زنام لوگوں میں انگشت نمائی ہونے کی انہیں پروا نہ تھی مگر اس کا ضرور خیال تھا کہ افسران بالادست کو کوئی موقع شکایت کا نہ ہو۔ اور ان سب سے بڑھ کر انہیں یہ فکر تھی کہ ان کی ہمنام زوجہ ماتا عالم اور اس کی ادھیڑ عمر کی ساتویں دائی ان کے سوا اور کسی کو خاطر میں نہ لاتیں۔ بی نصیرن کو بھی شروع سے ذیدہ رو نوجوان نصیر سے لگاؤ تھا وہ ان کے لانبے چہرہ قد گورے رنگ اور کسرتی بدن پر ابتدا ہی سے فریفتہ تھی۔ مگر رسمی کے ساتھ پیشہ کے رکھ رکھاؤ اور سیتی کسب معاش کے لئے آنے والوں کی خاطر مدارات یا مجرے میں مجبور۔ وقت گزرتا تھا مگر فرصت کے وقت عہد نامہ سکندر نامہ قصہ حضرت بلال، حلیمہ سعدیہ بی بی کی کہانی اور آگے چل کر راہ نجات اور بہشتی زیور کے مطالعہ میں دن گزرتا اور رنگ رنگ کی محفلیں اسے بھوسے ویدوں نہ بھاتی ایک دن اتفاق سے میاں نصیر کو تنہائی میں اظہار درد دل کا موقع مل گیا۔ مگر انہیں جو جواب ملا وہ اس نظم کا مصداق تھا ؎

ایک دن میں نے کہا کہ ان سے کہ اے جان جہاں
اب مناسب ہے کرتا [illegible] کرو سونے کی
ہنس کے فرمایا کہ کہو آپ کا ۔ ۔ حضرت ہیجئے
پر جو تم کہتے ہو وہ بات نہیں ہونے کی

سنو میاں نصیر، تم مسلمان ہو۔ ایک شریف خاندان کے چشم و چراغ ہو اسلام کے احکام تمہارے کرتوت کو حیرت سے دیکھ رہے ہیں اور کاندھے کے فرشتے تمہارے اعمال نامہ کو سیاہ کرنے پر مناسف ہیں۔

نصیر:۔ مگر میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔

نصیرن:۔ یہ تو شریعت کا راستہ کھلا ہوا ہے نکاح کر لو۔ گو تمہاری پہلی بی بی موجود ہے مگر اس شریف بی بی کی لونڈی بننے میں اپنی عزت سمجھوں گی۔

گو اس وقت تو بات یہیں تک رہی مگر دو ماہ بعد گھر والوں کو معلوم ہوا کہ میاں نصیر نے کسی بیرونی عورت سے نکاح کیا۔ پہلی بی بی جو خاندان ہی کی وہ وطن موجود تھی اس خبر نے اس کے خرمن صبر پر بجلی گرائی۔ اہل وطن میاں نصیر ایک دم مخالف ہو گئے اور طے یہ ہوا کہ اب ان سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے۔

غریب بی بی پریشان تھی مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب پندرھویں دن ایک اجنبی ہاتھوں کا یہ خط ملا "محترم بی بی صاحبہ یہ خط آپ کی ناچیز خادمہ کا ہے جو کسی طرح آپ سے برابری کا دعویٰ نہیں کر سکتی اسے اسی کا فخر ہے کہ وہ آپ کی داسی۔ اگر کوئی بات آپ کے عزت و وقار کے خلاف ہو تو آپ کو پھر اختیار ہے کہ جو رویہ چاہیں اختیار کریں"۔ رابعہ خاتون یہ خط پا کر حیرت میں آگئیں تو بھی عزیزوں نے اس خط کو پڑھا مجلس شوریٰ منعقد ہوئی بالآخر سب کی رائے سے رابعہ خاتون نے اپنی آمد سے میاں نصیر کو بذریعہ تار مطلع کیا اور میاں کی نوکری پر روانہ ہو گئی۔

جس وقت رابعہ خاتون اپنے شرم سے سر جھکائے ہوئے شوہر کے ہمراہ گھر میں داخل ہوئی اس نے دیکھا کہ وہی گھر جو خود اس کے زمانہ قیام میں کچھ بہت زیادہ صفائی کا نمونہ نہ تھا۔ نہایت صاف شفاف، چکنا بنا ہوا ہے۔ کہیں سے پھلکی یا پھوہڑ پن کا نام نہ تھا۔ ایک دالان کے گوشہ میں ایک ادھیڑ عمر کی عورت تخت پر نماز پڑھ رہی ہے دوسری طرف سے ایک کمسن نو عمر سانولے رنگ کی عورت ایک کمرہ سے باہر آ رہی ہے جس کے ایک ہلکے سے اشارے پر تو میاں نصیر چپکے سے باہر چلتے ہوئے اور اس نو عمر نے آگے بڑھ کر نہایت ادب سے سلام کیا اور "اندر تشریف لے چلیے" کہہ کر رابعہ خاتون کو ڈرائنگ روم میں لے گئی اور ایک کرسی کھسکاتے ہوئے بولی "سرکار میری یہ جرأت نہیں کہ میں آپ سے نگاہ برابر کر کے کچھ عرض کر سکوں۔ آپ تشریف رکھیے اور دل سے یہ خیال نکال دیجیے کہ اس لونڈی کو آپ سے برابری کا حوصلہ ہے میں اب دونوں میاں بی بی کی ایک ادنیٰ کنیز ہوں۔ میری سب سے بڑی تمنا یہ ہے کہ آپ لوگوں کی خدمت کر کے اپنی نجات کا ذریعہ حاصل کروں"۔

رابعہ خاتون ان باتوں [illegible] پانی تھی۔ اور خاندانی شرافت نے [illegible] دے کر اسے اٹھایا اور [illegible] سے جو نصیرن ہی کی تھی لپٹ گئی اور [illegible] کہا کہتی تم میری چھوٹی بہن ہو مجھے [illegible] کہ ہم میں کبھی بگاڑ نہ ہوگا۔

نصیرن:۔ توبہ توبہ یہ آپ کیا [illegible] میں اور آپ سے لڑوں خدا اس دن [illegible] مجھے زندہ نہ رکھے۔

اتنے میں وہی عورت جو نماز پڑھ رہی تھی اٹھ کر آئی۔ اور بولی "بیٹا نصیرن۔ تم بھول رہی ہو کہ بیگم صاحب سفر سے آئی ہیں اور نماز کا وقت جا رہا ہے ذرا تم انہیں غسل کر کے پوشاک بدلنے اور نماز پڑھنے میں مدد دو۔ پھر دنیا کی باتیں کر لینا"۔ رابعہ خاتون قرینہ سے سمجھ گئی کہ وہ نصیرن کی ماں ہے اور وسعت اخلاق سے کام لے کر آگے بڑھ کے سلام کیا۔ ادھیڑ عورت نے دعائیں دیں اور اس کے اشارے پر نصیرن اسے دوسرے کمرے میں لے گئی جہاں رابعہ خاتون کا سامان سلیقہ سے رکھا ہوا تھا اور اس کی اجازت سے اس نے رابعہ خاتون کی ایک دیدہ زیب پوشاک ٹرنک سے نکالی اور سلیقہ سے لے جا کر غسل خانہ کی کھونٹی پر لٹکا دیا۔ جہاں صابون تولیہ۔ آئینہ، کنگھی، پوڈر کا، کلون اور دوسری خوشبو کی چیزیں شیشوں میں موجود تھا غسل کے لئے نیم گرم و سرد پانی قرینہ سے رکھا ہوا تھا۔ یہ سب کچھ دکھا کر نصیرن تو باہر آئی۔ رابعہ خاتون جو نماز پڑھ لیا کرتی تھی مگر سب پابند نہ تھی غسل کر کے پوشاک بدل کر شرما حضوری میں سیدھی مصلے کی طرف گئی اور یہ پہلی نماز تھی جو اس نے شوق اور مسرت سے ادا کی۔

نماز کی چوکی سے اٹھ کر وہ نصیرن کے اشارہ سے سامنے والے برآمدہ میں پہونچی جہاں نصیر موجود تھا اور میز پر ناشتہ کا سامان قرینہ سے بھوک کو میز کی دعوت دے رہا تھا۔ بڑی بی تو دہم نصیرن کی ماں بڑی بی ہی کہیں گے۔ کیونکہ وہ اسی نام سے بعد کو مشہور ہوئیں) باورچی خانہ میں سے نصیرن پلیٹ اور سامان اٹھا کر لاتی رہی۔ وہ خود میز پر بیٹھنا نہ چاہتی تھی مگر رابعہ خاتون نے ہنستی ہوئی اسے زبردستی ساتھ بٹھایا (باقی آئندہ)

پنڈت جواہر لال نہرو

اور

قائد اعظم محمد علی جناح

کے نام

ایک طوائف کا خط

مجھے امید ہے کہ اس سے پہلے آپ کو کسی طوائف کا خط نہ ملا ہوگا۔ یہ بھی امید رکھتی ہوں کہ آج تک آپ نے میری اور اسی قماش کی دوسری عورتوں کی صورت بھی نہ دیکھی ہوگی۔ یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ کو میرا یہ خط لکھنا کس قدر معیوب ہے۔ اور وہ بھی ایسا کھلا خط مگر کیا کروں۔ حالات کچھ ایسے ہیں اور ان دونوں لڑکیوں کا تقاضا اتنا شدید ہے کہ میں یہ خط لکھے بغیر نہیں رہ سکتی۔ یہ خط میں نہیں لکھ رہی ہوں یہ خط مجھ سے بیلا اور بتول لکھوا رہی ہیں اس لئے مجھے معاف کیجئے گا ایک گری ہوئی عورت آپ کو اس بے باکی سے خط لکھ رہی ہے۔ میں صدق دل سے معافی چاہتی ہوں اگر میرے خط میں کوئی فقرہ آپ کو ناگوار گزرے اسے میری مجبوری پر محمول کیجئے گا۔

بیلا اور بتول مجھ سے یہ خط کیوں لکھوا رہی ہیں۔ یہ دونوں لڑکیاں کون ہیں اور ان کا تقاضا اس قدر شدید کیوں ہے۔ یہ سب کچھ جاننے سے پہلے میں آپ کو اپنے متعلق کچھ بتانا چاہتی ہوں۔ گھبرائیے نہیں میں آپ کو اپنی گھناؤنی زندگی کی تاریخ سے آگاہ نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ میں یہ بھی نہیں بتانا چاہتی کہ میں کب اور کن حالات میں طوائف بنی۔ میں کسی شریفانہ جذبے کا سہارا لے کر آپ سے کسی جھوٹے رحم کی درخواست کرنے نہیں آئی ہوں۔ میں آپ کے درد مند دل کو پہچان کر اپنی صفائی میں کوئی جھوٹا افسانہ محبت نہیں گھڑنا چاہتی۔ اس خط لکھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کو طوائفیت کے اسرار و رموز سے آگاہ کروں۔ مجھے اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہنا ہے۔ میں صرف اپنے متعلق چند ایسی باتیں بتانا چاہتی ہوں جن کا آگے چل کر بیلا اور بتول کی زندگی پر اثر پڑ سکتا ہے۔

آپ لوگ کئی بار بمبئی آئے ہوں گے۔ جناح صاحب نے تو بمبئی کو بہت دیکھا ہے مگر آپ نے ہمارا بازار کاہے کو دیکھا ہوگا۔ جس بازار میں میں رہتی ہوں وہ فارس روڈ کہلاتا ہے۔ فارس روڈ، گرانٹ روڈ اور مدنپورہ کے بیچ میں ہے۔ گرانٹ روڈ کے اس پار لیمنگٹن روڈ اور اوپیرا ہاؤس اور چوپاٹی، میرین ڈرائیو اور فورٹ کے علاقے ہیں جہاں بمبئی کے شرفا رہتے ہیں۔ مدن پورہ میں اس طرف غریبوں کی بستی ہے۔ فارس روڈ ان دونوں کے بیچ میں ہے۔ تاکہ امیر اور غریب دونوں اس سے یکساں مستفید ہو سکیں۔ گو فارس روڈ پھر بھی مدنپورہ کے زیادہ قریب ہے۔ کیونکہ ناداری اور طوائفیت میں ہمیشہ بہت کم فاصلہ رہتا ہے۔

یہ بازار بہت خوبصورت نہیں ہے۔ اس کے مکین بھی خوبصورت نہیں ہیں۔ اس کے بیچوں بیچ ٹرام کی گھڑ گھڑاہٹ شب و روز جاری رہتی ہے۔ جہاں بھر کے آوارہ کتے اور لونڈے اور شہدے اور بیکار

از کرشن چندر

اور جرائم پیشہ مخلوق اس کی گلیوں کا طواف کرتی نظر آتی ہے۔ لنگڑے، لولے، اوباش، مدقوق تماش بین، آتشک اور سوزاک کے مارے ہوئے کانے لنجے، کوکین باز اور جیب کترے اس بازار میں سینہ تان کر چلتے ہیں۔ غلیظ پانی سے سیلے ہوئے فٹ پاتھ پر پھیلے ڈھیروں پر بھنبھناتی ہوئی لاکھوں مکھیاں۔ لکڑیوں اور کوئلے کے افسردہ گودام۔ پیشہ ور دلال اور باسی ہار بیچنے والے سینما کے تصویروں کی گلی سڑی کہانیاں بیچنے والے، کوک شاستر اور ننگی تصویروں کے دکاندار، حسینی حجام اور اسلامی حجام اور لنگوٹے کسے ہوئے پہلوان۔ ہماری سماجی زندگی کا سارا کوڑا کرکٹ آپ کو فارس روڈ پر ملتا ہے۔ ظاہر ہے آپ یہاں کیوں آئیں گے۔ کوئی شریف آدمی ادھر کا رخ نہیں کرتا۔ شریف آدمی جتنے ہیں وہ مالابار ہل پر قیام کرتے ہیں۔ میں ایک بار جناح صاحب کی کوٹھی کے سامنے سے گزر رہی تھی۔ اور وہاں میں نے جھک کر سلام بھی کیا تھا۔ بتول بھی میرے ساتھ تھی۔ بتول کو آپ سے (جناح صاحب) بے حد عقیدت ہے اس کو میں کبھی ٹھیک طرح بیان نہ کر سکوں گی۔ خدا اور رسول کے بعد دنیا میں اگر وہ کسی کو چاہتی ہے تو وہ صرف آپ ہیں۔ اس نے آپ کی تصویر لاکٹ میں لگا کر اپنے سینے سے لگا رکھی ہے۔ کسی بری نیت سے نہیں۔ بتول کی عمر ابھی گیارہ برس کی ہے۔ چھوٹی سی بچی ہی تو ہے۔ گو فارس روڈ والے ابھی سے اس کے متعلق برے برے ارادے کر رہے ہیں۔ مگر وہ کبھی پھر آپ کو بتاؤں گی۔

تو یہ ہے فارس روڈ جہاں میں رہتی ہوں۔ فارس روڈ کے مغربی سرے پر حسینی حجام کی دکان ہے۔ اس کے قریب ایک اندھیری گلی کے موڑ پر میری دوکان ہے۔ دوکان پر میں اسی طرح بیوپار کرتی ہوں جس طرح بنیا، سبزی والا، پھل والا، ہوٹل والا، سنیما والا، کپڑے والا یا کوئی اور دکاندار بیوپار کرتا ہے۔ اور ہر بیوپار میں گاہک کو خوش کرنے کے علاوہ اپنے فائدہ کو بھی سوچتا ہے۔ میرا بیوپار بھی اسی طرح کا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں بلیک مارکیٹ نہیں کرتی۔ اور مجھ میں اور دوسرے بیوپاریوں میں کوئی فرق نہیں۔

یہ دوکان اچھی جگہ واقع نہیں ہے۔ یہاں رات تو کیا دن کو بھی لوگ ٹھوکر کھا جاتے ہیں۔ اس اندھیری گلی میں لوگ اپنی جیبیں خالی کر کے جاتے ہیں۔ شراب پی کر قے کرتے ہیں۔ جہاں بھر کی گالیاں بکتے ہیں۔ یہاں بات بات پر چھرہ زنی ہوتی ہے۔ دو ایک خون دوسرے تیسرے دن ہوتے رہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ہر وقت جان جوکھوں میں رہتی ہے۔ اور پھر میں کوئی بہت اچھی طوائف نہیں ہوں۔ کہ پالی ہل پر جا کر رہوں یا وارلی پر سمندر کے کنارے ایک کوٹھی لے سکوں۔ میں ایک بہت ہی معمولی درجے کی طوائف ہوں۔ اور گو میں نے سارا ہندوستان دیکھا ہے۔ اور گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ اور ہر قسم کے لوگوں کی صحبت میں بیٹھی ہوں۔ لیکن اب دس سال سے اسی شہر بمبئی میں اسی فارس روڈ پر ہوں۔ اس دوکان میں بیٹھی ہوں اور اب تو مجھے اس دوکان کی پگڑی چھ ہزار روپے تک ملتی ہے۔ اور علاقہ بھی کچھ کوئی اچھا نہیں ہے۔ فضا متعفن ہے۔ کیچڑ چاروں طرف پھیلا ہے۔ گندگی کے انبار لگے ہیں اور خارش زدہ کتے گھبرائے ہوئے گاہکوں کی طرف کاٹ کھانے کو لپکتے ہیں۔ پھر بھی مجھے اس جگہ کی پگڑی چھ ہزار روپے تک ملتی ہے۔

اس جگہ میری دکان ایک منزلہ مکان ہے۔ اس کے دو کمرے ہیں۔ سامنے کا کمرہ میری بیٹھک ہے۔ یہاں میں گاتی ہوں ناچتی ہوں۔ گاہکوں کو رجھاتی ہوں۔ پیچھے کا کمرہ باورچی خانہ اور غسل خانہ اور سونے کے کمرے کا کام دیتا ہے۔ یہاں ایک طرف نل ہے۔ ایک طرف ہنڈیا ہے۔ ایک طرف ایک بڑا سا پلنگ ہے۔ جس کے نیچے ایک اور چھوٹا سا پلنگ ہے اور اس کے نیچے میرے کپڑے کے صندوق ہیں۔ باہر والے کمرے میں بجلی کی روشنی ہے۔ لیکن اندر والے کمرے میں بالکل اندھیرا ہے۔ مالک مکان نے برسوں سے قلعی نہیں کرائی اور نہ کرائے گا۔ اتنی فرصت کسے ہے۔ میں تو رات بھر ناچتی گاتی ہوں اور دن کو وہیں گاؤ تکیے سے سر ٹیک کر سو جاتی ہوں۔ بیلا اور بتول کو پیچھے کا کمرہ دے رکھا ہے۔ اکثر گاہک جب ادھر منہ ہاتھ دھونے کے لئے جاتے ہیں تو بیلا اور بتول انہیں پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگ جاتی ہیں۔ جو کچھ ان کی نگاہیں کہتی ہیں میرا خط بھی وہی کہتا ہے۔ اگر وہ میرے پاس اس وقت نہ ہوتیں تو گنہگار بندی آپ کی خدمت میں یہ گستاخی نہ کرتی۔ جانتی ہوں دنیا مجھ پر تھو تھو کرے گی۔ جانتی ہوں شاید آپ تک میرا یہ خط بھی نہ پہنچے گا۔ پھر بھی مجبور ہوں۔ یہ خط لکھ کے ہی رہوں گی۔ کہ بیلا اور بتول کی مرضی ہے۔

شاید آپ قیاس کر رہے ہوں گے کہ بیلا اور بتول میری لڑکیاں ہیں۔ نہیں یہ غلط ہے۔ میری کوئی لڑکی نہیں ہے۔ ان دونوں لڑکیوں کو میں نے بازار سے خریدا ہے۔ جن دنوں ہندو مسلم فساد زوروں پر تھا اور گرانٹ روڈ اور فارس روڈ اور مدن پورہ پر انسانی خون پانی کی طرح بہایا جا رہا تھا۔ ان دنوں میں نے بیلا کو ایک مسلمان دلال سے تین سو روپیہ کے عوض خریدا تھا... مسلمان دلال اس لڑکی کو دہلی سے لایا تھا جہاں اسے ایک اور مسلمان دلال راولپنڈی سے لایا تھا جہاں بیلا کے ماں باپ رہتے تھے۔ بیلا کے ماں باپ راولپنڈی میں راجہ بازار کے عقب میں پونچھ ہاؤس کے سامنے والی گلی میں

ایک اور پاکستان؟

(از کشاف)

حیدرآباد کا مسئلہ جس قدر آسان سمجھا جاتا ہے اتنا آسان نہیں ہے۔ وہاں کے حالات کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے وہاں کی اندرونی سازشوں اور وہاں کے لیڈروں کی نفسیات سے واقف ہونا ضروری ہے۔ ہندوستان میں شاید کوئی مقام ایسا نہیں جہاں سازشیوں کے بھیس میں سیاسی غنڈوں کی تعداد اتنی زیادہ ہو جتنی کہ حیدرآباد میں۔ وہاں کے سرزمین کا ذہنی اور اخلاقی سانچہ بالکل وہی ہے جو مغلوں کے دورِ زوال میں مغلیہ دربار کے ... درباریوں کا تھا۔ وہاں سیاسی اقتدار جماعتوں اور اشخاص کا ... ہے سیاسی ذاتی مفادات پر مبنی ہے۔ کبھی کبھی خاندانی مفادات بھی ٹکراتے ہیں کبھی کبھی شیعہ سنی کے اختلافات بھی بہت بڑے مسئلے بن جاتے ہیں۔ ملکی اور غیر ملکی کی بحث درمیان میں آ جاتی ہے۔ لیکن اس تمام مد و جزر کا تجزیہ کیا جائے تو حقیقت یہی ظاہر ہوتی ہے کہ شخصی مفادات کسی نہ کسی بھیس میں کارفرما ہیں۔ شخصی حکومتوں کے زوال کے زمانہ کی یہ خصوصیات ایسی ہیں جس پر سارے دنیا کی تاریخ سند میں لائی جا سکتی ہے۔ جب شخصی مفادات صرف ایک حکمران کی ذات سے وابستہ ہو جاتے ہیں تو چاپلوسی اور خوشامد اور دروغ بافی ایک بہت بڑا فن بن جاتا ہے ... اور اخلاقی قیمتیں بہت گر جاتی ہیں۔

اتحاد المسلمین کی تحریک کا آغاز ملکی اور غیر ملکی کے قضیہ سے ہوا تھا۔ اس وقت سر اکبر حیدری سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ اور ان کے خاندان اور ان کے خاص خاص اشخاص کا اقتدار سب پر بالا تھا۔ جاگیرداروں اور دوسرے قدیم ... مفادات کا تلبیس ملیا ہو گیا تھا۔ علاوہ ازیں خود حکمران اعلیٰ برطانوی طبقوں میں سر اکبر حیدری کے اثر و نفوذ کو بھی اچھی نظر سے نہ دیکھتے تھے ہر شخصی حکومت کے دائرے میں یہ خصوصیت بھی نمایاں رہا کرتی ہے کہ کوئی حکمران یہ نہیں پسند کرتا کہ اس کے وزرا زیادہ با اثر ہو جائیں۔

خود نظام جو کہ اپنی رعایا کے معاملہ میں اسنے بھی خود غرض تھے سمجھتے کہ ان کے درباری اور اراکین حکومت اس لئے برطانوی حکومت کے حلقوں میں سر اکبر کا رسوخ خطرناک سمجھا گیا اور اتحاد المسلمین کے بڑھتے ہوئے اثر سے نظام نے سر اکبر کو گرانے کے لئے کام لینا شروع کیا۔ خدا جانے غلط یا صحیح نظام کے حاشیہ برداروں نے سر اکبر پر یہ الزام لگایا کہ وہ برطانوی حکومت سے سازش کر کے نظام کو تخت سے اتارنا چاہتے ہیں۔ چونکہ خود نظام دولت جمع کرنے اور ہر ممکنہ طریقہ سے دولت حاصل کرنے کے معاملہ میں بہت بدنام ہو رہے تھے۔ اور ان کے بعض خاص عہدہ داروں کے متعلق بھی یہ مشہور تھا کہ وہ ایسے معاملات میں نظام کی کرتے ہیں۔ اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ کسی طرح سر اکبر کے اقتدار کو ختم کیا جا سکے۔ چنانچہ اتحاد المسلمین کے لیڈر بہادر یار جنگ سے سازش کی گئی اور وزیر اعظم کے خلاف ایک زبردست محاذ قائم ہو گیا۔ اس سازش کے سلسلہ میں بہادر یار جنگ نے نظام پر اپنا اثر اس درجہ قائم کر لیا کہ اب اتحاد المسلمین کے مقاصد کا دروازہ وسیع ہونے لگا۔

سر اکبر کے زوال کے بعد اتحاد المسلمین نے نظام کے ساتھ ایک دوسری صورت اختیار کی یعنی یہ ہو گیا نقیب آخر۔ تھا جو اداں ... اب اس نے نظام کے سیاسی اقتدار کو اپنی تنظیم سے منسوب کرنا شروع کیا بہادر یار جنگ نے نعرہ بلند کیا کہ ملک کی "شاہی" مسلمانوں میں مرکوز ہے اور نظام تو صرف اس "شاہی" کے مظہر اور نشان ہیں۔ یہ نعرہ کسی قدر قبل از وقت تھا اس لئے کہ ابھی نظام کی طاقت سے ٹکر لینا ممکن نہ تھا چنانچہ جب بہادر یار جنگ اس نعرہ کے سلسلہ میں "عتاب شاہی" کی زد میں آئے تو انہوں نے محسوس کیا کہ ابھی وقت نہیں آیا کہ حکمران سے تعلقات خراب کئے جائیں۔ اول تو اس لئے کہ حکمران کے نام کی آڑ لے کر ہندوؤں کو مرعوب کرنے کی ... ضرورت ہے اور دوم یہ کہ ابھی اتحاد المسلمین کی طاقت اتنی نہیں کہ حکومت کا جو اس کے ہاتھ میں نہیں ہے مقابلہ کر سکے۔ لہٰذا نظام کے آگے سر جھکا دیا گیا اور پھر کچھ عرصہ کے لئے اتحاد المسلمین حکمران کی سازشوں کا آلہ کار بن گئی۔

اس کے بعد یکے بعد دیگرے دو صدر اعظم آئے اور بالآخر اتحاد المسلمین کی طاقت سے جس کے پس پشت خود نظام تھے ٹکرا کر واپس گئے۔ جب کسی صدر اعظم نے عوامی عناصر سے ربط پیدا کیا یا یہ چاہا کہ نظم حکومت میں اصلاح کرے تو انہیں جب ہی اتحاد المسلمین نے ان پر حملے شروع کئے اور بالآخر اسے ہٹا دیا۔

نواب صاحب چھتاری کا جو حشر ہوا وہ تو سب کو معلوم ہے کہ جب ان کے مکان کو آگ لگا دی گئی اور ان پر حملہ کیا گیا تو حکومت کی پولیس سر گرم ... ایک عجیب واقعہ یہ تھا کہ جب نواب صاحب پر حملہ ہوا اور ان کے اشخاص کے بعض دوسرے اشخاص کو بھی مارا پیٹا گیا تو ان کے پاس حکومت کے چند اور سکریٹری بھی موجود تھے لیکن ان پر کوئی حملہ نہیں ہوا۔

یہ لوگ در پردہ اتحاد المسلمین کے آدمی تھے اور وہی آج اتحاد المسلمین کے ذریعہ سے برسر اقتدار ہیں۔ اس واقعہ کا ایک معنی پہلو یہ تھا کہ اس حادثہ کے بعد اپنے وزیر اعظم کو جو پہلا پیام نظام نے بھیجا تھا وہ مزاج پرسی یا ہمدردی کا پیام نہ تھا بلکہ یہ حکم تھا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں اور اس طرز نے باخبر لوگوں کے اس گمان کی تصدیق کر دی کہ جس طرح اکبر کے خلاف اتحاد المسلمین کے محاذ کی تمام قوت حکمران سے حاصل ہوئی تھی۔ وہی معاملہ نواب صاحب چھتاری کے ساتھ پیش آیا ہے۔

لیکن اس "فتح" کا جو اتحاد المسلمین کو حاصل ہوئی ایک نتیجہ یہ بھی نکلا کہ مجلس اب اپنی طاقت کو نظام کی طاقت کے برابر سمجھنے لگی اور پے در پے ایسے واقعات پیش آنے لگے جس سے نظام کو یہ معلوم ہوا کہ مجلس اب اس کے قابو سے باہر ہے ... در حکومت میں بلا شرکت اقتدار چاہتی ہے یہ داستان بہت دلچسپ ہے اور اس کی تفصیلات سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ نظام نے اپنی سیاسی سازشوں میں اس جماعت سے کام لیکر اس کو کس قدر تقویت پہونچائی بہر حال یہ دیکھ کر کہ یہ جماعت قابو سے باہر ہوتی جاتی ہے نظام نے چاہا کہ ایک وزیر اعظم ملا لیں جو اپنے شخصی اثر سے ہندوؤں کو بھی دبا سکے اور اتحاد المسلمین کا بھی مقابلہ کر سکے چنانچہ سر مرزا اسمٰعیل بلائے گئے ان کے تقرر کے خلاف مجلس نے اپنی پوری طاقت صرف کی حتیٰ کہ قائد اعظم بھی حیدرآباد لائے گئے۔ لیکن نظام اب مجلس کے انداز سے ڈرے ہوئے تھے وہ دبا نہ اور سر مرزا صدر اعظم مقرر کر دئے گئے اور اول ہی دن سے مجلس نے ان کے خلاف اپنا محاذ قائم کر لیا۔ اس وقت ہندوستان میں مسلم لیگ کا ڈنکا بج رہا تھا اور قائد اعظم بہت ذلت اٹھا کر حیدرآباد سے گئے تھے اس لئے لیگ اور لیگی صحافت کی پوری امداد مجلس کو حاصل ہوئی اس عرصہ میں سر مرزا نے مقامی حالات کا مطالعہ کر کے نظام سے صاف کہدیا کہ جمہوری طرز حکومت اختیار کرنا پڑیگا۔ ورنہ ہندوستان کے آزاد ہو جانے کے بعد حیدرآباد جمہوری تحریک کا مقابلہ نہ کر سکیگا۔ اپنے وزیر اعظم کا یہ رنگ دیکھا تو پھر ایک دفعہ نظام نے مجلس کو اشارہ کیا اور سر مرزا کے خلاف ایک ایسا طوفان برپا ہوا جس نے نظام کے تدبر کا سارا نقشہ کھول کر رکھ دیا۔ سر مرزا چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد بھی یہ مفروضہ قائم رکھنے کی کوشش کی گئی کہ وہ اپنی مرضی سے گئے ہیں حالانکہ خود نظام نے ان کے متعلق جن مخالفانہ جذبات کا مہینوں تک اظہار کیا ان سے یہ راز بالکل افشا ہو گیا کہ یہ نظام ہی کا منشا تھا کہ وہ چلے جائیں اس لئے کہ سر مرزا نظم حکومت میں اصلاحات چاہتے تھے اور حکومت کو ایک جمہوری سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہر حکم جو سر مرزا نے بحیثیت صدر اعظم دیا تھا منسوخ کیا گیا۔ ہر کام جو انھوں نے لگوائے تھے تو وہ بھی اتار دئے گئے۔ اگر کوئی دیوار بنوائی تھی تو وہ گرا دی گئی۔ ان کے جانے کے بعد مہینوں اس ضد اور غصہ کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ لیکن نظام اس وقت تک غیب کے اس اشارے کو نہ سمجھ سکے کہ جو دیواریں وہ گرا رہے ہیں وہ خود جو سر کشی وہ بند کر رہے ہیں۔ (اپنے شاہانہ اقتدار کی نمائش کے لئے) یہ عمل دنیا کی نظر میں ان کو تمسخر انگیز بنا رہا ہے۔ اور اس طرح وہ خود اپنے زوال کا سامان مہیا کر رہے ہیں اور اپنے ہی راستے بند کر رہے ہیں جو وفاداری کی جھوٹی قسمیں کھا کر انہیں غافل رکھتی ہے اور پورے نظم حکومت پر جارح ہو جانا چاہتی ہے۔

سر مرزا کے جانے کے بعد نظام نے ہندوستان کے متعدد اشخاص کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ پیش کیا۔ لیکن حیدرآباد کی جو حالت اب نمایاں ہو چکی تھی اس کو دیکھتے ہوئے کسی شخص نے بھی اس پیشکش کو قبول نہیں کیا۔ کوئی شخص تیار نہ تھا کہ حیدرآباد آ کر اپنے کو نظام اور مجلس کی سازشوں کا ہدف بنائے یا ایک ضعیف الاعتقاد حکومت کا غلام قبول کرے۔

انڈونیشیا میں ہندو تہذیب کے آثار

سنسکرت زبان میں گیارہ سو سالہ پرانی دستاویز کی دریافت

انڈونیشیا کی راجدھانی جکارتا کے نزدیک مندر بارام بانن کے کھنڈرات میں گیارہ سو سالہ پرانی ایک سونے کی تختی ملی ہے۔ جس پر سنسکرت کے الفاظ کندہ ہیں انڈونیشیا کی وزارت تعلیم و تمدن و کلچر نے ہندوستان کے آثار قدیمہ کے ماہرین کو وہاں آنے اور آثار قدیمہ کے متعلق عجیب انکشافات کو دیکھنے کی دعوت دی ہے۔

ڈاکٹر علی سستروامیجوجو وزیر تعلیم و کلچر نے انڈونیشیا میں مقیم ہندوستانی سفیر مسٹر چھاگلا کی معرفت اس دعوت نامہ میں لکھا ہے کہ چونکہ ہمارے قدیم مندروں کی طرز تعمیر میں ہندو کلچر کے آثار نمایاں ہیں۔ اس لئے ہندوستان کے آثار قدیمہ کے ماہرین کا یہاں آنا اور ان کا انھیں شخصی طور پر دیکھنا دلچسپی اور اہمیت سے خالی نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں ہمارے ماہرین کو ان سے ملنے کا موقع بھی ملیگا۔ اور آپ کے عالموں کے تجربات میں شرکت کر کے مستفید ہو سکیں گے۔

پس منظر

ہندوستان اور انڈونیشیا کے قدیمی تعلقات

جاوا اور انڈونیشیا کے دوسرے جزائر میں ہندو کلچر کی ترویج قدیم ہندوستانی تاریخ کا ایک اہم ترین ورق ہے۔ جزیرہ جاوا کا ذکر راماین میں آیا ہے۔ جسے جو کا جزیرہ یا یودھویپا کا نام دیا گیا ہے۔ جہاں سیتا جی کو ڈھونڈنے کے لئے ایک پارٹی بھیجی گئی تھی۔ دوسری صدی کے پرانے جغرافیہ دان بطلیموس نے بھی اسے یہی نام دیا ہے۔ مختلف ذرائع سے ثبوت اکٹھا کرنے اور جوڑنے سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ پانچویں صدی تک جاوا میں ایسے ہندو یا ہندوؤں کی طرز کی حکومتیں قایم ہو گئی تھیں۔ جہاں ہندوستان سے مہاجرین یا نو آباد کار رہنے سہنے لگے تھے۔

آٹھویں صدی سے وسطی جاوا میں ایسے حکمران تھے جو شیو مت کے پیرو تھے۔ ان کے کتبوں کی زبان تو سنسکرت ہے لیکن رسم الخط "قوی" ہے۔ جو کہ ہندوستان کے رسم الخط کی ملتی جلتی طرز ہے۔ آٹھویں صدی کے آخری حصہ میں سماترا دار السلطنت سریو جیا کے سائلندرا خاندان کے حکمرانوں نے وسطی جاوا کو فتح کر لیا۔ وہ بدھ مت کے مہایانہ فرقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ یہ امر قابل غور ہے کہ ان کے کتبوں کا رسم الخط بعینہ شمالی ہندوستان کی طرز تحریر سے ملتا جلتا ہے۔ جہاں قدیم وسطی زمانہ میں مہایانہ مت کا دور دورہ تھا اور جس کا مرکز نالندہ تھا۔ نویں صدی میں ان میں سے بالا پترا دیوا نے نالندہ میں ایک مٹھ بنوایا تھا۔

سائلندرا خاندان کے عہد میں جاوا بدھ مت کی لاکھوں اور ہزاروں کا گھر بن گیا تھا۔ جن میں ۸۰۰ء میں تعمیر کردہ بورو بودر کا ٹیلا (ستوپا) سب سے زیادہ مشہور ہے۔ یہ عالیشان عمارت ہندوستان کے مندر اور ستوپا کی ملی جلی مشہور طرز پر مبنی ہوئی ہے اس میں، چبوترے ہیں۔ جن کے اندرونی رخ بدھ مت کے مناظر اور دیوتاؤں کے مندر تراشے گئے ہیں۔ عمارت کا حجم۔ فکر و خیال کی عظمت اور آرائش کی نفاست کی وجہ سے اسے عالمگیر شہرت حاصل ہے۔

اس کے بعد جاوا کے برہمن حکمرانوں نے پارام بانن کے مقام پر آٹھ مندروں کا خوبصورت مجموعہ تیار کروایا۔ جن میں چار برہما، شیو، وشنو اور نندی کے ناموں سے منسوب کئے گئے تھے۔ ان مندروں کی خوبصورتی کا خاص پہلو یہ ہے کہ لمبی قطاروں میں دروازوں کے نقوش پر راماین کے مناظر دکھلائے ہیں۔

دسویں صدی میں مشرقی جاوا سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ جہاں برہمن خاندان راج کرتے تھے اس خاندان کے سب سے زیادہ مشہور راجہ اورنگا (۱۰۳۵ء) کے عہد میں مہابھارت اور راماین کا ترجمہ مقامی زبان میں کیا گیا تھا۔

تیرھویں صدی میں بدھ مت سوتنتر کے عقیدے کو بہت عروج حاصل ہوا اور جاوا کا آرٹ بتدریج پالی نیشین آرٹ کے مطابق ہوتا گیا۔ پندرھویں صدی میں جاوا میں اسلام مذہب داخل ہوا اور اس قدر زور پکڑ گیا کہ اس نے جزیرے کے تمام مذاہب کو پس پشت ڈال دیا۔ البتہ جاوا کی عوامی رسومات میلے اور دیومالا ابھی تک ہندوستانی تمدن میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ جو تاریخ کے تعمیری دور میں ان کی رگوں میں رچ گیا تھا۔

اگرچہ آثار قدیمہ کے متعلق ولندیزی ماہرین نے بہت سا ابتدائی اور کھدوائی کا کام شروع کر دیا ہے۔ لیکن ابھی تک تحقیقات کے لئے وسیع میدان ہے۔ وزیر تعلیم و تمدن جاوا نے ہند سرکار کی توجہ سائلندرا خاندان کے صاحب دریافت کی طرف دلائی ہے۔ جو کہ کارتا اور سوارکرتا کی سرحد پر بارام بانن کے نزدیک پلاؤسن کے مقام پر مندروں کے کھنڈرات میں ایک سونے کی کندہ تختی ملی ہے۔ یہاں کھدوائی کا کام آثار قدیمہ کے ولندیزی ماہر ڈاکٹر سٹٹر ہیم نے ۱۹۳۰ء میں شروع کروایا تھا۔ جسے بعد میں سوہامیر انڈونیشیا کے محکمہ آثار قدیمہ کے افسر نے جاری رکھا۔

مندر کے درمیان ایک مستطیل احاطہ ہے جسے ایک دیوار کے ذریعہ دو حصوں میں منقسم کیا گیا ہے ان میں دو چبوترے ہیں جہاں شروع میں بدھ کی دو مورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس عمارت کے اطراف میں چھوٹی چھوٹی عمارتوں کی تین متوازی قطاریں ہیں۔ پہلی اندرونی قطار میں پرار تھنا... ستھان ہیں جہاں دھیانی بدھوں کی مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ اور دوسری دو قطاریں ٹیلوں... (استوپوں) کی ہیں۔ سوہامیر کی رائے کے مطابق کچھ معمولی کتبوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اندرونی قطار کے ستوپوں (ٹیلوں) میں نویں صدی کے وسط کے راجہ راکے پیکاتن کے جسم کی باقیات رکھی ہیں۔ اور کچھ بیرونی قطار میں اس کی رانی کی۔

بیرونی قطار کے استوپوں کے کھنڈرات میں ایک کانسی کا برتن پایا گیا تھا جس میں پرارتھنا کے وقت پھول سپرد ہوتے دیکھی معلوم ہوتی تھی اور ان کے نزدیک مذکورہ بالا سونے کی تختی جو آٹھ انچ لمبی اور ۳ انچ چوڑی ہے پائی گئیں۔ اس پر سنسکرت زبان میں بدھ رہبران (دھرم) کی عبارت کندہ ہے۔ جسے ابھی تک کسی بدھ مت کی کتاب سے وابستہ نہیں کیا جا سکا۔

ہندوستان میں نالندا اور دوسرے مقامات پر ستوپوں کے اندر بدھ مت کی کتب (جن میں دھرم دھیرانی بھی شامل ہیں) مٹی اور پتھر کی تختیوں پر کندہ ملی ہیں کتابوں کو استوپوں کے اندر رکھنا عام مذہبی رسم ہے جس کا ذکر خود مہاتما بدھ نے اپنے ایک دیاکھیان میں کیا ہے۔

(باقی صفحہ ۱۱ پر)

یہ دیدیا ر ۱۶۷۳ء میں بمبئی کو نو آزجزل کے ماتحت کر دیا گیا اس وقت سے یہ احاطہ ابرا ہی منے لگا بمبئی کے عروج و کمال کا سہرا جیرالڈ آنگیئر کے سر رہا اس کے عہد میں بمبئی میں بہت سے کارخانے جاری ہوئے اور تجارت سے کافی منافع حاصل ہونے لگا۔ برطانوی حکومت کے ماتحت ایک ہی صدی کے اندر اندر بمبئی ایک شاندار شہر بن گیا۔ ٹکسال اور عدالتیں قائم ہوئیں۔ ہسپتال اور چھاپے خانے وجود میں آئے اور دور دور سے لوگ بغرض تجارت بمبئی آنے لگے۔ اور بندرگاہ بمبئی کو وسیع اور شاندار بنانے کی طرف حکومت کی توجہ مبذول کرائی گئی چنانچہ ۱۸۰۵ء میں ایک عالیشان بندرگاہ تعمیر کیا گیا۔ اس طرح ہر سال بمبئی کی آبادی میں اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ ۱۸۰۰ء میں (۱۳۰۰۰۰) کی آبادی ہو گئی۔ ۱۸۰۳ء میں ایک زبردست قحط پڑا اور اس کے فوراً بعد آتشزدگی کا ایک ایسا خوفناک واقعہ گذرا جس نے حکومت پر ثابت کر دیا کہ بڑی بڑی سڑکوں اور پختہ مکانات کی اشد ضرورت ہے اس تجویز کو عمل میں لانے کے بعد ۱۸۱۴ء میں (۱۸۰۰۰۰) کی آبادی ہو گئی۔

سینما

میٹرو

میں میٹرو گولڈن میئر کی تصویر دکھائی جا رہی ہے جس کا نام ہے

DESIRE ME

کی جوب ۔ مشہور گریئر گارسن ایک عرصہ کی غیر حاضری کے بعد پردہ سیمیں پر دکھائی دے رہی ہے ۔ ایک بار ہمارے سامنے دائمی محبت کا سنہالی منظر دکھایا گیا ہے ۔ جس کا اہم کردار گریئر گارسن کو دیا گیا ہے جس سے اس کی جان آفت میں پڑ جاتی ۔ یہ ایک طرف تو اس کے خاوند سے محبت اور وفاداری جس کے متعلق یہ سنا گیا تھا کہ وہ جرمن کے کنسنٹریشن کیمپ سے بھاگنے کی کوشش کرتے ہوئے مارا گیا اور ایک نوجوان کی طرف محبت ۔ جس کی کشش جو اس کے خاوند کے ساتھ جیل کی صعوبتیں برداشت کر چکا تھا ۔ حالانکہ وہ اس کے خاوند کو اس سے دور رکھ سکے ۔

گریئر گارسن کی زندگی میں دو آدمی نبائے گئے ہیں ۔ اس کا گمشدہ خاوند رابرٹ مچم ہے ۔ اور دوسرا رچرڈ ہارٹ ہے جس نے گرین ڈالفن اسٹریٹ میں اپنی اداکاری کی وجہ سے مقبولیت حاصل کی تھی ۔ مارس آکرم ۔ جارج زوکسیل ہنسفر ۔ اور ڈیوڈ ہافمین کے امدادی کام بھی قابل دید ہیں ۔

قصہ کے واقعات برٹنی کے ساحل کے ایک ماہی گیر گاؤں میں وقوع پذیر ہوتے ہیں جس کی پہاڑی سرزمین اور لاجواب روح افزا مناظر اور سمندر کی طوفان خیز موجیں تھکی ماندگی کا باعث ہوتی ہیں اس کا آخری حصہ نہایت ہی سنسنی خیز ہے جس میں رونگٹے کھڑے کر دینے والے لمحات بھی ہیں ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ... بدمعاش کا انجام برا ہوتا ہے ۔ یہی دنیا کا دستور چلا آرہا ہے ۔

ریگل

خوفناک ندی ۔ دکھایا جا رہا ہے ۔ جسے آر ۔ جے رینکس نے

THE END OF THE RIVER

پیش کیا ہے ۔ اس فلم کو نہایت ہی عمدہ طریقہ پر دکھایا گیا ہے ۔ سابو کو خاص کردار تفویض کیا گیا ہے اور بیبی فریرا اس کی بیوی بنتی ہے ۔ جو خوب نبھاتی ہے ۔ ان کے علاوہ ایسمنڈ نائٹ ۔ رابرٹ ڈگلس کے قابل قدر امدادی کام ہیں ۔

قصہ میں بتایا گیا ہے کہ مینوئل برازیل کے اریکونہ قبیلہ ہندوستانی لڑکے کو ذات باہر کر دیا جاتا ہے ۔ کیونکہ وہ ایک شیطان صفت سردار سے اپنے خاندان کے لوگوں کی موت کا بدلہ نہ لے سکا ۔ بعد میں اسے ایک ظالم ڈن لیور ہینو نامی سوداگر اپنے یہاں ملازم رکھتا ہے ۔ اور اس کی بیوی مینوئل کو اپنے خاوند کی نگرانی پر متعین کرتی ہے ۔ تاکہ وہ دوسری عورتوں سے نہ مل سکی ۔ یورمینو کو جب اس کا علم ہوتا ہے تو وہ مینوئل کو اپنے دور دراز کے ایک کھیت پر روانہ کرتا ہے ۔ جہاں کا افسر ایک مہلک مرض میں مبتلا ہے ۔ اس کھیت کا ذریعہ من کاشتکاروں کا سرغنہ بن کر انھیں ظالم افسر کے ظلم سے رہائی دلاتا ہے ۔ اور مینوئل کو اپنی کشتی پر ملازم رکھتا ہے ۔ جہاں اس کپتان کی بیوی کی خادمہ ٹریسا کے ساتھ اس کی شادی ہو جاتی ہے ۔ اس کے بعد اس کا تعلق ایک فاسسٹی جماعت سے ہو جاتا ہے ۔ جو ٹریڈ یونین کا جامہ پہن کر دھوکہ دیتی ہے ۔ بغاوت کے الزام میں مینوئل گرفتار کیا جاتا ہے ۔ یہاں تک جب وہ ایک جگہ کام کرتا دکھائی دیتا ہے جہاں اسے صبر سے نام سے یاد کیا جاتا ہے یہ لڑکا اس شخص کو مار ڈالتا ہے ۔ جو اس پر وار کرتا ہے اور اس کے بعد عدالت کا کمرہ نظر آتا ہے

اسٹرینڈ

میں فاکس پکچرس کا لاجواب کارنامہ دکھایا جا رہا ہے ۔

CALL NORTH SIDE 777

جس میں شکاگو میں مخالفت شراب کا دور دکھایا گیا ہے ۔ اس زمانہ میں کئی پولیس بے دردی کرنے والوں کے قتل بڑی بے دردی سے ہوئے ۔ ۱۹۳۲ء کا زمانہ ہے ۔ ولیم ڈی لنڈی پولیس انسپکٹر کو بیرحمی کے ساتھ قتل کر دیا گیا ایک سال کے بعد عبین شبہ دن پر دو آدمیوں پر مقدمہ چلایا گیا اور حکومت کے قانون کے ماتحت حبس دوام کی سزا دی گئی ۔

ان میں سے ایک جو مینرک تھا اور اگرچہ عوام کا خیال یہ تھا کہ اس جرم کی اسے قرار واقعی سزا دی گئی ۔ لیکن ایک ذات ایسی تھی جو اس کو واقعی بیگناہ تصور کرتی تھی وہ اس کی ماں تھی زمین دھو کر اس نے ۱۱ سال کے عرصہ میں کچھ رقم پس انداز کی تاکہ وہ اس سے اپنے لڑکے کو رہائی دلا سکے ۔ اس نے ایک مقامی اخبار میں اشتہار دیا کہ لنڈی کے اصلی قاتلوں کا پتہ لگانے والے کو ۵۰۰۰ ڈالر انعام دیا جائے گا ۔ شکاگو ٹائمس کے ایک نوجوان رپورٹر جیمس میک کارنر نے یہ مہم اپنے ذمہ لی ۔ کس طرح لاتعداد مشکلات کو حل کرتے اس نے جو کو بیگناہی ثابت کی اور کس طرح اس نے مضامین لکھ کر اس کے مقدمہ کی دوبارہ سماعت کرائی وہ نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں پیش کئے گئے ہیں جیمس اسٹورٹ نے ان تھک رپورٹر کا خاص کردار انجام دیا ہے ۔ رچرڈ کونٹے مظلوم قیدی بنتا ہے ان کے علاوہ لی جے کاب ۔ ہیلن واکر ۔ بیٹی گارڈ ۔ کیسیا اورزا زوسکی اور جون ڈی برک کے عمدہ امدادی کام ہیں ۔

ایروز

میں دوسری زندگی اپنی خصوصیات کی بنا پر دوسرے ہفتہ کے لئے روک لیا گیا ہے یہ یونیورسل انٹرنیشنل کا شاہکار ہے جس میں براڈوے کے ایک نامی اداکار کے کارنامے پیش کئے گئے ہیں ۔ جو اپنے پارٹ کو نہ صرف اسٹیج پر ہی ادا کرتا ہے ۔ بلکہ وہ اپنے افعال سے ظاہر کرتا ہے کہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں اس عمل کرتا ہے ۔

A DOUBLE LIFE

یہ کھیل خوفناک واقعات کا باعث ہوتا ہے اور جس کا نتیجہ موت ہوتا ہے ۔ رونالڈ کولمین جس نے خاص کردار ادا کیا ہے اپنی لاجواب اداکاری کا مظاہرہ کر کے ۱۹۴۷ء کا اکادمی انعام پاتا ہے ۔ سگنے ہیسو نے اس کی مطلقہ بیوی اور اس کی لیڈنگ لیڈی کا کام کیا ہے ۔ شیلی ونٹرس نے بدنصیب خادمہ بنتی ہے ۔ ان کے علاوہ ایڈمنڈ او برائن ۔ ملے کرنس ۔ فلپ لیسبلرڈ گیل اور جو سایر کے امدادی کام ہیں ۔

لطائف

ساس :- آجکل لڑکیاں کو سینما پر دن تو دن راتوں بھی نہیں معلوم کہ سوائی کس مرض کی دوا ہوتی ہے

بہو :- واہ یہ معلوم کیوں نہیں ہوتا سوئی کو گراموفون میں لگا کر ریکارڈ بجائے جاتے ہیں

میراثی :- بابو جی ہم نے دو بچھڑے ایک گاڑی دیکھے ہیں دو آنکھیں ۔ بابو :- ایک بچھڑے کا مسئلہ ہے میراثی :- اپنا جیب ہے تو جلد گھر چلیو ابھی کہ بارہ بجے جب وہی گھنٹہ اور بائی ہیں ۔

Greer Garson Has Her Most Powerful Dramatic Role In M-G-M's "Desire Me"

SHOWING AT THE METRO THIS WEEK.

SHORTLY after receiving official notice that her husband, Paul (Robert Mitchum) has been killed while attempting to escape from a German prison camp, Marise (Greer Garson) finds Jean (Richard Hart), a strange soldier, waiting in her Brittany Cottage. When he claims to have come to take the place of her husband, Marise is fascinated but made uneasy by the intimate knowledge he has of her married life.

AT first cold, Marise gradually softens when she learns that Jean was Paul's prison mate and had learned all about her from him. Their love blossoms at a religious festival and, when Jean intercepts a letter from Paul announcing his impending return, he keeps the message a secret and persuades Marise to start her life a new with him. They are to leave the rugged Brittany c ast behind and go to Paris

JUST before their departure, Paul unexpectedly shows up. Marise is forced to confess the situation and, although Paul forgives her, he is determined to kill Jean. The two men meet in a dense fog and a desperate gun and knife battle results in the death of one in a fall over a cliff. Marise has now to decide whether she will return to the man who has survived. Which one was it?

آزادی ہند

از جناب وحید نظمی بھوپالی

سکوں اب مل گیا نظمیؔ ہر اک شورش سے باطل کی
صدائے حق سے ہیں گونجے ہوئے دیوار و در ساری
بلند اب دھر میں ہوتی ہیں آزادی کی تکبیریں
یہ دشوارئ صداقت آج اپنا رنگ لائی ہے
صداقت کا جہاں میں بول بالا ہونے والا ہے
سحر کے وقت تارے جھلملائیں غیر ممکن ہے
جہالت علم کے تدِ مقابل ہو نہیں ..... سکتی

عطا کر دی خدا نے شادمانی، فتح ..... کامل کی
فسوں باطل کا اب تھرا رہا ہے خوف کے مارے
سنور جائے گی اب دنیا۔ بدل جائیں گی تقدیریں
ہنسی ہونٹوں پہ آئی ہے مگر مشکل سے آئی ہے
اندھیرا چھٹ چلا پیدا اُجالا ہونے والا ہے
شعاعِ مہر سے آنکھیں لڑائیں غیر ممکن ہے
کوئی بھی شئے رہِ طوفاں میں حائل ہو نہیں سکتی

جو باغی ہیں خدا کے وہ ذلیل و بے نشاں ہوں گے!
خدا کے ملک میں بندے خدا کے حکمراں ہوں گے

یہ سچ ہے راہِ حق میں مشکلیں بھی پیش آتی ہیں
زمانہ مصلحوں سے اپنے اکثر جنگ کرتا ہے
بہت ہی جلد لیکن وقت اک ایسا بھی آتا ہے
جماعت جب غلط مرکز پہ آ کر ٹھہر جاتی ہے
وہ اٹھتا ہے کہ اس باطل نظامِ دہر کو توڑے
وہ جانسوزی سے اپنی غنچہ ہائے دل کھلاتا ہے
زمانہ اس کی وارستہ مزاجی سے سنورتا ہے

قدم آگے بڑھانے میں بہت ہیبت ..... دلاتی ہیں
بہت کچھ عرصۂ ہستی کو ان پر تنگ کرتا ہے
کہ حق کے سامنے باطل خود اپنے منہ کی کھاتا ہے
مشیت ایک رہبر کو انھیں میں سے اٹھاتی ہے
زمانے کا ستمگر پنجہ اپنے ہاتھ سے موڑے
وطن کی ڈوبتی کشتی کنارے سے لگاتا ہے
چمن کیا سارا گلشن اس پہ فخر و ناز کرتا ہے

حقیقت آشنا باطل نوازی کر نہیں سکتا
نکموں کے لہو سے ہاتھ غازی بھر نہیں سکتا

کیا ہے خاص یہ بھی اک کرم اللہ نے ہم پر
صداقت نے کیا ہے اب دلوں میں کچھ اثر پیدا
مگر یہ یاد رکھو غنچۂ دل کھل نہیں ..... سکتا
خدا کے آگے جھکنے ہو، کہ اس میں سر بلندی ہے

نگاہیں ڈال دیں اک مردِ حق آگاہ نے ہم پر
ہوا ہے یعنی "مشکل سے چمن میں دیدہ ور پیدا"
جو قربانی نہیں کرتا اُسے کچھ مل نہیں سکتا
جو سر اپنا کٹاتے ہیں انھیں کی فتحمندی ہے

رہِ حق میں یہ سر بازی یہ دلدوزی مبارک ہو
مبارک ہو! تمہیں یہ فتح و فیروزی مبارک ہو

سرزمین فلسطین، یہودیوں کے انجام کا آغاز!

یہودیوں نے جنہیں دو ہزار سال قبل [illegible] نے فلسطین سے خارج کر دیا تھا اور جو دنیا بھر میں بکھرے ہوئے تھے۔ برطانیہ کی اعانت اور امریکہ کی حمایت سے اب فلسطین کے ایک حصہ میں اپنی اسرائیلی حکومت کے قیام کا اعلان کیا ہے۔ اس یہودی حکومت کا جو عالم اسلامی کے لئے ایک چیلنج ہے۔ بعجلت ممکنہ صفایا کرانے کے لئے عرب ممالک جہاد کا [illegible] اعلان کرتے ہوئے بڑھے ہیں اور اس وقت فلسطین میں گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے۔

فلسطین کے تذکرہ کے ساتھ تاریخ کا وہ منظر یاد آ جاتا ہے۔ جب سنہ ۱۵ھ میں عربوں نے فلسطین کو فتح کیا تھا۔ اور بیت المقدس کی کنجیاں حاصل کرنے کے لئے خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروق رض اس عالم میں مضافات بیت المقدس تک پہنچتے ہیں۔ کہ آپ کا غلام اونٹ پر سوار ہے۔ اور آپ اونٹ کی مہار پکڑے آگے آگے چل رہے ہیں۔

فلسطین کی تاریخ خونیں سرگرمیوں سے معمور ہے۔ جو تقریباً [illegible] صدی قبل مسیح سے برطانوی انتداب فلسطین تک [illegible] اور دنیا [illegible] کا سارا علاقہ شام ہی کہلاتا تھا۔ ۱۵۲۰ قبل مسیح میں مصریوں نے اس علاقہ پر قبضہ کیا اور تباہی مچائی تھی۔ سنہ ۶۳ قبل مسیح سے سنہ [illegible] تک اس علاقہ پر سلطنت روما کا تسلط رہا۔ اس عرصہ میں یہودیوں کا جو حشر ہوا وہ تاریخ [illegible] میں [illegible] یہودیوں کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔ [illegible] کی عبادت گاہیں جلا دی گئیں۔ طرح طرح کے مظالم ڈھائے گئے اور انہیں ملک سے خارج کر دیا گیا۔

معاہدہ بیت المقدس

اس کے بعد خلافت عرب کا دور آتا ہے جو سنہ ۶۳۶ء سے سنہ [illegible] تک جاری رہا۔ اسلام کے ابتدائی دور میں یہودیوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک کیا تھا اور آنحضرت صلعم تک کو جو ایذائیں دیں مدینہ منورہ کی اسلامی حکومت کے خلاف جو سازشیں کیں اور غزوں میں جو واقعات پیش آئے ان سے سیرت اور تاریخ اسلام کے اوراق معمور ہیں۔ اسلام دشمنی میں یہودی، عیسائیوں سے بھی آگے تھے۔ حضرت عمر فاروق رض کے عہد میں حضرت عمرو بن عاص رض اور حضرت ابو عبیدہ رض کی فوجیں بیت المقدس پہنچ گئیں اور [illegible] کے سلسلہ میں مفتوحین نے یہ درخواست کی کہ خود خلیفۃ المسلمین بیت المقدس تشریف لا کر کنجیاں حاصل فرمائیں۔ یہ درخواست شوریٰ میں پیش ہوئی۔ اور حضرت علی رض نے یہ مشورہ دیا کہ "ہمارا یہ اسلامی فرض ہے کہ مغلوب دشمن کی دلجوئی کریں" حضرت عمر رض صرف اپنے غلام کی معیت میں باری باری سے اونٹ پر بیٹھ کر اور مہار پکڑے ہوئے منزلیں طے کرتے بیت المقدس کے نام سے مشہور ہے۔ اس معاہدہ پر حضرت خالد بن ولید رض نے حضرت عمرو بن عاص رض حضرت عبد الرحمن بن عوف رض اور حضرت معاویہ بن سفیان نے گواہوں کی حیثیت سے دستخط کئے۔ ابتدائی جز حسب ذیل ہے۔

"یہ وہ امان ہے جو اللہ کے بندہ امیر المومنین عمر رض کی طرف سے بیت المقدس کے باشندوں کو دی گئی ہے۔ یہ امان جاری ہوگی ان کی جانوں پر ان کے مالوں پر ان کے گرجاؤں پر ان کی صلیبوں پر ان کے تندرستوں اور ان کے بیماروں پر اور ان کے تمام ہم مذہبوں پر۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان کے گرجاؤں میں سکونت کی جائے گی نہ انہیں منہدم کیا جائے گا۔ نہ ان کی عمارتوں اور احاطوں کو نقصان پہنچایا جائے گا۔ نہ ان کی صلیبیں توڑی جائیں گی۔ نہ ان کے اموال میں کمی کی جائے گی۔ نہ ان پر مذہبی معاملات میں جبر کیا جائے گا۔ علاوہ ازیں یہودیوں کو اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ بیت المقدس میں قیام پذیر ہوں"

برطانوی انتداب

فلسطین میں اسلامی دور حکومت کا یہ سلسلہ (۱۲۷۷) سال تک مسلسل جاری رہا۔ اور پہلی جنگ عظیم میں ترکوں کے خلاف برطانوی ریشہ دوانیوں اور کرنل لارنس کی سرگرمیوں کے بعد فیلڈ مارشل لارڈ ایلنبی ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ یہیں سے عربوں کے مصائب اور فلسطین میں یہودیوں کے عروج کا آغاز ہوتا ہے۔ اس جنگ کے دوران میں ڈاکٹر وائزمین نے جو یہودی سائنسدان ہیں۔ اور جو اب یہودی حکومت اسرائیل کے صدر منتخب ہوئے ہیں، گیسی نقاب ایجاد کیا جس کی برطانوی افواج کو سخت ضرورت تھی۔ برطانوی حکومت نے ڈاکٹر وائزمین کو معاوضہ دینا چاہا۔ لیکن ڈاکٹر وائزمین نے اس ایجاد کے صلہ میں فلسطین کو یہودی وطن قرار دئے جانے کا مطالبہ کیا۔ اس کے جواب میں برطانوی حکومت کی جانب سے یہودی وطن کے قیام کا اعلان کیا گیا جو "اعلان بالفور" کے نام سے مشہور ہوا ہے۔ یہ اعلان در اصل ایک خط تھا جو لارڈ بالفور وزیر خارجہ نے سربرآوردہ برطانوی صیہونی لارڈ روتھس چائلڈ کے نام ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو لکھا تھا۔ اس خط کا مضمون یہ تھا کہ "برطانوی حکومت فلسطین میں یہودیوں کے قومی وطن کے قیام کی تائید کرتی ہے اور وہ اس مقصد کے حصول میں سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے ممکنہ کوشش کرے گی"

اس اعلان کی تائید اتحادیوں کی کونسل نے ۲۴ اپریل ۱۹۲۰ء کو سان ریمو کانفرنس میں کی اور اس کی آخری توثیق جمعیت اقوام نے ۲۴ جون ۱۹۲۲ء کو کی۔

اعلان بالفور کی تشریح مسٹر چرچل نے پارلیمنٹ میں یہ "تشریحی یادداشت چرچل" کے نام سے موسوم ہے۔ اور اس میں مسٹر چرچل نے کہا کہ یہودی قوم کی آزادانہ ترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ فلسطین میں دوسروں کے رحم و کرم کے تحت نہیں بلکہ اپنے حق کے طور پر ہیں۔ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ فلسطین میں بیرون کے یہودیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو۔

صیہونیت

صیہونی تحریک۔ یعنی فلسطین میں یہودیوں کی آزاد مملکت کی تشکیل کی تحریک کا بانی تھیوڈور ہرزل (ویانا) آسٹریا کا ایک جرنلسٹ ہے۔ یہ تحریک شروع میں نظری رہی اور ترکی حکومت کے زمانہ میں ۱۹۱۴ء میں سارے فلسطین میں صرف کچھ ہزار یہودی تھے۔ یہ یہودی دیوار گریہ کے پاس جو بیت المقدس میں ان کی قدیم عبادت گاہ کی بچی ہوئی آخری دیوار ہے ان الفاظ میں گریہ وزاری کیا کرتے تھے۔

"چونکہ ہماری عبادتگاہ تباہ ہو گئی ہے۔ دیواریں منہدم ہو گئی ہیں۔ اور ہماری عظمت [illegible] رخصت ہو چکی ہے۔ اس لئے ہم یہاں تنہا بیٹھے اور گریہ وزاری کرتے ہیں"

انتداب فلسطین سے یہودیوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا اور یہودی نو وطن پذیر یہ ترانے گاتے ہوئے جا بجا نظر آنے لگے۔ "ہم ابھی نا امید نہیں ہیں۔ ہماری قدیم تمنا یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کی سرزمین میں سکونت اختیار کریں اس سرزمین میں جہاں داؤد [illegible]" ابتدا میں نو وطن پذیری کی رفتار سست تھی اور اگست ۱۹۲۰ء سے جون ۱۹۲۶ء تک، صرف (۸۹) ہزار یہودی فلسطین میں داخل ہوئے۔ لیکن بعد میں اور خصوصاً دوسری جنگ عظیم کے بعد اس مہم میں باقاعدگی پیدا ہوئی اور سرکاری اعداد کے بموجب ۳۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو فلسطین میں یہودیوں کی تعداد تقریباً پانچ لاکھ اسی ہزار ہو گئی تھی۔ ان کے مقابل مسلمانوں کی تعداد گیارہ لاکھ سے زیادہ تھی اب ایک اعلان کے بموجب فلسطین میں یہودیوں کی آبادی ڈیڑھ کروڑ سے زائد تھی۔ انگلستانی امریکی فلسطین کمیشن کی رپورٹ میں یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ جرمنی میں ۱۹۳۳ء سے ۱۹۴۵ء تک کی مدت میں تقریباً (۵۸) لاکھ یہودیوں کا قتل اور فاقہ کے ذریعہ خاتمہ کر دیا گیا۔ اور امریکہ کی یہودی کمیٹی کی رپورٹ کے بموجب اب دنیا میں یہودی آبادی ایک کروڑ دس لاکھ رہ گئی ہے۔

انجام کا آغاز

فلسطین میں اب جو لڑائی جاری ہے اس میں صرف اس مقدس علاقہ ہی کی بازی نہیں لگی ہوئی ہے۔ جس کو یہودیوں نے ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کی قرارداد اقوام متحدہ [illegible] تقسیم کر کے حکومت اسرائیل قائم کی ہے۔ یہ لڑائی عالم عرب کے لئے خصوصاً اور سارے عالم اسلام کے لئے عموماً فیصلہ کن اہمیت رکھتی ہے۔ یہودی نہ صرف سارے فلسطین کو بلکہ شام و لبنان اور شرق اردن کو بھی اپنی مملکت تصور کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کی نظریں خیبر پر بھی لگی ہوئی ہیں جو عہد نبوی میں یہودیوں کا مرکز تھا۔ یہ لڑائی عالم عرب کی آزادی کی لڑائی اور عالم اسلام کی آزادی کی لڑائی ہے۔ یہودیوں پر قدرت کا یہ عذاب ہے۔ اور قتل انبیاء کی پاداش میں ان کے لئے یہ سزا مقدر ہو چکی ہے کہ وہ ذلیل و خوار دربدر پھرتے رہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو ان کی موت فلسطین کھینچ لائی ہے۔ اور ان کے انجام کا آغاز شروع ہو گیا ہے۔ نازی جرمنی میں ایک تہائی .. یہودیوں کا صفایا ہوا اور یہ مشہور [illegible]

رانی!

(جناب محمد غیاث الدین، بی، ایس سی (علیگ))

ابھی کچھ کچھ اندھیرا باقی تھا لیکن آفتاب عالمتاب بھی مشرق سے دھیرے دھیرے طلوع ہو رہا تھا اور اس کی زریں شعاعیں کرۂ ارض کو منور کرتی جا رہی تھیں۔ رامو آج اپنے کھیت میں بہت سویرے سے ہی نرائی کر رہا تھا۔ اس سال گیہوں کی فصل بہت اچھی تھی۔ ایک امیر کو اپنے سامنے سونے چاندی کے ڈھیر کو دیکھ کر جتنی خوشی ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ خوشی کسان کو اپنے لہلہاتے ہوئے کھیتوں کو دیکھ کر ہوتی ہے۔ پھر رامو بھی ایک کسان تھا اسے اپنے ہرے بھرے کھیتوں کو دیکھ کر خوشی کیوں نہ ہوتی۔ اس کی تمام تمناؤں اور امیدوں کا انحصار ان ہی لہلہاتے ہوئے ہرے بھرے کھیتوں پر تھا۔ اس کی بیٹی رانی سیانی ہو چکی تھی اور اس کی شادی کی گفت و شنید جاری تھی۔ رابی کے زمیندار اس کی شادی اپنے بیٹے سے کرنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن اس شرط پر کہ کم از کم ایک ہزار روپے کا جہیز دیا جائے۔ رامو کو بھی یہ رشتہ بہت پسند تھا۔ لڑکا مڈل پاس کر چکا تھا۔ اور لکھنؤ نارمل اسکول میں پڑھ رہا تھا۔ تندرست، خوبصورت، اور نیک سیرت تھا۔ گھر پر کئی سو بیگھہ زمین کی کاشت ہوتی تھی۔ چار جوڑی ناگوری بیل اور دو تندرست بھینسیں ہر وقت دروازے پر بندھی رہتی تھیں۔ ایک کسان لڑکی کے لئے اس سے بہتر بر اور گھر اور کیا ہو سکتا تھا۔ رانی رامو کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ماں پہلے ہی مر چکی تھی۔ اس لئے رامو نے اسے بہت لاڈ پیار سے پالا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ باپ کی موجودگی کی وجہ سے اسے اپنی ماں کی یاد کبھی نہ ستاتی وہ بھی اپنے باپ کو جان سے چاہتی تھی۔ رامو چاہتا تھا کہ اسے ایسا گھر ملے جہاں وہ اپنی ازدواجی زندگی چین اور سکھ سے گزار سکے اور اسے میکے اور سسرال کا فرق محسوس نہ ہو۔ اس کے خیال میں رابی کے زمیندار کے لڑکے کے ساتھ لڑکی کا رشتہ بہت مناسب تھا۔ لیکن جہیز کا سوال ذرا ٹیڑھا تھا۔ غریب کسان محنت و مشقت کرنا جانتے ہیں لیکن غریبوں کا خون چوسنے والے امیروں کی طرح روپیہ پیسہ اندوختہ کرنا نہیں جانتے۔ وہ صبح سے شام تک اپنے کھیتوں پر لگے رہتے ہیں کئی کئی مہینوں تک کھیتوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور پھر فصل تیار ہونے پر بیوپاریوں کے ہاتھ فروخت کر دیتے ہیں۔ لگان اور بیج کے دام دینے کے بعد ان کے پاس صرف اتنا غلہ بچتا ہے کہ وہ اپنا یا اپنے خاندان کا پیٹ مشکل سے پال سکیں۔ مستقبل کے لئے روپیہ پیسہ اندوختہ نہیں کر سکتے۔ رامو اپنے کھیتوں میں کام کرنے کے بعد دوسروں کے یہاں مزدوری کیا کرتا تھا۔ اسے کئی سال سے جب سے بیٹی کی شادی کی فکر دامنگیر تھی ۲۴ گھنٹوں میں پانچ چھ گھنٹے سے زیادہ آرام نصیب نہ ہوا۔ انہیں گھنٹوں بار برداری کے بیل کی طرح کام کاج میں لگا رہتا تھا اس طرح اپنی جان کی بازی لگا کر اس نے آٹھ سو روپیہ جمع کر لئے تھے۔ تین سو روپیہ کا سامان گھر میں پہلے ہی موجود تھا۔ اب اسے شادی کے لئے صرف دو سو روپیہ کی ضرورت تھی جو زمینداری کر کے اور اس سال کی فصل سے وصول ہو جانے کی پوری امید تھی.....

گیہوں کے کھیت بالیوں سے لدے کھڑے تھے اور کچھ دنوں میں فصل کاٹنے کے قابل ہو جانے کی امید تھی۔ رامو دھان کے کھیت میں وہ آج نرائی کر رہا تھا اور ننھے ننھے پودوں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ گویا انہیں پودوں میں اپنی لڑکی کا روشن مستقبل نظر آ رہا تھا۔ وہ اسی قسم کے مختلف خیالات میں غرق تھا۔ قریب سے غنی بیلوں کی رسی پکڑے، کاندھے پر ہل رکھے گزرا۔ وہ اپنا کوئی کھیت جوتنے جا رہا تھا۔ رامو کو مخاطب کر کے کہنے لگا

"بھیا رامو! دھان کی فصل تو اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن ابھی کھیت میں پانی کی ضرورت ہے۔"

"ہاں بھیا گیا تو تھا پانی لگانے۔ لیکن جھگڑے امیر نے اپنے کھیت میں پانی لگا دیا۔ مجھے لڑنا تو آتا نہیں۔ میں نے کہا خیر تم ہی آج لگا لو۔"

"لیکن آج اس کی باری تو نہیں تھی؟"

"دیکھتا ہے [illegible] رہا ہے۔ ہم تو اس [illegible] لیکن میں [illegible] برداشت نہیں کر سکتا کہ میرا بھیا ایسا سادہ سادہ دست اس کی زیادتی کا شکار ہو۔ میں اس کی ہڈی پسلی توڑ دوں گا اگر اس نے تمہارے کھیت میں پانی نہیں آنے دیا۔"

غنی نے اپنے بیلوں کی رسی ہل میں باندھ دی اور جھگڑے کے کھیت کی طرف جانے لگا۔

"بھیا غنی ٹھہرو! ٹھہرو! تمہیں میرے سر کی قسم! تم میرے لئے جھگڑے سے لڑائی مول لینے کیوں جاتے ہو! بھائی کھیت آج نہ ہوا تو کل ہو جائے گا۔ کھیت کو ایک یا دو دن دیر ہو جانے سے زیادہ نقصان نہیں ہو سکتا۔ ظلم کا جواب ظلم سمجھا ہوں تو اس کا قائل نہیں ہوں۔"

اتنے میں آس پاس کے کھیتوں سے اور لوگ بھی آ گئے سب نے غنی کو سمجھا بجھا کر جب کہا کہ جھگڑے سے آگاہ کر دیا جائے گا کہ اگر اس نے اب کبھی اپنے نمبر کے علاوہ کھیتوں میں پانی لگایا تو اس کا حقہ پانی بند کر دیا جائے گا۔

غنی اور رامو ایک جان دو قالب تھے اگر غنی کے پیر میں ایک بھی کانٹا لگ جاتا تو رامو کو دلی تکلیف پہنچتی تھی اور اگر رامو کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا تو غنی پریشان ہو جاتا تھا۔ ایک کو دوسرے سے اس قدر محبت تھی کہ ایک حقیقی بھائی کو بھی دوسرے سے نہیں ہو سکتی گاؤں میں ہندو یا مسلمان کا سوال نہیں ہوتا مذہبی اختلافات کی بنا پر فسادات شہروں ہی میں ہوا کرتے ہیں جہاں اجنبیت حکمرانی کرتی ہے۔ ایک شخص دوسرے کو نہیں جانتا اس لئے انسانیت سوز حرکات کرنے میں کسی کو کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی شہروں کے اکثر فرقوں میں تعصب اور بغض و حسد کے جذبات آسانی سے پیدا کر دئے جاتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کا گلا کاٹنا ثواب عظیم سمجھنے لگتے ہیں اور اسی کو اپنی نجات کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برعکس گاؤں کے سیدھے سادے باشندے مذہب کے اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اپنی زندگی میل اور محبت سے گزارتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے رنج و غم میں برابر کے شریک رہتے ہیں۔ شہروں میں مذہبی تہواروں پر اکثر خون کی ندیاں بہنے لگتی ہیں۔ اس کا اصل سبب یہ ہے کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے تہواروں میں شریک نہیں ہوتے ہیں۔ اور نہ ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھتے ہیں۔ دیہاتوں میں یہی تہوار ہنسی خوشی سے گزر جاتے ہیں۔ نہ ہندوؤں کو مسلمانوں سے شکایت ہوتی ہے۔ اور نہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے کوئی شکوہ۔

رامو اور غنی کے دل مذہبی تفرقات کے باوجود تعصب سے خالی تھے، وہ ایک دوسرے کے لئے زندہ تھے۔ کھیتی باڑی میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اپنا فرض عین سمجھتے تھے۔ دیوالی پر غنی اپنے گھر پر گھی کے چراغ روشن کیا کرتا تھا اور رامو محرم پر عام و خاص کے لئے شربت کی سبیل کھلوا دیتا تھا۔ شادی بیاہ، رنج و غم سب پر یہ ایک دوسرے کے شریک تھے۔ غنی بھی رانی کی شادی کے لئے بہت پریشان تھا اور شادی کے انتظامات کے لئے پورے سال دوڑ دھوپ کرتا رہا تھا وہ رابی کے زمیندار کے پاس شادی کا پیغام بھی لے گیا تھا۔ اور ان کو اس رشتہ کے لئے رضامند کر لیا تھا۔ لیکن شادی کی تاریخ ابھی مقرر نہ ہوئی تھی۔

غنی تالاب سے اپنے بیلوں کو پانی پلا کر رامو کے دروازے پر سے واپس ہو رہا تھا کہ رانی نے آواز دی۔

"چچا، بابو کی طبیعت یک بیک خراب ہو گئی ہے۔ آپ کو بلا رہے ہیں دیکھنے کو۔"

غنی نے جواب دیا "بیٹی تو چل میں بیلوں کو باندھ کر ابھی آیا۔"

گھر میں داخل ہو کر غنی نے دیکھا کہ رامو بانس کی چارپائی پر لیٹا آہیں بھر رہا ہے۔

"کیوں بھئی رامو یہ چارپائی کیوں سنبھال لی؟ ابھی تو صبح کھیت پر اچھے خاصے تھے!"

"ہاں صبح تو اچھا تھا۔ لیکن دوپہر کو سر چکرایا اور کھیت پر بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ رانی بیٹی کھانا لائی تو مجھے خاموش لیٹا ہوا پایا۔ اور پھر سر دبانے کے [illegible] دیکر وہ مجھے ہوش میں لائی۔ اسی وقت سے تمام جسم آگ کی طرح پھنک رہا ہے۔"

"کہتا نہ تھا میں کہ بھائی اتنی سخت محنت کرو گے بیمار پڑ جاؤ گے۔ رانی بیٹی کا بیاہ ہو ہی جائے گا تم میری کوششوں پر اعتماد رکھو فکر انسان کو کھا لیتی ہے۔ لیکن تم ــــ تم میری سنتے ہی نہیں۔ بھوت کی طرح کسی نہ کسی کام میں لگے رہتے ہو۔ وید کو بلایا یا نہیں؟"

"وید جی کو تو ابھی نہیں بلایا۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔ کیوں وید جی کو فیس دوں وہی روپیہ رانی کی شادی میں کام آئے گا۔..."

"......!"

"خوب، تم بھی خوب آدمی ہو! وید جی کو میں بلا کر لاتا ہوں فیس نہ دینا بس۔"

وید جی آئے اور انہوں نے اپنی فیس

سے لیکر ایک نسخہ لکھ دیا۔

تین چار دن میں رامو بھلا چنگا ہو گیا اور پھر اپنے کام کاج میں اسی طرح مشغول ہو گیا۔

اب کی فصلیں کٹ چکی تھیں اور رامو کا دل اپنے کھیتوں میں اناج کا ڈھیر دیکھ کر خوشی سے بلیوں اچھل رہا تھا۔ اب اس کی تمنائیں پوری ہوتی نظر آ رہی تھیں وہ ان کو بیچ کر اب اس قابل تھا کہ اپنی چہیتی بیٹی کو ایک ہزار روپیہ کا جہیز دے سکے۔ اس نے غنی کو رائی پور کے زمیندار کے پاس شادی کی بات چیت پکی کرنے کے لئے بھیجا تھا اور اس کا انتظار کر رہا تھا۔ شادی کی بات چیت پکی ہونے کی اُسے پوری امید تھی لیکن کبھی کبھی اس کے دل میں شکوک بھی پیدا ہونے لگتے تھے کہ کہیں لوگوں نے زمیندار کو بہکا نہ دیا ہو کہ تم ایک غریب کسان کے یہاں شادی نہ کرو۔ تمہارا لڑکا تعلیم یافتہ ہے اس لئے اس کو تعلیم یافتہ لڑکی چاہئے۔ رامو کی لڑکی خوبصورت ہے پر الف کے ... جانتی۔

لیکن پھر ایک سبب ... کہ میرا کوئی دشمن نہیں۔ مجھے سب پیار کرتے ہیں۔ اس لئے کوئی زمیندار کو شادی نہ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا۔ غرض اسی طرح کے متضاد خیالات اس کے دل میں پیدا ہو رہے تھے۔ یکایک اُسے کھیم کی طرف سڑک پر کچھ گرد اڑتی ہوئی نظر آئی۔ یہی سڑک رائی پور جاتی ہے۔ اس لئے اُسے غنی کے واپسی کا خیال پیدا ہوا۔ کچھ دیر بعد غنی اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا رامو کے دروازے پر آ کر ٹھہرا۔

رامو کچھ نہ بولا مگر اس کے چہرے سے یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ زمیندار کا جواب سننے کے لئے بہت بے چین ہے۔ غنی نے اس کے چہرے کو بھانپ کر کہا "گھبراؤ نہیں بھیا! میں سب کچھ طے کر آیا ہوں بلکہ شادی کی اچھی ساعت مقرر کر دی گئی ہے۔ دسویں کو برات آئے گی۔ ... زمیندار صاحب کے ایک رشتہ دار اپنی لڑکی کی شادی ان کے لڑکے سے کرنا چاہتے تھے لیکن چونکہ انہوں نے پہلے مجھ سے وعدہ کر لیا تھا اس لئے ان کو صاف جواب دے دیا۔ اب اس عرصہ میں تمہیں شادی کے تمام انتظامات کر دینا چاہئے۔ ہاں کچھ اناج بھی تو شہر میں بھیجنا ہے کیا سنتو کہہ رہا تھا اپنا اناج شہر نہیں لے جا رہا ہے نا؟"

رامو نے غمگین لہجے میں کہا "بھیا میں تو سنتا ہے کہ اس وقت شہر کی فضا خراب ہے۔ ہندو مسلم فسادات کی آگ بھڑک رہی ہے۔ ہندو اور مسلمان آج ایک دوسرے کا خون کر رہے ہیں۔ قصوروار اور بے قصور میں کوئی فرق نہیں رکھا جاتا ہے جو کوئی مخالف فرقہ کے شکنجہ میں آ جاتا ہے ختم کر دیا جاتا ہے۔ اس لئے وہ جب تک ملک میں ابتری پھیلی ہوئی ہے شہر جانے سے انکار کرتا ہے۔"

غنی نے رامو کو تسلی دیتے ہوئے کہا "تم فکر نہ کرو اگر کوئی بازار نہ جا رہا ہے تو میں خود بازار جاؤں گا۔ رانی بیٹی کا بیاہ اگر خدا نے چاہا تو وقت پر ہی ہو کر رہے گا۔"

"لیکن میں تو تمہیں آتشِ فساد کے میدان میں بھی نہ کودنے دوں گا" رامو نے کہا۔

"تم میری طرف سے مطمئن رہو میں پوری حفاظت سے جاؤں گا اور یوں بھی اب شہر کی حالت ٹھیک ہوتی جا رہی ہے۔ شہر میں میرا ایک دوست حامد رہتا ہے اس کے ذریعہ سب غلہ جلد بکوا دوں گا" غنی کے بہت اصرار پر رامو نے غنی کو شہر جانے کی اجازت دی۔

دوسرے دن بیل گاڑیوں میں اناج بھرا جا رہا تھا ادھر رامو کے گھر میں گاؤں کی عورتیں جمع ہو کر گانا گا رہی تھیں۔ ڈھولک کی پرلطف آواز تمام گاؤں کی فضا میں خوشی کی لہریں پیدا کر رہی تھی۔ غریب دیہاتیوں کے لئے یہی شادی بیاہ کے رسوم اور گانے وغیرہ تفریح اور دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں۔ شہر کے لوگ سینما، تھیٹر، سرکس وغیرہ میں روپیہ صرف کر کے تفریح حاصل کرتے ہیں لیکن دیہات کے باشندے شادی کی رسموں اور گیت وغیرہ سے کہیں زیادہ لطف اندوز ہوتے ہیں۔

غنی نے شہر پہونچ کر تمام غلہ فروخت کیا۔ اسے دن کے وقت شہر میں فسادات کے کوئی آثار نظر نہ آئے۔ ہندو اور مسلمان اسی طرح سڑکوں پر گذر رہے تھے جیسے اس سے پہلے کوئی حادثات ہوئے ہی نہیں۔ لیکن پولس کے آدمی وردی پہنے ادھر اُدھر گشت لگا رہے تھے۔ غنی نے دوپہر کا کھانا ایک دوکان پر کھایا اور پھر اپنے دوست حامد کے مکان کی طرف روانہ ہوا۔ حامد گھر پر موجود نہ تھا ... تھوڑی دیر بعد وہ حامد کے گھر پر تھا۔ اپنے دوست سے شہر کے تمام حالات سنکر اُسے تعجب ہو رہا تھا کہ انسان مذہب کے نام پر خون کیوں بہانے لگتے ہیں۔ وہ سوچتا تھا کہ کوئی مذہب دنیا میں ایسا نہیں ہے جو قتل و غارت گری کا سبق دیتا ہو۔ کو پھر لوگ مذہب کا نام لیکر ایک دوسرے کے گلے پر کیوں چھری چلاتے ہیں۔ یہ خیال کر کے کہ اتنے ہندو اور مسلمان جتنے بھی ہو سکتے ہیں اس کا دل کانپ اٹھتا تھا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر کہ شہر سے دور دراز کے گاؤں اس قسم کے سنگدل اور انسانیت کے نام پر دھبہ لگانے والے ... انسانوں سے خالی ہیں۔ اس کا چہرہ خوشی سے تمتما اٹھتا تھا۔ اُسے پوری امید تھی کہ انسانیت سوز حرکت کرنے والے ظالموں کا دل بھی کبھی موم ہو گا اور وہ بھی کبھی حیوانیت کا جامہ اتار پھینکیں گے۔

کئی گھنٹے تک دونوں دوستوں میں گفتگو ہوتی رہی۔ پھر غنی نے گھر واپس جانے کی اجازت چاہی۔ باتیں کرتے کافی دیر ہو گئی تھی آفتاب کی زرین شعاعیں قصرِ مغرب میں چھپ چکی تھیں اور کرۂ ارض پر تاریکی نے اپنا تسلط جما لیا تھا۔ حامد نے غنی کو اپنے گھر پر ٹھہرا رکھنا چاہا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کا دوست اس وقت تاریکی میں فساد زدہ شہر سے اپنے گھر واپس جائے۔ لیکن غنی کے بہت اصرار پر کہ اُسے شادی میں شرکت کرنی ہے اُسے الوداع کہا۔

وہ اپنی بیل گاڑی ہانکتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ شہر کی حد دور ہی وہ پار کرنا چاہتا تھا کہ اسے اپنے پیچھے شور و غل کی آواز سنائی دی اور کچھ لوگ مہلک ہتھیاروں سے مسلح ادھر اُدھر بھاگتے نظر آئے۔ کچھ لوگوں نے غنی کی گاڑی پر بھی حملہ کر دیا۔ غنی کچھ نہ ہی چاہتا تھا کہ چاروں طرف سے اس پر غنڈوں کی لاٹھیاں پڑنے لگیں۔ لیکن جلد ہی پیچھے سے پولیس کی لاریوں کی آواز سن کر ہندو دھرم کو بدنام کرنے والے یہ لامذہب فسادی تتر بتر ہو گئے۔ غنی خون میں لت پت بے ہوش پڑا تھا۔ لیکن بیل رات کی تاریکی میں بھی سڑک پر برابر چلے جا رہے تھے کئی گھنٹے کے بعد گاڑی غنی کے دروازے پر جا کر رکی۔ بیل اکثر شہر آتے جاتے رہتے تھے۔ اس لئے غنی کے گاڑی نہ چلانے کے باوجود اطمینان سے اپنے تھان پر ہی آ کر دم لیا۔ چشم زدن میں تمام گاؤں میں یہ خبر کہ غنی شہر میں زخمی کر دیا گیا پھیل گئی اور تمام گاؤں والے جہاں خوشی کے گیت گا رہے تھے۔ رنج و غم کی بدلیاں چھا گئیں۔ غنی سے گاؤں کے ہر فرد کو الفت تھی اسی لئے یہ دردناک خبر سن کر ہر شخص اداس تھا۔ رامو بھی گاڑی کی کھڑکھڑاہٹ سن کر دوڑتا ہوا آیا وہ غنی کو خون میں غلطاں دیکھ کر خود بھی بے ہوش ہو گیا۔ جب اُسے ہوش آیا تو غنی بھی ہوش میں آ چکا تھا اور بھرے بھرے کچھ بولنا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کی زبان سے آواز نکلی "بھیا ... رامو بھیا میں روپیہ لے آیا ہوں رانی بیٹی کا بیاہ کر دینا" رامو کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ رانی نے کہا "بابو، پہلے چچا کا علاج کرائیے؟ مجھ سے ان کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی۔ مذہب کو بدنام کرنے والے وحشیوں نے ان کی کیا حالت کر دی ہے؟"

رامو نے کہا "ہاں بیٹی میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا تمہاری شادی سے کہیں ان کی زندگی زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔"

غرض شہر سے ایک ہوشیار سرجن بلایا گیا اس نے غنی کی حالت دیکھی اور سہارا دے کر اپنی موٹر میں لکھنؤ میڈیکل ہاسپٹل میں لے گیا۔ وہ دس دن تک وہاں اس کے زیر علاج رہا۔ اس عرصہ میں رامو کے چار سو روپیہ خرچ ہو گئے تھے۔ جن کو اس نے کئی سال میں رات دن محنت کر کے پس انداز کیا تھا اور جو اسے اپنی زندگی سے زیادہ عزیز تھے۔ کیونکہ رانی کی شادی کا انحصار ان روپیوں پر تھا۔ اس وقت بعد غنی بالکل ٹھیک ہو گیا اور ... اپنے گاؤں آ کر چھوڑ گیا۔ رائی پور کے زمیندار کو بھی غنی کے زخمی ہونے اور اس کے علاج میں ... رامو اس سال اپنی لڑکی کی شادی کرنے کا خیال ترک کر چکا تھا۔ اور اس کے گھر میں گانا بجانا بند کر دیا گیا تھا۔ کچھ دن بعد ... آ گئی رامو اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھا حقہ پی رہا تھا۔ لیکن اس کے دماغ میں مختلف خیالات چکر کاٹ رہے تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر غنی پر یہ ناگہانی مصیبت نہ آتی تو آج میرا گھر عورتوں سے بھرا ہوتا۔ اور ... شادی کے گیت گائے جا رہے ہوتے۔ دروازہ میں ہزاروں برادری کے لوگ جمع ہو کر میری خوشی میں برابر کا حصہ لے رہے ہوتے ...

وہ ان خیالات میں غرق تھا کہ گاؤں کا ... ڈھول بجنے اور آتش بازی چھوٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔ تھوڑی دیر میں گاؤں کے لوگ ... قریب آ کر اسے یقین دلانے لگے کہ رائی پور سے برات آ گئی ہے۔ چشم زدن میں پھر گاؤں کے ہر گوشے میں خوشی کی لہریں دوڑ گئیں۔ عورتوں کے گانے اور ڈھول کی پرلطف آوازیں پھر سنائی دینے لگیں۔ زمیندار نے ایک ہزار روپیہ جہیز کی منظوری شادی کی تھی غنی اور رامو نے مل کر بہت جلد برات کے

نمبر (۳)

کایا پلٹ

(از: قمر احمد)

نصیرن (آنکھوں میں آنسو بھر کر) میرے سرتاج آپ کو کیا کہہ رہے ہیں کیا یہ روپیہ رقم ناجائز ہے جو آپ لوگ [illegible] کرنے والوں سرکار کے خلاف وصول کرتے ہیں اگر حکومت کو معلوم ہو جائے۔

نصیر: میری بیگم حاکم کو علم ہے کہ ان کے ماتحت اگر ایسا معاملہ نہ لیں تو وہ جو ان افسران کی دعوت۔ ڈالی اور فرمائشوں پر خرچ کرتے ہیں کہاں سے آئے گا۔

نصیرن: تو کیا ہر افسر اور حاکم دعوت ڈالی یا نذرانہ لازماً دینا چاہتی ہے۔

نصیر (مسکراتے ہوئے) البتہ بالادست افسروں اور حاکموں کو راضی رکھنے کے لیے حرام حلال سب کرنا ہوتا ہے۔

نصیرن اب رو رہی تھی۔

نصیر: بیگم تم روتی کیوں ہو

نصیرن: (سسکیاں لیتے ہوئے) کیوں نہ روؤں آپ کو اپنے دنیا کے حاکموں کی خوشنودی کا اتنا خیال ہے اور ایک میں گنہگار بندی خوشنودی کے لیے کچھ نہیں کر پاتی (نصیرن پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ نصیر اس گفتگو سے متاثر تھا اس کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد نصیر نے آہستگی سے پوچھا کہ اس روپیہ کو میں کیا کروں۔

نصیرن: (گڑگڑا کر) جس سے لیا ہے اسے واپس کر دیجئے۔

نصیر: مگر اب اس کا پتہ ملنا مشکل ہے [illegible] بہتر ہو اگر اس رقم کو پٹنا نامی ایک پرانی طوائف کو جس کا اب حرام یا حلال کوئی ذریعہ معاش نہ تھا [illegible] دال کی دکان کھلوا دی جائے اور نصیر آئندہ کے لیے اس بات سے بری ہوگا۔

نصیر کے وطن میں:-

وطن آکر وہ چار دن تو نصیرن اور بڑی بی اجنبی سی رہیں مگر جلد ہی انھوں نے اپنی [illegible] خوش خلقی اور حسن انتظام کی بدولت سب کے دلوں میں جگہ بنالی۔ سب سے زیادہ دشوار اور اہم مرحلہ میاں نصیر کے چچا حاجی صاحب کو رام کرنا تھا جو خود بھی اپنے وقت میں ایک کامیاب وکیل رہ چکے تھے مگر اپنی نیک نفسی اور شرافت نفس کے لیے شہرہ آفاق تھے۔ سارے طوائف کے نام سے انھیں چڑ تھی۔ دوران نصیرن کے آنے کے بعد وہ زنانخانے میں نہ آئے تھے مگر اب تک ایک دن کسی کام سے آنا ہوا۔ اتفاق سے اس وقت بڑی بی نصیرن اور رابعہ خاتون ایک ہی دالان میں ظہر کی نماز ادا کر رہی تھیں۔ حاجی صاحب نے ان تینوں کو نماز پڑھتے جو دیکھا تو خیالات بدل گئے اور حالات کی جانچ پڑتال کرنے لگے۔ حاجی صاحب خود تو نمازی تھے مگر اس وقت خاندان نصیر، رابعہ خاتون نصیرن اور بڑی بی کے سوا دوسرے پابند نماز نہ تھے۔ انھیں دیکھ کر حاجی صاحب کی رگ حمیت جوش میں آئی اور ایک دن گھر کی سب عورتوں کو لکچر دے ڈالا۔ اور بہت نصیحت دی۔ مگر بگڑی عادتیں کہیں ڈانٹ سے سدھرتی ہیں۔ آخر بڑی بی کی حکمت عمل کام آئی ایک دن باتوں باتوں میں بڑی بی نے میاں نصیر کی والدہ یعنی بیگم صاحب سے کہا کہ صبح کو آجکل ٹھنڈ پڑتی ہے۔ صبح کی نماز میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے میں آپ کو تکلیف ہوگی۔ میں نے آج گلابو (خادمہ) سے تاکید کر دی ہے کہ ایک دیگ میں کھانا پک جانے کے بعد چولھے پر رکھ دیا کرے۔ اس طرح آپ کو صبح کے وقت تکلیف نہ ہوگی۔ بیگم صاحب نے شرما کر گردن جھکا لی مگر دوسرے دن بہت سویرے گلابو نے بیگم صاحب (غالباً بڑی بی کے اشارے سے) پاؤں دبا کر بیدار کیا اور گرم پانی موجود ہونے کی خبر دی۔ بیگم صاحب شرما شرمی میں اٹھ کھڑی ہوئیں اور مدتوں کے بعد علی الصبح اٹھنے اور نماز فجر ادا کرنے کی نوبت آئی۔ اسی طرح محض دو تین دن کی کوشش میں سارا کنبہ نمازی ہو گیا اور شادی بیاہ کی تاریخ کے دن تو یہ سارا گھر اچھا خاصہ خانقاہ بن گیا تھا۔

اب سارا خاندان بڑی بی اور ان کی بیٹی نصیرن کا معتقد تھا اور ان کا حسن انتظام دیکھ کر شادی بیاہ کا سارا انتظام ان کے سپرد کیا گیا اور سچ تو یہ ہے کہ ان ماں بیٹی نے ایسا اچھا انتظام کیا کہ سارے گاؤں میں ان کی دھوم مچ گئی۔ پھر لطف یہ کہ ان دونوں نے خود اپنے ذمہ کام نہ رکھا تھا بلکہ بڑی بی نے تقسیم کار کی ایسی صورت نکالی تھی کہ [illegible] خواتین کو مختلف کام سپرد کر کے طریقہ کار بتا دیا تھا خود ماں بیٹی کام کی نگراں تھیں جس سے ہر کام میں خوش سلیقگی، صفائی اور نفاست کو دخل تھا۔ کیا مجال جو کسی مہمان کو کوئی شکایت ہو اور انھیں اپنی زبان سے کچھ مانگنا پڑے ہر چیز وقت بے طلب موجود ہر خواہش بلا مانگے پوری۔ شادی بیاہ کے رسم و رواج میں بھی ان کے مشورہ سے بہت سی اصلاحیں ہوئیں جن میں دو باتیں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں ایک تو یہ کہ اس خاندان کی تاریخ میں پہلی بار ہندو شرفا کی عورتوں کو شادی کے موقع پر مدعو کیا گیا اور برہمن اور کہاریوں کے ذریعہ سے ان کا پان [illegible] شربت اور ناشتہ سے تواضع کی گئی اور دوسرے رسم میں انھیں اس طرح پیش پیش رکھا گیا کہ انھیں محسوس ہی نہیں ہوا کہ وہ کسی مسلمان گھرانے کی تقریب میں شریک ہیں۔ دوسری بات قابل ذکر یہ ہوئی کہ اب تک اس خاندان میں یہ دستور تھا کہ نکاح کے بعد نوشہ زنانخانے میں آتا اور خاندان کی عورتیں مجمع ہو کر [illegible] نوشہ کے [illegible] ادا ہوتی جسے سلامی کی رسم کہتے ہیں۔ نصیرن کی صلاح سے یہ طے پایا کہ اس رسم کو موقوف کر دیا جائے۔ چنانچہ زنانخانے میں آنے سے پہلے جن جن خواتین کو سلامی کا روپیہ دینا تھا وہ سب الگ جا کر [illegible] ریشمی رومال میں لپٹ کر نوشہ جب [illegible] گھر کی کسی بڑی بوڑھی نے اپنی دعاؤں کے ساتھ نوشہ کے سپرد کر دیا۔ غرض کہ ماں بیٹی کے حسن انتظام سے یہ شادی بیحد کامیاب ہوئی اور عرصہ تک گاؤں میں اس کا تذکرہ ہوتا رہا۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۱۱)

ذمہ دار حکومت عوام کا سب سے مقدم مطالبہ ہے۔ انھی ایام میں ریاست نے پاکستان کے ساتھ عارضی سمجھوتہ کر لیا۔

انڈین یونین نے شیخ عبداللہ کی تائید کی لیکن مسٹر محمد علی جناح ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ والیان ریاست کو اپنی پسند کی کسی ملکت سے الحاق کرنے کا حق والیٔ ریاست کو ہے نہ کہ عوام کو۔ دوستانہ طور پر گفت و شنید کرنے کے لئے شیخ عبداللہ کے ایک رفیق کار غلام محمد صادق لاہور گئے۔ وہ پاکستان کے مسلم لیگی لیڈروں کو قائل کرنے کے لئے گئے تھے کہ کشمیری عوام کا مطالبہ مبنی برانصاف ہے۔ خود شیخ عبداللہ نے بھی مسلم لیگی لیڈروں سے ملاقات کی جو اس وقت سری نگر میں موجود تھے۔ شیخ عبداللہ نے ایک بار پھر مسٹر صادق کو مصالحت پر گفتگو کرنے کے لئے لاہور بھیجا۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مظفر آباد پر حملہ ہو گیا۔

پاکستان سے عارضی سمجھوتہ ہونے کے باوجود پٹرول، نمک، شکر اور کپڑے وغیرہ کی جو رسد مغربی پنجاب ہو کر آتی تھی اُسے روک دیا گیا۔ یہاں تک کہ ڈومیل کے مقام پر جو جنگی دھوپ کی جلال تھی ... سے گھٹ کر صرف چند سو روپیہ رہ گئی۔

صدر کی حیثیت سے کل ہند ریاستی عوام کانفرنس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لینے کے لئے شیخ عبداللہ دہلی گئے۔ انھوں نے پنڈت نہرو سے کشمیر کے الحاق اور کشمیر کے دوسرے متعلقہ مسائل کے متعلق گفتگو کی۔ دہلی کے دوران قیام میں انھوں نے ایک صحافتی کانفرنس میں کہا "ہم نہ ادھر فیصلہ کر سکتے ہیں نہ ادھر۔ ہمیں ابھی کسی بڑے مسئلہ کا فیصلہ کرنے کی آزادی حاصل نہیں ہے ہمارا فوری مطالبہ یہ ہے کہ ریاست میں عوام کو مکمل حکومت خود اختیاری حاصل ہو۔ جب ریاست میں عوام کو مکمل حکومت خود اختیاری حاصل ہو جب ریاست میں اصلاحات نافذ کر دی جائیں۔ گی تب کہیں عوام کو الحاق کا مسئلہ طے کرنے کا موقع ملے گا۔

شیخ عبداللہ کی رہائی سے پہلے ہی پونچھ میں غیر فوجی قسم کی بدامنی شروع ہو گئی تھی ریاستی حکام نے فوراً ہی وہاں فوج روانہ کر دی اور کہا جاتا ہے کہ فوج نے ضرورت سے زیادہ جبر سے کام لیا۔

کشمیر پر حملہ ہونے سے چند ہی روز پہلے ایک ... سابق ... مسٹر مہر چند مہاجن کشمیر ...

کے وزیر اعظم ہوئے تھے۔ مہاراجہ چاہتے تھے کہ مہاجن شیخ عبداللہ کو اقتدارات میں حصہ دار بنائیں۔ لیکن شیخ صاحب کو یہ تقرر مناسب نہیں تھا کیونکہ ... سے واقف تھے ... کی وجہ سے ... سے الگ ... تھے۔

ما قصۂ دارا و سکندر نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

ایران میں جب کبھی کسی محفل یا مجلس میں رستم یا جنگ کا چرچا چھڑ جاتا ہے تو اکثر وہاں کے لوگ اس شعر میں اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں یہ شعر ایران کے نامی شاعر حافظ شیرازی کا فرمایا ہوا ہے جس کا یہ ترجمہ ہے۔

"ہم نے دارا اور سکندر کی جنگ کی داستان کا مطالعہ نہیں کیا ہے۔ ہم سے دوستی اور محبت اور وفاداری کے سوا اور کچھ دریافت نہ کریں۔"

اس شعر سے ایران کے باشندگان کے بلند خیالی اور مفاہیمات کا صحیح اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ کہ کس قدر وہ لوگ دوستی اور وفاداری کے میدان میں سب سے آگے سبقت لے گئے ہیں۔ کیونکہ ایرانی لوگوں کا اصلی مدعا اس عالم میں محبت۔ دوستی۔ اور وفاداری پر مبنی ہے۔ اس لئے وہ لوگ ہمیشہ ہی جنگ و جدل سے نفرت کرتے ہیں۔ ان اوصاف حمیدہ کے علاوہ ایرانی لوگ نہایت خوش اخلاق، امن پسند، شریف اور بردبار ہیں۔ خاص کر حلیمی اور مہمان نوازی تو ان کے وجود میں بھری ہوئی ہے۔ ایرانی لوگ اپنے وطن میں ہر ایک خارجی اور خاص کر ہندوستانیوں کی طرح سے امداد کرتے ہیں۔ اور ہندوستانیوں کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

ان واقعات کو مدنظر رکھتے ہوئے میں اپنے ہندوستانی بھائیوں سے تقاضا کرتا ہوں کہ وہ تمام ایرانیوں کو جو کہ ہمارے ملک میں رہائش رکھتے ہیں۔ اپنے عزیز مہمان تصور کرتے ہوئے۔ ان کی امداد اور مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں تاکہ ان افعال و اعمال سے ہندوستان اور ایران کے تعلقات دن بدن زیادہ گہرے اور خوشگوار ہوتے جاویں۔

ہربنس سنگھ سمبولوی
کالکا بازار بمبئی ۹

قیمت ۲ آنہ

جلد ۲۱ — بمبئی یکشنبہ ۳ اکتوبر ۱۹۴۸ عیسوی — نمبر ۳۸

VOL. XXI — BOMBAY, SUNDAY 3RD OCTOBER, 1948 — No. 38

حیدر آباد کے لیڈر اور پنڈت نہرو
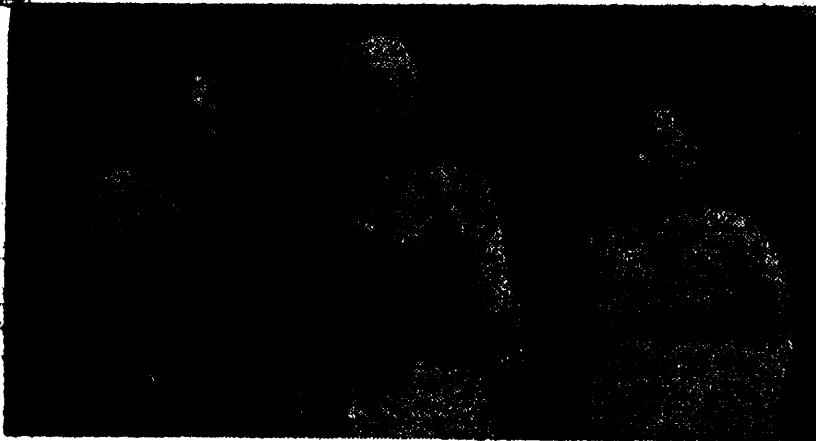
حیدر آباد میں قومی تحریک جاری رکھنے والے لیڈر سوامی رامانند تیرتھ اور شری رامچندر راؤ نے پنڈت نہرو سے حال ہی میں دھلی میں ملاقات کی۔

رضاکاروں کے مظالم کی داستان

نالگنڈہ ضلع میں متعینہ ہندوستانی فوجی افسر رضاکاروں کے مظالم عوام کی زبانی سن رہا ہے ۔

حیدرآباد کی مشہور عمارت " چار مینار "
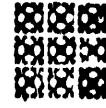
حیدر آباد کے منتظمین کا اجتماع

حیدر آباد کا نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے حکومت ہند کے مقرر کردہ حکام کا ایک جلسہ بولا رام میں ہوا ۔ تصویر میں بائیں جانب سے نیل کنٹھ رائے برج ۔ جنرل راجندر سنگھ ۔ مسٹر ایچ ایم پٹیل مسٹر وی ۔ وی ۔ مینن ۔ میجر جنرل چودھری مسٹر پیٹرو مسٹر شاوکس لال ۔ مسٹر بکھلے اور مسٹر پردھان دکھائی دے رہے ہیں

سوریہ پیٹھ (حیدر آباد) میں ہندوستانی فوج کا داخلہ

غازی پور کی تباہی!

(از قمر احمد)

اب تو اس کوچہ میں اے بادِ سحر خاک نہیں

یوں تو گنگا جمنا نے اس سال سارے یوپی کے دوآبہ میں ایک قیامت کی آفت مچا رکھی ہے اور گاؤں کے گاؤں برباد ہوگئے ہیں مگر بدقسمت غازی پور اپنی تباہی میں آپ اپنی مثال ہے۔ زیادہ افسوس تو اس کا ہے کہ غازی پور والوں کے پاس ایسے ذرائع بھی نہیں ہیں جن سے دنیا کو ان کی تباہی کا علم ہو۔ آج بہار، اناؤ، الہ آباد، بنارس حتیٰ کہ بلیا تک کی تباہی سے واقف ہے مگر غازی پور والوں کی تباہی کی داستان اخباروں تک نہیں پہونچی۔ اور غازی پور کے جو نمائندے اسمبلی اور کونسلوں میں ہیں وہ بھی ایسے نہیں ہیں جو اپنے ضلع کی تباہی کی داستان پبلک اور حکومت تک پہونچا سکیں۔

حقیقت یہ ہے کہ غازی پور کی تباہی کی ذمہ داری بہت بڑی حد تک اس کے نا اہل اور مقامی حکام پر ہے۔ جس کی کہانی آج کوئی نئی نہیں ہے بلکہ جب سے انگریزی دور شروع ہوا اسی وقت سے یہ شہر حکومت کی بے پروائی کا شکار رہا ہے۔ صوبہ کی حکومت نے گورکھپور، الہ آباد، میرٹھ، آگرہ، اور دوسرے بڑے اضلاع کے سامنے جہاں بڑے بڑے امراء اور تعلقہ دار آباد ہیں۔ اس غریب ضلع کی ترقی دور اور بہتری کی پرواہ تک نہیں رہی یہی وجہ ہے کہ سارے صوبہ میں شہروں اور پختہ سڑکوں کے جال بچھے ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے کارخانے قایم ہیں۔ چھوٹے چھوٹے دیہات بجلیوں سے جگمگا رہے ہیں۔ مگر غازی پور ان سب سے خالی ہے۔ لے دیکر ضلع بھر میں صرف دو چیزیں مشہور ہیں ایک افیون کا کارخانہ جس کی خواب آور خاصیتیں سارے شہر بلکہ ضلع میں جمود اور غفلت کا باعث بنی ہوئی ہیں دوسرے لارڈ کارنوالس کا مقبرہ یہ ہندوستان کے دوسرے گورنر جنرل ہیں جو انگریزوں کی طرف سے امریکی جنگ آزادی میں کافی ذلیل ہو کر اور بالآخر امریکہ کو کھو کر پہ انگلستان گئے اور وہاں سے دوبارہ ہندوستان کے گورنر جنرل بنا کر ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے بھیجے گئے اور دوسری دفعہ تو ایسے آئے کہ ۱۸۰۵ء میں مر گئے اور یہیں غازی پور میں دفن ہو کر اس امر کا مستقل ثبوت دے گئے کہ غازی پور میں پہونچکر ہر چیز کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

سر شوریدہ بر بالیں آسایش رسید اینجا

تحریک کا خاتمہ اس لئے کہا گیا کہ اسی لارڈ کارنوالس نے بنگال اور بہار بندوبست استمراری قایم کیا تھا اور جب یو پی میں قدم اٹھانا ضروری ہوا ضلع غازی پور میں آکر اپنی تحریک بندوبست استمراری کو بھی ختم کرگیا۔

بادی النظر میں یہ خیال ہوگا کہ سیلاب کی تباہی اور حکام کی غفلت کو ایک دوسرے سے کیا نسبت ہے اس کے لئے شہر غازی پور کی جغرافیائی اور شہری حالت جاننا ضروری ہے۔

شہر غازی پور دریائے گنگا کے بائیں کنارے پر بنارس سے پچاس میل کے فاصلہ پر جانب پورب واقع ہے ایک زمانہ میں یہ چھوٹا سا شہر نہایت حسین تھا۔ دریا کے کنارے پر بنے ہوئے گھاٹ، مندر اور مسجد اس کی ظاہری زیبائی کو چار چاند لگاتے تھے۔ ساتھ ہی یہ تجارتی اور صنعتی شہر تھا یہاں کی لاک کی چوڑیاں سارے ملک میں مشہور ہیں یہاں کا گلاب، عطر گلاب، مشہور گلاب دنیا میں اپنا نمونہ نہ رکھتے تھے۔ ساتھ ہی یہ تجارت کی بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں جہاں تجارتی مال کلکتہ سے کشتیوں اور اسٹیمروں پر آتا تھا اور فیض آباد، اعظم گڑھ وغیرہ کو اونٹ گاڑی یا کشتی سے جاتا تھا مسلمان صوبہ داروں نے اپنے عہد میں یہ انتظام کیا تھا کہ سڑکوں کے نیچے گندے پانی کے نکاس کے لئے نہریں بنی تھیں جن کا پانی دریا میں نکل جاتا تھا صدر یا کہ سیلاب کے پانی کے نکاس کی یہ صورت تھی کہ شہر کے پورب حصہ میں ایک خام نالہ دریا سے ملتا تھا یوں تو دریا جب کناروں سے نیچے ہوتا تو اس نالہ سے شہر کا گندہ پانی دریا میں جاتا اور جب دریا میں باڑھ آتی تو اسی نالہ سے دریا کا فاضل پانی مختلف نالوں کی گذرگاہوں اور پوکھروں کو بھرتا ہوا دور دور تک دیہات میں پہونچکر خلق خدا کو فائدہ پہونچاتا اور آبپاشی کا ذریعہ بن جاتا۔ اب وہ زمانہ آیا جبکہ ریلوے لائن نکلی۔ چنانچہ ایسٹ انڈین ریلوے کا ایک اسٹیشن شہر کے مقابل داہنے کنارے پر تاڑی گھاٹ میں قایم ہوا اور وہاں سے اتر کر کشتی اور اسٹیمر کے ذریعہ سے شہر میں آتے تھے۔ اہل شہر کی متعدد کوششوں کے باوجود حکومت کو اس کی توفیق نہ ہوئی کہ وہ ریلوے کمپنی کو جو بعد کو سرکاری ملک ہوگئی اس کی ...

ہدایت کرتی ....

کہ وہ اس لائن کو بڑھا کر اور گنگا پر پل بنا کر ضلع کے بائیں حصہ میں لاتی۔ بلکہ ہوا یہ کہ انگریزی حکومت نے ایک دوسری لائن کو گنگا کے بائیں کنارے سے بنگال ریلوے کی لائن بنانے کی اجازت دیدی۔ اور پل بنوانا گوارا نہ کیا۔ یہ ریلوے لائن اب او ٹی ریلوے کے نام سے موسوم ہے۔ یہ لائن ۱۸۹۰ء میں نکلی اس کا نتیجہ نکلنا تھا کہ ایک طرف شہر کی تجارتی منڈی ختم ہوگئی اور دوسری طرف ریلوے لائن میں جانے سے دریا کے دافع پانی کا راستہ بنانے کے ذریعہ سے پانی کو دیہاتوں تک پہونچاتا تھا وہ بند ہوگیا جس کے باعث جب دریا طغیانی پر آتا ہے اور سیلاب ہوتا ہے تو نالہ کے ذریعہ سے پانی شہر کے شمالی مشرقی علاقہ میں پھیل جاتا ہے اور اسی کے ساتھ گنگا کے داہنا کنارہ کی طرف یعنی جانب جنوب پھیل جاتا ہے اور دیہاتوں میں تباہی برپا ہوتی ہے یوں تو ہر سال یہ تباہی رونما ہوتی ہے لیکن ۱۹۱۶ء میں دریائے جمنا کی باڑھ میں یہ شہر بہت برباد ہوا۔ اس سال تو جمنا اور گنگا دونوں میں باڑھ آئی ہے۔ غازی پور میں کسی زمانہ میں نواب فضل علی خان نے جب اپنا چہل ستون نامی محل بنایا تو اسی کے پاس دریا میں ایک پشتہ بنوا کر اس پر شہر کے دو بڑے بنوائے اور تمام طور پر مشہور ہے کہ جس وقت یہ ٹوٹ جائیں گے شہر تباہ ہو جائیگا۔ ۱۹۱۶ء میں یہ ٹوٹ گئے کون تک پانی تھا مگر اس سال تو ٹوٹوں کے اوپر دو فٹ اونچا پانی ہے جس سے شہر کے کچے مکانات بیٹھ گئے اور تقریباً سارا شہر تباہ ہوگیا اب بھی اگر حکومت عقل سے کام لے اور غریبوں کا بھی خیال ہے اور ریلوے لائن کو ہدایت کردے کہ وہ گنگا پر پل بنا کر دونوں کناروں کو ملا دے تو اس طرح چھوٹے علاقوں کی تباہی ختم ہو جائے گی ساتھ ہی نالہ سے شمالی علاقہ نہر پانی دیہات میں نکل جائیگا مگر راستہ بھی صاف ہونا چاہیئے

ورنگل میں امن و امان

سکندرآباد یکم اکتوبر۔ ایسوسی ایٹیڈ پریس آف انڈیا نے خبرنامہ بھیجا ہے کہ ورنگل اور ورنگل کے اطراف (حیدرآباد کا تیسرا بڑا شہر) ہندوستانی فوجوں کے بحالی امن کے لئے اقدامات پُرامن طور پر باقاعدہ جاری ہیں۔ ورنگل مونگ پھلی کا بہت اہم مرکز ہے

شہر تیزی سے معمول پر آرہا ہے اور اس علاقہ میں ہندوستانی سپہ سالار کرنل گجندر سنگھ نظام کی حکومت کے تمام افسران اور ملازمین سے درخواست کی ہے کہ وہ آج سے معمول کی طرح دفتروں میں کام کرنا شروع کردیں۔ اسلحہ کا زبردست ذخیرہ پکڑا گیا اور بدنام رضاکار رہنما گرفتار کرلئے گئے ہیں۔ ان میں ایک وہ شخص بھی شامل ہیں جو دو سال سال مفرور تھا اور جس پر قلعہ ورنگل سے دھرد کے ... کا الزام ہے۔ لیکن ظاہراً اس کے خلاف اس لئے اقدام نہیں کیا گیا تھا کہ وہ رضاکار ہے

ورنگل میں ہندوستانی فوجوں کو آبادی کے تمام طبقوں کا تعاون حاصل ہے اور ریاستی کانگریس کے لیڈران کانگریس والنٹیرز کے گروہوں کو لے کر مختلف علاقوں کا دورہ کر رہے ہیں۔ خاص طور پر مسلم علاقوں کا۔ تاکہ مسلمانوں میں اعتماد پیدا ہو جائے اور انہیں برقراری امن کا یقین دلا دیا جائے۔

ورنگل سے ۳۸ میل جنوب مشرق میں محبوب آباد میں اسلحہ پر قبضہ کرنے کے لئے کئی تلاشیاں لی گئیں اور رضاکاروں کی ایک بڑی تعداد کو جس میں ان کا سپہ سالار راجہ محمد خاں شامل ہے گرفتار کرلیا گیا۔

برطانوی بچوں کی تعلیم کا نیا تجربہ

برطانیہ نہ صرف اپنی معاشی بحالی کے لئے کوشش کر رہا ہے بلکہ دوسرے تعمیری کاموں میں بھی سرگرمی سے مصروف ہے۔ دوران جنگ میں بچوں کی تعلیم کو بہت نقصان پہنچا تھا اب اس نقصان کو پورا کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جا رہی ہے۔ نئے نئے ٹریننگ کالج کھولے جا رہے ہیں اور زیادہ سے زیادہ استاد اور استانیوں کو تربیت دی جا رہی ہے۔ تعلیم دینے کے طریقوں میں نئے نئے تجربے کئے جا رہے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں لڑکوں اور لڑکیوں اور لڑکوں کی یکجائی تعلیم کے متعلق ایک تجربہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

موسم سرما کے سیشن میں بچوں کو تعلیم دینے کے متعلق ایک نیا تجربہ ہو رہا ہے۔ ... [illegible] کی اجازت سے بالکل نئی طرز کے تین اسکول کھولے جا رہے ہیں۔ ماہرین تعلیم اس اسکیم کا غور سے مطالعہ کر رہے ہیں۔ اور وزارت تعلیم نے ان کو اس تجربہ کے متعلق اپنی رپورٹ .. دینے کے لئے کہا ہے۔

۱۱ سال سے ۱۶ سال کے درمیان لڑکوں اور لڑکیوں کو ان اسکولوں میں داخل کیا جائے گا۔ اس سے پہلے ۱۱ سال کی عمر کے بعد ان کو علیحدہ علیحدہ تعلیم دی جاتی تھی۔ ان اسکولوں میں داخلہ کے وقت کوئی امتحان نہیں لیا جائیگا برطانیہ کے دوسرے سیکنڈری اسکولوں میں طلباء کو داخل ہوتے وقت امتحان دینا پڑتا تھا۔ ان اسکولوں میں اس طریقہ کو ترک کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ ایک سرکاری ترجمان نے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

"ہو سکتا ہے کہ گیارہ سال کی عمر میں ایک بچہ امتحان دینے کا رجحان نہ رکھتا ہو اور وہ امتحان دینے کا رجحان نہ رکھتا ہو۔ اور وہ امتحان میں بری طرح فیل ہو جائے۔ امتحان میں یہ ناکامی اس کے تمام مستقبل کو تباہ کر سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس ناکامی سے نہ صرف گرامر اسکول اور یونیورسٹی کی تعلیم سے محروم ہو جائے بلکہ وہ اپنا اعتماد بھی کھو بیٹھے۔"

ہر جماعت میں طلباء کی تعداد ۳۰ اور ۳۵ کے درمیان ہوگی۔ ان کو بعض دفعہ آدمی پڑھائیں گے اور بعض دفعہ عورتیں۔ لڑکے اور لڑکیاں ساتھ ساتھ بیٹھ سکتے ہیں لیکن یہ سب کچھ استاد اور استانیوں پر منحصر ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ ان کو علیحدہ علیحدہ بٹھایا جائے۔

[illegible] آجکل گرامر، ٹیکنیکل اور ماڈرن اسکولوں میں دی جاتی ہے۔ نصاب تعلیم میں ان تینوں قسم کے اسکولوں کی اسکیم کو شامل کیا جائے گا۔ جماعت کے باہر لڑکے اور لڑکیاں اکٹھے کھیلا کریں گے۔ تعلیم کا سب سے بڑا اصول یہ ہوگا کہ بچوں کو ان کے قدرتی رجحان کے مطابق تعلیم دی جائے استاد طلباء کے قدرتی شوق کو پورا کرنے کے لئے ہر طرح کی حوصلہ افزائی کریں گے۔

استاد بچوں کو "گھر کا کام" بھی دیں گے۔ مگر اس کام کا مقصد طلباء کو صرف امتحان میں کامیابی کے لئے تیار رہنا نہیں۔ اس کا مقصد بچوں کو یہ سکھانا ہے کہ وہ خود کام کرنے کی عادت ڈالیں اور اپنے آپ میں ڈسپلن پیدا کریں۔

ہر اسکول میں ۱۲۵۰ بچے ہوں گے۔ اگر اس تجربہ میں کامیابی ہوئی تو لندن کاؤنٹی کونسل سو (۱۰۰) ایسے اسکول کھولے گی۔

ان اسکولوں کے ہیڈ ماسٹر خاص خاص آدمی چنے گئے ہیں۔ یہ سب وسیع نظر اور غیر معمولی سوجھ بوجھ کے مالک ہیں۔

اس وقت برطانیہ میں قبل از جنگ کی تعداد سے ۹ ہزار زیادہ بچے اسکولوں میں پڑھ رہے ہیں۔ اسکولوں میں

برطانوی بچوں کی صحت میں ترقی

ہر قوم کے بچے اس کی ایک بے بہا دولت ہوتے ہیں آج کا بچہ کل کا شہری ہوگا حکومت برطانیہ نے اس حقیقت کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران میں جب برطانیہ مشکلات میں پھنسا ہوا تھا اس نے اپنے بچوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہر ممکن کوشش کی غذا کی قلت کے باوجود بچوں کو جہاں تک ممکن ہو سکا۔ بہترین غذا بہم پہنچائی گئی۔ راشن بندی کے باوجود بچوں نے بچوں اور ان کی ماؤں کو غذا کی خاص سہولتیں دی گئیں۔ ہونے والی ماؤں کی صحت کا بھی خاص خیال رکھا گیا۔ ان تدابیر کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ آج برطانوی بچوں کی صحت کا معیار بہت اونچا ہے۔

گذشتہ سال میڈیکل ریسرچ نے لندن کے پندرہ سو بچوں کے دانتوں کا معائنہ کیا ان بچوں کی عمر ۵ اور ۶ سال کے درمیان تھی اس سے پہلے بھی اس عمر کے بچوں کے دانتوں کا طبی معائنہ کیا گیا تھا اس معائنہ سے ظاہر ہے کہ گذشتہ دو سال سے بچوں کے دانتوں کی حالت بہت اچھی ہے۔

۱۹۲۹ء میں دیکھا گیا تھا کہ صرف چار فی صدی بچے ایسے تھے جن کے دانتوں کو کیڑا نہیں لگا ہوا تھا۔ ۱۹۴۳ء میں ایسے بچوں کی تعداد ۴۲ فیصدی تھی اور ۱۹۴۵ء میں ۲۸ فیصدی گذشتہ سال ایسے بچوں کی تعداد ۳۷ فیصدی تھی گذشتہ دو سال سے بچوں کے دانتوں کی عام حالت میں بہت فرق پڑ گیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جنگ کے دوران میں حکومت نے بچوں کی صحت کو بہتر بنانے کے لئے نہایت موزوں اقدامات کئے تھے۔ بچوں اور ان کی ماؤں کو ماہرین کے مشورہ سے ایسی غذا دی گئی تھی جس میں کیلسیم اور وٹامن اے اور ڈی کی بہتات تھی۔ بچوں کو دودھ اور انڈوں کا علیحدہ راشن دیا جاتا تھا۔

ماہرین کی رپورٹ سے یہ بھی ظاہر ہے کہ بچوں کی صحت کے علاوہ برطانیہ کی دوسری آبادی کی صحت کا معیار بھی پہلے سے بہت اچھا ہے۔ دوران جنگ میں اشیاء خوردنی کی قیمتیں بہت بڑھ گئی تھیں گو حکومت نے کھانے کی ضروری اشیاء کی قیمتوں کو سرکاری امداد دے کر کم رکھا تاکہ برطانیہ کا ہر فرد ان کو آسانی سے حاصل کر سکے۔

برطانیہ کی نئی ہیلتھ اسکیم کے تحت لوگوں کو پہلے سے بھی بہتر غذا مل سکے گی۔ اس کے علاوہ ہونے والی ماؤں کو ڈاکٹروں اور نرسوں کی مفت خدمات حاصل ہوں گی۔ ایسے بہت سے مرکز کھولے گئے ہیں۔ جو ماؤں اور بچوں کو خاص طبی امداد بہم پہنچا رہے ہیں۔ بعض مرکز ماؤں اور بچوں کو خاص خوراک بھی دے رہے ہیں۔

پڑھنے والے بچوں کی تعداد پچاس لاکھ سے زیادہ ہے۔ خیال کیا جاتا ہے کہ آنے والے پانچ سالوں میں دس لاکھ اور بچے اسکولوں میں داخل ہو جائیں گے اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسکول چھوڑنے کی عمر کو ۱۵ سال کی بجائے سولہ سال کر دیا گیا ہے۔ اور دوسرے برطانیہ میں شرح پیدائش بھی بڑھ گئی ہے خیال کیا جاتا ہے کہ ۱۹۵۲ء تک لاکھ ۸۰ ہزار ٹیچر اسکولوں میں کام کرنا شروع کر دیں گے۔ وزارت تعلیم نئے ٹریننگ کالج کھول رہی ہے اور امید کی جاتی ہے کہ ہر سال آٹھ ہزار لڑکیوں کو اسکولوں میں پڑھانے کے لئے تربیت دی جائے گی جنگ سے پہلے صرف ۳۵۰۰ استانیوں کو تربیت دی جاتی تھی۔

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

از:- الیاس سیتاپوری !!!

دیال دادا نے کھانستے ہوئے کھاٹ سے گردن اٹھائی سامنے ہی ان کی لڑکی رانی کچھ کھانے پکانے کا بندوبست کر رہی ہے۔ دیال دادا نے کھانستے ہوئے ہی پکارا۔

"رانی!"

دادا کی آواز سن کر اس نے سر اٹھا کر ان کو دیکھا پھر بولی۔

"کیا ہے دادا؟"

دادا اسی طرح کھانستے ہوئے بولے۔

"آج یہاں کے مسلمانوں نے ہندوؤں کے خلاف کوئی میٹنگ کرنا طے کیا ہے۔ کیا تم نے بھی اس کے لئے سنا ہے کچھ؟"

رانی نے جواب دیا "ہاں دادا"

دادا نے کہا۔

"کچھ بچاؤ کی صورت بھی سوچی ہے تم نے؟ ——— اگر یہاں مسلمانوں نے واقعی یہاں کے ہندوؤں کو اپنے انتقام کے جذبہ کے تحت مارا تو کیا کیا جائے؟"

رانی کے چہرہ پر ایک دم اداسی چھاگئی آہستہ سے بولی۔

"بچاؤ کی کوئی صورت نہیں سوجھی دادا"

پھر ٹھہر کر بولی۔

"رام نگر کے ہندوؤں نے وہاں کے مسلمانوں سے بھی تو کوئی اچھا سلوک نہیں کیا ہے؟"

دادا بولے۔

"مسلمانوں نے واقعی یہاں کے ہندوؤں کو اپنے انتقام کے جذبہ کے تحت مارا تو کیا کیا جائے؟"

رانی کے چہرہ پر یکدم اداسی۔۔ چھاگئی۔ آہستہ سے بولی

"بچاؤ کی کوئی صورت نہیں سوجھی دادا"

پھر ٹھہر کر بولی۔

"رام نگر کے ہندوؤں نے وہاں کے مسلمانوں سے بھی تو کوئی اچھا سلوک نہیں کیا ہے؟"

دادا بولے۔

"ارے یہ بات تو ٹھیک ہے لیکن اب ہمارا سب کا کیا ہوگا۔ کیا ہم لوگ رام نگر کے مسلمانوں کے بدلے میں بھینٹ چڑھا دئے جائیں۔"

بیٹی بھی بڑی سخت اور صاف گو ہے تڑسے جواب دیا۔

"انصاف تو یہی کہتا ہے دادا اگر ہمیں قصبہ کے مسلمان مار بھی ڈالیں تو انصاف کی رو سے یہ کبھی نہیں کہا جاسکے گا کہ یہاں کے ہندوؤں کو مسلمانوں نے مارا بلکہ زیادہ تر یہی بات ہوگی کہ یہاں کے ہندوؤں کے قاتل رام نگر کے ہندو ہی ہوں گے۔ نہ وہ رام نگر کے... مسلمانوں کو مارتے اور نہ یہاں آج یہ باتیں ہوتیں۔"

دادا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا "سچ کہتی ہو رانی"

اور پھر کھاٹ پر گردن ڈال کر پڑ رہے بیٹی کی آنکھوں میں آنسو آگئے وہ کر ہی کیا سکتی ہے۔ چار دن پہلے کی بات ہے۔ کہ قریب کے قصبہ رام نگر میں ہندو مسلم فساد ہوگیا وہاں مسلمان اقلیت میں تھے۔ قصبہ کے ہندوؤں نے انھیں گھیر گھیر کر مارا۔

جو بچ بچا بھاگے بھی تو وہ سیدھے ہی رانی کے قصبہ رحیم آباد میں آکر رکے اور ان پناہ گزینوں میں خود قصبہ کے چودہری مبارک کے داماد اور بیٹی بھی تھے۔

رام نگر رحیم آباد سے صرف سولہ میل پر اتنا راستہ ایک دن میں ہی طے کیا جاسکتا ہے لیکن چودھری مبارک کے داماد احمد بخش اور ان کی لڑکی نجانے کن کن مصیبتوں کا مقابلہ کر کے یہ راستہ پورے چار دن میں طے کیا ہے۔ وہ آج صبح ہی آئے ہیں اور آج ہی رات کو میٹنگ بھی ہے۔ پناہ گزین قصبہ کے مسلمان کو برابر انتقام پر اکسا رہے ہیں۔ رانی کو رام نگر کے ہندوؤں پر بڑا غصہ آنے لگتا یہ سب ان ہی کی [illegible]

جو رحیم آباد کے ہندوؤں کے سکھ چین کو ختم کر کے پریشان کر رہی ہے۔

دیال دادا ایک دائم المریض آدمی ہیں ادھر کچھ مہینے سے تو اور بھی چار پائی سے لگ گئے ہیں۔ ان کا جوان لڑکا مہینہ کی بیماری میں چل بسا اسی وجہ سے انھیں کھانسی گھونٹ ہی نہیں کھاٹ پر پڑے موت کا انتظار کر رہے ہیں۔ چار دن پہلے جب رام نگر کے فساد کی خبر سنی تھی تبھی ان کے دل میں رحیم آباد میں بھی ان باتوں کے پیدا ہونے کا ڈر پیدا ہوگیا تھا اور آج یہ باتیں سامنے آہی گئیں۔ اب وہ کیا کریں گے؟ وہ بھاگ بھی تو نہیں سکیں گے۔ پھر کیا ہوگا۔؟ اور وہ دیر تک یہی ترکیب سوچتے رہنے کے بعد بھی کوئی بچاؤ کی ترکیب نہیں سوچ سکے۔

رانی کھانا پکاتی گئی، ترکیب سوچتی گئی۔ قصبہ میں چودہری کی لڑکی ربیعہ اس کی بچپن کی سہیلی ہے۔ تمام کچھ سوچ کے بعد ایک ربیعہ ہی ایسی لڑکی نظر آئی جو اس کی مدد کر سکتی ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ اس کے بہنوئی احمد بخش بھی تو رام نگر کے ہندوؤں کے ستائے ہوئے آج کل اسی کے گھر میں پناہ گزیں ہیں وہ کچھ دیر کے لئے سرد پڑگئی۔ لیکن پھر بھی وہ کھانے پکانے سے فرصت پاکر ربیعہ کے ہاں گئی۔ ربیعہ کمرہ میں کسی سے باتیں کر رہی تھی وہ دروازہ پر ٹھہر گئی کوئی مرد بول رہا تھا۔

"لیکن ربیعہ! یہاں کے ہندوؤں کو رام نگر کے مرے ہوئے مسلمانوں کے بدلہ میں بھینٹ چڑھا کر انتقام کی آگ کو ٹھنڈا نہیں کیا جاسکتا۔"

ربیعہ بولی۔ "لیکن دولھا بھائی! خاموش بیٹھے رہنا بھی تو بزدلی ہی ہوگی؟"

"نہیں" دولھا بھائی کہنے لگے اچھا ربیعہ ایک بات تو بتلاؤ یہاں قصبہ میں تم کسی ہندو سہیلی سے محبت کرتی ہو بھلا۔

ربیعہ بولی:- ہاں دیال دادا کی لڑکی رانی ہے۔"

دولھا بھائی بولے۔ "بس ایک بات پر فیصلہ کئے دیتا ہوں۔"

رانی نے دروازہ کی دراز سے جھانک کر دیکھا سامنے تخت پر طرح طرح کے اسلحہ نکلے رکھے ہیں۔ کمرہ میں بڑی روشنی ہو رہی ہے۔ اس کا دل کانپ گیا۔ ایک مرتبہ اس کے دل نے کہا بھاگ جا رانی۔ اب اندر مت جانا۔ اگر گئی تو بات بعد میں کی جائے گی پہلے مار ڈالی جائے گی۔ کچھ کہنے سے قبل قتل کر دی جائے گی۔ لیکن نہ جانے کیوں قدم مضبوطی سے زمین پر ہی جمے رہے۔ وہ ایک قدم کبھی نہ ہل سکی۔ وہ باتوں سے سمجھ گئی کہ وہ شخص ربیعہ کے پناہ گزیں بہنوئی ہیں۔ وہ ایک تلوار کو اٹھا کر ربیعہ کو دیتے ہوئے بولے۔

"ربیعہ یہ لو تلوار! اگر تم اسی وقت رانی کے گھر جا کر اس کی گردن کاٹ لاؤ تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں قصبہ کے ایک ہندو کو بھی بچ کر نہیں نکلنے دوں گا سب کو مار دوں گا۔"

ربیعہ نے تلوار نہیں لی اس نے ایک جھرجھری سی محسوس کی اس کے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہی نہیں تھی کہ اپنی بچپن کی ہندو سہیلی رانی کی جا کر گردن اڑا سکتی آہستہ سے بولی۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے دولھا بھائی وہ میری بڑی پیاری سہیلی ہے۔"

دولھا بھائی جلدی سے بولے "اگر فساد ہوگیا تو کیا یہ تمہاری سہیلی رانی بچ جائے گی؟" "تم نہیں مارو گی تو دوسرا ہی اس کے گھر جا کر اس کو مار دیگا۔"

ربیعہ نے کہا۔ "میں فساد سے پہلے ہی دیال دادا اور رانی کو اپنے گھر میں بلا لوں گی۔ پھر مجھ سے کوئی مسلمان کبھی نہیں مار سکے گا۔"

وہ بولے "اگر رانی اور تمہارے دیال دادا بچیں گے تو قصبہ کے سارے ہندو بچیں گے اور اگر قصبہ کے تمام ہندو مریں گے تو یہ دونوں بھی مریں گے۔ اگر تم اپنی محبت کو قربان کرنے کا دم نہیں رکھتیں تو آخر دوسروں کی محبت کو قربان ہوتے ہوئے دیکھنے کی کیوں آرزومند ہو؟"

وہ کچھ دیر کے لئے پھر آپ ہی آپ

یہ واہ دیکر تا عقلمند ہو بینی ہو گی تو کا
اب آگ مبارک ہی چکی ہے ۔ اب کچھ مت
سوچا اور میرے ساتھ ہو لو۔

رانی نے برقعہ لے لیا اور دیال دادا
کو پہنا کر دوسرا کو خود بھی پہن لیا۔ پھر
بیچارا دول مرد اور عورتیں قصبہ کو واپس
ہوئے۔ قصبہ میں داخل ہوتے ہی انھوں نے
دیکھا مکانات آگ کے شعلوں میں جھلس رہے
ہیں۔ دیال دادا نے اپنے مکان کو بھی
جلتے ہوئے دیکھا۔ رضیہ کے باپ ہی
ایک مسلمان کی ٹولی لئے کھڑے ہوئے
مکانات پھکوا رہے تھے۔ دیال دادا کا
مکان بھی پھونک دیا تھا۔ رسیاں سے شعلے
نکل رہے تھے ان سے برداشت نہ کیا
جا سکا۔ اور ایک دم چیخ اٹھے۔
"رانی مکان پھونک دیا ہے"
یہ کہہ کر فوراً ہی برقعہ الٹ دیا اور
مکان کی طرف بھاگے۔ رضیہ کے باپ نے
دیال دادا کو دیکھ لیا اور "یہ ہندو ہے" کہتے
ہوئے بڑھ کر ایک تلوار کا ہاتھ مار کر انھیں
زمین پر تڑپتا ہوا چھوڑ دیا۔ دادا کو تڑپتا
ہوا دیکھ رانی بھی دادا پر جا کر گر گئی اور لپٹ گئی
اور "دادا دادا" کہہ کر چیخنے لگی۔ چودھری
مبارک کا دوسرا ہاتھ بھی بلند ہوا اور وہ سدھا
رانی کی گردن پر جا کر لگا اور پھر اسی طرح گئی

اور ہاتھ پڑ گرے رانی بھی خاک و خون میں
تڑپنے لگی رضیہ سے بھی یہ منظر نہیں دیکھا
گیا جس باپ نے ان دونوں کو مارا ہے
اسی باپ کی تلوار کا وار کھا نے رضیہ بھی آگے
بڑھ گئی اور "رانی" کی ہلکی سی چیخ کے ساتھ
اس کی لاش سے لپٹ گئی۔

چودھری مبارک ان دونوں کو مارنے
کے بعد یہی سمجھے ہوئے تھے کہ یہ نیسری
برقعہ پوش بھی کوئی ہندو ہی ہے۔ انھیں
اس بات کا خیال تک نہ تھا کہ وہ ان کی
لڑکی رضیہ ہے بڑھ کر چار چھ ہاتھ
رضیہ کے بھی رسید کر دئے۔ احمد بخش
دوڑ کر رضیہ کے اوپر گر پڑے۔ چودھری مبارک
اپنے بے دلے پڑتے ہوئے ہاتھوں کو
لاکھ روکنے کی کوشش کرنے کے بعد بھی
ٹھیک روک نہ سکے اور دو تین بھرپور
ہاتھ احمد بخش کے بھی لگے۔ اور اس مقام
پر ایک کے پیچھے ایک لاش تڑپ تڑپ
سرد ہونے لگی۔ سب سے آخر میں احمد
بخش نے دم توڑا۔ چودھری مبارک کے
منہ سے احمد بخش کے تلوار کھانے پر ایک
چیخ سی نکل گئی۔ لیکن کرہی کیا سکتے تھے۔ تیر
کمان سے نکل ہی چکا تھا جسے واپس لانا
ایک ناممکن امر بن گیا تھا بعد میں انھوں نے
ان دونوں کے برقعوں کو الٹ دیا رانی کے ساتھ

اپنی لڑکی رضیہ کی بھی لاش کو دیکھ کر ایک
بڑی زور سے چیخ ان کے منہ سے نکل گئی اور
اس کے بعد وہ رضیہ کی لاش سے لپٹ
کر بے ہوش ہو گئے۔

سیر سینما

ریگل میٹرو اسٹرینڈ ایروز نیو امپائر کیپٹال اکسلسیر تاج

جنگ زرگری بی۔ایف۔ڈاٹر فار ایور ایمبر پٹ فال دی میٹنگ آف ملی جگنو چیمپین بچے دو

سنٹرل سوپر براڈوے آپیرا ہاؤس امپیریل میجسٹک نشاط منروا

لکھ پتی انوکھی ادا آگ پیار کی جیت جے ہنومان سندباد جہازی بغداد کا چور

ویسٹ اینڈ راکسی کمل ناولٹی لیمنگٹن الفریڈ رائل روشن

بنواسی شہید مجبور ساجن پرائی آگ شہنائی راستہ [illegible]

سنسنی خیز رومان انگیز کارنامہ ”جنگ زرگری“

ریگل میں جنگ زرگری SILVER RIVER

وارنر برادرز

کامل دہلا دینے والے کارناموں والا شاہکار دکھایا جا رہا ہے جسے راؤل والش نے نہایت ہی جانفشانی کے ساتھ ڈائرکٹ کیا ہے اور ایرول فلن اور این شیریڈن کی مقبول جوڑی کے حیرت انگیز کارنامے پیش کرتی ہے۔

”سلور ریور“ چاندی کی کانوں کے حصول کی لڑائی اور اس کے بعد چاندی کی بغیر کسی پابندی کے ساتھ خرید و فروخت کی کہانی ہے جس نے متحدہ امریکہ کو دنیا میں فی الحال سب سے بڑا قرض دینے والا ملک بنا دیا ہے اس میں رومان اور جوانمردی کے بہت سے کارناموں کے علاوہ متعدد جھگڑے سیاسی ہیں۔ فسادات وغیرہ بھی ہیں۔

ابتدائی سین میں امریکی سول وار کی جنگ گیٹس برگ دکھائی گئی ہے جس میں ایک نوجوان سپاہی کو آرمی کے فوجی ٹریبونل نے کورٹ مارشل کے دوران میں بدنام کر کے فوج سے الگ کر دیا۔ نوجوان ایرول فلن اپنے قوانین بناتا ہے اور ان پر فوراً گامزن ہو جاتا ہے وہ قوانین نہایت ہی غیر پسندیدہ ہوتے ہیں جن میں قمار بازی میں دھوکا۔ طاقت کا بری طرح استعمال اور اپنی چاندی کی کان کے شریک کا عمداً قتل بھی شامل ہوتا ہے تاکہ وہ متوفی کی بیوی این شیریڈن سے جسے وہ بری طرح چاہتا تھا شادی کرے۔

قصہ کے واقعات اتنے دلچسپ اور جاذب ہیں کہ کوئی سست لمحہ نہیں گزرتا۔ ایرول فلن نے اس نوجوان کا خاص کردار بڑی ہنرمندی سے اپنی قوت بازو سے مزاحمت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس چیز کو حاصل کرتا تھا جسے وہ چاہتا۔ این شیریڈن نے اپنی تلون مزاجی اور رنجیدہ اور وفادارانہ اداکاری سے جان ڈال دی ہے۔ تھامس مچل نے شرابی اور بدمست قانون دان کا پارٹ خوب نبھایا ہے اور بروس بینیٹ کا منجھا ہوا کام قابل تعریف ہے ان کے علاوہ ٹام ڈی اینڈری نے اس کے وفادار دوست اور ساتھی اور بارٹن میک لین نے بدمعاشوں کے سردار کا کام کیا ہے۔

اس تصویر کو ضرور دیکھئے اور لطف اٹھائیے۔

میٹرو میں مکھی چوس لڑکی B. F.'S DAUGHTER

میٹرو گولڈوین کی تازہ ترین

روح پرور فلم دکھائی جا رہی ہے جس کا قصہ جان مارکونڈ کی روح پرور ناول سے اخذ کیا گیا ہے جس کا تعلق ایک لکھ پتی بی۔ ایف۔ فولٹن کی جوشیلی لڑکی سے ہے اس کے دو چاہنے والے ہوتے ہیں اور اس کے لئے یہ ایک مسئلہ ہوتا ہے کہ وہ کسے اپنا شوہر بنائے۔ رچرڈ ہارٹ اپنی شادی ایک عرصہ کے لئے ملتوی کر دیتا ہے تاکہ وہ اس فرم میں بطور حصہ دار شریک کر لیا جائے باربرا اسٹینوک جو بعد میں آ کر وان ہیفلن سے جو معاشیات کا پروفیسر ہے شادی کر لیتی ہے اور خفیہ طور پر اپنے روپے پیسے سے ملک کے چوٹی کے ماہر معاشیات بنانے میں امداد کرتی ہے جب ہیفلن کو اس کا علم ہوتا ہے اور آپس میں نا چاقی ہو جاتی ہے۔ اور حالات اس وقت سنبھل جاتے ہیں جبکہ باربرا آخری کوشش اپنی کھوئی ہوئی محبت حاصل کرنے کی کرتی ہے اور اسے اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ اسے مرد تبدیل نہیں کرنا چاہئے بلکہ اپنی زندگی تبدیل کرنی چاہئے۔

چارلس کوبرن نے لڑکی کے مالدار باپ کا پارٹ خوب کیا ہے باربرا اسٹینوک ایک مالدار خود غرض اور مطلبی لڑکی بنتی ہے وان ہیفلن پہلے درجے کا ماہر اقتصادیات جو خود اپنی مرضی سے کام کرتا ہے رچرڈ ہارٹ ایک مالدار نوجوان جسے سوسائٹی پسند ہے کیینن وین نے ریڈیو نقاد کا کام کیا ہے۔

اسٹرینڈ FOREVER AMBER

ڈیفنڈ سنچری فاکس کا کامیاب شاہکار جو اس سے قبل دو ہفتے تک دکھایا جا چکا ہے نمائش کے لئے پیش کیا گیا ہے قصہ کیتھلین ونسر کی شہرہ آفاق ناول سے اخذ کیا گیا ہے اور اصل میں اپنی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے کئی تبدیلیاں بھی کی گئی ہیں لیکن ان تمام کا نتیجہ نہایت ہی خوشگوار ہو گیا ہے فلم کی دلچسپی میں شوخ رنگین فوٹوگرافی اور شاندار سیٹنگز نے بیحد اضافہ کر دیا ہے۔ یہ ایک خوبصورت دیہاتی دوشیزہ کی کہانی ہے جس نے اپنی خواہشات کا مرکز محبت بنا لیا تھا اور تمام زندگی روپیہ اور عزت حاصل کرنے میں صرف کر دی تاکہ وہ ایک جوان کا دل جیت سکے اس دوشیزہ نے نہ صرف عزت کی زندگی بسر کی بلکہ بدنام نیوگیٹ جیل خانہ کی صعوبتیں بھی برداشت کیں تاکہ وہ اپنے مقصود کو حاصل کر سکے۔

لنڈا ڈارنیل اور کارنیل وائلڈ کے خاص کرداروں کے علاوہ رچرڈ گرین۔ جارج سینڈرس جان رسل گلن لینگن اور رچرڈ ہیڈن کے اہم کردار قابل دید ہیں۔

ایروز میں PITFALL

ریگل فلمس کا تیار کردہ لاجواب کارنامہ پیش کیا جا رہا ہے جسے اینڈرے ڈی ٹاتھ نے ڈائرکٹ کیا ہے۔ یہ ایک امریکی نوجوان اور اس کے خاندان کی دلچسپ کہانی ہے جس میں ڈک پاول لزبیتھ اسکاٹ اور جین ویاٹ نے خاص کام کئے ہیں۔

پاول ثابت کرتا ہے کہ وہ ایک نہایت ہی اچھا اداکار ہے جین ویاٹ اس کی خوبصورت بیوی بنی ہے اور لزبیتھ اسکاٹ دوسری عورت جس کی خوبصورتی پر وہ بری طرح لٹو ہو جاتا ہے ریمنڈ بر پہلی مرتبہ پردۂ فلم پر حاضر ہو کر اپنے لیسن کردار کی وجہ سے خراج تحسین حاصل کرتا ہے۔

نیو امپائر میں شوہر کی تلاش MATING OF MILLIE

کولمبیا کا ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دینے والا مزاحیہ شاہکار پیش کیا گیا ہے جس میں گلین فورڈ اور ایولین کیز کی خاص روح پرور اداکاریاں ہیں ان کے علاوہ ران رینڈال ولارڈ پارکر جمی ہنٹ کے قابل دید اداکاری کام ہیں۔

ایولین کیز کو جب اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ اسے شوہر تلاش کرنا ہے تاکہ وہ ایک یتیم بچے کو اپنا متبنیٰ بنائے اس کام میں اتنی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں جن کا مزہ صرف دیکھ کر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

اجمل سندھ کے ایڈیشن میں اشتہار دے کر اپنی تجارت کو بام عروج پر پہنچائیے

Leading attraction at the Metro Theatre this week is "B. F.'s Daughter," M.G.M's film version of the John P. Marquand best-seller novel of a wealthy girl who tries to dominate two men - with dramatic consequences. Barbara Stanwyck is cast in the title role, with Van Heflin and Richard Hart as the men in her life. Others in one the season's outstanding casts are Charles Coburn, Keenan Wynn, Margaret Lindsay, Spring Byington and Marsnall Thompson. The picture was directed by Robert Z. Leonard.

Errol flynn as a dashing robber baron of the Old West inspects the mines in Warner Bros. stupendous production, "SILVER RIVER," which is now running at the Regal.

Tyrone Power and Jean Peters in 20th Century Fox technicolor historical mightiest epic drama of adventure and romance, "Captain from Castile"

Telephone No. 40415. ESTD. 1928. Regd. No. B 2491

THE AJMAL SUNDAY EDITION
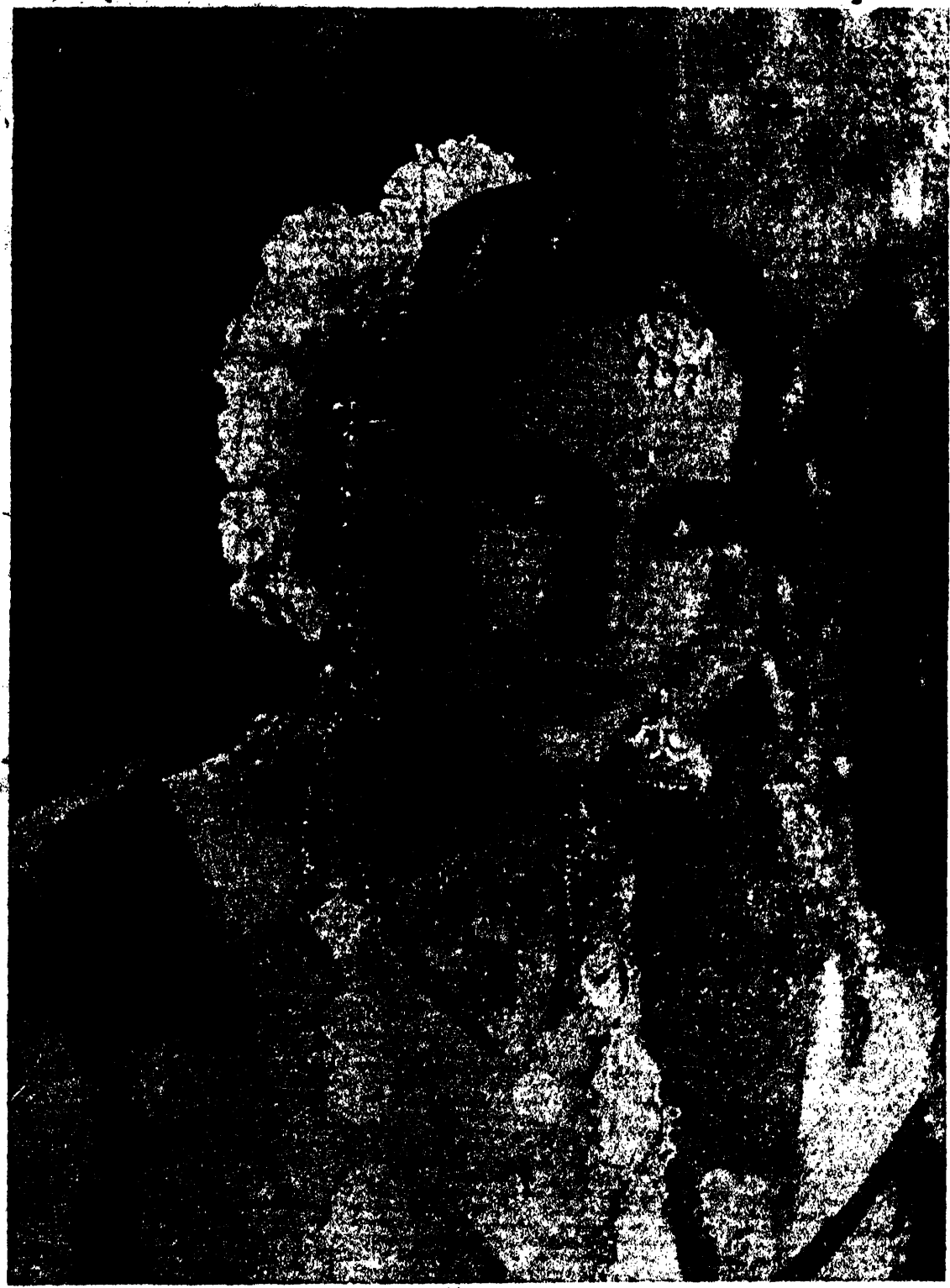
رانی پریم لتا " راجہ ہریش چندر " میں جو سواستک ٹاکیز میں دکھایا جا رہا ہے

PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS, BOMBAY 3

قیمت ۲ آنہ

نمبر ۴۰ | بمبئی یکشنبہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۸ عیسوی | جلد ۲۱

VOL. XXI | BOMBAY, SUNDAY 17TH OCTOBER, 1948 | NO. 40

پنڈت جواہر لال نہرو لندن میں
ایک انگریز صحافی کے ساتھ

ہم کیا کریں؟

(از استاد ڈاکٹر ذاکر حسین !!)

استاد محترم ڈاکٹر ذاکر حسین نے ہفتہ وار نئی روشنی میں "ہم کیا کریں" کے عنوان سے سلسلۂ مضامین شروع کیا ہے۔ پہلی قسط ہفتہ وار اجمل میں شائع ہو چکی ہے۔ دوسری قسط آج شائع کی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جن زریں خیالات کا اظہار کیا ہے توقع ہے کہ ناظرین اجمل اس سے بے حد متاثر ہوں گے۔ (مدیر)

ایک دوست نے جو کوئی ۲۰ سال سے قومی خدمت میں دل و جان سے لگے رہے ہیں۔ اور ہمیشہ ایک متحدہ ہندوستان کی حمایت کرتے رہے ہیں۔ ایک خط بھیجا ہے جس میں پچھلے سال کا درد بھری داستان پر تبصرہ ہے، لفظوں اور واقعات کی گران سے فکر کو شکست نہیں دے سکتا ہے۔ مگر مجھے جو مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کی طرف سے بھی یہ آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ ان کے خط کا مرکزی سوال ان لفظوں میں سامنے آ جاتا ہے۔ "ہندوستان کے مسلمان پر معاش کی راہیں تنگ ہوتی جاتی ہیں۔ آپ کی رائے میں اس صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لئے کیا تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں"؟

یہ سوال کسی نہ کسی شکل میں روز سامنے آتا ہے۔ بہت سے لوگ اسے قابل اعتنا نہیں سمجھتے، بہت سے اس میں ایک عام مایوسی اور بزدلی کا جواز تلاش کرتے ہیں۔ دونوں باتیں مجھے ٹھیک نہیں معلوم ہوتیں۔ پیٹ کم بخت ایسی حقیقت ہے کہ اسے باتوں سے مٹایا نہیں جا سکتا۔ لیکن مایوسی اور بزدلی سے بھی یہ بھرتا نہیں ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اس دوسری حقیقت کو یاد رکھنا چاہئے کہ ایک کھانے والے منہ کے ساتھ قدرت نے دو کام کرنے والے ہاتھ عطا کئے ہیں۔ معیشت کا وسیلہ محنت ہے۔

ہاں ہم نے جس سماج میں پرورش پائی ہے اس میں بے محنت یا بہت کم محنت سے پیٹ بھر سکنے کے امکانات بھی تھے اور ہیں۔ اور خوش حال لوگوں کی نظر اکثر انھیں پر لگی رہتی ہے۔ ان میں کمی ہوتی ہے تو یہ بے چین ہو جاتے ہیں۔ اور ان میں کہیں کمی ہو رہی ہے کہیں اضافہ۔ مسلمانوں کے لئے کمی اور دوں کے لئے بھی۔ مثلاً زمینداریاں ختم ہو رہی ہیں اور یوں دوسروں کی محنت سے اپنا پیٹ پالنے کی ایک راہ بند ہو رہی ہے۔ مگر سرمایہ داری صنعت کو فروغ ہو رہا ہے۔ اور مزدوروں کی محنت سے پیٹ پالنے ہی کی نہیں توندیں بھرنے کی راہ کھل رہی ہے۔ مسلمان زمیندار اور تعلقدار زمینداری ختم ہونے پر رو رہے ہیں اور ان کو اندیشہ ہے کہ زمینداری کا سارا معاوضہ خود وہ اور ان کے ولی عہد عیاشی میں اڑا کر برابر کر دیں گے اور غیر مسلم اسے صنعت میں لگا کر دوہرا کمائیں گے پہلے زمینداری میں اثر اور طاقت کے زور پر دولت حاصل کرتے تھے۔ اب دولت کے زور پر اثر اور رسوخ بڑھائیں گے۔ اپنی غفلت یا اپنی عادتوں کی خرابی سے مسلمان زمیندار اس نئی لوٹ میں حصہ نہیں لے سکتے تو شکایت کیا۔ اور کس کی؟ یا تو وہ بھی... صنعت میں سرمایہ لگائیں اور جب تک صنعت قومی تصرف میں نہیں آتی وہ بھی اس سے شخصی نفع کمائیں یا اگر وہ اس کو برا سمجھتے ہیں تو اس بدعت کو پھیلنے اور زور پکڑنے سے روکنے کی کوشش کریں اشتراک مسلک کو اپنائیں اور پھیلائیں۔ یا کم سے کم امداد باہمی کی درمیانہ راہ پر چل کر دیہی صنعتوں کی تنظیم پر کمر بستہ ہوں کمائیں اور دوسروں کو کمانے میں مدد دیں۔ اور اگر بدکاری، اسراف اور تعیش ہی پر اصرار ہے۔ تو مٹ جائیں گم ہو جائیں اور اسلام کو ہم معنی لفظ بنانے کی کوشش نہ کریں۔

معیشت کی ایک دوسری راہ سرکاری ملازمت تھی جسے تعلیم یافتہ مسلمانوں نے اپنا کعبۂ مقصود بنا لیا تھا ایک عرصہ تک سرکاری ملازمت میں یہ خالص بہ حیثیت مسلمان کے حصہ مانگتے اور پاتے رہے تھے یہ مقابلہ کے امتحانوں کی مخالفت کرتے تھے۔ سفارش یعنی نااہلی کے باوجود جگہ پانے کی سفارش خاندانی خدمات یعنی ہندوستان میں اسلامی حکومت کو ختم کرنے میں اپنے خاندان کی خدمات یا سیاسی بیداری کے روکنے میں اپنی اور اپنے بزرگوں کی خدمات کے زور پر ملازمت چاہتے تھے اور [illegible] تھے۔ ہماری قومی جدوجہد کا یہ مخصوص مشغلہ تھا کہ اپنے اچھے برے سب کو سرکار [illegible] میں کھپا دیں اچھی سے اچھی علمی صلاحیت کے نوجوانوں کو ڈپٹی کلکٹری کی معراج تک پہنچا دینے پر ہمارے "رہنما" علی الاعلان فخر کیا کرتے تھے۔ بڑی بڑی اسلامی تعلیم گاہوں کی پچھلی پچاس سال کی تاریخ پر نظر ڈالئے۔ ان میں سے علمی صلاحیت والوں کو علمی کاموں کے لئے روکا جائے۔ کچھ کو تجارت کی ترغیب دی جائے۔ کچھ کو صنعت میں بھیجا جائے۔ بس ڈپٹی کلکٹر۔ تحصیلدار۔ نائب تحصیلدار! ہم اپنے بہترین دماغوں کو ایک ایسے کاروبار میں لگاتے جس میں انھیں وہ قطعی کوئی اختیار نہ تھا ایک بڑی مشین کے پرزے تھے۔ اپنے ہم وطنوں کی حق تلفی سے انھیں غلام رکھنے ان کے ہر حریت خواہ رجحان کو دبانے میں کام آتے تھے۔ انعام تھا تنخواہ حکومت اور بالائی یافت۔ اس طائفہ کے اعمال پر تبصرہ یہاں مقصود نہیں، سوال کے جواب میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اب سرکاری ملازمت ہمارے تعلیم یافتوں کا تنہا پیشہ نہیں رہ سکتی اور اچھا ہے کہ نہ رہے۔ اب کوئی نوکری مسلمان کو اس لئے نہیں ملے گی کہ وہ مسلمان ہیں۔ لیکن اس لئے مل سکے گی کہ وہ اس کام کا اوروں سے زیادہ اہل ہے۔ مسلمانوں کو پرورش کی جگہ مقابلہ کے حق پر اصرار کرنا ہوگا۔ اور مقابلہ میں اپنی قابلیت منوانی ہوگی۔ ہم اپنی تعداد کی نسبت سے نوکریاں نہیں مانگیں گے اپنی قابلیت کی نسبت سے مانگیں گے۔ کچھ دن تک اس میں دقت ہوگی۔ اس لئے کہ مصنوعی تحفظات نے سفارش کی جو عادت ڈال دی ہے۔ وہ جاتے ہی جاتے جائے گی خود اعتمادی آتے ہی آتے آئے گی۔ لیکن میرا یقین ہے کہ مسلمان نوجوان [illegible] سے دنوں کے لئے کسی دوسرے سے کم نہیں۔ بلکہ شاید بعض اعتبارات سے بہتر ہی ہیں آزمائش کا ایک مختصر سا زمانہ گزار نے کے بعد ان کے لئے سرکاری ملازمت کے امکانات میں بھی کمی نہ ہوگی۔ مگر قابلیت صلاحیت، اہلیت کے زور پر۔ نالائق اور نااہل کسی تاریخی استحقاق کے بل پر اپنی پرورش نہ کرا سکیں گے۔ اور اچھا ہو کہ یہ نااہل اور مسلمان کو مترادف الفاظ بنانے کی کوشش چھوڑ دیں۔

تعلیم کی توسیع کے ساتھ ساتھ دوسروں کی طرح مسلمانوں کے بھی سب تعلیم یافتہ نوجوان سرکاری ملازمت میں نہیں کھپ سکیں گے۔ انھیں دوسری چیزوں کی طرف بھی قدم اٹھانا ہوگا۔ طب اور انجینیری کے پیشے ان کی ملازمت پرستی کی بدولت ان سے خالی سے ہیں۔ ادھر تیز تیز قدم بڑھانا چاہئے تجارت کے میدان میں بعض مخصوص مسلم گروہوں کے سوا تعلیم یافتہ لوگ جاتے ہی نہیں ادھر رخ کرنا چاہئے۔ تعلیم کے پیشہ کو وسیع پیمانے پر اپنانا چاہئے۔ اور ان کاموں میں امتیاز حاصل کر کے آگے آنے والوں کے لئے اچھی روایتیں قائم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ابتدائی عبوری دقتوں کو سر کرنا ہوگا۔ مگر یہ سب سر ہو سکتی ہیں۔ محنت اور ہمت کی ضرورت ہے۔ اور کم ہمتی اور کاہلی کو مسلمانوں سے مخصوص نہ کرنا چاہئے

اوپر کے لوگوں اور متوسط تعلیم یافتہ طبقہ کے علاوہ ہماری قوم کے عوام ہیں۔ غریبوں کو کبھی کسی نے قابل اعتنا نہیں [illegible]۔ ان کے متعلق [illegible] لوگ پیٹ بھر کر کھائیں گے۔ تو ان [illegible] کچھ ٹکڑے پھونک جائیں گے۔ اور [illegible] تعلیم پائیں گے۔ تو اس کی برکتیں چھن چھن کر ان تک بھی پہنچ جائیں گی [illegible] ہو جائیں گے تو ان کے لئے سب [illegible] گے۔ ان سے بچھڑے سب جگہ ان کے [illegible] پر رکھ کر ہندو نیس چلاتی ہیں۔ ان کے نام پر اپنا کام بنایا ہے۔ ان سے اپنے سر کے سر کرائے ہیں۔ اور موقع پایا ہے تو ان کو چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ سب سے بڑی ضرورت ان میں تعلیم کو عام کرنا ہے۔ حکومت کی طرف سے جلد ہی ہمارے ملک میں تعلیم عام اور لازمی ہو جائے گی۔ لیکن پھر بھی اتنا بڑا ملک ہے۔ کام اس نئے ہوتے ہوتے خاصی دیر لگے گی۔ [illegible] اس کی رفتار کو تیز کرانے میں ساعی [illegible] سے نظام کی حمایت [illegible]

تارا ہو گیا

(از: قمر احمد)

(بزرگوں کی پیروی حصولِ فیض کے لئے سنت کا درجہ رکھتی ہے ذیل کی غزل اسی حسنِ عقیدت کے اثر سے لکھی گئی ہے۔ استادوں سے مقابلہ کی نہ مجال ہے اور نہ طاقت۔ استعادتاً اس کی جرأت کی گئی۔ اس زمین میں جناب ناسخ لکھنوی اور استاد ذوق دہلوی کے مطلعے مشہور زمانہ ہیں۔ ناسخ فرماتے ہیں شعر: مرتبہ کم ہوگا ... ہے ... آفتاب اتنا ہوا و لیکن تارا ہو گیا۔ استاد ذوق کا مطلع ہے: نام ... بالاتر ہمارا ہو گیا جس طرح پانی ... ان بلند پایہ کلاموں کے بعد کسی ہیچ مداں کا اس زمین میں کہنا گستاخی اور بے حد بے جا ہے۔ مگر تبرکاً اس کی عبارت کی گئی ہے۔ بس ہمیں کہ تا قافیہ حل شود بس است۔)

مطلع

پھر دلِ مضطر کو رونے کا سہارا ہو گیا
اپنا آنسو اے قمرؔ آنکھوں کا تارا ہو گیا

رنگ لائی ہے قیامت میں مری تر دامنی
آفتابِ حشر اس بدلی میں تارا ہو گیا

دل کو ڈانوا ڈول رکھتا ہے ترے جھومر کا چاند
یہ بھی اے مہرو مری قسمت کا تارا ہو گیا

شعلۂ رُخ نے اسے چمکا دیا اے مہ وشو
آسمانِ حسن کا ہر خال تارا ہو گیا

تھا رُکا جب تک مرا نالہ رہا سینے کا داغ
آسماں کی سمت اونچا ہو کے تارا ہو گیا

پرتوِ چشمِ حسیناں سے چمک اُٹھے نصیب
سرمہ کا دنبالہ اک دُمدار تارا ہو گیا

چہرۂ تاباں پہ عالم ہے شبِ مہتاب کا
ذرہ ذرہ آپ کے افشاں کا تارا ہو گیا

ضعفِ پیری نے جوانی پر تسلط پا لیا
اس گہن میں آفتابِ حسن تارا ہو گیا

اے قمرؔ اتنا فروزاں ہے ہمارے دل کا داغ
آبلہ سینے کا اس کے دم سے تارا ہو گیا!

روئداد زمانہ

(از قمر احمد)

زباں بدلیں بس اب بھاشا میں بولیں گفتگو والے
لئے بیٹھے رہیں اپنی زباں کو لکھنؤ والے

نہ اشک کی رَو دل کے ٹکڑوں کو بہا لائی
پھنسے سیلِ بلا میں ہیں کنارِ آب جو... والے

زباں بدلے گی۔ یہ باتیں نہ اب سننے میں آئیں گی
میرے اشعار سن کر وجد کریں ہائے وہو والے

ہمارے دم سے ساقی تیرے میخانہ کی رونق ہے
ہمیں سے زندۂ جاوید ہیں جام و سبو والے

وطن کو چھوڑنا اس دور میں طرفہ قیامت ہے
گھروں میں اپنی عزت لیکے بیٹھیں آبرو والے

جہاں میں خاکساری رہنما ان کو بنا دیگی
بدل کر دیکھ لیں اپنی طبیعت تند خو والے

تصدق میں انھیں ملجائے تارِ دامنِ یوسف
لئے بیٹھے ہیں چاک دامنِ عصمت رفو والے

ہماری خانہ ویرانی زمانہ کو رلا دیگی
ہمارے حال پہ ماتم کریں گے کو بہ کو والے

زمانہ کو دکھانا ہے تماشا رقصِ بسمل کا
پکاریں خنجرِ قاتل کو رکھا ہے گلو والے

مزا جب ہے دکھائیں معجزے اسکی روانی کے
زمانہ کو پہنائیں خلعت رنگیں لہو والے

صلوٰۃِ عاشقاں اس وقت مقبولِ خدا ہو گی
بجائے آب جانبازوں کا خوں لے لیں وضو والے

تمہاری دید کو بیتاب ہے چشمِ تمنائی
تمہاری کھوج میں سیماب وش ہیں جستجو والے

سیہ بختی قمرؔ کی رنگ لائی ہے زمانہ میں
تبرک کے لئے لیں فیض اس سے ماہ رو والے

مہنگائی!

(اچاریہ ونوبا بھاوے)

آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ آج کل چیزوں کے دام بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس لئے لوگوں میں کافی پریشانی ہے۔ خاص کر کپڑے اور اناج کے بھاؤ جب بہت بڑھ جاتے ہیں تو غریبوں کو بہت تکلیف ہوتی ہے۔ سرکار اس کے بارے میں سوچ رہی ہے اور کچھ اپائے بھی کر رہی ہے۔

جب کپڑے کا کنٹرول اٹھا لیا گیا تب سرکار اور جنتا نے مل والوں پر وشواس رکھا تھا۔ لیکن دکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مل والوں نے اس وشواس کو ٹھیک نہیں رکھا ہے۔ وہ اسی طرح چالیس سال سے ملک کو دھوکا دے رہے ہیں۔ ۱۹۰۶ء میں جب دیش میں سودیشی اور بائیکاٹ اندولن چلا تھا، تب بھی مل والوں نے خوب پیسے کمائے۔ دیش کی طرف دھیان نہیں دیا۔ بعد میں ۱۹۲۱، ۱۹۳۰، ۱۹۴۲ میں انہوں نے دیش کو بیچ کر اپنا مطلب سادھا۔ سرکار اس بارے میں جو اپائے کر رہی ہے، وہ کہاں تک کارگر ہوگا، بھگوان ہی جانے کیونکہ اس طرح کے اپائے کارگر ہونے کے لئے چرتر کی صفائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ چرتر کی صفائی نہ ہو تو وہ کم کام دیتے ہیں۔

لیکن میرے خیال میں اس مسئلے کا اصلی حل تو کھدر ہی ہے۔ ملوں کے کام میں جو دقتیں ہیں، وہ کھدر میں نہیں ہیں۔ ہندوستان میں کم ریشے والی کپاس ہوتی ہے۔ اس کا ملوں کے لئے کم استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے اسے باہر کے دیشوں میں بھیجنا پڑتا ہے۔ بدلے میں باہر سے لمبے ریشے والی کپاس خریدنی پڑتی ہے۔ جو بہت مہنگی ملتی ہے۔ کبھی کبھی ملتی بھی نہیں۔ ٹرانسپورٹ کا سوال تو ہے ہی۔ بیچ میں کتنے ہی ایجنٹ اور بڑے ایجنٹوں کا کمیشن آتا ہے۔ ان تمام مشکلوں سے کھادی بچ جاتی ہے۔ اگر ہماری سرکار چرخے کا بڑھاوا دیتی ہے اور ہم اس کو اپنا لیتے ہیں، تو ہر دیہات میں جہاں کپاس ہوتی ہے، کھادی بن سکتی ہے۔ نہ تو اس میں ٹرانسپورٹ کا سوال رہتا ہے نہ ایجنٹوں کا۔ جس کپاس سے ملیں مشکل سے دس بارہ نمبر کا سوت کاتتی ہیں، اُن چرخوں میں ۲۰ نمبر سوت کات سکتا ہے۔ اس لئے یہاں کی کپاس بھی چرخے کے کام میں آ جاتی ہے۔ اس طرح سے سوچیں تو سمجھ میں آ سکتا ہے کہ ہمارے کپڑے کا سوال حل کرنے کا اکیلا آسان اُپائے چرخہ ہی ہے۔ علاوہ اس کے کہ ہم سارے ملوں کو دیش کی ملکیت بنا دیں، جہاں تک ہو سکے ویسا کرنا بھی چاہئے، لیکن اس سے بھی آج کی حالت میں مسئلے کا پورا حل نہیں ہوگا۔ غریبوں کے سوراج کے خیال سے تو چرخے کے سوا دوسرا کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ اس بارے میں دفعہ یہ بول چکا ہوں۔ آج میں اُسے دہراتا نہیں جا بھول گیا۔

آج تو مجھے ایک دوسری ہی بات کہنی ہے۔ وہ ہے اناج کے بارے میں۔ اناج پر کنٹرول رکھتے تھے۔ تو کالا بازار ہوتا تھا۔ کنٹرول اٹھا لیا تو دام بڑھ گئے۔ میری رائے میں اس میں نکلنے کے لئے ایک ہی راستہ ہو سکتا ہے۔ اگر سرکار پیسے کے بجائے اناج کے روپ میں ہی زمین محصول وصول کرے تو یہ مشکل حل ہو سکتی ہے۔ سرکار کے پاس اگر اچھے اناج کا ایک بھنڈار رہے تو عام بازار بھاؤ پر اس سے آپ ہی آپ کنٹرول ہو جاتا ہے۔ کسانوں کو بھی اناج کے روپ میں لگان چکانے میں ویسے تو سہولیت ہوگی اور سرکار کو بھی اس سے بہت سہولت ہوگی۔ آج تو سرکار روپیہ کی بناوٹ کے سہارے لگان وصول کرتی ہے۔ اگر پہلے سال پہلے سرکار کسی کسان سے دس روپیہ لیتی تھی تو آج بھی اتنا ہی لیتی ہے۔ لیکن آج کے دس روپے اس زمانہ کے تین روپیہ کی قیمت رکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج کی سرکار غریب بن گئی ہے۔ پھر یہ بھی سوچئے کہ پیسے میں بناوٹ جو بھی کیسے سکتا ہے۔! بناوٹ کا مطلب ہوتا ہے کہ بات پیسے کی قیمت، وہ بدلتا رہتا ہے۔ وہ (پیسہ) کی بات کیا کم مشکل ہے! وہ تو لفنگا ہے جو آج ایک بات کہتا ہے کل دوسری کہتا ہے اور پرسوں تیسری کہتا ہے۔ اسی کو ہم لفنگا کہتے ہیں نہ؟ وہی پیسہ کی حالت ہے۔ اسی (پیسے) کو ہم نے اپنا کاروبار کا رہا دیا ہے۔ اسی سے ہماری سرکار گھاٹے میں آ گئی ہے اور لوگ بھی تنگ ہو رہے ہیں۔ پیسے کی اصلی قیمت تو کوئی ہے ہی نہیں۔ اس نے اس کی قیمت چڑھا دو اُتار کرتی ہے۔ اناج کی قیمت نہ چڑھتی ہے نہ اترتی ہے۔ اس کی پوشک شکتی (غذا اور طاقت) میں ہی کمی بیشی ہو تو دوسری بات ہے۔ لیکن ایسا کم ہوتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس میں سرکار کو بڑے گودام اور اپنی دکانیں رکھنی پڑیں گی۔ سرکار کو ہر حالت میں ایسے کاروبار کرنے ہی پڑیں گے۔ سرکار کو ہر حالت میں ایسے کاروبار کرنے ہی پڑیں گے اور وہ کر بھی سکتی ہے۔ اس انتظام پر چلنے سے اور اس کے ساتھ ساتھ دیہاتوں میں مزدوری بھی اناج کے روپ میں ہی دی جانے لگے گی۔ اس سب کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آج بھاؤ میں جیسا چڑھاؤ اُتار ہوتا ہے، ویسا کم ہوگا۔ اور جو بھی ہوگا، اس کا نتیجوں پر اثر نہیں ہوگا۔ (نیا ہند)

راشٹریہ سیوک سنگھ کے بانی

ناگپور ۱۴ اکتوبر۔ بمبئی حکومت نے اس شخص کی پابندیاں کر اٹھا لیا ہے جو اس نے راشٹریہ سیوک سنگھ کے بانی سابق مسٹر ایم ایس گولوالکر کی نقل و حرکت پر عائد کر رکھی تھیں۔

مسٹر گولوالکر کو ۱۳ اگست کے دن نظر بندی سے رہا کیا گیا تھا۔ لیکن ایک نوٹس کے ذریعہ ان کو مطلع کر دیا گیا تھا کہ وہ سی پی کے صوبے سے باہر بغیر اجازت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نہ جائیں۔

اقبال اور تصوّرِ فقر

(از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب (جامعہ عثمانیہ)

فقر قرآں احتسابِ ہست و بود
فقرِ مومن چیست؟ تسخیرِ جہات

نے رباب و مستی و رقص و سرود
بندہ از تاثیرِ او مولیٰ صفات

فقرِ اقبال کی نگاہ میں "رہبانی" نہیں بلکہ "خودی کی معراج کا نام ہے"۔ اپنی حقیقت کا جاننا ہے [illegible] کے مفہوم و معنی کا جاننا ہے اور اس کلمہ کی رو سے اپنی خودی کو قائل ترک کرنا نہیں ہے اور اس کی تاثیر سے "مولیٰ صفات" بن جانا ہے۔ "خلیفۃ اللّٰہ فی الارض" کا مقام حاصل کرنا ہے۔ بارِ امانت کا اٹھانا اس کا نتیجہ "تسخیرِ حیات" ہے۔ نوامیس جہاں پر تصرف ہے۔ دنیا کے تمام سلطان و میر کو حلقہ بگوش کرنا ہے۔ سلاطینِ عالم کے سامنے "لا ملوک" کا نعرہ بلند کرنا ہے۔ مختصر یہ کہ فقر ہی کی دل نوازی کا نام "حکمتِ دین" ہے اور فقر ہی کی بے نیازی کا نام "قوتِ دین" ہے۔ حکمتِ دین و قوتِ دین بغیر فقر کے ممکن نہیں۔

حکمتِ دین دل نوازی ہائے فقر
قوتِ دین بے نیازی ہائے فقر

فقر کی اسی دولت کو کھو کر مسلمان کے ہاں نہ "دولتِ سلیمانی" رہی اور نہ "دولتِ سلمانی" حکمت رہی نہ دولت و قوت ہی۔

یہ فقرِ مردِ مسلماں نے کھو دیا جب سے
رہی نہ دولتِ سلمانی و سلیمانی

مسلمان کے نشاۃِ ثانیہ کے لیے جو دولت پاکستان اور حیدرآباد (دکن) میں انشاء اللہ تعالیٰ عمل میں آنے والی ہے۔ فقر کے معنی کا سمجھنا اور اقبال کے دلآویز و دل نشین انداز میں سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اقبال پر اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ لیکن فقر کے معنی کی وضاحت ابھی تک کسی نے کھول کر نہیں کی اور فقر کی لامتناہی قوت کے مبدء کی نشاندہی کسی نے صاف صاف طریقہ پر نہیں کی۔ قوت و توانائی کے اس لامحدود مبدء کو اپنی ذات کے اندر رکھ کر بھی مسلمان حیران و پریشان ہے، خستہ و ناتواں ہے، خوار و زار ہے۔ عارفِ روم کے الفاظ میں صورتِ حال یہ ہے:

یک سبد نان فرق فرقِ سر
تو ہمی جوئی لبِ نان در بدر
تا بزانوے میانِ قعرِ آب
وز عطش وز جوع گشتستی خراب

(رومی)

آئیے اقبال کی ہدایات و اشارات پر عمل کرتے ہوئے ہم "قرآن در خزینہ" میں گم ہو کر فقر کے معنی کی تحقیق کریں!

اقبال کے تصورِ فقر کے قرآنی مقدمات

قرآنِ حکیم نے انسان کو فقر کے لفظ سے خطاب کیا ہے اور حق تعالیٰ کو غنی و حمید قرار دیا ہے۔

"اے لوگو تم خدا کے محتاج
اور اللّٰہ بے نیاز خوبیوں والا
ہے" (پ ۲۲ ع ۱۵)

ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

"اللّٰہ بے نیاز اور تم محتاج
ہو" (پ ۲۶ ع ۸)

ہم فقیر ہیں ملک و حکومت اصالتاً ہمارے لیے نہیں حق تعالیٰ ہی کے لیے ہے۔

"خدا ہی کے لیے ہے جو آسمانوں
اور زمین میں ہے اور نہ اس کا
کوئی حکومت میں شریک ہے
حکم کسی کا نہیں بجز اللّٰہ کے"

افعال کے خالق بھی ہم نہیں اس معاملہ میں بھی ہم فقیر ہیں۔ محتاج ہیں۔ حق تعالیٰ ہی افعال کی تخلیق فرما رہے ہیں کیونکہ وہی خالقِ کل شے ہے۔

"اللّٰہ نے پیدا کیا تمہیں اور جو
تم کرتے ہو" (پ ۲۳ ع ۷)

اور ایک جگہ سلبی طور پر فرمایا گیا ہے:-

"کیا انھوں نے اللّٰہ کے لیے
شریک قرار دے ہیں کہ
انھوں نے کچھ پیدا کیا جیسے
اللّٰہ نے پیدا کیا۔ پھر مشتبہ
ہو گئی پیدائش ان کی نظر میں
کہدو اللّٰہ ہی ہر چیز کا خالق ہے
اور وہی واحد و قہار ہے"

(سورۃ الرعد، آیت ۱۶)

بات عقلی طور پر بھی صاف ہے۔ اگر ہر شے کے خالق اللّٰہ ہیں، تو ہمارے افعال بھی تو کوئی شے ہیں۔ اور ان کے خالق بھی حق تعالیٰ ہی ہوں گے۔ "اَللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ" اور "خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ" سے استشہاد کر کے سلفِ صالحین رحمہم اللّٰہ کا اس امر پر اجماع ہے کہ ہمارے افعال کے خالق حق تعالیٰ ہی ہیں اور ہمارا فقر یہاں بھی عقلاً و نقلاً ظاہر و باہر ہے۔

صفاتِ وجود یہ ایجابیہ جو انسان میں پائے جاتے ہیں ان کی سات صفات ہیں۔ حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع و بصر، کلام۔ یہ صفات اصالتاً حق تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور قرآن حصر و قصر کے ساتھ انھیں حق تعالیٰ ہی کے لیے ثابت کر رہا ہے اور انسان کو اس لحاظ سے بھی فقیر بتلا رہا ہے ملاحظہ ہو،

حیات حق تعالیٰ ہی کی

"ہو الحی القیوم" (۳ ع ۹)

علم و قدرت حق تعالیٰ ہی کے لیے: "وہو العلیم القدیر" (۲۱ ع ۹)

ارادہ یا مشیت ان ہی کے لیے

"وما تشاؤن الا ان یشاء اللّٰہ"

(۲۹ ع ۲۰)

سماعت و بصارت ان ہی کے

"وانہ ہو السمیع البصیر" (۵ ع ۱) اور

"اَمَّنْ یَّمْلِکُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰہُ" (۱۱ ع ۹)

اب رہا وجود تو وہ بھی حقیقی طور پر حق تعالیٰ ہی کے لیے ثابت ہے۔

"اللّٰہ لا الٰہ الا ہو الحی القیوم"

(۳ ع ۔ ۹) سے اس کا ثبوت مل رہا ہے۔

وجود کے چار مراتب ہوتے ہیں اولیت، آخریت، ظاہریت، باطنیت۔ آیۂ کریمہ:-

"ہو الاول والآخر والظاہر والباطن
وہو بکل شیء علیم" (۲۷ ع ۱۷)

سے وجود کے چاروں مراتب کا حق تعالیٰ ہی کے لیے ہونا حصراً ثابت ہو رہا ہے۔ اس فقر کا احساس ہوتے ہی عارف کی زبان سے یہ بیتِ [illegible] نکلتی ہے۔

میرا مجھ میں کچھ بھی نہیں سب ہے تیرا
تیرا تجھ کو دینے سے کیا جاتا ہے میرا

عارفِ روم نے اس کیفیت کو یوں پیش کیا ہے۔

چیست توحیدِ خدا آموختن
خویشتن را پیشِ واحد سوختن
گر ہمی خواہی کہ بفروزی چو روز
ہستیِ ہمچون شبِ خود را بسوز
زانکہ ہستی سخت مستی آورد
عقل از سر شرم از دل می برد
ہر کہ از ہستیِ خود مفقود شد
منتہائے کارِ او محمود شد

جاوید نامہ میں اقبال وجود، صفات، افعال و آثار کی نسبت صرف حق تعالیٰ ہی کی طرف کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں:-

می شناسی طبعِ دراک از کجاست
جوہرے اندر تنگِ خاکی از کجاست
طاقتِ فکرِ حکیمان از کجاست
قوتِ ذکرِ کلیمان از کجاست
این دل و این واردات از کیست
این فنون و معجزات از کیست؟
گرمیِ گفتار داری از تو نیست
شعلۂ کردار داری از تو نیست
این ہمہ فیض از بہارِ فطرت است
فطرت از پروردگارِ فطرت است

دعوتِ کلمہ لا الٰہ الا اللّٰہ سے بھی ہمیں عرفانِ فقر حاصل ہوتا ہے "لا" ذوات خلق سے غیر اللّٰہ سے الوہیت کی نفی کرتا ہے، ربوبیت کی نفی کرتا ہے، افعال و صفات و وجود کی نفی کرتا ہے اور "الا" ان تمام اعتبارات کا ذاتِ اقدس میں اثبات کرتا ہے۔ [illegible]

[illegible]

---

۱ فقر کار خویش را سنجیدن است!
بر دو حرفِ لا الٰہ پیچیدن است

۲ خودی را از وجودِ حق وجودے / خودی را از نمودِ حق نمودے [illegible] خودی را فاش تر دیدن بیاموز

۳ فقرِ مومن چیست؟ تسخیرِ جہات
بندہ از تاثیرِ او مولیٰ صفات
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضاست
ما امینیم این متاعِ مصطفیٰ است

۴ فقر چون عریان شود زیرِ سپہر
از نہیبِ او بلرزد ماہ و مہر
[illegible] فقر بر کرّوبیان شبخون زند
بر نوامیسِ جہان شبخون زند

۵ لیکن فقر کے اور سلطان میں [illegible]

۶ بیش سلطان نعرۂ او لا ملوک

۱ اندکے گم شد بقرآن در خبر
باز لے تا داری بخویش اندگر

تجلی تخیر نہ جبریل و حور
تیرِ ماز ترع العیبر گرد لغیب
بے مقام عبدہ گرد ترکیب

حقیقت حق کا ہر حلقہ شان مجشتا ہو وہ حق تعالے کی تجلیات کا محل بن جاتا ہے۔ گفتار و کردار میں وہ حق ہی کی صفات کو ظاہر کرتا ہے۔ اعدا کے خلاف وہ حق کی صفت قہاری و جبروت کا مظہر ہے۔ تو آپس میں رحم و غفاری کا مجلیٰ۔ اس کی سیرت کی تطہیر حق تعالے اپنی خاص توجہ سے فرماتے رہتے ہیں۔ اور اس میں اپنی قدوسیت کی تجلی کرتے جاتے ہیں۔ اور وہ رفعت و علو بخشتے ہیں۔ کہ وہ ہمسایہ جبریل امین بن جاتا ہے۔ وہ بظاہر تو قاری قرآن ہے۔ لیکن حقیقت کلام حق کا مظہر ہونے کی وجہ سے خود قرآن ہوتا ہے۔ حق تعالے کے مقاصد کا ظہور اسی ہی کے ادا دوں کی صورت میں ہوتا ہے۔ حق تعالی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کا رحمت و جلالت کی تجلی گاہ اس کا قلب ہوتا ہے۔ مومن خود تو خیر ہے۔ لیکن اس فقر کی وجہ سے صفات ایجابیہ حق کا جلوہ اسی کی صورت سے بیان ہوتا ہے۔ وہ فانی زائل ہو لیکن باقی بحق ہے۔ کس خوبی سے اقبال نے اس مفہوم کو ادا کیا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
ہمسایہ جبریل امین بندۂ خاکی
ہے اس کا نشیمن نہ بخارا نہ بدخشان
یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
قدرت کے مقاصد کا عیار اس کے ارادے
دنیا میں بھی میزان قیامت میں بھی میزان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا صفت سورۂ رحمان

فقر ہی کی وجہ سے مومن حق تعالے کا خلیفہ ہے خلیفہ ہے اور ولی ہے۔ اسی لئے ... اقبال صفت فقر کی مسلمانوں کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ

اللہ کرے تجھ کو عطا فقر کی تلوار

(معارف)

افسانہ

بھائی کی محبت

از پنڈت آنندی پرشاد مصر مراد آباد

"تو جو اچھا لگے کرو میں اور کچھ نہیں کہوں گی ایسا اچھا لڑکا تمہیں پسند نہیں آیا۔"

ماموں کے چہرہ پر غصہ کے آثار صاف نمایاں ہو گئے۔ والدہ نے سر جھکا کر کہا۔

"بھائی! ناراض نہ ہو ذرا سوچو بھی کہ کیا لڑکی کو اس طرح بہا دینا چاہیئے۔"

ماموں نے زور سے چلا کر کہا "لڑکے کی دوسری شادی تو صرف نام ہے۔ اس کی عمر ہی ابھی کیا ہے۔ چالیس سے زیادہ نہیں ہے۔ صرف دس سال کا ایک لڑکا ہے۔ لیکن اس کے پاس کتنی دولت ہے۔ اس کا تم خیال نہیں کرتیں لڑکی سکھ سے رہے گی۔ ہیرے موتیوں کے زیوروں سے لدی رہے گی تمہاری کیا رائے ہے نریش؟"

بھائی نے اب تک کچھ نہیں کہا تھا وہ آج صبح کلکتہ سے آئے تھے۔ میں ان کو سیب چھیل کر دے رہی تھی۔ اور وہ انہیں کھا رہے تھے۔

بھائی کیا جواب دیتے۔ یہ میں اچھی طرح جانتی تھی۔ میرے لئے جو ان کی محبت تھی اُسے تمام گھر کے لوگ جانتے تھے۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا تھا تب سے بھائی کے منہ سے پیار کا ایک لفظ بھی نہیں سنا تھا معمولی معمولی باتوں پر وہ ناراض ہو جاتے تھے۔ میری چھوٹی سی غلطی کو بھی وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ صرف میرا ہی نہیں بڑی بہن کے ساتھ بھی ان کا یہی برتاؤ تھا۔ بھائی مجھے بندریا۔ کل مُہی۔ منہ جلی وغیرہ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ میرے لئے میٹھے پیار کے الفاظ ان کے منہ سے کبھی نہ نکلتے تھے۔ بہن کبھی کبھی یہاں آتی تھیں۔ اس لئے بھائی انہیں اب بخشے دیتے تھے۔ مگر میرے اوپر تو ان کا پارہ ہمیشہ گرم رہا کرتا تھا۔ لیکن ایک بات تھی بھائی کی اس ناراضگی سے۔ مجھے کبھی غصہ نہ آیا۔ بار بار یہی الفاظ سنتے سنتے ان کی سننے کی کچھ عادت سی ہو گئی تھی۔

اس ... میری ہی شادی کی چرچا ہو رہی تھی۔ بھائی میرے منہ کی طرف دیکھ رہے تھے ان کے منہ پر ہنسی رونق افروز تھی۔

"بندریا کہیں کی۔ منہ کیسا سیاہ ہو گیا ہے۔" بھائی نے کہا۔

میری عمر اٹھارہ سال کی تھی۔ والدہ پڑھی لکھی تھیں انہوں نے مجھے بھی تھوڑا سا پڑھنا لکھنا سکھا دیا تھا۔ بھائی نے انٹرنس میں کئی بار فیل ہو کر پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ مگر گھر پر دیگر کتب کا مطالعہ خوب ہوتا تھا۔

والدہ نے ایک بار میری طرف دیکھ کر ٹھنڈی سانس لی۔ یہ میری نگاہ سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔ بھائی نے ماموں کے سوال کے جواب میں کہا۔ "اماں تم اس جگہ شادی کیوں نہیں کرنا چاہتیں؟ شادی میں خرچ کرنے کے لئے جب پاس میں روپیہ نہیں ہے۔ تو ماموں صاحب نے جس لڑکے کو پسند کر لیا ہے۔ اس کے ساتھ شادی کر دینے میں کیا ہرج ہے۔ چالیس سال تو کچھ زیادہ عمر نہیں ہے۔ شاید بھی اب بچہ کچھ نہیں رہا ہے۔ لڑکے کی دوسری شادی ہے تو اس میں نقصان ہی کیا ہے؟"

ماموں نے درمیان میں بات کاٹ کر کہا لڑکا دیکھنے میں خوبصورت ہے اس کی تندرستی بھی اچھی ہے۔ رسالہ میں روپیہ پیسہ والا بھی ہے۔ نہیں شادی میں کچھ خرچ بھی نہ کرنا پڑے گا۔ میں اچھا سمجھ کر ہی ایسا کر رہا ہوں۔

"بھائی! اور کھیل دوں؟" میں نے پوچھا۔

بھائی نے ناراض ہو کر کہا۔ "تم سے میں نے لاکھ مرتبہ منع کر دیا ہے۔ کہ جب ہم لوگ بات چیت کر رہے ہوں تو درمیان میں بات نہ کاٹا کرو۔ مگر منہ جلی کی عادت تبدیل ہونے میں نہیں آتی۔"

میرا کیا قصور تھا یہ میں نہ جان سکی اگرچہ ایسی ایسی جھڑکیاں روز ہی سننے کو ملتی تھیں مگر نہ معلوم آج کیوں اسے سن کر میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

کچھ دیر تک خاموش بیٹھی رہی۔ بھائی کہیں آنسو گرتے دیکھ لیں گے تو پھر ناراض ہوں گے اس خوف کے سبب میں وہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی وہیں سے میں نے بھائی کو کہتے سنا۔

"بیکار مغز پچی کرنے سے کیا فائدہ؟ ہم لوگوں کی جیسی حالت ہے۔ اس کو سمجھتے ہوئے ماموں صاحب کا حکم مان لینا چاہیئے شانتی وہاں سکھ سے رہے گی۔"

(۲)

سُنا تھا کہ میرے والد بابو ... نے زندگی کا بیمہ کر گئے تھے اور اسی سے ان کی وفات کے بعد بھائی کو بیس ہزار روپیہ ملے تھے گاؤں میں کچھ زمینداری تھی اس سے ہم لوگوں کی گذر بسر سے ہو جاتی تھی۔ بھائی نے ابھی تک شادی نہیں کی تھی۔ انہوں نے یہ ارادہ کر لیا تھا جب تک روپیہ پیدا نہ کرنے لگیں گے تب تک شادی نہ کریں گے۔ مگر ہندو گھرانوں کی لڑکیاں برابر کنواری نہیں رکھی جا سکتی۔ میری شادی کی عمر بہت دن پہلے ہو گئی تھی۔ مگر بھائی کا یہ مصمم ارادہ تھا کہ جب تک کوئی اچھا لڑکا نہ ملے گا شادی نہ کریں گے۔ اس وجہ سے گاؤں کے لوگ ان کی برائی بھی کیا کرتے تھے مگر وہ اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ لیکن والدہ کو میری شادی کی بہت فکر تھی۔

بھائی صاحب زیادہ عرصہ تک گاؤں نہیں ٹھہرتے تھے۔ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ وہ کلکتہ یا کسی دوسرے مقام پر سیر کرنے جایا کرتے ہیں۔ گاؤں میں یہ افواہ بھی تھی کہ بھائی نے کسی روزگار میں بیس ہزار روپیہ برباد کر دئے ہیں۔ اماں کے ساتھ اس کے متعلق کیا بات چیت ہوئی تھی۔ اس کی مجھے مطلق خبر نہ تھی مگر ہاں! یہ مجھے معلوم ہے کہ اماں ایک مرتبہ بھائی پر ناراض ہوئی تھیں اور بھائی صاحب نے گردن جھکا لی تھی۔ کچھ بھی جواب نہ دیا تھا بھائی صاحب کی عادت سے میں اچھی طرح واقف ہوں وہ بلا وجہ کسی کی بات بھی سننا گوارا نہیں کرتے تو پھر یہ اماں کی جھاڑ کیوں برداشت کرتے؟

بھائی صاحب کم گو تھے گاؤں والوں سے کم ملتے تھے۔ سب ... جانتے چرا کرتے ہیں۔ مگر آپ کو اس کا رنج ... ہوتا کہ ان کا کوئی دوست نہ تھا بھینہ مرید ... دو چار نوجوان

کے واسطے گھر آتے تھے اور یہ دو چار دن بھی
گھر میں رہتے تھے کتابوں میں کاٹ دیتے تھے
خوف کے سبب ان سے کوئی کچھ نہ پوچھتا تھا
اماں جب کہتی کہ تمام روپیہ برباد کر کے یوں باہر
رہنے سے کیا فائدہ ہے؟ تو بھائی صاحب
کچھ جواب نہ دے کر خاموش ہو جاتے تھے۔
بھائی گھر سے اپنے خرچ کے لئے ایک پیسہ بھی
نہ لیتے تھے۔ گاؤں کے آدمیوں کا خیال ہے کہ یہ
لڑکا بگڑ گیا ہے۔ پچیس ہزار روپیہ عیاشی میں اڑا
چکا ہے۔ اسی شرم کی وجہ سے لوگوں سے نہیں
ملتا۔

گاؤں کے لوگوں کی یہ باتیں بھائی
صاحب کے کان میں کبھی پہنچتی تھیں جب
کبھی اماں ان کا ذکر کرتی تو وہ ہنسی میں اڑا
دیا کرتے۔

میرے ماموں وکیل تھے میری شادی کی
بات طے کر کے دوسرے روز ہی شہر کو واپس چلے
گئے۔ بعد کو یہ بھی معلوم ہوا کہ والدہ کو یہ لڑکا
بالکل پسند نہیں وہ جائداد فروخت کر کے
میری شادی اچھی جگہ کرنا چاہتی تھیں۔ ماموں
نے یہ بات سن کر کہا تھا۔

"کیا تم نریش کو بالکل ہی فقیر بنانا چاہتی
ہو؟ اس نے اپنی غلطی سے نقد روپیہ برباد
کر دیا تو کیا تم جائداد بھی فروخت کر ڈالو گی؟
یہ نہیں ہو سکتا۔ تم اسی لڑکے کے ساتھ شادی
کر دو لڑکی سکھ میں رہے گی۔ اور جائداد بھی
فروخت نہ ہوگی۔

اماں بہت کمزور دل کی تھیں اور ماموں
سے بہت خوف کھاتی تھیں وہ ماموں کی اس
بات پر زار زار رونے لگیں۔ میرے دل میں آیا
کہ کہدوں۔

"اماں تم کیوں روتی ہو! میرے لئے
بھائی صاحب کو فقیر کیوں بناتی ہو۔" مگر میرے
منہ سے بات نہ نکلی نہ معلوم کس نے گلا بند کر دیا
کانپتے ہوئے ہاتھوں سے میں نے پاندان
لا کر اماں کے سامنے رکھدیا۔ بھائی صاحب نے
میری طرف دیکھ کر کہا۔

"ماں سمجھتی ہے کہ لڑکی خوبصورت
ہے اچھا لڑکا مل جائے گا۔ مگر جیسی لڑکی ہے
اس کے مقابلہ میں کیا خراب لڑکا مل رہا ہے۔"
الغرض بھائی صاحب نے یہ ارادہ کیا تھا
کہ اچھا لڑکا جب تک نہ ملے گا تب تک شادی
نہ کریں گے۔ کیا جائداد جانے کے خوف سے
بھائی صاحب کے ارادے میں تبدیلی ہو گئی! اف!
یہ سوچ کر آج بار بار جی زندہ ہوتے ہیں ... مگر بھئی
تو شادی کر کے سکھ سے ہوں لیکن بھائی سر کا وجہ

سے جائداد فروخت کر کے تنگدست ہو جائیں
یہ ہرگز نہ ہوگا۔ جو کچھ ہوگا اپنی قسمت پر صبر کر
برداشت کروں گی۔ بھائی کو تکلیف نہ ہونے
دوں گی۔

(۳)

ماں کی ہنسی تفکرات نے چھین لی ان کی
اندرونی حالت مجھ سے پوشیدہ نہ رہ سکی
مجھے دیکھتے ہی وہ مسکرا دیتی تھیں مگر میں جانتی
ہوں کہ یہ مسکراہٹ بناوٹی ہے۔ محبت بھلا
بناوٹ کیا کبھی پوشیدہ رہ سکتی ہے۔

میں خوش رہنے کی کوشش کرتی اپنے
دل کی حالت سے ماں کو آگاہ کر کے اس کو کیوں
رنجیدہ کروں۔ زمانہ جنگ میں فتح و شکست جیسا
ضروری ہے۔ مصیبتوں کو صبر و شکر سے برداشت
کرنا ہی ٹھیک ہے۔ رامائن اور مہابھارت
میں ہم نے ستم کے بہت سے قصے میں نے پڑھے
تھے۔

صرف آج چار دن ہوئے کلکتہ گئے
تھے ماموں نے جو لڑکا تلاش کیا تھا اس
کے ساتھ میری شادی کی سب باتوں کو طے
کرنے کے لئے ہی وہ وہاں گئے تھے۔

شام کا وقت تھا میں کھڑکی کے پاس
کھڑی ہوئی اپنے دل کا غبار آنسوؤں کی
صورت میں نکال رہی تھی اتنے میں کسی نے پیچھے
سے کسی نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا گھوم
کر دیکھا اماں اداس چہرے سے میری طرف دیکھ
رہی ہیں۔ ان کا مغموم منہ دیکھ کر مجھے بہت
تکلیف ہوئی۔

اماں نے کہا "ماں ہو کر تجھے قصائی
کے ہاتھ کیسے سونپ دوں گی۔ پگلی کہیں کی روتی
کیوں ہے؟ نریش کو لوٹنے دے میں وہاں شادی
کبھی نہ کروں گی۔"

میں نے کہا "بھولی لڑکی۔ مجھ سے
چھپاتی ہے۔ میں کیا تیری ماں نہیں ہوں؟"

میں نے رو کر کہا۔ "ہائے اماں میرے
لئے تم کچھ فکر مت کرو۔ گھر کی جیسی حالت ہے
اس سے تمہارا حسب خواہش لڑکا ملنا بہت
مشکل ہے کتنی جگہ بات چیت ہو گئی ہے مگر سب کے
سب لڑکا بیچنے ہوئے ہیں۔ میرے لئے
تم بھائی صاحب کو بھکاری نہ بناؤ بھائی کو
تکلیف دینے سے پہلے میں........

اف اتنے دن کے بعد میں نے اپنے دل
کی بات اماں پر ظاہر کر دی۔ اماں جذبات پورا
ہونے سے پیشتر ہی مجھے سینہ سے لگا لیا۔ ہائے
رے ماں کی محبت۔
یکایک باہر روشنی دکھائی دی اور کسی

کے آنے کی آہٹ ہوئی۔

"اماں!"

یہ تو بھائی کی آواز تھی تو کیا وہ اتنی
جلدی لوٹ آئے؟ نہ معلوم کیا طے کر آئے
میں کانپ اٹھی میں نے ماں کے کان میں آہستہ
سے کہا۔ اگر تم مجھ سے کچھ بھی محبت کرتی ہو
تو بھائی کو ناراض مت کرنا جس طرح وہ کریں کرنے
دینا۔

روشنی لیکر بھائی کمرے میں آئے اور
ہم دونوں کو دیکھ کر کہنے لگے۔ تم لوگ اس طرح
کھڑی کھڑی کیا دیکھ رہی ہو۔ گھر میں روشنی تک
نہیں۔ واہ اس بندیا کا منہ کیسے سیاہ
ہو گیا ہے۔ اماں سے اس کی طرف کوئی نظر اٹھا
کر بھی نہ دیکھے گا۔

میں نے اپنا منہ پھیر لیا۔ اماں بولی الٹے
تو کبھی ایسے پیار تو کرتا نہیں۔ تیرے منہ سے
کبھی بھی اس کے لئے اچھی بات نہیں نکلتی۔

بھائی نے جوتا کرتا اتارتے ہوئے کہا
شادی کے تمام معاملات طے کر آیا۔ آج منگل
ہے۔ اگلے سوموار کو شادی ہوگی۔

ماں نے گھبرائی ہوئی زبان سے کہا۔
کیا بالکل ٹھیک کر آئے؟

بھائی نے جواب دیا شبہ کاہے دیر کی
کیا ضرورت ہے۔

بھائی نے جواب دیا شبھ کام میں دیر کی
کیا ضرورت؟ یہ سن کر اماں وہیں دھم سے بیٹھ گئیں

(۴)

آہستہ آہستہ سوموار کا دن آ گیا
مگر گھر میں شادی کی دھوم دھام نہیں تھی اماں اور
بہن چپ چاپ شادی کی تیاریاں کر رہی تھیں
کچھ رشتہ دار ضرور آگئے تھے۔

بھائی نے بیٹھک میں پکار کر کہا اماں ذرا
ادھر سننا میں پاس والے کمرے میں بیٹھی تھی۔
بھائی نے کہا تم لوگوں سے پہلے نہیں کہہ سکا اس
لئے معاف کرنا ماموں نے جس لڑکے سے
شادی طے کی تھی وہ دو سو باراتیوں کو ساتھ
لے کر آنے والے تھے اور ان کے تمام اخراجات
مانگتے تھے۔ اس لئے میں نے اس شادی کو منظور
نہیں کیا۔

ماں نے تعجب کے ساتھ کہا تو اب کیا
ہوگا؟

بھائی نے جواب دیا۔ فکر کی کوئی بات
نہیں شادی آج ہوگی۔ میں نے ایک لڑکا ٹھیک
کر لیا ہے۔ لڑکا غریب ہے۔ مگر تعلیم یافتہ ہے کر
پہلے کی شادی ہے۔ اس بیاہ میں کچھ خرچ نہ
کرنا پڑے گا۔

بھائی کے اس جملے سے میرا فکر دور
ہو گیا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا بھگوان! اتنے
دن سے میں تم سے پرارتھنا کر رہی تھی تم نے میری
لاج رکھ لی۔ اماں نے دوڑ کر بھائی کو گلے
لگا لیا۔ بہن کا منہ بھی خوشی سے چمک گیا
مجھے اس وقت اپنی قسمت پر یقین نہ تھا
بہن نے میرے کان میں کہا بھائی کو لڑکا بہت
پسند ہے مت گھبراؤ۔

شادی ہو گئی شادی کے وقت میں نے
سوامی کو دیکھ کر دل ہی دل میں بھائی صاحب کا شکریہ
ادا کیا۔ مگر گاؤں کے لوگوں نے بھائی کو برا بھلا
کہنا شروع کر دیا کہ بہن کو ایسے کنگلے
کے پالے ڈالا۔ جس کے خاندان میں کوئی نہیں
ایسے بدقسمت کے ساتھ شانتی کی شادی کر کے
شادی کر کے نریش نے بڑا ظلم کیا۔

ماموں بھی شادی کے وقت موجود تھے
مگر وہ کچھ بولے نہیں سب لوگوں نے اس بات
کو محسوس کیا کہ وہ ناراض تھے لیکن اس شادی
کے سبب بھائی کی جائداد فروخت ہونے سے
بچ گئی وہ راہ کے بھکاری نہ بنے بس اسی
سے ماموں کو تھوڑی خوشی ہوئی۔

(۵)

شادی کو ہوئے تین سال ہو گئے۔ میں ابھی
تک بھائی کے گھر ہی ہوں سوامی کے ساتھ جانے
کی نوبت ابھی تک نہیں آئی۔ انھوں نے بی اے
کے امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کر کے کوئلہ
کی کان کا کام سیکھا تھا۔ اور جھریا کی ایک
کان میں نوکر تھے۔ وہ سال میں دو ایک مرتبہ
آ جاتے تھے۔ مجھے ساتھ رکھ کر خرچ کے کفیل
نہ ہو سکتے۔ ڈیڑھ سال سے بہن بھی ہم لوگوں
کے ساتھ ہی رہنے لگی تھی۔

ماگھ کے مہینے میں یکایک بھائی گھر آ
پہنچے دو ماہ سے وہ باہر تھے ہم لوگوں کو بلا
کر انھوں نے کہا۔ اماں تم لوگ تیار ہو جاؤ۔
کل رات کلکتہ جانا ہوگا۔

اماں نے تعجب سے پوچھا "کہاں لے
کلکتہ چلنا ہوگا؟" انھوں نے جواب دیا...
"ہیرسن روڈ پر نیا مکان خریدا ہے۔ تم اور شانتی
نے کلکتہ نہیں دیکھا۔ چلو تم لوگوں کو ایک مرتبہ
دکھا دوں۔"

بھائی کی حالت میں کیسی تبدیلی تھی
اتنے دن تک تو انھوں نے کبھی ہمارے سکھ
دکھ کی خبر نہ لی تھی۔ آج وہ یہ کیا کہہ رہے ہیں
بھائی کا دماغ تو درست ہے نہ؟

میرا ماں نے کہا اس طرح ٹکٹکی لگا کر میری
طرف کیا دیکھ رہی ہو؟ کیا جب بالکل بھائی کا دیرے

تخفیف اسلحہ کی روسی تجویز

(از:- ولیم سٹیڈ)

۲۵ ستمبر کو ادارہ متحدہ اقوام کی جنرل اسمبلی میں روس کے سب سے بڑے ڈیلی گیٹ موسیو واشنسکی نے ایک حیرت انگیز تجویز پیش کی۔ یہ تجویز اس نے مغربی طاقتوں کو ڈیڑھ گھنٹہ برا بھلا کہنے کے بعد اچانک پیش کی۔ یہ تجویز اس لئے اور بھی زیادہ عجیب سی معلوم ہوتی۔

اس نے اپنی تجویز میں اسمبلی کے سامنے مندرجہ ذیل نکات رکھے ہیں۔

(۱) جنرل اسمبلی حفاظتی کونسل کے مستقل ممبروں (امریکہ - روس - برطانیہ فرانس - اور چین) سے اس بات کی سفارش کرتی ہے کہ وہ پہلے سال اپنی بری - بحری اور فضائی طاقت میں ایک تہائی کمی کر دیں یہ تخفیف اسلحہ کا پہلا اقدام ہوگا۔

(۲) اسمبلی اس بات کی بھی سفارش کرتی ہے کہ ان ایٹمی ہتھیاروں کو ممنوع قرار دیا جائے جو بچاؤ کے لئے نہیں بلکہ جارحانہ اقدامات کے لئے استعمال کئے جا سکتے ہیں۔

(۳) ایک ایسا بین الاقوامی ادارہ قائم کیا جائے جو تخفیف اسلحہ اور ایٹمی ہتھیاروں کے متعلق نگرانی کرے۔

روسی پروپیگنڈا

واشنسکی پر اس بات کا شبہ کیا گیا ہے کہ وہ تجاویز پروپیگنڈا کے مقصد سے پیش کر رہا ہے۔ اور یہ شبہ بجا بھی جائز اور اسکی بات کی ذمہ داری خود سوویٹ روس پر ہے لیکن پروپیگنڈا کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک تو وہ پروپیگنڈا جس کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا اور جو صرف پروپیگنڈا کرنے والے کی بیوقوفی کو ظاہر کرے۔ دوم وہ پروپیگنڈا جو چالاکی اور سوجھ بوجھ سے کیا جائے واشنسکی کوئی بیوقوف آدمی نہیں ہے... کمیونسٹ نقطہ نگاہ سے میں کہہ سکتا ہوں کہ اس نے یہ تجاویز پیش کر کے بہت سوجھ بوجھ کا ثبوت دیا ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ ۷ ستمبر کو برطانوی وزیر خارجہ مسٹر بیون نے چند فقروں میں واشنسکی کی سفارشات کی دھجیاں اڑا دیں اور ۸ ستمبر کو فرانس اور بلجیم کے وزرائے خارجہ نے اسکی دوسری باتوں کا مسخرہ اڑایا اس کے بعد تجاویز کو سیاسی کمیٹی کے سامنے پیش کر دیا گیا۔

ان باتوں سے شاید موسیو واشنسکی کو کوئی فرق نہ پڑے۔ وہ شاید محسوس کرتا ہے کہ ایسی تجاویز پیش کر کے اس نے اپنے مقاصد کو پورا کر لیا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ یہ تجاویز شائع کی جائیں گی۔ سوویٹ روس اور روس کے زیر اثر ممالک میں ان کی تعریف میں پل باندھے جائیں گے۔ عوام کو بتایا جائے گا کہ روس نے یہ تجاویز پیش کر کے ثابت کر دیا ہے کہ وہ عالمی امن کا بہت متمنی ہے۔ برطانوی وزیر خارجہ مسٹر بیون کی معقول نقطہ چینی کو روسیوں تک پہنچنے نہیں دیا جائے گا۔ روسی عوام اور روسی دائرہ اثر کی دوسری ریاستوں کے باشندے یہ خیال کریں گے کہ روسی ترجمان نے تو... اتحادی قوموں کی اسمبلی سے اس بات کی درخواست کی کہ وہ اسلحہ میں تخفیف کر دے اور ایٹمی ہتھیاروں کو ممنوع قرار دے دے۔ مگر برطانوی وزیر خارجہ اور اس کے ساتھیوں نے ان نیک تجاویز کی پروا نہ کی۔

پیچیدہ مسئلہ

موسیو واشنسکی کو اس بات کا پورا علم ہے کہ مغربی ممالک میں ہر ایک آدمی تخفیف اسلحہ کے مسئلہ کی پیچیدگی کو نہیں سمجھتا اور نہ اسے یہ بات یاد ہے کہ لیگ آف نیشنز کی تخفیف کی کانفرنس کیوں ناکام رہی جو ۱۵ سال ہوئے جنیوا کے مقام پر منعقد کی گئی تھی - یہی وجہ ہے کہ... واشنسکی مغرب کے عوام سے اپیل کرتا ہے کہ روسی پالیسی کو محض نفرت کرتے ہیں وہ اپنی سامراجی حکومتوں کی حمایت نہ کریں روس لوگوں کے دلوں سے جنگ کے خطرہ کو دور کرنے کے لئے تھوڑی بہت کوشش کر رہا ہے۔

مجھے تو ہٹلر کی چالوں اور روس کی چالوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا جنیوا کی کانفرنس کے وقت ہٹلر نے کہا تھا کہ وہ دوسرے ممالک کے برابر جنگی ہتھیار رکھنا چاہتا ہے۔ مگر اس نے اس بات کو چھپائے رکھا۔ کہ وہ درحقیقت دوسروں کے مقابلہ میں بہت زیادہ اسلحہ رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس نے یہ نہیں بتایا کہ وہ تو پہلے سے ہی تقریباً ۷۰۵ کروڑ روپیہ سالانہ (۸۰ کروڑ پونڈ) اسلحہ پر خرچ کر رہا ہے اور وہ اس سے بھی زیادہ خرچ کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

موسیو واشنسکی صرف یہ چاہتا ہے کہ بڑی طاقتوں کے اسلحہ میں ایک تہائی کی تخفیف ہو جائے اور جارحانہ اقدامات کے لئے ایٹمی ہتھیاروں کو ممنوع قرار دیا جائے۔ روس کی فوجی طاقت امریکہ اور برطانیہ کی ملی جلی طاقت سے دو چند نظر آتی ہے۔ روس کا مقصد یہ ہے کہ موجودہ فوجی طاقت کا تناسب برقرار رہے اور امریکہ کو ایٹمی ہتھیاروں کی وجہ سے جو فوقیت حاصل ہے وہ بے اثر ہو جائے۔

۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۸ء کے درمیان مغربی طاقتوں نے ہٹلر کے منصوبوں کی طرف کوئی دھیان نہیں دیا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ دنیا کو دوسری جنگ عظیم کا سامنا کرنا پڑا۔ اگر مغربی طاقتیں ثابت قدمی سے کام لیتیں تو وہ ۱۹۳۳ء اور ۱۹۳۷ء کے درمیان ہٹلر کو بڑی آسانی سے روک سکتی تھیں۔ سوویٹ روس کو اب اس بات کی فکر ہے کہ شاید اب وہ زیادہ ثابت قدمی سے کام لیں اور وہ اس غلطی کو نہ دہرائیں جو انھوں نے دوسری جنگ عظیم سے پہلے کی - یہی وجہ ہے کہ وہ ایسی تجاویز پیش کر رہا ہے۔ جو دیکھنے میں بہت اچھی ہیں۔ ان چالوں سے وہ ان کی ثابت قدمی کو کمزور کر دینا چاہتا ہے

حق تنسیخ کا ناجائز استعمال!

میرا اپنا خیال یہ ہے کہ روسی چالیں کامیاب نہیں ہو سکتیں - روسی الفاظ روسی اعمال کی یاد کو مٹا نہیں سکتے - ایٹمی قوت اور ایٹمی ہتھیاروں کے بین الاقوامی کنٹرول کے راستہ میں روس نے روڑے اٹکائے اور نہ کہ امریکہ نے - یہ روس ہی تھا جس نے حفاظتی کونسل میں حق تنسیخ کا ناجائز استعمال کیا۔

امریکہ برطانیہ نے تو پولینڈ ہنگری اور چیکوسلواکیہ کو اپنا غلام نہیں بنایا۔ معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے مغربی طاقتوں نے تو برلن کی ناکہ بندی نہیں کی۔ اتحادی قوموں کی اسمبلی میں اپنی چالوں کا اس لئے مظاہرہ کر رہا ہے کہ مغربی طاقتوں نے برلن کی ناکہ بندی کا مقابلہ کیا ہے۔ اور اُسے جرمنی اور مغربی یورپ میں کمیونزم پھیلانے سے روکا ہے۔

اہل مغرب امن کے خواہشمند ہیں اور اس کو حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔ اہل برطانیہ اور مغربی ممالک کے باشندوں کو پورا یقین ہے۔ کہ امن قائم کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ آزادی کے اصولوں کے تحفظ کے لئے ثابت قدمی سے کام لیا جائے وہ اسکے لئے بالکل تیار ہیں۔ انھوں نے اپنی فوجی طاقت کو جنگ سے پہلے کی فوجی طاقت کے برابر کرنے کے لئے شروع کر رکھی تھی۔ اور یہ بات قابل غور ہے کہ روس نے اب تک اپنی فوجی طاقت کو جنگ کی سطح پر قائم رکھا ہے۔

روس دوسرے ممالک کے ساتھ اشتراک عمل کر کے امن قائم کر سکتا ہے۔ اگر روس کے اعمال کو دیکھا جائے تو واشنسکی کے الفاظ بالکل بے جان اور کھوکھلے نظر آتے ہیں۔ صرف روسی اچھے اعمال ہی ان میں جان ڈال سکتے ہیں۔

ادیباسیوں کی امداد

حکومت بمبئی نے چھ ایسے ادیباسیوں کو امداد دینے کا فیصلہ کیا ہے جن کے مکانات اور تمام مال متاع آگ کی نذر ہو چکے ہیں۔ امداد پانے والوں کے نام یہ ہیں۔

کھیاجی باڈو - ہیرا دادا ٹھاکر - بی پی ایل روپیہ بڈ یادہو کھنورا ڈ ٹھاکر ... دن رام اکسرے وارلی سو روپئے - گوپا جی ٹھاکر بچاس روپیہ - نادہرم ... اور چھپیا روپے جی وارلی ۵ ...

Telephone No. 40415 ESTD. 192 Regd. No. B 2491

THE AJMAL SUNDAY EDITION

ثریا "نرت" میں جو نوٹنکی میں بیحد کامیاب ثابت ہو رہا ہے

Printed and Published by USMAN HUSEIN KHAN from the AJMAL PRESS, Bombay 3

نمبر ۴۱ — بمبئی یکشنبہ ۲۴ اکتوبر ۱۹۴۸ عیسوی — جلد ۲۱

VOL. XXI — BOMBAY, SUNDAY 24TH OCTOBER, 1948 — NO. 41

مشہور صحافی کو بمبئی کے باشندوں کا خراج عقیدت

ہندوستان کے مشہور نڈر صحافی مسٹر ہارنیمین کی لاش کا آخری دیدار بمبئی کے صحافی اور شہری کر رہے ہیں

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ وزیر اعظم اپنے نئے مفتوحہ علاقہ گریز کا کشمیر کی
ایک پہاڑی پر سے معائنہ کر رہے ہیں تصویر میں شیر کشمیر مولانا سعید مولانا صوفی
اور مسٹر ۔ آر ۔ کے کرنجیا اڈیٹر بلٹز بمبئی، معہ چند پریس و فوجی نمائندوں کے
ہمراہ دکھائی دے رہے ہیں

جنگل میں لڑائی لڑنے والے جنکو
ہندوستانی فوج نے تعلیم دی

لیہ میں
مہاراجہ کا
محل
دائرہ میں
چند
ہندوستانی
فوجی افسر

ہندوستان کا ہوائی جہاز
پہلی بار لیہ میں اترا

اوستانوں سنت کرے میں نیم مردہ سا داخل ہوا اور عرق بھرا ہوا گر سنے لگا۔ مالک اپنے بچوں کے لئے خریدی ہوئی چیزوں کو حرامی سے ایک ایک تھیلے میں رکھوا رہا تھا۔ اس نے عبدالوحید کی بات کاٹ دی گر سنی بھی نہیں۔ "جاؤ۔ جاؤ۔" تم جیسے کاہلوں کے مزاج درست کرنے کا یہی نسخہ ہے"

"مجھے عید نہ ہیاوہ کام کر دوں گا"

"تو کر دو۔ اسی وقت تنخواہ مل جائیگی"

"اچھا اس وقت کچھ روپے مل جانے چاہئیں۔"

"ایک پائی نہیں" مالک نے جواب دیا۔ جب تک تم کام پورا نہ کرو گے کچھ نہیں ملے گا" اور فیصلہ چپراسی کو دے کر گھر ہو گیا اسے کی ہدایت کر کے کمرے سے باہر نکل گیا۔

عبدالوحید مالک کے کمرے سے باہر آیا تو اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ساری دنیا کو مار مار کر ادھ موا کر دے۔ ایک خیال آیا۔ بابو جی سے روپے دو روپے مانگ لوں مگر غیرت اور غصہ کے جوش نے اس خیال کو فوراً مسترد کر دیا۔ کھانے کے خالی برتنوں کی پوٹلی اٹھائی اور گھر کی طرف چل پڑا۔ مگر ہر قدم پر رشید کی درخواستوں اور اس کی توقعات کا خیال آ آ کر ستانے لگا۔ اتوار کے روز رشید نے دن میں کئی بار اسے سیب لانے کے لئے یاد دہانی کی تھی۔ اب وہ دروازے ہی میں انتظار میں کھڑا ہو گا کہ ابا جی سیب لے کر آتے ہیں۔

عبدالوحید کو ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ گھر کے دروازے کے سامنے ہے اس کا بیٹا دوڑا ہوا اس کی طرف آ رہا ہے اور پوچھ رہا ہے۔ "ابا جی سیب لائے؟ آج تو ضرور لائے ہوں گے۔ دیکھوں کیسے سیب لائے ہیں بڑے بڑے ہیں نا؟ اور سرخی والے"

عبدالوحید کو محسوس ہوا کہ اس کا دل بیٹھا جا رہا ہے۔ خدایا یہ افلاس یہ غریبی کیوں ہے؟ میں اور مجھ جیسے لوگ ہی کیوں غریب ہیں۔ لوگ دنیا کو لوٹ رہے ہیں۔ پھر بھی روپے میں کھیل رہے ہیں۔ ان کو ہر طرح کا آرام میسر ہے وہ اپنے بچوں کے لئے ہر کچھ خرید سکتے ہیں۔ میں ایک بے خطا بے قصور کسی کو دکھ نہ دینے والا غریب مزدور۔ غریبی اور افلاس میں گرفتار ہوں۔ زندگی کو گھن لگ گیا ہے پیٹ کو روٹی نہ بال بچوں کی کوئی خوشی پوری کر سکتا ہوں۔ نیاز مندی۔ دکھوں اور مصیبتوں میں ہی کٹ گئی۔ سدا مزدوروں کو دبایا گیا۔ تمناؤں کا گلا گھونٹ

گھونٹ کر دن گذارے۔ جیسے دنیا قید خانہ ہے اور میں اس میں قید کے دن کاٹ رہا ہوں۔

اپنی دکھوں اور مصیبتوں کو وہ یاد کر کے خیال کرتے کرتے جب عبدالوحید کو یہ محسوس ہوا کہ اس کے افلاس کی وجہ سے کس طرح اس کے بال بچے بھی اپنے من مارنے پر مجبور ہیں تو اسے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ایک تیز چاقو ہے جس کی نوک سے اس کے دل کو بار بار زخم لگائے جا رہے ہیں۔

ایک طویل عرصہ سے عبدالوحید افلاس کی چکی میں پستا ہوا زندگی گذار رہا تھا اور حالات میں جتنی تکلیفیں پہونچ سکتی ہیں ان کو جوں توں جھیلتا چلا آ رہا تھا۔ لیکن آج بچے کے لئے سیب نہ خرید سکنے سے اسے جو تکلیف ہوئی وہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی۔

راستہ چلتے چلتے پھل والے کی دوکان سامنے نظر آئی۔ عبدالوحید کے دماغ کو دکان دیکھ کر ایک جھٹکا لگا۔ بڑے بڑے سیب رکھے تھے۔ چمکدار سرخی والے۔

عبدالوحید کو ایسا معلوم ہونے لگا گویا اس کا بچہ اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے "ابا جی سیب لائے؟"

عبدالوحید کا دماغ چکر کھانے لگا اس طرح جیسے کوئی طاقت اسے کشاں کشاں پھل والے کی دکان کی طرف لے جا رہی ہے وہ دوکان پر جا پہونچا۔ اس نے دو تین بڑے بڑے سیب اٹھائے۔ وہ وہاں سے چل پڑا۔

کالا ... کی جرات سے بیٹھے تو جران ہو کر تکتا رہا۔ پھر چلانے لگا۔ پھر لا نیا پھر لینا۔ چور چور۔

عبدالوحید کو کچھ خبر نہیں رہی کہ کیا ہو رہا ہے۔ جب ہوش آیا تو وہ حوالات میں تھا۔

گھر پر رشید دروازے میں آن کر کھڑا ہو گیا تھا۔ شام کے چھ بجے سات بجے آٹھ کا عمل ہوا مگر ابا جی گھر نہیں پہونچے لوگ آ جا رہے تھے۔ دور سے رشید ہر آنے والے کو ابا جی سمجھتا مگر جب وہ قریب آتا تو اندازہ غلط نکلتا۔

کھانے کا وقت آ گیا۔ کھانا ابھی کھایا ... ابا جی پھر بھی نہیں آئے۔ اماں جی بھی پریشان تھیں۔ رشید نے کھانے کے بعد بھی دیر تک جاگتے رہنے کی کوشش کی۔ پھر انتظار کرتے کرتے تھک کر سو گیا۔ مگر سوتے سوتے ماں کو یہ ہدایت کر دی کہ ابا جی آئیں تو مجھے جگا دینا۔

سوتے میں وہ خواب دیکھ رہا تھا کہ ابا جی اس کے لئے بڑے بڑے چمکدار سرخی والے سیب لائے ہیں۔

ادھر پولیس انسپکٹر صاحب تمام شام پکڑے گئے ایک اچکے اور گرہ کٹ کے خلاف رپورٹ تیار کر رہا تھا۔

(قندیل)

رفتار زمانہ

(اردو زبان میں مختلف شعراء اور استادوں نے گردش روزگار کا نقشہ جو پیش کیا ہے مشتے نمونہ خروارے انتخاب پیش کش ہے۔ (نقاد)

لوٹ منظور ہے تو آ اگر آیا تو کہو
ادھر آئیے بھی تو بستی ہے مسلمانوں کی
(میر تقی میر)

کہاں اپنا وہ عالم کہیں اٹھے کہیں بیٹھے
ہوئی ہے اب تو یہ حالت جہاں بیٹھے وہیں بیٹھے
(تاجدار ہند ظفر)

عجز و نخوت نے قدم جب حد سے باہر رکھ دیا
پاؤں پر سر میں نے اس نے پاؤں پر سر رکھ دیا
(امیر شکوہ آبادی)

مردِ حق با باطلاں گفتن ندارد حاصلے
در زمین شور صائب دانہ افشانی مکن
(صائب تبریزی)

نہ تواں گرد ز دشمن بتواضع جان را
قامت خم ندہاند ز اجل پیران را
(غنی کشمیری)

مل جاگلے سے اب تو میرے یار کیا ہوا
دو روز دوستی میں جو باہم لڑے لیے
(مرزا سودا)

عمریست کہ در غم جہانم ساقی
تاب تف تشنگی نہ دارم ساقی
یکتا سر و شنگ و درگریم سر و
سالی بکفم قدح ندارم ساقی
(غالب دہلوی)

جنت نہ ہے زندگی میں زمانہ شباب کا
پیری ہے اپنے ... سے ہونا عذاب کا
(ذوق دہلوی)

گر بادہ خوری تو با خردمنداں خور
یا با صنم لالہ رخ و خنداں خور
بسیار مخور ورد مکن فاش مساز
رندک خور و گاہ گاہ خور پنہاں خور
(عمر خیام نیشاپوری)

زمانہ جیسے دنیا میں خدا دیتا ہے
دل میں وہ فروتنی کو جا دیتا ہے
کرتا ہے تہی دست تنہا آپ اپنی
جو ظرف کہ خالی ہے صدا دیتا ہے
(مرزا دبیر لکھنوی)

کس بندہ پہ برا وقت نہ ڈالے اللہ
کیا خبر تھی کوئی یوں ہجر میں مر جائیگا
(داغ دہلوی)

بپدرم روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت
ناخلف باشم اگر من بجوے نفروشم
(حافظ شیرازی)

کچھ دن بسر اس خانۂ دنیا میں ہیں مہماں
دست ملک الموت میں ہے سب کا گریباں
زندہ دل ہیں ہیں گر آج تو کل ہوں گے بیجاں
ہے سب پہ لازم سفر مرگ کا ساماں

اعمال دنیا میں نہ ہرگز خلل آئے
کیا جانے کس وقت پیام اجل آئے
... لکھنوی

زیارتِ حرمین شریفین

(ایک حاجی):-

دنیا کے کسی حصہ میں کوئی مسلمان رہتا ہو اور زندگی کے مکروہات میں وہ کتنا ہی پھنسا ہوا کیوں نہ ہو جب وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کا نام سنتا ہے تو اس کے دل میں بے اختیار یہ آرزو پیدا ہوتی ہے کہ خدا وہ دن جلد لائے جب وہ ان مقدس اور بابرکت شہروں کی زیارت سے بہرہ ور ہو سکے۔ جہاں اسلام کا آغاز ہوا اور جن کے در و دیوار اور گلی کوچوں سے رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک یادیں وابستہ ہیں۔ مکہ معظمہ جہاں ایک خدا کی عبادت کے لئے دنیا کا سب سے پہلا گھر بنایا گیا اور جس کے بنانے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام تھے۔ جسے ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مولد ہونے کا فخر حاصل ہے۔ جہاں آپ کا بچپن اور شباب گزرا اور جس کی وادیوں اور پہاڑیوں میں آج سے تیرہ سو اسّی سال پہلے توحید کا آوازہ بلند ہوا اور پھر مسلسل تیرہ سال تک آپ کی دعوتِ حق سے اس مقدس شہر کی فضائیں گونجتی رہیں۔ جو روئے عالم پر چالیس کروڑ بسنے والے مسلمانوں کا قبلہ ہے۔ اور جس کی طرف اپنی پنج وقتہ نمازوں میں وہ رُخ کرتے ہیں۔ اور پھر وہ شہر جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دارالہجرت ہونے کی سعادت نصیب ہوئی اور وہ آپ کے نام نامی سے منسوب کیا گیا۔ جہاں سے اسلام کا ابرِ رحمت اٹھا اور کل دنیا پر چھا گیا۔ اور اس سے خدا کی ساری کھیتی ہری ہو گئی۔ وہ پُرنور شہر جہاں آپ کی مسجد اور آپ کا روضۂ مطہرہ ہے اور جس کی خاک کا ہر ہر ذرہ اسلام کے عہدِ اوّل کی تاریخ کا آئینہ دار ہے۔ اور جس کے چپے چپے میں رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کے آثار موجود ہیں۔

سفرِ حجاز

چند سال کی بات ہے کہ ان مقدس شہروں کی زیارت یا دوسرے لفظوں میں بیت اللہ کے حج اور روضۂ اطہر اور مسجدِ نبوی پر حاضری دینے کا شوق میرے دل میں اٹھا اور میں نے خدا کا نام لے کر رختِ سفر باندھا۔ اور بمبئی سے جہاز میں جدہ روانہ ہو گیا۔ تقریباً دس دن ہمیں راستہ میں لگے جس صبح کو ہمارا جہاز جدہ میں لنگر انداز ہوا۔ اس سے ایک دن پہلے دوپہر ہی سے جہاز میں غیر معمولی چہل پہل شروع ہو گئی۔ اور ہر طرف سے یہ صدا ہی سنی جانے لگیں کہ مغرب اور عشاء کے درمیان ہمارا جہاز یلملم کے سامنے پہونچ جائے گا اس لئے اس سے پہلے پہلے نہا دھو کر احرام باندھ لینا چاہئے۔

یمن سے اگر ہم مکہ معظمہ جائیں تو راستہ میں یلملم ایک مقام پڑتا ہے۔ جنوب سے آنے والے عازمینِ حج جب بھی اس مقام سے گزرتے ہیں تو ان کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ پہلے وہ لباس اتار کر احرام باندھ لیں اسی طرح مشرق سے آنے والے [illegible] کے لئے بھی مغرب کی نماز سے پہلے سوائے جہاز میں کام کرنے والے عملے کے کوئی شخص ایسا نہ رہا جس نے احرام نہ باندھ لیا ہو احرام عبارت ہوتا ہے دو چادروں کے جن میں سے ایک تو تہ بند کے طور پر باندھ لی جاتی ہے۔ اور دوسری سے جسم کے اوپر کا حصہ ڈھانپا جاتا ہے۔ لیکن اس میں بھی یہ ضروری ہوتا ہے کہ سر ننگا رہے۔ احرام کی حالت میں نہ تو کسی جاندار کو مارنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اور نہ ناخن اور بال کٹوانے کی ہے۔ نیز لہو و لعب سے کلیتہً احتراز برتنا ضروری ہوتا ہے۔

صبح دس بجے کے قریب ہمارا جہاز جدہ کی بندرگاہ میں پہونچا اور ساحل سے کافی فاصلے پر لنگر انداز ہوا۔ ہم جہاز سے بڑی مشکلوں سے لکڑی کی بڑی بڑی کشتیوں میں اترے۔ اور کشتیاں تند و تیز موجوں سے ٹکراتیں۔ کبھی ایک طرف اور کبھی دوسری طرف ڈولتیں۔ اور سمندر کی اچھالوں سے بچتی بچاتیں ساحل پہونچیں۔ اور الحول نے سرزمینِ عرب پر اتار دیا۔ ضروری کاغذات کو دکھا کر اور سامان کا معائنہ کرانے کے بعد ہم میں سے ہر شخص کو حکماً اپنے لئے کوئی نہ کوئی مطوف چننا پڑا۔ جس کا یہ کام تھا کہ وہ ہمارے قیام کا انتظام کرے۔ مراسمِ حج میں ہمارا "گائڈ" بنے اور ہماری جملہ ضروریات کا ذمہ دار ہو۔

جدہ میں قیام

قانون کے مطابق مطوف تو مجھے ایک نہ ایک لینا ہی پڑا۔ لیکن خوش قسمتی سے میرے قیام کا انتظام جدہ کے ہندوستانی کونسل خانے کے ایک افسر کے ہاں ہو گیا۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ جدہ میں اترتے ہی ہر شخص یہ کوشش کرتا ہے کہ وہ جلد سے جلد مکہ معظمہ پہونچے اور خانہ کعبہ کی زیارت سے سعادت اندوز ہو۔ اگر میرا میزبان مجھے نہ روکتا تو میں بھی اسی دن یا اس کے دوسرے دن مکہ روانہ ہو جاتا۔ لیکن میرے میزبان نے مجھے بتایا کہ وہ خود تین چار دن بعد مکہ معظمہ جا رہا ہے۔ اور وہ بھی حج میں شریک ہوگا۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ میں جدہ میں رک جاؤں۔ اور ان کے ساتھ مکہ معظمہ کا سفر کروں۔

جدہ میں قیام کے ان دنوں میں میرا یہ معمول تھا کہ میں علی الصبح بندرگاہ پر پہونچ جاتا تھا ان ایام میں کوئی دن ایسا نہ جاتا تھا کہ دو یا تین جہاز نہ آتے ہوں۔ میں دیکھا کرتا کہ ایک جہاز سے سوڈانی اور حبشی کالے رنگ اور چوڑے ڈیل ڈول کے سینکڑوں کی تعداد میں چلے آ رہے ہیں اور اس کے بعد جو جہاز آیا تو اس سے الجزائر، مراکش اور ٹیونس کے گورے چٹے بالکل یورپینوں جیسے لوگ اترے۔ پھر چھوٹے قد اور چپٹی ناک والے جاوی آ گئے۔ اور اس کے بعد مصریوں کا ایک جمِ غفیر بھاری بھرکم جسموں کے ساتھ وارد ہوا۔ نیز آج پھر ایک جہاز ہندوستانیوں کا آ جاتا ہے اور اس کے بعد ترکی ٹوپی والے البانیہ اور یوگوسلاویہ کے ترک بندرگاہ سے نکلتے دکھائی دیتے ہیں یہ سب آنے والے ایک ہی لباس میں ملبوس ہوتے۔ ان سب کی زبانوں پر "لبیک اللہم لبیک" (اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں) ہوتا ان کے چہروں پر عقیدت کی ایک خاص کیفیت نظر آتی اور جب ان کی زبان سے "لبیک اللہم لبیک" کی صدا اٹھتی تو ان میں ایک سناٹا طاری ہو جاتا۔ اور وہ عجیب وارفتگی اور محویت کے عالم میں قدم بڑھاتے میرے سامنے سے گزر جاتے۔ صبح سے شام تک ان آنیوالوں کا تانتا بندھا رہتا اور میں کھڑا انھیں دیکھا کرتا اور دل ہی دل میں سوچتا کہ آخر وہ کون سا جذبہ ہے جو انھیں دور دراز ملکوں سے یہاں ہر سال کھینچ لاتا ہے جہاں کوئی آرام میسّر نہیں اور کسی قسم کی سیر و تفریح کا امکان نہیں اور یہ لوگ کس ذوق و شوق سے یہاں آتے ہیں اور ان کے چہروں پر حسن عقیدت کا کس قدر نکھار ہے۔ ان کو دیکھ کر شاید ہی کوئی کافر دل ایسا ہوگا جو نہ متاثر ہوتا ہو۔ اور جسے اتنے انسانوں کی محویت مسرت نہ کر دیتی ہو۔

مکہ معظمہ کو روانگی

ذی الحجہ کی چھٹی تاریخ تھی کہ ہم سہ پہر کے وقت جدہ سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ جدہ سے مکہ معظمہ کل ۴۵ میل ہے۔ اور ہم کار میں تھے۔ لیکن پھر بھی پانچ چھ گھنٹے سے پہلے ہم مکہ معظمہ نہ پہونچ سکے بات یہ ہے کہ ایک تو راستہ ٹھیک نہیں تھا اور دوسرے پیدل چلنے والوں، اونٹوں، موٹر لاریوں اور موٹر کاروں کی وہ بھیڑ تھی کہ موٹر بعض جگہ ہمیں چیونٹی کی چال چلنا پڑتا بس یوں سمجھئے کہ جدہ سے لیکر مکہ معظمہ تک انسانوں کا ایک سمندر تھا جو موجیں مارتا دکھائی دیتا تھا۔ ہم کدھر سے گذرے راستہ میں کون کون پڑاؤ آئے۔ ہمیں ان باتوں کا مطلق کوئی ہوش نہیں تھا۔ جس طرف نظر اٹھتی انسان ہی انسان دکھائی دیتے اور تمام شور و شر میں صرف ایک ہی آواز سنائی پڑتی "لبیک اللہم لبیک"

کافی رات گذر چکی تھی کہ ہم مکہ معظمہ پہونچے قیام گاہ پر سامان رکھتے ہی ہم نے فوراً "حرم" کا رُخ کیا۔ بازاروں اور گلیوں سے گذرتے ہوئے جو آنے جانے والوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں ہم ایک سنگین عمارت کے پاس پہونچے چند سیڑھیاں چڑھ کر اس کے دروازے سے اندر داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بہت بڑا صحن ہے جس کے چاروں طرف برآمدے بنے ہوئے ہیں۔ اور بیچ میں کھلی جگہ ہے جس کے وسط میں جو عمارت تھی وہ خانہ

[illegible] ایک دم جو لاری ایک پہاڑی کی اوٹ سے نکلی تو کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے روضۂ اطہر کا گنبد اور مسجد نبوی کے مینارے نظر آ رہے ہیں۔ جوں ہی ان پر نگاہ پڑی ہم میں سے ہر شخص کی زبان پر درود شریف جاری ہو گیا۔ اور بعض لوگوں کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بھی نکل آئے۔ حجاز ریلوے کے اسٹیشن کے پاس سے جو اب بے کار پڑا ہے گزرتے ہوئے ہم شہر کے اندر داخل ہو گئے اور قیام گاہ پر سامان رکھ کر فوراً مسجد نبوی کا رخ کیا۔ باب مجیدی سے جو اندر داخل ہوئے تو سامنے سرخ پتھر کے بڑے خوبصورت بنے ہوئے ستونوں کی قطاریں کی قطاریں نظر آئیں۔ جنہیں دیکھ کر اقبال مرحوم کا وہ مصرعہ یاد آ گیا جس میں وہ مسجد قرطبہ کے ستونوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ ایسے ہیں کہ ع

شام کے صحرا میں جیسے ہو ہجوم نخیل

مسجد کے بیچ میں کھلا صحن ہے جس کی داہنی طرف عورتوں کے لئے نماز پڑھنے کے لئے ایک جگہ بنی ہوئی ہے۔ سامنے محراب ہے جس کے دائیں بائیں دور تک ستونوں کی قطاریں چلی گئی ہیں۔ دیوارں پر چھت پڑی ہوئی ہے۔ جس میں بجلی کا بڑا حسین کام کیا گیا ہے۔ محراب کے بائیں کو ذرا ایک طرف ہٹ کر روضۂ اطہر ہے۔ جس کے اندر رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے دو جانشینوں یعنی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی قبریں ہیں۔

مسجد نبوی بڑی خوبصورت بنی ہوئی ہے اور وہاں کا پورے کا پورا ماحول بڑا دل افروز اور روح پرور ہے۔ اور وہاں جا کر واقعی طبیعت پر بڑا اثر ہوتا ہے اور انسان کے لئے اپنے جذبات عقیدت کو قابو میں رکھنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہم نے بعض زائرین کو دیکھا کہ وہ روضۂ اطہر کی دیوار پکڑے زار و قطار رو رہے ہیں۔ اور بعض ہاتھ اٹھائے دعا میں ایسے میں اتنے محو ہیں کہ انہیں دنیا جہان کی ہوش نہیں۔

عشاء کی نماز کے بعد مسجد کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں۔ اس کے بعد تہجد کے وقت انہیں کھولا جاتا ہے۔ یہ وقت خاص یکسوئی اور حضوری کا ہوتا ہے اور اکثر خدا کے بندے ان مبارک ساعتوں میں مسجد میں آ کر نماز تہجد ادا کرتے ہیں۔

مدینہ کے تاریخی آثار کی زیارت

مدینہ منورہ اور اس کے آس پاس کا علاقہ تاریخ اسلام کے ابتدائی دور کی یادوں سے اٹا پڑا ہے اور مکہ معظمہ کی نسبت یہاں آسانی سے ان آثار قدیمہ کا پتہ چل جاتا ہے۔

میں نے عربی کی ایک کتاب "آثار المدینۃ المنورہ" لے لی اور اس کی مدد سے جہاں تک ممکن تھا عہد رسالت اور زمانۂ خلافت راشدہ کی ہر تاریخی یادگار کا پتہ چلایا اور اس کی زیارت کی۔ یہاں اتنی گنجائش نہیں کہ مدینہ میں اپنے بارہ دن کے قیام کا حاصل جستجو پیش کیا جا سکے البتہ چند ایک اہم مقامات کا مختصر سا حال عرض کئے دیتا ہوں۔

مسجد نبوی سے تین چار سو قدم پر جہاں شہر سے بالکل متصل مدینہ کا قبرستان ہے۔ جسے جنت البقیع کہتے ہیں۔ اس میں اسلام کے کئی ہزار چھوٹے بڑے بزرگوں کی قبریں ہیں۔ مسجد نبوی کی زیارت اور روضہ مبارک پر فاتحہ کے بعد عام طور پر زائرین جنت البقیع میں آتے ہیں۔ اور یہاں صحابہ کرام امہات المومنین اور بزرگان دین کی قبروں پر فاتحہ پڑھتے ہیں۔

جنت البقیع کے بعد دوسری اہم زیارت گاہ میدان احد ہے۔ جہاں ۳ھ ہجری میں احد کی مشہور جنگ ہوئی۔ جس میں امیر حمزہؓ شہید ہوئے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے۔ احد کا تاریخی میدان مدینہ کے شمال میں تقریباً تین میل پر ہے ہم لوگ پیدل ہی اس کو دیکھنے چل دئے۔ احد کا پہاڑ اچھا خاصہ اونچا ہے اور اس کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ اس کے دامن میں ایک بغل کی شکل کا میدان ہے جہاں مسلمانوں اور اہل مکہ کی لڑائی ہوئی تھی جس میں شروع میں تو مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا لیکن بعد میں تیر اندازوں کی غلطی سے۔ جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فوج کے عقب میں ایک پہاڑی پر متعین کر رکھا تھا۔ یہ فتح شکست میں بدل گئی۔

اس میدان میں ایک طرف حضرت حمزہؓ کا مزار ہے جس کے اوپر پہلے ایک قبہ بنا ہوا تھا۔ جو سعودی حکومت کے حکم سے توڑ دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ وہاں دوسرے ستر صحابہ کی بھی قبریں ہیں جو احد

[illegible]

مدینہ کے جنوب میں دو تین میل کے فاصلہ پر قبا نامی ایک مقام ہے۔ جہاں رسول اللہ صلعم ہجرت کے موقعہ پر مکہ سے مدینہ آتے ہوئے سب سے پہلے اترے تھے اور جس جگہ سب سے پہلی مسجد بنائی گئی۔ قبا کی زمین بڑی سرسبز اور زرخیز ہے۔ اور یہاں باغات کی خوب کثرت ہے۔ اور دن رات کنوؤں کے چلنے کی آوازیں آتی رہتی ہیں۔

یوں بھی مدینہ میں پانی کی بہت افراط ہے اور سبزیاں اور پھل بڑی کثرت سے ہوتے ہیں اور سبزہ کی وجہ سے موسم بڑا خوشگوار رہتا ہے۔ مدینہ کی کھجوریں تو تمام دنیا میں مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ مدینہ کے باغات میں اٹھائیس قسم کی کھجوریں پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ انگور، نارنگی، انار بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ ٹماٹر اور دوسری ترکاریاں وہاں اتنی ہی سستی تھیں جتنی اس زمانہ میں ہندوستان میں ملا کرتی تھیں۔

مدینہ کے ایک دو بازار پختہ ہیں اور ہم نے بعض جگہ پانی کے نلکے لگے ہوئے دیکھے۔ جب حجاز ریلوے چلتی تھی تو مدینہ بڑا آباد شہر تھا اور اس زمانہ میں مدینہ کی آبادی ایک لاکھ کے قریب تھی۔ جو اب گھٹ کر بیس ہزار تک آ گئی۔ بہت سے ترکوں کے اس زمانہ کے بنے ہوئے مکانات اب بھی موجود ہیں۔ ان سے مدینہ کی عظمت رفتہ کا پتہ چلتا ہے۔ انور پاشا مرحوم کی تو یہ خواہش تھی کہ مدینہ میں ایک مرکزی دینی یونیورسٹی بنائی جائے۔ جہاں دنیا کے ہر حصہ کے مسلمان تعلیم کے لئے آئیں۔ اس یونیورسٹی کے لئے اسکیمیں مکمل ہو چکی تھیں۔ اور نقشے تعلیم بنائے جا رہے تھے۔ کہ ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم شروع ہو گئی اور یہ سارے منصوبے خاک میں مل گئے عثمانی سلطنت ختم ہو گئی شریف حسین انگریزوں سے مل گیا۔ حجاز ریلوے ٹوٹ پھوٹ گئی۔ اور مدینہ ایک معمولی سا شہر بن کر رہ گیا۔

اگر خدا کسی مسلمان کو توفیق دے تو وہ کچھ عرصہ ضرور مدینہ منورہ میں گزارے یہاں کی آب و ہوا بھی اچھی ہے اور پانی بھی صحت بخش ہے۔ اور پھل بھی کثرت سے مل جاتے ہیں۔ اور پھر وہاں کا ماحول اس زمانہ میں بھی بڑا پاکیزہ ہے۔ اور وہاں رہ کر دل کو ایک خاص قسم کا سکون و قرار ملتا ہے۔ مدینہ میں مکہ کی طرح ریل پیل نہیں اور نہ وہاں کی سی گہما گہمی [illegible] کا نقشہ ہے

بلکہ وہاں مذہبی رنگ زیادہ ہے۔ اور لوگوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوار میں ہونے کا خاص اثر ہے اور وہ نرم گفتار اور خوش اخلاق بھی ہیں۔

جی تو نہیں چاہتا تھا کہ اتنی جلد مدینہ منورہ کو الوداع کہا جاتا لیکن لاریوں کا انتظام کچھ ایسا تھا کہ ہم زیادہ سے زیادہ بارہ دن وہاں رہ سکے۔ اس کے بعد مجبوراً جدہ واپس آنا پڑا۔ وہاں سے ہم نے کراچی کا جہاز لیا اور اپنے وطن کو لوٹ آئے۔

(تمام شد)

سوشلسٹ پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی میں فرق

کچھ لوگ اکثر پوچھتے رہتے ہیں
کہ سوشلزم اور کمیونزم میں کیا فرق ہے؟
مگر جب وہ یہ سوال کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں
کے پیچھے اصل سوال یہ ہوتا ہے۔ "سوشلسٹ
پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی میں کیا فرق ہے؟"
وہ سوشلزم اور کمیونزم [illegible]۔ اور
[illegible] کے معنوی فرق کو نہیں جانتے ہیں
کیونکہ سوال کے اس پہلو سے انہیں کوئی خاص
دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ سوشلسٹ پارٹی اور
کمیونسٹ پارٹی کے نام سنتے ہیں۔ وہ یہ
بھی سنتے ہیں کہ یہ دونوں جماعتیں
سرمایہ داری کو ختم کر کے عوامی حکومت
قائم کرنے کا دعویٰ کرتی ہیں۔ یہ دونوں
کارل مارکس کا نام لیتی ہیں اور اپنے کو مارکسی
کہتی ہیں۔ اور وہ پھر یہ بھی دیکھتے
ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی نکتہ چینی
کرنے سے نہیں چوکتیں۔ سوشلزم کی چند
موٹی موٹی سنی سنائی باتیں جاننے کے بعد
وہ دونوں جماعتوں کی اس تفریق کو سمجھ
نہیں پاتے۔ اور اسی لئے اوپر لکھا ہوا
سوال کرتے نظر آتے ہیں۔ انہوں نے سوشلزم
اور کمیونزم کا نام سن رکھا ہے۔ اسی لئے
وہ یہ مان لیتے ہیں کہ سوشلسٹ سوشلزم کو
مانتے ہیں۔ اور کمیونسٹ کمیونزم کو اور چونکہ
ان دونوں جماعتوں میں اختلاف ہے اس
لئے سوشلزم اور کمیونزم بھی یقیناً مختلف
ہیں۔ یہ ہے ان کے سوال کی اصلیت۔
ظاہر ہے اس کی نوعیت جو بھی
ہو، جب یہ سوال عام طور سے پوچھا جاتا ہو
تو ضروری ہے۔ اس کا جواب سمجھا کر دیا
جائے تاکہ سوال کرنے والے حضرات
خیالات کو ان کی صحیح صورت میں سمجھ
پائیں۔

سوشلزم اور کمیونزم

[illegible] جواب میں ہم [illegible]
[illegible] سوشلسٹ [illegible] کمیونسٹ پارٹی

کے اختلاف کی وجہ بتا دی جائے۔ مگر سوال جس
شکل میں پوچھا جاتا ہے ضروری ہے کہ اسے
بھی مختصر طور پر سمجھا دیا جائے۔
جہاں تک مارکس کے بتائے ہوئے
سوشلزم اور کمیونزم کے نظریاتی فرق کا تعلق
ہے۔ یہ فرق تضاد کا فرق نہیں۔ بلکہ درجوں کا
فرق۔ سوشلسٹ سماج کے دو ارتقائی ادوار
کا فرق ہے۔
کارل مارکس کے نظریہ کے
مطابق سماج جب سرمایہ داری کے دور کو ختم
کر دیتا ہے۔ تو وہ عبوری مدت کو پار کر کے
سوشلسٹ دور میں قدم رکھتا ہے۔ اس دور میں
اگرچہ شخصی ملکیتیں ختم ہو چکی ہوتی ہیں۔ پیدا
وار کے ذرائع عوامی ملکیت ہو جاتے ہیں۔ پیدا
وار کا [illegible] منافع نہیں عوام کی ضرورت
کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ پھر بھی سرمایہ داری
کے دور کے نفسیاتی اثرات سماجی زندگی سے
بالکل ختم نہیں ہو جاتے۔ مثلاً سرمایہ دارانہ
معیشت میں ہر کام کرنے والا اس لئے کام کرتا
ہے کہ اسے معاوضہ ملتا ہے۔ سرمایہ دار
اپنا سرمایہ اس لئے لگاتا ہے کہ اسے اس کا
معاوضہ منافع کی صورت میں ملتا ہے۔
مزدور اس لئے کام کرتا ہے کہ اسے اس کے بدلے
میں مزدوری ملتی ہے جس سے وہ اپنا اور اپنے
کنبے کا پیٹ پالتا ہے۔ ڈاکٹر مریضوں کا اس
لئے علاج کرتا ہے۔ کہ وہ ان سے فیس کے
پیسے لیتا ہے وغیرہ۔ غرض ہر شخص محنت اس
لئے کرتا ہے کہ اس کے ذریعہ اس کی بڑھی ہوئی
یا کم سے کم ضرورتیں پوری ہوں۔ اس دور میں
کوئی بھی سماجی طور پر اس لئے کام نہیں کرتا ہے
کہ اس سے سماج کی ضرورتیں پوری ہوں۔
چنانچہ جب سماج سوشلسٹ دور میں
قدم رکھتا ہے تو اس کی ذہنی اور مزاجی کیفیت
بہت کچھ سرمایہ دارانہ دور کی ہوتی ہے
سماج کے افراد سے اس کی اچانک امید
نہیں کی جا سکتی کہ وہ محنت ایک سماجی ضرورت
کے ماتحت کریں گے۔ اس لئے ضرورت ہوتی

ہے کہ محنت یا کام کی طرف [illegible] رغبت کرنے
کے لئے کچھ نہ کچھ معاوضہ دیا جائے۔ چنانچہ
اس سوشلسٹ دور میں پیداوار اور تقسیم
کے لئے یہ فارمولا قرار دیا جاتا ہے۔
"ہر شخص سے اس کی صلاحیت کے
مطابق اور ہر شخص کو اس کے کام کے مطابق"
یعنی سماج کے جس فرد میں جیسی بھی کام کی
صلاحیت ہو اس سے اس کی صلاحیت کے مطابق
کام لیا جائے مگر اس سے کام لینے کے لئے
ضروری ہے اس میں زیادہ سے زیادہ بہتر
کام کرنے کی طرف رغبت پیدا ہو۔ اس لئے
اسے اس کے کام کی [illegible] کے اعتبار سے
معاوضہ یا اجرت دی جائے۔
سماج میں یہ فارمولا اس وقت تک
کام کرتا رہتا ہے جب تک کہ پیداوار کی
چیزوں کا افراط نہ ہو جائے۔ یہ جب سماج میں
ضرورت کی چیزیں سماج کی ضرورت [illegible]
[illegible]
[illegible]
ضرورت کے مطابق پیدا ہونے لگ
جاتی ہیں۔ تو پھر اس کی ضرورت نہیں رہ جاتی
ہے کہ کام کی اجرت دی جائے بلکہ افراد کو
یہ آزادی ہوتی ہے۔ کہ اپنی ضرورت کے
مطابق چیزیں سماج سے لیں۔ سماج پیدا
وار کا یہ ارتقائی دور ختم کر کے بہتات
یا افراط کے دور میں قدم رکھتا ہے تو کام کرنے
کے لئے اجرت کی کشش خود بخود ختم ہو
جاتی ہے۔ محنت ضرورت پورا کرنے کا
ذریعہ نہیں رہ جاتا ہے۔ بلکہ محنت خود
ایک ضرورت ہو جاتی ہے۔ اس وقت
محنت ایک تکلیف دہ بوجھ نہیں ہوتا۔
بلکہ ایک تفریح کا مشغلہ بن جاتا ہے۔
ایک عادت ہو جاتی ہے۔ پھر چیزوں
کی افراط کی وجہ سماجی محنت کی مدت خود
بخود کم ہو جاتی ہے۔ اس کے بوجھل ہونے
کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس دور میں ہر
شخص کو اتنی ہی محنت کرنی پڑتی ہے۔ جتنی کہ
خود اس کی جسمانی صحت کو برقرار رہنے کے
لئے ضروری ہوتی ہیں۔
جب ایسی صورت پیدا ہو جاتی ہے
تو پیداوار اور تقسیم کا سوشلسٹ فارمولا خود
بخود ختم ہو کر اس طرح نیا فارمولا بن جاتا
ہے:
"ہر شخص سے اس کی صلاحیت کے
مطابق اور ہر شخص کو اس کی ضرورتوں کے
موافق" پیداوار کی افراط کے ساتھ ساتھ
سماج کی زندگی کا معیار بھی خود بخود بلند

ہو جاتا ہے۔
یہ تو پیداوار کے ارتقا کا معیشتی پہلو
ساتھ ہی ساتھ اس کا ایک سیاسی پہلو بھی
ہے۔ اور وہ یہ کہ جب سوشلسٹ سماج
ارتقا کے اوپر بیان کئے ہوئے دور میں
داخل ہو جاتا ہے تو ریاست بھی نابود ہو
جاتی ہے۔ ختم ہو جاتی ہے۔ سماج پر
دباؤ ڈالے رکھنے کے لئے اس سے بزور کام
لینے کے لئے کسی حکومت کی ضرورت
باقی نہیں رہ جاتی۔ سماج ایک آزاد اور
رضاکارانہ سماج رہ جاتا ہے۔ ریاست
کا یہ خاتمہ کسی باہری طاقت یا دباؤ کی وجہ
سے نہیں ہوتا بلکہ سماج جیسے جیسے ارتقائی
منزلیں طے کرتا جاتا ہے۔ ویسے ویسے
ریاست کی ضرورت خود بخود ختم ہوتی جاتی
ہے۔ یہاں تک کہ مارکس کے لفظوں میں
وہ سوکھ جاتا ہے۔
ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ
مارکس کے نظریے کے مطابق ریاست
دباؤ ڈالنے کا ایک آلہ ہے۔ جو خود
سماج کے طبقاتی تضاد اور مخالفت کے
بطن سے پیدا ہوتا ہے۔ تاکہ اس تضاد
اور مخالفت کو قابو میں رکھ سکے۔ ایسے
سماج میں جو معیشتی طبقوں میں بٹے ہوئے ہیں
ہمیشہ ایک جدوجہد چلتی رہتی ہے۔ ایک
طبقہ دوسرے سے برسر پیکار رہتا ہے۔
ایک طبقہ دوسرے کا استحصال کرنا چاہتا
ہے۔ دوسرا اس کی مدافعت کرتا ہے یعنی
جدوجہد کی وجہ سے ایک تیسری طاقت
خود بخود جنم لیتی ہے۔ جو بظاہر ایک باہری
طاقت دکھائی پڑتی ہے۔ مگر اصل میں اسی
طبقاتی غیر مصالحی کشمکش کی پیداوار اور
تشکیل ہوتی ہے اور جو بظاہر اس کشاکش
سے اوپر اٹھ کر اسے قابو میں رکھنا
چاہتی ہے۔ تاکہ اس پیکار اور کشمکش
کے ہاتھوں سماج اپنے کو ختم نہ کرے۔
ریاست کی مشینری یعنی حکومت طاقتور طبقہ
کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ اس لئے لازمی طور
پر خود ریاست زبردست طبقے کے مفاد
کی نمائندگی کرتی ہے۔
جب ریاست کے اس نظریہ تشریح
کو سامنے رکھا جائے تو ریاست کے نابود
ہو جانے کا مسئلہ صاف ہو جاتا ہے۔
ظاہر ہے کہ جس سماج میں طبقات [illegible]
باقی نہ ہوں طبقاتی [illegible]
ہے تو ریاست [illegible] بھی باقی
نہیں [illegible]

نسلی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کی شکل بھی ریاست بھی ... ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت وہ آتا ہے جب ریاست بالکل ہی نابود ہو جاتی ہے۔

جب سماج اس دور میں داخل ہو جاتا ہے۔ اسے کمیونسٹ سماج کہتے ہیں۔ یہی کمیونزم ہے۔ سماج "سوشلسٹ" سے آگے بڑھ کر "کمیونسٹ" ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ دکھایا جا چکا ہے سوشلزم ایک ہی نظریے کے دو درجوں کا نام ہے ایک عمارت کی دو منزلوں کا محض اصطلاحی فرق ہے۔ یہ دوسرا دور کتنی مدت میں آئیگا خود مارکس بھی متعین نہیں کر سکا یہ منحصر ہے ارتقا کی رفتار پر۔ سماج اس دور میں ترقی کر کے گیا ہو گا۔ نہ مارکس نے بتایا نہ اس کی ضرورت سمجھی۔ کیونکہ ارتقا کی کوئی حد مقرر نہیں کی جا سکتی۔

ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے۔ اگر سوشلزم اور کمیونزم میں کوئی تضاد نہیں ہے دونوں ایک ہی نظریہ (مارکس ازم) کی نمائندگی کرتے ہیں۔ تو پھر سوشلسٹ اپنے کو کمیونسٹ کیوں نہیں کہتے؟ یا پھر سوشلسٹ پارٹی نے اپنا نام سوشلسٹ کیوں رکھا کمیونسٹ کیوں نہیں رکھا جب مارکس نے سماجی ارتقا کی مکمل شکل کمیونزم (اشتمالیت) قرار دی ہے۔

اس کی نظری وجہ یہ ہے کہ کوئی جماعت کسی مقصد کو اپنی کوششوں سے حاصل کرنے کے لئے بنتی ہے۔ اس لئے لازمی طور پر مقصد اسی کو قرار دے گی جس کے لئے اسے جدوجہد کرنی پڑے۔ جہاں تک پہلے دور (سوشلسٹ دور) کو دوسرے دور (کمیونسٹ دور) تک جانے کا تعلق ہے۔ راستہ ارتقائی منزل خود بخود طے کرتا ہے۔ اس کے لئے کسی منظم جدوجہد کی ضرورت نہیں۔ سوشلسٹ سماج بن جانے کے بعد بھی اگر کسی شعوری اور منظم جدوجہد کی ضرورت کچھ حد تک باقی رہ جاتی ہے۔ تو وہیں تک جہاں تک کہ طبقاتی سماج کے سماجی اور نفسیاتی اثرات کو مٹانے کا تعلق ہے۔ اس لئے جیسے جیسے سماج کمیونسٹ دور کی سمت قدم بڑھاتا جاتا ہے۔ ریاست کے ساتھ منظم جدوجہد اور اسی کے ساتھ جدوجہد کرنے والی تنظیمیں یا جماعتیں بھی لازمی طور پر سوکھتی جاتی ہیں۔

اس لئے کسی مارکسی جماعت کا مقصد جدوجہد کے ذریعہ مکمل سوشلسٹ سماج قائم کرنا ہی ہو سکتا ہے۔ چنانچہ سوشلسٹ پارٹی کا مقصد سوشلسٹ سماج کا قیام ہے۔ اور اسی لئے وہ اپنے کو سوشلسٹ پارٹی کہتی ہے۔

خود مارکس نے جب کمیونسٹ مینی فسٹو ۱۸۴۸ء میں شائع کیا تو کہا کہ ہم نے اس مینی فسٹو کو سوشلسٹ مینی فسٹو اس لئے نہیں کہا کہ لفظ سوشلزم ان دنوں غریب تمثیلی سوشلسٹوں کے ہاتھوں بدنام ہو چکا تھا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ آج کل "کمیونزم" اسٹالن اور اس کی ایجنٹ کمیونسٹ پارٹیوں کے ہاتھوں بدنام ہو گیا ہے۔ اور عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ کمیونسٹ پارٹیاں جن چالوں کی تائید کرتی ہیں۔ وہی کمیونزم ہے۔ لینن نے بھی روس میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹی سے الگ ہو کر جب اپنی پارٹی بنائی تو وہ بالشویک پارٹی کے نام سے مشہور ہوئی کمیونسٹ پارٹی کے نام سے نہیں۔ روس میں زار شاہی ختم کر کے جو حکومت قائم ہوئی۔ لینن نے اس کا نام بھی "سوشلسٹ ری پبلک" ہی رکھا۔ کمیونسٹ پارٹیوں کا نام عام طور سے اس وقت سے سنا جانے لگا جب لینن نے سیکنڈ سوشلسٹ انٹرنیشنل (سوشلسٹوں کی دوسری بین الاقوامی جماعت) سے الگ ہو کر کمیونسٹ انٹرنیشنل (تھرڈ انٹرنیشنل ۱۹۱۹ء) میں بنایا۔

اس لئے اگر سوشلسٹ پارٹی اپنے کو "سوشلسٹ" کہتی ہے تو وہ نام کے اعتبار سے بھی "سائنسی مارکس ازم" کی زیادہ نمائندگی کرتا ہے۔

یہ ہے مارکسی سوشلزم (و کمیونزم) کا نظری پہلو۔ اختصار کی کوشش کے باوجود یہ حصہ کافی لمبا ہو گیا ہے۔ اس لئے ہم مضمون کے دوسرے حصے میں سوشلسٹ پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی کے نظری اور عملی فرق پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ سطور بالا میں ہم بتا آئے ہیں کہ نظری طور پر مارکس سوشلزم اور کمیونزم میں کیا فرق ہے۔ ہم نے یہ بتایا ہے کہ ان دونوں اصطلاحوں میں کوئی تضادی فرق نہیں ہے۔ بلکہ صرف درجوں کا فرق ہے اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ سوشلسٹ پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی میں کیا فرق ہے؟ اور یہ اختلافات کیوں ہیں؟

جہاں تک اس فرق یا اختلاف کا تعلق ہے اسے دو حصوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ ایک تو وہ جو نظری اور اصولی ہے۔ اور دوسرا وہ جو عملی اور پالیسی سے متعلق ہے۔

مضمون کے اس حصے میں ہم اس کی کوشش کریں گے کہ پہلے حصے سے متعلق موٹی موٹی باتیں بتائی جائیں۔

یہ صحیح ہے کہ کمیونسٹ پارٹی اور سوشلسٹ پارٹی دونوں کے بنیادی اصول مارکسی ہی ہیں۔ دونوں ہی کارل مارکس کے بتائے ہوئے سائنسی مارکسیت کی بنیادوں پر ایک سوشلسٹ سماج قائم کرنا چاہتی ہیں۔ یا کم از کم اس کا دعوی کرتی ہیں۔ سرمایہ داری باقی نہ رہے۔ پیداوار کے ذریعے عوامی ملکیت ہو جائیں۔ پیداوار سماج کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہو۔ منافع کے لئے نہیں ان سب اصولوں میں بھی اختلاف نہیں مگر اختلاف وہاں پیدا ہوتا ہے جہاں سوشلزم کے اس مارکسی خاکہ میں رنگ بھرنے کا سوال آتا ہے۔ یا ان بنیادی اصولوں کی تفصیل اور تشریح حالات میں اور تاریخ کی روشنی میں کرنی پڑتی ہے۔

سائنسی مارکسیت

مارکس ازم یا مارکسیت سماجی تبدیلیوں کا ایک عقلی فلسفہ ہے۔ ایک سماجی سائنس ہے اور سائنس ارتقا پذیر ہے اس لئے یہ سائنس کی طرح مارکسیت کو آگے بڑھنے والا سائنس ہونا لازمی ہے۔ کسی سائنس کا کوئی فیصلہ آخری اور قطعی نہیں ہوتا۔ حالات اور تجربوں کی روشنی میں مارکسیت کے بنیادی اصولوں کو برقرار رکھتے ہوئے جزوی اور تفصیلی باتوں میں الٹ پھیر کرنا ہی ہوگا۔ ان کی نئی تشریح کرنی ہی ہوگی۔ اگر ایسا نہیں کیا جائے تو پھر مارکسیت زندہ اور عقلی سائنس نہ رہ کر ایک بے جان عقیدہ ایک کتابی فلسفہ بن کر رہ جائے۔

ہمارا اور کمیونسٹوں کا ایک بڑا اختلاف یہیں سے شروع ہوتا ہے۔ زبانی طور پر مارکسیت کو وہ بھی دیگر سائنس مانتے ہیں مگر کسی تغیر و تبدل کے قائل نہیں۔ اگرچہ خود وہ جس مارکسیت کے "کلاسکی" یا "اصلی" شکل کو ماننے اور دانت سے پکڑے رہتے ہیں وہ وہ ہے جسے لینن نے روس کے مخصوص حالات پر آزمایا اور پھر اس کی توڑی مروڑی تشریح اسٹالن نے کی۔ مارکسیت کو اس کی اصلی شکل و صورت کو کسی حالت میں بدلنا ہی ... کارل مارکس کی مارکسیت نہیں کہا جا سکتا۔ اس چھوٹے سے مضمون میں ان تبدیلیوں کی تفصیل دینی تو ممکن نہیں۔ مگر ایک چھوٹی سی مثال کافی ہو گی۔

کارل مارکس نے انقلاب کا جو نقشہ اپنے کمیونسٹ مینی فسٹو میں پیش کیا تھا وہ یورپ کی مخصوص صورت حال کو سامنے رکھ کر۔ یورپ میں صنعتی ترقی زوروں پر تھی۔ صنعتی انقلاب کے بعد یورپ کی زرعی حیثیت تقریباً آخری سانس لے چکی تھی۔ بڑے بڑے زرعی علاقے اور فارم صنعتی علاقوں اور کارخانوں میں بدل چکے تھے۔ یورپ کی آبادی کی اکثریت صنعتی مزدوروں کی تھی۔ اس لئے لازمی طور پر مارکس کے انقلابی نقشے میں مزدور ہی مزدور نظر آتے ہیں۔ کسانوں یا زرعی آبادی کی کوئی جگہ نہیں۔

مگر جب لینن نے روس کی صورت حال کا جائزہ لیا تو اس نے دیکھا کہ صنعتی مزدوروں کی تعداد تھوڑی ہے اور کسانوں کی آبادی بہت بڑی ہے۔ اس پس منظر میں جب اس نے مارکس کے اصولوں کو لاگو کرنا چاہا تو اسے صاف نظر آیا کہ ان حالات کے پیش نظر ترمیم ضروری ہے۔ اس کی دور رس آنکھوں نے دیکھا کہ وہاں کوئی انقلاب اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے کسانوں کی مدد حاصل نہ ہو۔ لینن نے مزدوروں سے کہا۔ مزدور انقلاب کے لئے ضروری ہے کہ کسان بھی اس میں شریک ہوں۔ جو مزدوروں کی قیادت میں انقلاب کو کامیاب بنائیں۔ بلاشک لینن کی یہ مارکس ازم کی ... مارکسیت کی ترمیم تھی۔ لیکن اس کے صحیح مارکسیت ہونے میں کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔

اس دوسری مثال سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ حالات کے اعتبار سے مارکسیت کی اصلی شکل میں تبدیلی ضروری ہے مگر جب حالات ملک اور تاریخی تجربات کو سامنے رکھ کر جب سوشلسٹ پارٹی ترمیم کرنا چاہتی ہے۔ تو یہ اسٹالن کے ماننے والے کمیونسٹ چلا اٹھتے ہیں کہ مارکسیت میں ایک نقطہ کی تبدیلی بھی مارکسیت سے انحراف ہے۔ تو جناب حقیقت یہ ہے کہ مارکسیت بھی اسٹالن کی مارکسیت ہے ...

وزیراعظم پناہگزینوں کے درمیان

شری کھیر وزیر اعظم حکومت بمبئی گذشتہ اتوار کو کلیان تشریف لے گئے تھے - جہاں آپ نے پناہ گزین خواتین کے لئے ایک اسپتال کا افتتاح کیا

مسٹر ہارنیمین کے جنازے کے جلوس کا ایک منظر

پنڈت اومکار کی ٦٠ ویں سالگرہ

ہندوستانی موسیقی کے ماہر پنڈت اومکار کی ٦٠ ویں سالگرہ کے موقع پر ان کے اعزاز میں ایک جلسہ یونیورسٹی ہال میں کیا گیا جسکی صدارت ڈاکٹر جیکر نے فرمائی

404115.
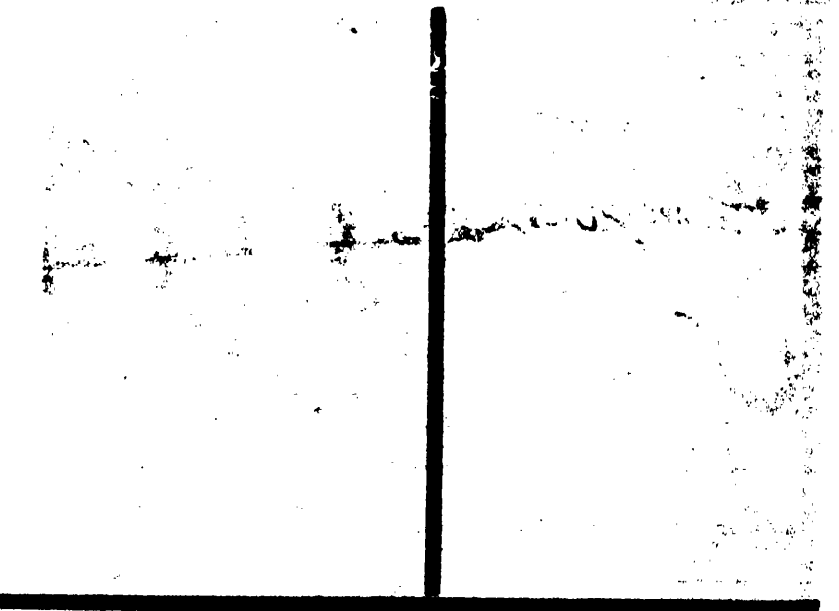
THE AJMAL SUNDAY EDITION

DEBORAH KERR, the distinguished British actress who won overnight fame as Clark Gable's sweetheart in "The Hucksters," reaches new dramatic heights as the gallant woman who stands by Walter Pidgeon when the world turns against him in "If Winter Comes." The powerful new M. G. M. drama is based on A. S. M. Hutchinson's famous story of small town bigotry and injustice. Angela Lansbury, Binnie Barnes, Janet Leigh and Dame May Whitty are others in a stellar cast. It is now at the Metro.
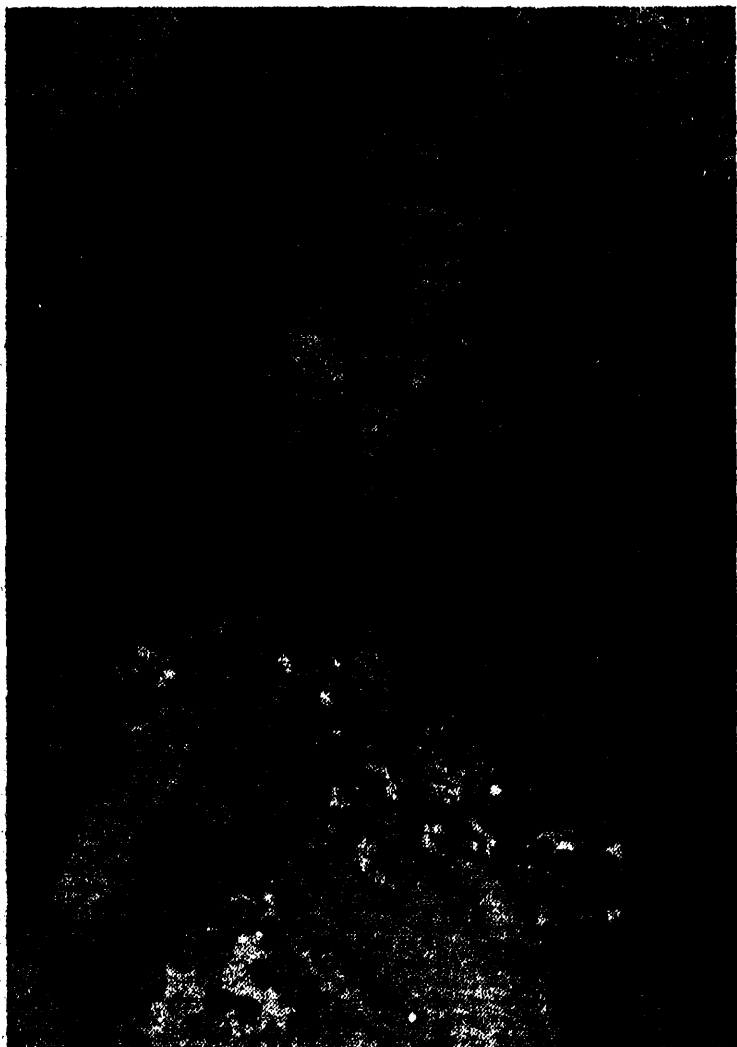
پریتما دیوی "میرے لال" میں جو عنقریب پیش کیا جائیگا

"میلا" کا ایک منظر جو منروا میں بہت کامیاب ہے

PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS. Bombay

نمبر ۴۳ بمبئی یکشنبہ ۷ نومبر ۱۹۴۸ عیسوی جلد ۲۱

VOL. XXI BOMBAY. SUNDAY 7HT NOVEMBER. 1948 NO. 43
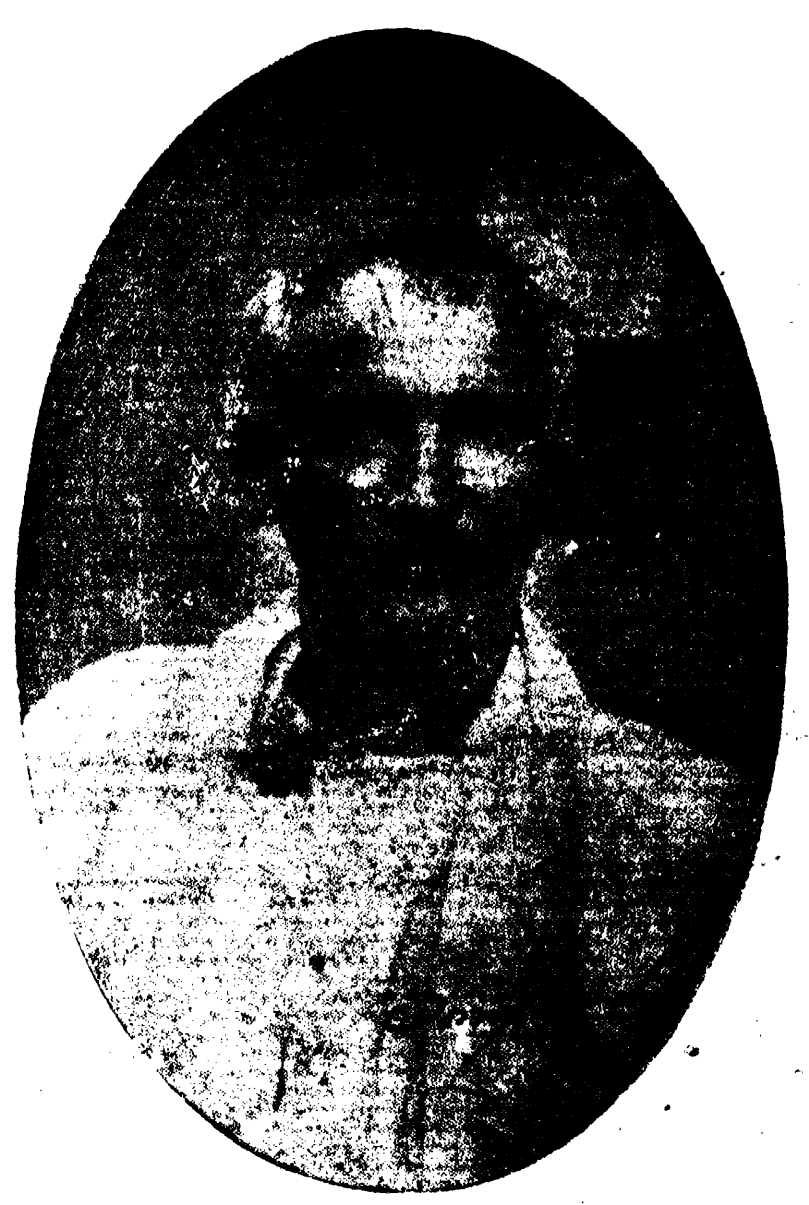
پٹابھی سیتا رامیہ صدر منتخب آل انڈیا کانگرس کمیٹی

صدر [illegible] کانگریس کمیٹی
ڈاکٹر [illegible]
[illegible]

وزیر نشر و اشاعت ہندوستانی ماہرین نشر و اشاعت کے مجمع میں

دائیں سے بائیں طرف ۔ آنریبل وزیر اعظم بی ۔ جی کھیر ۔ آنریبل سردار ولبھ بھائی پٹیل نائب وزیر اعظم حکومت ہند ۔ مسٹر عبداللہ بریلوی ایڈیٹر بمبئی کرانیکل ۔ آنریبل مرارجی دیسائی وزیر داخلہ بمبئی جرنلسٹ ایسوسی ایشن کے جلسہ میں تشریف فرما ہیں ۔

چوپاٹی کے جلسہ میں سردار پٹیل اور مس
منی بین پٹیل کی آمد
دائیں سے بائیں جانب
سردار پٹیل ۔ مسٹر محمد یسین نوری
نائب صدر صوبہ بمبئی کانگرس کمیٹی
۔ مسٹر پاٹل اور مس منی بین پٹیل ہیں

صوبائی حکومتوں کے مسلمان وزراء

(از:- قمر احمد)

مرکزی حکومت کی کابینہ لاکھ اپنا یہ دعویٰ آزاد خیالی اور وسیع النظری سے کام لیکر ملک کو باپو جی کے بنائے ہوئے طریقہ پر چلانا چاہتی ہے۔ مگر صوبجات کی حکومتوں کی فضا بھی اس درجہ خراب ہو چکی ہے۔ کہ ہر طرف مہا سبھائی اور فرقہ وارانہ ذہنیت کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ خصوصاً شمالی ہند کی صوبائی حکومتیں نہایت بری طرح اس معاملہ میں انگشت نما ہو رہی ہیں۔ مثلاً یک سے یو۔ پی اور بہار کی حکومتوں کو لیجئے۔ حکومت یو۔ پی کے ارباب حل و عقد نے سب سے پہلے تمام اصول۔۔۔ معتقدات اور دعاؤں کو بالائے طاق رکھ کر اور گاندھی جی کے بتائے ہوئے طریقہ سے انحراف کر کے ملکی دستور اساسی کی تیاری کا بھی انتظار نہ کرتے ہوئے بہ ایک جنبش قلم سارے صوبہ میں سنسکرتی ہندی کو حکومتی زبان قرار دیدیا اور اس سے بھی پہلے اس خیال سے کہ کوئی مخالفت نہ کرسکے یا مخالفت کا کوئی سلسلہ جنبانی کرنے والا اس کا حوصلہ نہ کر سکے۔ مسٹر رفیع احمد قدوائی کو جن کا مقام صوبجاتی کابینہ میں تعاون و نوازن کے لئے ضروری اور لازمی تھا۔ صوبہ کی کابینہ سے الگ کر دیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ مرکزی حکومت نے انھیں کام کا لیڈر جانتے ہوئے انکی خدمات سے ملک کو محروم نہ رکھا اور مرکزی کابینہ میں لے لیا مگر بنظر انصاف سے دیکھا جائے تو اس سے زیادہ فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ نقصان ہی کا پہلو زیادہ نمایاں ہے۔ مسٹر قدوائی کی موجودگی میں مہا سبھائیوں کو حکومت پر حاوی ہونے کا زیادہ موقع نہ ملتا اور ہمارے بلند مرتبہ وزیر اعظم صاحب کو ایک تقریر میں یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی کہ" ہم نے ۳ ب کے لئے حکومتی زبان ہندی کر دی ہے"

یہ صحیح ہے کہ مسٹر رفیع احمد قدوائی کو رفیع احمد قدوائی کو حکومت صوبہ سے علیحدہ کرنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وزراء کو مسٹر قدوائی سے کوئی ذاتی کد تھی بلکہ اس کی وجہ در اصل یہ تھی کہ وہ ملک میں مہا سبھائی رجحان کو ایک طرف اور سوشلزم کو دوسری طرف ترقی پذیر ہوتے دیکھ کر اس کا دبیز کاسہ پاتا تھا کہ خود ان کی پارٹی ملک میں اپنی شہرت اور نیک نامی کھو رہی ہے عوام کا رجحان ان کی طرف سے ہٹ رہا ہے اس لئے بجائے اس کے کہ وہ باپو جی کے بتائے ہوئے اصولوں پر سختی سے کاربند ہوتے آسان کو سہل طریقہ یہ نظر آیا یعنی سوشلزم سے جان چھڑانے کے لئے۔ مہاسبھائی نظریات کو اپنانے لگے اور اس لئے وہ اپنی سطح سے ہٹ کر فرقہ پندیوں کی آلائش کی طرف جھک گئے۔

یہی صورت صوبہ بہار میں ہے وہاں بھی ڈاکٹر سید محمود صاحب کی ذات ایسی ہے۔ جو وزیر اعظم بہار کے ہاتھوں کو مضبوط کر کے صوبۂ بہار کو فرقہ پندیوں سے پاک کرنے میں سرگرم رہتی ہے۔ آپ ہی کی بدولت مہاتما جی کو بہار کی اصلی حالت کا پتہ چلا اور باپو جی نے تکلیف اٹھا کر بہار کو جیسے وہ اپنا صوبہ کہتے تھے۔ راہ راست پر لگا دیا۔ مگر حالات ایسے ہو رہے ہیں اور صورت ایسی پیدا ہو گئی ہے۔ جس سے ڈاکٹر صاحب ممدوح بھی بددل ہو کر وزارت سے علیحدگی پر مستعد ہیں اور بہت ممکن کہ اس وقت جبکہ ہم یہ لکھ رہے ہیں ان کا استعفا منظور ہو گیا ہو۔ اگر ایسا ہوا تو یقیناً یہ ملک اور صوبۂ بہار کے لئے بدقسمتی کا باعث ہوگا۔

ہم یہ سب کسی فرقہ بندی کے غم و غصہ میں نہیں لکھ رہے ہیں اور نہ اس سے کسی کی نیت پر حملہ مقصود ہے۔ بلکہ موجودہ فضا اور صورت حال کو دیکھتے ہوئے نہایت ملال و رنج اور افسوس کے ساتھ یہ لکھنے پر مجبور ہوئے ہیں۔

بلاشبہ کانگرس جماعت اور کابینہ مسلم لیگ اور ... پارٹی والوں کا منہ یہ کہکر بند کر سکتی ہے کہ تم کو کچھ بولنے کا حق نہیں ہے اگر تم کو یہ باتیں گوارا نہیں تو پاکستان جاؤ۔ مگر ہر مسلمان نہ لیگی ہے اور نہ جنتا پارٹی کا ممبر۔ بلکہ وہ لوگ جنھوں نے ملکی آزادی اور اتحاد وطن کے لئے سب کچھ کھویا ہے اور بڑی سے بڑی قربانی سے بھی نہیں ڈرے ہیں۔ ان میں سے کسی کو یہ کہنے کا نہ منہ ہے اور نہ جرأت کہ تم پاکستان جاؤ ان کے لئے تو اپنے پاک سے کشمیر تک پاکستان ہی۔ پاکستان ہے سان کی زبان کو وہ اس طرح بند نہیں کر سکتے بلکہ موجودہ وزارت اور برسر اقتدار پارٹی کا فرض ہے کہ وہ ان کے سامنے اپنی بے راہ روی کے لئے معقول عذرات و حجت پیش کریں۔ وہ انھیں تو انہیں تحفظ حکومت کے ماتحت عاجلانہ اور عاملانہ اختیارات کام میں لاکر قید و بند میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ مگر ان کے خیالات اور جذبات کو دبا نہیں سکتے۔ جب وہ اغیار کے دفتری اقتدار سے مرعوب نہ ہوئے تو اپنوں کی سختیاں انھیں دبا نہیں سکتیں۔ وہ ابھی خاموشی سے یہ دیکھ رہے ہیں۔ کہ کانگریس پارٹی کس طرح مہاسبھا سے مرعوب اور متاثر ہوتی جا رہی ہے۔ مگر یہ صورت بہت عرصہ تک قائم رہنے نہیں دی جا سکتی قوم پرور اور کانگریسی مسلمانوں کو یقیناً ایک نہ ایک دن ان سے باز پرس کرنے کی جرأت ہوگی اور وہ دن دور نہیں ہے۔ جبکہ مسلمان مجموعی... حیثیت سے کانگریس سے الگ ہو کر سوشلزم کے ہمنوا ہو جائیں گے۔ تب ہوشیار ہونے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

سائنس کی خدمت کیلئے عورتوں کی قربانی

برطانیہ میں ایک دوا ریکٹس کے متعلق جو خوراک کی جگہ استعمال کی جائے گی ایک تجربہ ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر یہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ کہ یہ دوا خوراک کی کمی کو کہاں تک پورا کر سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں لندن کے ۲۰ طالبات کو ایک علیحدہ اور دستان مکان میں رکھا جائے گا۔ لڑکیاں ایک ہفتہ کے لئے فاقہ کریں گی۔ ہر ایک لڑکی اس دوائی صرف ۲ ٹیبلٹ روزانہ کھایا کرے گی۔ ڈاکٹر ہر روز ان لڑکیوں کا طبی معائنہ کرینگے اور دیکھیں گے کہ ان پر بھوک کا کتنا اثر ہوتا ہے۔ ایسا ہی ایک تجربہ میڈیکل طلباء کی ایک پارٹی پر کیا گیا تھا۔ امید ہے کہ یہ دوا قحط زدہ ممالک میں بہت فائدہ مند ثابت ہوگی۔

ماؤں کی غیر حاضری میں بچوں کی پرورش

برطانیہ میں ان ماؤں کو جنھوں نے حکومت کی اپیل پر کارخانوں وغیرہ میں کام کرنے کے لئے اپنی خدمات پیش کی ہیں۔ اپنے بچوں کی پرورش کے متعلق کوئی شکایت نہیں۔ تمام ملک میں پرورش گاہوں کا جال بچھا دیا گیا ہے۔ اس وقت تک ۹۰۰ پرورش گاہیں کھولی جا چکی ہیں۔ اور ان میں ۵ سال سے کم عمر کے بچوں کی دیکھ بھال کی جاتی ہے۔ تربیت یافتہ نرسیں جو دن کے وقت ماؤں کی غیر حاضری میں بچوں کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ بچوں کی ذہنی اور جسمانی ترقی کا پورا خیال رکھتی ہیں۔ مائیں اپنے بچوں کے متعلق بے فکر ہو کر کارخانوں میں کام کر رہی ہیں۔ اور ملک کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہیں۔ اس وقت ... ہزار بچے تربیت یافتہ نرسوں کی زیر نگرانی پرورش پا رہے ہیں۔

شاہی بچہ کے لئے جمہوری طرز تعلیم

شہزادی الزبتھ اور اس کے خاوند نے اپنے بچے کو جمہوری طریقوں پر تعلیم دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ جب تک بچہ بڑا نہیں ہو جاتا اس کو اس کے کرسچین نام سے بلایا جایا کرے گا۔ اگر لڑکی پیدا ہوئی تو اس کو شہزادی الزبتھ کی اپنی دستانی مس میریون کرافورڈ (...) مسز ... تعلیم دے گی اگر لڑکا پیدا ہوا تو اسے کسی ابتدائی اسکول میں بھیجا جائے گا۔ اور بعد میں شاید اسے ایٹن پبلک اسکول میں بھیجا جائے۔

زندگی پر آخری نظر

(از پنڈت آنندی پرشاد مصطر مرادآبادی)

جیمس وائٹ لندن کے ایک کروڑ پتی تھے لیکن تقدیر نے الٹ پھیر سے ان کو دیوالیہ بنا دیا اور انھوں نے خودکشی کر لی۔ مرنے سے قبل انھوں نے ایک خط لکھ کر اپنی میز پر چھوڑا تھا اس کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے:-

"میں اس وقت موت کا انتظار کر رہا ہوں اور دنیا کے نام ایک نصیحت لکھ رہا ہوں میں نے زندگی کی وہ تصویر دیکھی ہے جو ایک مرنے والے ہی کی نظر سے دیکھی جا سکتی ہے۔ میں نے راجاؤں کی خاطر داری کی امیروں کو ... سادہ ناموں سے خطاب کیا۔ میری ملکیت ... ایک بڑا بھاری جہاز تھا جس پر میں نے تمام دنیا کی سیر کی۔ میرے اصطبل میں خوبصورت گھوڑوں کی قطاریں بندھی ہوئی تھیں۔ میں ... نعمت ... اخبارات شائع کرنے والی بڑی بڑی کمپنیوں میں بھی میرے حصے تھے۔ میں نے بڑے سے بڑے تجارتی کام کئے میری جائداد ... میں پندرہ کروڑ پونڈ تک پہونچ گئی تھی۔ میں نے ایک دن میں سات لاکھ ... ہزار پونڈ ... پہونچ گئی تھی ... ایک دن میں پانچ لاکھ سات ہزار پونڈ تک نفع کمایا تھا۔ ایسی حالت میں مجھے امید ہے کہ لوگ میری رائے سے متفق ہوں گے۔ کہ زندگی کی اصلیت پر اپنی رائے ظاہر کرنے کا مجھے حق حاصل ہے۔

مجھ پر زندگی کے گرم اور سرد سب طرح کے کرشمے گذر چکے ہیں۔ میں نے فاقہ کا لطف بھی اٹھایا ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تین دن میں بھوکے آدمی کی کیا حالت ہوتی ہے۔ میں نے ہر طرح دولت کا مناسب استعمال بھی کیا ہے۔ اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ دولت پانے پر انسان کے دل کی کیا حالت ہو جاتی ہے۔ مجھ پر وہ وقت بھی گذرا ہے کہ جب میری کوئی خواہش ایسی نہ تھی جو پوری نہ ہو سکے میں نے وہ دن بھی دیکھے ہیں۔ جب ہزاروں آدمی اپنے پالی بیٹی کے لئے میرے دست نگر تھے۔

گھوڑدوڑ کی ایک دوڑ میں میں نے ایک ہی ... ایک لاکھ پونڈ جیتے تھے۔ لیکن ایک وہ وقت بھی تھا جبکہ تاش کی بازی میں میری جیت صرف ایک شلنگ تھی۔ اس طرح آپ نے ایک لاکھ پونڈ اور غریب کے ایک شلنگ جیتنے کا اثر میرے دل پر یکساں ہوا ہے۔ ایک بار سنہ ۱۹۰۰ء میں لندن سے ڈوور تک کا پندرہ میل کا سفر میں نے پا پیادہ کیا تھا۔ سبب یہ تھا کہ ریل کا کرایہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس ایک حبہ بھی نہ تھا۔ پھر ایک وہ زمانہ بھی دیکھا کہ میرے لئے صرف میری ذات خاص کے لئے ایک پوری ٹرین چلا کرتی تھی۔ جو مجھ کو گھر سے بالخیر تک پہونچایا کرتی تھی۔ یکے بعد دیگرے یہ تمام تبدیلیاں میرے آخری وقت میں آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہیں۔ لہٰذا اس وقت میں اس قابل ہوں کہ زندگی کی اصلیت پر تنقیدی نظر ڈال سکوں۔

زندگی کے بارے میں میرا فیصلہ بہت رعایت کے ساتھ یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی دیگ ہے جس میں حرص، حکومت ... خواہشات نفسانی جیسی بڑی اور خوفناک چیزیں پک رہی ہیں۔ حکومت اور دولت کی طمع اتنی زبردست ہو گئی ہے۔ کہ دوسری کوئی قوت اس کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکتی تمام اچھی اچھی باتیں ناپید ہو چکی ہیں۔ اور ان کی جگہ بہت سی بری رسموں اور طریقوں نے لے لی ہے۔

زندگی کے سب دن یکساں ہی اکتا دینے اور تھکا دینے والے ہیں۔ ایک ہی قسم کی شکل ایک ہی طرح کے مزاج ایک رنگ کے دل اور ایک ہی قسم کی تمام اشیاء ہیں ہر نیا دن ویسا ہی برا ہے جیسا کہ پچھلا تھا ہر ایک انسان اور حیوان خواہشات میں ڈوبا ہوا ہے۔ جیسے کہ وہ سیلاب تھا۔ زیادہ روپیہ کی امید زیادہ آرام کی خواہش برابر بڑھتی جا رہی ہے۔ ہاں اگر بچا سکتا ہے۔ انسان تو کام سے۔ نواب حاصل کرنے سے تو وہ بہت دور چلا گیا ہے۔ دولت جمع کرنے سے تو وہ بہت دور چلا گیا ہے۔ دولت جمع کرنے سے تو وہ بہت دور چلا گیا ہے۔ دولت جمع کرنے کے لئے لوگ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کسی کو بھلنے کا بہت کا خیال تک نہیں آتا۔ بھلائی کا خواب تک لوگ نہیں دیکھتے۔ ایک شریف آدمی کے لئے یہ منظر موت کے نظارہ سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

اسٹیج پر کوئی دولت پرست نمودار ہوتا ہے۔ چاپلوسوں، خوشامدیوں، واہ واہ کرنے والوں کی بھیڑ اس پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ وہ ان کو کھلاتا ہے۔ پلاتا ہے۔ تقریب مناتا ہے آرام کے تمام لوازمات بہم پہونچاتا ہے۔ اس سے امیر آدمی کی ہر طرف تعریف ہونے لگتی ہے۔ اس کی دوستی کا لاکھوں آدمی دم بھرنے لگتے ہیں۔ وہ دھوکہ میں آکر سمجھنے لگتا ہے۔ کہ اس دنیا میں مجھ سے بڑھ کر کوئی بڑا اور خوش قسمت آدمی نہ ہوگا میں خدا کا پیارا ہوں۔ اور انسانوں کی آنکھ کا تارا ہوں۔ لیکن جوں ہی اس کا سونا۔ چاندی ختم ہوا لوگوں کی نظر فوراً ہی پھر گئی۔ اب نہ دوست دوست ہیں اور نہ ساتھی ساتھی ہیں۔ نا امیدی اور بے عزتی ہی دونوں اس کی زندگی کے رفیق اور شفیق ہیں۔ جو رہ گئے ہیں۔

میری رائے میں جو کوئی زندگی کو اس نظر سے دیکھے گا وہ ہر گز رنجیدہ نہ ہوگا چاہے وہ ہمیشہ کی نیند سو جائے۔

لیکن ذرا توقف کرو۔ مجھے اپنی زندگی کے آخری لمحہ میں تھوڑی نظر اور ڈال لینے دو۔ ادھر! دیوار پر میری پیاری بیوی اور تینوں لڑکوں کی تصویریں لٹک رہی ہیں۔ یہ دیکھو میری بیوی کی محبت سے بھری ہوئی آنکھیں میری طرف دیکھ رہی ہیں۔ اف! یہ میرے خلف رشید کیا کہہ رہے ہیں۔ مجھے صاف سنائی دے رہا ہے۔

"والد صاحب! کیا یہ آپ ہیں؟"

یہ میری دونوں لڑکیاں کھڑی ہیں۔ اپنی بڑی بڑی حوروں کی سی آنکھوں سے میری طرف دیکھ رہی ہیں۔ اور اپنے والد بزرگوار کو بوسہ دینے کے لئے آگے بڑھ رہی ہیں۔

ہاں۔ اب میں زندگی کی خوشی اپنے دل میں پاتا ہوں۔ لیکن پھر اس خوشی کو بھی کیوں نہ ٹھکرا دیں؟

کیا یہ بچے نہیں ہیں کہ میں ایک دم اپنا ... ... کر اپنے پیارے عزیزوں اور دوستوں کو ... بھول جاتا ہے لیکن یہ دیکھو اف فریب خوردہ داروں کی تصویروں میں بھی یہ وہی ایک پیالہ سر جھکا رہا ہے۔ میرے ... زندگی بھڑک رہی ہے۔ مجھے اب معلوم ہوتا ہے کہ ایک دکھتی ہوئی بھٹی میں کھڑا ہوں۔ میں نے غفلت سے اپنا سب سنسار کھو دیا۔ اب مجھے اس کا بدلہ دینا پڑے گا۔

میری بیوی۔ میرے بچے میرے وہ تمام دوست اور احباب جو اس وقت بھی میرے دل میں ہیں۔ خدا تم کو راہ راست پر لائے اور تم سنسار اور اس ہی کی زندگی کو اس سے زیادہ خیال نہ کرو جتنی کہ در اصل وہ ہے۔"

غریب کی دیوالی!

(از: قمر احمد)

چراغ دے کوئی اجڑے ہوئے مکان کے لئے !!

سیٹھ دامودر داس کا کاروبار اترا ہوا تھا کہ ان کے یہاں بہت سے نوکر ملازم تھے متھرا بھی گھر کے کام کاج کے لئے پانچ روپیہ مہینہ اور دونوں وقت کے کھانے پر ملازم تھا اسی پانچ روپیہ میں اس کی عورت مورتی اور بچی شکنتلا کی بسر اوقات تھی ہاں مورتی اپنی محنت و مزدوری کمائی سے اس میں کچھ اضافہ کر لیتی ہے مگر دسمبر کے دوسرے دن سے متھرا کو لرزہ بخار نے کچھ اس طرح دبایا کہ غریب بیس بائیس دن سے اپنی جھونپڑی میں صاحب فراش تھا۔ اور گو اس کا بخار چھوٹ چکا تھا۔ مگر کمزوری اسے اٹھنے نہ دیتی تھی۔ سیٹھ دامودر داس کو تو متھرا کی بیماری کی خبر نہ تھی ہاں ایک دفعہ جب اس نے اپنے بیٹے سندر داس سے سنا کہ متھرا کا پتہ نہیں تو وہ یہ کہہ کر چپ ہو گئے کہ جانے دو بدمعاش تھا کہیں پی کھا کر پڑا ہوگا۔ کوئی دوسرا آدمی رکھ لو۔ انہیں کیا خبر کہ غریب متھرا اچھا تو ہو چکا ہے مگر غذا کی کمی اور گھر کی فکر اسے مضبوط نہ ہونے دیتی۔ رہی بات تو مورتی آج کل اپنی محنت سے متھرا کو غریبی کا احساس نہ ہونے دیتی تھی اور ہر وقت ایسی ہنسی کی باتیں کرتی جس سے متھرا کو فاقہ کی زحمت کا احساس نہ ہو مگر متھرا کچھ بچہ نہ تھا۔ وہ آنکھ کھول کر تمام باتیں دیکھ رہا تھا خیر چھوٹے سے گھر مورتی نے فرصت کے وقفوں میں لیپ پوت کر چکنا کر دیا تھا۔ مگر دس سال کی ننھی شکنتلا دن میں کئی بار آنے والی دیوالی کی یاد دلا کر اسے بیتاب کر دیتی تھی۔ مگر غریب متھرا منہ سے کچھ نہ کہتا کہ اس کی پریشانی فاقوں پر ظاہر نہ ہو اس بیماری میں اگر اس کا کوئی ہمدرد تھا تو پڑوس کا درزی برکت جو متھرا کا بچپن کا ساتھی تھا وہ روزانہ فرصت کے وقت آتا اور جب مورتی نہ ہوتی تو متھرا اس سے کھل کر باتیں کرتا اور اپنی پریشانی کا اظہار کرتا جس کے جواب میں برکت برابر اسے تسکین دیتا کہ گھبراؤ نہیں اللہ مالک ہے۔

شکنتلا بھی برکت سے بیحد مانوس تھی اور وہ اسے چاچا چاچا کہہ کر مخاطب کرتی اور دیوالی کی رات کے چراغوں اور سبز تماشے کی باتیں کرتی برکت بھی اسے خاموش کرنے کے لئے ہاں میں ہاں ملاتا۔

جس شام کو دیوالی میں دیئے جلائے جانے والے تھے۔ اس کے لئے مورتی نے کھانے پینے کا تو سامان کر لیا تھا۔ مگر مٹی کے دیئے کرتا میں اور شکنتلا کے لئے مٹھائیوں کے پیسے اس نے الگ ایک کونے میں کلہیا میں رکھ دیئے تھے۔ اور مطمئن تھی۔ شام کے قریب دیوالی کے دن جب مورتی کام سے فارغ ہو کر اٹھی کہ پیسے لیکر بازار سے سب خرید لائے تو دیکھتی کیا ہے۔ کہ کلہیا الٹی پڑی ہے۔ اور پیسہ غائب۔ جی دھک سے ہو گیا۔ زمین آسمان نظروں سے غائب ہونے لگے۔ مگر اس خیال سے کہ متھرا کو خبر نہ ہو چپکے سے گھر سے نکل گئی سامنے سے برکت آتا ہوا دکھائی دیا اس نے چاہا کہ نظر بچا کر نکل جائے مگر برکت نے خود ٹوک کر پوچھا کہ "بہن کیسی پریشان نظر آ رہی ہو"۔ اب مورتی سے ضبط نہ ہوا اور وہ بولی کہ بھیا دیوالی کے لئے جو پیسے رکھے تھے وہ کہیں غائب ہو گئے۔ اب جاتی ہوں کہ اگر مل جائے تو لالہ جی جو پڑوس میں ہیں ان کی استری سے کچھ ادھار مانگ لاؤں۔ برکت اللہ مالک ہے کہہ کر اپنی راہ چلا گیا اور مورتی بغل میں رہنے والے لالہ گردھاری لال کے گھر میں چلی گئی۔ لالہ جی کی بیوی بڑی باتونی تھیں۔ اتنی دیر تک مورتی سے باتیں کرتی رہیں کہ شام ہو گئی وہ اٹھنا چاہتی تو اسے اٹھنے بھی نہیں دیتیں۔ رات ہو جانے پر کچھ پوری، مٹھائی ایک دو دیئے میں مورتی کو دیا۔ مورتی کچھ ایسی کھوئی ہوئی تھی کہ اس کی ہمت نہ ہوئی کہ لالائن سے پیسے ادھار مانگتی۔ ناچار خالی ہاتھ گھر کی طرف لوٹی پاؤں من من کے ہو رہے تھے دل بیٹھا جاتا تھا وہ سوچ رہی تھی کہ گھر میں اندھیرا ہوگا۔ شکنتلا الگ مٹھائی کے لئے پریشان ہوگی۔ مگر کیا کرتی وہ پوریوں کا دونا لئے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھتا ہوا در گھر کے قریب پہونچی کہ اس نے دیکھا کہ سارا مکان مٹی کے جلتے ہوئے دیوں سے جگ مگ کر رہا ہے۔ وہ چوندھیائی آنکھیں ملنے لگی تھا خیال ہوا کہ وہ پریشانی میں بھٹک کر کہیں اور نکل آئی ہے۔ مگر غور سے دیکھا وہی محلہ وہی گھر اور وہی گلی ہے۔ اتنے میں شکنتلا نے پکارا۔ ماتا دوڑ کے کیوں گئیں آتی کیوں نہیں۔ میں بڑی دیر سے راہ تک رہی ہو جی چاہ تمہارا راستہ تاک کر چلے گئے بابو جی بھی کئی بار پوچھ چکے۔

مورتی کو جیسے ہوش آ گیا اور سمجھ گئی کہ برکت نے یہ دیا دیوالی منائی ہے۔

گھر میں آئی تو شکنتلا تنلا تنلا کر اپنی مٹھائی کی پڑیا اور گو اس دکھلانے لگی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے برکت کی بدولت سارے شہر سے زیادہ پر رونق دیوالی متھرا کے گھر ہے۔

دیوالی کی شام کو نہ جانے کیوں رہ رہ کر سندر داس خود بخود پریشان ہو رہا تھا۔ جی یہی چاہتا تھا کہ اکیلے بستر پر پڑے رہو۔ ماتا نے کئی بار آ کر کہا کہ جاؤ مہابیر جی کا درشن کر آؤ اور پھول ہار چڑھا آؤ مگر وہ اٹھنے کا نام نہ لیتا تھا۔ مگر جب اس کے پتا جی سیٹھ دامودر داس نے ہنستے ہوئے کہا کہ سندر اٹھا نہیں جاتا معلوم ہوتا ہے کہ رات تو جوئے میں بہت ہار گیا ہے۔ مگر اس سے کیا جا آج بھی لیکن داؤ نہ لگا نہیں تو مرنے پر چھچھوندر کا جنم ہوگا۔ تو وہ کہتا ہوا اٹھا کہ بابوجی نہ کھیلونگا تب چھچھوندر کا جنم ہوگا۔ مگر میں تو دیکھتا ہوں کہ جوا تو جیتے جی آدمیت سے گر کر چھچھوندر سے زیادہ ناپاک ہو جاتا ہے۔

باپ:- تو اچھا مہابیر جی کے مندر میں درشن کو جاؤ۔ اور پرشاد چڑھا آؤ۔

بیٹا:- ہاں بابوجی ماتا بھی کئی دفعہ کہہ چکی ہیں۔ مگر آج تو پجاری جی کا گھر حلوے پوری۔ مٹھائی سے بھر گیا ہوگا۔ میرے پرشاد کی انہیں کیا پرواہ ہوگی۔

باپ:- بیٹا تم تو انگریزی پڑھ کر دھرم سے ہٹتے جا رہے ہو۔ (کڑے تیور سے) بحث چھوڑو اور سیدھے مندر کا راستہ لو۔

اب تو سندر داس کو اٹھنا ہی پڑا ماں جو ایک کونے میں کھڑی سب سن رہی تھی سیٹھ دامودر داس کے ہٹتے ہی دوڑی اور سندر داس کی جیب میں پچیس روپیہ کے نوٹ ڈال دئے اور ایک خوبصورت ٹوکری میں پوری، مٹھائی اور ان پر پھول کے مالے ڈال کر ایک سرخ رومال میں باندھ کر سامنے رکھا اور کہا کہ دیپ دین کے ساتھ مندر میں لے جا کر پرشاد چڑھا دو۔

سندر داس:- (ہنس کر) نوکر کی کیا ضرورت دیوتا کو بھوگ میں اپنے ہاتھوں سے جاؤں گا یہ کہہ کر وہ رومال کی پوٹلی لئے ہوئے ایک طرف چل کھڑا ہوا خدا جانے اپنے خیال میں وہ کہاں سے کہاں پہونچ گیا۔ آنکھ اٹھائی تو دیکھا کہ وہ ایک غریب کے محلہ میں ہے۔ اسے خیال آیا کہ کسی سے مہابیر جی کا راستہ پوچھوں سامنے ایک چھوٹے سے مکان کے دروازہ پر ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا کہ بھائی مہابیر جی کا کون راستہ ہے۔

بیٹھا ہوا آدمی:- کون چھوٹے بابو آپ یہاں کہاں۔

سندر داس:- ارے متھرا تو کہاں یہ کیا حالت ہے۔

متھرا:- بابوجی میں مہینہ بھر سے بیمار ہوں کل پرسوں تک میں خود آتا۔ آپ مہابیر جی جائیں گے میں برکت کو ساتھ کئے دیتا ہوں۔

سندر داس:- متھرا اب مجھے متھرا مل گیا تو اب مجھے گوبیوں کی سیوا کرنا چاہئے۔ یہ بچی تمہاری کون ہے۔

متھرا:- یہ میری بیٹی آپ کی داسی شکنتلا ہے۔

سندر داس:- شکنتلا رانی یہاں آؤ۔

اسے پاس بلا کر ۲۵ روپیہ اس کی جیب میں ڈال دئیے۔ مالا اسے پہنا دی اور وہ مٹھائیوں کی ٹوکری متھرا کے حوالے کی اور زیر لب بولا یہی دیوتا کو اس سے اچھا بھوگ میں نہیں دے سکتا۔

اس رات سندر داس اس خیال سے کہ والدین سے جھوٹ نہ بولنا پڑے۔ بڑی رات گئے گھر لوٹا۔ فقط

(تمام شد)

زندگی میں موت کے تصورات

اثر:۔ اختر شیرانی (مرحوم)

چمن زار شاداب و خنداں رہیں گے درختوں پہ طائر غزل خواں رہیں گے
فضاؤں میں بادل گہر افشاں رہیں گے
مگر ہم تہہِ خاک پنہاں رہیں گے

گھٹائیں گلستاں پہ چھایا کریں گی فضائیں یونہی لہلہایا کریں گی
درختوں کے دامن گل افشاں رہیں گے
مگر ہم تہہِ خاک پنہاں رہیں گے

چمن کی فضائیں مہکتی رہیں گی صبا کے اثر سے لہکتی رہیں گی
گل و غنچہ و برگ رقصاں رہیں گے
مگر ہم تہہِ خاک پنہاں رہیں گے

یہ شہر اور دیہات بستے رہیں گے صداؤں سے معمور رستے رہیں گے
بپا زندگانی کے طوفاں رہیں گے
مگر ہم تہہِ خاک پنہاں رہیں گے

گھٹائیں یونہی گھر کے آیا کریں گی یونہی بلبلیں گیت گایا کریں گی
یونہی گلستاں گل بداماں رہیں گے
مگر ہم تہہِ خاک پنہاں رہیں گے

عروسِ سحر روز آیا کرے ... گی فضا نور سے جگمگایا کرے گی
مناظر سحر خیز و خنداں رہیں گے
مگر ہم تہہِ خاک پنہاں رہیں گے

یہ راتیں یونہی جھلملایا کریں گی ستاروں کی شمعیں جلایا کریں گی
سرِ چرخ روشن چراغاں رہیں گے
مگر ہم تہہِ خاک پنہاں رہیں گے

کہستاں سے چشمے اُبلتے رہیں گے سرِ راہ موتی پگھلتے رہیں گے
یہ سیلاب سیمیں خراماں رہیں گے
مگر ہم تہہِ خاک پنہاں رہیں گے

غرض یہ خدائی کے رنگیں نظارے یہ شام و سحر کے بہاریں نظارے
خراباں و رخشاں و رقصاں رہیں گے
مگر ہم تہہِ خاک پنہاں رہیں گے

گاندھی جی کی یادیں نمائش

کچھ دن ہوئے انڈیا ہاؤس لندن میں مہاتما گاندھی جی کی یاد میں ایک نمائش ہوئی تھی۔ اس نمائش میں مشہور آرٹسٹوں کی بنائی [illegible] مجسمے اور فوٹو رکھے گئے تھے۔ اس کے علاوہ مہاتما گاندھی کی یاد سے [illegible] دوسری قابلِ احترام چیزوں کو بھی رکھا گیا۔ [illegible] جن میں انگریز دوستوں کے نام گاندھی جی کے اپنے ہاتھ سے لکھے ہوئے [illegible] ان کا سفری چرخہ اور ایک گھڑی بھی شامل ہے۔ یہ گھڑی انہوں نے جب وہ آخری بار لندن تشریف لے گئے تھے۔ ایک پولیس [illegible] کو جو ان کا باڈی گارڈ تھا دی تھی۔ نمائش کے کمرہ کی ایک دیوار پر مہاتما جی [illegible] کا ایک کارٹون لٹکا ہوا تھا۔ جہاں تک [illegible] کا تعلق [illegible] یہ کارٹون [illegible] معمولی انداز میں بنایا گیا ہے۔ کارٹون میں مہاتما گاندھی کو مرتا ہوا دکھایا [illegible] ہے۔ ان کو ایک ایسی دنیا سے گھر [illegible] دکھایا ہے جس نے ان کے امن و آشتی کے [illegible] پروا نہیں کی اور جس نے تشدد اور [illegible] کو زندگی کا اصول بنا لیا ہے [illegible] بنایا گیا ہے کہ جنگ و جدل کی [illegible] تب ہی گاندھی جی کی اصلی قائل ہو [illegible] کمرے کے ایک کونے میں گاندھی جی کا [illegible] مجسمہ رکھا ہوا تھا جو کانسی [illegible] مجسمہ ایپسٹو برادران کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ مجسمہ میں مہاتما گاندھی کے ہاتھ آسمان [illegible] اٹھے ہوئے ہیں۔ اور ان کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہیں۔ بعض لوگ جو [illegible] گاندھی کو اچھی طرح سے جانتے تھے [illegible] کہ مہاتما گاندھی کا یہ عام انداز [illegible] سنگ تراش اس انداز کے معنی یوں [illegible] ہے کہ مہاتما گاندھی خدا سے [illegible] انسانیت حاصل کر رہے [illegible] وہ اس کو واپس کر دیں۔

نمائش میں [illegible] ایک پنسل اسکیچ بھی رکھا ہوا تھا اس [illegible] مہاتما گاندھی کی اصلی شکل میں [illegible] بھی نظر نہیں آتا۔ بہت اچھا [illegible] یہ سنگ تراش ایپسٹو برادران [illegible] آئل پینٹنگ بھی بہت اچھی۔

تھی۔ اس تصویر میں مصور نے مہاتما جی کی معصومیت اور روحانیت کو کوٹ کوٹ کر بھر دیا ہے۔

جب مہاتما گاندھی کسی کو اپنی فوٹو کھینچنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ یہ بات ان کو پسند نہ تھی۔ وہ ہمیشہ ایسی باتوں سے دور بھاگتے تھے۔ مگر اس نمائش میں ان کی [illegible] سے اچھے فوٹو رکھے گئے تھے جو فوٹو [illegible] نے ان کی بے خبری [illegible] بن لئے تھے۔

(بقیہ صفحہ ۱۱)

[illegible] سے انسان کی تمام [illegible] آزادی تقریر کی آزادی، اجتماع کی آزادی انتخاب کی آزادی اور مذہب کی آزادی کو مسمار کرنے کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ یقیناً یہی وہ صحیح مقام ہے جس سے آزادی اظہار کی اہمیت کا اظہار ہوتا ہے۔

صدر روزویلٹ کے وجدان کی بدولت ہم بعض چیزوں کی "آزادی اور بعض چیزوں" سے آزادی کا ذکر کرنے لگے ہیں۔ مثلاً ایک آزادی مذہب کی آزادی ہے۔ کیا ہم آزادی اطلاع کی نسبت یہ تصور نہیں کر سکتے کہ یہ آزادی آزادی کے لئے ہے؟۔ یہ آزادی جدید جمہوری انسان کی محافظ اور رہنما ہے جس کی اعانت سے وہ دوسری آزادیاں کے مکمل ورثہ سے فیضیاب ہوتا ہے۔

(الہدیٰ)

اختر شیرانی

(از: ضیا)

اُردو کے مشہور اور ہر دلعزیز شاعر حضرت اختر شیرانی کی موت دنیائے ادب کا ایک دردناک سانحہ ہے۔ مرحوم کی عمر ابھی کوئی اتنی زیادہ نہ تھی آپ ۱۹۰۵ء میں ٹونک میں پیدا ہوئے اور اسی مہینہ کی ۹ تاریخ کو یہاں لاہور میں آپ نے انتقال فرمایا۔ اس عمر میں آسمانِ شاعری کے ایک ایسے تابناک ستارے کا غروب ہو جانا اہلِ ادب کے لئے ایک بہت بڑی محرومی ہے جس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔

سال گذشتہ فسادات کے دنوں میں یہ خبر چھپی تھی کہ اختر شیرانی ٹونک سے پاکستان آ رہے تھے کہ راستے میں ان کو شہید کر دیا گیا۔ بعد میں یہ خبر غلط نکلی اور مرحوم بخیر و عافیت اپنے محبوب شہر لاہور میں تشریف لائے۔ اور چند ایک مشاعروں میں آپ نے شرکت بھی کی۔ پھر یکبارگی بیمار ہو گئے۔ اور اپنے عزیز دوست اور میزبان حکیم نیر واسطی کے علاج و معالجے اور لاہور کے بہترین ڈاکٹروں کی کوششوں کے باوجود۔ ان کا مرض لاعلاج ثابت ہوا۔ اور تقدیر کے سامنے انسانی تدبیروں کی کچھ نہ چل سکی۔ اور اختر شیرانی ہم سے ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گئے

اختر شیرانی اپنی شاعری کی وجہ سے تو مشہور تھے ہی۔ لیکن اس کے علاوہ اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود بحیثیت ایک انسان کے ان میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ اور وہ ایک محبوب شخصیت کے مالک تھے۔ چنانچہ ان کے دوستوں اور چاہنے والوں کا حلقہ بڑا وسیع تھا جس دن مرحوم نے وفات پائی ہے لاہور کے ادبی حلقوں میں ایک عام افسردگی چھائی ہوئی تھی اور ہر شخص اسی شاعر جواں مرگ کا ذکر کرتا اور اس کی بے وقت موت پر غمگین نظر آتا تھا۔

اختر شیرانی مرحوم کا آبائی وطن ٹونک تھا۔ اور آپ پٹھانوں کے شیرانی خاندان سے تھے مرحوم کے والد حافظ محمود شیرانی اورینٹل کالج لاہور میں فارسی کے پروفیسر تھے اور اپنے علمی تبحر اور محققانہ تصانیف کی وجہ سے علمی دنیا میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اختر شہزادگی بچپن ہی میں والد مرحوم کے پاس لاہور آ گئے تھے۔ یہیں انہوں نے تعلیم پائی اور لاہور ہی کو انہوں نے اپنا دوسرا وطن بنا لیا ہے شک اختر کو اپنے آبائی وطن ٹونک سے بھی بڑی محبت تھی اور یہ ایک بالکل فطری چیز ہے اور انہوں نے اس کی یاد میں بہت کچھ کہا بھی ہے جس میں ان کی وہ مشہور نظم ہے

اوديس سے آنے والے بتا
کس حال میں ہیں یارانِ وطن

تو اردو ادب میں ایک تاریخی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ لیکن اختر شیرانی کو پنجاب سے بھی کچھ کم محبت نہ تھی اور مرحوم نے پنجاب کے لعض پرفضا مناظر کی تعریف میں جو کچھ کہا ہے وہ اردو ادب میں ہمیشہ باقی رہے گا۔

اختر کی شاعری کا آغاز سرزمین لاہور میں ہوا۔ جسے ایک زمانہ میں لوگ شمالی ہند کا پیرس کہتے تھے۔ اور اس کے حسن کی دھوم پورے برِ اعظم میں پھیلی ہوئی تھی اسی لاہور کے رومان خیز نشاط انگیز اور حسن پرور ماحول میں اختر کی شاعری پروان چڑھی اور ان کے نغموں کی دلکش صداؤں سے ساری اردو دنیا دیر تک گونجتی رہی۔ شاعری میں اختر کا جو مخصوص رومانی نقطۂ نظر ہے اور اردو کی روایتی فرضی اور غیر متعین معشوقاؤں کی بجائے ان کی اشعار میں واضح طور پر سلمیٰ، عذرا، اور ریحانہ وغیرہ کے جو نام آتے ہیں۔ نیز ان کی شاعری میں ایک خاص طرح کی جو جذباتی ترنگ ہے۔ جس میں سرمستی بھی ہے اور قوت اور شدت کا اظہار بھی۔ جس میں مادی لذائذ کا بھی ذکر ہے۔ اور رنگ و بو کی لطیف کیفیتوں کا بھی سچ پوچھئے تو یہ خصوصیت اسی لاہور کی رنگین بہاروں کی دین ہے۔ اور حسینانِ پنجاب کے پُر نور جمال سے ان کی شاعری کو یہ آب و تاب ملی ہے اور اس معاملہ میں مرحوم نے پنجاب کی شوخ و شنگ اور الھڑ جوانی کی ترجمانی کی ہے۔

شروع شروع میں جب اختر شیرانی کی شاعری کا آوازہ بلند ہوا تو نوجوانوں نے سب سے پہلے اسے لبیک کہا۔ اس زمانہ میں نوجوانوں کی زبان پر اختر ہی کے اشعار ہوتے تھے۔ وہ انہیں پڑھتے اور ان پر سر دُھنتے اس عمر میں شاید ہی کوئی حساس نوجوان ایسا ہوتا ہے جس کی اپنی کوئی نہ کوئی سلمیٰ نہیں ہوتی ہو چنانچہ ہوا یہ کہ اختر اپنی سلمیٰ کے بارے جو کچھ کہتا نوجوان اُسے اپنی سلمیٰ کی داستان سمجھتے اور اپنی واردات قلبی کو اس کے اشعار میں اتنے دلکش پیرائے میں جلوہ گر دیکھ کر سمجھتے کہ اختر نے ہمارے ہی جذبات کی ترجمانی کی ہے اختر اس زمانہ میں نوجوانوں کا محبوب ترین شاعر تھا اور اس نے نوجوانوں کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کر کے ان کے دلوں کو موہ لیا تھا۔ اس بنا پر اختر شیرانی کو شاعرِ شباب کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اور ظاہر ہے یہ نام ان کے لئے نہایت موزوں اور مناسب تھا۔

اختر کی شاعری دراصل عنفوانِ شباب کی سرمستیوں کی شاعری ہے۔ جن میں جوش تو ہوتا ہے دوام نہیں ہوتا۔ جن میں آدمی سوچتا کم ہے محسوس زیادہ کرتا ہے۔ لیکن اس عمر میں آدمی اپنے جذبات میں بڑا مخلص بھی ہوتا ہے۔ اور جو کچھ کہتا ہے وہ اس کے دل کی آواز ہوتی ہے۔ اور جن کیفیات کو وہ پیش کرتا ہے۔ وہ اس پر یقیناً گذرتی ہیں اور وہ ان میں ہمہ وقت غرق بھی رہتا ہے۔ اس لئے اس دور کی شاعری میں بڑا زور ہوتا ہے۔ اور یہ دل پر بڑا اثر کرتی ہے۔ لیکن یہ جذبات اور کیفیات ٹھوس حقائق کی آئینہ دار نہیں ہوتی بلکہ یہ نتیجہ ہوتی ہیں نشاط آور خیالات کا جن کو جوانی کی سرمستی حقائق کا رنگ دے دیتی ہے۔ چنانچہ کچھ مدت بعد جب یہ دن گذر جاتے ہیں اور انسان کے خیالات میں وہ گرمی نہیں رہتی تو پھر اصل حقیقت کھلتی ہے۔ اور وہ سمجھتا ہے کہ یہ

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا۔ جو سنا افسانہ تھا

اس کے بعد یا تو وہ عہدِ شباب کی دیوانگی کو چھوڑ کر فرزانگی کی حدود میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ اور یا عہدِ رفتہ کے پر لذات لمحات کی یاد سے دل کو تسکین دیتا اور خارجی اسباب و ذرائع سے غم غلط کرتا ہے۔

اختر کی شاعری کا معراج وہ ہے جب وہ عنفوانِ شباب کی سرمستیوں کا ذکر کرتا ہے اور حسن و عشق کے معرکہ ہائے رنگین بیان کرتا ہے۔ لیکن جب جوانی کی محبت فریب ثابت ہوئی اور جس کو وہ "اوجِ تقدس" پر سرفراز دیکھا کرتا تھا اور جس کے متعلق اس کا یہ دعویٰ تھا کہ

صبح کا رخ ہے دوشیزہ تھی ہستی تیری
بوئے گل کی طرح پاکیزہ تھی مستی تیری
نغمہ و شعر کے فردوس میں تو رہتی تھی،
یکسر الہام و ترنم تھا جو تو کہتی تھی،
موجِ کوثر کا چھلکتا ہوا پیمانہ تھی
غیر ممکن ہوں کے تصور سے بھی بیگانہ تھی

جب اس کا یہ انجام ہوا۔

ہوس آلودہ ہوئی پاک جوانی تیری
غیر کی بات ہے اب، اور کہانی تیری

اس کے بعد ان کی وہی پیکر تقدیس و عفت اور عیرتِ حوران بہشتی ان کے زہر بھرے طعن و تشنیع کے ان تیروں کا نشانہ بن جاتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

اب نہیں تجھ میں وہ حوروں کی سی عفت باقی
حور تھی تجھ میں گئی، رہ گئی عورت باقی
ہاں وہ عورت جسے بھوں کا فسانہ کہئے
برلبِ نفس کا اک نخشن ترانہ... کہئے
جس میں سرے زہرِ عفونت کا وہ پیمانہ کہیں
اک گناہوں کا چھلکتا ہوا مے خانہ کہیں

حالانکہ عورت حور نہیں۔ کیونکہ اگر وہ حور ہوتی تو جنت میں رہتی یہاں زمین پر آنے کی تکلیف کیوں اٹھاتی۔ اور پھر عورت کے نسائیت کے جوہر اس وقت ہی کھلتے ہیں جب وہ بچوں کا فسانہ بن جائے۔ لیکن ایک رومان پرست اور حسن و عشق کی سحر آفرینیوں کی فضا میں رہنے والے شاعر کے لئے یہ انکشافِ حقیقت ناقابلِ برداشت ہے۔ چنانچہ وہ بگڑ جاتا ہے اسے بُرا بھلا کہتا ہے اور اس پر الزام لگاتا ہے کہ تم نہیں جیسا سمجھا کرتا تھا ویسی تم نہ نکلی اور اس میں اس بے چاری کا مطلق کوئی قصور نہیں کیونکہ جو کچھ وہ اُسے سمجھتا تھا وہ اس کے اپنی تخلیق تھی اور اس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ تھا

ہمارے خیال میں اختر کی بہترین نظمیں اس دور سے تعلق رکھتی ہیں جب اس پر یہ انکشافِ حقیقت نہیں ہوا تھا۔ کہ زندگی محض مسرت و نشاط سب نہیں۔ [illegible] محسوس حقائق پر قائم ہے۔ نہ کہ جذباتی خیال آفرینیوں پر۔ اور شاید اسی زمانہ میں ہی اس نے اپنی محبوبہ کو مخاطب کرتے ہوئے یہ شعر کہے تھے جو آج زبان زد خاص و عام ہیں

تمہیں ستاروں نے بے اختیار دیکھا ہے
شریر چاند نے بھی بار بار دیکھا ہے
کبھی چمن میں گئی ہو، تو مست کلیوں نے
نگاہِ شوق سے آئینہ وار دیکھا ہے
رو پہلی چاندنی راتوں کو کبھی چھت پر
ادا سے سوئی ہوئی بار بار دیکھا ہے
بہشت حُسن کی تازہ کلی کے دھوکے میں
نہ جانے کتنی ہی دیوانہ وار دیکھا ہے
سنہرے پانی میں چاندی سے پاؤں لٹکائے

افسانہ

روشنی

از:- سید نصیر احمد

گھنٹہ گھر کی گھڑی میں ساڑھے چار بج رہے تھے۔ جب داؤد سڑک کے موڑ سے گلی میں داخل ہو رہا تھا۔ اس کے ننھے سے چہرے پر پریشانی اور اضطراب کے آثار تھے۔ اُسے گھر پہنچنے میں دس منٹ دیر ہو گئی تھی آج کا دن اس کے لئے منحوس تھا بلکہ یوں منحوس دن کی ابتدا ہی بڑی خراب ہوئی تھی سب سے پہلے مدرسے جانے کے لئے کوٹ پہن رہا تھا کہ اس کمبخت کا ایک بٹن ٹوٹ گیا۔ اماں مریم اس پر سخت ناراض ہوئی تھی اور دانستہ بٹن ٹانکنے میں اس قدر وقت لگا دیا تھا کہ وہ دیر سے مدرسے پہنچا تھا۔ اگرچہ سارا راستہ اس نے تیز دوڑ کر طے کیا تھا۔ تاہم دیر ہو ہی گئی تھی۔ ماسٹر اللہ دتا نے اسے خوب ڈانٹا تھا۔ اور جب شام کو چھٹی کی گھنٹی بج رہی تھی تو اس سے ڈیسک پر دوات الٹ گئی اور بہت سی روشنائی ڈیسک پر پھیل گئی۔ ماسٹر اللہ دتا اس پر بھی خفا ہوا۔ اور داؤد سے کہا کہ ڈیسک کو صاف کر کے گھر جائے۔ اب وہ گھر واپس آ رہا تھا۔ اور اس کے ہاتھ گندے تھے سخت گندے۔ ان تمام باتوں نے سات سالہ داؤد کو سخت گھبرا دیا تھا۔ اسے پتا نہ چل سکا کہ وہ [illegible] ہاتھ گندے کیوں ہیں۔ اس کے [illegible] جو سہمے تھے۔ اور جیسا کہ ایسے موقعوں پر اس کا قاعدہ تھا۔ اس نے دل ہی دل میں یہ چند لفظ دہرائے۔ "یا اللہ مجھے بچانا" اماں مریم یقیناً بہت ناراض ہوں گی۔ ایک مرتبہ بھی تو ایسا نہیں ہوا۔ کہ وہ دیر سے آیا ہو اور وہ اس پر برس نہ پڑی ہو۔ وہ برآمدے میں کھڑی ہوں گی اور سڑک پر دیکھ رہی ہوں گی۔ اس کی نظروں میں اماں مریم کی شکل صاف پھر رہی تھی۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ داؤد اماں مریم کے پاس کیوں رہتا ہے۔ جہاں تک اُسے یاد پڑتا ہے۔ وہ ہمیشہ سے اسی کے پاس رہتا آ رہا ہے۔ اسے مطلق پتہ نہیں تھا کہ اس کے ماں باپ کون ہیں؟ "وہ بڑی سخت عورت ہے" ہمسائے کہتے تھے کہ وہ کبھی اپنے بچے کو نہیں پیٹتی کھانے کو تو پتہ نہیں مگر اسے اچھا پہناتی ہے۔ اس لئے ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اس قدر خوفزدہ کیوں رہتا ہے۔

ہمسائے ٹھیک کہتے تھے۔ اماں مریم نے اُسے کبھی نہیں پیٹا تھا۔ مگر انہیں ایک بات کا قطعاً علم نہ تھا اور وہ یہ کہ داؤد اگر دنیا میں کوئی چیز پسند ہے تو وہ روشنی ہے۔ جب اس سے کوئی قصور سرزد ہوتا تھا۔ جسے اماں مریم گناہ کے خوفناک نام سے تعبیر کرتی تھی۔ تو اُسے کئی کئی گھنٹے ایک چھوٹی سی مکان کی کوٹھری میں بسر کرنا پڑتے تھے۔ اس کوٹھری کو تالے اور اندھیرے میں رکھا رہتا تھا۔ اور روشنی آنے کے لئے کوئی چھوٹا سا سوراخ تک بھی نہیں تھا اور اماں مریم اس سے اکثر کہا کرتی تھی کہ سات سال کا بچہ نرا احمق ہے۔ اگر وہ تاریکی میں ڈرتا ہے۔ مگر اماں مریم نے خود کبھی کئی گھنٹے اس کوٹھری میں نہیں گزارے تھے۔ ورنہ اُسے پتہ چل جاتا کہ اس کے کونوں میں سے کبھی کبھی ڈراؤنی آوازیں آتی ہیں اور دیواروں پر عجیب و غریب اور بھیانک شکلیں نظر آتی ہیں۔ جو بعض اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے اپنی طرف بڑھ رہی ہوں۔

اس کا خیال صحیح تھا۔ واقعی وہ برآمدے میں کھڑی تھی اس کے ہاتھ میں گلاس تھا۔ جب وہ دوڑتا ہوا اس کے قریب پہنچا تو اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔ "جس روز مجھے کام ہوتا ہے۔ اس روز تم ضرور دیر سے آتے ہو" اماں مریم نے سرد آواز میں کہا۔ مگر سمجھ سے نہیں۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں ہمسایوں میں سے کوئی قریب نہ ہو۔ اور اس کی آواز سن لے۔ "مولوی جمال میاں چائے پینے آ رہے ہیں لیکن دودھ ختم ہو گیا ہے جاؤ گلاس اور دوڑ کر ایک پاؤ دودھ لے آؤ"

داؤد نے اس سے گلاس چھینا اور دم لئے بغیر بازار کی طرف دوڑ پڑا۔

حلوائی اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے ایک تھا جنہیں اس امر پر تعجب تھا کہ داؤد اس قدر خوفزدہ کیوں رہتا ہے۔ جب داؤد اس کے سامنے پہنچا تو اس نے کہا "ارے میاں اتنی تیزی سے نہ بھاگا کرو۔ واپسی میں آہستہ آہستہ جا سکتا تھا۔ اماں مریم نے جلدی سے آنے کو کہا تھا اور اُسے جلدی سے جانا چاہیے وہ جب سڑک کے موڑ پر تو اس نے ایک کتے کے بھونکنے کی آواز سنی اور اس نے دفعتاً دیکھا کہ سامنے سے ایک بڑا خوفناک کتا ایک بلی کی تعاقب میں سرپٹ دوڑا آ رہا ہے داؤد ایک طرف نہ ہو سکا۔ دونوں سے بچنے کی فکر ہوئی۔ گلاس اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور سارا دودھ زمین پر بہہ گیا۔

اس کا دل دھک سے ہو گیا اس نے محسوس کیا کہ کال کوٹھری کی تاریکی اس کی طرف بڑھتی آ رہی ہے۔ اس نے پھر دعا مانگی "یا اللہ مجھے بچانا" اس سے اس کو تھوڑا سا اطمینان قلب واپس آ گیا مگر دودھ کا ایک قطرہ بھی واپس نہ آ سکا۔ اب وہ کیا کرے۔ حلوائی بڑا نیک تھا۔ اس کے پاس ہی واپس جانا چاہئے۔ وہ تیزی سے واپس گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے جنہیں وہ چھپانے کی مردانہ وار کوشش کر رہا تھا۔ اس نے حلوائی کو سارا واقعہ سنایا اور کہا "تم دودھ دے دو میں اس وقت دام نہیں دے سکتا۔ مگر ہر ہفتہ مجھے جو جیب خرچ ملتا ہے وہ تمہیں دیتا رہوں گا۔ مجھے ہفتہ میں ایک پیسہ ملتا ہے۔ مگر..... مگر اماں مریم سے نہ کہنا۔"

حلوائی کو اس پر بہت رحم آ رہا تھا وہ ہنس کر بولا "ارے میاں گھبراؤ نہیں تم دودھ لے جاؤ میں کسی سے نہیں کہوں گا۔ مگر ذرا یہ تو بتاؤ اماں مریم تمہیں بہت مارتی ہیں؟"

"نہیں!" داؤد بولا "یہ بات نہیں!"

وہ کیسے بتاتا کہ سات سال کا بچہ تاریکی سے ڈرتا ہے۔ اس لئے کہ یہ بڑی شرمناک بات ہے۔

اب کی دفعہ وہ بغیر کسی حادثے کے گھر پہنچ گیا۔ مگر اُسے دودھ لانے میں اتنی دیر ہو گئی تھی کہ اماں مریم اس پر برس پڑی "تم اتنی دیر کیا کرتے رہے" وہ بولی "اگر ایسی حرکت دوبارہ کی تو تمہیں شام کال کوٹھری میں گزارنا پڑے گی۔"

"اماں اماں! مہربانی کر کے ایسا نہ کرنا" داؤد نے روتے ڈرتے کہا "میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتا۔ مگر ہر چیز میرے خلاف ہے۔"

"فضول" وہ بولی "اگر تم اچھا بننے کی کوشش کرو تو بن سکتے ہو۔ مگر نہیں کوئی نہ کوئی بہانہ سوجھتا رہتا ہے۔ ذرا اپنے ہاتھ دیکھو کتنے گندے ہیں۔ جاؤ اور انہیں صاف کر کپڑے بدلو۔ اگر تم نے کوئی اور ایسی حرکت کی تو اس کا نتیجہ تو تم جانتے ہی ہو۔"

داؤد ٹھنڈے پانی سے ہاتھ دھو رہا تھا اور دعا کر رہا تھا "یا اللہ مجھے بچانا" اس نے بمشکل اپنے ہاتھ صاف کئے تھے کہ اس نے ایک شخص کے قدموں کی چاپ سنی۔ مولوی صاحب آ گئے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کمرے میں ڈرتا ہوا جھجکتا ہوا داخل ہوا۔ اس نے مولوی صاحب کو سلام کیا اور ادب سے بیٹھ گیا۔

چائے آئی اور اگرچہ اُسے سخت بھوک لگ رہی تھی مگر وہ بہت تھوڑا کھا رہا تھا۔ مولوی صاحب کہیں یہ نہ سمجھیں کہ وہ غیر مہذب اور بدتمیز ہے۔ اس نے جب برفی کا ایک ٹکڑا اٹھایا تو اس وقت سارا واقعہ ہوا "کیک ادھر بڑھاؤ" اماں مریم نے کہا اور اس آواز نے اسے یاد دلا دیا کہ اس نے کیک کی پلیٹ پہلے ہی مولوی صاحب کی طرف نہ بڑھانے میں غلطی کی ہے۔ اس نے جلدی سے پلیٹ اٹھائی اور جب اسے آگے بڑھایا تو اس کی قمیص کا کف چائے دانی میں الجھ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری میز چائے پانی سے شرابور ہو گئی اس کے خوف کی انتہا نہ رہی۔ وہ تھر تھر کانپنے لگا۔ بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا "یا خدا"..... مگر اس کے آگے وہ کچھ نہ کر سکا اماں مریم نے غصے سے کہا "داؤد کمرے سے باہر نکل جاؤ" اور پھر جلدی مولوی صاحب سے معذرت کر کے باہر آ گئی۔

خود بخود داؤد کے پاؤں کال کوٹھری کے زینے کی طرف ہو لئے۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں۔ اس کی حالت سخت قابل رحم تھی۔ اماں مریم نے خاموشی سے کال کوٹھری کا دروازہ کھولا اور داؤد اندر داخل ہو گیا۔ "جاؤ بیٹے یہ تمہارا حصہ [illegible]

دروازہ بند کر دیا مادر اس طرح روشنی کے
داخل ہونے کا جو ایک ذریعہ تھا وہ بھی جاتا
رہا۔ دادو نے اس کے واپس جاتے ہوئے
قدموں کی آواز سنی پھر مارے خوف اور ڈر
کے وہ کانپنے لگا۔ ایسا لگتا تھا جیسے دنیا
بھر کے جن بھوت کال کوٹھری کی سیڑھیوں کے
نیچے موجود ہیں۔ مگر بہ تقاضۂ عادت وہ نیچے
اترا۔ اسے سختی سے حکم تھا کہ وہ زینے میں کھڑا
نہ رہے۔ بلکہ نیچے کوٹھری کے اندر جائے۔
جیسے گھنٹے گزر گئے تبھی اس نے سنا
کہ مولوی صاحب واپس جا رہے ہیں۔ اور پھر
خاموشی۔ ہولناک سناٹا۔ اس میں برداشت
کی تاب نہ رہی تبھی ڈرتے ہوئے وہ سیڑھیوں
پر ہاتھ پھیرتا جاتا تھا اور پہونچنے سے کچھ
پہلے اس کا ہاتھ ایک کیل پر جا رکا جو دیوار سے
کافی باہر نکلی ہوئی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کا ہاتھ تھوڑا
سا جھجکا بھی گیا۔ اسی جگہ سیڑھی پر بیٹھ کر
اور روتے ہوئے اس نے کیل کو دیوار سے
اکھاڑنے کی کوشش کی مگر وہ دیوار میں بہت
سخت گڑی ہوئی تھی اور ہل بھی نہیں سکتی تھی۔
اس نے مقابل کی دیوار پر اپنا ہاتھ پھیرا شاید
اس میں بھی کچھ ہو۔ جسے وہ آسانی سے
نکال سکے۔ ہاں وہاں ایک کیل تھی۔ مگر یہ بھی
ہلانے سے نہیں ہلتی تھی اس میں اتنی طاقت
نہیں تھی کہ دونوں میں سے کسی کو اکھاڑ سکے
اس نے اپنی جیبوں میں ہاتھ ڈالے
ان میں کیا تھا۔؟ ایک رومال جس سے اس
نے اپنے آنسو پونچھے۔ پنسل اور رسی کا ایک
ٹکڑا اور تعویذ مگر اس نے سوچا کیوں نہ
وہ کیل میں رسی باندھ کر اسے اکھاڑنے کی
کوشش کرے۔ کیا یہ ممکن ہوگا؟ اس نے
بائیں ہاتھ والی کیل میں رسی باندھی اور اسے
کھینچا مگر اس نے حرکت تک نہ کی۔ پھر وہ چند
سیڑھیاں نیچے گیا اور رسی کے دوسرے
سرے کو دوسری کیل سے باندھا اور اسے
کھینچا۔ مگر کچھ نہ ہوا۔ مگر مشغلہ اچھا تھا
اس نے دونوں کیلوں کے درمیان رسی
کا تانا سا تن دیا۔ اس نے بن تو دیا۔ مگر تاریکی
میں اسے سلجھانا کوئی آسان کام نہیں تھا
اس نے رسی کو کھولنا شروع کیا ہی تھا
کہ باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اماں مریم
کے قدم قریب سے قریب تر آ رہے تھے۔
وہ [illegible] دیکھ لے گی۔ اسے
ذرا [illegible] ورنہ بہت برا
[illegible] وہ [illegible] سے جلدی جلدی
[illegible] عین وقت پر نیچے

پہونچا۔ اس نے اوپر نظر ڈالی تو دیکھا کہ
دروازہ کھل رہا ہے۔ اور روشنی جس کی اسے
اس قدر خواہش تھی اندر آ رہی ہے۔
یہ اماں مریم تھیں اس کے ایک ہاتھ میں پانی کا
ایک گلاس اور دوسرے میں ایک پلیٹ تھی
وہ سیڑھیوں کے نیچے اتر رہی تھیں۔ مگر تیسری
سیڑھی پر اس کے پاؤں رسی میں الجھ گئے گلاس
اور پلیٹ فرش پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور پھر
ایک دہاڑ کے ساتھ ان کے پیچھے پہلے سر
آیا اور اس کے بعد ایک بڑا سیاہ ڈھیر۔ وہ
ایک کونے میں دبک گیا۔ سانس روک لیا
اور اس طوفان کا انتظار کرنے لگا جو تھوڑی ہی
دیر میں اس پر مسلط ہونے والا تھا۔ کیا اسے
ساری رات یہیں گزارنا پڑے گی ... اف!
مگر سیاہ ڈھیر نے ذرا بھی حرکت نہ کی۔
اسے کونے میں دبکے ہوئے
ایسا محسوس ہوا جیسے برسوں گزر گئے ہوں اس
دوران میں وہ برابر دعا مانگ رہا تھا "یا
اللہ مجھے بچا لے" اور دفعتاً اس میں ہمت
اور حرکت آ گئی۔ وہ جنگلی ہرن کی طرح سیاہ
ڈھیر پر سے جو کبھی اماں مریم تھی کودا اور
سیڑھیوں پر سے ہوتا ہوا باہر روشنی میں
آ گیا۔ روشنی جس کو وہ ترس گیا تھا!!!

برطانیہ کی مالی حالت پر ایک نظر

ماہ ستمبر کے وسط میں سر اسٹیفورڈ
کرپس نے بتایا تھا کہ اس سال کی پہلی ششماہی
میں بین الاقوامی تجارت کے گھاٹے میں بہت
کمی واقع ہوگئی ہے۔ برآمد میں اضافہ تو ہو رہا
تھا۔ مگر درآمد کی چیزوں کی قیمتیں
بھی بڑھ رہی تھیں۔ اندیشہ تھا کہ بین الاقوامی
تجارت میں برطانیہ کی پوزیشن بہتر نہ ہو سکے گی
مگر اب سر کرپس کے اعلان نے یہ شبہ دور
دور کر دیا ہے اور امید پیدا ہوگئی ہے۔
کہ برطانیہ جلد ہی اپنے آپ کو معاشی طور پر
بحال کر لے گا۔

اس سال کے شروع میں برطانیہ یہ
کوشش کر رہا تھا کہ سمندر پار کے گھاٹے
میں کمی کی جائے۔ مگر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
یہ کوششیں بالکل بے نتیجہ ہوں گی۔ کیونکہ ڈالر
اور سونے میں کمی واقع ہو رہی تھی۔ مگر وزیر
خزانہ کی زبان سے یہ سن کر کہ مالی حالت بہتر
ہوگئی ہے اور اس سال سونے میں مزید
کمی نہ ہوگی۔ تعجب سا ہوا۔

اس بہتری کی پہلی وجہ یہ ہے کہ
برطانیہ نے اپنے سمندر پار کے اس خرچ
میں پچاس فیصدی کی کمی کر دی ہے جو جنگ
اور ریلیف کے کاموں کی وجہ سے ہو رہا تھا
دوسرے تجارتی بیڑے کی از سر نو تعمیر کی

[illegible]
اضافہ ہوا ہے۔ جیسے [illegible] لوگ
غیر ملکی سفر پر بہت خرچ کیا کرتے تھے اب
انہوں میں بھی بہت کمی ہو گئی ہے۔ اس کے
برعکس غیر ممالک سے بہت سے لوگ
برطانیہ آئے ہیں اور اس سے برطانیہ کی آمدنی
میں بہت اضافہ ہوا ہے۔

اسٹرلنگ فاضلات کی کہانی
بھی بہت دلچسپ اور حیران کن ہے۔ یہ کہا
جا رہا تھا کہ برطانوی حکومت جنگ کے زمانہ
کے زمانہ میں اسٹرلنگ فاضلات کی بہت
بھاری رقم اسٹرلنگ ممالک کو دے رہی ہے
لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ اسٹرلنگ علاقہ کے
ممالک نے ۰۰۰،۰۰۰،۱۱۶ پونڈ (۱۵۴ کروڑ
روپیہ) اس سال کی پہلی ششماہی میں لندن
میں جمع کرائے ہیں۔ گذشتہ سال انہوں نے
[illegible] پونڈ ([illegible] کروڑ روپیہ)
نکالے تھے۔ اس سال وہ اس بات کے بالکل
قریب ہیں کہ نکالی ہوئی رقم وہ پھر جمع
کرا دیں۔

مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ
برطانوی حکومت نے اپنی مالی پوزیشن کو بہتر
بنانے کے جو اقدامات کئے تھے وہ بے نتیجہ
نہیں رہے ہیں۔ ان اقدامات نے یہ ظاہر
کر دیا ہے کہ برطانیہ کی معاشی بحالی کا مسئلہ
ایسا نہیں جسے اہل برطانیہ حل نہ کر سکیں۔

آزادئ صحافت

(از: مسٹر گرک نسانک!)

مسٹر گرک نسانک لندن کے نامور اور روزانہ سولا کھ (۶) سے زیادہ اشاعت رکھنے والے اخبار "نیوز کرانیکل" کے اڈیٹر ہیں۔ کمیشن حقوق انسانی کی ذیلی کمیٹی منعقدہ آزادی اطلاع میں برطانیہ کی نمائندگی کا عہدہ رہ چکے ہیں نیوز کیپی لیمیٹڈ کے ڈائرکٹر بھی ہیں۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۳ء تک انہوں نے "نیوز کرانیکل" کے نامہ نگار خصوصی ممالک متحدہ امریکہ کی حیثیت سے کام کیا تھا۔ ۱۹۳۱ء تک اخبار "اسٹار" کے اڈیٹر اور ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء تک برطانوی وزارت اطلاعات کے امریکی ڈویژن کے ڈائرکٹر رہے۔

ایک لحاظ سے آزادئ اطلاع کی نہایت موثر حمایت اس طرح کی جا سکتی ہے کہ ہم ... دوسری آزادیوں پر توجہ مرکوز کریں جن کی حفاظت آزادئ اطلاع سے ہوتی ہے۔

یہ بات دوسروں کے مقابلہ میں ایک اڈیٹر ہی بجا طور پر کہہ سکتا ہے۔ جو اپنی زندگی صحافت کی خدمت میں صرف کر دیتا ہے۔ وہ دن بدن ایک عجیب بات سے آگاہ ہوتا رہتا ہے اور وہ یہ کہ اگر صحافت کی آزادی اور .. اطلاع کی آزادی کو ایک دوسرے سے جدا قرار دیا جائے تو یہ آزادی اپنے دشمنوں کے حملہ کا اسی قدر زیادہ ہدف بن جاتی ہے۔

ایک صدی یا زیادہ عرصہ قبل انگلستان کی ایک پارٹی کی ضیافتوں میں جن الفاظ میں جام نوش کیا جاتا تھا۔ وہ یہ تھے۔ "آزادئ صحافت ...... یہ بمنزلہ ہوا کے ہے جس میں ہم سانس لیتے ہیں۔ اور جب تک ہمیں یہ آزادی حاصل ہے ہم مر نہیں سکتے"۔ میرے نزدیک ان الفاظ میں ایک امر واقعہ کو سادہ اور پُر زور پیرایہ میں بیان کر دیا گیا ہے [illegible] آزادی تو بالکل ایک عنصر ہے جس کے بغیر انسان کی دوسری بنیادی آزادیاں باقی نہیں رہ سکتیں بلکہ پھل پھول نہیں سکتیں۔ آزادی صحافت انسان کی دوسری بنیادی آزادیوں کے لئے آکسیجن کا درجہ رکھتی ہے۔ ان بنیادی آزادیوں کو ان کے آکسیجن سے محروم کر دیجئے اور وہ دم توڑ دیتی ہیں۔

جبر و استبداد کو پامال کرنے والا آخر

انسانی حقوق کے پرانے سورما اس حقیقت سے بخوبی واقف تھے۔ اسی لئے ملٹن نے اپنی یہ شاندار مہم شروع کی تھی کہ طباعت بلا اجازت ہونی چاہئے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ جبر و استبداد کے خلاف ایک دائمی حربہ وضع کیا جائے کیونکہ جبر و استبداد بجائے خود انسانی روح کا ازلی دشمن ہے۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں حریت پسندوں نے بادشاہ اور حکومت کے خلاف ایک سیاسی مہم پسند زمانہ ساز۔ جان ولکیس کی "تائید کی تھی۔ لیکن یہ "تائید اس لئے کی گئی تھی کہ ایک آوارہ شخص بدزبانی کرتا رہے۔ اس ناکارہ مخلوق کا ذات میں بعض اتفاقاً ایک آزادی اور ایک صداقت کا جھنڈا مل گیا گو یہ شخص اس آزادی و صداقت سے خود واقف نہ تھا اور اگر یہ چیزیں اسے سمجھائی بھی جاتیں تو غالباً اس کی سمجھ میں نہ آتیں۔ حریت پسندوں کو یہ دکھائی دیا کہ اگر جان ولکیس جیسے بدقماش شخص کی زبان بندی اس الزام میں کر دی جائے کہ اس نے خالی منش کچھ فہم حکمرانوں پر اعتراض کیا تھا۔ تو اس زبان بندی سے بدقماش نہیں بلکہ فی نفسہٖ ملکی خطرہ میں پڑ جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر جس چیز کو ہم غلط سمجھتے ہیں اگر اسے حکومت زبردستی دبا دے تو پھر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ جس بات کو ہم سچ تصور کرتے ہیں اس کی حفاظت یا بقا کا اہتمام عمل میں آئے گا۔

ایک مغالطہ

ولکیس کے زمانہ میں متعدد اشخاص نے دو چیزوں کو یعنی کسی اصول کے شارح کی اخلاقی خطاکاری اور خود اصول کی اخلاقی عظمت کو ایک دوسرے سے خلط ملط کر دیا تھا۔ اب بھی متعدد اشخاص کا یہی وطیرہ ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ آزادی کے ان رسمی مغالطات میں بیشتر ایسے معاملات ہی کو جن سے سبقت کم ہمدردی ہو، دائمی انصاف کی عدالت میں آزمائشی مقدموں کے طور پر پیش کرنا چاہتے۔

صدی سوا صدی قبل برطانیہ میں یہ مہم شروع کی گئی تھی کہ کاغذ پر جو بھاری محاصل عائد کئے گئے ہیں انہیں گھٹایا جائے۔ عوامی خیر رکھنے والے مردوں اور عورتوں نے اس مہم میں حصہ لیا لیکن اس کے پیش نظر مقصد یہ نہیں تھا کہ اخبارات کی قیمت ارزاں ہو جائے اور اخباری صنعت بھی عام پیداوار کے منافع سے مستفید ہونے لگے۔ یہ عوامی جذبہ رکھنے والے لوگ علم کے محصول کا خاتمہ کرنا چاہتے تھے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ جو لوگ چھ پینس (چھ آنہ) دے کر "ٹائمز" یا پانچ پینس (۵ آنہ) دے کر "ڈیلی نیوز" نہیں خرید سکتے انہیں بھی یہ جاننے کا موقع ملے کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اور وہ بھی شہری ہونے کی حیثیت سے بہتر خدمت انجام دینے کے قابل بن جائیں۔

جن لوگوں نے آزادی اطلاع کے بین الاقوامی مباحث میں حصہ لیا ہے انہیں یہ معلوم ہے کہ ابھی متعدد مخلص اشخاص ایسے ہیں جن کے خیالات جارج سوم کی طرح گندے ہیں۔ اور اسی کے خلاف ولکیس اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ صحافت اور ریڈیو کے متعلق میں نے جو بعض دلائل سنے وہ غیر شعوری طور پر ان دلائل سے ملتے جلتے ہیں جو اٹھارویں صدی کے مباحث میں جارج کے وزراء نے ولکیس اور اس کے اخبار "نارتھ برٹن" کے خلاف استعمال کئے تھے۔ ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ "یقیناً آپ نہ روک ٹوک اظہار خیال کی آزادی چاہتے ہیں تاکہ آپ اپنا مخصوص پروپگنڈا کریں یا اپنے آقاؤں کی خدمت کریں"۔ اس کے بعد یہ ناقدین کسی بددیانت جریدہ نگار یا کسی غیر ذمہ دارانہ تحریک کی مثال پیش کرتے اور اپنی دانست میں یہ سمجھ لیتے ہیں کہ انہوں نے آزادی کے سارے مہتم بالشان سوال کا کامیابی سے فیصلہ کر دیا ہے۔

سچ اور جھوٹ کی ٹکر

ملٹن کے بعد زبان انگریزی میں آزادی کا نفیس ترین حامی جان اسٹوارٹ مل ہے مل کی ایک نہایت دقیق دلیل یہ ہے کہ غلط چیز کو دبانے سے سچی چیز کو جھوٹ کو دبانے سے خود سچائی کو نقصان پہنچ جاتا ہے اور یہ کہ اگر انسان کو اس کے حق آگاہی سے محروم کیا جائے تو تمام لوگ یہی کہیں گے کہ انسان کو اپنی آزاد مرضی کے استعمال سے محروم کر دیا گیا ہے۔ اس سے سوسائٹی کمزور ہو جاتی ہے حالانکہ جمہوری نظام فرد کی آزاد مرضی پر مبنی ہونا چاہئے۔ ان تعلیمات کو سمجھنا مشکل ہے اور ہر نئی نسل کو بالعموم یہ سبق از سر نو سیکھنا پڑتا ہے لیکن یہ بات پائیدار صحافتی روایت کا ایک جز ہے کہ سچائی جھوٹ سے ٹکر لے کر قوت و طاقت حاصل کرتی ہے اور عوام خود سچ اور جھوٹ میں تمیز کر کے ہی اپنے بلوغ کو پہنچتے ہیں۔ جہاں جہاں اطلاع کے ذرائع سے اخبارات، ریڈیو، کتابیں، اور فلم آزاد ہیں سینکڑوں زبانیں، سینکڑوں نظریے کا پرچار کرتی سنائی دیتی ہیں۔ اگر ذرائع اطلاع آزاد نہ ہوں تو جو واقعہ پیش آتا ہے اس کی واضح مثال وہ ہولناک خزینہ ہے۔ جو جرمن عوام پر نازل ہوا ہے۔

آزادی کو ممکن و مکمل بنانے والی آزادی

اہل قلم کی یہ آزادی کہ وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرے۔ اپنے جائز کاموں میں مصروف رہے۔ اپنی داستان سنائے اور اپنی معلومات و آراء لوگوں کے روبرو پیش کرے، کوئی خصوصی امتیازی حق نہیں جو منظور نظر ہم مشرب لوگوں کے روبرو پیش کرے کوئی خصوصی امتیازی حق نہیں جو منظور نظر ہم مشرب لوگوں کی انجمن یا برادری کو عطا کیا جاتا ہے۔ یہ عام شہری کا غیر منفک حق ہے۔ عام شہری کے لئے یہ ایک وسیلہ ہے جس سے منصفانہ سوسائٹی کی تشکیل عمل میں آتی ہے۔ آزادئ اطلاع ایک بڑی آزادی ہے جو ذہن و علم کی آزادی کو ممکن بناتی ہے۔" یہ بمنزلہ ہوا کے ہے جس میں ہم سانس لیتے ہیں اور جب تک یہ آزادی ہمیں حاصل ہے ہم مر نہیں سکتے۔"

اس دنیا میں ہمیشہ یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اپنے دشمنوں سے جو کچھ سیکھ سکتے ہیں سیکھیں۔ یقیناً کسی مطلق العنان حاکم کو اس باب میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ صحافت اور اطلاع کی آزادی ہی وہ چیز ہے۔ جو آزادی کو ممکن بنا دیتی ہے۔ جب کبھی کوئی آمر برسر اقتدار آتا ہے تو اس کی اولین کارروائی یہ ہوتی ہیں کہ صحافت کا منہ بند کر دیا اور نشر گاہوں پر قبضہ کر لیا جائے۔ کتابوں اور فلموں کو کچھ عرصہ بعد پابند کیا جاتا ہے۔ آمر جب تک برسر اقتدار رہتا ہے اور خیالات کے آزادانہ تنقیدی ...

(باقی صفحہ ۹۳ پر)

جالے

(ریوتی سرن شرما بی، اے)

گرجا گھر سے نکل کر وہ ریل کی لائن کے
ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ ہوا تیز تھی اور اس کے
سوکھے بال بار بار کھمبوں کے جھنڈے کی طرح اس
کے چہرے پر چھا جاتے تھے۔ بال اس کے ریشمیں
نہیں، خشک اور سخت تھے۔ چہرے سے ہٹاتے
ہوئے اس کی انگلیاں بالوں میں الجھ گئیں۔ الجھن
میرا ذہن ایک سخت الجھن میں گرفتار ہے۔
میرا چہرہ جھریوں کے جالوں میں الجھنے لگا ہے
اور میرے پیٹ میں بھی ایک الجھن ہے ......
یکایک اس کو پیٹ کی انتڑیوں کی وہ الجھی ہوئی
تصویر یاد آگئی۔ جو اس نے ڈاکٹر کی دوکان پر
دیکھی تھی ...... یہ پیٹ کی بھوکی انتڑیاں
ایک مکڑی کی طرح ہیں ...... میری ہستی کی تمام
الجھن یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ اس نے نگاہ
اٹھا کر غروب ہوتے ہوئے سورج کی طرف
دیکھا۔ غروب ہوتے ہوئے سورج کی سرخی
نے بادلوں کے ٹکڑوں کو رنگ میں شرابور
کر رکھا تھا۔ آسمان زمرد اور نیلم کے نگینوں کے ڈھنگ
کی طرح بکھرا ہوا تھا اور شبنمی کہرہ فضا کو اور
زیادہ شربتی بنا رہا تھا۔ ماحول شفاف اور
لطیف تھا۔ اس الجھن سے قطعی بے نیاز جو ان
کی ہستی پر مسلط ہو چکی تھی۔

اس نے جھنجھلا کر ریل کی پٹڑی کی طرف
دیکھا۔ جو سرپٹ افق کی سمت بھاگی جا رہی تھیں
ذہنی الجھن تخیل کو آوارہ و شدید بنا دیتی ہے
اسے محسوس ہوا یہ پٹڑیاں کسی غیبی قوت کی
گرفت سے بچنے کی دھن میں دوڑی جا رہی
ہیں۔ مگر وہ قوت غالب آتی جا رہی ہے۔ اس
کی گرفت قریب تر اور تنگ تر ہوتی جا رہی
ہے۔ پٹڑیوں کے درمیان کا راستہ تنگ ہوتا
گیا۔ گھٹتا گیا۔ افق نے آگے آ کر ان کا راستہ
روک لیا اور پٹڑیاں افق پر جا کر یکایک معدوم
ہو گئیں۔ وہ سہم کر کھڑی ہو گئی۔ جو آگے نہیں
بڑھوں گی میرا ہر اگلا قدم تنگی، گھٹن اور
موت کی جانب ہوگا۔ میں اسی جگہ کھڑی رہوں
گی ... میں اپنی زندگی کے منتہا پر کھڑی ہوں
اس نے پٹڑیوں کی طرف دیکھا۔ میرے قدموں
کے نیچے ہی تو ریل کی پٹڑی کو سب سے زیادہ
وسعت حاصل ہے۔ ایک احساسِ برتری
کے ساتھ اس نے اپنی مٹھی میں دبے ڈھائی
روپیہ کی طرف دیکھا۔ جو اس کو ہفتہ بھر کی
مزدوری کے عوض میں ملا تھا۔ صرف ڈھائی
روپیہ ... صرف۔ مگر فوراً ہی اس نے ایک
فلسفیانہ دانشمندی اور اقتصادی تعین کے ساتھ
سوچا۔ آٹھ مہینہ اخراجات ہی کیا ہے۔ دس روپیہ
ماہانہ کیا کم خرچ ہے؟ اسے ایک سکون کا
احساس ہوا۔ اور پھر میرے قدموں تلے
صرف میرے قدموں تلے ہی تو ریل کی پٹڑی
کو سب سے زیادہ وسعت حاصل ہے۔ اس
کے ذہن میں گویا کوئی بچہ کھلکھلا کر ہنس پڑا
اور دل میں وہ نور گنگنانے لگا۔ ڈوبتے ہوئے
سورج کا نارنگی رنگ اس کے خشک بالوں
اور سوکھے رخساروں میں کھیلنے لگا۔

بز.... ز.... ز ... ز .... ز ..... ز
..... ز .... ز یکایک ایک لنگار مکھی
اس کے چہرے پر بھنبھنانے لگی بز ... ز
بز.... ز .... گویا مکھی کی بز بز جالے کا
تار بنی۔ اس کے تمام چہرے پر جالے تن گئے
ناک میں بھاگتا ہوا سانس جالوں اور جھنجھوڑ
میں منتقل ہو گیا۔ اس کی تمام ہستی گویا جالوں سے
اٹ گئی۔ بز .... بز .... ز ... ز۔ اس نے بے
چین ہو کر اپنے چہرے کو ہاتھوں سے مسل ڈالا
اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا۔ یہ مکھی بھی ایک
بھوکی انتڑی ہے۔ اس کے جالے اب میرے
چہرے پر جھریوں میں منجمد ہو جائیں گے۔ جھریاں
گویا اس کی ہستی کو کسی نے بری طرح جھنجھوڑ
دیا۔ ہاں جھریاں۔ الجھنیں کی وجہ سے ...
مجھے آج ڈھائی روپے ملتے ہیں۔ صرف
چار روپے کے بجائے اور اس لوسی کو میری
رکا کر چار روپے! ...... جب میں لوسی
کی عمر میں تھی تو مجھے بھی اتنے ہی روپے
دے دیے گئے تھے ...... پندرہ سال پہلے .....
دیکھو لوسی تو اس مالک کے لڑکے سے زیادہ
نہ ملا کر۔ مجھے جیتی ہنسی باتیں کرنے اور دیکھے
مسکانے شرم نہیں آتی۔ لوسی کو اب وہ چار
روپیہ دیتا ہے ...... کیونکہ اب وہ چار روپیہ
دیتا ہے۔ کیونکہ اب وہ جوان ہو گئی ہے۔
اس کا منہ سرخ ہو گیا۔ مجبور آج دن تمام
زادی اس کو ستانے کا [illegible]
لگا رہی تھی ...... بے شرم۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ فضا میں
ابھی تک ہوئے جالے گرجا کی عمارت اور
کراس پر یسوع مسیح کے مجسمہ کو پوری طرح پامال
کر چکے تھے۔ مجسمہ مکڑی کے جالے میں
ڈگمگائی ہوئی مردہ مکھی کی طرح معلوم ہوتا تھا۔
مغرب سے اٹھتا ہوا دھواں منظر کو دھندلاتا
ہوا دھواں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں
پر ایک باغیانہ مسکراہٹ پھیلا اٹھی۔
یہ مالک لوگ اب صرف ڈھائی
روپئے ہی دیتے ہیں کیونکہ میں بوڑھی
ہو چکی ہوں۔ اور ہندوستان میں ایک
راجپوتانی اپنا جسم۔ اپنی محبت اور ساتھ
میں عصمت بیچنے پر بھی راجپوتانی رہتی
تھی۔ مگر عیسائی ہو جانے کے بعد وہ کچھ
نہیں ہو سکتی تھی۔ جب اب مذہب فروشی
ایمان فروشی۔ اور قابلِ نفرت قرار دی جا چکی
ہوں۔ مگر ہیتی؟ اور مفادات کے خونی
دورے لاشعور کی گہرائیوں سے تیرتے
ہوئے سطحِ شعور پر آگئے۔ ریل کی پٹڑیاں
افق کا سینہ توڑ کر اندر گھسی ہیں۔ سینے
میں جلا کر کرید سکتی ہوں۔ میں عیسائی نہیں
ہوں۔ میں ایمان فروش بھی نہیں۔ میں
صرف بھوکی ہوں۔ صرف بھوکی۔ بھوک
میرا مذہب ہے۔ میں محض جسم فروش ہوں
کوئی میرا محسن نہیں۔ میں کسی کی مرہونِ منت
نہیں۔ یسوع مسیح نے مجھے کچھ نہیں بخشا
میں نے گھوڑوں کے لئے گھاس کھودی
ہے۔ لوگوں کے کپڑے صاف کئے ہیں۔
اصطبل جھاڑے ہیں۔ میرے سینے نے بارہا
بے درد ہاتھوں کی گرفت کو محسوس کیا ہے۔ ...
.... اور پھر لوسی ...... [illegible]
کا شعور اس کے ذہن میں بھر گیا۔ لوسی اس کے
کے جیتے اعضا [illegible] یکایک نا معلوم طریقہ پر
ایک نا معلوم رشک و حسد کا ریلا اس کے
ذہن میں اتر آیا۔ پہلی مرتبہ اُسے محسوس ہوا وہ
اپنی لڑکی سے حسد رکھتی ہے۔ اسی کی
وجہ سے تو اس کا مالک اب اس کو گالیاں
دیتا ہے۔ اکثر کام کرتے کرتے دھتکار کر
بھگا دیتا اور لوسی کو اس کے عوض میں کام پر
لگا دیتا ہے۔ میری مزدوری کم کر دی اور کام
کے گھنٹے بڑھا دیئے۔ کس لئے؟ صرف اس
لئے کہ لوسی اب جوان ہو گئی ہے۔ اور میں ...؟
اس نے اپنے جسم پر نگاہ ڈالی ...... وہ بہت
تبدیل ہو گئی تھی ...... گویا اس کا تمام جسم
حسن اور جوانی ایک تیر یا مذہ راہی تھا۔ جس
کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ دم توڑ بیٹھا تھا
پس منظر، منظر پر غالب آگیا۔ اس نے دو
بارہ ریل کی پٹڑیوں کی طرف دیکھا۔ پٹڑیاں
بے جان، بے حس و حرکت پڑی تھیں۔ سانپ
کی چھوڑی ہوئی کینچلی کی طرح۔ انکساری
اور دیانتداری کے ساتھ اس نے مان لیا کہ
وہ اور اس کا جسم۔ ایک کینچلی ہے۔ کینچلی
جسے سانپ چھوڑ گیا ہے۔ اور سانپ اس
کی روح پر ڈسنے لگا۔

لوسی نے بہت دنوں سے سن رکھا
تھا کہ آج کل دہلی میں سٹینو ٹائپسٹ بن کر
ہر ایک نوجوان لڑکی اچھی ملازمت حاصل
کر سکتی ہے۔ اس کے دماغ میں دہلی کے
خوابوں کا رقص بڑھتا گیا اور آخر ایک دن
اپنی ماں کو تمام باتیں سمجھا کر وہ بولی "آخر
ہم تم یہاں کیوں پڑے ہیں۔ ڈیوڈ خاندان کو
دیکھو دہلی میں عیش کر رہا ہے۔ ہم کیا نا قابل
ہیں۔ میں ٹائپ سیکھ لوں گی اور تم بھی اور بس
آج وہ حقیقی معنوں میں ماں بیٹیاں بن گئی
تھیں ....

لوسی کے لہجہ میں جو چستی اور وجاہت
پسندی تھی۔ اسی کی رفتار سے اس نے
اپنے کو دہلی کی فضا سے ہم آہنگ کر
لیا۔ چند ہی ہفتوں کی کوششوں اور ملا
قاتوں کے بعد اس نے ایک دفتر میں نوکری
حاصل کر لی۔ مگر اس کی ماں وہ ابھی تک
کھٹ کھٹ ٹائپ کی مشق کر رہی تھی
اب رفتار اس کی الجھن تھی صرف رفتار
کیونکہ اب اس کے بالوں کی الجھن دور
ہو گئی تھی۔ کریم نے اس کے چہرے کی خشکی
کو ڈھانپ لیا تھا۔ مگر ٹائپ کرنے کی
رفتار ایک مفلوج سا طوفان اس کے سینہ
میں لنگڑانے لگتا۔ اور اس کا تمام غصہ
لوسی پر برس پڑتا۔ وہ دفتر میں چند ہی دنوں
نوکری کے بعد افسروں اور گوروں کے ساتھ
[illegible] لگی تھی۔ اس نے ایک سائیکل خرید لی
تھی۔ بال انگریزی ڈھنگ سے کٹوا لیے
تھے ......

ایک دن لوسی نے شام کو گھر آ کر اس نے
بتایا کہ وہ ایک افسر کی سکریٹری ہو گئی ہے
دو سو روپیہ ماہوار تنخواہ ہے۔ اور وہ چلی
گئی۔ شاید افسر بنگلہ میں ...... اور مجھ کو
دفتر میں صرف ساٹھ روپیہ ماہوار ملیں۔

نرگس ۔ نرگس آرٹ کنسرن کی سوشیل تصویر "انجمن" میں
جسے مسٹر اختر حسین ڈائرکٹ کر رہے ہیں

[illegible] 40415. ESTD. 192[illegible] Regd. No. B 2491

THE AJMAL SUNDAY EDITION

PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS, BOMBAY 3
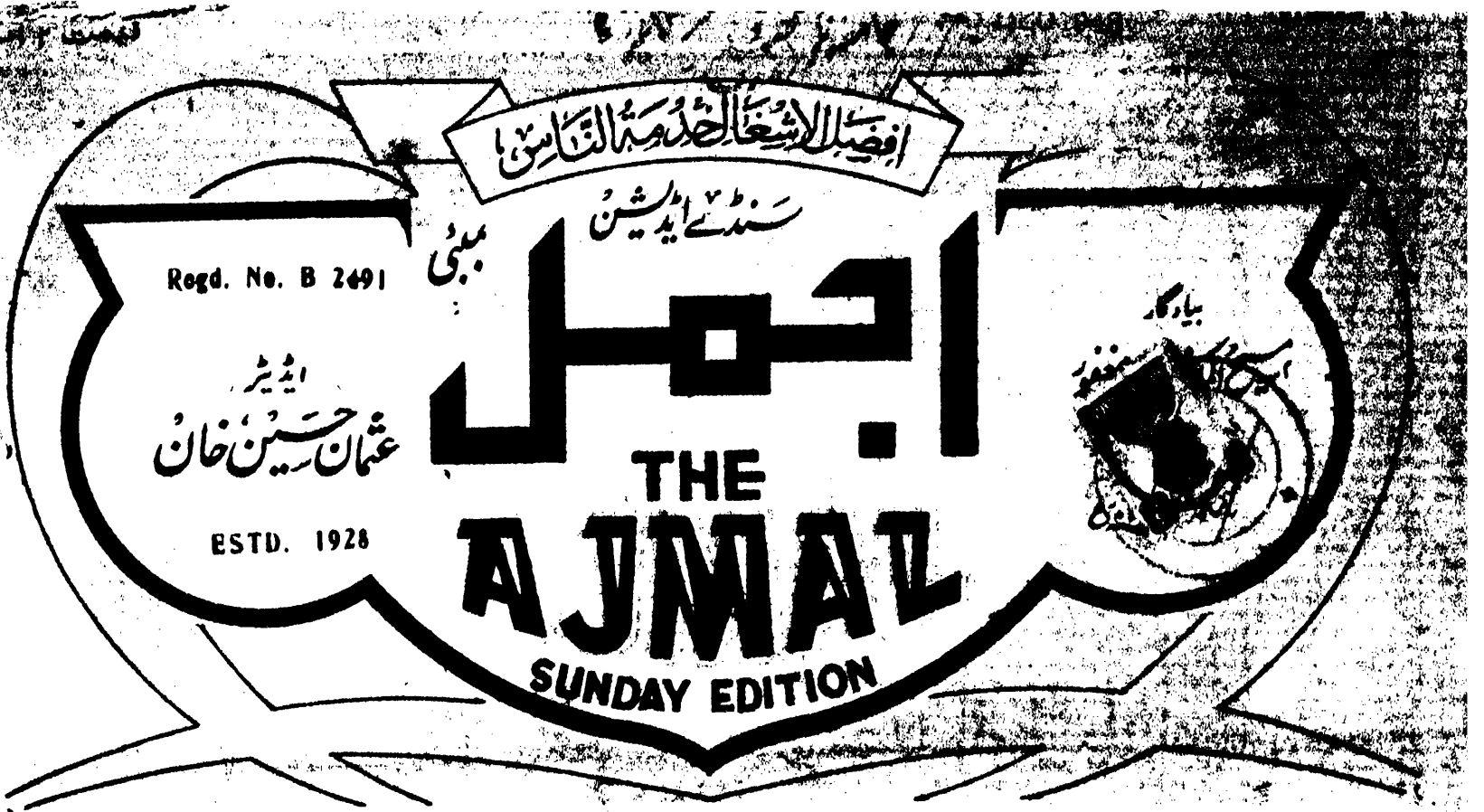
جلد ۲۱ بمبئی یکشنبہ ۲۸ نومبر ۱۹۴۸ عیسوی نمبر ۴۶

VOL. XXI BOMBAY. SUNDAY 28HT NOVEMBER. 1948 NO. 46

ریلوے اسٹیشن کی اڑی ہوئی چھت

جی - آئی - پی ریلوے کے ایک اسٹیشن کے پلیٹ فارم
کا ایک منظر جس کی چھت ہوا اپنے ساتھ اڑا لے گئی

طوفان خیز ہوا کی ہولناک تباہکاری کا منظر

کوسمک روڈ پر واقع عمارات کو طوفان نے کس طرح برباد کیا اس کا ایک منظر

بیلارڈ پیر پر کنارے سے ٹکرائی ہوئی ایک کشتی

تاج محل ہوٹل کے سامنے راستہ پر دیوار کی سلیں دکھائی دے رہی ہیں

اسٹالن کا بیان

روس کے وزیر اعظم مارشل اسٹالن نے کیمونسٹ اخبار "پراودا" میں اخبار نادیا ہے وہ اس کے دوسرے بیانات کی طرح ایک اہم دستاویز ہے کیونکہ ایسے بیانات ہمیشہ ایک خاص مقصد کو سامنے رکھ کر دیئے جاتے ہیں۔

اسٹالن نے اپنے بیان میں گذشتہ چند ماہ کی تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی جو کوشش کی ہے اس سے برطانیہ اور دنیا کے لوگ (سوویٹ یونین اور اس کی کٹھ پتلی ریاستوں کو چھوڑ کر) حیران سے ہو گئے ہیں۔ اس بیان کی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ انہوں نے مغربی طاقتوں پر خاص طور پر جنگجویانہ پالیسی کا الزام لگایا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مارشل اسٹالن نے برلن کی بات چیت اور سیکورٹی کونسل کے برلن پر جلسوں کی تاریخ کو گول کر کے ہضم کر لیا ہے۔

یہ غلط بیانی پہلے ہی سے ظاہر ہو چکی ہے۔ یہ بالکل غلط ہے کہ مغربی طاقتوں نے ماسکو میں اپنے نمائندوں کو [illegible] سے انکار کر دیا ہے اور وہاں جو سمجھوتہ ہوا تھا اس کو منسوخ قرار دے دیا۔ ایسے ریکارڈ موجود ہیں جو اس بات کو غلط ثابت کر سکتے ہیں۔ اور یہ بالکل جھوٹ ہے کہ [illegible] کے مسئلہ کے متعلق سمجھوتہ کا مسودہ پیرس میں ڈاکٹر برامولیا (ارجنٹائن) کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن امریکہ اور برطانیہ کے نمائندوں نے اس سمجھوتہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔

اگر اس قسم کا کوئی سمجھوتہ موجود ہوتا اور اگر سوویٹ ڈیلیگیشن کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے اس سمجھوتہ کے متعلق کوئی یقین ہوتا تو مسٹر ویشنسکی اپنی آخری تقریر میں اس نکتہ پر زور دیتا لیکن انہوں نے اس سمجھوتہ کا ذکر تک نہیں کیا۔ ظاہر ہے کہ جب وہ تقریر کر رہا تھا اس وقت تک اسٹالن نے اپنا بیان گھڑا نہیں تھا۔

اس میں حیران ہونے کی کوئی بات نہیں کہ روس کے وزیر اعظم مارشل اسٹالن نے گذشتہ دو ماہ کی تاریخ کو توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ اس حیرانی کا سبب یہ ہے کہ کمیونسٹوں کے طریق کار کو اچھی طرح سمجھا نہیں گیا۔ اسٹالن کی تعلیمات میں سرکاری کمیونسٹ پالیسی کو کامیاب بنانے کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کا کام ٹھیک حالات کو درج کرنا نہیں بلکہ ایک خاص مقصد کو کامیاب بنانا ہے۔ اگر حالات ضروریات کو پورا نہیں کرتے یا مقصد کے حصول کے راستہ میں رکاوٹ ہیں تو لازمی ہو جاتا ہے کہ ان کو نئے سرے سے لکھا جائے۔ اگر کسی کو اس کے متعلق شک ہے تو اسے روسی انقلاب کی موجودہ تاریخ کا اس وقت کے ریکارڈ سے مقابلہ کرنا چاہئے۔ ساری کہانی اتنی بدل دی گئی ہے کہ پہچانی نہیں جاتی۔ سوویٹ یونین کو اسٹالن کی پالیسی کے متعلق ڈالنا ضروری ہے۔

اس لحاظ سے یہ ہوا کہ مسٹر اسٹالن موجودہ حالات اور واقعات کو بیان کرنے میں ایک جانے بوجھے طریقہ سے کام لے رہا ہے۔ حیران ہونے کی کوئی بات نہیں۔ اسٹالن کی جھوٹ بیانی اتنی دلچسپ نہیں جتنا کہ جھوٹ بیانی کا مقصد۔ یہ مقصد کیا ہو سکتا ہے؟ یہ جاننا کوئی مشکل نہیں۔

روسی باشندوں سے اس حقیقت کو چھپایا گیا کہ چھ غیر جانبدار طاقتوں نے برلن کے مسئلہ کو سلجھانے کیلئے جو تجویز پیش کی تھی۔ اسکو مغربی طاقتوں نے تو تسلیم کر لیا ہے اور روس اور اس کے ساتھی یوکرین نے اس تجویز کو ٹھکرا دیا ہے۔ بہت مشکل تھا۔ صاف ظاہر ہے کہ اس بات نے روس کے بہت سے باشندوں کے دلوں میں شک و شبہ پیدا کر دیا [illegible] اس کے متعلق کوئی نکتہ چینی [illegible] یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ [illegible] روس [illegible] اصل بات اس خیالی [illegible] بالکل مختلف تھی کہ روسی حکومت صلح کی متمنی ہے اور مغربی طاقتیں جنگ کو دعوت دے رہی ہیں۔ [illegible] جانتے ہیں۔ اس لئے ضروری [illegible] روسی حکومت اس خیالی افسانہ کو برقرار رکھے۔

اس لئے یہ لازمی ہو جاتا تھا کہ صحیح حالات کو توڑ مروڑ دیا جائے اور ایک نئی کہانی گھڑی جائے جس میں یہ ظاہر کیا جائے کہ روسی حکومت تو سمجھوتہ کرنا چاہتی تھی لیکن مغربی طاقتیں (امریکہ اور برطانیہ) اس سمجھوتہ کے راستہ میں حائل تھیں۔

لیکن ایک حقیقت ابھی تک باقی تھی۔ اور وہ یہ کہ چھ غیر جانبدار طاقتوں نے سمجھوتے کی ایک تجویز پیش کی۔ جسے مغربی طاقتوں نے تو تسلیم کر لیا تھا مگر سوویٹ روس نے مسترد کر دیا تھا۔ اب ضروری ہو جاتا تھا کہ روسی حکومت اس کی کوئی وجہ بیان کرے۔ مسٹر اسٹالن نے الزام لگانے کا وہی پرانا طریقہ نکالا اور کہا "یہ طاقتیں جارحانہ پالیسی کی حمایت کر رہی ہیں۔ اور ایک نئی جنگ کو دعوت دے رہی تھیں" یہ دونوں نظریئے کہ "چھ طاقتیں سوویٹ یونین سے بالکل متفق تھیں اور یہ کہ وہ جارحانہ پالیسی کی حمایت کر رہی تھیں۔ بالکل متضاد ہیں۔ لیکن سچائی کو پالیسی پر قربان کیا جا سکتا ہے۔ روس میں جس شخص نے یہ بیان پڑھا ہوگا وہ تو سمجھے گا کہ سوویٹ یونین تو امن اور سمجھوتہ کے لئے بھرپور کوشش کر رہا ہے اور مغربی طاقتیں دنیا کو ایک نئی جنگ میں جھونکنا چاہتی ہیں لیکن روس میں کوئی بھی یہ خیال ظاہر نہ کرے گا کہ ان کے سب سے بڑے "لیڈر اور گرو" پر خود دروغ گوئی کا جرم عائد کیا جا سکتا ہے۔

روسی باشندوں کو یہ بتانا تو بہت آسان ہے کہ روسی دائرہ اثر سے باہر کی تمام دنیا ایک نئی جنگ کے متعلق منصوبے بنا رہی ہے۔ لیکن اس خیال کے اظہار سے روسی عوام کے دلوں میں تشویش اور بے چینی پیدا ہو سکتی ہے اس لئے اپنے بیان کے آخر میں مارشل اسٹالن نے روسی عوام کو یقین دلانے کی کوشش کی ہے اگرچہ مغربی حکومتیں جنگ کی راہ پر جا رہی ہیں لیکن ایک نئی جنگ نہیں ہوگی۔ نئی جنگ کے اکسانے والے "ذلیل ہو کر تباہی کے گڑھے میں گر پڑیں گے"۔ گو انکی کہی ہوئی بات بالکل سیدھی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مارشل ایک سیدھا سادہ آدمی ہے اس کا مطلب کچھ اور ہے۔ اس سے تو یہ ظاہر ہے کہ روسی عوام میں بہت بے چینی پائی جاتی ہے۔ اس بے چینی نے اتنی خطرناک صورت تو شاید اختیار نہیں کی لیکن یہ اتنی زیادہ تو ہے جس نے مارشل اسٹالن کو اس بات پر مجبور کیا ہے کہ وہ روسی عوام کو یقین دلانے کے لئے ایک جھوٹی کہانی سنائے۔

اخباری زبان

(از: قمر احمد)

شمالی ہند میں ٹنڈن جی پنڈت جھا اور دوسرے ہندی خصوصاً سنسکرتی ہندی کے حامیوں نے جو ناخوشگوار فضا پیدا کر دی ہے۔ اس کا سب سے زیادہ گہرا اور مضرت رساں اثر ہندی روزناموں اور جرائد پر پڑا ہے۔ اور چونکہ یوپی اور بہار میں اردو جرائد اپنی کم مائگی اور بے انتظامی کے باعث عوام کے ہاتھوں تک نہیں پہنچ سکے۔ اس لئے جنتا کی واقفیت اور آگاہی کا ذریعہ لے دیکر ہندی اخبار رہ گئے ہیں۔ مگر ان اخباروں سے بجائے اس کے کہ عوام کو کسی خاص مسئلہ کے متعلق صحیح رہنمائی ہو اور وہ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچنے کے قابل ہو سکیں۔ ان اخبارات سے اور زیادہ غلط فہمی پیدا ہوتی ہے جسکی کئی وجہیں ہیں۔

(۱) یہ جرائد "خبر" اور اپنی ذاتی رائے یعنی نیوز اور ویوز میں کوئی فرق نہیں سمجھتے۔ یہ خرابی کیا ہندی اور کیا اردو بلکہ انگریزی اخباروں میں ہے۔ یعنی وہ خبر میں کے جو عنوان قائم کرتے ہیں۔ وہ ایسے ہوتے ہیں جس سے عام خبر کے ساتھ ان کے ذاتی خیالات کا اظہار ہوتا ہے۔

(۲)۔ ہندی اخباروں نے خصوصیت کیساتھ ایسی اخباری زبان اختیار کی ہے۔ جسے اگر خود ان کے پاس سنسکرتی ہندی والی ڈکشنری موجود نہ ہو تو وہ خود بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ اس کا اثر یہ ہے کہ تو آپ دس فی صدی ہندی دانوں کے ہاتھ میں ہندی کا کوئی نہ کوئی پرچہ دیکھیں گے۔ مگر خبریں ان کی سمجھ سے باہر ہوتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ صرف سرخیاں پڑھ کر کوئی آسان سا جملہ پوری خبر میں سے سمجھ کر اپنے ذہن میں ایک رائے قائم کر سکتے ہیں جس سے صحیح معاملہ اور مسئلہ کے متعلق اور کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔

(۳) اخباروں کو آسانی سے سرخی بنانے کا آسان سا نسخہ یہ ہے [illegible] کی حمایت (سماینہ) کی جائے۔ اور ہر اس شے سے جس کا ذرا سا بھی تعلق مسلمانوں سے ہو۔ اسکی مخالفت کیجائے

(۴) حکومت ان جرائد کی قانونی نگرانی کی فکر اور پرواہ نہیں کرتی۔ اور وہ اپنا فرض منصبی محض یہ سمجھتی ہے کہ اگر کسی مضمون کے متعلق پبلک میں برہمی ہو تو ایسے اشاعت مضمون کے چھ سات ماہ بعد ضبطی کا اعلان کر دیتی ہے گویا اس طرح ایک معمولی سی چیز پر پھر توجہ دلائی جاتی ہے

(۵) خود مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے انفارمیشن بیورو (ادارہ اطلاعات) نہایت اچھے سفید دبیز کاغذ پر ہندی اردو اور انگریزی اطلاعات شائع کرتی رہتی ہے۔ مگر یہ اطلاعات کیا ہیں؟ محض وزراء اور اعیان حکومت کی مداحی اور قصیدہ خوانی جس سے نہ تو عوام کو دلچسپی ہوتی ہے اور نہ جسے پڑھنے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ بلکہ اکثر تو یہ دیکھا گیا ہے کہ ضرورت مند بے فکرے بنیوں کے ہاتھ ردی سی بجائے دام سیدھے کر لیتے ہیں۔

دراصل یہ اطلاعات انگریزوں کی میراث میں انتقال حکومت سے ہندوستانیوں کو مل گئے ہیں جس کے ذریعہ حسب دستور وزراء اور اعمال کا پروپیگنڈا ہوتا ہے۔

(۶) ان سب سے زیادہ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ اس ملک میں جریدہ نگاری خدمت خلق کے لئے نہیں کی جاتی ہے۔ اس لئے اخباری معیار بھی بلند نہیں ہونے پاتا بلکہ سستی شہرت۔ پروپیگنڈے اور حصول آمدنی کے مقابلہ میں ملک حکومت اور پبلک کسی کے بھی مفاد کا خیال اسے نہیں ہوتا۔ اور یہ اخبار دراصل

میل یا لڑائی

(از:- ڈاکٹر بھگوان داس بنارس)

آدمی کے اندر پریم اور نفرت میل اور لڑائی
دونوں طرف جھکاؤ موجود ہے۔ پریم ہمارے
دل کے اندر کا خدا ہے۔ نفرت خود سے پیدا ہوئی
ہے اور وہی ہمارے اندر کا شیطان ہے۔ ہمیں
ہمارے اندر کا گرنتھ سنگرام ہے۔ رومی کا
کلام بھی بڑا اچھا اور مشہور شعر ہے:

"تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی"

یعنی آدمی کو دنیا میں ایک دوسرے
سے میل اور پریم کے لئے بھیجا گیا ہے لڑائی
اور نفرت کے لئے نہیں۔

آج جب ہمارے دیش کے بہت
سے لوگ ایک مذہب والوں اور دوسرے
مذہب والوں میں دیش کی ایک سرکار اور دوسری
سرکار میں لڑائی کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ ہم
یہ دیکھیں کہ یورپ کے اتنے بڑے مہا یدھوں
سے وہاں کے کچھ تجربے کار لوگوں نے کیا نتیجہ
نکالا۔ کسی بڑے سے بڑے راج کا جیتنا اور سینا
پتیوں نے جنہوں نے پہلے اور دوسرے مہا
یدھوں کو کھڑا کرنے اور چلانے میں سب سے
زیادہ حصہ لیا تھا بعد میں محسوس ہوا کہ یدھ ذرا
سی بھی عزت یا شان یا کام کی چیز نہیں ہے۔

انگلستان کے ایک فیلڈ مارشل سر
ولیم رابرٹسن نے جنہوں نے پہلے مہا یدھ میں بہت
بڑا حصہ لیا تھا سنہ ۱۹۳۰ء میں اپنی تقریر میں کہا تھا
"پہلے کبھی لوگ اتنے عام طور سے
اس بات کو نہیں سمجھا کرتے تھے جتنا اب ملکوں کو
یا قوموں کے بیچ کے جھگڑوں کو طے کرنے کے لئے
لڑائی کا طریقہ ایک غلط ناکارہ طریقہ ثابت ہو
چکا ہے۔ دن بدن یہ بات ثابت ہوتی جا رہی
ہے کہ اصل میں کوئی قوم غیر قوم ہے ہی نہیں بلکہ
سب کا نفع نقصان ایک دوسرے کے ساتھ
اس طرح گتھا ہوا ہے کہ اگر ایک قوم یا ایک ملک
کو نقصان ہوتا ہے تو کم یا زیادہ سب کو
نقصان اٹھانا پڑے گا۔ اس میں کوئی شک نہیں
کہ یدھ کو روکنے کے لئے سب سے ضروری یہ
نہیں ہے کہ بڑی بڑی فوجیں اور قیمتی ہتھیار
رکھے جائیں۔ سب سے پہلی اور ضروری چیز یہ
ہے کہ قوموں کے آپسی ویوہار میں خود غرضی کم
ہو اور ایک دوسرے سے "داہ یا جلن" گھٹے
ہمیں امید ہے کہ دھیرے دھیرے ہم
ادھر کو جا رہے ہیں۔ جب تک یہ بات نہ پہنچے
گی تب تک نہ ہتھیاروں کی دوڑ ختم ہو گی اور
نہ ہی دنیا کی قوموں میں میل ملاپ اور امن قائم ہو گا
اور جب یہ بات ہو جائے گی۔ دنیا میل ملاپ
اور امن کے راستہ پر بھی چلنے لگے گی۔"

بے شبہ ایک ایسے تجربہ کار سینا پتی
کے یہ جو جنگ سے اکتا گیا تھا اس کا یہ
بیان میں وہ شبد سب سے مزے کے ہیں
"خود غرضی" اور "داہ" شری کرشن نے
جنہیں شاید جنگ کا اس سے کم تجربہ نہیں
تھا ہزاروں سال پہلے کہا تھا کہ:-
"کام، کرودھ اور لوبھ نرک
کے یہی تین دروازے ہیں۔ ان سے بڑھ
کر اور نرک کونسا ہو سکتا ہے۔؟"

ایک دوسرے بہت بڑے ..
یودھا بریگیڈیئر جنرل ایف۔ پی کروزیئر نے
سنہ ۱۹۲۹ء میں لکھا تھا۔
"دنیا دھیرے دھیرے اس
بات کی طرف آ رہی ہے کہ جنگ کے طریقوں سے
ہٹ کر شانتی کے طریقوں کو برتنا چاہئے
ادھر ہی دنیا کو آنا چاہئے دنیا کے آگے کی خوش
حالی کا دارومدار اسی بات پر ہے کہ عام جنتا
کی رائے کو ایسا بنا دیا جائے جس سے وہ کھل
کر لڑائی کی باتیں سوچنے کی عادت ترک کر دے۔ میں
نے اس بات پر اچھی طرح سوچا ہے سمجھا ہے
اور تجربہ کر کے دیکھا ہے۔
اس لئے اب میں چاہتا ہوں کہ
اس طرح کے وچاروں کو پھیلا کر باقی زندگی
کا بہت سا حصہ لڑنے میں یا لڑائی کی تیاری
کرنے میں بیتا ہے۔ اب میں اپنی رہی سہی
زندگی دنیا کے اندر امن قائم کرنے میں بتانا
چاہتا ہوں۔"

یورپ کے کسی ویدوان نے کہا ہے
"اگر ایشور نہ ہوتا تب بھی ہمیں خود اپنی خیریت
کے لئے ایک ایشور گھڑ لینا پڑتا ہے۔"
خدا یا خدا میں سچا وشواس ہی آدمی
کو آدمی کا گلا کاٹنے سے بچا سکتا ہے خود غرضی
سے اب سائنس اور فلاسفی یعنی وگیان اور درشن
شاستر دونوں مل کر زور سے آدمی کو
بتا رہے ہیں۔ کہ خدا جتنا ہمارے باہر ہے
اس سے زیادہ ہمارے اندر ہے۔

کئی برس سے یورپ کے بہت سے
ملکوں میں اس طرح کی نئی نئی تحریکیں چل رہی ہیں جن
کی غرض گویا راشٹر پتا یا نیشنلزم کی جگہ انتر
راشٹریتا۔ انٹرنیشنلزم یا ہیومانیٹی انسانی قوم
کی ایکتا کے خیال کو پھیلانا ہے۔ اس سے آگے
کی منزلوں میں زیادہ اونچے سداچار اور اونچی
روحانیت پیدا ہوگی۔ ان تحریکوں میں نئی پود کے
لوگ ہی زیادہ [illegible] رہتے ہیں۔ راشٹریتا
انسانیت کے [illegible] ہے جب وہ انسانی
بھائی چارے [illegible] تو وہ زہر اور
ہم سب کے لئے [illegible] جاتی ہے۔ آج
دنیا میں نیشنلزم راشٹریتا یا قومیت کے پاک
جذبات ہی بگڑ کر گت بن رہی ہے۔ انسانیت
کے خلاف بڑے سے بڑے پاپ آج ان
جذبوں کے نام پر کئے اور کرائے جا رہے ہیں۔

یورپ کے سمجھدار لوگ اس بات کا جتن
کر رہے ہیں کہ [illegible] اسکولوں اور کالجوں
[illegible] اپنی قوم کی
بڑائی [illegible] دوسروں کی برائی کر کے
ہنسی اڑانا اور ان سے نفرت پیدا کرنا [illegible]
[illegible] انسانوں [illegible]
کو اچھی چیزیں بتا کر ان کی تعریف کرنا سب
بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم سے نکال دیا جائے
ان کی جگہ چن چن کر سب کی اچھی اچھی باتوں کو گننا
سب سے پریم، میل ملاپ اور سب کی سیوا کے
بھاؤ کو پھیلانا تعلیم کی خاص غرض ہونی
چاہئے۔ سب دھرموں کے ان بڑے بڑے
یودھاؤں اور دیوتاؤں کی تعریف کرنے کی جگہ
جنہوں نے دوسروں کو مار کاٹ کر اور جلا کر نام کمایا
ہیں دنیا بھر میں شانتی اور پریم پھیلانے والوں
کو اجاگر کرنا چاہئے۔ لوگوں کے دلوں
و دماغوں سے لڑائی مٹے تب ہی دنیا سے لڑائی
مٹ سکتی ہے۔ ہتھیاروں کو بڑھانے یا
گھٹانے سے نہیں۔ دھارمک تعلیم بھی اگر
اسی طرح سب دھرموں کی اچھی اچھی باتوں
اور سب دھرم والوں کے اچھے اچھے کاموں کو
ملا کر سب کو ایک سی تعلیم دی جائے تو منش
جاتی کے لئے برکت ثابت ہو سکتی ہے۔ سب
دھرم ایک۔ سب قومیں ایک سارا انسانی
سماج ایک۔ یہی ہمارے سکھ سے رہنے
کا ایک منتر ہے۔

بھگوان کی دنیا میں سب کے لئے سب
طرح کے کھانے موجود ہیں۔ جو نمکین چاہیں
ان کے لئے نمکین۔ جو مٹھائی چاہیں ان کے
لئے مٹھائی۔ جو اچار رکھنا چاہیں تو
ان کے لئے اچار کھٹائی۔ جو پھل چاہیں ان کے
لئے پھل۔ ایک دوسرے کی چاہ اور پسند کے
لئے ہم ایک دوسرے کے سر کیوں پھوڑیں گے
صاف تازہ نرمل پانی اور شدھ ہوا کی سب
کو ضرورت ہے۔ ان کے بنا کسی کا الگ کھانا
ہضم نہیں ہو سکتا اور نہ بدن کو کوئی ٹک سکتا ہے۔
یہی سب دھرموں کے وہ بنیادی اصول نیکی
اور محبت کی وہ راہیں ہیں جن کی بنا پر سب
دھرم ہے کہ [illegible] جس
طرح بہت زیادہ قانون لوگوں کی شہری زندگی
ان کے دلوں کی [illegible] کو ملیا میٹ کر
دیتے ہیں اور لوگوں کو سیکڑوں ہزاروں...
چھوٹے بڑے سرکاری نوکروں کا ہر وقت
منہ تاکنے والے بے بس اپاہج بنا دیتے
ہیں۔ اسی طرح بہت زیادہ مذہب ہر بات
میں مذہب آدمی کے اندر کے خدا کو مار ڈالتا
ہے۔ اور آدمی کو طرح طرح کے وہموں ریت
رواجوں اور [illegible] کا غلام بنا
[illegible]
[illegible]
[illegible]

اس لئے بدھ [illegible] اپنے دھرم کا
نام ہی مدھیم پد رکھا یعنی بیچ کا راستہ رکھا یہی
بات کسی نہ کسی شبد میں سب دھرموں میں کہی
گئی ہے۔

چین کے مہاتما کنفیوشس کی ایک
دھرم پستک کا نام "بیچ کا اصول" ہے۔
سنسکرت کی ایک مشہور کہاوت ہے
"بیچ کے راستے پر چلنا چاہئے۔
کسی بات میں بھی اتی نہیں کرنی چاہئے۔"
شری کرشن نے گیتا میں کہا ہے
"نہ زیادہ کھانے والے کو یوگ
سے فائدہ ہو سکتا ہے۔ نہ بالکل نہ کھانے
والے کو۔ نہ زیادہ سونے والے کو اور نہ زیادہ
جاگنے والے کو۔ جو بیچ کی راہ سے کھاتے پیتے
ہمیشہ بیچ کا راستہ چلے۔ ٹھیک سوئے اور
جاگے بھی اس سے دکھ روگ سے دور رہتے ہیں۔"

اپنشد کا کہنا ہے۔
"وہ آدمی [illegible] بات کرنے میں
یا کام کرنے میں کسی سے اتی نہیں کرتا [illegible]
[illegible] سمجھدار وہی ہے جب کوئی
بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے یا بے جا بحث کرے

ہندوستان کے دو موسمی تہوار

(از:- قمر الاسلام)

شہر غازی پور کے قیام کے دوران میں اکثر ایک معمر منشی جی سے ملاقات ہوا کرتی تھی۔ بڑی خوبیوں کے آدمی تھے۔ اور عجیب عجیب باتیں سنایا کرتے تھے۔ جو ذات کے لوہار مگر انہیں سے یہ معلوم ہوا کہ لوہار ذات والے دیوتاؤں کے اسلحہ تیار کرنے والے "وشوا کرما" دیوتا کی اولاد سے ہیں۔ قدیم یونانیوں میں دیوتاؤں کے اسلحہ ساز دیوتا کو "ولکن" کہتے تھے۔ اور بڑا الکینو (آتش فشاں پہاڑ) اسی والکن دیوتا کی (اسلحہ سازی) کی دوکان "اسمتھ" ہے اسی طرح "وشوا کرما" ہر دیوی دیوتا کے لیے ان کے مرتبہ کے مطابق اوزار تیار کرتا تھا۔ چنانچہ اب ان کی اولاد "لوہار" (جو لوہوں سے اسلحہ تیار کرنے کے بدولت لوہار کہلانے جانے لگے۔) ہندوستانی راجاؤں کے لیے تیغ تلوار، الم علم جملہ سامان.. جنگ وغیرہ آلات کا فنکاری فراہم کرتے تھے۔ چنانچہ ہندی تلوار کی دنیا میں دھوم تھی۔ خود ہمارے رسولؐ نے دربار رسالت کے شاعر کے ایک مصرعہ کو یوں یوں درست فرمادیا تھا ؎

مہند من سیوف اللہ مسلول

یعنی اللہ کی تیز تلواروں میں میں ہندی تلوار ہوں۔

موقع ہوا تو انہیں منشی جی کی بیان کردہ ہندوستان کی دلچسپ تاریخ بیان کروں گا اس وقت تو دو موسمی تہواروں کا بیان مد نظر ہے۔ الخ.....

ایک دن کی بات ہے کہ منشی جی تشریف لائے اور باتوں باتوں میں کہنے لگے۔ دیکھئے اب دیوالی کا تہوار آرہا ہے شہر میں ابھی سے چہل پہل ہے۔

میں جی ہاں۔ پتہ چلا ہے کہ اب کی بڑے زور و شور کا جوا ہوگا۔

منشی جی:- توبہ توبہ آپ نے بھی کس نامراد کا نام لیا۔ جوا اور دیوالی نارائن نارائن.....

میں:- (بات کاٹ کر) منشی جی میں تو بچپن سے سنتا آتا ہوں کہ جو دیوالی کی رات کو جوا نہ کھیلیگا اس کا مرنے کے بعد چھچھوندر کا جنم ہوگا۔

منشی جی:- تعجب ہے کہ آپ ایسی باتیں زبان سے نکالتے ہیں۔ بھلا مذہب جوئے کی اجازت دیگا۔

میں:- دیکھئے منشی جی پانڈو برادران نے جوا کھیلا اور اس بری طرح کھیلا کہ دروپدی تک کی بازی لگا دی مگر سری کرشن جی مہاراج نے انھیں کچھ نہیں کہا۔

منشی جی (ترش رو ہوکر) یہ صحیح ہے کہ عین وقت پر کرشن جی نے کچھ نہیں کہا۔ مگر ذرا سوچئے تو وہ موقعہ کیا تھا۔ جوئے کے بعد بھری سبھا میں دروپدی کی ساری اتاری جارہی تھی۔ عجب نازک وقت تھا۔ کیا ہمارے کرشن جی کو یہی زیبا تھا کہ اس وقت جوئے کی مذمت کرنے بیٹھتے۔ ارے اس وقت تو دروپدی کو بچانا اور نزاکت معاملہ کو سنبھالنا تھا۔ ابھی دو دن کی بات ہے کہ سورگباشی مہاتما جی کلکتہ میں تھے جو انھیں اس کی خبر ملی کہ بہار کے اکثریت متوالے ہندو مٹھی بھر مسلمانوں کی جان مال اور آبرو کے درپے ہیں۔ کیا اس وقت اس کا موقع تھا کہ وہ ہندوؤں کو نصیحت کرنے بیٹھتے۔ اس وقت تو مسلمانوں کی جان بچانے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مہاتما جی پوری تندہی سے ادھر متوجہ ہوگئے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ ایک مریض کی ٹانگوں میں درد ہے۔ مگر ڈاکٹر آکر یہ دیکھتا ہے کہ ٹانگوں کے درد کے ساتھ مریض بخار میں بھی جل رہا ہے اور سرسامی حالت کے قریب ہے۔ اس وقت ڈاکٹر اگر ٹانگوں کے درد کی طرف توجہ کرے گا تو مریض کا خاتمہ ہی ہو جائے گا۔

میں:- منشی جی بہت صحیح فرمایا۔ مگر عموماً دیوالی کی رات کو شب بیداری ہوتی اور جوا کھیلا جاتا ہے۔

منشی جی:- ہاں جب ہندوستان میں انگریزی راج [illegible] جگہ برائیاں آگئیں۔ تو دوسری خرابیوں کے ساتھ جوئے اور قمار بازی کی بھی بری عادت پیدا ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج ایک دیوالی کو کیا سال بھر کلب میں ریس کے میدان میں ریشمی مارکٹ میں اور اپنی اپنی رہائشوں میں لوگ کھلے بند مختلف طریقوں سے جوا کھیلتے ہیں۔ مگر اس سے دھرم اور مذہب کو کوئی واسطہ نہیں۔

میں:- پھر دیوالی ہی میں اس کی اتنی اہمیت کیوں ہے۔

منشی جی:- اب اسے ذرا تفصیل سے سنیے۔ یہ تو آپ مانیں گے کہ ہندو دھرم کے شاستر بنانے والے برہمنوں نے ہر تہوار ہر موقعہ پر مذہب کو نمایاں کیا اور منشا اس سے ایک تو یہ تھا کہ ہر زمانہ اور ہر موسم میں تہواروں کا خاص اہتمام رہے اور عوام ان تہواروں سے غفلت نہ برتیں دوسرے ان کی کوشش یہ تھی کہ عوام پر برہمنوں کا اقتدار قائم رہے۔ یہی بات تھی جس میں ہر موقعہ کے لئے انھوں نے اس کا لحاظ رکھا کہ برہمنوں کا اقتدار قائم رہے اور عوام ان کی نذر اور بھینٹ سے غافل نہ ہوں بلکہ ہر موقعہ پر برہمن سے مستفید ہوں اور سب ہی کی برہمن کا خیال رکھیں۔

اب دیوالی کو لیجئے۔ آریوں کی آمد کے وقت ہمارا دیش چھوٹی چھوٹی بستیوں میں آباد تھا۔ بڑے بڑے شہر نہ تھے۔ اور عموماً مٹی کے کچے مکان ہوتے تھے۔ برسات بھی پہلے اس ملک میں تیز ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ کچے مکانات برسات کے موقع پر بہت خراب ہو جاتے تھے۔ یہ گرا وہ ٹپکا ادھر مٹی کا ڈھیر لگا ادھر دیواریں سیلی ہوگئیں۔ پھر ملک میں جنگل کی کثرت کے باعث کیڑے مکوڑے، سانپ، بچھو، گھونس، سیلاب سے بچنے کے لئے انھیں خام مکانوں کے اندر پناہ لینے آگئے۔ برسات میں بھلا ان کا تدارک کیا ہوتا۔ ہاں بارش کے خاتمہ پر ہی اس کا کچھ نہ کچھ انتظام ضروری تھا۔ بارش کے خاتمہ پر دیوالی کا تہوار منایا جاتا ہے۔ چنانچہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انھوں نے عوام کو ہدایت کی کہ سب لوگ اپنے اپنے گھروں اور.. اور مکانوں کی مرمت اور صفائی کا انتظام کریں تاکہ اس طرح لیپا پوتی جھاڑو بہارو گھر کے چھپے ہوئے سانپ بچھو لکھمورے جھینگر وغیرہ گھر سے نکل کر جنگل کی راہ لیں۔ اس لئے مکانوں کی صفائی مذہب کے نام پر لازمی کی گئی۔ اور چونکہ اس کا خوف تھا کہ تین ماہ سے جو کیڑے مکوڑے گھروں میں رہنے کے عادی رہتے ہیں وہ پھر لوٹ کر واپس آئیں گے اس لئے حکم کیا کہ گھروں کے باہر بلکہ گرد پیش ہر چراغ جلا کر روشنی کردی جائے تاکہ دیئے کی آہٹ پاکر کیڑے مکوڑے نہیں آسکیں۔

منشی جی:- اس کا بھی تعلق موسم سے ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ پہلے برسات میں آمد و رفت کی دشواری اور پھر ہی کی تجارت میں دشواری تھی۔ سامان زندگی ندی نالوں کے بھر جانے سے آسانی سے نہ ملتا۔ کھانا پکانے میں ایندھن کے بھیگ جانے سے الگ دشواری ہوتی۔ گھروں میں بند کیا ہوا غلہ اس لئے نکالا نہ جاتا کہ برسات کی نمی سے اس کی گرمی نکل جائے گی۔ اس لئے برسات بھر عوام کو مصیبت کا سامنا رہتا تھا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ "پلکھ جریا دور کہ"

یعنی برسات کی نحوست یعنی جریا کی آمد مصائب کا پیش خیمہ ہے۔ برسات ختم ہوتے ہی انبار کھولے گئے بونے کے لئے غلہ نکالا جانے لگا۔ اب گھروں میں اناج کی دشواری نہ رہی دریاؤں اور ندیوں کے اتر جانے راستوں کے خشک ہو جانے سے تجارت بھی کھل گئی۔ اس لئے دیوالی کے دوسرے دن استریوں نے مٹی کا ایک شیطان بنایا گوردھن نام رکھا اور اس کا سر کچلا یعنی اب ملک سے قحط اور مصیبت کا بھوت دور ہوا یہی نہیں بلکہ دیوالی کی رات میں مہاجنوں نے لچھمی کی پوجا کی کہ اب تجارت کھلیگی اے دیوی اس میں برکت دینا۔ کایستھوں نے قلم دوات سے سہرے درست کر کے سرسوتی جی کی پوجا کی۔ یعنی برسات کے بعد ان کا بھی کاروبار کھلیگا۔ غرضیکہ برسات کے شدومد کے باعث سب کا کام رکا ہوا تھا سب نے اپنے اپنے طریقہ پر اپنے کاروبار کی درستی کا سامان کیا۔

میں نے منشی جی کے جانے کے بعد ایک پرانے خیال کے برہمن سے ان باتوں کا اعادہ کیا تو وہ بگڑ کر بولے اجی یہ سب ادھرمی، ناستکوں کی باتیں ہیں جن کو نہ دھرم سے مطلب ہے نہ دیوتاؤں سے [illegible] [illegible] کا سر کچلا جاتا [illegible] [illegible] تھا [illegible]

[illegible] کی ساعت قریب تر ہوتی گئی لیکن آج...... اسی وقت وہ اس منحوس ساعت سے دو چار تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" کمیسار نے اس خاموشی کو توڑتے ہوئے دریافت کیا۔

"معاملہ ختم ہو چکا" کمانڈر نے جواب دیا۔ "یہ آخری حکم تھا؟"

"پھر درج کر دو" کمیسار نے ... [illegible] کے ساتھ کہا۔

کمانڈر نے اپنا [illegible] کھولا اور دیوار پر آویزاں گھنٹے کی طرف دیکھ کر اس میں مندرجہ ذیل یادداشت درج کر دی۔

"آج صبح سے تمام توپیں گولہ باری کر رہی ہیں۔ شام کے ۴ ½ بجے آخری بار فائر کئے گئے۔ داغنے کے گولے ختم ہو چکے ہیں اور رسد بھی ایک ہی دن کے لئے کفایت کر سکتی ہے۔"

اس نے روزنامچہ بند کر دیا اسے ڈوری سے باندھ کر سر بمہر کیا اور چند لمحوں تک اسی طرح ہاتھ میں اٹھائے رکھنے کے بعد گویا کہ وہ اس کے وزن کا اندازہ کر رہا ہو، اسے الماری میں رکھتے ہوئے کسی قدر افسردگی کے ساتھ کہا۔

"رفیق کمیسار! اس کام سے بھی فراغت نصیب ہوئی۔"

اسی وقت دروازہ پر دستک کی آواز آئی۔ "آجاؤ" کمانڈر نے بلند آواز سے کہا۔

دروازہ کھلا اور ایک افسر جس کی موم جامے کی برساتی پر پڑے ہوئے بارش کے قطرے چمک اور ڈھلک رہے تھے۔ کمرہ میں داخل ہوا اور الومونیم کی بنی ہوئی ایک نلکی میز پر رکھ کر فوجی طریقہ پر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"نلکی!" کمانڈر نے استفہامیہ لہجہ میں کہا۔

"ہاں! کامریڈ کمانڈر" افسر نے جواب دیا۔ "یہ کس طرح آئی ہے؟" کمانڈر نے سوال کیا۔ "اسے ایک جنگ جو جرمن طیارے نے پھینکا ہے" افسر نے بتایا۔

کمانڈر نے نلکی کا ڈھکنا کھولا اور اس میں اپنی دو انگلیاں ڈال کر لپٹا ہوا ایک چھوٹا سا کاغذ نکالا۔ لیکن اسے پڑھتے ہوئے کمانڈر کی پیشانی پر شکن پڑ گئے۔ کاغذ کے اس [illegible] ...ل سپاہی سے [illegible] میں لکھ...

"روسی قلعہ اور ساحلی توپخانہ کے کمانڈر! تم چاروں طرف سے محصور ہو۔ تمہارے پاس گولہ بارود اور رسد موجود نہیں۔ بغیر ضرورت خونریزی سے بچنے کے لئے میں تم کو اطاعت اختیار کر لینے کا مشورہ دیتا ہوں۔ اطاعت کی شرط یہ ہے کہ جزیرہ کے تمام محافظ سپاہی اور افسر جن میں کمانڈر کو بھی شریک سمجھا جائے گا۔ توپخانہ کو قابل استعمال حالت میں چھوڑ کر اور خود غیر مسلح ہو کر گرجا کے قریب واقع میدان میں جمع ہو جائیں اور وہاں خود کو ہمارے سپرد کر دیں۔ اس تجویز کو قبول کر لینے کی صورت میں وسط یورپ کے اوقات نامہ کے مطابق کل صبح چھ بجے تک گرجا کے کلس پر ایک سفید پرچم لہراتا ہوا نظر آنا چاہئے۔ تعمیل کی صورت میں اس امر کا وعدہ کیا جاتا ہے کہ تمہیں ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ بصورت دیگر موت سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اطاعت اختیار کر لو۔

ہلکے جرمن بیڑہ کا کمانڈر
وائس ایڈمرل وان (ایور شارپ)"

کمانڈر نے یہ تحریر خود پڑھنے کے بعد کمیسار کے حوالے کر دی اور کمیسار نے اسے لیتے ہوئے اس کے لانے والے افسر سے جو ابھی تک وہیں کھڑا ہوا تھا کہا۔

"اچھا! تم جاؤ۔"

"اچھا! اچھا! انہیں پرچم لہراتا ہوا نظر آ جائے گا" کمانڈر نے [illegible] کر دیا بڑا فوجی لبادہ پہنتے ہوئے کہا" کامریڈ کمیسار! تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہو گی؟ ہمیں یہ خواہش تو پوری ہی کر دینی چاہئے اور یہ پرچم بھی زیادہ سے زیادہ بڑا ہونا چاہئے۔ لیکن کیا اس کام کے لئے ہمیں وقت مل سکے گا؟"

"وقت؟ وقت بہت ہے!" کمیسار نے اپنا پائپ تلاش کرتے ہوئے جواب دیا۔ "تمام رات پڑی ہے۔ اور ہم صبح ہونے سے پہلے ہی اسے مکمل کر لیں گے۔ انہیں انتظار کی زحمت گوارا نہ کرنا پڑے گی۔ یہ کام جلد ختم ہو جائے گا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑا اور یادگار پرچم ہو گا اور ہمارے سرفروش نوجوان اسے بر وقت تیار کر لیں گے۔"

دو محب وطن رفیق [illegible] ساتھیوں سے کمانڈر اور کمیسار ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے اور دونوں نے ایک دوسرے کے گال کو بوسہ دیا۔ یہ ان کا مخلصانہ معانقہ تھا اور ان کے اس بوسہ میں جو انہوں نے روسی رواج کے مطابق آج پہلی بار لیا تھا۔ ایک بے غرضانہ محبت کی حلاوت محسوس ہوتی تھی جو موت اور زندگی کی قیود سے مستغنی [illegible]۔ وقت کم تھا اور کام زیادہ اور وہ جانتے [illegible] کہ اس وقت کے بعد انہیں ایک دوسرے [illegible] خدا حافظ کہنے کی مہلت بھی نہ مل سکے گی۔

کمیسار کمانڈر سے رخصت ہونے کے بعد اس بڑے کمرے میں پہنچا جہاں سپاہی کھانا کھا کر بیٹھے تھے۔ اور لینن کے نیم مجسمہ کو اٹھا کر سرخ پوش ایک روسی کپڑے کا نام کا وہ ٹکڑا نکال لیا جس پر مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ پھر اس نے ایک تپائی پر کھڑے ہو کر دیواروں پر آویزاں وہ تمام سرخ جھنڈیاں اتار لیں جن پر متعدد نعرے اور مقولے لکھے ہوئے تھے۔ اور یہ تمام چیزیں سرخ بحریہ کے سپاہیوں کو وہ پرچم تیار کرنے کے لئے دے دیں جسے کل صبح چھ بجے گرجا کے کلس پر لہراتا ہوا نظر آنا چاہئے تھا۔

قلعہ کے محافظ سپاہی رات بھر پرچم کو سینے میں مصروف رہے۔ ایک بہت بڑے کمرے کے فرش سے بھی بڑے پرچم کو، اس پرچم کو ملاحوں کی بڑی بڑی سوئیوں سے سیا جا رہا تھا اور دھاگے کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے سینے والے اپنے گرم بنیانوں کی اون اور دوسرے کپڑوں کی دھجیاں کام میں لا رہے تھے۔ طلوع آفتاب سے کچھ دیر پہلے یہ زبردست پرچم تیار ہو گیا۔

اب یہ لوگ اٹھے۔ آخری مرتبہ ہاتھ منہ دھو کر نئے کپڑے پہنے۔ اپنی رائفلوں کو گریز لگایا، جیبوں کو دستی بموں اور رائفل کی گولیوں سے بھر کر ایک کے بعد دیگرے میدان میں آ کھڑے ہوئے۔

(۳)

سورج نکلنے سے پہلے وان ایور شارپ کے اردلی نے اس کے حجرہ کا دروازہ کھٹکھٹایا [illegible] بیدار ہی تھا بلکہ پوری وردی پہنے اپنے جہاز کے عرشے پر لیٹا ہوا دستک کا انتظار کر رہا تھا لیکن اردلی کو اندر آنے کی اجازت دینے کے پہلے وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اور آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ لینے کے بعد اسے اندر بلایا۔ اردلی افسر خوشی و مسرت سے مغلوب تھا لیکن اس نے انتہائی کوشش کے بعد اپنی مسرت اور استعجاب کے جذبہ پر قابو پا کر سلام کے لئے ہاتھ اٹھایا۔

"کیا گرجا کے پاس پرچم لہرا رہا ہے؟" وان ایور شارپ نے اپنے خنجر کے ہاتھی دانت کے بنے ہوئے قبضہ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کسی قدر خشک لہجے میں دریافت کیا۔

"ہاں جناب! وہ لوگ اطاعت قبول کرنے کے لئے آمادہ ہیں۔" اردلی افسر نے جواب دیا۔

"خوب!" وان ایور شارپ نے اپنا لہجہ بدل کر کہا "تم بہت اچھی خبر لائے ہو۔ شکریہ۔ خیر جاؤ سب لوگوں کو عرشہ جہاز پر جمع ہونے کا حکم دو۔"

ایک ہی منٹ کے بعد وان ایور شارپ بھی جہاز کے عرشہ پر موجود تھا۔ صبح ہو رہی تھی۔ موسم خزاں کی سرد رات کی صبح! جس کی برودت کو ہوا کے تند جھونکے اور بھی بڑھا دیتے ہیں۔ [illegible] دوربین کے ذریعہ سے گرینٹ کا یہ جزیرہ جو بھورے رنگ کے کریہہ المنظر سمندر میں واقع تھا۔ افق پر ایک [illegible] کی طرح نظر آ رہا تھا۔ سمندر کی لہریں وحشیانہ یکسانیت اور تسلسل کے ساتھ ساحل کی نوکیلی چٹانوں سے ٹکرا ٹکرا کر مد و جزر کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ اور اس جگہ سمندر میں گرینٹ ہی کی ایک ناقابل شکست چٹان کی طرح نظر آتا تھا۔ ماہی گیروں کی بستی کے سامنے گرجا کی مختصر اور شکستہ عمارت واقع تھی۔ اور آسمان کے ابر آلود ہونے کے باوجود اس کی سیاہ اور سیدھی صلیب آسانی کیساتھ شناخت کی جا سکتی تھی۔ کلس کے ساتھ وابستہ ایک بہت بڑا پرچم ہوا میں لہرا رہا تھا۔ اور صبح کی دھندلی روشنی میں بالکل سیاہ نظر آتا تھا۔

"بدنصیب" وان ایور شارپ نے آہستہ سے کہا۔ "اتنا بڑا سفید پرچم تیار کرنے کے لئے انہیں اپنی چادریں تک استعمال کرنی پڑی ہوں گی۔ لیکن اس کے علاوہ چارہ کار ہی کیا تھا۔ اطاعت قبول کرنے میں کچھ نقصانات بھی ہوا کرتے ہیں۔"

اپنی تجویز کی کامیابی پر مطمئن ہو کر وان ایور شارپ نے اپنے چھوٹے سے بیڑے کو جزیرہ کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ مختلف قسم کی [illegible] کشتیاں منزل مقصود کی جانب روانہ ہوئیں۔ اور اب زیر ہدف جزیرہ بالکل نظر کے سامنے تھا بلکہ [illegible] جزیرہ کے وہ تھکے ہوئے سپاہی بھی جو گرجا کے قریب میدان میں جمع تھے دوربین کے بغیر صاف نظر آ رہے تھے۔ اسی وقت آفتاب طلوع ہوا۔ ایک سرخ آتشیں گولہ کی طرح۔ سمندر اور آسمان کے درمیان معلق آفتاب کا بالائی حصہ [illegible] ہوا تھا اور

انڈونیشیا جنگ اور امن کے دوراہے پر

جمہوریہ انڈونیشیا اور ولندیزی شہنشاہیت کے درمیان گفتگوئے مصالحت اب تک شروع نہیں ہوئی ہے چند دنوں میں گفت و شنید کا سلسلہ شروع ہونے کی امید ضرور ہے لیکن اس امید پر زیادہ بھروسہ نہیں کیا جاسکتا جمہوریہ انڈونیشیا کے کوچرن (Cochran) تجاویز کی بنیاد پر سمجھوتے کی بات چیت کو پھر سے شروع کرنا قبول کرلیا ہے اس کا مطلب ہے کہ اس ہونے والی بات چیت میں کوچرن تجاویز پر بھی بحث کی جاسکتی ہے۔ اس سے قبل کہ مسٹر کوچرن نے اپنی تجاویز جمہوریہ انڈونیشیا کے پاس بھیجیں۔ ولندیزیوں نے پہلے ہی ان میں ترمیمیں پیش کردی تھیں اور یہ اعلان کررہے تھے کہ گفتگو کی بنیاد بنانے کے لئے ان کے پاس بالکل ہی نئی تجاویز ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ تجاویز کوچرن تجاویز کی ترمیم شدہ شکل ہے۔ مگر انڈونیشی حکومت صرف کوچرن تجاویز کی بنیاد پر گفت و شنید شروع کرسکتی ہے۔ ولندیزیوں کی ترمیم کے بارے میں انڈونیشی حکومت نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ کوچرن تجاویز میں ترمیم کرنے کا دونوں فریق کو حق حاصل ہے اور یہ حق بھی دونوں کو حاصل ہے کہ وہ تجاویز کے کسی حصے کو نامنظور کردیں یا اسے بدل دیں یا قبول کرلیں۔ مگر ان تبدیلیوں اور ترمیموں پر صرف گفتگو کے دوران میں بحث ہوسکتی ہے کیونکہ بات چیت میں کوچرن تجاویز پر بحیثیت مجموعی غور کیا جائے گا مختصر یہ کہ جمہوریہ انڈونیشیا نے ابھی ولندیزی تجاویز کو پورے طور پر نظر انداز کردیا ہے۔

ولندیزی اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی ثالث کو انڈونیشیا اور ولندیزی جھگڑے کا فیصلہ کرانے کا موقع نہ ملے وہ اب بھی انڈونیشیا کے معاملے کو اپنا گھریلو معاملہ بتاتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ کوئی باہر کا آدمی اس معاملے میں دخل دے متحدہ قوموں کی کونسل نے انڈونیشیا میں خیرسگالی کمیشن بھیجکر ولندیزیوں کے اس رویہ پر بڑا سخت حملہ کیا اور اب بےچارے ولندیزی شاطر اس فکر میں لگے ہوئے ہیں کہ کسی طرح خیرسگالی کمیشن کی کوششوں کو ناکام کردیں۔

کوچرن تجاویز جمہوریہ انڈونیشیا کے نقطۂ نظر کے مطابق ڈچ ہوس کی پیش کی تجاویز سے بہت اچھی ہیں ان کو منظور کرلینے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ انڈونیشی حکومت اب تک جو مطالبات پیش کرتی رہی تھی اس نے انہیں خیرباد کہہ دیا ہے۔ جمہوریہ انڈونیشیا کی حکومت نے تو یہ بات صاف صاف کہہ دی ہے کہ اب بھی گفتگوئے مصالحت شروع ہوسکتی ہے تو بعض خاص شرائط کے ساتھ ان شرطوں کا بار بار اعلان کیا گیا ہے انڈونیشی حکومت نے کوچرن تجاویز کو منظور اس وقت کیا ہے جب ولندیزیوں نے اس بات کا یقین دلایا کہ وہ جمہوریہ کی بیان کردہ شرائط کو قبول کرسکتے ہیں یہ شرطیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:-

(۱) اس بات کی ضمانت دی جائے کہ انڈونیشی وفد کے اراکین اور اسٹاف کے وقار اور آزادی کا پاس رکھا جائے گا۔

(۲) جاکارتا کے جمہوری ہیڈکوارٹر کو واپس کردیا جائے گا۔

(۳) جاکارتا میں جمہوریہ انڈونیشیا کے افسروں کی برطرفی کے احکامات کو واپس لے لیا جائے گا۔

جمہوریہ انڈونیشیا کی بڑی سیاسی پارٹیوں کا رویہ اس بارے میں بہت سخت ہے نیشنلسٹ پارٹی نے گفتگوئے مصالحت کو پھر سے شروع کرنے کے لئے مندرجہ ذیل ترطیں پیش کی ہیں:

(۱) ڈچ محاصرہ اٹھالیا جائے۔

(۲) ڈچ مقبوضہ علاقے میں عوام کو جمہوری حقوق دیدئے جائیں۔

(۳) یہ پارٹی جمہوری حکومت کی بیان کردہ شرائط سے بھی پوری طرح متفق ہے

اسی عرصہ میں ڈچ مقبوضہ علاقہ میں عوام کی آزادی کی جدوجہد تیز ہوتی جاتی ہے۔ ڈچ فوجی دستوں پر دندانہ حملے کئے جارہے ہیں اس صورت حال کی وجہ سے اکثر علاقوں میں کاشت ختم ہوگئی ہے اور پیداوار بہت کم رہ گئی ہے ولندیزی افسر اور ولندیزی پروپگنڈا ان بغاوتوں کی ذمہ داری جمہوریہ انڈونیشیا پر رکھتے ہیں بڑی جرأت اور بےباکی سے کام لے رہے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ تمام بغاوتیں ایسے لوگوں نے کرائی ہیں جو جمہوریہ انڈونیشیا سے ڈچ مقبوضہ علاقہ میں خاص اس غرض سے پہونچ گئے ہیں۔ ولندیزی پروپگنڈا نے صداقت اور سچائی سے اس حد تک منہ موڑ لینے پر کمر باندھ لی ہے کہ اس نے یہ بےبنیاد خبر اڑادی ہے کہ منظم اور مسلح فوجی دستے سرحد پار کرکے مغربی جاوا کے ڈچ مقبوضہ علاقے میں گھس آئے ہیں اور یہی دستے اس گڑبڑ کی بہت بڑی وجہ ہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا یہ کیسے ہوا یہ تو ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے کہ فوجی دستے سرحدی فوجی دستوں سے نظر بچاکر ان کے مقبوضہ علاقے کے اندر تک کیسے پہونچ گئے ہیں اگر وہ کسی طرح سرحد پار کرکے اندر پہونچ بھی جاتے تو ولندیزی فوجیں ان کا ضرور پتہ لگالیتیں اور ان پر حملہ کرکے انہیں ختم کردیتیں تعجب تو اس امر پر ہے کہ ڈچ مقبوضہ علاقہ کے صرف فوجی افسر ہی ان معجزوں پر یقین نہیں رکھتے بلکہ ولندیزی وزراء بھی اس مرض میں مبتلا ہیں

مسٹر سابین جو سمندر پار کے علاقوں کے وزیر ہیں انہوں نے ڈچ پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ ڈچ مقبوضہ علاقوں میں یہ تمام گڑبڑ جمہوریہ انڈ[ونیشیا]

کے بیان کے مطابق جمہوریہ انڈونیشیا کی بارہ ہزار سے زیادہ فوجیں سرحد پار کرکے ڈچ مقبوضہ علاقہ میں گھس آئی ہیں۔

ڈچ پروپگنڈے نے جمہوریہ انڈونیشیا پر جو الزامات لگائے ہیں اس میں بہت مختلف قسم کی باتیں کی گئی ہیں کبھی الزام لگایا جاتا ہے کہ سونے اور افیم کی ناجائز درآمد برآمد کی جارہی ہے کبھی کہتے ہیں کہ جمہوریہ انڈونیشیا کی فوج چھپ چھپ کر ڈچ مقبوضہ علاقے میں داخل ہورہی ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ جمہوریہ انڈونیشیا میں کمیونسٹ فتوحات کا سلسلہ جاری ہے ولندیزی فوجی اطلاعات کے محکمہ ایسے مقامات پر جن کا وجود ہی نہیں ہے کمیونسٹ باغیوں کا قبضہ ہوجانے کی خبریں نشر کرتا رہتا ہے ان جھوٹی خبروں کے نشر کرنے سے وہ دنیا کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کمیونسٹ بغاوت کو دبانے کی جمہوریہ انڈونیشیا میں طاقت نہیں ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ ولندیزی فوجیں جمہوریہ کے علاقوں میں جاکر امن و امان قائم کریں۔

ابھی حال میں ایک ڈچ وزیر مسٹر کا انلاد بیٹ پہونچے ہیں انہوں نے جمہوریہ کے وزیر اعظم ڈاکٹر حتنی کو ملاقات کی دعوت دی اور کہا کہ اس موقع پر فیصلہ کن گفتگو کرلینی چاہئے لیکن بعد میں انہوں نے رائے تبدیل کردی اور کہا کہ اس گفتگو کو بنگ با امن کی گفت و شنید نہیں کہہ سکتے اور نہ یہ فیصلہ کن ہوسکتی ہے کیونکہ ہر قسم کے فیصلہ کا اختیار ڈچ حکومت کو حاصل ہے جو ہیگ میں ہے۔ اس گفت و شنید میں کن باتوں پر بحث ہوگی یہ ابھی تک کسی کو معلوم نہیں لیکن خیال ہے کہ مسٹر اسٹکار ڈاکٹر حتنی کو یہ بتائیں گے کہ ولندیزی حکومت گفتگوئے مصالحت شروع کرنے کے لئے تیار ہے۔

مگر اس وقت جب جمہوریہ انڈونیشیا معاہدہ کی پوری طرح پابندی کرے اس سلسلہ میں انہوں نے اس بات کو بالکل نظر انداز کردیا ہے کہ خیرسگالی کمیشن نے معاہدے کی خلاف ورزی کا بڑا ذمہ دار ولندیزی حکومت ہی کو بتایا ہے۔

ایک طرف ولندیزی نے ڈاکٹر حتنی کو ملاقات کی دعوت دی ہے اور دوسری طرف ولندیزی حکومت نے اعلان کیا ہے کہ جمہوریہ انڈونیشیہ نے پھر سے گفتگوئے مصالحت شروع کرنے کے لئے جو جواب دیا ہے وہ اطمینان بخش نہیں ہے۔ ڈاکٹر حتنی نے یہ دعوت اس لئے قبول کرلی ہے کہ بات چیت شروع کرنے کے لئے فضا ہموار ہوجائے لیکن یہ تقریباً ناممکن ہے کہ موجودہ صورت حالات میں اس گفتگو کا کوئی اچھا نتیجہ نکل سکے۔

زائرِ حرم کا خیر مقدم

(از :- حضرت شفیق صدیقی جونپوری)

مبارک دیارِ پاک سے آنیوالے
پیامِ حبیبِ خدا لانیوالے

بقیع مبارک کی روحانیت سے
رہِ تا قدم نور بن جانیوالے

ادھر آکہ دوں تیرے تلووں کو بوسے
سگانِ حرم سے لپٹ جانیوالے

ترے صدقے اے بارگاہ نبی میں
سلامِ گنہگار پہنچانے والے

حرم کی نمازیں وہ تیرے وظیفے
فرشتوں کی ہونٹوں کو شرمانیوالے

تری خود فراموشیاں اللہ اللہ
مدینے کی جلووں میں کھو جانیوالے

مبارک ترا اے گھر کے دیوار و در کو
شمیم پیمبر سے مہکا نیوالے

سلامت رہیں اثرانِ مدینہ
مرے دیدہ و دل کو للچانیوالے

چلے آرہے ہیں خراماں خراماں
خدا جانے کیا پاگئے پانیوالے

سلام اے مدینہ کا نغمہ سناکر
شفیق پریشاں کو تڑپانیوالے

سیر سینما

اسٹرینڈ — خانگی معاملات
میٹرو — دی گڈ ارتھ
ریگل — سنہری لنکا
ایروز — خاندان کا وقار
نیوامپائر — اسپرنگ
اکسلسیر — انجمن آرا
کیپیٹال — دیور
سواستک — مقدر
لیمنگٹن — دینا

کمل۔ براڈوے۔ ریوالی۔ قسمت — کھڑکی
نیو ویسٹ اینڈ — شکایت
منروا — میلہ
ناولٹی۔ سوریہ — درد
امپیریل — پیار کی جیت
راکسی — شہید
الفریڈ — دوسری شادی

رائل آپیرا ہاؤس — آگ
نیو روشن — جنگل بک
رائل ٹاکیز — جنگل گاڈیس

یونیورسل کا سنسنی پھیلانے والا رنگین کارنامہ

ایروز یونیورسل انٹرنیشنل کا TAP ROOTS "خاندان کا وقار" شاندار تاریخی کارنامہ اس ہفتہ دکھایا جا رہا ہے جسے جیمس اسٹریٹ کی مقبول ناول سے اخذ کیا گیا ہے اور جس میں وان ہیفلین سوزان ہیورڈ کے علاوہ حسین نوجوان وہٹ فیلڈ کونار پہلی بار پردہ سیمیں پر جلوہ گر ہو رہا ہے ساتھ ہی بورس کارلاف اپنے خوفزدہ کارناموں کو ترک کر کے اپنی عمدہ اداکاریاں اور کارنامے پیش کرتا ہے جولی لندن اور رچرڈ لانگ کے قابل دید امدادی کام ہیں۔

قصہ مغربی میسی سیپی میں رہنے والے ایک ڈابنے نامی خاندان کا ہے جو سول وار سے قبل اس خطہ کا اپنے تئیں بادشاہ سمجھتا تھا۔ وان ہیفلین کا کردار بڑا زوردار ہے وہ ایک نڈر بہادر اور لالچی صحیفہ نگار اور ریلیشر بنتا ہے سوزن ہیورڈ کے کام لاجواب ہیں اور ان کارناموں سے جو اس نے ہمیشہ اپ میں ادا کئے ہیں اور جن کے لئے وہ اکاڈمی کا انعام حاصل کر چکی ہے بہتر سمجھے جاتے ہیں۔ وان ہیفلین ڈابنے خاندان کا ساتھ محض اس وجہ سے دیتا ہے کہ وہ اس خاندان کی حسین لڑکی سوزان سے محبت کرتا تھا ورنہ اس خاندان سے اسے کوئی لگاؤ نہ تھا بورس کارلاف نے وفادار اور بہادر ریڈ انڈین کا کردار خوب ادا کیا ہے۔ یہ گان دتھ دی ونڈ کی طرز پر تیار کی گئی ہے اگرچہ اس کے ڈرامائی واقعات اور شاندار مناظر کا مقابلہ نہیں ہو سکتا پھر بھی یہ ایک غیر معمولی تصویر ہے جس کی اداکاری واقعی لاجواب ہے اور فنکارانہ نقطۂ نگاہ سے واقعی یگانہ ہے۔ خاص کر جنگی مناظر جو اس خوبصورتی کے ساتھ تیار کئے گئے ہیں کہ صرف انہیں دیکھنے سے ٹکٹ کے دام وصول ہو جاتے ہیں۔ والٹر وینگر کے اس کارنامے کو جارج مارشل نے بڑی کاوش سے ڈائرکٹ کیا ہے اور رومان اور جنگ کے خوفناک مناظر جس محنت سے پیش کئے ہیں وہ واقعی قابل داد ہیں۔

اسٹرینڈ یونیورسل انٹرنیشنل کا تازہ ترین رومان انگیز مزاحیہ شاہکار دکھایا جا رہا ہے ARTHUR TAKES OVER جسے مزاحیہ اداکاروں کی نوجوان ٹیم نے عمدگی کے ساتھ ادا کئے ہیں۔ لوئیس کوریٹر۔ رچرڈ کرین۔ اسکیپ ہومیر۔ این ٹاڈ کے خاص کردار ہیں ان کے علاوہ باربرا براؤن۔ جیروم کوان۔ ولیم بیکویل اور ہاورڈ فریمن کے امدادی کام بھی قابل قدر ہیں۔ اس کی کہانی بالکل نوعمر امریکی طرز کی ہے جو اپنے نجی معاملات اور مسائل کو خود بخود حل کرنا چاہتے ہیں اور نوجوان اپنے آزادی کے مسائل کو کس طرح حل کرتے ہیں وہ قابل دید ہیں۔ درحقیقت مثال کے طور پر تھانو کریلا اور راد پر چڑھا ہیم اسکیپ ہومیر خانگی مشکلات کو اپنے ہاتھ میں لیتا ہے وہ اپنے خانگی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے جس سے اس کے خاندان کے افراد کی جانیں خطرے میں پڑ جاتی ہیں خاص کر اس کی بہن کا مسئلہ جو نہایت ہی نازک ہوتا تھا اس کی والدہ کو یہ خبر نہایت ہی آہستگی کے ساتھ دینی تھی کہ باربرا براؤن نے رچرڈ کرین کو اپنا شوہر قبول کیا ہے اور اس کے ساتھ شادی بھی کی ہے اور ایک وکیل کی درخواست کو مسترد کر دیا ہے۔ یہ ایک خانگی کہانی ہے جس میں لطف اور تفریح کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ مال سینٹ کلیر نے ڈائرکشن کے فرائض انجام دیئے ہیں اور اس نے نوجوانوں کے مسئلے کو چند چھوٹے سینٹوں میں حل کرنے کی کوشش کی ہے جو کامیاب ہے۔

میٹرو میٹرو گولڈون میئر کا مقبول عام شاہکار THE GOOD EARTH عوام کی خاص فرمائش پر دوبارہ پیش کیا جا رہا ہے جس کا قصہ شہرۂ آفاق مصنفہ پرل بک کے یادگار ناول سے اخذ کیا گیا ہے جس میں چینی کسانوں کی زندگی کا ایک خاکہ کھینچا گیا ہے صفا میں اداکاروں نے مرکزی رول اس خوبی سے ادا کئے ہیں کہ نقل کو اصل ثابت کیا ہے وہ خاص اداکار پال منی اور لوئی رینر ہیں۔ مؤخر الذکر کو اپنی شاندار اداکاری کے صلہ میں اکاڈمی کا سب سے بڑا اعزاز ملا۔ مٹی — اور ملک کی زمین جس پر انسان پیدا ہوتا ہے اور جس میں اس کا جسم خاکی دفن کیا جاتا ہے جس کے لئے وہ زندہ رہتا ہے اور جس کے لئے وہ اپنی جان تک دے دیتا ہے جس پر وہ اپنے خاندان کا سنگ بنیاد رکھتا ہے اس کے خاندان کے متعدد افراد اطراف و اکناف عالم میں پھیل جاتے ہیں اور مختلف پیشے اور مشاغل اختیار کرتے ہیں وہ تمام واقعات بڑی خوبی کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں۔

سب سے زیادہ قابل تعریف اس کے فنی اور عکاسی کے کمالات ہیں جسے دیکھ کر انسانی عقل گم ہو جاتی ہے سڈنی فرینکلن کا ڈائرکشن اتنا شاندار ہے کہ دیکھنے والے پر جادو کا سا اثر ہو جاتا ہے جس سے وہ نقل اور اصل میں تمیز تک نہیں کر سکتا۔

ریگل میں وارنر برادرس کا کارنامہ "سنہری لنکا" KEY LARGO اپنی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ سے دوسرے ہفتہ کے لئے روک لیا گیا ہے جس کا قصہ براڈوے کے مشہور ڈرامہ سے اخذ کیا گیا ہے اور جس میں پردہ سیمیں کے چوٹی کے اداکاروں کے خاص کام ہیں ہمفری بوگارٹ۔ ایڈورڈ جی رابنسن۔ لارین بکال اور لائونیل بیریمور کے علاوہ کلیر ٹریور خاص کر میز اور ہنری لوئیس اپنی غیر معمولی قابلیتوں کا شاندار مظاہرہ کرتے ہیں اگرچہ ہر ایک اداکار ہسٹار سے لے کر مددگار تک کا رول بالکل نیا تلا اور قابل ستائش ہے لیکن ایڈورڈ جی رابنسن اپنی شاندار اور سحر انگیز اداکاری کا لاجواب مظاہرہ کر کے اپنے سابق فلم لٹل سیزر کی یاد تازہ کراتا ہے۔

جان ہوسٹن کا عمدہ ڈائرکشن فلم کی خوبی کو دوبالا کرتا ہے جس کے واقعات بے حد دل دہلانے والے اور کشش و پیچ سے پر ہیں۔

نیوامپائر میں پروڈیوسر ڈائرکٹر ہربرٹ ولکاکس کا برطانوی رومانی اور مزاحیہ شاہکار SPRING IN PARK LANE دوسرے ہفتے کے لئے روک لیا گیا ہے۔

اینا نیگل اور مائیکل وائلڈنگ اپنی رومانی اداکاری سے حاضرین کا دل موہ لیتے ہیں قصہ اتنا پر لطف ہے کہ کئی بار دیکھنے پر بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی۔
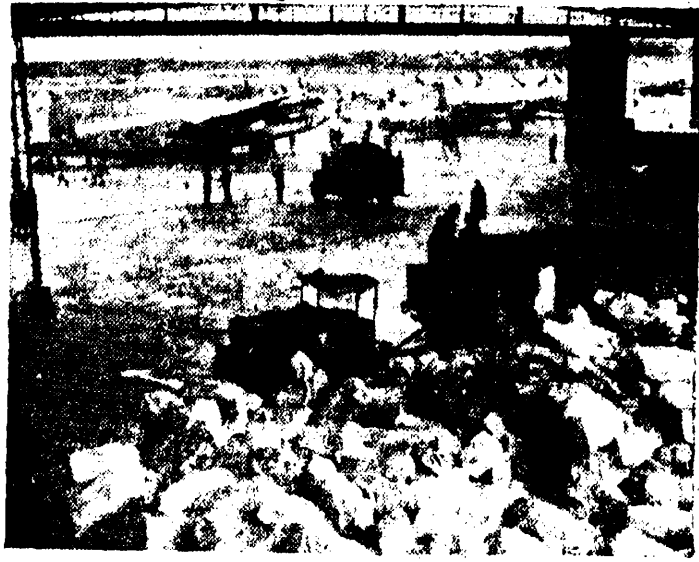
برلن میں ہوائی جہازوں کے ذریعہ خوراک کی آمد

لندن میں فوجی بھرتی
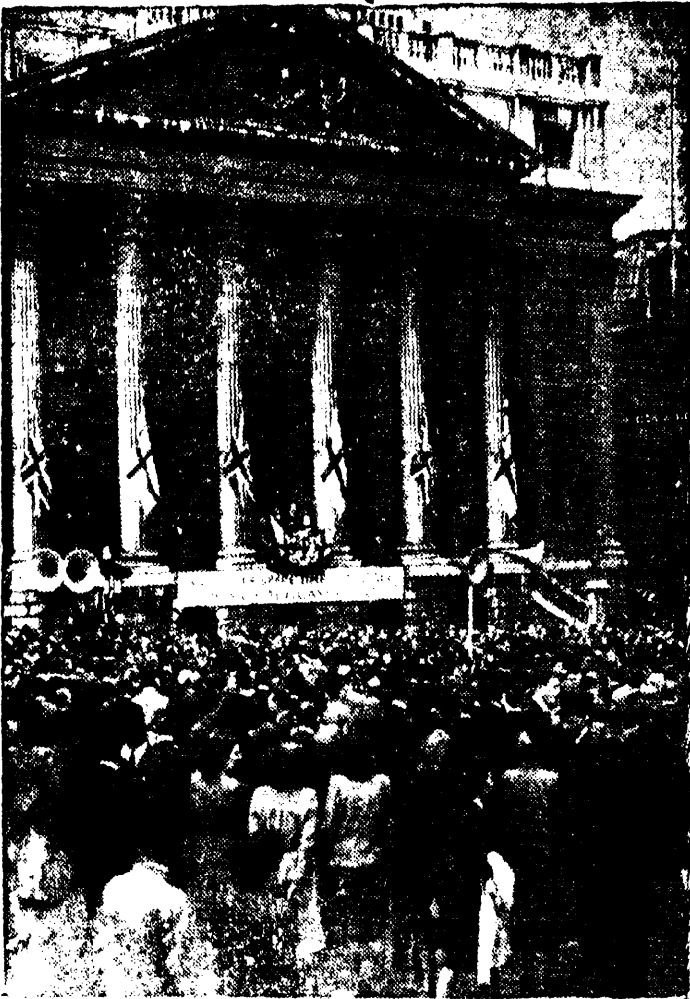
مسٹر الگزنڈر وزیر دفاع نے لندن میں فوجی بھرتی کے مسئلہ پر تقریر کی جس کا اثر تمام انگلستان میں غیر معمولی طور پر کامیاب رہا

برطانیہ کی خواتین کسٹم افسر

قیمت ۲ آنہ

Regd. No. B 2491

ایڈیٹر
عثمان حسین خان

ESTD. 1928

بمبئی

سنڈے ایڈیشن

اجمل

THE AJMAL

SUNDAY EDITION

جلد ۲۱ بمبئی یکشنبہ ۵ دسمبر ۱۹۴۸ عیسوی نمبر ۴۷

VOL. XXI BOMBAY, SUNDAY 5TH DECEMBER, 1948 No. 47

سردار پٹیل بنارس میں

سردار پٹیل حال ہی میں بنارس گئے تھے جہاں انہوں نے
عام جلسہ میں تقریر کی اس کی تصویر (پریس انفرمیشن بیورو)

کشمیر حیدرآباد اور آزاد ہندوستان

(از:- قاضی عبدالغفار)

آزاد ہندوستان میں ریاستوں کا وجود (اگرچہ جمہوریت کے نئے نقشے میں وہ ساتھ اور ہندوستان کی نئی زندگی میں خوش دلی اور رضا مندی کے ساتھ شریک نہ ہوں) نہ صرف غیر ضروری ہے بلکہ ایک ایسا عنصر ہے جو بہت ترقی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہو سکتا ہے۔ انگریزی راج میں یہ ریاستیں آزادی کی جدوجہد کے مقابلے میں انگریزی سامراج کے بہت مضبوط قلعے اور مورچے تھے جن سے یا ریاستی تحریکوں کے خلاف کام لیا گیا۔ اپنی تاریخ اور روایات کے اعتبار سے ہندوستانی ریاستیں کبھی بھی کسی ترقی پسند عنصر کا ساتھ نہ دے سکیں۔ اب آزاد ہندوستان کے نقشے میں ان ریاستوں کا ایک خاص مقام معین کیا گیا ہے اور انھیں جمہوری اصولوں پر منظم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہو سکے گی۔ اس کے متعلق پیشین گوئی بہت مشکل ہے۔ فی الحال تو انھیں غیر ارادی کے ایک نئے نقشے کے خانوں میں اس طرح بٹھایا گیا ہے کہ وہ جمہوریت سے انحراف نہ کر سکیں اور آزاد ہندوستان کے آگے بڑھنے کے قابل ہوں۔ ہم دستوری تجربہ میں اس سے بہتر نتائج حاصل کرنے کی امید کی جا رہی ہے۔ اگر اس طرح ان نوابوں اور راجاؤں اور جاگیرداروں کے شخصی مفادات کو کس حد تک جنتا اور عوام کے مفاد میں منتقل کیا جا سکا تو یہ ایک بڑی کامیابی ہوگی۔

بہرحال ہند کی سرکار نے ان سب کے مستقبل کا ایک خاکہ تو بنا لیا ہے۔ اور انھیں آزاد ہندوستان کے جمہوری اصولوں کا پابند بھی کر لیا ہے۔ ابھی دو ایسی ریاستیں باقی ہیں۔ جنھوں نے موجودہ حالات میں ایک خاص سیاسی اہمیت حاصل کر لی ہے۔ یعنی کشمیر اور حیدرآباد۔ کشمیر کا مسئلہ تو بالکل صاف اور سیدھا ہے۔ اگر پاکستان نے سرحدی پٹھانوں سے حملہ کرا کے اسے پیچیدہ نہ بنایا ہوتا تو کسی بھی بین الاقوامی عدالت کے سامنے یہ کہہ دینا کافی ہوتا کہ مہاراجہ کشمیر نے اپنی مرضی سے اپنی ریاست کو ہندوستان یونین میں شریک کیا۔ ہند سرکار نے یہ اپیل اور نیک نیتی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے۔ کہ باوجودیکہ مہاراجہ نے اپنی شرکت کو غیر مشروط رکھا تھا لیکن خود ہند سرکار نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ شرکت اور عدم شرکت کا آخری فیصلہ صرف مہاراجہ کا فیصلہ نہ ہو بلکہ کشمیری جنتا کا ہو۔ اگر پاکستان کے بھیجے ہوئے لٹیروں نے کشمیر کی سرزمین پر محاذِ جنگ قائم نہ کر دیا ہوتا۔ تو کشمیری عوام کی رائے شماری ہو چکی ہوتی اور یونین میں کشمیر کی شرکت و عدم شرکت کے متعلق کوئی سوال بھی نزاعی باقی نہ رہتا۔ اور نہ مجلس اقوام کو مداخلت کا کوئی بہانہ ہاتھ آتا لیکن بہ حقیقت ہماری زندگی کا ایک غیر خوشگوار لیکن ناگزیر عنصر ہے کہ ہندوستان کی "تقسیم" کے بعد بھی وہ بین الاقوامی الجھنوں سے نجات نہیں پا سکا ہے۔ اور ایک تیسرا فریق موجود ہے جو سامراجی سیاست کے زاویے قائم کئے ہوئے ہماری دیواروں کے پاس موجود ہے اور اس کی سیاست کا جال پاکستان سے مشرق وسطیٰ مصر اور ترکی تک پھیلا ہوا ہے۔ ہندوستان کی سیاسی آزادی کا اعلان تو ہو چکا ہے۔ لیکن وہ بین الاقوامی سیاست کے اس جال سے آزاد نہیں۔ بلکہ اس جال کے پھندے اب پہلے سے زیادہ اس کے لئے سخت بنا دیے گئے ہیں۔ یہ تیسرا فریق اپنے مفاد کے لئے ضروری سمجھتا ہے۔ کہ صرف پاکستان کے دروازے اس کے لئے کھلے ہیں۔ (اور وہ کھلے ہوئے ہیں) بلکہ آزاد ہندوستان بھی اتنا آزاد نہ ہونے پائے کہ بجائے خود کوئی آزاد بین الاقوامی حیثیت اختیار کرلے یہ وہ تمام خارجی مسائل میں اس کے اشاروں کے پابند رہیں۔ کشمیر کی جنگ جو درحقیقت پاکستان اور ہندوستان کی جنگ ہے۔ اس کا بین الاقوامی حیثیت سے ایک مقدمہ بن گیا ہے۔ جو فلسطین اور انڈونیشیا اور اس سے پہلے اسپین کی سیاست میں اس قسم کے "شاخسانے" پیدا کر دئے جا سکتے ہیں اور وہ کیوں پیدا کرائے جاتے ہیں۔ آج جو کشمیر میں ہو رہا ہے وہ بھی اسی پیچ در پیچ سیاست کا ایک جز ہے اور اسی صورت حال کو محض "مقامی" سمجھ لینا غلطی ہوگی اس کو نہ تو مشرق وسطیٰ اور ایشیا کی سرحد روس اور بحر روم کے ساحل تک اس بین الاقوامی سیاست سے ملا ہوا ہے جس کے بطن سے تیسری جنگ عظیم کے پیدا ہونے کا انتظار کیا جا رہا ہے (گو) لوگ کہتے ہیں (اور میں اسے غلط نہیں سمجھتا) کہ جو کچھ کشمیر میں ہو رہا ہے یہ وہی نسخہ ہے جو فلسطین اور انڈونیشیا پر تجربہ کیا گیا۔ تقسیم فلسطین کے فتنہ پرور فیصلہ کے بعد اب کشمیر کی تقسیم کا پہلا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہندوستان کی شمالی سرحد ہمیشہ کے لئے کمزور ہو جائے اور دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ تقسیم امن کی ضمانت ہونے کے بجائے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان نئے فتنوں اور آفتوں کا دروازہ کھول دے اور یہ فتنے دونوں ملکوں کو ہمیشہ برباد کرتے رہیں۔ جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ کشمیر کا سوال درحقیقت ہندوستان کی آزادی کا سوال ہے۔

ایک مشکل ایسی ہے جس کا حل پاکستان کے "عقلاء" بھی پیدا نہیں کر سکے ہیں۔ باوجودیکہ انھوں نے "آزاد کشمیر" کی حکومت کے نام سے ایک گڈا کھڑا کر دیا ہے۔ اور باوجودیکہ پاکستان اپنی پوری فوجی طاقت کشمیر اور ہندوستان کے دشمنوں کی امداد میں صرف کر رہا ہے۔ وہ مشکل یہ ہے کہ کشمیر کی آبادی میں بہت بڑی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ اور اس کے اور غیر مسلم اقلیت کے درمیان اب فرقہ وارانہ منافرت پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ پاکستان کے "عقلاء" کو میسر نہیں آتا اور نہ حسب معمول اصلی مقصد کے حصول کے لئے اور تقسیم کے نظریہ کی تقویت کے لئے ضروری تھا پہلے فرقہ وارانہ فتنہ ناقابل علاج بنا دیا جاتا اور یہ کہا جاتا کہ اب تقسیم کے سوا کوئی چارہ نہیں! بالکل اسی طرح جس طرح ہندوستان کی تقسیم کو ناگزیر ثابت کیا گیا۔ ! مہاراجہ نے ہند یونین میں شریک ہو جانے سے بھی زیادہ دانشمندانہ یہ کام کیا کہ حکومت کے اختیارات عوام کے نمائندے کے حوالے کر دئے اور اسی طرح فرقہ وارانہ کا جو فتنہ جموں کے گرد و نواح میں پیدا کرایا گیا تھا وہ دب گیا۔ اور پھیل نہ سکا۔ آج جبکہ کشمیر کی سرزمین پر ہندو مسلمان اور سکھ ایک دوسرے کے شانہ بشانہ اپنے ملک کی حفاظت کر رہے ہیں۔ تو یہ نتیجہ صرف اسی لئے! ہو سکا ہے کہ حکومت کا اقتدار عوام کے ہاتھ میں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستان اور ہندوستان کے دوستوں کو حملہ آوروں کی شکست سے جس قدر تلخیاں پیدا ہو چکی ہیں اس سے بہت زیادہ پاکستان کا باعث کشمیر کا یہ فرقہ وارانہ اتحاد ہوگا جو تمام ہندوستان کے لئے ایک قابل تقلید مثال بن گیا ہے۔ جس قومی آزادی کے اصول کی بنا پر کشمیر کی اقلیتیں اپنے ملک کی اکثریت کا ساتھ دے رہی ہیں وہی اصول ہندوستان کی مسلم اقلیت اور غیر مسلم اکثریت کے لئے سبق آموز ہے۔ کشمیر کے پہاڑوں پر پاکستان کی بڑی سے بڑی توپوں کے گولے کتنی ہی ضربیں لگائیں لیکن جب تک وہ اس کے فرقہ وارانہ اتحاد کو نہیں توڑ سکتے کشمیر کی ایک انچ زمین پر بھی غیروں کا قبضہ نہیں ہو سکتا۔

بین الاقوامی سیاست کے اس گوشہ سے پلٹ کر دوسری طرف نظر کیجئے تو آزاد ہندوستان کے جسم پر مواد فاسد سے بھرا ہوا ایک پھوڑا حیدرآباد ہے جہاں باہر کے مسلمانوں کو بہکانے کے لئے نام نہاد "اسلامی حکومت" کے تصورات کی تشہیر کی جا رہی ہے حیدرآباد کی سیاست کا اب حال ہے کہ اس کی کنجی اب نظام کے ہاتھ میں نہیں ہے وہ مجلس اتحاد المسلمین کے ایک سیاسی قیدی ہیں اور ان کی حکومت مجلس کے فسطائی آمر کی بنا زمند ہے۔ وہاں اب دیوانگی کا نام سیاست ہے۔ اور وحشت انگیزی کا نام حکومت ہے مجلس کے اس حسن نظر گروہ نے ایک طرف تو حکومت کے تمام اعلیٰ عہدوں پر قبضہ کر لیا ہے۔ رہے "رضاکار" تو ان کی تعداد جو کچھ بھی ہو لیکن ان کی بڑی تعداد ایسے بیروزگار نوجوانوں کی ہے۔ جو کچھ بھی ہو لیکن ان کی تعداد ایسے بیروزگار نوجوانوں کی ہے۔ جو معمولی مزدوروں میں دو روپیہ یومیہ اجرت حاصل کرنے کے لئے شریک ہوتے ہیں۔ رضاکاروں کے پاس جو کچھ ساز و سامان ہے۔ وہ حکومت کا دیا ہوا ہے۔ اور مجلس کے پاس جو کچھ سرمایہ ہے وہ بھی "خزانۂ عامرہ سرکار عالی" سے حاصل ہوتا ہے۔ صلح مصالحت کی گفتگو میں وقت گزارنے کے لئے حیدرآبادی سیاست کا ایک بازو میر لائق علی کی حکومت ہے اور دوسرا بازو قاسم رضوی کا گروہ ہے۔ جو میر لائق علی کا مدعا گفتگو کے ذریعہ سے مہلت حاصل کرنا ہے اور شورش انگیزی کے ذریعہ سے یونین کی حکومت کو ڈرانا ہے۔ کہ اگر اس نے حیدرآباد پر حملہ کیا تو ۸۲ فیصدی ہندو قتل کر دئے جائیں گے ایک ہی مرکز کے یہ دو بازو اپنی اپنی جانب چل رہے ہیں۔ اس تمام جدوجہد کی سطح کے نیچے دیکھئے تو یہ مسئلہ اس جھگڑالو جماعت کے معاشی مسئلہ ہے۔ یہ سب نہ تو کسی اسلامی مفاد کے لئے تھے نہ ہیں۔ اور نہ ملک کے

کسی مفاد کے لئے (انجمن اتحاد المسلمین ۲۰ سال سے) کام کر رہی ہے۔ کوئی مجھے بتا دے کہ آج تک اس نے حیدرآباد کی آبادی (مسلمانوں) کے ... معاشی مفاد کے لئے بھی کیا کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ مجلس کے چند ممبروں نے بلیک مارکیٹ اور پرمٹوں کی فروخت سے دولت کمائی اور سیاسی دباؤ کے ذریعہ سے اپنے آدمیوں کو اعلیٰ عہدے دلوا دئے (عوام کے لئے مجلس نے اگر کچھ کیا تو وہ کسی کو بھی معلوم نہیں۔) بلکہ صرف یہ خیال انہیں دیوانہ بنائے ہوئے ہے کہ اگر عوامی حکومت قایم ہوگئی۔ تو ان کی روٹی بہت ہلکی اور پتلی ہو جائے گی۔ اس معاملہ میں کسی سیاسی یا اخلاقی اور عوامی اصول سے تو کچھ بحث ہی نہیں۔ اس میدان میں جہاں بڑھتے بڑھتے عفریت گئے جا رہے ہیں۔ جو کچھ ہے وہ شخصی اور جماعتی مفادات کا سوال ہے۔ جسے ایک قدیم جاگیرداری تنظیم کے سہارے کھڑا کیا گیا ہے۔ اور جسے باہر کے دوستوں کی تائید حاصل ہے۔!

حیدرآباد کے مسئلہ کا پس منظر

اس کی سو سال کی تاریخ ہے جو ہمیں بتاتی ہے کہ حیدرآباد ہمیشہ ہندوستان کی آزادی کا مخالف رہا ہے۔ اس نے صرف انگریزی "اقتدار اعلیٰ" کے اشارے اور سہارے سے ہندوستان کی تحریک آزادی میں رکاوٹیں نہیں ڈالیں بلکہ اس وقت بھی جب اس "اقتدار اعلیٰ" کا وجود نہ تھا اس نے ہندوستان کی آزادی کے دشمنوں کی ہر موقعہ پر تائید کی۔ اس پس منظر کو سامنے رکھ کر ہی حیدرآباد کی نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ ہندوستان میں بلکہ شاید تمام دنیا میں اب کوئی اتنا قدیم جاگیرداری نظام باقی نہیں جتنا کہ حیدرآباد کا یہ اجتماعی نظام ہے۔ اس وقت بھی جبکہ ہر جگہ جاگیرداری کے یہ قلعے مسمار ہو چکے ہیں۔ حیدرآباد اس کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ ہندوستان کی تاریخ کے اس عہد میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کہیں فوجی طاقت کے زور سے کہیں روپیہ کے زور سے اور کہیں چالاکیوں اور عیاریوں کے ذریعہ سے تمام ہندوستان پر قبضہ کرتی جاتی تھی اور جنوبی ہند میں ایک طرف مرہٹوں سے اور ایک طرف نظام سے سازشیں کرکے اپنا مطلب حاصل کر رہی تھی میسور کی سرزمین پر حیدر علی اور ٹیپو سلطان اس غیر ملکی خطرہ سے ملک کو بچانے کی تدبیریں سوچ رہے تھے۔ اور اسی جدوجہد میں انہوں نے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔ اس وقت کون تھا جس نے میدان جنگ میں ٹیپو سلطان کو کمپنی سے شکست دلوائی؟

اور کون تھا جس کی مدد سے بالآخر ٹیپو کا یہ عہد میدان جنگ میں کام آیا۔ جس کی ساز باز سے جنوبی ہند میں غیر ملکی اقتدار کی جڑ جمی۔ عوام کا حافظہ کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن تاریخ کے صفحوں پر جو کچھ لکھا گیا وہ پتھر کی لکیر ہے۔ اس زمانہ کی تاریخ کا مطالعہ کر لیا جائے تو اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر اس وقت نظام حیدرآباد کے قلب میں آزادی کے جذبہ کی ایک رمق بھی ہوتی اور وہ ٹیپو سلطان کا ساتھ دیتے تو معلوم نہیں ہندوستان کی تاریخ کیا ہوتی اور کیسے انقلاب آجاتا جو غیر ملکی اقتدار کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتا۔

تاریخ کا دوسرا واقعہ اہم ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ہے جب حیدرآباد کا ایک انگریز رزیڈنٹ اپنے راز کے مراسلوں میں صاف لکھ رہا تھا کہ اگر نظام ہاتھ سے گئے تو سب کچھ گیا۔ لیکن نظام اور ان کی نوکر شاہی بالو سے بندھی اور اسی کی مدد سے انقلابی جماعت کو شکست دی جا سکی اور اسی وقت "نظام الملک آصف اول" کے اخلاف نے "یار وفادار" کے خطاب کی سند کو اپنے لئے نجات ابدی کا پروانہ بنا لیا! انہوں نے غلامی قبول کرکے سارے ہندوستان کی زنجیروں کو مضبوط کر دیا۔

زوال پسند حیدرآباد کی یہ تاریخی روایات ہیں جن کی روشنی میں موجودہ حالات کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ برطانوی اقتدار اعلیٰ حیدرآباد کے لئے ماں کی گود سے کم نہ تھا اور اس کا ہندوستان میں ختم ہونا بجا طور پر حیدرآباد کے قدیم جاگیرداری نظام کی موت سمجھا گیا۔ اب حیدرآباد اور ہندوستان کے درمیان جو کشمکش جاری ہے۔ وہ اس قدر سیاسی اور فوجی نہیں جس قدر کہ ذہنی اور اصولی ہے۔ دو مختلف نصب العین ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں۔ اور گویا یہ ایک دوسرا پاکستان ہے۔ جو ہندوستان کی جمہوریت اور متحدہ قومیت کے لئے ایک کھلا ہوا چیلنج ہے۔ قدیم جاگیرداری نظام اپنے آخری سانسوں میں زندہ رہنے کی کوشش کر رہا ہے اور افسوس اس کا ہے کہ حیدرآباد کے صاحبان اقتدار میں کوئی ایک آدمی ایسا نہیں جو یہ سمجھ سکے کہ دنیا بدل گئی ہے۔ اور دھارے کے خلاف ان کی کشتی نہیں چل سکتی۔ پاکستان تو اس لئے بن گیا کہ ایک تیسرا فریق چاہتا ہی یہ تھا کہ پاکستان بنے۔ اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اس نے فرقہ داری فتنہ کو پوری طرح جگا دیا تھا۔ اس کا وجود اب برطانوی سامراج کی بین الاقوامی حکمت عملی کا ایک جزو ہے۔ لیکن کیا اس طرح آزاد

(باقی صفحہ ۸۸ پر)

افکار پریشان

(از: قمر احمد)

پیری کا تقاضا ہے کہ اب مر جائیں — اس عالم فانی سے سفر کر جائیں
دھڑکا یہ ہے کہ ہو گئی پسماندوں کو فکر — میت کے لئے کفن کہاں سے لائیں

(۲)

تن جس نے دیا وہ پیرہن بھی دیگا — دانا ہے وہی رزق دہن بھی دیگا
جیتے جی دیا ہے جس نے دانا پانی — وہ مالک دو جہاں کفن بھی دیگا

(۳)

عمر گذری لذت کام و دہن کے پھیر میں — نوجوانی کٹ گئی شعر و سخن کے پھیر میں
اب بڑھاپے میں معاذ اللہ اپنا ہے یہ حال — بس پڑے رہتے ہیں ہم گور و کفن کے پھیر میں

(۴)

جس وقت کہ زندگی کی شام آئیگی — چلنے کا اجل کیلئے پیام آئیگی
یاں اور تو کچھ زاد سفر پاس نہیں — مداحی اہل بیت کام آوے گی

(۵)

ہے مدت عمر چند روزہ ہمدم — نزدیک ہے وہ دن کہ نہ تم ہوگے نہ ہم
لبریز ہی چھلکے نہ کہیں جام حیات — ساقی اک گھونٹ مے کوثر کی قسم

(۶)

ہے ختم نشاط زندگانی ساقی — دنیا کو نہ چاہئے کہانی ساقی
ہوتا ہے وقف طاق نسیاں یہ مذاق
اک جام شراب ارغوانی ساقی

وکٹوریا والا

(از منہاج محمد خان)

معلوم نہیں آپ نے بمبئی شہر دیکھا ہے یا نہیں۔ اگر آپ نے بمبئی دیکھا ہے تو اس کی سیاہ چوڑی اور صاف ستھری سڑکیں بھی دیکھی ہوں گی جس کی پشت پر ٹرام وے کی دو متوازی پٹریاں پیوستہ پانی کی طرح سو رہی ہیں اور جن پر بجلی کے کھمبے ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے صلیب کی میخیں ہوں۔ جنھیں سڑکوں کے سینے میں ٹھونک دیا گیا ہو۔ اور پھر جہاں آپ نے ان پر موٹروں، بسوں اور ٹراموں کو چلتے دیکھا ہو گا وہاں کچھ کالے "بدٹ" کی گاڑیاں دیکھی ہوں گی۔ جن کے آگے بہت چھوٹے جیسے چیتا پھرتا مصنوعی گھوڑا۔ بالعموم مصر کی اونٹ گاڑیاں لیکن ان کے آگے اونٹ نہیں بلکہ ایک ابھار سا گھوڑا جوتا جاتا ہے بمبئی میں اس کو وکٹوریہ کہتے ہیں۔ وکٹوریا ایک انگریزی ملکہ کا بھی نام تھا لیکن ہمیں یہاں صرف گاڑی سے مطلب ہے اور خاص طور پر اس کے چلانے والے سے جس کی وردی خاکی ہوتی ہے۔ جو پنجر ہند نے کی ترکی ٹوپی لگاتا ہے جس کا رنگ سیاہی مائل سرخ ہوتا ہے بمبئی کے سارے وکٹوریا والے یہی وردی پہنتے ہیں۔ پہلے پہل جب میں نے ان کو دیکھا تو سمجھا کہ بمبئی کے سارے وکٹوریا والے مسلمان ہیں حالانکہ یہ خلاف واقعہ تھا۔ آج میں اسی وکٹوریہ والے کی کہانی سنانا چاہتا ہوں۔

۱۹۴۴ء کے پہلے ہفتہ کا واقعہ ہے۔ صحیح تاریخ مجھے یاد نہیں۔ جنگ کا پانسہ پلٹ چکا تھا اور فاشسٹ قوتیں پسپا ہو رہی تھیں۔ بنگال کے ہولناک قحط کو بھی ایک سال ہو چکا تھا۔ لوگ جنگ اور کشت و خون، چیزوں کی گرانی اور اشیائے خوردنی کے راشن سے تنگ آ چکے تھے۔ اور جلد ہی کسی ایسی صبح کے منتظر تھے۔ جب سورج کی پہلی کرن کے ساتھ امن کا اعلان ہو۔ اور لوگ محسوس کر سکیں کہ آج ایک نئی زندگی شروع ہوئی ہے۔ جب غلامی، مفلسی اور جنگ و جدال عہد پارینہ کی بات ہو جائیں۔ میں اس زمانہ میں کوسٹ گارڈ کے جنگی محکمہ کے دفتر میں کام کرتا تھا۔ ایک کوڈنگ کلرک کی حیثیت سے۔ دفتر بالکل ساحل کے قریب تھا۔ ساحل اور دفتر کے درمیان بندرگاہ کی دیوار حد فاصل کا کام کرتی تھی۔ عمارت کی دوسری منزل سے سمندر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا۔ سمندر کی نیلی چھاتی پر جا بجا کشتیاں اور موٹر بوٹ ادھر سے ادھر تیرتے رہتے تھے۔ کچھ دور پرے بڑے بڑے جنگی جہاز ٹھہرے ہوئے تھے۔ اس دن مجھے ہلکا ہلکا بخار چڑھا ہوا تھا۔ میں اپنی میز پر بیٹھا سمندر کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد میرا ٹمپریچر بڑھ گیا۔ میں نے سپروائزر سے چھٹی مانگی اپنی وردی کا سا ہیٹ اٹھایا اور دفتر سے نیچے اتر کر سڑک پر آ گیا۔ سامنے ہی ایک وکٹوریہ کھڑی تھی۔ اور وکٹوریا والا اپنی نشست پر بیٹھا اونگھ رہا تھا۔ میری آواز پر وہ چونک پڑا اور ٹخ ٹخ کرتا گھوڑا ہانکتا ہوا میرے پاس آیا۔ جب میں نے اس کی شکل دیکھی تو میری طبیعت مالش کرنے لگی۔

وہ شکل! مجھے اب تک یاد ہے بلکہ میرے ذہن میں نقش ہے۔ جیسے ایلورا کے غاروں کی کوئی غیر فانی شکل جو تنفر انگیز ہو۔ سیاہ جیسے پہاڑی کوا۔ موٹے موٹے ہونٹ جو لٹکے رہتے۔ خوفناک لیکن متوالی آنکھیں چھوٹے چھوٹے۔ گھنگریالے بال جو اس کی لال رنگ کی گندی ٹوپی کے نیچے سے جھانک رہے تھے۔ ٹوپی کے نچلے کناروں پر جیسے کسی نے گندہ خون تھوپ دیا ہو۔ خاکی کوٹ پر جا بجا آڑے ترچھے پیوند لگے ہوئے تھے۔ بغلیں کوٹ کی پھٹی ہوئی تھیں جن میں سے ایک دھاری دار قمیص نظر آ رہی تھی۔ کوٹ کی ایک جیب بھری ہوئی سی تھی۔ خاکی پاجامہ نسبتاً اچھی حالت میں تھا۔ لیکن صفائی اسے بھی نہیں چھو گئی تھی۔ وہ مجھے دیکھتے ہی ہنسا جس سے مجھے سخت کوفت ہوئی۔ "جاہل، ناشائستہ" میں نے انگریزی میں کہا اور اس نے کہا "آئیے۔ بابوجی! بیٹھئے، کہاں جانے کا ہے —؟" میں نے کہا سانکلی اسٹریٹ۔ بائیکلہ جاؤں گا اور صرف ایک روپیہ دوں گا۔"

ایک روپیہ بائیکلہ کے لئے بہت کم تھا وہ دو روپیہ سے کسی طرح بھی کم نہ لیتا تھا۔ پھر اس زمانہ میں امریکنوں نے بھی اپنی فیاضی سے وکٹوریہ کا کرایہ بہت بڑھا دیا تھا۔ لیکن جانے اس وقت وکٹوریہ والے کے دل میں کیا آیا کہ وہ ایک روپیہ لینے پر راضی ہو گیا "بابوجی جو جی میں آئے دو دے دینا" اور پھر — "کیا بابوجی کچھ بیمار ہو؟" میں نے کہا ہاں بخار آ گیا ہے — یہ کہہ کر میں وکٹوریہ میں بیٹھ گیا۔ اور اس نے گھوڑے کو ہانک دیا۔ ابھی ہم پہلے موڑ تک بھی نہ جانے پائے تھے کہ وکٹوریہ والے نے بیٹھے بیٹھے اور میری طرف دیکھے بغیر کہا۔ "بابوجی یہ افریقہ میں کالے اور گورے کی کیا گڑبڑ ہے؟" یہ سوال ایک وکٹوریہ والے کی طرف سے بہت ہی غیر متوقع تھا۔ میں نے سادگی سے کہا۔ "معلوم نہیں۔ لیکن تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ وہاں کالے اور گورے کی گڑبڑ ہے؟"

کہنے لگا "جی ہمارا باپ بولتا تھا کہ ادھر گورے لوگ کالوں کے ساتھ بڑا ظلم کرتے۔ آج اخبار والا بھی یہی چیخ رہا تھا...... جی بات یہ ہے کہ میرا دادا افریقہ کا تھا۔ حبشی۔ اور ایک صاحب کے یہاں بیراگیری کرتا تھا۔ جب صاحب بمبئی آیا۔ اور اسے جی زمانہ ہو گیا — تو ہمارا دادا بھی اس کے ساتھ چلا آیا اور میرا باپ بھی جو اس وقت لونڈا ہی تھا۔ جی ہمارا باپ بولتا تھا کہ جب صاحب کے یہاں ہمارا دادا کام کرتا تھا۔ تو جی بڑے مزے آتے تھے۔ عیش تھا۔ ویسے تنخواہ تو معمولی تھی مگر اوپر سے خوب مل جاتا تھا...... اے سیٹھ والا بابو! دیکھ کے چلو نا ذرا!!...... روڈ کی ٹھیکیدار بیٹھے کیا؟ فٹ پاتھ چھوڑ کر روڈ چلتا...... ہاں تو بابو —" وہ دوبارہ مجھ سے مخاطب ہوا۔ پھر جیسے اسے چھینک آتے آتے رک گئی۔ اس نے نسوار کی ڈبیہ نکالی دو چٹکیاں ناک میں ڈالیں اور پھر چھینکیں رکھیں۔ پھر اس نے بیڑی کا بنڈل نکالا اور پیچھے ہاتھ کر کے اور میری طرف دیکھے بغیر بنڈل پیش کیا۔ میں نے معذرت ظاہر کی — "سگریٹ پیتے ہو گے؟" اس نے اپنی بیڑی جلاتے ہوئے کہا۔ میں نے کہا "میں کبھی کبھی پی لیتا ہوں۔"

"کبھی کبھی؟ کبھی کبھی تو میں بھی پی لیتا ہوں۔ ہی ہی ہی۔ میرا مطلب ہے بابو۔ سگریٹ نہیں دارو...... ہائے کیا چیز ہے جانم...... پر بابو مقدر والوں کو ملتی ہے۔ دارو میں کیا ہے۔ ہر چیز سب اپنا دانہ پانی لیکر آتے ہیں۔ اب میری جورو اور لڑکا بھی کو دیکھو۔ جب تک ان کا دانہ پانی میرے پاس تھا۔ میرے پاس رہیں۔ جب اٹھ گئی چلی گئیں۔ حرامزادیاں۔ میں نے دو سال ہوئے انھیں گھر سے نکال دیا۔ ......"

"گھر سے نکال دیا......؟ مگر کیوں؟" میں نے پوچھا۔

"اس زمانہ میں میں مل میں کام کرتا تھا۔ رات پالی...... میں ادھر رات کو کام پر جاتا۔ اور وہ ادھر اپنی کمائی کرتی تھیں۔ کمائی سمجھتے ہو نا بابوجی! — میں شروع ہی سے تاڑ گیا تھا...... دونوں کہتی تھیں۔ کپڑے بنا کر دو۔ تیل لا کر دو۔ پاؤڈر لا کر دو۔ ہم بنی ٹھنی رہتی تھیں۔ سالیاں...... جھنجھنیں — کپڑے بنا کر دو...... کپڑے کہاں سے بنا کر دوں۔ میں بولا میرے کپڑے دیکھو۔ سال بھر سے دو جوڑے استعمال کر رہا ہوں تم پاؤڈر منگاتی ہو میں دو دو ہفتہ داڑھی نہیں کھرچواتا۔ پھر لونڈیا پانچ مہینہ کے لئے بستر پر پڑ گئی تو کہتی تھی مجھ سے چلا نہیں جاتا۔ رات بھر کھو کھو کرتی تھی۔ اب میں تنہا ہوں بابوجی۔ یہ مقدر نہیں تو کیا...... اور اب اگر میں کبھی کبھی دارو پیتا ہوں تو کون سا گناہ کرتا ہوں...... اور دارو کون نہیں پیتا۔ وہاں میں سب ہی پیتے ہیں۔ — مقدر کی بات — آپ جیسے بابو لوگ اونچے اونچے فلیٹوں میں رہتے ہیں۔ اور بڑھیا شراب پیتے ہیں......"

میں نے جلدی سے کہا "میں اونچے فلیٹ میں نہیں رہتا...... مجھے صرف ۵۵ روپیہ تنخواہ ملتی ہے۔ اور بڑھیا شراب کے کیا معنی مشکل سے گذر بسر ہوتی ہے۔"

"ارے بابو کیوں ہنستے ہو ہیٹ پہننے والوں کو ۵۵ روپیہ تنخواہ نہیں ملتی...... ہم سے پوچھو۔ دن بھر وکٹوریا چلاتا ہے۔ رات کو گھوڑے کی لید سونگھتا ہے۔ اور گھر آ دارو پیتا ہے اور مالک کی گالیاں سنتا ہے اور......"

پاس سے گھڑ گھڑ کرتی ہوئی ایک ٹرام گزر رہی اور اس کی آواز میں وکٹوریہ والے کا بقیہ جملہ دب کر رہ گیا۔ اب ہم کراؤفرڈ مارکیٹ سے آگے نکل چکے تھے۔ یہاں پر دوسری سمت کو جانے والی ایک وکٹوریا

ہم محروم نہ کئے جاتے۔

"ایسے خیالات سے باز آؤ۔ بھلا دل جانتا ہے کہ ہم لوگوں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ ماتا کو کبھی ناخوش نہیں کیا ہے۔"

"پھر اس محرومی و ناکامی کا سبب کیا ہو سکتا ہے؟"

"معاشی حالات سے مجبور ہونا ہے" سوشیلا نے جواب دیا۔ "بہت سے بڑے بڑے گھرانوں میں ایسا واقعہ پیش آتا ہے۔ ہم قدرت کے ہاتھوں کا کھلونا ہیں۔ ہمیں صبر کرنا ہوگا۔"

"ممکن ہے تم ٹھیک کہہ رہی ہو" — "مگر ہم اس دکھ کو کیوں کر برداشت کریں کہ اس سال ہمارا پوجا منڈپ خالی اور ویران پڑا رہے گا۔ وہاں درگا ماتا کی مورتی کا نور ہمارے دلوں کو روشن نہیں کرے گا۔ ہر صبح اور ہر شام کو ہمارے گھر کے سوا ہر گھر میں شہنائی بجے گی۔ بچے خوشیاں منائیں گے لیکن ہمارے بچے غمزدہ رہیں گے۔ ان کا دل مرجھایا ہوا ہوگا۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ نہ ہوگی۔ گھر بھر میں منحوس سناٹا چھایا ہوا ہوگا۔"

"یہ سب کچھ سہی" سوشیلا نے جواب دیا۔ "مگر جب انسان مجبور و بے بس ہو تو ان باتوں کو سوچتے رہنا بیکار ہے۔ خیالات کو بدلنا چاہئے۔"

شوہر کو سمجھانے بجھانے کے باوجود سوشیلا خود بھی غمگین تھی۔ جب کوئی دلیل اس کے پاس باقی نہ رہی تو وہ خاموش ہو گئی۔ نرمل کمار بھی چپ ہو گیا۔ رات آگے بڑھ چکی تھی۔ گھنٹے نے دو بجائے۔ رفتہ رفتہ اسی ادھیڑ بن میں دونوں کو نیند آ گئی۔

سوشیلا اندھیرے منہ اٹھ بیٹھی۔ صبح قریب تھی۔ آسمان پر صرف ایک بڑا ستارہ جھلملا رہا تھا۔ وہ سوچنے لگی۔ ہر سال انہیں دنوں میں کس قدر مصروف رہتی تھی پوجا کے انتظامات میں۔ اور آج اسے کوئی کام نہیں ہے۔ اس کے سوا کہ دروازے پر کھڑی ہو کر پڑوسیوں کی تیاریاں اور پوجا کی ہما ہمی دیکھے۔

وہ خیالات کے دریا میں غرق ہو گئی۔ تصور کی رنگین دنیا اسے تھپکیاں دینے لگی۔ وہ جیسے کوئی سہانا خواب دیکھ رہی تھی۔ اس کے دماغ میں خیالی تصویریں چکر لگانے لگیں۔ سال بہ سال درگا پوجا کے موقع پر جو کچھ ہوتا تھا۔ اس کا نقشہ آنکھوں میں پھرنے لگا۔ بچے خوشی سے اچھل کود رہے ہیں۔ اچھے اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ کچھ لڑکے لڑکیاں ایک حلقہ میں جمع ہیں۔ گراموفون پر پوجا کے گیت ہو رہے ہیں۔ گھر میں نئے نئے لذیذ پکوان پک رہے ہیں۔ درگا دیوی کی مورتی منڈپ میں مسکرا رہی ہے۔ اور مادرانہ شفقت و محبت کا اظہار کر رہی ہے۔

یہ خواب بہت جلد ٹوٹ گیا۔ جیسے تاش کا مکان گر جاتا ہے۔ پھر حقیقت پھر اس کے سامنے بھیانک شکل میں تھی اور افسردگی اور سناٹے کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس سال پوجا نہیں ہوگی۔ اور تہوار نہیں منایا جائے گا۔

سوشیلا کو اپنے شوہر کی مصیبتوں کا غم بھی کھائے جا رہا تھا۔ اسے خوف تھا کہ نرمل بیمار پڑ جائے گا۔ اس سے یہ دکھ برداشت نہیں ہوگا۔ یکایک اسے ایک خیال آیا جیسے بجلی کوند کر اندھیرے کو ختم کر دیتی ہے۔ یا تاریک ابر سے سورج کی کرنیں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ اس کے چہرے پر مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس نے ایک حل نکال لیا۔ "کیا جاگ رہے ہو؟" سوشیلا نے نرمل سے پوچھا۔

نرمل نے کروٹ لے کر جواب دیا۔ "کیا بات ہے؟"

سوشیلا نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "ایک چیز میرے خیال میں آئی ہے۔ اگر ہم ایسا کریں تو کیا برا ہے؟"

"مگر کچھ بھی تو، وہ کیا چیز ہے؟" نرمل نے زیادہ متوجہ ہو کر پوچھا۔

"لیکن پہلے وعدہ کرو کہ میری بات مان لوگے۔" سوشیلا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"جب بات ہی نہ معلوم ہو تو وعدہ کیا کروں۔" نرمل نے جواب دیا۔

"خیر" سوشیلا نے کہا۔ "مگر مجھے امید ہے کہ میری بات غور سے سنو گے۔"

"ہاں، ہاں سنوں گا کیوں نہیں" نرمل نے کہا "جو کچھ کہنا چاہتی ہو کہو۔"

"پران پتی" سوشیلا نے پرشوق لہجہ میں کہا۔ "تم جانتے ہو کہ میرے پاس چند زیور ہیں جو۔ پوجا کا سالانہ تہوار منانا ضروری ہے۔ اور اس کے لئے خرچ بھی لازمی ہے۔ اس لئے ایسا کیوں نہ کرو کہ ان میں سے ایک دو زیور فروخت کر دو۔ اور روپیہ کو درگا ماتا کی خدمت کے لئے استعمال کرو"

"مگر یہ کیسے مناسب ہے!" نرمل نے غمگین لہجہ میں کہا۔

"کیوں؟ — اس میں کیا برا ہے" سوشیلا نے پوچھا۔ "زیورات بھی تو ماتا ہی کے دیئے ہوئے ہیں یہ تو اور بھی اچھا ہے کہ ان ہی کی پوجا میں کچھ زیور کام میں لائے جائیں۔ درگا ماتا کے لئے ان معمولی چیزوں کی کیا ہستی ہے۔ وہ خوش ہوں گی تو ایسے ایسے ہزار زیور پھر دیں گی۔"

نرمل کمار غور سے اپنی بیوی کی باتوں کو سنتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کے دل کو تسکین دینے کے لئے وہ کیا کہے۔ جب سوشیلا نے زیوروں کے متعلق بار بار اصرار کیا۔ تو نرمل نے کہا کہ اگر اس کام کو اسی صورت سے انجام دینا تھا تو اس کی دوسری صورتیں بھی تھیں مگر اس کے خیال میں یہ صحیح راستہ نہ تھا۔

"میرے خیال میں تو یہی ٹھیک ہے کہ تم میری بات مان لو۔" سوشیلا نے کہا "اس میں کوئی ہرج نہیں۔"

"مگر یہ مشکل ہے" نرمل نے کہا۔ "مجھ سے یہ کام نہیں ہوگا۔ اور مجھے یقین ہے کہ درگا ماتا مجھے معاف کر دیں گی"

سوشیلا مایوس ہو گئی۔ اس نے سمجھا تھا کہ اس نے مشکل کو حل کر لیا ہے۔ اور ایک آسان راستہ نکال لیا ہے۔ لیکن جب نرمل نے یہ بات نہ مانی تو اس کے دل میں مسرت کی جو لہر دوڑ رہی تھی۔ وہ بھی غائب ہو گئی۔ اور پھر افسردگی و تاریکی اس کے دماغ پر چھا گئی۔ اب صبح کی روشنی اچھی طرح پھیل گئی تھی۔ اور گلی سے لوگوں کے چلنے کی آوازیں آنے لگی تھیں۔

سوشیلا نے پھر اپنی دانائی و دوراندیشی کو کام میں لا کر اپنے شوہر سے استدعا شروع کی۔ اس کا دل بھی یہی کہہ رہا تھا کہ قدیم خاندانی روایات کے مطابق درگا پوجا ضرور ہونی چاہئے۔ اس نے پھر نرمل کو مخاطب کر کے کہا۔ "کسی طرح ہمیں درگا پوجا کا تہوار منانا ہی پڑے گا۔ یہ خیال نہ کرنا کہ کسی مجبوری کے سبب میں اپنے زیور پیش کر رہی ہوں۔ میں سچ کہتی ہوں کہ اگر تم میری بات مان لوگے اور میرے زیور ماتا کی سیوا میں کام آئیں گے۔ تو مجھے اس کی بیحد خوشی ہوگی۔ اس کے علاوہ یہ بھی تو نہیں ہے کہ سب کے سب زیور ختم ہو جائیں گے۔ ہمارا کام تو صرف ایک دو ہی میں پورا ہو جائے گا۔ ایسے پوتر موقع کو ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہئے۔ ہمارے لئے . . . . ."

ابھی سوشیلا کے منہ کی بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ کسی نے باہر کا دروازہ زور زور سے کھٹکھٹایا۔ نرمل اور سوشیلا کو حیرت ہوئی کہ اتنے سویرے سویرے کون آ گیا۔

نرمل نے اندر سے آواز دی "کون ہے؟"

"میں ہوں سدھیر" باہر سے آواز آئی۔

"سدھیر" سوشیلا حیرت سے بولی۔ نرمل پلنگ سے اچھل پڑا۔ یہ غیر متوقع بات تھی کہ اس کا چھوٹا بھائی یکایک آ پہنچا۔ نوجوان سدھیر کہیں دور دراز مقام پر نوکری کرتا تھا۔ ابھی اس کی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ بہت دنوں سے وہ گھر نہیں آیا تھا۔

نرمل نے دوڑ کر دروازہ کھولا۔ بھائی کو گلے لگا کر کہا: "خوب آئے"! سدھیر نے گھر میں داخل ہوتے ہی پوچھا "بھابی کہاں ہیں؟"

نرمل نے کمرے کی طرف اشارہ کیا اور کہا "تم نے تو صاف لکھ دیا تھا کہ درگا پوجا کی چھٹیوں میں گھر نہ آسکوں گا۔ منیجر نے اجازت نہیں دی ہے"

"ہاں" سدھیر نے جواب دیا "خط لکھنے کے بعد دل نہیں مانا پھر منیجر کی اچھی طرح خوشامد کی۔ وہ راضی ہو گیا۔ اور میں چند روز کے لئے چلا آیا"

"بڑی خوشی کی بات ہے" نرمل نے کہا۔ اتنے میں سوشیلا کمرے سے نکل آئی۔ سدھیر نے پرنام کیا اور رسم کے مطابق چرنوں میں جھک کر آشیرواد لی پھر پوچھا "بھابی جان کیا حال چال ہے۔ کیسے مزاج ہیں۔ سکوت کیوں چھایا ہوا ہے؟"

سوشیلا نے ایک پر معنی ہنسی کے ساتھ جواب دیا "سویرے سویرے سناٹا نہ ہوتا۔ تو اور کیا ہوتا! ابھی تو بچے بھی سوئے ہوئے ہیں۔ ہاں اگر پہلے سے معلوم ہوتا کہ سدھیر اس وقت آ رہا ہے۔ تو تمہارے انتظار میں ڈھول پیٹتی رہتی۔"

اس مذاق پر سب نے ایک پر زور قہقہہ لگایا۔ سدھیر نے کہا "دیکھا بھائی پھر بھابی ہی ہیں کیا چٹ پٹا جواب دیا ہے۔"

"یہ تو تم جانو اور تمہاری بھابی جانیں۔" نرمل نے کہا۔

"اچھا اب اپنی خیریت اور حال چال کہو۔" سوشیلا نے سدھیر سے پوچھا۔ "تمہارا یکایک آ جانا ایک اچنبھے کی بات ہے۔ ایسی خوشی بہت دلچسپ اور خوشگوار ہوتی ہے۔"

"میں تو اچھا ہوں بھابی جان" سدھیر نے کہا۔ "مگر سچ کہئے آپ کا اور بھائی صاحب کا چہرہ کیوں اترا ہوا ہے؟"

"نہیں تو۔ ہم بہت اچھے ہیں۔" سوشیلا نے اپنے دل کے جذبات کو چھپاتے ہوئے ایک نقلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"اور میں دیکھتا ہوں کہ گھر میں رنگ و روغن بھی نہیں ہے۔ پوجا منڈپ بھی نہیں بن رہا ہے۔ چہل پہل بھی نہیں ہے۔ آخر بات کیا ہے؟ اب تو صرف پانچ روز ہی باقی ہیں۔"

"آج کل ہمارے بھاگ اچھے نہیں ہیں" سوشیلا نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اس سال ہمارے گھر میں درگا پوجا نہیں ہوگی۔" قریب تھا کہ سوشیلا کی آنکھوں میں آنسو کے قطرے نمودار ہو جائیں۔

"میں نے پوری کوشش کی" نرمل کمار نے کہا۔ "لیکن آخر یہی فیصلہ کرنا پڑا کہ چیزوں کی بے انتہا گرانی کے باعث ہمارے لئے اس سال درگا پوجا کا تہوار منانا ناممکن ہے۔"

"مجھے خود بھی کچھ شبہ ہوا تھا" سدھیر نے کہا "مگر یہ کیسے ممکن ہے کہ باپ دادا کے زمانے کی یہ پرانی اور پوتر رسم ترک کر دی جائے۔"

"اس خیال سے میرا دل بھی غمگین ہے مگر کیا کروں" نرمل نے جواب دیا۔ اور سوشیلا کے چہرے پر دل کے گہرے غم کی ایک گھٹا سی چھا گئی۔

"آپ لوگ اس کا کوئی غم نہ کریں" سدھیر نے فوراً اپنے بھائی اور بھاوج کو مخاطب کر کے کہا "ہماری خاندانی رسم ضرور ادا ہوگی۔ ہمارے بزرگوں کی آتمائیں خوش ہوں گی۔ بھابی جان آپ درگا پوجا کا انتظام کیجئے۔ باقی سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔"

برلن

جرمنی کے دارالحکومت برلن میں سویٹ روس اور مغربی حکومتوں کے مابین گذشتہ کئی ماہ سے جو کشمکش جاری ہے اداره اقوام متحدہ کے ارباب حل وعقد بھی اسے ختم کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکے اور اگرچہ اس بات کی کوئی بعید ترین توقع بھی نہیں کہ براہ راست برلن کے سوال پر فریقین میدان جنگ میں نکل آئیں گے لیکن اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ یہ سوال سویٹ روس اور مغربی حکومتوں کے تعلقات کو کشیدہ تر بنانا رہے گا۔

برلن کے قضیہ کا خلاصہ تو یہ ہے کہ سویٹ روس نے اس کی ناکہ بندی کر رکھی ہے اور اس طرح وہ مغربی جرمنی سے منقطع ہو کر رہ گیا ہے لیکن اس قضیہ کی تفصیلات معلوم کرنے کے لئے ہمیں ماضی پر ایک نظر ڈالنی پڑے گی۔

جنگ عظیم ثانی کے آغاز کے بعد نازیت کی جانب سے جو خطرات لاحق ہو گئے تھے ان کے پیش نظر اگرچہ انگلستان امریکہ اور ان کے حلیفوں نے سویٹ روس کے ساتھ متحد ہو کر جرمنی اور اس کے ساتھیوں کا مقابلہ کیا تھا لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ان کا یہ اتحاد وقتی اور ہنگامی تھا لیکن جہاں تک ان کے متضاد سیاسی رجحانات اور نظریات کا تعلق ہے ان میں نہ کوئی تغیر واقع ہوا تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔

سیاسیات عالم سے معمولی سی واقفیت رکھنے والے افراد بھی اس امر سے واقف ہیں کہ مغربی جمہوریت کے علمبردار ممالک یعنی انگلستان اور امریکہ فسطائیت اور اشتراکیت کے یکساں دشمن ہیں اور وہ ان دونوں میں سے کسی ایک نظریہ کو غالب ہوتا ہوا دیکھنے کیلئے تیار نہیں اس بات کو منطقی نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ وہ اپنی جمہوریت اور سویٹ روس کی اشتراکیت کے درمیان فیسزم کی دیوار حائل رکھنے کو ضروری تصور کرتے ہیں چنانچہ جنگ کے بعد جب جرمنی کے مستقبل پر غور کرنے کے لئے پوٹسڈم میں متعلقہ ممالک کے اکابر کی مجلس مشورہ منعقد ہوئی تو اس میں ان امور کا فیصلہ کیا گیا ہے۔

(۱) جرمنی کی فوجی قوت کو ختم کر کے اسے جمہوری ملک کی حیثیت سے تعمیر کیا جائے۔

(۲) ایسی تدابیر اختیار کی جائیں جن کی بدولت یہ ملک آئندہ جارحانہ اقدامات کے قابل نہ رہے۔

(۳) اسے ایک امن پسند ملک بنا دیا جائے اور جنگ کے دوران میں جن ممالک کو جرمنی کی بدولت نقصان اٹھانا پڑا ہے انہیں جزوی طور پر معاوضہ دیا جائے۔

مذکورہ بالا فیصلے پر عمل کرنے کے لئے جو تجویز مرتب کی گئی اس کا خلاصہ یہ تھا کہ:-

(۱) انتظامی اعتبار سے جرمنی کو چار حصوں میں منقسم کر کے انہیں سویٹ روس۔ امریکہ۔ انگلستان اور فرانس کے سپرد کر دیا جائے۔

اور اگرچہ برلن اس خطے کے قلب میں واقع ہے جسے سویٹ روس کے زیر انتظام دیا گیا تھا لیکن اس کی اہمیت کے پیش نظر یہ قرار پایا تھا کہ:-

(۲) اسے چار حصوں کے مشترکہ صدر مقام کی حیثیت حاصل رہے اور چاروں ممالک کے نمائندوں کی ایک نگران مجلس وہاں رہتے ہوئے جداگانہ طریقے پر اپنے اپنے علاقے اور مشترکہ طور پر برلن کا انتظام کرے گی۔

یہ فیصلے جنگ کے بعد ہی کئے گئے تھے لیکن بعد کے حالات نے یہ بات ثابت کر دی کہ دنیا ہی نہیں بلکہ خود براعظم یورپ بھی سیاسی نظریات کے اعتبار سے دو حصوں میں منقسم ہو چکا ہے، اور کسی ایک گروہ کی مادی یا اخلاقی قوت میں اضافہ دوسرے گروہ کے لئے نقصان اور پریشانی کا باعث ہو سکتا ہے ان حالات کے پیش نظر ریاستہائے متحدہ امریکہ کی زیر قیادت اور مارشل پلان کے مطابق ان مغربی ممالک کی اقتصادی اور صنعتی تعمیر شروع کی گئی جو اشتراکی روس کے دائرہ اثر سے باہر رہے تھے اور اگرچہ پوٹسڈم کے فیصلوں کی رو سے جرمنی کی جنگی صنعتوں کو زندہ نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن انہیں نظر انداز کر کے مغربی جرمنی میں فوجی سامان کی تیاری بھی شروع کر دی گئی۔

سویٹ روس بھی ان کارروائیوں سے بے خبر نہیں تھا اس عرصہ میں جرمنی کے مستقبل پر از سر نو غور کرنے کے لئے لندن میں چاروں ممالک کے وزرائے خارجہ کی ایک اور کانفرنس منعقد ہوئی جس میں دوسری کانفرنس کے فیصلوں کی روشنی میں سویٹ روس کی طرف سے مندرجہ ذیل تجاویز پیش کی گئیں۔

(۱) رُوہر کو جو جرمنی کا نہایت اہم صنعتی مرکز ہے چاروں حکومتیں مشترکہ طور پر اپنے کنٹرول میں رکھیں۔

(۲) مغربی حکومتوں کے زیر تصرف جرمنی علاقے کی زرعی اور صنعتی پیداوار میں سے سویٹ روس کو تاوان جنگ ادا کیا جائے۔

(۳) برلن میں جرمنی کی مرکزی حکومت کے قیام کے لئے جمہوری طریقے پر انتخابات کرائے جائیں اور پھر

(۴) پوٹسڈم کے معاہدے کے مطابق رفتہ رفتہ غیر ملکی افواج کو جرمنی سے واپس بلا لیا جائے۔

سویٹ روس کی طرف سے ان تجاویز کے پیش کئے جانے کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح مغربی جمہوریتیں مغربی جرمنی کے صنعتی زرعی اور معدنی وسائل سے کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکیں دوسری طرف ان تجاویز کی منظوری کی صورت میں مغربی جرمنی اور خصوصاً روہر کی صنعتی اور زرعی پیداوار سے سویٹ روس کو فائدہ پہونچتا تھا اور اس طرح پر مارشل پلان بیکار ہو کر رہ جاتا تھا پھر اگر مذکورہ بالا تجاویز کے مطابق انتخابات کرائے جاتے تو ان میں اشتراکیت پسندوں کی کامیابی کے قوی امکانات موجود تھے ان حالات میں اس کانفرنس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکا۔

جرمنی کی اقتصادی ناکہ بندی و زندگی کو منظم رکھنے اور بہتر بنانے کے لئے چاروں ممالک نے یہ فیصلہ بھی کیا تھا کہ جرمنی میں جو سکہ رائج کیا جائے اس کا فیصلہ بھی برلن میں مقیم مشترکہ کنٹرول کونسل ہی کرے لیکن سویٹ روس اور مغربی جمہوریتوں کے باہمی اختلافات نے رفتہ رفتہ اس کونسل کو بھی بیکار اور معطل بنا دیا اور لندن کانفرنس کے بعد امریکہ برطانیہ اور فرانس نے مغربی جرمنی میں اپنا نیا سکہ جاری کر دیا اور برلن کے بجائے فرینکفرٹ کو مغربی جرمنی کا دارالحکومت بنا دیا۔

ظاہر ہے کہ یہ نیا سکہ مغربی جرمنی سے برلن کے ان حصوں میں بھی آیا جو مذکورہ بالا ہر سہ ممالک کے زیر انتظام تھے نہ صرف اسی قدر بلکہ وہ سویٹ روس کے زیر تصرف مشرقی جرمنی میں بھی پہنچا اور اس طرح اس خطہ کی اقتصادی زندگی کے انتشار کا خطرہ لاحق ہو گیا۔ اس سکہ کو اپنے علاقہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لئے سویٹ روس نے برلن کی ناکہ بندی کر دی۔ اور جوابی طریقے پر پورے برلن میں روسی سکہ جاری کر دیا۔

مغربی جمہوریتوں نے ...

برلن ۲۰ لاکھ افراد آباد ہیں ناکہ بندی کے بعد قدرتی طور پر ان کی خوراک اور دیگر ضروری سامان کی بہم رسانی کا مسئلہ بہت پیچیدہ ہو گیا ہے اور ان حکومتوں کو ان ضروریات کی تکمیل کے لئے طیاروں سے کام لینا پڑا۔

برلن کی ناکہ بندی ختم کرانے کے لئے برلن میں مقیم چاروں حکومتوں کے گورنروں نے اس زمانہ میں جو گفت و شنید کی وہ بیکار ثابت ہوئی حتیٰ کہ سویٹ روس نے فضائی راستوں کو مسدود کرنے کی کوشش کی لیکن جب اس کی یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی تو اس نے برلن سے ... میل مغرب کی جانب اپنے زیر تصرف علاقہ میں اپنے فضائیہ اور طیارہ شکن توپوں کی مشق کا اعلان کر دیا۔ اور امریکہ کو اس بات کی اطلاع دی کہ یہ مشق صبح ۷ بجے سے شام کے تین بجے تک جاری رہا کرے گی۔ اور طیارہ شکن توپیں ۵ ہزار فٹ بلندی تک مار کیا کریں گی۔ برلن والوں کے لئے سامان لے جانے والے ہوائی جہاز بھی چونکہ اسی قدر بلندی پر پرواز کیا کرتے تھے۔ اس لئے سویٹ روس کا یہ نیا فیصلہ مغربی حکومتوں کے لئے مزید دشواریوں کا موجب بن گیا۔

ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے سویٹ روس کے اس فیصلہ پر سخت احتجاج کیا لیکن بے سود۔ اس کے برعکس۔ سویٹ روس نے ایک اور قدم بڑھایا اور اکتوبر کے شروع میں مغربی حکومتوں کو یہ اطلاع دی کہ آئندہ برلن کے فضائی راستوں پر صبح ۸ بجے سے شام کے ۵ بجے تک سرخ فضائیہ کی نوعی نقل و حرکت جاری رہا کرے گی۔ سویٹ روس کے اس تازہ فیصلہ کے بعد مغربی حکومتوں نے ابتداء میں تو اپنے اس عزم کا اظہار کیا کہ جب تک برلن کی ناکہ بندی ختم نہیں کر دی جائے گی۔ ہم اس معاملہ پر سویٹ روس سے کوئی گفتگو کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ لیکن جب سویٹ روس ان کے اس اعلان سے بھی متاثر نہیں ہوا تو ان کے نمائندے گفت و شنید کے لئے ماسکو گئے لیکن وہاں سویٹ روس کے وزیر خارجہ ایم مولوٹوف اور ان کے نائب ایم وشنسکی موجود نہیں تھے۔ ان کی عدم موجودگی میں انھوں نے مارشل اسٹالن سے ملاقات کی اس ملاقات کے بعد جو اطلاعات موصول ہوتی رہی تھیں ان سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ماسکو میں اس مسئلہ پر فریقین کے مابین کوئی سمجھوتہ ہو گیا ہے۔

سینما

ریگل — ہیملیٹ
ایروز — شادی کی محبت
اسٹرینڈ — لیس مزربیل
میٹرو — دی گڈ ارتھ
امپائر — چوروں کا بادشاہ
اکسلسیر — انجمن گرجھ

آپیرا ہاؤس، تاج — آن
کیپٹول — دیور
سواتک — مندر
ویسٹ اینڈ — شکایت
کمل، براڈوے، ریوالی، عشرت — کنور کی
ناولٹی، سوریہ — درد

منروا — میلہ
امپیریل — پیار کی جیت
لیمنگٹن — دنیا
الفریڈ — دوسری شادی
راکسی — شہید
نیو روکس — جنگل بک
رائل — جنگل کا ڈاکس
اور رکسی — شہید

شکسپیر کا شاہکار "ہملیٹ"

ریگل میں "ہیملیٹ"

Hamlet

جے آرتھر رینک پروڈکشن کا تیار کردہ برطانوی شاہکار دکھایا جا رہا ہے جسے سر لارنس آلیور پیش کرتا ہے۔ صاحب موصوف میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو اس شاندار موضوع کو درجہ کمال تک پہونچا سکتی ہیں اسی لئے ہیملیٹ ان کے لئے نہ صرف ایک شاندار کامیابی ہے بلکہ برطانوی فلمی صنعت کے لئے ایک قابل تحسین کارنامہ ہے جو نہایت ہی شان و شوکت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے اور جس سے قبل اس کی کوئی مثیل نہیں ملتی۔

آلیور نے خود اس کا اعتراف کیا ہے کہ پروڈکشن، ڈائرکشن اور خاص کردار یہ تین کام اس کے لئے درد سر ثابت ہوئے، لیکن اس نے اس فرض کو بڑی تندہی سے انجام دیا جیسی کہ ان سے توقع کی جاتی تھی اس کی خاص خوبی یہ ہے کہ پرانی چیزوں کو پیش کیا گیا ہے خاص کر نیز صدیوں کے مجسمے، پینٹنگ اور عمارتیں جو خوفناک خوبصورتی کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ لباس نہایت شاندار مگر سادہ وضع کے رکھے گئے ہیں۔

اس فلم کی جان اس کے لاجواب مکالمے ہیں جنھیں سینوں کے خاص طور پر موثر بنایا گیا ہے۔ آواز اور روشنی کے ذریعہ بہت کامیاب طور پر پیش کیا گیا ہے۔

فلم کے لئے روشنی کا انتظام اس طرح کیا گیا ہے کہ کیمروں کو غیر معمولی اونچائی اور نیچائی پر رکھا گیا ہے تاکہ باریک سے باریک تفصیل بڑی وضاحت کے ساتھ دکھائی جائے۔

اولیویا خاص رول ادا کر کے بازی لے جاتی ہے جین سیمپسن نے پہلی بار اوفیلیا کا نازک کردار ادا کر کے خراج تحسین حاصل کرتی ہے ساتھ ہی ایلین ہرلی، باسل سڈنی، اور نارمن وولینڈ کے قابل دید اہم کام ہیں۔ ان کے علاوہ کئی نامی گرامی اداکاروں کے امدادی کام بھی ہیں۔

اس میں بہت سی فنی خوبیاں ہیں جو فلم کو کامیاب بنانے میں ممد ثابت ہوئی ہیں، خاص کر اس کی عکاسی۔ کیمرے کو کرین کے ذریعہ خوب گھمایا گیا ہے۔ ولیمینو کیسل کی کھر دری والی دیواریں اور پرانے محل نے عکاسی کا ایک اہم مسئلہ پیش کیا تھا لیکن کیسل اور عظیم الشان شکوہ نہ ختم ہونے والے ہالان اور شاندار ہال کو جس حکمت کے ساتھ پیش کیا گیا ہے وہ بذات خود فنی مہارت کی عظیم الشان کامیابی ہے۔

نیو امپائر میں "چوروں کا سردار"

Prince of Thieves

کولمبیا کا تیار کردہ زوردار کارنامہ دکھایا جا رہا ہے جس میں جان ہال اور پیٹریشیا مورسین کے خاص کردار ہیں۔

رابن ہڈ یا سنی لٹیرا کے کارناموں سے کون واقف نہیں۔ شیروڈ کے جنگل کے چوروں کے سردار کے نئے سنسنی خیز کارنامے دیکھ کر انسان عش عش کرنے لگتا ہے خاص کر شاندار رومان لاجواب۔ تلوار بازی اور جان جوکھوں میں جان ڈال کر بہادری کے کام انجام دینا اس فلم کی چند خصوصیات میں سے ہیں۔

اس کا قصہ الکزنڈر ڈوما کی مشہور ناول سے اخذ کیا گیا ہے جان ہال۔ پیٹریشیا مارلین۔ ایڈل جرگنس۔ ایلن ماسبری۔ مائیکل ڈووال۔ اینج۔ بی وارنر اور لائیل ٹلمور جیسے نامی گرامی اداکاروں کے اہم کردار ہیں۔

قصہ یہ ہے کہ رابن ہڈ ایک حسینہ جرگنس (لیڈی کرسٹا بیل) کی طرف سے یہ کوشش کرتا ہے کہ اس کی شادی ایک مکار لارڈ سے نہ ہو بلکہ مائیکل ڈووال (سر ایلن کلیم) کے ساتھ ہو جس سے اس کی منگنی ہو چکی تھی۔ کئی جانباز مقابلوں کے بعد بہادر ڈاکو اس حسین دوشیزہ کو ظالم کے پنجے سے رہائی دلا کر اس کی شادی کر دیتا ہے لیکن اس عرصے میں وہ سر ایلن کی ہمشیرہ مارلین (لیڈی میرین) کی محبت میں گرفتار ہو جاتا ہے تین جوڑوں کی شادی کا منظر لاجواب ہے جس کا لطف صرف دیکھنے میں آسکے گا۔

ایروز میں "شادی کی محبت" یا

For the Love of Mary

یونیورسل انٹرنیشنل کا موسیقی اور مذاق سے پر کارنامہ دکھایا جا رہا ہے جس میں خوش گلو حسین ڈینا ڈربن ایک عرصہ کی غیر حاضری کے بعد جلوہ گر ہو رہی ہے اور اپنے ساتھ ایک جوڑ تین عاشق ساتھ لا رہی ہے ڈان ٹیلر۔ ایڈمنڈ اوبرائن اور جیفری لن کے اہم کردار ہیں ہنری ڈیون پورٹ اور رے کولنس جیسے مشاق اداکاروں کے علاوہ ہیوگو ہاس اپنی مزاحیہ اداکاری سے دل موہ لیتا ہے۔

ڈینا وائٹ ہاؤس میں ایک ٹیلیفون گرل ہے صدر امریکہ کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ فرصت کے اوقات اس پر گراں نہ گزریں اس لئے وہ ایک نوجوان فوجی افسر کو اس کے ساتھ تفریح کرانے پر تعینات کرتا ہے جس سے بہت سی الجھنیں پیدا ہوتی ہیں اس عرصہ میں اسے ہچکیاں آنی شروع ہوتی ہیں صدر کو بڑی تشویش پیدا ہو جاتی ہے جس کے لئے ایک نسخہ بھی تجویز کیا جاتا ہے اور ان کی خیر و عافیت فون کے ذریعہ دریافت بھی کی جاتی ہے سب سے زیادہ دلچسپ ایک لعریکی نوجوان کو امریکی شہری بنانا ہے جس کے لئے امریکہ کے ججوں کی ایک کانفرنس منعقد کی جاتی ہے اختتام بڑا دلچسپ ہے۔

اسٹرینڈ میں "لیس مزربیل" یا

Les Miserables

وکٹر ہیوگو کا کلاسیکی شاہکار شائقین کے خاص اصرار پر پیش کیا جا رہا ہے توقع کی جاتی ہے کہ شائقین اس عمدہ موقع سے ضرور فائدہ اٹھائیں گے۔

ٹوینٹیتھ سنچری فاکس کے اس کارنامہ میں فریڈرک مارش اور چارلس لاٹن کے خاص کردار ہیں اور ان دونوں نے اپنی لاجواب اداکاری سے اس فلم کو غیر فانی بنا دیا ہے یہ وہ فلم ہے جسے بار بار دیکھنے پر بھی طبیعت سیر نہیں ہوتی۔

میٹرو میں "دی گڈ ارتھ" یا

The Good Earth

اپنی مقبولیت کی وجہ سے دوسرے ہفتہ کیلئے روک لی گئی ہے جیسی توقع تھی یہ فلم سہ بارہ اپنی غیر معمولی خوبیوں کی وجہ سے باعث کشش ثابت ہوگا جس کا اندازہ گذشتہ ہفتہ شائقین کے ہجوم سے ہو سکتا تھا۔

سفینہ پربھا تو یک چترپٹ کے
مزاحیہ شاھکار :: شکایت :: میں
دو دیو ویسٹ اینڈ میں کامیاب
ہے

Douglas Fairbanks (Jr.) and Betty Grable in 20th Century Fox's forth coming Technicolor romance "THAT LADY IN ERMINE" produced and directed by Ernst Lubitsch.

توپ اور کڈجوسری
رام پکرس کی کامیاب تصویر
وینـــا میں
جو لیمنگٹن میں
دکھائی جا رہی ہے

THE AJMAL SUNDAY EDITION
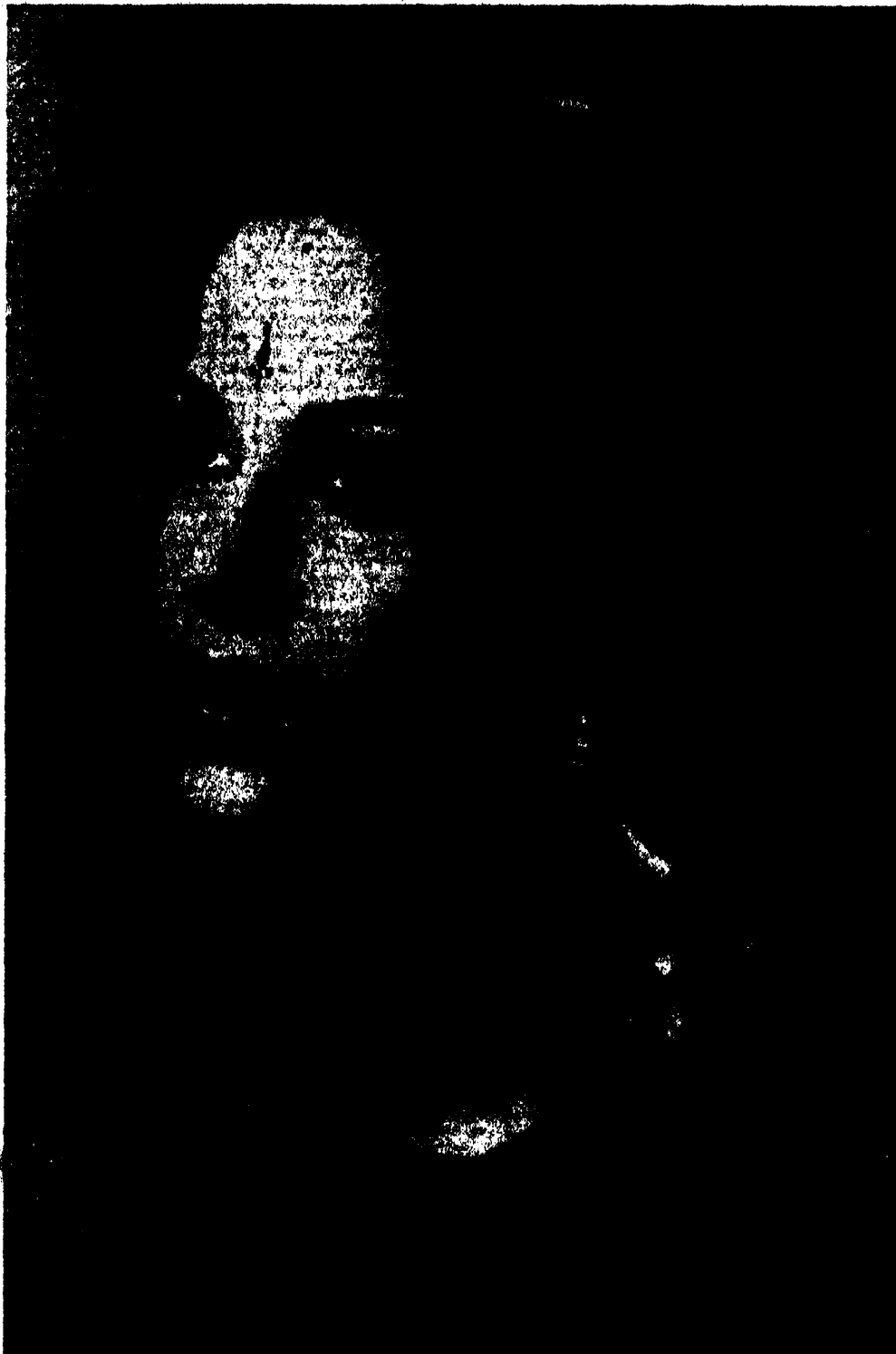
کامنی کوشل آل انڈیا پکچرس کی تازہ ترین تصویر " پگڑی " میں

PRINTED AND PUBLISHED BY USMAN HUSEIN KHAN FROM THE AJMAL PRESS, BOMBAY 3

قیمت ۲ آنہ

نمبر ۵۰ | بمبئی یکشنبہ ۲۶ دسمبر ۱۹۴۸ عیسوی | جلد ۲۱

VOL XXI } BOMBAY, SUNDAY 26TH DECEMBER, 1948 } NO. 50

گاندھی نگر کا دروازہ

کانگریس کے اجلاس میں صدر کانگریس دو چند لیڈروں کے
شرکت کیلئے جارہے ہیں۔

سردار ولبھ بھائی پٹیل
گجرات کے ڈیلیگیٹوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر پٹابی سیتا راجیہ
اپنی صدارتی تقریر کر رہے ہیں۔

جوناگڈھ پولیس کے چند نوجوانوں کا گروپ فوٹو

کل ہند کانگریس کمیٹی کا

پچپن واں اجلاس

ہماری نظر میں

از:۔ زیڈ اے عباسی

کل ہند کانگریس کمیٹی کا پچپن واں سالانہ اجلاس جو کئی لحاظ سے اہم ترین اجلاس کہا جا سکتا ہے راجپوتانہ کی حسین ترین سرزمین جے پور پر منعقد ہوا اور ختم ہو گیا۔ کئی اہم تجویزیں پیش ہوئیں اور منظور ہو گئیں۔ اس لحاظ سے اسکی کامیابی پر شک کرنا بالکل نامناسب اور غلط ہے لیکن اگر ہم اس اجلاس پر اس نقطۂ نظر سے غور کریں کہ اس نے حصول آزادی کے بعد ہندوستانیوں کیلئے کیا لائحہ عمل پیش کیا، تو یقیناً ہمیں اس اجلاس کی کامیابی یا ناکامی پر غور کر کے کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا۔

یہ اجلاس دو اہم تاریخی واقعات کے بعد ہوا تھا، ایک واقعہ اگر مسرت اور خوشی سے بھرپور ہے تو دوسرا رنج و ملال سے پُر ہے۔ ایک واقعہ کو ہندوستان کی سیاسی آزادی اور دوسرے کو آزادی کی منزل تک پہنچانے والے سے جدائی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ لیکن رنج و خوشی کا یہ امتزاج غیر قدرتی نہیں ہے البتہ دنیا میں اس قسم کے واقعات کی مثالیں بہت کم ملتی ہیں:

مسرت وغم کا امتزاج

ہاں تو ہمیں اس وقت یہ بتانا ہے کہ کانگریس کا یہ اجلاس مسرت و شادمانی کے ڈنکے بجانے یا نوحہ غم کی صفیں آراستہ کرنے کے لئے نہیں ہوا تھا بلکہ اس کا اگر کوئی حقیقی مقصد تھا تو وہ ہندوستان کے عوام کی آئندہ کے لئے رہنمائی کرنا تھا چنانچہ کانگریس کے اغراض و مقاصد کے متعلق "پیغام" کے نام سے جو تجویز منظور ہوئی ہے وہ ہندوستانیوں کو مستقبل کا راستہ بتانے کے لئے ہی ہوئی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس میں جو لائحہ عمل پیش کیا گیا ہے کیا وہ ہندوستانیوں کے لئے موجودہ حالات میں صحیح، مناسب اور بہتر ثابت ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس پر شک ہے بلکہ اختلاف ہے اختلاف اس لئے نہیں کہ اس میں گاندھی جی کے نظریات کو اپنایا گیا ہے اور ہمیں گاندھی جی کے نظریات سے بنیادی اختلاف ہے بلکہ ہمیں اختلاف ہی اس لئے ہے کہ ہمیں گاندھی جی کے نظریات سے اتفاق ہے۔

کانگریس کی ناکامی

اس میں شک نہیں کہ کانگریس نے اپنی "پیغام" والی تجویز میں فرقہ دارانہ اتحاد کے لئے کوشش اور عوام کی غربت و افلاس دور کرنے کی جدوجہد کا ذکر کیا ہے لیکن ہمیں یہ کہتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ کانگریس حکومت اور کانگریسی تنظیم برسر اقتدار آنے کے بعد گذشتہ سولہ ماہ میں ہندوستانی عوام کی بھوک اور افلاس کو دور کرنے میں قطعی ناکام رہی ہیں بلکہ اس عرصہ میں لوگوں کی غربت اور ان کی ناداری میں الٹا اضافہ ہی ہوا ہے ــــ اس کے صرف دو مطلب ہیں یا تو گاندھی جی کے نظریات میں بنیادی خرابی ہے کہ وہ اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکتے یا ان کے نظریات پر پوری طرح عمل نہیں کیا گیا ہے ــــ بلاشبہ آج ہمیں یہ بات بڑی آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ گاندھی جی کے نظریات ہی کمزور ہیں۔ لیکن ہمارے نزدیک ان نظریات پر عمل کرنے والے کمزور ہیں اگر آج تمام کانگریسی سچائی سے ان نظریات پر عمل کرنے لگیں تو یقیناً کل ہی ہماری تمام مشکلات ختم ہو سکتی ہیں۔

کانگریس کا کاروبار

لیکن بقول اچاریہ ونوبھاوے کے کانگریسی نیتاؤں نے تو اپنی سابقہ خدمات اور قربانیوں کی قیمتیں وصول کرنا شروع کر دی ہیں خدمت اور عمل کا وہ جذبہ مفقود نظر آتا ہے جس نے کانگریس کو ہندوستان کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ محبوب جماعت بنا دیا ہے ــــ یا بقول مولانا ابوالکلام آزاد آج کانگریس تنظیم "بزنس" کے اڈوں میں تقسیم ہو گئی ہے ــــ ان اعمال کے ساتھ عوام کی بھوک اور بیروزگاری کو دور نہ کریں گی ذمہ داری گاندھی جی کے اصولوں پر ڈالنا اپنے ضمیر کو دھوکا دینے کے برابر ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ ایمانداری سے ان اصولوں پر عمل کیا جائے عمل کے بغیر اصولوں کو بدنام کرنا بہت بڑی ہٹ دھرمی ہے جس سے ہمیں بچنا چاہیئے۔

کانگریس کے اجلاس میں جب خدمت خلق کے معیار کی تجویز پیش ہوئی اور اس میں کانگریس کے سرکاری اور جماعتی عہدیداروں کو نمونہ بن کر عوام کے سامنے پیش ہونے کی ترمیم پیش کی گئی جسے بعد میں مسترد کر دیا گیا اور اصل تجویز منظور ہو گئی لیکن سوال یہ ہے کہ تجویز یا ترمیم منظور ہو یا نہ ہو ہر کانگریسی کا بالعموم اور ہر کانگریسی رہنما کا بالخصوص یہ فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو عوام کے سامنے نمونہ بنا کر پیش کرے اگر کانگریس کے صدر اپنے آپ کو ملک کا سب سے بڑا لیڈر کہنے پر فخر کر سکتے ہیں تو بلاشبہ اپنے عمل اور کردار سے یہ ثابت بھی کر دینا چاہیئے کہ عوام بھی اس کو اپنے لئے باعث فخر سمجھیں۔ اگر لیڈران کرام ہی کے اعمال و اقوال نمونہ نہیں ہوں گے تو پھر عوام کس کی پیروی کریں گے؟

دوسری تجویزیں!

کانگریس نے فرقہ پرستی کے خلاف جو تجویز منظور کی ہے وہ اصل میں کانگریس کے "پیغام" کا دوسرا رخ ہے اس طرح کانگریس کی دوسری تجویزیں بھی اسی پیغام کی تشریح ہیں ــــ جس طرح گاندھی جی کا پیغام صرف ہندوستان کے لئے نہیں بلکہ دنیا کے انسانیت کے لئے تھا اس لئے کانگریس نے بھی اپنی خارجی پالیسی میں گاندھی جی کے پیغام کی ترجمانی کی ہے لیکن ہمیں اس ترجمانی سے تھوڑا سا اختلاف ہے، ہمیں یہ ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ گاندھی جی جگت دوستی امن اور بھلائی کے خواہاں تھے لیکن وہ کبھی کسی ایک طاقتور گروپ میں شامل ہو کر دوسرے گروپ کی خواہ مخواہ مخالفت مول لینے کو پسند نہیں کر سکتے تھے بلکہ بالکل غیر جانبدارانہ پالیسی کو اختیار کئے رہنے پر زور دیتے مگر ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان اپنی خارجی پالیسی میں آزاد ہوتے ہوئے گروپ بندی کے جال میں پھنستا جا رہا ہے ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں ظاہری مادی مفاد اسے سچائی کے راستے سے ہٹا نہ دے۔

خطبۂ صدارت

ڈاکٹر پٹا بھی سیتا رامیہ نے جو خطبۂ صدارت پڑھا ہے اگرچہ اس میں گاندھی جی کے فلسفہ کی مہک ضرور رکھی ہے لیکن انہوں نے کانگریس اور حکومت کے تعلق کو رسمی ہو کا رشتہ قرار دیا ہے اور اپنی پوزیشن ایک لیڈر آف دی ... سی سمجھ لی ہے حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ کانگریس جماعت حکومت کی تمام اہم امور میں رہنمائی کرتی۔ کانگریس حکومت کانگریس جماعت کے ہاتھوں میں ہونی چاہیئے نہ کہ کانگریس جماعت کانگریسی حکومت کی کٹھ پتلی

بسلسلہ صفحہ (۳)

میں چلی جائے، اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ڈاکٹر پٹابھی نے اپنی طرف سے بہت بڑی کمزوری دکھائی ہے ضرورت اس امر کی تھی کہ ان کی پوزیشن ڈاکٹر جی سی مضبوط ہوتی۔

عوام میں غیر دلچسپی

کانگرس کے اجلاس کی ایک اہم خصوصیت تھی اور وہ یہ کہ عوام کو اس سے بہت کم دلچسپی تھی حالانکہ آزادی ملنے کے بعد کانگرس کا یہ پہلا اجلاس تھا اس کی رہنمائی کی طرف سب کی آنکھیں لگی ہوئی چاہئیں تھیں مگر نہ معلوم کیوں عوام میں اس سے وہ دلچسپی نہیں پائی جاتی تھی جیسی کہ ہونی چاہئے تھی۔

یہ تمام باتیں کانگرس کی خیر ہر دلعزیزی کا پتہ دیتی ہیں اور کانگرس کے لیڈروں کو اس کا احساس بھی ہے مگر اس کے لئے انہوں نے کوئی مجرب نسخہ تجویز نہیں کیا ہے ——— ضرورت ہے کہ کانگرس اپنے اعمال کا جائزہ لیں اپنے دوستوں اور دشمنوں کو پہچانیں، تنقید کرنے والوں کا برا ماننے کی بجائے ان کی ان کی تنقیدوں پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ سوچیں اور اپنی کمزوریوں کو دور کریں۔ ورنہ اپنے پاپوں (گناہوں) کے سمندر میں غرق ہونے کے لئے تیار رہیں۔

عمل اور صرف عمل فیصلہ کریگا!

کانگرس نے اپنے پچپن ویں سالانہ اجلاس میں گاندھی جی کے نظریات کی تصدیق تو کر دی ہے لیکن خالی تصدیق و تعریف سے کام نہیں چلتا۔ یہ دنیا دار العمل ہے، جب تک ان کے اعلیٰ اصولوں پر سچائی سے عمل نہ کیا جائے ساری تصدیق و توصیف بیکار ہے ——— ضرورت عمل اور صرف عمل کی ہے ——— دیکھئے کانگرس کا اجلاس کس حد تک عمل کے لئے ابھارتا ہے اگر اس اجلاس کے بعد عمل کا جذبہ بیدار ہو جاتا ہے اگر اس اجلاس کے بعد عمل کا جذبہ بیدار ہوتا ہے تو یہ اجلاس کامیاب ہے ورنہ ناکام ——— اس لئے کامیابی اور ناکامی کا فیصلہ کانگرس والوں کا عمل کرسکے گا کانگرس کے اجلاس میں منظور ہو جانے والی تجویزوں سے اس کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔

اعلیٰ علمی ادبی و سیاسی مضامین اجمل سندھ میں پڑھیے

پیری مریدی

(از تماشائی)

مولانا شبلی مرحوم نے تو بمبئی کی تعریف ایک مشہور شعر میں کی تھی جو آج تک زبان زد عام و خاص ہے ؎

اری بمبئی تجھ پہ پیروں کا سایا
تجھے جیسا سنتے تھے ویسا ہی پایا

مگر ایک بمبئی پر کیا منحصر ہے سارے ملک ایشیا میں جہاں کہیں بھی مذہب کا زور ہے گرو۔ پیر اور پادری کی آؤ بھگت جاری و ساری ہے۔

سروالٹر اسکاٹ انگلستان کے مشہور اہل قلم ناول نویس نے جس کو سرآمد ناول نویس کہنا چاہئے لکھا ہے کہ انسان جسم۔ ملکیت اور مذہب انہیں تین چیزوں سے تعلق رکھتا ہے اگر اس کے جسم میں کوئی خرابی پیدا ہوئی تو یہ ڈاکٹروں طبیبوں اور ویدوں کو روزی پہونچانے کا ذریعہ ہے۔ ملکیت کا مناقشہ وکلاء اور بیرسٹروں کی پرورش کا ذریعہ ہے اسی طرح مذہبی کمزوری یا روحانی ضروریات۔ مولویوں، پیروں۔ پنڈتوں۔ پادریوں۔ راہبوں کی رزق کا باعث ہوتی ہیں۔ ہمارے علماء اور مذہبی رہنما ہر لاکھ دعوے کریں کہ اسلام میں پریسٹ ہڈ۔ پروہت یا برہمنی فضلیت کا نام نشان نہیں ہے۔ مگر بطور امر واقعی دیکھئے تو کتنے مسند ہی پیر نقارہ۔ یا پنجابی جتاڑ و دے شاہ۔ نرکو خدا بردے۔ اور مولانا مبارک زکوے محمد بنگال میں ڈنکے کی چوٹ روزی روزگار کا ڈھونگ پھیلا ہے۔

خدا رکھے ہمارا یو پی بھی اس معاملے میں کسی سے پیچھے نہیں ہے اس سلسلہ میں نام لینا تو انتہائی بے ادبی ہے مگر کہنے کی بات ہے اس لئے کہنے کی ہمت کی جاتی ہے اور شہر جون پور میں حضرت مولانا کرامت علی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی اتنی زبردست ہو گئی ہے کہ جن کی مساعی جمیلہ سے آج سرزمین بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ گو حضرت مولانا کو گذرے ہوئے دو نسلیں گذر گئیں مگر تبلیغ کا جو پہلو حضرت مولانا نے اختیار کیا ہے اگر ہندوستان کے علمائے کرام سرگرمی سے اس پر گامزن ہوں تو ہندوستان میں اقلیت و اکثریت کا قضیہ ختم ہو جائیگا۔

مگر ملک کی بدقسمتی سے تبلیغ و اصلاح کی یہ صورت ختم ہے جس کی خاص وجہ خرابی یہ ہے کہ علمائے کرام اور مبلغین غیر مسلموں تک ان کی مادری زبان میں اسلامی تبلیغ و اشاعت نہیں کرتے اور کریں کیسے جب وہ خود ان کو مادری زبان سے بیگانہ ہوتے ہیں اور اخباری اشتہار بازی کو وہ بھی اردو یا انگریزی زبان میں اپنا طرۂ امتیاز بنلاتے ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر وہ گاڑی کے پیچھے گھوڑا باندھ دینے ہی کو منتہائے کمال سمجھے ہوئے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مذہب کی تبلیغ کا گھوڑا اپنی جگہ پر الٹ کر رہ گئی۔ آخر کسے پڑی ہے کہ وہ پہلے دائرہ اسلام میں داخل ہو پھر اردو فارسی میں آ کر مذہب سے واقفیت حاصل کرے اور اپنے تلفظ اور لب و لہجہ کے بدولت انگشت نما بنے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تبلیغ و اشاعت مذہب کے بجائے پیری نام ہے چند دعاؤں گنڈوں تعویذوں اور آمدنی کے ڈھکوں کا ذریعہ ہو کر رہ گئی ہے جسے اب ہمارے غیر مقلد کرمفرما چھو منتر کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ جونپور سے اور ایک جونپور پر کیا منحصر ہے یو۔ پی کے قریب قریب ہر ضلع اور قصبہ سے پیر اور پیرزادے مرید آباد کا سفر کرتے ہیں مگر "روح کرامت" مفقود ہے اور پیری مریدی محض انگنے کھانے کا ایک ذریعہ بن کر رہ گئی ہے۔

آج ہندوستان کا رنگ بدلا ہوا ہے مسلمانان ہند اور خصوصاً ان کے علمائے کرام اور پیران عظام کو بھی اپنا رویہ بدلنا چاہئے۔ محض حکومت کو مسلمانوں کی حق تلفیوں اور ضرورتوں کی طرف توجہ دلانا ہی ہماری دشواریوں کو حل نہیں کر سکتا اور نہ مرض کی جڑ کو دفع کر سکتا ہے، شکوہ شکایت کی عرضداشت مطالبہ اور حق رسی کی درخواست اور یہ ستر محض وقتی علاج اور لیپا پوتی کے مشابہ ہے۔ آج ملک میں عربی فارسی مدارس کی کمی نہیں مگر نظر غور سے دیکھئے تو وہ ؎

ایں سے از قطعات ... کے مصداق تقویم پارینہ کی طرح ... ہیں امید تھی کہ مولانا ابوالکلام آزاد عربی اور فارسی مدارس کے لئے جو تحقیقاتی اور نصابی کمیٹی بٹھائی تھی وہ ان مدارس کو کا ماحول اور زمانۂ حاضرہ کے مطابق بنا دے گی مگر اس کا بھی کوئی نتیجہ مترتب نہیں ہوا لیکن اب جو مجلس دستور ساز نے ہر مذہب والے کو اپنی تبلیغ اصلاح کا حق دیا ہے تو مسلمانوں کو تبلیغ و اشاعت کے نئے وسائل کی تلاش کی ضرورت ہے۔

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

کے مصداق کنوئیں پر پیاسوں کو بلانے سے زیادہ کام اور مطلب کے حصول کی صورت یہ ہے کہ کنوئیں کا پانی پیاسوں تک پہونچایا جائے۔ پانی دیکھ کر خواہ مخواہ بھی پینے کو دل چاہے گا مسلمانوں کو عیسائیوں کی تبلیغ سے سبق لینا چاہئے جنہوں نے انجیل مقدس اور دوسری مسیحی کتابوں کو ہند کی ہر زبان میں ترجمہ کر کے وحشی اور جنگلی قوموں تک پہونچا دیا ہے۔ مگر مسلمان علماء اور اہل قلم ہیں کہ اردو زبان میں تفسیر لکھنے سیرت کی کتابیں تالیف کرنے ہی کو منتہائے کمال سمجھے ہوئے ہیں جو کوئی اس سے آگے کی ہمت کرتا ہے وہ انگریزی میں تصنیف و تالیف ہی کو معراج کمال سمجھ لیتا ہے حالانکہ ملک کی مانگ اور وقت کی ضرورت کچھ اور ہی ہے بقول مولانا حالی ؎

ہم نکلے ہیں سودے کو درم لیکے پرانے
اور سکہ رواں ملک میں مدت سے نیا ہے

مگر یہ کام آسان نہیں ہے، دفاتر اور اداروں میں بیٹھ کر اردو زبان میں مضامین لکھ دینا اور مذہبی تعلیمات کو شائع کر دینا ہی ہمارے مرض کا علاج نہیں ہے بلکہ ضرورت اس کی ہے کہ ہمارے ہونے والے علمائے کرام اور مشائخ ملک کی صوبہ جاتی زبانوں میں بلکہ اردو واقفیت حاصل کریں اور مذہبی ادارے اردو کی مذہبی کتابوں اور تعلیمات کو دوسری صوبہ جاتی زبانوں میں ترجمہ کرا کے شائع کرنا شروع کریں ——— اس وقت ملک میں ایسے بہت سے مسلمان موجود ہیں جو دیوناگری گجراتی۔ مرہٹی۔ اوڑیہ۔ موزٹا یہ وغیرہ وغیرہ زبانیں جانتے ہیں۔ علمائے کرام کو چاہئے کہ ان مسلمانوں سے کام لیں مگر یہ کام انفرادی طاقت سے باہر ہے بلکہ مختلف ادارے اوقاف اور مذہبی انجمنوں کو توجہ کی ضرورت ہے۔

اس ضمن میں دو تین باتیں ضروری ہیں

(باقی صفحہ (۱۳) پر)

مشقِ طبیباں

(از جناب قمر احمد صاحب قمرؔ)

کیا علاج طبیبوں نے نارسائی سے ہا نہ آخرش ہوئی صحت کسی دوائی سے

ولیم شیکسپیئر انگلستان کے مشہور عالم ڈراما نویس کا قول ہے کہ دواؤں کو کتے کے آگے ڈال دو۔ اس قول پر اگر غور کی نگاہیں ڈالی جائیں تو پتہ چل جائے گا کہ اس معمولی سے جملے میں کائنات کی مصلحت پوشیدہ ہے انسان اگر دواؤں کا کیڑا بن جائے تو بیماری بھی اس کی جان کو جنم روگ بن کر لگ جاتی ہے یہی سبب ہے جو ہر زمانے میں دانایان روزگار کا یہی خیال رہا ہے کہ غذا میں احتیاط (REGULATION OF DIET) سو علاجوں کا ایک علاج ہے۔

میاں بشیر خدا جانے علاج معالجے کو کیا سمجھتے تھے۔ پڑھے لکھے آدمی۔ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ گریجویٹ۔ سمجھ بوجھ میں کسی سے کم نہ تھے بس خرابی تھی تو یہ کہ وہ خود کو بیمار سمجھے ہوئے تھے۔ کھاتے تھے پیتے تھے بظاہر کوئی خرابی ان میں نہ تھی اور نہ دیکھنے میں بیمار معلوم ہوتے تھے اور کتابیں بھی خوب ازبر تھیں مگر محض اس ایک وہم نے کہ میں بیمار ہوں، انہیں ایسا مجبور کر دیا تھا کہ وہ امتحان کے نام سے گھبراتے تھے۔

اتفاق وقت کہ میاں بشیر اپنے ایک کالج فیلو دوست میاں احمد سے ملنے کے لئے ان کے پاس گئے احمد ایک مغربی لائن کے ایک شہر میں ایک اسکول میں بی اے پاس کر کے ٹیچر ہو گیا تھا۔ بشیر کا اس نے دلی جوش کے ساتھ خیر مقدم کیا مگر اسے یہ دیکھ کر حیرت ہو گئی کہ میاں بشیر کے چہرے پر خون کا نام نہیں اور گورا چہرا اب پیلا پڑ گیا ہے۔ پہلے دو روز تو اس نے میاں بشیر سے کچھ نہ کہا۔ رسمی باتیں کرتا رہتا اور ان کے طور طریقوں کو دیکھتا رہا۔ اسے یہ پتہ چلا کہ میاں بشیر کی شادی ہوئے چار پانچ برس ہو چکے لیکن ابھی تک ان کے کوئی اولاد نہیں بلکہ دو سال ہوئے وطن گئے تک نہیں اور یہ مدت طبیبوں ویدوں اور ڈاکٹروں کی خدمت گذاری میں صرف کر دی ——— اور اب یہ صورت ہے کہ میاں بشیر صبح سویرے اٹھے، ابھی پوری طرح آنکھ بھی نہ کھلی تھی کہ بستر کے کونے سے تھرمامیٹر نکال کر منہ میں غراپ سے ڈال دیا اور دو منٹ کے بعد دیکھ کر بولے اونو آدھا ڈگری بخار ہے تبھی تو گرانی شکم ہے اور اجابت کی غرابہ الگ، انگریزی دوا کی ایک گولی نکال نگل لی۔ اب اس کے بعد بستر سے اٹھے حوائج ضروری سے فارغ ہو منہ دھو کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی اونگھے۔ ٹرنک سے ایک ڈبہ معجون دافع بخار نکالا اور ...... مسکہ مرتبان سے ایک چمچہ دوا لے کر معجون میں ملائی اور اسے کھا کر تھوڑا سا کوئی عرق بوتل سے لے کر پی گئے اتنے میں نوکر ناشتہ لایا، انہوں نے بھی با دل ناخواستہ دو ایک نوالہ کھا کر جھٹ اٹھے اور ایک ویدک پڑیا لے کر پھانک گئے۔

احمد:- کیوں بھائی بشیر۔ تم نے تو یونانی، معالجہ اور مغربی سب کو اپنا ممنون احسان بنا لیا۔ آخر تم کو شکایت کیا ہے۔

بشیر:- (مایوس لہجے میں) بھائی وید، طبیب، اور ڈاکٹر سب کا متفقہ فیصلہ ہو چکا کہ دق کی ابتدا ہے۔ تپ کہنہ کی شکایت ہے۔ اطبا جواب دے چکے۔ وید مایوس ہیں۔ ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ آپ کو کوئٹہ کی آب و ہوا مفید ہو گی وہاں جا کر رہو مگر اتنا فاضل روپیہ کہاں سے آئے۔

احمد:- پھر ان دواؤں سے فائدہ؟

بشیر:- محض تسکین طبع ورنہ فائدہ تو خاک نہیں خیر بات گئی گذری ہوئی اور میاں احمد اپنے کام پر چلے گئے مگر رات کو پھر باتیں ہوئیں۔

احمد:- دیکھو بشیر تمہاری دوا لقمان کے پاس تو نہیں مگر میرے ذہن میں آ گئی ہے۔

بشیر:- وہ کیا وہ کیا؟

احمد:- وہ یہ کہ ماسٹر گردھاری لال ڈیڑھ ماہ کی رخصت پر کل سے جا رہے ہیں تمہیں کل دس بجے سے ان کی جگہ کام کرنا ہے۔

بشیر:- میں اور کام؟

احمد:- (زور دے کر) ہاں ہاں تم اور کام اب میں نے درخواست دے دی ہے اور وہ منظور ہو گئی اور یہ پروانہ ہے (حکم نامہ ... دیا)۔

بشیر:- اور میرا بخار؟

احمد:- اس کا علاج میرے پاس ہے آج جب تم شام کو ٹہلنے گئے تھے میں نے تمہاری ساری دوائیں معہ بوتل اور ڈبوں کے پھکوا دیں۔

بشیر:- (چونک کر) کیا کہا پھکوا دیا؟ غضب کیا میرا چالیس روپے کا نقصان ہوا۔

احمد:- دوا جب فائدہ نہ کرے تو وہ کوڑی کی ہے۔

بشیر:- تو صبح میں کیا کھاؤں گا اور اس وقت رات کو۔

احمد:- اس وقت رات کو تو چپکے سے سو رہو صبح سے میں تمہارا علاج کروں گا۔

صبح سویرے میاں بشیر ابھی بیدار بھی نہ ہوئے تھے کہ احمد نے ملازم کو بازار روانہ کیا جس شہر میں وہ لوگ تھے وہاں ۴ بجے صبح کو پنجاب میل لاہور سے آتا اور چمن کا انگور لایا کرتا تھا اس وقت صبح کو یہ انگور ۱۲ سیر فروخت ہوتا تھا ملازم بازار سے ایک پاؤ انگور لایا۔ احمد اور بشیر دونوں نے ناشتہ کیا اور دس بجے کھانا کھا کر کام پر گئے ایک بجے لنچ کے وقت جب اس کو بھیج کر ہم ... انگور منگا لیا گیا اور دونوں نے بیٹھ کر کھا لیا۔ بات یہ تھی کہ انگور صبح کو بازار میں ۱۲ سیر ملتا تھا اور دوپہر میں اس کی قیمت گھٹ کر ۸ اور شب میں ۱۶ سیر تک گر جاتا تھا

اب ان دونوں کا یہی شغل تھا صبح سویرے انگور کا ناشتہ ہوتا بشیر کو بھی اس طریقہ علاج میں وہ لطف آیا کہ بسا اوقات رات کو دس بجے احمد کو انگور کی خریداری پر مجبور کرنے۔ کہاں کی دوا اور کہاں کا علاج۔ مشہور ہے کہ ہمیشہ طبیب مرد پیش تجربہ کار بود۔ میاں بشیر کو اس علاج کا دو سال میں ایسا تجربہ ہو گیا تھا کہ اب وہ خود کو سب اطبا سے زیادہ قابل سمجھنے لگے تھے۔ انہیں کی دور رس طبیعت نے یہ طے کیا کہ اگر سہارن پور کے گنے کھائے جائیں تو انگور کو بہت مدد ملے گی چنانچہ ناشتہ میں پھر کو سہارنپوری گنے کا بھی اضافہ ہوا اسی طرح میاں بشیر کو ایک ماہ انگور کھانے اور گنے چوسنے میں گذر گئے دن جاتے دیر نہیں ہوتی اتفاق سے ماسٹر گردھاری لال ایک ماہ کے بعد ہی رخصت منسوخ کر کے واپس آ گئے اب میاں بشیر آزاد تھے مگر تیس دن میں وہ سرخ و سپید ہو گئے تھے انگور سے جو خون پیدا ہوا تو گورے چہرے پر خون کی سرخی نے ان میں تنومندی اور توانائی کا زبردست لہر دوڑا دی اب میاں بشیر نئے سرے سے جوان تھے بیماری کا وہم اور علاج کا سودا کوسوں دور تھا۔

شام کو احمد نے ان سے کہا میاں بشیر اب تم وطن جاؤ اور دس بیس روز گھر رہ کر پھر علی گڑھ جا کر وکالت کا امتحان پاس کر لو۔

میاں احمد کو اس کے بعد دو ماہ تک میاں بشیر کی خبر نہ ملی یکایک ایک دن ایک لفافہ ملا وہ بھی کوئی ڈھائی ماہ بعد جس میں میاں بشیر نے دبی زبان سے میاں احمد کا شکریہ ادا کیا تھا اور ساتھ ہی اس کی خوشخبری دی تھی کہ میاں بشیر کی بیوی امید سے ہیں ——— اور تقریباً دس ماہ بعد فرزند نرینہ ہونے کی خبر ملی۔

دن جاتے دیر نہیں ہوتی اس واقعہ کو ۲۴ برس گزر گئے اب میاں احمد پچاس سے تجاوز کر چکے تھے (از ضعف ...)

ایک غیر مہذب جزیرہ

آج کل کا انسان مہذب زیادہ ہے اور انسان کم! اس کی وجہ یہ ہے کہ تہذیب کی قدر انسانیت سے بڑھ کر ہے۔ موجودہ تہذیب صنعتی انقلاب کی رہین منت ہے اور مشین کے بل بوتے پر قائم ہے مشین کل کا دخل ہماری زندگی میں جاری و ساری ہے۔ فلک شگاف عمارتیں۔ جاگتی جگمگاتی سڑکیں سبک رفتار کاریں۔ ریڈیو اور فلم ہماری تہذیب کے بہت بڑے کارخانے ہیں لیکن ان کارناموں نے انسانی زندگی کو اتنا مہذب بنا دیا ہے کہ ہماری مسرتیں اور احساسات تک مصنوعی اور میکانکی بن کر رہ گئے ہیں صحت مند جذبات اور ان کے تقاضے اس مشینی دور میں اول تو پیدا ہی نہیں ہوتے اور اگر ہوتے بھی ہیں تو کس مپرسی کی حالت میں سسکتے رہتے ہیں۔ کسی "مہذب انسان" سے ملئے اور بات چیت کیجئے (اگر اس کا شرف شاذ و نادر ہی ہوتا ہے) آپ فوراً محسوس کر لیں گے کہ آپ کا مخاطب مہذب پہلے ہے اور انسان بعد میں۔ تصنع اور نمائش بے حسی اور کم فہمی کا یہ جیتا جاگتا مجسمہ زندہ رہتے ہوئے بھی زندگی اور اس کی حقیقی مسرتوں سے نا آشنا رہتا ہے مشینی تہذیب کو ہماری زندگی میں اتنا دخل مل رہا ہے کہ اگر ہمارے مہذب بننے کی رفتار یہی رہی تو بہت جلد انسانی نسل ارتقائی منازل طے کر کے انسانیت کے فرسودہ اور زنگ خاے کو بالکل اتار پھینکے گی۔

معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مستقبل کا مافوق البشر نہ تو نٹشے کا پرستار طاقت ہوگا اور نہ اقبال کا مرد قلندر بلکہ ایک انسان نما مشین یا مشین نما انسان ہوگا جس کے جذبات مردہ اور احساسات سرد ہوں گے جو راحت و غم سے بیگانہ ہوگا اور نفرت و محبت سے نا آشنا۔ مستقبل کے اس انسان کی جھلک ہمیں تہذیب حاضرہ میں نظر آتی ہے آج کل کی مشینی تہذیب ہمارے جذبات اور محسوسات کو میکانکی اور مصنوعی طریقوں سے تسکین دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارے جذبات اس لطیف جوہر کو کھو بیٹھتے ہیں جو انسانیت ہی نہیں خود زندگی کی جان ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ مشین اور صنعتی ترقی کو فروغ دینا دنیا کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے پیش نظر ضروری ہو گیا ہے اور ویسے بھی مشینی ترقی بذات خود کوئی بری چیز نہیں۔ ہماری بدقسمتی تو یہ ہے کہ

مشین خادم کی بجائے ہماری مخدوم بن گئی ہے یعنی صنعتی ترقی اس زمانے میں مشین پرستی ہے۔ صنعتی ترقی اور مشین پرستی میں وہی فرق ہے جو مصلحت اندیشی اور مصلحت پرستی میں ہوتا ہے مشین پرستی کا لازمی نتیجہ وہ گھناؤنی مادہ پرستی ہے جس نے یورپ اور امریکہ کے توانا جسم کو بے روح بنا دیا ہے انسانی زندگی کو صرف مالی برتری اور دنیاوی اقتدار کے لئے وقف کر دینا آج کل کی تہذیب کا بہت ہی مہذب اصول ہے۔ امریکہ میں تو یہ لعنت اس حد تک پہونچ چکی ہے کہ انسانی قابلیت اور شخصیت کی کسوٹی صرف مالی خوشحالی ہے یہ اس مکروہ مادہ پرستی ہی کی وجہ ہے کہ فلک شگاف عمارتوں بھاری بھر کم مشینوں اور بڑی بڑی فیکٹریوں کے باوجود "مہذب" انسان حقیقی مسرت اور آسودہ خاطری سے محروم رہتا ہے جب صحت مند جذبات اور محسوسات تسکین نہ پائیں جب دل و دماغ کے تقاضے پورے نہ ہوں جب تمام زندگی پیسے کے محور کے گرد گھومے تو ایک مکمل و مطمئن زندگی کیسے بسر کی جا سکتی ہے؟

اول تو روزگار کی چکی کروڑوں انسانوں کو اس بری طرح پیستی ہے کہ ان غریبوں کے لئے روٹی کے علاوہ کچھ اور سوچنا ممکن ہی نہیں پیٹ کے تقاضے ان کی تمام کائنات ہیں۔ جن خوش نصیب لوگوں کو غم روزگار سے کچھ فرصت ملتی ہے وہ زندگی کو ہنسی خوشی بسر کرنے کی بجائے اور زیادہ دولت اور اقتدار حاصل کرنے میں گنوا دیتے ہیں۔ موجودہ تہذیب کروڑوں ننگے بھوکے انسانوں ہی کو زندگی کی لذتوں سے محروم نہیں رکھتی بلکہ ان لوگوں کو بھی حقیقی مسرتوں سے نا آشنا رکھتی ہے جو مالی اعتبار سے آسودہ خاطر اور خوشحال ہیں۔

لیکن اس زمانے میں بھی ہماری مہذب دنیا سے الگ تھلگ زمین کے کچھ قطعات ایسے ہیں جہاں انسان زندگی کو ہنسی خوشی بسر کرتا ہے جہاں پر صحت مند انسانی جذبات اور محسوسات کو "مہذب" بنانے کی کوشش نہیں کی جاتی جہاں زندگی کا مقصد مالی برتری اور دنیاوی اقتدار کی بجائے خلوص اور محبت

ہے جہاں کے باشندوں کے رہن سہن کھانے پینے تفریح و کام میں توازن اور حسن ہے زمین کے ان "غیر مہذب" قطعات میں ایک جزیرے کو خاص اہمیت ہے اس کا نام لوآتی ہے اور یہ آسٹریلیا کے قریب فرانس کا ایک مقبوضہ علاقہ ہے۔ یہاں کے رہنے والے رنگت کے گورے تو نہیں ہوتے لیکن ان کی جلد نہایت ہی چمکدار درخشاں ہوتی ہے ان کے بال گھنے ہوتے ہیں اور آنکھیں بہت ہی خوبصورت، لباس سے انہیں کوئی خاص رغبت نہیں اور اگر لباس پہنتے بھی ہیں تو پچیس تیس برس کی عمر کے بعد خوش مذاق اور خوش سلیقگی۔ ہنس مکھ پن اور زندہ دلی ان کا قومی سرمایہ ہیں یہی وہ چیز ہے جو ان لوگوں کو ہم سے ممیز کرتی ہے۔ موسیقی اور رقص سے تو گویا انہیں عشق ہے اور ان فنون سے ان کا لگاؤ اتنا ہی گہرا اور سچا ہے جتنا امریکنوں کا موٹر کار سے۔ ان کے یہاں وحشی اور غیر مہذب اس شخص کو کہتے ہیں جس کی آواز بھدی اور چال ڈھال غیر متوازن ہو جو کام کاج اور تفریح میں بھونڈے پن کا اظہار کرے جو رقص اور موسیقی سے نابلد رہے۔

موسیقی کا ترنم اور رقص کا توازن ان کی زندگی کو مترنم اور متوازن ہی نہیں بناتا بلکہ مسرور اور مطمئن بھی۔

ان لوگوں میں چوری شاذ و نادر ہی ہوتی ہے اور ہو بھی کیوں؟ قدرت کی دولت اور انسانی محنت کے پھل سب کے لئے ہیں سب ان میں برابر کے شریک ہیں کوئی چیز کسی کی ذاتی ملکیت نہیں۔ یہ لوگ چھوٹے چھوٹے قبیلوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ہر قبیلے کا ایک سردار ہوتا ہے۔ جس کا انتخاب قبیلے والے کرتے ہیں باہمی جھگڑوں اور تنازعوں کا فیصلہ یہ سردار کرتا ہے۔ ان لوگوں کے جنگ کے اصول بہت ہی انوکھے ہیں دشمن پر بے خبری کے عالم میں حملہ کرنا انتہائی بزدلی خیال کیا جاتا ہے۔ لڑائی سے کم از کم ایک ہفتہ پہلے اطلاع دے دی جاتی ہے عورتیں بچے اور بوڑھے جنگ کی تباہ کاریوں سے بالکل محفوظ رہتے ہیں جو ہی کسی فریق کا جانی نقصان ایک درجن سے تجاوز کر جاتا ہے لڑائی فوراً بند کر دی جاتی ہے اور اگر تمہید لڑائی کے بعد [illegible] کر سکتے ہیں اور ہنسی خوشی زندگی بسر کرتے ہیں۔

لوآتی جزیرے کے یہ باشندے ہماری تہذیب سے بہت دور الگ تھلگ رہتے ہیں گو ہماری بجر[illegible] مشینیں۔ عالی شان عمارتیں اور سبک رفتار موٹر کاریں ان لوگوں کو میسر نہیں ہیں لیکن ان کی زندگی ان تمام نعمتوں سے بھرپور ہے جو زندگی کی زندگی بناتی ہیں خود غرضی اور لالچ تصنع اور بناوٹ مالی برتری کی جد و جہد اور دنیاوی اقتدار کی ہوس ان کی معصوم مسرتوں کو آلودہ نہیں کرتی۔ ان کی زندگی عبارت ہے حسین اور محبت سے، ایثار اور خلوص سے سادگی اور خوش سلیقگی سے، ان کے احساسات لطیف ہیں اور جذبات رنگین، ان کی سادگی پرکار ہے اور پرکاری سادہ۔ محبت ان کا مذہب ہے اور حسن ان کی دنیا —— اور "تہذیب" ان سے کوسوں دور ——

"قندیل"

مشق طبیباں

(بسلسلہ صفحہ [illegible])

اتفاق سے احمد کو میاں بشیر کے وطن اپنے کام سے جانے کا اتفاق ہوا ایک رات کے لئے میاں بشیر کے مہمان ہوئے۔ دیکھا کہ میاں بشیر نبض پر ہاتھ رکھے زرد چہرہ بیمار صورت لئے ہوئے تپ کہنہ کی شکایت کر رہے ہیں۔

احمد:۔ میاں بشیر! پر لگنے زمانے لگے اب نہ وہ ہم رہے نہ وہ چمن کے رستے انگور رہے —
اب تمہارا علاج میرے بس کا نہیں ہے۔

بشیر:۔ (ٹھنڈا سانس بھر کر)

موت ہی سے کچھ علاج درد فرقت ہو تو ہو
غسل میت ہی ہمارا غسل صحت ہو تو ہو

علمی ادبی اخلاقی سیاسی مضامین ارسال کئے جا سکتے ہیں

دنیا کا حال

ڈاکٹر سوشیلا نائر امریکہ میں

واشنگٹن ۱۲ اگست ڈاکٹر سوشیلا نائر جو مہاتما گاندھی کی خاص معتمد رہ چکی ہیں آج کل یہاں آئی ہوئی ہیں۔ ممالک متحدہ امریکہ کے جنوبی حصوں کے طبی حالات کے مطالعہ کی غرض سے تشریف لائی ہیں۔ ڈاکٹر نائر یہ امید کرتی ہیں کہ وہ ان مسائل کا حل تلاش کر سکیں گی جو ہندوستان کی عظیم ترین ہستی کی نگاہ میں بڑی اہمیت رکھتے تھے کہ کس طرح ہندوستان کے محدود طبی وسائل کو عورتوں اور بچوں کی نگہداشت میں مفید ترین طریقہ سے صرف کیا جائے۔

ان کا یہ کہنا ہے کہ گاندھی جی یہ چاہتے تھے کہ میں اس مقصد کو حاصل کرنے میں ان کی مدد کروں اور ان کی تاکید تھی کہ میں اپنا کام خصوصاً دیہاتوں علاقوں تک محدود رکھوں۔

انھوں نے کہا کہ مجھے امید ہے کہ میں امریکہ کے جنوبی علاقوں میں یہ دیکھ سکوں گی کہ وہاں طبی آسانیاں فراہم کرنے کا کیا انتظام کیا جاتا ہے نرسیں اور دائیاں کس طرح یہ خدمات انجام دیتی ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا۔ غالباً یہ مطالعہ ہندوستان کے لئے بہت بیش قیمت ثابت ہوگا جہاں طبی آسانیاں شہروں تک محدود ہیں گاندھی جی کا تذکرہ کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ دنیا انھیں بہت بڑا سیاست داں سمجھتی ہے لیکن حقیقت میں وہ ایک تعمیری سماجی مصلح تھے اور یہ چاہتے تھے کہ غریب سے غریب اور ادنیٰ سے ادنیٰ انسان بھی طبی آسانیوں سے محروم نہ رہے اور ایسی تعلیم چاہتے تھے کہ ہندوستان کے سات لاکھ دیہاتوں میں کوئی بچہ تعلیم سے بے بہرہ نہ رہے وہ چاہتے تھے کہ دیہاتوں کے رہنے والوں کو زندہ رہنے کا سلیقہ آجائے۔ تندرستی اور صفائی کے اصولوں کو سمجھیں اور لوگوں کے فریب اور مکاریوں سے محفوظ رہ سکیں۔

برما میں بغاوت کے شعلے

جنوبی مشرقی ایشیا میں بغاوت کی جو چنگاریاں ملایا میں پیدا ہوئی تھیں وہ انتہائی شعلہ ساماں ہو کے ساتھ برما کی طرف بڑھتی جا رہی ہیں۔ اور اب ان شعلوں کی لپیٹ میں آ چکا ہے۔ حالات نازک سے نازک تر ہوتے جا رہے ہیں۔ اور یہ اندیشہ بھی ہے کہ یہ ملک جس نے حال ہی میں نوآبادیاتی نظام سے آزاد ہو کر جمہوریت کی طرف قدم بڑھایا ہے کہیں اس کا سیاسی ڈھانچہ بھی تبدیل ہو جائے۔

۱۳ اگست کو برما رائفلس کے ۳۰ سو سپاہی باغی ہو گئے اور رنگون فتح کرنے کی جد و جہد کی لیکن وفادار سپاہیوں نے ان کے ارادے پر پانی پھیر دیا اور وہ بدنظمی کے عالم میں بہت سا سامان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس وقت سے ایک برما کی فضا میں انتشار پھیلا ہوا ہے اور رنگون کی ایک رات بھی نہیں گذری اور اب بغاوت کے یہ شعلے برما کے مختلف حصوں میں پھیلتے جا رہے ہیں۔

حالات اب اتنے نازک ہو گئے ہیں کہ برمی جمہوریت کے صدر نے سارے ملک میں فوجی قانون نافذ کر دیا ہے۔ اور یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ اب حکومت خود کو بغاوت کے مقابلہ میں کمزور پا رہی ہے۔ باخبر حلقوں کا یہ بھی کہنا ہے۔ کہ ملکی حکومت نے ... برطانوی حکومت سے فوجی امداد طلب کی ہے تاکہ اس اشتراکی بغاوت کو کچلا جا سکے اس طرف برطانوی حلقوں میں یہ تجویز زیر غور ہے کہ برطانوی شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کے لئے برطانوی دستے بھیجے جائیں یا نہیں۔

ملکی حلقوں میں اس تجویز پر بھی غور کیا جا رہا ہے کہ مکمل اختیارات کی ایک جنگی کونسل بنائی جائے جس میں وزیر دفاع کے علاوہ دیگر بااختیار فوجی افسران بھی ہوں اور ہر جگہ ہر قدم اٹھانے کا پورا اختیار ہو۔

تازہ ترین اطلاعات شاہد ہیں کہ ... انگریزوں، اراور کی سلاشہر خالی کر دیا ہے۔ اور اس پر اشتراکی باغیوں نے قبضہ کر لیا ہے۔

فلسطین

فلسطین کی عرب اعلیٰ کمیٹی نے ایک بیان میں اپنے اس مقصد کا ذکر کیا ہے۔ کہ فلسطین کی آزادی کے لئے جہاد شروع کیا جائے گا۔ یہ مقصد حاصل کرنے کے لئے ضروری انتظامات کئے جائیں گے جو دوسرے ممالک سے تعلق رکھتے ہیں۔ لیکن فلسطین کی جد و جہد میں حصہ لینا چاہتے ہیں۔

قاہرہ کے مشہور اخبار المصری کے ناشر محمود الفتح نے نیویارک پہونچ کر ایک بیان دیتے ہوئے یہ بتایا کہ مجلس اقوام متحدہ کا اعتماد عرب اقوام کے دلوں میں تیزی سے گھٹتا جا رہا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ بعض حلقوں کا خیال ہے کہ عرب ممالک کو مجلس اقوام سے علیحدہ ہو جانا چاہئے۔ لیکن وہ مجلس اقوام سے علیحدگی اختیار کرنے میں پہل کرنا نہیں چاہتے۔ ابوالفتح امریکہ میں اشاعت کے لئے سامان خریدنے کے لئے گئے ہوئے ہیں وہ خود مصر کے سینٹ کے ممبر ہیں اور ان کے ساتھ وفد اور ممبران بھی ہیں۔

انھوں نے کہا کہ ہمیں سخت افسوس ہے کہ برطانیہ اور دوسرے ملکوں نے جنگ کے زمانے میں جن اصولوں کی حمایت کی تھی انھیں اب بالکل فراموش کر دیا ہے۔ آج کسی اصول کو اصول کی حیثیت سے نہیں تسلیم کیا جاتا بلکہ عموماً روس سے سودا چکانے کے لئے اصولوں کا استعمال کرنا مناسب سمجھا جاتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ مصر کے یہودی بھی فلسطین کے مسئلہ پر عربوں کی حمایت میں ہیں۔ اور انھوں نے عربوں کی کافی مدد کی ہے۔

دوسری طرف یہودیوں کی فوج ارگن نے بیت المقدس کے فوجی گورنر ڈاکٹر برنارڈ جوزف کو یہ اطلاع دی ہے۔ کہ اس نے ان کا اختیار تسلیم کر لیا ہے ارگن کی فوجی حیثیت اب ختم ہو گئی ہے۔ اور گن سے یہودیوں کی سرکاری فوج سے ملحق کر دیا گیا ہے۔

افغانستان کی آزادی کا تیسواں سالانہ جشن

افغانستان میں ۱۴ اگست سے آزادی کا جشن شروع ہو گیا افغانستان کے تمام حصوں سے ہزارہا اشخاص کابل میں جمع ہوئے جو اس جشن کا خاص مرکز تھا۔

صبح اعلیٰ حضرت ظاہر شاہ کابینہ کے ممبروں کے ساتھ سلام خانہ تشریف لے گئے مختلف صوبہ جات کے گورنر اور دیگر ذمہ دار عہدہ دار افغانستان کو مبارک باد دینے کے لئے موجود تھے۔ اس کے بعد شاہ افغانستان جشن حضوری تشریف لے گئے جہاں تمام وزراء اور سفراء موجود تھے جشن حضوری میں افغانی فوج کے دستوں کا معائنہ ہوا اور شاہ افغانستان نے جنگی گھوڑے پر سواری کی اور افغانستان کے وزیر دفاع سردار محمد عمر خان نے سرکاری طور پر فوجوں کی کمان شاہ افغانستان کے حوالہ کر دی اس کے بعد شاہ نادر شاہ کے مقبرہ پر پہونچ کر سلامی دی گئی۔ فوجی دستوں کے معائنہ کے بعد ظاہر شاہ سلامی لینے کے مقام پر گئے جہاں سے انھوں نے فوجی دستوں کی سلامی لی۔ افغانستان کی ہوائی فوج کے طیاروں نے بھی سلامی دی۔ شام کو شاہ افغانستان نے افغانستان کی قومی نمائش کا افتتاح کیا رات کو کابل میں چراغاں کیا گیا۔ یہ جشن ایک ہفتہ تک جاری رہے گا۔

ملایا کی حالت سدھر گئی

ملایا کے برطانوی کمشنر اسٹر میکڈانلڈ نے سنگاپور نشر گاہ سے ایک تقریر نشر کرتے ہوئے بتایا کہ ملایا میں حالات پر قابو پا لیا گیا ہے اور دفاعی انتظامات مکمل کئے جا چکے ہیں۔ گورنر ملایا باغیوں سے لڑنے کے لئے ایک نئی فوج بنائی گئی ہے۔ انھوں نے یہ بھی بتلایا کہ خفیہ ذرائع سے یہ پتہ چلا ہے کہ اشتراکی باغیوں نے ملایا میں سوا گست کو سوویٹ جمہوریت قائم کرنے کی تجویز بنائی تھی اور اس تجویز کی رو سے مارچ میں مسلح بغاوت کرائی گئی اور مئی میں مزدوروں میں بڑے پیمانہ پر بےچینی پھیلائی گئی۔

بہر حال اب تحریک میں کوئی دم باقی نہیں ہے۔ اور کہیں اس کا کوئی وجود بھی ہے۔ تو اُسے بھی ہماری فوجیں اور ہوائی طاقت کچل کر رکھ دے گی۔

یہ جنوبی افریقہ کی خبر ہے

کیپ ٹاؤن کی ریل گاڑیوں میں ایسے ڈبے چلنے لگے ہیں۔ جو سفید اقوام کے لئے مخصوص ہوتے ہیں۔ پتہ چلا ہے کہ یہ انتظامات بڑی خوبی سے چل رہے ہیں۔ یا چلائے جا رہے ہیں اور کوئی حادثہ نہ ہوا۔

جنوبی افریقہ کے وزیر مراسلات نے کہا ہے کہ یہ نیا انتظام محض ایک تجربہ ہے اور اس کی روشنی میں آئندہ کیا ہوگا یہ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

شام میں نئی وزارت

جمیل مردان بے کی وزارت نے جمعرات ۱۹ اگست کو استعفیٰ پیش کر دیا لیکن وہ

موزہ!

(روسی دفتری حکومت کا طنزیہ خاکہ)

ایک روسی ادیب

ہمارے ہاں ٹرام کے اندر موزہ کھونے میں
کمال ہوگیا ہے ایک طرف سے لوگوں نے دبا دیا
مجھے کھسکنے کے لئے دھکا دیا سےنے نے آپکے
ٹانگے موزے کی ایڑی پر اپنا پیر جھوڑ دیا آپ
آگئے ہیں سے اور موزہ غائب! یا گر کر کھا کر گرتا
میلی بات ہے اور صاحب میرا موزہ تو ایسا کچھ
جٹ پٹ پیر سے کھینچ گیا۔ بس آنکھ جھپکی اور
مال غائب نہ کچھ کہہ سکا اور نہ سُن سکا۔

جب ٹرام میں بیٹھا تھا تو دونوں پیر کے
موزے موجود تھے۔ ٹھیک۔ درست مجھے
ایسا یاد ہے۔ جیسے ابھی کی بات ہو میں تو
جانوں سوار ہوتے وقت میں نے ہاتھ سے
چھوکر دیکھ بھی لیا تھا۔ کچھے صاحب موجود
تھے۔

مگر ٹرام سے اترا ہوں تو ایک موزہ وہ جو
مجھے زیادہ پسند تھا موجود ہے۔ مگر دوسرا
غائب۔ کتاب تھی وہ موجود ہے، پاتہ بہتھا تو ہے
تیلون عاضر جناب مگر موزہ غائب ہے کیا کیجئے
آپ کچھ ٹرام کے پیچھے دوڑ تو سکتے نہیں نا
چار دوسرا موزہ بھی اتارا۔ اور اسے اخبار
میں لپیٹ کے گھر آگیا۔ جب میں سوچا آگے بڑھا
جی میں سوچا "کام تو ختم کروں، تو موزہ کی تلاش
کی فکر کروں گا چیز تھی۔ کام کی۔ کام کی چیز کو
کوئی یوں تو ہاتھ سے دے نہیں دیتا جیسے
تیسے کہیں نہ کہیں سے ڈھونڈ ہی نکالو نگا"

کام کرچکا تو تلاش شروع کی۔ پہلے اپنی
جان پہچان کے ٹرام چلانے والے سے
مشورہ کیا۔ اس نے فوراً ہی بڑی امید دلائی
کہا "شکر کرو۔ شکر کہ موزہ ٹرام میں کھویا۔
اور کہیں کھو یا ہوتا تو میں کیا بتاؤں کسی
اور کی طرف سے کیا کہہ سکتا۔ مگر بھائی ٹرام
میں کھونا تو مقدس امر ہے۔ ہمارا گم شدہ
چیزوں کا دفتر، کیا پوچھئے ہو سالیا ہے کہ
بس پہنچ لیجئے اور چیز موجود۔ سچ کہتا ہوں
مقدس معاملہ مقدس ہے"

میں نے کہا "اچھا بھائی تمہارا بہت
بہت شکریہ تم نے تو میرے سر سے بڑا بوجھ
ہٹا دیا اس لئے کہ بھائی موزہ کبھی تو تقریباً نیا
تھا جبھی جھل زیادہ سے زیادہ تین چار ٹیسے
گذرے ہوں گے۔

میں دوسرے ہی وقت گم شدہ چیزوں
کے دفتر میں گیا۔ "پوچھا کہ کھویا ہوا موزہ
بھی واپس مل سکتا ہے۔؟ ٹرام میں پیر سے
نکل گیا تھا ٹرام میں"

"کیوں نہیں مل کیوں نہیں سکتا کیسا
موزہ تھا؟"

میں نے کہا "معمولی قسم کا موزہ ہے
نمبر ۱۲"

جواب ملا "ہمارے ہاں ابھی ۱۲ نمبر ناپ
کے بارہ ہزار موزے ہیں۔ اپنے موزے کی ذاتی
صفات بتاؤ"

میں نے جواب دیا "صفات ذاتی بھی
یہی معمولی قسم کی ہیں۔ ایڑی البتہ ٹوٹی ہوئی ہے
اور اندر کا استر...... ہاں استر ہے نہیں
گھس کر نکل گیا ہے"

انھوں نے کہا "تمھیں ان صفات
کے بھی ہزار سے اوپر موزے یہاں ہیں۔
تمہارے موزے میں کوئی خاص علامات
نہیں ہیں؟"

میں نے کہا "ہاں ہیں۔ خاص علامات
ہیں انگوٹھے کے پاس سے جو پنج یوں سمجھئے کہ
بالکل پھٹ گئی ہے۔ اس جگہ مشکل ہی سے
کچھ سہارا دیتا ہے اور پیچھے کی طرف" ٹا بھی
نہیں۔ ہاں تقریباً ختم ہی سا ہے۔ جا بجا
گھس گیا ہے۔ لیکن پہلوؤں پر ہاں پہلوؤں
پر بالکل ٹھیک ہے۔ ایسا گیا گذرا نہیں
ابھی چل سکتا ہے"

فرمایا "ٹھہرو، ہم دیکھتے ہیں" جو اندر
گئے تو میرا موزہ لئے ہوئے "اوہ واہ اُچھل
سے میرا دل کیسا اچھلا ہے۔ کیا مسرت تھی
جی میں نے کہا "ریاست کا بھی کیا انتظام ہے
اور وہ کیا لوگ ہیں۔ کیا کیا زحمت انھوں
نے اٹھائی اور سب میرے ایک موزے
کے لئے۔ میں نے ان سے کہا "جیتے جی آپ کا
شکر گذار رہوں گا۔ لائیے تو میں اسے ابھی
پہن لوں"

جواب ملا "نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا ہم
تمہارے نام موزہ نہیں جاری کر سکتے ہمیں
کیسے معلوم ہو کہ تمہارا موزہ کھویا تھا"

میں نے کہا "میں کو بتا چکا ہوں میں
نے ہی کھویا تھا۔ میرا ہی ہے"

انھوں نے کہا "بہت ممکن ہے
لیکن ہم اسے جاری نہیں کر سکتے۔ ایک
صداقت نامہ بدیں مفاد کہ تم نے ہی یہ موزہ
کھویا تھا محلہ کی کمیٹی کا صداقت نامہ لے
آؤ۔ تو سمجھیں۔ زیادہ دوڑائیں گے
نہیں مزید ضابطہ کی کارروائی بغیر موزہ
تمہارے نام جاری کردیں گے"

"ارے لوگو" میں نے کہا "معزز
ساتھیو! غریب محلہ کی کمیٹی کو اس کی کیا خبر وہ
واقعہ سے بالکل ناواقف ہے۔ وہ تو مجھ کو
صداقت نامہ نہ دیں گے۔"

انھوں نے کہا "نہیں دیں گے کیوں
نہیں۔ صداقت نامے دینا ان کا کام ہے"

میں نے حسرت سے ایک نظر اپنے
موزہ پر ڈالا اور باہر نکل آیا دوسرے دن
محلے کی کمیٹی کے صدر کے پاس گیا۔ عرض کی
"صداقت نامہ دے دیجئے۔ وہ میرا
موزہ ختم ہوا جاتا ہے"

انھوں نے فرمایا "مگر یہ بات سچ
بھی ہے کہ تمہارا موزہ کھو یا تھا۔ کسی دوسرے
کا موزہ تو نہیں کہ تم اس کا نام نہیں جانتے؟"

میں نے کہا "بخدا میں نے ہی کھویا
تھا"

انھوں نے فرمایا "اچھا تو بیان
حلفی داخل کرو" میں نے بیان کا فارم بھر دیا
دوسرے دن جب حاضر ہوا تو صداقت نامہ
مل گیا۔

یہ صداقت نامہ لے کر گم شدہ چیزوں کے
دفتر پہنچا اور ان لوگوں نے واقعی مزید ضابطہ
کی کارروائی کے بغیر میرا موزہ مجھے دیدیا۔ جب
کہ موزہ میرے پیر میں تھا۔ کیا کہوں کہ
مجھ پر کیا کیفیت طاری تھی۔ جی میں کہہ رہا
تھا۔ دیکھو ریاست کا بھی کیا انتظام ہے
کہ پس ماندہ غیر ترقی یافتہ ملک میں کیا کوئی
میرے موزے کے لئے اتنا وقت صرف کرتا
اور اتنی زحمت اٹھاتا؟ نہیں ہرگز نہیں بس
اسے ٹرام سے اٹھا کر پھینک دیتے اور معاملہ ختم
ہوتا۔ لیکن یہاں ابھی ہفتہ ڈیڑھ مشکل سے
ایک ہفتہ ہوا ہے اور میرا موزہ مجھے واپس
مل گیا۔ کیا انتظام ہے۔ واہ کیا انتظام ہے!"

لیکن ایک کسر ہو گئی۔ اس ایک ہفتہ کی دوڑ
دھوپ میں وہ ایک موزہ جو مجھے زیادہ پسند
تھا۔ وہ کھو گیا میں اسے کاغذ میں لپیٹ کر
بغل میں دبائے دبائے پھرتا رہا اور اب کچھ دن
کا تو یاد نہیں آتا کہ کہاں بھول آیا۔ مگر اصلی
مصیبت یہ ہے کہ ٹرام میں نہیں بھولا اب اسے
کہاں ڈھونڈنے جاؤں

لیکن خیر کبھی کیا ہفتہ لگتا ہے وہ
دوسرا موزہ تو ہے اور میں نے اسے اپنے کمرے
میں آتش دان کے اوپر رکھ دیا ہے جب
زندگی سے ذرا تھک جاتا ہوں "واہ کیسے
نظم و ادارے انتظام!"

پیری مریدی

بسلسلہ صفحہ (۴)

(۱) عربی اور فارسی مدارس میں اردو کے علاوہ کسی نہ کسی صوبہ جاتی زبان کی تعلیم لازمی کردی جائے۔

(۲) فضیلت اور عالم کی سند کے لئے یہ لازمی کردیا جائے کہ طالب دینیات گجراتی۔ مرہٹی۔ بنگالی اور یا جنوبی ہند کی کسی نہ کسی زبان میں مذہب یا مذہبی دلچسپی کی کوئی کتاب تصنیف یا تالیف کرے۔

(۳) جو ذی استعداد اس وقت اردو زبان میں تالیف و تصنیف کو منتہائے نظر سمجھے ہوئے ہیں وہ بھی اپنا نقطۂ نظر بدلیں اور صوبہ جاتی زبانوں میں تالیف و تصنیف کی فکر میں کریں۔

ہمارے علمائے کرام اور صوفیائے عظام کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ توپ، بندوق کا مقابلہ برچھے بلّم یا تلوار سے نہیں ہوسکتا۔ ہندو اور راشٹر کا جواب ایسے ہی کسی ... سے ہی کیا جاسکتا ہے۔ آج ہندو ... جی پکار پکار کر زبان اور کلچر کی دعوت دے رہے ہیں میرا دعویٰ ہے کہ اگر علمائے کرام مستعد ہو کر صوبہ جاتی زبانوں میں تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کردیں تو کل خود ... جی ہی اس کا شور مچائیں گے کہ مسلمان ہمارے مذہب دھرم میں مداخلت کر رہے ہیں علمائے کرام اور عامۃ المسلمین کو یہ خوب سمجھ لینا چاہئے کہ پاکستان کی تشکیل اور دو قومی نظریہ کی تائید کی غلط پالیسی کا ازالہ اگر ہوسکتا ہے تو اسی طرح کہ ہم صحیح اسلامی تعلیم کو بروئے کار لاکر ہر فرد تک ان کی مادری زبان میں اسلام کی تعلیم کو پہونچا دیں تاکہ مسلمانوں کے متعلق جو غلط ...

کیا آپ جانتے ہیں

(مرتبہ ظفر اسلام عباسی صاحب)

کہ دنیا میں سب سے زیادہ مسلمانوں کی آبادی ہندوستان میں ہے جس کی مجموعی آبادی دس کروڑ کے لگ بھگ ہے۔

کہ ہندوستان پر سب سے پہلا حملہ محمد بن قاسم رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔

کہ ٹوتھ پین کی ایجاد کا سہرا ایک امریکی شخص وارڈمین کے سر ہے جس کو اس نے ۱۸۴۰ء میں پایۂ تکمیل کو پہونچایا۔

کہ سب سے تیز رفتار مچھلی پانی میں ایک گھنٹہ ... میں ۲۵ میل کی مسافت طے کرتی ہے۔

کہ کپڑا سینے کی مشین ۱۸۳۰ء میں ایک فرانسیسی ... نے ایجاد کی۔

ہزار مرتبہ ... لیکن ... دل ... منٹ میں صرف ۲۰ مرتبہ حرکت کرتا ہے

کہ خوش اخلاق انسان عموماً لمبی اور طویل عمر پاتے ہیں۔

کہ انسان کا دل ایک دن میں ... من خون ... اور رگوں میں پھینکتا ہے۔

کہ جاپانی دنیا کے تناسب کے لحاظ سے عورتوں کا دماغ مردوں کے دماغ سے بڑا ہوتا ہے

کہ برف اور چائے کا استعمال صحت کے لئے مضر ہے۔

کہ عورت مرد کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔

کہ مخالفت سچائی کی کسوٹی ہے۔

کہ ضمیر کی آواز پر چلنے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا۔

کہ ضرورت ذریعہ پیدا کرتی ہے۔

کہ مغرور آدمی کی جگہ کسی سوسائٹی میں نہیں ہوتی۔

میرے پسندیدہ اشعار

(ظفر اسلام عباسی)

ہر انسان فرض انسانی سے غافل ہو گیا ہے
زمانہ آگ دینے کے قابل ہو گیا ہے
(شوکت تھانوی)

سمجھتا ہوں کہ دھوکا کھا رہا ہوں
مگر دل سے تجھے کو چاہ رہا ہوں
(اختر ...)

جنت کے مزوں کو یاد کرکے
تھوڑی سی کبھی شراب پی لیتا ہوں
(ضبط)

صدموں کو جدائی کے اٹھا کر اے دوست
آسان نہیں کچھ زیست بسر کر لینا
(نیاز اکبر آبادی)

نہ سمجھا جب حقیقت کو کسی نے
خدا پیدا کیا ہر آدمی نے
(افسر میرٹھی)

قیس و فرہاد ہوں یا سرور کہ مقصود جگر
ہم نے بے یار نہ دیکھا کسی دیوانے کو
(جگر مراد آبادی)

بہت سے رہ گئے ناگفتہ نکتہ ہائے لطیف
ملا نہ دہر میں وحشت کو ہمزباں کوئی
(وحشت)

عشق کا نام ہوا حسن کی ضو سے روشن
شمع پروان چڑھاتی رہی پروانے کو
(واقف صدیقی)

زبان شمع پر جب عشق کا افسانہ آتا ہے
تو جلنے کے لئے دل بن کے ہر پروانہ آتا ہے
(اکرم مظفر نگری)

یہ رازِ عشق نہ پروانہ پا سکا جل کر
وہ ایک شمع ہے جو تا سحر پگھلتی ہے
(ضیا فتح آبادی)

چمنِ سنبل کے غنچے کہیں دیکھنا ایسا نہ ہو
دیکھ لے گلچیں کہیں اور پیار سے اپنا نہ لے
(اسلم گورکھپوری)

بٹھلائے عرش پہ تو نے رکھا ہے واعظ
خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتناب کرے
(علامہ اقبال)

بہایا ہے خطا ہی خونِ دل نظروں کے تیروں سے
بڑی تکلیف ہوتی ہے فسانے کے سنانے میں
(گوہر گورکھپوری)

ترے ہوتے ہوئے اے ناخدا ڈوبے گی کیوں کشتی
مجھے ہے گرچہ طوفاں ہے بہت ہی دور ساحل
(ظفر اورنگ آبادی)

غزل

(اعجاز اکرم)

ہم داغ جگر کے پھولوں سے تزئینِ بہاراں کرتے ہیں
خود چاک گریباں رہتے ہیں تعمیرِ گلستاں کرتے ہیں

صیاد وہی گلچیں بھی وہی تقدیر گلستاں کیا بدلے
ہم اپنے چمن سے غیروں کی تسکین کا ساماں کرتے ہیں

خود اپنی لگی کو بھڑکا کر ہم وقت کے مارے دیوانے
تقدیر کے اندھے غاروں میں کچھ شمعیں فروزاں کرتے ہیں

مے خانۂ ہستی کے یکسر آداب بدلنے والے ہیں
یوں شکر ترے انعاموں کا اے رحمتِ یزداں کرتے ہیں

ہر موجِ بلا کو کشتی کے ہم رخ پہ لاکر چھوڑیں گے
کچھ روز تماشا اور بھی اے تندیٔ طوفاں کرتے ہیں

ہل تشکیلیشن (۱۴) ...

سیر سینما

ریگل	امپائر	اسٹرینڈ	ایروز	میٹرو	سواستک	اکسلسیر	راکسی
آلیور ٹوسٹ	البوقرقی	اسکیپ	گڈ سام	آن این آئیلینڈ ودیو	مٹی کے کھلونے	انجمن گڑھ	نہیا کے پار

آپیرا ہاؤس - ریوالی	ویسٹ اینڈ	منروا	کیپیٹول - کرشنا - دولت	امپیریل - چترا - تاج	ماولٹی
لال دوپٹہ	پارد	سبد	دیور	پیار کی جیت	درد

الفریڈ	کمل - جے ہند	لیمنگٹن - براڈوے	نیوروشن	رابل ٹاکیز
لیلیٰ	کھڑکی	دینا	لیلےٰ مجنوں	بلما

چارلس ڈکنس کا کلاسیکی شاہکار "آلیور ٹوسٹ"

ریگل

میں چارلس ڈکنس کا غیر فانی کارنامہ

Oliver Twist

دکھایا جا رہا ہے جو آرتھر جے رینکس کی کامیاب پیش کش ہے۔ ایک زمانہ تھا کہ برطانوی فلمیں محض تفریح کا سامان مہیا کرتی تھیں اور جنگ کے دوران میں ایسی فلمیں بنائی جاتی تھیں جو جنگ کی کوششوں میں امداد کا باعث ہوتی تھیں۔ اب چونکہ جنگ ختم ہو چکی ہے برطانوی فلم سازی ایک پلان کے ماتحت تیار کی جاتی ہیں، اور ان کی کامیابی کا سہرا آرتھر رینک کی کوششوں کا نتیجہ ہے جس نے اپنے تجربے کی بنا پر نہایت ہی اچھی فلمیں تیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس سے قبل ہم شیکسپیئر کا ہیملیٹ دیکھ چکے ہیں اور اس کی مقبولیت کا اندازہ صرف اسی سے کیا جا سکتا ہے کہ باوجود مسلسل تین ہفتے دکھائے جانے کے کئی ہزار شائقین تشنہ رہ گئے۔ لاکھوں جنہوں نے اس شاہکار کو پڑھا اور اس کے دیکھنے کا موقع نصیب نہ ہوا انہیں اس فلم میں وہ تمام باتیں ملیں گی جن سے ان کی تسلی ہو جائے گی۔ ہر سین دیکھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر بات کا بہت زیادہ خیال رکھا گیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ڈائرکٹر نے حقیقی زندگی کا اصلی نمونہ پیش کیا ہے جس سے تمام کردار جیتی جاگتی انسانی تصویریں بن جاتے ہیں۔ جان ہاورڈ۔ ڈیوس جس نے یتیم لڑکے آلیور ٹوسٹ کا خاص کردار ادا کیا ہے اپنی اداکاری سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس نے اچھے معصوم اداکاروں میں اپنی جگہ پیدا کر لی ہے اور پہلی بار پردۂ سیمیں پر حاضری دیکر یہ کارنمایاں کرنا اس کی صلاحیتوں کی بین دلیل اور کامیابی کا بہترین ثبوت ہے دوسرے اداکار جو مشہور کردار ادا کرتے ہیں اپنی اپنی جگہ چند نمایاں نظر آتے ہیں جو رابرٹ نیوٹن۔ ایلک گینیس۔ کے والش۔ فرانسس ایل سولیوان اور ہنری اسٹیفنسن جیسے منجھے اداکار اداکار انسانی کرداروں کا یہ مجلہ بے حد سبق آموز ہے اور بتا یا گیا ہے کہ انسان چند چاندی کے سکوں کے لئے بڑے سے بڑے جرم کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

ڈیوڈ لین کا ڈائرکشن اعلیٰ درجہ کا ہے اور اس فلم کی فنی خوبیاں بھی اعلیٰ درجہ کی ہیں یہ فلم سنجیدہ طبقہ میں بہت پسند کی جائے گی۔

میٹرو

میں میٹرو گولڈون میئر کا موسیقی سے پر شاہکار

On An Island With You

دکھایا جا رہا ہے جس میں ایستھر ولیمس کے خاص کام ہیں ان کے علاوہ پیٹر لافورڈ۔ رکارڈو مونٹالبن۔ سڈ چیرس اور جمی ڈورانٹ کے اہم کردار ہیں پلاٹ میں مذاق کی چاشنی جا بجا رکھی گئی ہے اور ایسے شاندار مناظر پیش کئے گئے ہیں جنہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے خاص کر ایستھر ولیمس کے پانی کے باہر اور اندر کے ناچ اور رکارڈو مونٹالبن اور سڈ چیرس کے ناچ بے حد روح پرور ہیں اور چونکہ فلم بالکل رنگین ہے اس لئے اس کا لطف دوبالا ہو جاتا ہے نیز قصہ کا محل وقوع ہوائی کا ایک جزیرہ ہے اس کے شاندار مناظر اور سین سینری سونے پر سہاگے کا کام دیتے ہیں۔

جمی ڈورانٹ اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہے جب کہ نانک کندھوں پر کام کا بہت زیادہ بار ڈالا جاتا ہے اور اس کے صبر و استقلال کی کوئی حد نہیں رہتی جبکہ اسے ایک فنی مشیر کی امداد حاصل کرنی پڑتی ہے وہ فنی مشیر پیٹر لافورڈ ہے پیٹر لافورڈ ولیمس اور مونٹالبن کے رومان کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ مس ولیمس کا اغوا کر کے اسے ایک جزیرے پر لے جاتا ہے اور اس عرصہ میں وہ اس سے محبت کرنے لگتی ہے اور ڈورانٹ کا پارہ اتنا تیز ہو جاتا ہے کہ وہ چند کلمات اپنے منہ سے ایسے نکالتا ہے جو سب کے لئے باعث تمسخر ثابت ہوتے ہیں۔ لافورڈ اور ولیمس کے رومان انگیز مناظر اور گانے قابل شنید و دید ہیں۔

نیو امپائر

میں مغربی طرز کا سنسنی خیز پیراماؤنٹ کا سینے کا

Albuquerque

کارنامہ دکھایا جا رہا ہے جس میں رینڈالف اسکاٹ، باربرا برٹن، جارج گیبی ہیز اور رسل ہیڈن کے شاندار کارنامے ہیں۔ تصویر میں رومان پرور دل ہلانے والے شاندار کارنامے ہیں واقعات ۱۸۷۵ء کے ہیں جن میں بتلایا گیا ہے کہ نیو میکسیکو کا ایک شہر ہے جہاں قانون جس کی لاٹھی اس کی بھینس سمجھا جاتا ہے رینڈالف اسکاٹ کے چچا کا راج تھا۔ رینڈالف اپنے چچا کے لئے کام کرنے کی غرض سے آتا ہے لیکن اسے پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک کینہ ور ہے وہ اپنے چچا سے لڑ جھگڑ کر ایک نوجوان شخص کی شرکت میں کام کرنا شروع کرتا ہے جس کی بہن سے وہ محبت کرتا ہے اس کا روبار کا رینڈالف کے چچا کے بیوپار پر اثر پڑتا ہے اور وہ بوڑھا شخص اپنے حریف کو زک پہنچانے کے لئے ہر قسم کی برائی پر اتر آتا ہے حتیٰ کہ وہ قتل کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتا جس سنسنی خیز طریقے سے اسکاٹ اپنے چچا کے ظلم و ستم کا خاتمہ کرتا ہے وہ قابل دید ہے۔

اسٹرینڈ

میں ڈونیٹ سنچری کا سنسنی خیز کارنامہ دکھایا جا رہا ہے جس کا قصہ گلیزورتھی کا غیر فانی ناول

Escape

جان گالسورتھی کے مقبول اسٹیج ڈرامہ سے اخذ کیا گیا ہے ریکس ہیریسن اور پیگی کمنس نے اس زور دار اور تیز رفتار ڈرامہ میں نہایت ہی عمدہ کردار ادا کئے ہیں اس فلم میں وہ تمام اجزا موجود ہیں جن سے فلم کو عام مقبولیت نصیب ہوتی ہے ایک شخص کو چند ناگزیر واقعات کی بنا پر قتل عمد کے جرم میں تین سال کی سزا دی جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ وہ بالکل بے قصور ہے اور یہی خیال اس کی جیل سے فراری کا محرک ہوتا ہے۔

خاص کرداروں کے علاوہ ولیم ہارٹنل، نارمن وولینڈ، جل ایسمنڈ اور فریڈرک لیسٹر جیسے منجھے ہوئے برطانوی اداکاروں کے کامیاب امدادی کام ہیں۔

ایروز

میں آر کے او ریڈیو کا شاہکار

Good Sam

دکھایا جا رہا ہے جس میں گیری کوپر اور این شیریڈن جیسے چوٹی کے اداکاروں کے خاص کام ہیں۔

یہ ایک مرد کا قصہ ہے جو اپنی نیکیوں اور اچھے کاموں کی وجہ سے بام عروج تک پہونچا جس کا اصول یہ تھا خیرات کر کے بھول جاؤ اور اسے یہ یاد نہ رہا کہ نیکی کرنے کا کوئی اصول بھی ہے اور ہمیشہ خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے اس نے اپنے مکان کے سکون میں تلاطم پیدا کر دیا جس سے اس کی ازدواجی زندگی خطرے میں پڑ گئی تھی لیکن کرسمس کی آمد سے معاملات سلجھ گئے اور خاتمہ بخیر ہوا۔

ESTHER WILLIAMS REVEALS HER FORM!

Curvaceous Esther Williams, India's favourite Bathing Beauty, reveals her form in and out of the water in M—G—M's gay musical, "On An Island With You," which has an exotic Hawaiian setting and is filmed in brilliant Technicolor. In addition to a dazzling array of costumes which show off her style to perfection, Esther dons a peach of a sarong and what a figure she makes !! Esther in a sarong is the sweetest thing you've ever seen and with Peter Lawford, Jimmy Durante, Ricardo Montalban, Cyd Charisse and Xavier Cugat on hand to provide the romance, laughs, songs and exciting dances, you will have the time of your life at the Metro which is featuring "On An Island With You" as their big Xmas attraction.

کامنی کوشل اور شمی کلا - آل انڈیا پکچرز کی تصویر "پگڑی" میں - جو عنقریب آرہی ہے -